"فو الله لأن يهدي الله بك رجلا واحدًا خير لک من أن يكون لک حمر النعم"

خدائے پاک کی قسم! (اے علیؓ) اگر تیرے ذریعے سے اللہ رب العزت کسی ایک آدمی کو بھی راہِ راست پر لا دے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (مسلم)

# شاہراہِ علم

## جامعہ کا پیغام طلبائے مدارس اسلامیہ کے نام

### خصوصی شمارہ

دورِ حاضر کی تحریکات، فتنے، فرقے، سازشیں اور ہمارا لائحہ عمل


زیر سرپرستی حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی

مدیر: ابوحمزہ     نائب مدیر: ابوعبدالفتاح


افترقت اليهود علىٰ احدى وسبعين فرقة وافترقت النصارىٰ على ثنتين وسبعين فرقة وستفترق امتى علىٰ ثلث وسبعين فرقة

حدیث افتراق کا اصل مقصد نہ تو ارباب فتن کی تعیین ہے نہ ان کی تعداد وشمار کو معین کرنا بلکہ اس کا مقصد افتراق سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ چیز ہونے والی ہے اور ہو کر رہے گی ان کو دیکھ کر گھبرانا ہمت ہارنا یا کسی متبع ہوئی وہوس کے دام تزویر میں پھنس جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے اس لئے گمراہیوں کے دور میں دامن سنت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے مختلف رکاوٹوں اور ماحول کی ناسازگاری کے باوجود سنت پر قائم رہنا تمہارا اصلی فریضہ ہے یقین محکم عمل پیہم اور عزم واستقلال کی وجہ سے جبل ثبات واستقامت بن کر رہنا کہ فرق منحرفہ کی کثرت اور مخالفین کی مخالفت تمہیں صراط مستقیم اور جادۂ استقامت سے متزلزل نہ کر سکے یہی تمہارا فرض منصبی ہے اور تمہارا امتیازی مینار ہے۔ (حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ)


جلد: ۲ شمارہ نمبر: ۱۵، ۱۶، ۱۷ ماہ: رجب المرجب، شعبان المعظم، رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

# فہرست:


اداریہ 1
اسلامی عقائد 2
اہلسنت والجماعت 12
اشاعرہ (امام ابوالحسن کی جانب منسوب ہیں) 44
ماتریدیہ 47
مسلک اہل سنت والجماعت 49
فرق اسلامیہ کا اجمالی تعارف 52


## تحریکات


دارالعلوم دیوبند۔ تحفظ واحیاء دین کی ایک عظیم تحریک 58
دارالعلوم دیوبند۔ ایک مکتب فکر ایک تحریک 65
شیخ محمد بن عبدالوہاب اور سلفیت کی دعوت 71
علمائے اہل سنت دیوبند اور فرقہ وہابیہ کے عقائد میں فرق 73
مصر کی قدیم ترین تحریک 'اخوان المسلمین' 74


## دور حاضر کے فتنے اور فرقے


نیا اسلام، ایک اور نیا فتنہ 78
عظیمی فتنہ۔ توہین رسالت کا ارتکاب، کفر بواح، جراءت ارتداد 80
الفرقان الحق۔ اکیسویں صدی کا امریکی قرآن 84
عورت اور مسجد کی امامت 91
عورت اور مسجد کی امامت۔ ایک تجزیہ 94
ان مجتہدین کو پہچان لیجئے 96
اہم شریف بانڈی پورہ میں مرزائیوں کے نئے برگشتہ امام مہدی 98
تحفہ گوہر شاہی 102
ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک اور اندیشے 106
جماعت اسلامی کی اساسی فکر، کوتاہی اور بے اعتدالی 116
فکر اصلاحی 122
جدید مفسرین، اصلاح امت کے نام پر 123
تنظیم بنام فکر ولی اللہ 125
فتنہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی 129
فتنہ اہل حدیث کا علمی وعملی جواب 136
"مناع للخیر" کو پہچان لیجئے 137
اہل حدیث حضرات سے چند باادب سوالات 140
غیر مقلدیت۔ وقت کا عظیم فتنہ 141
علمائے اہل سنت والجماعت دیوبند اور عصر حاضرہ کے معتزلہ کے مابین فیصلہ 145
ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیا روپ 149
فتنہ تجدد والحاد، اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام 150
تجدد واصلاح کا نعرہ۔ حقیقت کیا ہے؟ 158
فتنہ رفض اور انکارِ صحابہ 161
بریلویت۔ مختصر تعارف اور خاکہ 166
بہائیت 176
قادیانیت 181
داؤدی بوہرہ جماعت کی تاریخ 184
اشتراکیت (کمیونزم) ایک تعارف 186
یونس شیخ ملحد وزندیق ہے 188


## انکارِ حدیث


عجمی تصورات کے ادوار 193
عجمی سازش اور زوالِ امت 288
طلوعِ اسلام کے عجمی افکار 236
فتنہ انکارِ حدیث 238


## اسلام مخالف سازشیں


استشراق اور مستشرقین 244
گلوبلائزیشن 247
تہذیبی کشمکش میں این۔ جی۔ اوز کا کردار 255
پندرہویں صدی کا اعلامیہ 258
جدت پسندی ایک یہودن کے خیالات کی روشنی میں 260
اچھے مسلمانوں کی تلاش 260
امریکہ کے جارحانہ مذہبی عزائم ومنصوبے 265
عالم اسلام پر میڈیا کی یلغار 266

عصر حاضر کا اہم تقاضہ 286
قدیم فقہ اسلامی اور جدید مسائل کا حل 286
اسلامی قوانین میں اجتہاد و عقل کا مقام 290
اسلام اور دہشت گردی 294
عصر نبوی اور عصر حاضر کے نوجوان 296
کیا اسلام دہشت گردی کا پیغامبر ہے؟ 303
جہاد اور دہشت گردی، عصر حاضر اور تطبیقات 305
دور جدید کا فکری چیلنج اور دینی مدارس 307
جہاد، مستشرقین اور مغربی دنیا 316
ہدایات، اثنا عشریہ برائے طلبہ 319
طریق علاج لامذہبیت 321
طلبہ اپنے آپ کو آنے والے انقلاب کیلئے تیار کریں 325
آزادئ افکار ہے ابلیس کی ایجاد 328

## متفرقات

کیا کنفیوشش نبی تھا؟ 331
آزادی میں علماء اور مدارس کا کردار 334
ہر سکہ جہاں کا اشرفی تھا 335
مریخ کی اُلٹی چال اور معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 339
ایمان و سلامتی کا راستہ 341
اسلام اور زمانہ کے چیلنجز 344
''اقبال کے افکار کا مختصر جائزہ، خیالات کی روشنی میں'' پر تبصرہ 345
مراجع و مصادر 348

اداریہ:

# پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

**الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا و ماکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ، و الصلوۃ و السلام علیٰ افضل البشریۃ و الخلق محمد المصطفیٰ و المجتبیٰ وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ الطاھرین المقبولین و المصطفین. أمابعد!**

اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر ہم ادا کریں وہ کم ہے کہ اللہ رب العزت نے ایک ایسے دور میں جو فتنوں، مادیت اور جاہ پرستی کا دور ہے ایسے دور میں بھی محض اپنی توفیق خیر سے اپنے دین کے دفاع کیلئے ہم کو منتخب کیا اور اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ تادم اخیر اپنے پسندیدہ دین کے لئے سب کچھ قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے گا اللہ اور اس کے دین کی خاطر ہمارا وقت، ہمارا مال، ہماری عزت اور ہماری جان سب کچھ خندہ پیشانی کے ساتھ حاضر ہے انشاء اللہ وہ جو مانگے گا وہ ہم دیں گے ہم اسے دینے کے لیے تیار رہیں گے ہماری زندگی کا ہدف بس ایک ہے اور وہ ہے حصول رضائے الٰہی۔ جس کو جو سمجھنا ہو سمجھے، جو کرنا ہو کرے میرے ارادے اور میری نیت اور چاہت والوں کو ہم نے اللہ کے سپرد کر دیا: **فوضت امری الیک و لجأت ظھری الیک لا ملجأ و لا منجأ من اللہ الا الیک**۔ اللہ ہی ایسے لوگوں سے انشاء اللہ نمٹے گا چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو ہمارا قصور یہی تو ہے کہ ہم لوگوں کو خیر کی دعوت دے رہے ہیں بتوفیق الٰہی ہم نے اللہ کی نصرت کو الحمد للہ ہمیشہ شامل حال پایا ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ پاتے رہیں گے اس کی ایک مثال تو آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ کھڑے ہونے والے نئے فتنوں کے سلسلہ میں ہمارے دل میں ایک فکر بیدار کی کہ آخر امت کو ضلالت سے بچانے کی کیا صورت ہو تو ذہن میں آیا کہ **”دور حاضر کے فتنے، فرقے اور ہمارا لائحہ عمل“** کے موضوع پر شاہراہ علم کا خصوصی شمارہ ہی کیوں نہ شائع کیا جائے تاکہ اس میں صحیح اسلامی عقائد اور اہل سنت والجماعت کا مکمل تعارف اور از ابتدا تا امروز کھڑے ہونے والے فرقوں اور فتنوں کا اجمالی و تفصیلی تعارف اور اس سے بچنے کی تدابیر اور لائحہ عمل ہمارے اسلاف ہی کے قلم سے منتشر کو یکجا کر دیا جائے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی واضح ہو جائے اور اس طرح صراط مستقیم پر چلنے کی راہ آسان ہو جائے تو الحمد للہ ثم الحمد للہ صرف پندرہ ایام کی قلیل مدت میں اللہ رب العزت نے یہ کام کروا دیا ہمارا مقصد اس شمارے کو شائع کرنے کا صرف یہ ہے کہ طالبان علوم نبوت ان فتنوں سے آگاہ ہو جائیں اور اپنی غفلتوں اور فضول چیزوں میں اوقات کو صرف کرنا چھوڑ کر خوب محنت سے علوم دینیہ کو حاصل کرنے میں لگ جائے تاکہ وہ ان کے مقابلہ کے لیے پہلے سے تیار ہو جائے، کرکٹ اور سیر و تفریح اور ہنسی مذاق کو پس پشت ڈال کر علم میں گہرائی اور تعمق پیدا کرنے کی کوشش کرے ایک طرف دشمن پوری تندہی اور چالاکی کے ساتھ ہمارے خلاف سب کچھ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔ میڈیا کے ذریعہ، اخبارات کے ذریعہ، کتابوں کے ذریعہ اور جتنے اسباب ہو سکتے ہیں ان تمام کے ذریعہ بس اسی پروپیگنڈہ میں مصروف ہے کہ آخر کس طرح اسلام کی شبیہہ بگاڑی جائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے دلوں میں اسلام کی نفرت پیدا کی جائے اور اسلامی عبادات و معاملاتی مسائل سب پر بے جا اعتراضات قائم کئے جائیں اور اسلامی اقدارات کو انسانیت مخالف ثابت کیا جائے کبھی اسلام کے بارے میں یہ تصور پیش کیا جائے کہ یہ تلواروں کے زور پر پھیلا ہے کبھی کہا جائے کہ حدود اور تعزیرات انسانیت پر ظلم کے مترادف ہے کبھی کہا جائے کہ اسلام نے عورت پر پردہ وغیرہ کے ذریعہ ناانصافی کی ہے اسے آزاد ہونا چاہئے، کبھی یہ کہا جائے کہ سود کی حرمت صحیح نہیں ہے، کبھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ قربانی کا نظام بھی جانوروں پر ظلم ہے، کبھی روزہ کو بھوکے مارنے کا سبب بتایا جاتا ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ اسلام دہشت گرد مذہب ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ اذان کا نظام صحیح نہیں ہے، اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو نشانہ بنایا جاتا ہے کبھی قرآن کریم کو کبھی بلاواسطہ(Direct) اللہ رب العزت کی ذات بابرکات و پر عظمت کو داغدار کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف جیسے جیسے مغرب اسلام مخالف پروپیگنڈہ کرتا ہے لوگوں میں اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا ہے اسی لیے تو ابھی چند ماہ قبل فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں قرآن کریم کے ترجمے اتنی تیزی سے مارکیٹ میں نکل گئے ہیں کہ اس کی کمی محسوس ہونے لگی ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایک مرتبہ جب انسان قرآن کا منصفانہ نگاہ سے مطالعہ کرے گا تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس طرح گویا اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اب ظاہر بات ہے کہ ہم ہی اسلامی علوم سے کورے ہوں گے تو ان کا کیا جواب دیں گے، لہٰذا مخالفین کا جواب دینے کے لیے اور غیر مسلموں کو سمجھانے کے لیے پورے طور پر علوم اسلامیہ سے واقفیت ضروری ہے، ورنہ قادیانی اور مودودی اور پتہ نہیں کیسے کیسے اسلامی نام نہاد..... انہیں اپنی طرف مائل کریں گے اور بیچارے ہدایت پر آنے کے بعد گمراہی کے دلدل میں پھنسے رہیں گے، تعجب ہے کہ یہ لوگ تو محنت کر رہے ہیں اور ہم خواب غفلت میں پڑے سوئے ہوئے ہیں یہ تو اپنے آپ کو احیاء اسلام کا علمبردار کہتے ہیں جبکہ احیائے اسلام کا نعرہ لگانے والا اگر صحابہؓ کو، انبیاء کو برا بھلا کہے جنہوں نے ہم تک صحیح دین کو پہنچایا وہ کیسے احیائے اسلام کا دعویٰ کر سکتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ارے یہ کونسی بڑی بات ہے اگر برا بھلا کہہ دیا انکو تو کونسا بڑا جرم کر دیا، میں کہتا ہوں اس سے بڑا کوئی جرم ہی نہیں خود حدیث قدسی میں ہے ”من عاد لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب“ جو میرے ولی کو تکلیف پہنچائے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں جبکہ ولی کا اتنا بڑا

مقام ہوسکتا ہے تو نبی اور صحابی کا کیا مقام ہوگا آپ ہی اندازہ کرلیں۔

عزیزو! ہمیں تیار ہونا ہے اور اگر ہم تیار نہیں ہونگے تو اللہ ہم کو ختم کردے گا اور دوسرے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ کریں گے، یاد رکھو اللہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی ضرورت نہیں وہ کام کسی سے بھی لے سکتا ہے ، دنیا میں جب بھی کوئی آدمی کارخیر کی نیت سے کھڑا ہوتا ہے تو دنیا نے اس کی مخالفت ضرور کی ہے مگر بدقسمت رہے وہ لوگ جو مخالفت پر جمے رہے اور خوش قسمت ہیں وہ جو انکے موافق......ہوے، لہٰذا آدمی کو مناع للخیر یعنی نیکی اور بھلائی سے روکنے والا نہیں بننا چاہیے، مولانا ابوعمار زاہد کوثری فرماتے ہیں کہ میں علماء اور طلباء کو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کام کرنے والوں کو کام کرنے دیں خود نہ کرے کچھ نہیں مدد نہ کرے تب بھی کوئی حرج نہیں مگر ان کے لئے رکاوٹ نہ بنے ورنہ انجام اچھا نہیں ہوتا

**"شاہراہ علم"** ایک رسالہ نہیں بل کہ ایک تحریک ہے جو طلباء میں خاص طور پر اور عوام میں عام طور پر اصلاح کی تحریک کا ایک بہترین ذریعہ ہے وقتاً فوقتاً وہ انشاء اللہ، اللہ کی مدد سے خصوصی شمارہ اسی غرض سے شائع کرتے رہیں گے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے والا بنادے۔ آمین

# اسلامی عقائد:

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ابدی اور سرمدی پیام حیات لے کر آئے، اٹل فیصلے اور محکم قوانین لے کر جلوہ گر ہوئے، الٰہی تعلیمات اور ربانی احکام کے ساتھ مردہ دلوں کو حیات نو کا مژدہ جانفزا سنانے آئے، ظلمت خانوں کے لئے روشنی کا چراغ بن کر آئے، خرافات، اختراعات، اور بدعات کی جگہ سنہری اور عمدہ دستور زندگی لائے، دین اسلام کی بنیاد انہی ہدایت وتعلیمات پر رکھی گئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات اور پھیلائی ہوئی ہدایات کا تعلق ایک طرف عقائد ونظریات کے ساتھ ہے، تو دوسری طرف اعمال کے ساتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور نورانی تعلیمات کے دو رخ ہیں، ایک عقائد اور دوسرا اعمال، عقائد اور اعمال کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا رشتہ ہے، ایک طرف وہ تعلیمات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کس چیز کو مانا جائے، کس پر ایمان لایا جائے، کس پر یقین واذعان کیا جائے اور کس پر نہ کیا جائے، یہ عقائد کے باب سے متعلق ہیں، اور ایک وہ احکام ہیں جن میں کسی کام کے کرنے کا حکم اور نہی ہو، یہ کرو اور یہ نہ کرو، ان کا تعلق باب اعمال سے ہے اور اعمال کا باب مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے کہیں عبادت کا حکم، کہیں اخلاقیات کا، کہیں آداب کا، کہیں معاملات ومعاشرت کا، کہیں دعوت وتبلیغ کا، اس طرح اس سے متعلق بے شمار شعبہ جات ہیں۔

## عقیدہ کے معانی:

عقائد عقیدہ کی جمع ہے۔ لفظ عقیدہ عقد سے بنا ہے، جس کا معنی ہے گرہ لگانا ، باندھنا، عقیدہ کا معنی ہوا گرہ لگائی ہوئی، باندھی ہوئی چیز (2) دو چیزوں کا باندھنا، پکا کرنا، عہد وپیمان کرنا (مخزن) (3) اعتقاد کا لفظ اسی سے ہے، جس کا معنی تصدیق کرنا ،نہایت پختہ ارادہ رکھنا، دین بنانا، اہل عرب یہ جملہ استعمال کرتے ہیں اعتقد النوی" گٹھلی سخت ہوگئی (المنجد) (4) العقیدة جس پر پختہ یقین کیا جائے، جس کو انسان دین بنائے اور اس پر اعتقاد رکھے (5) عربی کا ایک محاورہ ہے اعقد من ذنب الضب" گوہ کی دم سے زیادہ گرہ دار، چونکہ عرب میں گوہ کی دم بے شمار گرہوں کے لئے مشہور ہے، جیسے کجی کے لئے کتے کی دم ضرب المثل بن چکی ہے ۔(6) عقیدہ ، پختہ خیال، مذہب، کسی بات کا یقین ، مذہبی خیال، اعتقاد، نظریہ (القاموس الجدید) (7) عقیدہ، دل میں جمایا ہوا یقین، ایمان، اعتقاد، اعتبار۔ (فیروز اللغات)

معلوم ہوا عقیدہ انسان کے عزم صمیم، ارادہ کامل، پختہ اور اٹل نظریات و

خیالات کا نام ہے، جو انسان کے قلب و دماغ پہ حکمرانی کرتا ہے، اور یہی عقیدہ انسان کے اعمال کا محرک ہوتا ہے، عقیدہ کی مثال ایک بیج کی ہے، اور عمل کی مثال اس بیج سے اگنے والے پودے کی ہے، ظاہر ہے کسی پودے میں وہی خصوصیات ہوتی ہیں جو اس کے بیج کی، بیج عمدہ اور درست ہوگا تو پودا بھی عمدہ ہوگا، اور اگر بیج ہی ناقص ہوئی تو اس سے ایک تناور درخت یا خوبصورت پودا کیسے تیار ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر انسان کا عقیدہ درست ہوگا، تو اعمال بھی درست ہوں گے، اور جب عقیدہ خراب ہوگا تو پھر اعمال کا خراب ہونا واضح ہے۔

لغوی تحقیق سے اندازہ لگائیے کہ عقیدہ اور ایمان ایک ہی چیز کو بتایا گیا ہے اس سے بات مزید کھل گئی کہ عقیدہ اور ایمان کا اثر اعمال پر پڑتا ہے اعمال کو ایمان و عقیدہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اعمال ثمرہ اور نتیجہ ہیں عقیدہ اور ایمان کا ، بلکہ یہی وہ نشانی ہے جس سے کسی کے مومن ہونے کا پتہ چلتا ہے قرآن کریم میں ایمان و عمل صالح کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

پھر یقین و اعتقاد اس کا نام ہے کہ جو بات انسان کو کہی اور بتائی جائے اسے مان لے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ جب ایک آدمی ان باتوں کی حقیقت کو نہ سمجھتا ہو اور ان باتوں پر یقین نہ رکھتا ہو تو اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ پختہ اور اٹل نظریات رکھتا ہے اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک طالب علم ہے جو سالہا سال گلشن علم کی سیاحت میں گذارتا ہے اور امتحان کو صرف پندرہ دن رہ گئے ہیں اور وہ اس طرح کی تیاری نہ کرے جس طرح امتحان کے لئے تیاری کی جاتی ہے اور وہ یوں ہی وقت کو کھیل کود اور فضول کاموں میں ضائع کر رہا ہے امتحان سے بے اعتنائی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اس کے بارے میں یہی سمجھنا چاہئے کہ اسے امتحان قریب ہونے کا پختہ یقین نہیں ہے۔

اسی طرح وہ گم گشتہ راہ جو منزل کا متلاشی ہو آپ نے اس کو اس کی منزل کی طرف رہنمائی کر دی، کہ فلاں جگہ سے دائیں طرف چلے گا تو آگے ہی تیری مطلوبہ جگہ ہے بظاہر وہ ان اشارات کو دیکھ رہا ہے اور ان پر اظہار یقین بھی کر رہا ہے بات کو مان بھی رہا ہے مگر جب منزل کی طرف چلنے لئے قدم اٹھاتا ہے تو بجائے دائیں جانب عازم سفر ہونے کے وہ بائیں کو چل دیا تو اس سے اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ اس راہ مسافر کو آپ کی بات پر پختہ یقین نہیں ہوا معلوم یہ ہوا کہ اگر انسان کا ایمان و عقیدہ کامل و مکمل ہو تو اس کے اثرات صاحب ایمان کے عمل و عادات پر ظاہر ہوتے ہیں اگر ایمان و عقیدہ میں سقم اور کمی ہے تو پھر انسان پہ ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔

## عقیدہ کا اثر:

چوں کہ عقیدہ وایمان کا تعلق انسان سے ہے اور انسان صرف گوشت ، پوست اور ہڈیوں کا نام نہیں ہے بلکہ ظاہری جسامت اور بناوٹ کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات اور نظریات کو بھی اس میں شامل سمجھنا چاہیے کوئی انسان نظریات سے خالی نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ کسی کا اعتقاد و نظریہ مادی اور مالی اسباب پر ہے اور کسی کا صرف اللہ تعالیٰ کے فرمودات وارشادات پر ، انسان کے دماغ میں کچھ خیالات ابھرتے ہیں جو رفتہ رفتہ انسانی قلب پر نقش ہو جاتے ہیں انسانی جسم کی ڈھانچے میں ''دل'' (قلب) ایک اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہی دل خیر وشر' نیکی و بدی کا سرچشمہ ہوتا ہے اگر دل میں نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو انسان نیک کام کرتا ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **''الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب''** (بخاری شریف)

جسم انسانی میں گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر اس میں فساد ہے تو سارے جسم میں فساد ہے، ہاں اور وہ ٹکڑا ''دل'' ہے۔

ہم جتنے کام کرتے ہیں ان کے پسِ پردہ دل ہی ہوتا ہے دل کے عزائم ہوتے ہیں انسانی دل کیا عزم کرتا ہے اور کس کام پہ انسان کو اکساتا اور آمادۂ عمل کرتا ہے انسان جتنی حرکات سرانجام دیتا ہے وہ دل کی ہی تحریک پہ ہوتا ہے دل کے پوشیدہ اور مخفی ارادوں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لیکن انسان جس قسم کے ارادے کرتا ہے کچھ ہی مدت بعد اس کا اثر اندرون خانہ ظاہر ہونے لگتا ہے بسا اوقات کوئی کام کرنے کے بعد انسان اپنی زبان سے اپنی نیت ظاہر کرتا ہے کہ فلاں کام میں نے اس نیت پہ کیا اور نیت پہ ہی انسان کی جزا وسزا کا فیصلہ ہوگا اور اسی پہ اعمال کا ترتب ہوتا ہے اور نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے حضرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **''انما الاعمال بالنیات وانما لامریءٍ مانوی''** (بخاری ومسلم) انسانی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہیں اور آدمی کے لئے وہی ہے، جس کی اس نے نیت کی۔

کسی کام کے لئے انسان کے دل اور دماغ کی اصلاح انتہائی ضروری ہے چونکہ انسان کا عقیدہ اس کے دل کا حکمران ہوتا ہے اور پھر اس سے آگے اثرات نکلتے ہیں جو انسانی زندگی پر نقش ہوتے چلے جاتے ہیں دل ودماغ کے روزن کا کھلنا اور ان میں حقائق بٹھانا اور پھر اس کے بعد ایسی عظیم ہستی کا اقرار کرنا جو اس کی خالق ہے انسان کی خوش قسمتی ہے ورنہ ان لوگوں کے نقشے قرآن نے عجیب عجیب انداز میں کھینچے ہیں جن کے پاس دماغ کی کھوپڑی تھی مگر وہ ان سے بصارت کا کام نہیں لیتے تھے جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے تھے ان کے چہرے پر دائیں اور بائیں جانب کان تھے مگر ان میں ڈاٹیں اور میل کچیل شاید اتنی جم گئی تھی کہ سنتے ہی نہیں تھے یا سنی ان سنی کر دیتے تھے اور ان کے پہلو میں ایک دل تھا اس پر میل کی تہہ جم گئی تھی اس پر غلاف چڑھ گئے تھے جس کا کفار اقرار کرتے تھے'' **قالوا قلوبنا غلف** ''ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔

معلوم ہوا کہ عقیدہ وایمان کے محرکات کی اصلاح ضروری ہے دل ودماغ کی تربیت اس سانچہ میں ڈھال کر کی جائے جو حق تعالیٰ نے دیا اور وہ سانچہ وہی احکامات وتعلیمات ہیں جو حضرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی اور سمجھائی ہیں اگر

انسان کے قلب و دماغ درست ہوں اس کے درون خانہ شہرت، ریا اور دکھلاوا جیسے مذموم ارادے نہ ہوں جن سے نیکیاں برباد اور اکارت ہوجاتی ہیں پھر دل و دماغ میں پیوست ہوجائے گی تو اس وقت انسان صحیح معنی میں انسان کہلوانے کا حق دار ہوگا اگر انسان ان تعلیمات کی بجائے من مانی خواہشات اور اپنی دماغی اختراعات کو دل میں بٹھائے گا اور ان پر عمل کرے گا تو یہ سراسر نقصان ہوگا چونکہ عقیدہ اور ایمان جہاں انسانی زندگی پہ گہرا اثر ڈالتا ہے وہاں انسان کا کوئی کمال نہیں ہوتا یہ اللہ کی مرضی کے علاوہ اپنی مرضی نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو اس کا عقیدہ اور ایمان پختہ ہی نہیں ہوگا۔

## عقیدہ کی اہمیت اور اسکا مقام:

اسلام کے عقائد کی مثال بڑی عجیب ہے حضرت نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال ایک محل سے دی ہے ظاہر ہے کہ محل یا عمارت کسی ایک چیز کو نہیں کہا جاسکتا، صرف چھت کو محل نہیں کہا جاسکتا اسی طرح اللہ کی بتائی ہوئی کسی ایک بات کو مان کر باقی سب کے انکار کو ایمان نہیں کہا جاسکتا اللہ نے جو جو احکام دیئے ان میں سے کسی کی حیثیت محل کی اساس کی ہے، کسی کی محل کی، کسی کی دیواروں کی، کوئی ستون کی حیثیت رکھتا ہے اور کوئی چھت کی اور کوئی ظاہری ٹیپ ٹاپ کی حیثیت رکھتا ہے، گویا ایمان اور اسلام ایک محل ہے اور باقی تمام چیزیں ملکر محل بنا ہے، قصر اسلام میں جو جو احکامات اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں ایمانیات اور عقائد کہا جاتا ہے۔ اور یہ عقائد ایسے نہیں، جیسے تورات میں بیان ہوئے جہاں عقیدوں کا ذکر تو ہے مگر ایمان کی بات تک نہیں کی گئی کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ ایمان کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی اور ایسے عقائد بھی نہیں جو انجیل نے بتائے۔ جہاں گرچہ ایمان پر زور تو دیا گیا ہے مگر وہ انسان کی اخلاقی تربیت کے لیے نہیں، بلکہ معجزات اور کرامات کے اظہار کے لئے، یونان کے فلسفیوں کے عقائد کی طرح نہیں، جنہوں نے ذہنی ارتقاء اور نشو و نما کے لیے نہ جانے کتنے طرح کے پاپڑ بیلے مگر انسان کی نجات اور فلاح کے لئے کوئی کام نہیں کیا، برہمنوں اور بدھشٹوں نے عقائد کی تعلیم اس انداز میں دی کہ وہ ایک خیالی فلسفے کا روپ دھار گئے، اسلام کے عقائد واعمال تو سنہری اور بہت اچھے ہیں، جن میں عالمگیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو علم و عمل کی تعلیم دی، چوں کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے پھر علم کے بعد عمل کو ناگزیر اور ضروری قرار دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حسنہ میں ان سیاسی و بنیادی عقائد پر بہت زیادہ زور دیا گیا، جن کا اخلاق واعمال کے ساتھ گہرا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دوراز کار مباحث سے خالی ہیں، آپ نے سیدھی سادی اور انسانوں کے لئے مفید تعلیمات کا مرقع پیش کیا ہے، جس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

## اسلامی عقائد کیا ہیں؟

پہلے یہ لکھا جاچکا ہے، کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کا تعلق عقائد سے ہے، دوسری جن کا تعلق اعمال سے ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بنیاد واساس اصلاح عقائد تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے بیشتر حصہ میں انسانی عقائد کی اصلاح پر زور دیا، چونکہ عقائد کی اصلاح بہت ضروری ہے انسان کے عمل میں کمزوری اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے عمل نہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہوجاتا لیکن عقیدہ کی کمزوری اللہ تعالیٰ کے یہاں ناقابل معافی ہے، جس انسان کا عقیدہ خراب ہوگا اس کا کوئی بھی عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول ومنظور نہیں ہوگا، اس لیے اب عقائد جاننے اور سمجھنے چاہئیں جن کی تعلیم دی گئی ہے، ان میں بعض عقائد مشہور ہوچکے ہیں لیکن بعض سے متعلق ابھی تک لوگ شش و پنچ میں مبتلا ہیں، حالانکہ آج سے چودہ سو سال قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت فرمادی ہے، مگر چونکہ وہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں ہیں، جن کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں اس لئے وہ ان کی دسترس سے باہر بھی ہیں۔

عقائد کے باب میں کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے یہ انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم حرکت ہے یہ یہودیوں کا طریقہ واردات تھا، جو بعض باتوں کو تسلیم کرتے تھے اور بعض کا صاف انکار کردیتے تھے اپنے مطلب ومنشاء کی بات کو سینہ سے لگایا، اور اسے مسترد کردیا جس سے ان کے موقف وخیال پر چوٹ پڑتی تھی ''یحرفون الکلم عن مواضعہ'' اسی لئے تو بعض بعض احکام میں تبدیلی کردیتے تھے اپنے نظریات وخیالات کو ٹھونستے تھے، اور ربانی بات کو ٹھکرادیتے تھے۔ ان کا یہ بھی طریقہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی بات سے منع فرماتے تو وہ اس کی نت نئی تاویلیں کرتے اور ربانی تدبیر کے مقابلے میں اپنے ہی کام سرانجام دیتے، ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے انہیں روکا گیا تو انہوں نے یہ حیلہ تلاش کیا کہ چلو ہفتہ کو شکار نہیں کرتے، صرف چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا کر آگے گڑھے بنادیتے ہیں اور ہفتہ کے دن مچھلیاں اس نالی کے ذریعے دریا سے ان گڑھوں میں پڑجائیں گی، اتوار کو ہم یہاں سے نکال لیں گے اس کا نتیجہ جو نکلنا تھا وہی نکلا چوں کہ اللہ تعالیٰ بھی بہتر تدبیر کرنے والی ذات ہے ان کو ذلیل بندر کی شکل میں تبدیل کردیا ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کیے، کبھی ان کے سروں میں جوئیں ڈال دیں، کبھی طوفان اٹھتے اور کبھی چلو میں پانی بھرتے تو خون بن جاتا اور ایک مرتبہ تو ایسا عذاب مسلط کیا گیا کہ چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے لیکن انہیں منزل نہیں ملی۔

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ نومن ببعض ونکفر ببعض (ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں) کی بجائے امنا وصدقنا کہا جائے کہ ہم اللہ کے تمام احکامات کی بجا آوری کریں گے، تمام تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے، تمام ہدایات کی روشنی میں کام کریں گے، من مانیوں سے اجتناب واحتراز کریں گے اسی میں نجات وفلاح ہے۔

## اسلامی عقائد:

اب اسلام کے ان بنیادی عقائد ونظریات کی طرف توجہ کی جائے، جو اسلام

نے ایک حکمت کے تحت بتائے ان کو تسلیم کرنے سے انسان کا فائدہ ہے اور انہیں نہ ماننے سے انسان کا سراسر نقصان ہے۔ سورۃ البقرہ میں نیکی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ **ولکن البر من اٰمن باللہ و الیوم الآخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین** (البقرہ)۔ کامل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لایا، آخرت کے دن پر ایمان لایا، فرشتوں پر ایمان لایا، کتابوں پر ایمان لایا، اور انبیاء پر ایمان لایا۔

یہاں پانچ چیزوں پر ایمان لانے ذکر ہے۔

اللہ کی ذات پر ایمان۔

آخرت پر ایمان۔

فرشتوں پر ایمان۔

کتابوں پر ایمان۔

نبیوں پر ایمان۔

دوسرے مقام پر حضرت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص طور پر ایمان لانے کا ذکر بھی ہے (**لتؤمنن بہ**) اور قرآن حکیم پر بالخصوص ایمان لانے کا ذکر بھی ہے، اور ان کا انکار کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے کہ جو ان پر ایمان نہیں لائے گا وہ کافر ہے۔

اللہ کی ذات عالی پر ایمان لانے کا بار بار ذکر کیا گیا، اور اللہ کو اپنا معبود برحق قادر مطلق اور رب ماننے والوں کو بشارت سنائی گئی۔

ارشاد باری ہے "**ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ**" (حم السجدہ)۔ جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس بات پر ڈٹ گئے، ان پر اللہ کے فرشتے اترتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں، روز جزا کو مانتے ہیں، حشر و نشر کو مانتے ہیں، اور اسی ایمان اور عقیدہ پر وہ اعمال صالح بھی کرتے ہیں، انکے لئے اجر و ثواب کا مژدۂ جاں فزا سنایا گیا ہے ارشاد ربانی ہے "**من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر وعمل صالحا فلھم أجرھم عند ربھم**" (البقرۃ)۔ جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا، اور نیک اعمال کیئے، اس کے لئے اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے۔ دوسرے مقام پر اہل ایمان کی علامت بتلائی گئی ہے، کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں، اور ایک مقام پر یوں کہا گیا کہ اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تو تمہارے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

کفار مکہ جبریل امین کی مخالفت کرتے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتا ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے خلاف اکساتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کفار و معاندین سے فرمایا کہ تم اگر جبریل کے دشمن ہو تو دوست ہمارے اور ہمارے نبی کے بھی نہیں ہو، اگر تم جبریل کی مخالفت کرو گے تو میں تمہارا دشمن ہوں گا۔

ارشاد ہے "**من کان عدوا للہ وملٰئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکا ل فان اللہ عدو للکافرین**" (البقرۃ)۔ جو اللہ ملائکہ، رسل، جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوگا، تو پھر اللہ کافروں کا دشمن ہوگا۔ قرآن حکیم میں بکثرت اللہ پر ایمان لانے کا حکم ہے، رسولوں پر ایمان لانے کا حکم ہے، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ اور ان کی تکذیب کرنے والوں کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں "**قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ**" (الانعام) جنہوں نے اللہ کی ملاقات کا انکار کیا وہ نقصان میں پڑ گئے، اہل تقویٰ کی علامات اور نشانیوں کا ذکر اس انداز میں فرمایا کہ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اتاری جانے والی وحی پر ایمان لاتے ہیں، اور پھر یہ نہیں کہ وہ صرف وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ تو تمام سابقہ کتب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ راہ مستقیم و ہدایت پر ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: "**و الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انز ل من قبلک و بالآخرۃ ھم یوقنون او لٰئک علیٰ ھدی من ربھم و او لٰئک ھم المفلحون**" (البقرہ) وہ لوگ (متقین) آپ کی طرف نازل کی گئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

قرآن حکیم کی مذکورۃ الصدر آیات سے اتنی بات ثابت ہو چکی ہے کہ عقیدہ اور ایمان تب ہی مکمل ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کو مانے، اللہ کے فرستادوں کو مانے اور انسان یہ یقین کرے کہ ہماری فلاح اور نجات کے لئے اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ بے شمار باتیں بتاتے ہیں جو ہماری عقل و شعور اور علم و ادراک میں نہیں ہوتیں جن باتوں کو ہم اپنے اسباب و وسائل کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتے، انسان ان باتوں کی تصدیق کرے کہ ہاں یہ باتیں منجانب اللہ آئی ہیں، انسان اگر فلاح و نجات کا مستحق بننا چاہتے ہیں تو پھر انبیاء کے ادیان کو تسلیم کرے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کو برحق سمجھے کسی انسان کے مومن ہونے لئے یہ بات از حد ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے احکامات اور اس کے انبیاء پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی ایک حکم کا بھی انسان نے انکار کر دیا تو وہ دائرۂ ایمان میں داخل ہی نہیں ہو سکتا، وہ مسلمان اور مومن نہیں بن سکتا، اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے، اللہ کی ہستی کو مانتا ہے لیکن وہ اللہ کے رسولوں کو نہیں مانتا، اللہ کو تو مانتا ہے مگر اللہ کی کتابوں کا انکار کرتا ہے اللہ کو مانتا ہے، مگر وہ اس کی ہدایات اور اس کے احکامات کا انکار کرتا ہے تو یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے، اسی طرح کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بھی مانتا ہے، نبی برحق بھی مانتا ہے، آخری رسول بھی مانتا ہے، کائنات کا سردار اور مقتدیٰ بھی مانتا ہے، غرضیکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا مصداق بھی تسلیم کرتا ہے مگر زندگی کے کسی موڑ پر یوں کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر و حشر اور جنت و دوزخ کے بارے میں جو کچھ بھی کہا میری

عقل اس کو صحیح نہیں مانتی، اب ایسا شخص شریعت مطہرہ کی روشنی میں دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا، اہل ایمان کی فہرست سے نکل گیا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرم بن گیا، دنیا و آخرت کی روسیاہی کا حقدار بن گیا اور عذاب عظیم کا مستحق قرار پایا۔

ارشاد ربانی ہے: ''انما المومنون الذین آمنو ا با للہ ورسولہ واذا کا نوا معہ علیٰ امر جامع لم یذھبوا حتیٰ یستا ذنوہ ''(62) اہل ایمان تو دراصل وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقعے پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔

## امہات العقائد:

یوں تو قرآن وسنت میں بے شمار عقائد موجود ہیں مگر ان میں تین عقیدے بڑے ہیں ''توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت'' ان تینوں عقائد کو ''امہات العقائد'' کہا جاتا ہے ان عقیدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پورا نظام لے کر آئے ہیں، اس نظام کی مثال ایک محل کی ہے اور یہ عقیدے اس محل کی بنیادوں کا کام دیتے ہیں، وہ نظام ان ہی تینوں بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے انبیاء کے اس نظام کو وہی شخص تسلیم کرتا ہے جو ان تین بنیادوں کو مان لے انسانی فکر اور عقیدے کے لحاظ سے ان بنیادوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

''اللہ تعالیٰ آئین ساز ہے وہ قانون بناتا ہے انبیاء اس آئین وقانون کے نفاذ کی کوشش کرتے ہیں'' اور اس قانون کو ماننے اور نہ ماننے والوں کو جزا وسزا کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں، جس کا حتمی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس لئے ان تینوں عقائد کو بڑی اہمیت حاصل ہے قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس کا ذکر یکجا ملتا ہے قرآن حکیم نے بتایا کہ مشرق ومغرب کی جانب منہ کر لینا کوئی بڑی نیکی نہیں ہے' قرآن حکیم کی سورۃ الفاتحہ میں ان تینوں کا ذکر اجمال کے ساتھ ہے اور پورے قرآن میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

## عقائد کی اقسام:

مذکورہ امہات العقائد کی وضاحت کے بعد یہ تقسیم سمجھ لینا ضروری ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ عقیدہ ہے جو حضرت علیؓ سے قطعیت اور یقین کے ساتھ ثابت ہیں، یعنی ایسے عقیدے جن میں کسی قسم کا شک، ریب اور تردد نہیں ہے اور نہ ہی ایسا سمجھنے کی گنجائش ہے' اور ہر زمانے اور ہر دور میں ان کو اتنی شہرت حاصل رہی ہے جس کی وجہ سے ان میں کسی قسم کے شک وشبہ اور انکار وتکذیب کی گنجائش نہیں ہے۔

جیسے توحید ہے، رسالت اور عقیدۂ آخرت ہے ان کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے اور ان کا ثبوت قرآن حکیم کی صریح آیات سے ملتا ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی ملتا ہے قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا فرشتوں کا وجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انبیاء کی آمد ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا یہ تمام عقائد اسی قبیل سے ہیں۔

دوسری قسم ان عقیدوں کی ہے، جن کا ثبوت قابل اطمینان اور تسلی بخش بھی اور پختہ بھی ہو، لیکن اس قطعیت کے باوجود ان کو ایسی شہرت حاصل نہیں' جس کے بعد کسی احتمال یا تاویل کی گنجائش ختم ہو جائے مثلاً عذاب قبر، قیامت اور آخرت کی بعض تفصیلات، جیسے میزان، شفاعت، رویتِ باری تعالیٰ (اللہ کو دیکھنا) قیامت سے قبل دجال کا ظاہر ہونا، حضرت عیسیٰ کا آسمان سے زمین پر اترنا، یہ دوسری قسم کے عقائد ہیں جن کا ثبوت تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پکا اور قابل اطمینان ملتا ہے مگر تمام ثبوت ودلائل کے باوجود پہلی قسم والے عقائد کی پایہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

## ضروریات دین:

عقائد کے باب میں اہل علم کی ایک اصطلاح ''ضروریات دین'' ہے' جن چیزوں کا ثبوت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ کا ہو کہ ہر زمانہ اور ہر دور میں انہیں ایسی تواتر اور شہرت حاصل رہی ہو، جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش اور احتمال نہ ہو'' انہیں ضروریات دین'' کہا جاتا ہے ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار یا تکذیب کفر ہے۔

## عقائد کا اختلاف:

حضرات صحابہ کرامؓ کے عقائد اور نظریات ایک تھے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے اور سکھائے، کسی صحابی کی رائے اس سلسلہ میں دوسرے سے مختلف نہ تھی، رفتہ رفتہ جب اسلام کی تعلیمات عام ہوئیں، دولت اسلامیہ کا میدان وسیع ہوا، اطراف واکناف سے انسانوں کا ایک ہجوم تھا جو اسلام میں داخل ہو رہا تھا، اپنے اپنے علاقے اور مقام کے عقائد ونظریات والوں نے بھی اسلام کو مان لیا، اب دنیوی اسباب کے تحت ان مختلف الخیالات لوگوں کی مکمل ذہن سازی نہ ہوسکی، وہ باوجود اسلام قبول کرنے کے انہی عقائد وخیالات پر جمے رہے، جو اسلام سے پہلے تھے، جب یہ لوگ واپس اپنے اپنے علاقوں میں پہنچے تو انہوں نے اسلام کے نام پر ہی کام کا آغاز کیا' ان مختلف ذہنوں کے مختلف خیالات کے مطابق کام کرنا شروع کرنا تھا 'کہ عقائد وخیالات میں ایک فکری انتشار پیدا ہوگیا، اس روش سے نت نئے فرقے جنم لیتے گئے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے عقائد میں یکسانیت تھی' لیکن غریب الدیار اور بعید الوطن لوگ جو اپنے زعم وخیال کے مطابق اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے تھے، انہوں نے اپنی پرانی روش اور ڈگر پر اپنے نظریات کا چرچا کیا، اگر وہ لوگ فروعی مسائل میں اختلاف کرتے تو امت میں شاید اتنا انتشار پیدا نہ ہوتا، مگر ان کے اختلافات عقائد اور اصول کی حد تک پہنچ گئے تھے' اگرچہ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں لیکن پھر بھی شروع میں ایک سلسلہ اختلاف کا پیدا ہوا تو عقیدے کا پرچار اور دفاع کر رہے تھے۔

جب اسلام کا نام لے لے کر بعض امت کو راہ راست پر لانے کی بجائے گمراہی کے اور مہیب غاروں پر ڈھکیل رہے تھے، اس وقت مسلمانوں نے ایک معیار قائم کیا، جس کے مطابق اندازہ کر لیتے تھے کہ سچ اور جھوٹ کیا ہے؟ ان کے پاس ایک میزان تھا، جس کے دو پلڑے اللہ کی تعلیمات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں تولتے تھے، دوسری طرف نبوت کے سراج سے روشنی حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ کے طرز زندگی کو دیکھتے تھے، جو چیز اللہ کے نام، اللہ کے رسول، اور حضرات صحابہ کے نمونہ زندگی کے مطابق ہوتی تھی وہ تسلیم کر لیتے تھے دوسری چیزوں کو پھینک دیتے تھے۔

حق تعالیٰ نے تشتت، اختلاف اور انتشار سے بچنے کی راہ بتائی ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اور اللہ کی رسی اللہ کی کتاب ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بهما**'' کتاب الله وسنتي (مشکوٰۃ) تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو مضبوطی سے تھام لوگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، انہی دو چیزوں کو رسی سے تعبیر کیا گیا ہے ''**واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا**'' سارے مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ، اختلافات کی رونمائی کے بعد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو ماننے اور ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، جو اصل عقائد کی بنیاد اور اساس ہے۔

## اسلامی عقائد کا نقشہ:

گذشتہ صفحات میں ہم عقائد کے بارے میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں، اب یہاں اجمالی طور پر عقائد ذکر کیے جاتے ہیں اور آئندہ صفحات میں چند عقائد پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۔ انسان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ سارا جہان جو آج ایک وجود رکھتا ہے پہلے کچھ بھی نہ تھا، اللہ نے ہست کو نیست اور نابود کو وجود بخشا۔

**ذلكم الله ربكم خالق كل شيءٍ۔ (مومن:۲۴)**

۲۔ اللہ یکتا ہے، وہ بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں ہے، کسی کا باپ نہیں اور نہ ہی کسی کا بیٹا ''**لم يلد و لم يولد**'' (اخلاص)

۳۔ اللہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، وہ بے مثل و بے مثال ہے، وہ زندہ ہے ہر چیز پر قادر ہے کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے وہ سب کچھ دیکھتا سنتا ہے، وہی قابل عبادت و پرستش ہے، وہ لاشریک ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ مصائب ومشکلات سے نجات دیتا ہے، وہی گرفتار بلا کرتا ہے، وہی عزت و ذلت دیتا ہے، روزی رساں وہی ہے، روزی میں فراخی اور تنگی وہی کرتا ہے۔

۴۔ اللہ نے بندوں کو ایسے کام کا حکم نہیں دیا جو وہ نہ کر سکے۔

۵۔ اللہ کی صفات ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی، وہ بندوں کی صفات سے پاک ہے اللہ کے لیے قرآن میں کبھی لفظ ''ہاتھ'' اور ''پنڈلی'' وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کے معانی کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔

۶۔ دنیا میں برا ہو یا بھلا یہ سب منجانب اللہ ہوتا ہے، کسی کام کے وجود میں آنے سے پہلے اسے اللہ ہی جانتا ہے، اچھی یا بری تقدیر بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی چیز ضروری نہیں ہے، وہ کسی پر مہربان ہو جائے یہ اس کا فضل واحسان ہے۔

۸۔ حضرات انبیاء اللہ کے پیغامبر بن کر تشریف لائے سارے انبیاء معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں۔

۹۔ انبیاء کی صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے، بعض انبیاء کے نام اللہ نے بتائے اور بعض کے نہیں بتائے۔

۱۰۔ انبیاء کے ہاتھوں بعض اوقات خرق عادت باتوں کا صدور ہوا جنہیں معجزات کہا جاتا ہے، معجزے کے صدور میں ہاتھ نبی کا ہوتا ہے اور کارکردگی قدرت کی ہوتی ہے کرامات ولی کے ہاتھ ظاہر ہوتی ہے اور اس میں کمال خدا کا ہوتا ہے۔

۱۱۔ انبیاء میں بعض کا مرتبہ بعض سے بلند رکھا ہے سب سے بڑا مقام ومرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

۱۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ سے نبوت کا محل مکمل ہو گیا، اب کسی نئے نبی کی نبوت کی گنجائش ختم ہو گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہنگامۂ یوم النشور تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

۱۳۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

۱۴۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں معراج ہوئی، مکہ سے بیت المقدس، وہاں سے ساتویں آسمانوں تک اور پھر وہاں سے جہاں تک رب نے چاہا آپ کو لے جایا گیا، یہ معراج حالت خواب میں نہیں بل کہ بیداری میں ہوئی۔

۱۵۔ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، اور ہماری نظروں سے انہیں اوجھل رکھا گیا، وہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جس کام میں لگا دیا ہے، اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، فرشتوں کی تعداد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، فرشتوں میں بڑے اور مشہور چار ہیں:

**جبرائیل:** انبیاء پر کتابیں اور ربانی پیغام لاتے ہیں۔

**میکائیل:** بارش اور روزی کا انتظام کرتے ہیں۔

**اسرافیل:** قیامت کے دن صور پھونکیں گے، جس سے ساری کائنات فنا اور نیست ونابود ہو جائے گی۔

**عزرائیل:** جانوں سے روح نکالتے ہیں۔

۱۶۔ جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا فرمایا اور انہیں ہماری نظروں سے اوجھل رکھا، ان میں نیک و بد سب ہی ہوتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ شرارتی ابلیس ہے۔

۱۷۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت اور انہماک سے کرتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو وہ اللہ کا ولی بن جاتا ہے۔

۱۸۔ اللہ کے ولی سے بعض خارق عادت باتیں رونما ہوتی ہیں، جنہیں عام لوگ نہیں سمجھتے، ان کو کرامت کہا جاتا ہے۔

۱۹۔ ولی، ولی ہوتا ہے، کتنے ہی بلند و اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے کسی نبی کے رتبہ و مقام تک رسائی نہیں کر سکتا

۲۰۔ کوئی آدمی خدا کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو جائے، ہوش و حواس کی حالت میں وہ شریعت کا پابند ہے اور یہ پابندی اس پر فرض ہے، اس قرب و دوستی کی بنا پر نماز، روزہ اور دوسری کوئی عبادات اس سے معاف نہیں ہوتی۔

۲۱۔ جس شخص کے کام شریعت کے خلاف ہوں، وہ کیسے ہی کرتب کیوں نہ دکھائے؟ ولی نہیں ہو سکتا، اگر اس سے ایسی بات ظاہر ہو جائے جو عام انسانوں سے کم صادر ہوتی ہے، تو اس پر اعتقاد و یقین نہیں رکھنا چاہیے۔

۲۲۔ اولیاء اللہ کو حالت خواب یا حالت بیداری میں بعض باتیں دکھائی دیتی ہیں، انہیں کشف اور الہام کہا جاتا ہے، اگر یہ شریعت کے مطابق ہوں تو قابل قبول ہیں اور اگر اس کے خلاف ہوں تو مردود ہیں۔

۲۳۔ اللہ نے قرآن حکیم میں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں دین کی باتیں بتادی ہیں، دین مکمل و کامل شکل میں موجود ہے، اپنی طرف سے دین میں نئی نئی باتیں شامل کرنا اسے بدعت کہا جاتا ہے، جو مردود ہے۔

۲۴۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے چار کتابیں اتاریں۔

**توریت:** حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔

**زبور:** حضرت داؤد علیہ السلام پر۔

**انجیل:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

**قرآن کریم:** حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر۔ علاوہ ازیں اور بے شمار صحائف اتارے گئے۔ تمام صحائف اور تمام کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں، ساری کتابوں میں ردوبدل اور تحریف کردی گئی ہے، لیکن قرآن حکیم من وعن، کامل و مکمل اسی حالت میں آج محفوظ ہے، جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے، جس طرح حضرات صحابہ کرامؓ کو یاد تھا اور جس طرح لوح محفوظ پہ موجود ہے۔

۲۵۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں نے حالت ایمان میں، ایمان والی آنکھ سے دیکھا اور اسی عالم میں وہ دنیا فانی سے رحلت فرما گئے، ان کو ''صحابی'' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے، اگرچہ وہ معصوم نہ تھے، مگر محفوظ ضرور تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ کیا ہے، ان کو جنت کی بشارت دی ہے۔ ان تمام صحابہ کرامؓ میں از روئے سنت چار صحابہ کرامؓ کو بڑی فضیلت حاصل ہے، جن کو اسی ترتیب سے خلافت علی منہاج النبوۃ کا شرف حاصل ہوا۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ۔

۳۔ حضرت عثمان غنیؓ۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰؓ۔

حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ بھی چھ ماہ خلیفہ رہے، حضرت امیر معاویہؓ بھی خلیفہ رہے، حضرت زبیرؓ بھی، لیکن حضرات صحابہ کرامؓ میں قرآنی خلافت کا وعدہ مہاجرین سے کیا گیا تھا، جو سب کچھ مکہ میں چھوڑ چھاڑ کر مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ پہلے چار خلفاء کی خلافت کو خلافت راشدہ غیر موعودہ کہا جاتا ہے۔

۲۶۔ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا بلند مرتبہ ہے، کہ کوئی بڑا ولی بھی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

۲۷۔ حضرت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں اور چار بیٹیاں تھیں، سب قابل تعظیم و اکرام ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امت کی مائیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سب سے بڑا مقام حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا ہے اور بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا رتبہ بلند ہے۔

۲۸۔ انسان کا ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے، جب وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سچا سمجھے اور ان تمام باتوں کو تسلیم کرے، حق تعالیٰ شانہ، اور آپ کے رسول برحق کی کسی بات میں شک و شبہ رکھنے سے انسان کا ایمان جاتا رہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو حقیر سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا ایمان کو لے ڈوبتا ہے۔

۲۹۔ گناہ کو حلال سمجھنا ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔

۳۰۔ گناہ کتنا ہی بڑا ہو، جب تک اسے برا سمجھتا رہے گا اس کا ایمان برقرار رہے گا، البتہ اس میں کمزوری آجائے گی۔

۳۱۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل سے نکل جانا اور اس کی رحمت سے ناامید اور مایوس ہو جانا کفر ہے۔

۳۲۔ کسی سے پوشیدہ و غیب کی باتیں پوچھنا کفر ہے۔

۳۳۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، انبیاء کو وحی کے ذریعہ بعض باتوں سے مطلع کیا گیا، ولیوں کو کشف و الہام سے بعض آثار دکھائے جاتے ہیں اور عام لوگوں کو قرائن و علامات سے بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

۳۴۔ کسی کا نام لے کر کافر کہنا یا لعنت کرنا بڑا گناہ ہے، ہاں یوں کہہ سکتے ہیں

ظالموں پہ لعنت، جھوٹوں پہ لعنت، ہاں جن لوگوں کو قرآن وسنت میں کافر وملعون کہا گیا ہے انہیں کافر کہنا اور ان پر لعنت کرنا گناہ نہیں ہے۔

۳۵۔ انسان جب مرجاتا ہے، تدفین کے بعد منکر نکیر دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ مومن بندہ درست درست جواب دے دیتا ہے، اس کے لیے آرام وسکون کے لیے جنت کی طرف کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، جس سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبو آتی رہتی ہیں، اور وہ مزے سے سورہتا ہے، اور اگر وہ مومن نہ تھا، تو ہر سوال کے جواب میں لاعلمی کا اظہار کرے گا، اس پر قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا۔

۳۶۔ موت کے بعد ہر صبح وشام مردے کو اس کا ٹھکانہ دکھلایا جاتا ہے، جنتی کو جنت دکھا کر خوش خبری دی جاتی ہے اور دوزخی کو دوزخ دکھا کر اس کی حسرت میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔

۳۷۔ مرنے کے بعد مردہ کے لیے دعاء کی جائے، یا صدقہ وخیرات اس سے اس کو ثواب پہنچتا ہے، اور اس سے اس کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

۳۸۔ قیامت کی جو نشانیاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں، وہ سب درست ہیں، امام مہدی آئیں گے، اور انصاف کی حکمرانی کریں گے، کانا دجال نکلے گا، اور دنیا میں فساد مچائے گا، اسے مارنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، اور اسے قتل کردیں گے، یاجوج وماجوج زمین پر پھیل جائیں گے اور خوب اودھم مچائیں گے، پھر قہرالٰہی سے ہلاک ہوجائیں گے۔ ایک عجیب طرح کا جانور زمین سے نکلے گا، اور آدمیوں سے باتیں کرے گا، سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، قرآن مجید اٹھ جائے گا، اور تھوڑے دنوں بعد مسلمان مرجائیں گے، اور ساری دنیا کافروں سے بھر جائے گی۔

۳۹۔ جب قیامت کی ساری نشانیاں مکمل ہوجائیں گی، تو اسرافیل اللہ کے حکم سے صور پھونکیں گے، یہ صور ایک بہت بڑے سینگ کی شکل کا ہے، اس صور کی آواز سے زمین وآسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے، تمام مخلوقات مرجائیں گی، اور جو مرچکے ان کی روحیں بے ہوش ہوجائیں گی۔

۴۰۔ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، کہ ساری دنیا پھر سے زندہ ہوجائے، تو حضرت اسرافیل پھر دوبارہ صور پھونکیں گے، اس سے ساری دنیا دوبارہ زندہ ہوجائے گی، مردے زندہ ہوکر میدان محشر میں اکھٹے ہوجائیں گے، اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کرانے جائیں گے، آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں گے، ترازو قائم کیا جائے گا، اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے، ان کا حساب ہوگا، بعضے لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوجائیں گے، نیکوں کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۴۱۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پہ اپنی امت کو پانی پلائیں گے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، پل صراط پہ چلنا ہوگا، نیک لوگ اس سے پار ہوکر جنت میں داخل ہوجائیں گے اور بدکار لوگ اس سے کٹ کٹ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔

۴۲۔ جنت ودوزخ پیدا ہوچکی ہیں، دوزخ میں، سانپ، بچھو، اور طرح طرح کا عذاب ہے، دوزخیوں میں جن کا ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ اپنی اپنی سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے، اور کافر ومشرک ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔

جنت اللہ کی نعمتوں کا گھر ہے، جہاں کوئی خوف وغم نہیں ہوگا، نہ اس سے نکالا جائے گا اور نہ وہاں موت آئے گی۔

علاوہ ازیں بے شمار عقائد ہیں، جو قرآن وسنت میں بیان کئے گئے۔

(ماخوذ از بہشتی زیور۔ حکیم الامت حضرت تھانوی)

## ایمان باللہ:

یہ بات تو ہم سمجھ چکے ہیں کہ شریعت نے کئی چیزوں پر ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے، ان میں سے بعض کے بارے میں اختصار کے ساتھ بحث ہوچکی ہے، لیکن ان میں بعض باتیں وہ ہیں جو سارے دین اور ایمان کا مرکز اور محور ہیں، ان کے بغیر نہ دین دین ہے، نہ ایمان ایمان ہے، نہ عقیدہ عقیدہ ہے، اور نہ ہی اسلام اسلام ہے۔ گویا کہ وہ سارے نظام کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان پر صراحۃً ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات کے ساتھ ہے، اور بعض کا تعلق رسولوں پر ایمان لانے کے ساتھ اور بعض کا فرشتوں اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ہے، ہم اب اس اعتقادی اور ایمانی حصہ پر بحث کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے، جو کہ سب سے اہم الاہم، اور اخص الخصوص ہے۔

### اللہ کے معنیٰ:

ہم ایک عظیم الشان ہستی کے بارے میں گفتگو اور بحث کرتے اور سنتے رہتے ہیں، مگر ابتدائی بات کم ہی سنی اور کہی جاتی ہے، وہ بات لفظ اللہ کے معانی سے متعلق ہے (1) لفظ اللہ الٰہ سے ہے، لغت عرب میں اِلٰہ کا معنی ہے معبود اور خدا (2) اللہ ذات واجب الوجود کا نام ہے (3) لغت عرب میں اسی مادّے سے الّٰہ اس کا معنی ہے معبود بنانا، خدا کا مرتبہ دینا (4) اللہ کا معنی فارسی زبان میں خدا، ہندی زبان میں ''دیوتا'' انگریزی زبان میں ''گاڈ'' ہے (5) عربی لغت میں اِلٰہ کا معنی ''مستحق عبادت'' (6) اللہ خدا تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے، جو واجب الوجود ہے، اصطلاح میں اللہ کسے کہتے ہیں؟ اَللّٰہُ ھُوَ عَلَمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِیْعِ الصِّفَاتِ الْکَمَالِ الْمُنَزَّہ عَنِ النَّقْصِ وَالزَّوَال

اللہ ایسی ذات عالی کا نام ہے جو واجب الوجود ہے، تمام صفات کمال کی جامع ہے، اللہ ایسی ذات کو کہتے ہیں جو نقص اور زوال سے منزہ اور پاک ہو۔

## اللہ کے بارے میں عقیدہ:

اسلام کے اعتقادی و عملی نظام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں عقیدہ اور ایمان رکھنا بنیادی و اساسی حیثیت رکھتا ہے، سب ایمانیات و اعتقادات میں یہ اصل الاصول ہے، اور باقی اعتقادات اس کی فرع ہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیں جو کچھ بتایا گیا، اور جو ہم عقیدہ و ایمان رکھتے ہیں اس کا لب لباب یہ ہے کہ:

(۱) اللہ ایک عظیم ہستی کا نام ہے، جو موجود ہے، لیکن اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔

(۲) اللہ ہی اس رنگارنگ کائنات کا یکہ وتنہا رب اور مالک ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ایسی ذات کا نام ہے، جو اس تمام کائنات کا اکیلے مالک ومختار ہے، اس کے تصرفات میں اس کی اپنی منشاء شامل ہے، کوئی غیر اس کے کاموں کا دخیل نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

(۴) اللہ ایسی ذات ہے، جو اکیلے ہی ہم سب کی عبادات کے لائق ہے، عبادات میں کوئی دوسرا اس کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

(۵) وہ خالق ہے، جو تمام چیزوں کو نیست سے ہست کرتا ہے، عدم سے وجود میں لاتا ہے۔

(۶) وہ رب ہے، جو اپنی مخلوق کو رزق دیتا ہے۔

(۷) وہ علیم ہے، ہر بات خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اس سے باخبر ہے۔ اس وقت کیا ہو رہا ہے، آئندہ کیا ہوگا، سب وہ جانتا ہے۔

(۸) وہ حکیم ہے، اس کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں۔

(۹) وہ عزیز ہے، جو ہر شئے پر غالب اور طاقتور ہے۔

(۱۰) وہ علیم ہے اس کا ہر کام اندازے کے مطابق ہے، کسی کام میں بے عدلی اور ناانصافی نہیں کرتا۔

(۱۱) وہ احد اور صمد ہے، کوئی اس جیسا نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے بارہا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اللہ کی ذات عالی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جتنی صفات ہیں ان کو تسلیم کیا جائے، اللہ کے احکامات کو مانا جائے اور جو جو امر ہیں انہیں مان کر نواہی سے بچا جائے۔ انسان اللہ پر اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ایک ذات واجب الوجود کا نام ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

## اللہ تعالیٰ کا وجود:

اللہ تعالیٰ ان دیکھی ہستی کا نام ہے، جس کے وجود اور ہستی سے انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے، قرآن حکیم نے اگر چہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر زیادہ زور دینے کے بجائے دوسرے عقائد پر زیادہ زور دیا ہے، لیکن پھر بھی کہیں کہیں اشارات ضرور ملتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔

## خلاصہ کلام:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے جو زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے اس کی ذات پر ایمان لائے بغیر انسان کی نجات نہیں ہوسکتی، انسان دنیا وآخرت میں رسوا ہوگا، اور پھر اس عظیم ہستی نے جو نشانیاں اور علامات دکھائی ہیں ان کے علاوہ اس کی کہنہ اور ماہیت کے بارے میں فضول بحث وتمحیص میں نہیں پڑنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان یہ عقیدہ رکھے کہ

(۱) اللہ اکیلا ہے **الله احد**

(۲) اللہ بے نیاز ہے **الله الصمد**

(۳) اللہ اولاد سے پاک ہے **لم يلد ولم يولد** اور دوسرے مقام پر آتا ہے **ولم يتخذه ولدا**

(۴) اولاد دینے والا وہی ہے **يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور**

(۵) وہ ہر ظاہر ومخفی کو سننے اور جاننے والا ہے، **وهو السميع العليم** دوسرے مقام پر آتا ہے **ان الله لا يخفىٰ عليه شيء في الارض ولا في السماء** (آل عمران)

(۶) غیب دان صرف اللہ ہے، **وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو** (الانعام)

(۷) اللہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے **نحن اقرب إليه من حبل الوريد** (ق)

(۸) اللہ تمام سرگوشیاں سنتا ہے **ما يكون من نجوىٰ ثلثةٍ الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم ولا ادنىٰ من ذلك ولا اكثر الا هو معهم اين ما كانوا** (المجادلہ)

(۹) انسان اللہ کی طرف لوٹ کر جائے گا **واعلموا انكم ملقوه** (البقرہ) **واعلموا انكم إليه تحشرون** (البقرہ)

## ایمان بالکتب:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایمان بالکتب ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم نازل فرمایا، جس میں اطلاع دی گئی کہ اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار صحائف نازل کئے، حضرت موسیٰ پر تورات، حضرت داؤد پر زبور، اور حضرت عیسیٰ پر انجیل اُتاری، ان پر بھی ایمان لایا جائے انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں سمجھا جائے، اور حضرت ابراہیم پر صحیفے آئے اور حضرت موسیٰ پر بھی آئے، انہیں بھی مانا جائے، ماننا سب کو ہے مگر ایمان اور اعتقاد صرف قرآن حکیم پر رکھنا ہے۔ قرآن حکیم جن باتوں کی تصدیق کرے انہیں تسلیم کیا جائے، اور جن باتوں کی تردید کرے انہیں تسلیم نہ کیا جائے، ایمان باللہ اور ایمان بالملائکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

## کتاب کا معنی:

الکتاب مصدر ہے، کتاب اسے کہتے ہیں جس میں لکھا جائے، خط، صحیفہ، فرض اور حکم بھی کتاب کو کہا جاتا ہے، کتب اس کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملانا، جمع کرنا چونکہ کتاب کے مضامین بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے اسے کتاب کہا جاتا ہے۔ کلام اللہ کو بھی کتاب کہا جاتا ہے، خواہ وہ لکھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ نوشتہ، نامہ، پوتھی، گرنتھ، جلد، نسخہ، رسالہ، رجسٹر بیاض۔ کتاب علی الاطلاق ہر اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہو، الہامی کتاب۔ اھل الکتاب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو الہامی اور آسمانی کتاب کے پیرو ہوں، ام الکتاب کا معنی ہے اصل کتاب۔ "کَتَبَ" ماضی کا صیغہ ہے، اس کے معنی ہے اس نے لکھا، جب کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے، کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنا، واجب کرنا، جیسا کہ **کتب اللہ علی عبادہ الطاعۃ وعلیٰ نفسہ الرحمۃ** اللہ نے اپنے بندوں کو اطاعت کا حکم دیا، اور اپنی ذات پر رحمت کو ضروری قرار دیا۔

## کتابوں کی تعداد:

حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے کل کتابیں کس قدر اُتاری ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سو صحائف اور چار کتابیں اُتاری ہیں۔

پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر۔
تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر۔
دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر۔
دس صحیفے حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے۔

اور ان کے علاوہ چار کتابیں نازل فرمائیں۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر
زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر
انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر
اور قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا بات تھی؟ ارشاد فرمایا وہ سب ضرب الامثال تھیں مثلاً او متسلط و مغرور بادشاہ میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ تو پیسہ پر پیسہ جمع کرے، میں نے تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ مجھ تک مظلوم کی فریاد نہ پہنچنے دے، تو پہلے ہی اس کا انتظام کردے، اس لئے کہ میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا، اگرچہ فریادی کافر ہی کیوں نہ ہو۔

میں نے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟

آپ نے فرمایا: سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں، مثلاً میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو موت کا یقین ہو پھر کسی بات پر خوش ہو، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ اس کو موت کا یقین ہے، پھر وہ ہنستا ہے، میں تعجب کرتا ہوں، اس شخص پر جو دنیا کے حوادث، تغیرات، انقلابات ہر وقت دیکھتا ہے، پھر دنیا پر اطمینان کرلیتا ہے، میں تعجب کرتا ہوں، اس شخص پر کہ جس کو تقدیر کا یقین ہے، پھر رنج و مشقت میں مبتلا ہوتا ہے، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عنقریب حساب کا یقین ہے پھر نیک اعمال نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید میں جو کچھ موجود ہے اسے ماننے ہی میں نجات و فلاح ہے، اسے اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے کی جراءت نہیں کرسکتا اور نہ ہی اسے اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایسا کرے حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ساری دنیا اس ارشاد کو سنے۔

**قل ما یکون لي ان اُبدلہ من تلقآي نفسي** (یونس)

آپ فرمادیجئے کہ میں اس کتاب کو اپنی طرف سے بدلنے کا حق نہیں رکھتا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کی ہر آیت عقیدہ ہے، ہر آیت پر ایمان لایا جائے، کسی ایک آیت کے بارے میں ذہن ڈگمگا جائے تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، اس لئے الحمد کی الف سے لیکر والناس کی س تک سارا قرآن ایک مسلمان کا عقیدہ ہے۔

پورے قرآن کو کھول کر پڑھا جائے تو انسان محسوس کرتا ہے کہ انسان کی زندگی کے بے شمار مسائل کا حل قرآن نے پیش کیا ہے، مسئلہ صرف اس پر ایمان

ویقین کا رہ جاتا ہے، جو آدمی حق تعالیٰ کے فرمودات کو بہ دل وجان تسلیم کرتا ہے وہ کامیاب ہے، اور جو شک وشبہ کی زنجیروں میں گرفتار ہوگیا۔ اس کے لئے دونوں جہاں ظلمات اور اندھیر بن گئے، اس لئے مسلمان کو چاہیئے کہ ہر ہر فرمان کو دل وجان سے مان کر اس پر عمل کرے۔

## خلاصہ بحث:

قرآن حکیم نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر صحائف اُتارے، انبیاء پر کتابیں اُتاریں، آخر میں ساری کتابوں کی سردار قرآن کی شکل میں اُتاری، ان تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہیں، جب تک ان تمام کتابوں پر ایمان نہیں لایا جاتا، انسان اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا، ایمان سب پر لانا ہے کہ یہ منزل من اللہ ہیں اور اتباع صرف قرآن حکیم کی کرنی ہے، اگر قرآن کے علاوہ کسی کتاب میں نجات کا عقیدہ اپنایا گیا ہوتو باعث نقصان ہوگا، قرآن کے کسی حرف اور آیت میں شک کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے، اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے انسان فاسق اور گنہگار ہوتا ہے، اور ان کے انکار سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

# اہلسنت والجماعت:

یہ تو بالکل واضح ہے کہ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الایمان ہی سے فرقِ اسلام کا تذکرہ بار بار آتا ہے اور بخاری شریف میں تو بہت زیادہ، لیکن ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں، اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ حسب ضرورت کچھ تعارف ہوجانا چاہیئے، اسلئے ہم سب سے پہلے اہلسنت والجماعت کا تعارف مع وجہ تسمیہ مفید سمجھتے ہیں۔

## وجہ تسمیہ:

عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیاتین علیٰ امتی کما اتی علیٰ بنی اسرائیل حذ والنعل بالنعل حتیٰ ان کان منهم من اتیٰ علانیة لکان فی امتی من یصنع ذالك وان بنی اسراء یل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی۔ رواه الترمذی وفی روایة احمد وابی داؤد عن معاویة ثنتان وسبعون فی النار و واحدة فی الجنة وهی الجماعة (مشکوٰة ۳۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بلاشبہ میری امت پر ایسے ہی حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے۔ دونوں میں ایسی مماثلت ہوگی، جیسے دونوں پیر کے جوتے ایک دوسرے کے بالکل ٹھیک مطابق ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں کوئی شخص پیدا ہوجائے گا جو ایسی حرکت کرے، بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے میری امت میں تہتر فرقے ہوجائیں گے، وہ سب فرقے جہنمی ہوں گے مگر ایک، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ فرقہ کونسا ہوگا۔ فرمایا وہ طریقہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں (اسکے عامل) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور احمد وابوداؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں، بہتّر گروہ دوزخ میں

جائیں گے اور ایک گروہ جنت میں جائیگا۔

اسی روایت کے آخر میں یہ بھی ہے

وانہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بهم الهواء کما یتجاری الکلب بصاحبه لا یبقیٰ منه عرق ولا مفصل الا دخله

اور میری امت میں ایسی قومیں بھی ظاہر ہو جائیں گی جن میں خواہشات (یعنی عقائد و اعمال میں بدعات) اس طرح سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹنے سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے وہ مریض کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے، کوئی رگ یا جوڑ اس سے محفوظ نہیں رہتا، ہر جگہ وہ بیماری داخل ہو جاتی ہے۔ (مرقات ج ا ص ۲۰۴)

**فائدہ:** اہلسنت پر جماعت کا اطلاق اس جیسی روایتوں سے ثابت ہے۔ حدیث کی تحقیق اور ان فرقوں کی قدرے تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تمسك بسنتی عندَ فساد امتی فله اجر مأة شهید (مشکوٰة ج ا ۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سنت کو دلیل بنایا اس کو سو شہیدوں کو ثواب ملیگا۔ بیہقی نے اس روایت کو اپنی کتاب الزھد میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

**فائدہ:** ظاہر ہے کہ متمسکین بالسنۃ اہلسنت ہی ہیں، دونوں روایتوں کے ملانے سے اہلسنت والجماعت کا لقب ثابت ہو جاتا ہے۔ بلکہ صرف پہلی روایت اس کیلئے کافی ہے۔

الفصل الثالث عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یا خذ الشاة والقاصیة والناحیة وایا کم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة، رواه احمد مشکوٰة شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۔ عن ابی ذر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة اسلام من عنقه رواه احمد و ابوداؤد۔ (مشکوٰة شریف)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے، جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھا لے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کنارے سے پرے ہو، تم (گمراہی کے) پہاڑ کی گھاٹیوں سے بچو۔ جماعت اور سواد اعظم کا ساتھ پکڑے رہو۔

**فائدہ:** یعنی اہلسنت والجماعت کی شاہراہ عام اور صاف وسیدھی راہ کو چھوڑ کر ایسی گھاٹیوں میں نہ جا بیٹھو جو ضلالت و گمراہی سے بھری ہوئی ہوں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا۔

عن مالك بن انس مرسلا قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله۔ (رواه فی الموطا۔ مشکوٰة ج ا ۳۱)

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑیں جب تک تم انہیں پکڑے رہوگے (مضبوطی سے عمل کرتے رہوگے) ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔ مؤطا۔

عن بلال بن الحارث المزنی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احیا سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیئا۔ (رواه الترمذی)

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا یعنی رائج کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو۔ بغیر اس کے کہ ان سنت پر عمل کرنیوالوں کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔

(٦) وعنه قال صلیٰ بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلیغة زرفت منها العیون ووجلت منها القلوب فقال رجل یا رسول الله کان هذه موعظة مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاءِ الراشدین المهدیین تمسکو ابها وعضوا علیها بالنواجذ وایا کم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ رواه احمدو ابو داؤد والترمذی وابن ماجة لانّهما لم یذکر الصلوة۔ مشکوٰة شریف، (راوه الترمذی وقال حسن صحیح مرقات ج ا ۲۰۱)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت مؤثر انداز میں نصیحت فرمائی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور قلوب خوفزدہ ہوگئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) گویا رخصت کرنے والے کی یہ آخری نصیحت ہے لہٰذا ہم کو وصیت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو اور تم کو مسلمان حاکم کی سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر چہ وہ مسلمان امیر عبد حبشی ہی ہو، تم میں سے جو

شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ اختلاف کثیر دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم جانو، اسی کے مطابق عمل کرو اسی کو اپنا قائد بناؤ اور اسی کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو، اس لئے کہ ہر نئی بات جسے دین سمجھا جائے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ امام احمد ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس کو روایت کیا اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔

وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لا یجمع امتی او قال امة محمد علیٰ ضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذ شذفی النار۔ رواه الترمذی، و ابن ماجة من حدیث انس۔ (مشکوٰة ج ا ۳۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ میری امت محمدؐ یہ یعنی میری امت کو گمراہی پر جمع نہ فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ رہے وہ جنتیوں کی جماعت سے الگ کر کے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

**فائدہ:** اللہ کے ہاتھ سے مراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے توفیق وتائید اور حفاظت ومدد جماعت پر ہوتی ہے۔ اس امت مرحومہ پر خدا کی جانب سے جہاں بہت سے احسانات ہیں وہیں اس کا یہ بھی بہت بڑا کرم ہے کہ اس امت مرحومہ کے لوگ کبھی ناحق اور غلط بات پر جمع نہیں ہوسکتے۔ یہ جب بھی کسی چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ حق بات ہوتی ہے (مظاہر حق طبع جدید ج اقسط نمبر ۳)

وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ (رواه ابن ماجة من حدیث انس وابن عا صم فی کتاب السنة)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم کی پیروی کرو اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہوا، جنتیوں کی جماعت سے نکال کر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لا حدفا فعل ثم قال یا بنی و ذالك من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ تم صبح سے لیکر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمھارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو پھر فرمایا اے میرے بیٹے یہی میری سنت ہے اور جس شخص نے میری سنت کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

**فائدہ:** اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا سبب ہے، اور جنت میں آپ کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ کی سنت پسند کرنے پر یہ خوش خبری ہے تو سنت پر عمل کرنا کتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہوگی۔ رزقنا الله بفضله ومننه وکرمه آمین، یا رب العالمین۔ (مظاہر حق)

عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ ( رواه احمد و ابو داؤد۔)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ (مسند احمد، ابوداؤد۔)

**تشریح:** یعنی جو شخص کسی مرحلہ پر بھی جماعت سے الگ ہوگا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اب وہ اسلامی قیود اور احکام کی پابندی سے بھی آزاد ہوجائے گا اور اپنی ذہنی فکری اور عملی طاقتوں کو ایسے رخ پر موڑ دیگا جہاں نہ کوئی قید ہوگی اور نہ کسی کی پابندی بلکہ خودرو، آزاد اور دین وشریعت کی پابندی سے کنارہ کش ہوجائے گا۔

**فائدہ:** فرق باطلہ کی تاریخ کو ملاحظہ فرمائیں تو صاف نمایاں ہوجائیگا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے، جیسا آپ نے فرمایا ہو بہو ویسا ہی ہوا۔

یہ چند روایات ہیں جو صرف مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالکتاب والسنة سے نقل کی گئی۔ ان حدیثوں میں کسی تقریر کی ضرورت نہیں، ان سے ہمارا مقصد بخوبی واضح ہے، یعنی اہلسنت والجماعت کی تعریف اور وجہ تسمیہ۔ صرف مشکوٰۃ شریف کا حوالہ اس لئے ہے کہ وہ ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہوجاتی ہے۔

## افتراق امت کی تحقیق:

حدیث کی تحقیق سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بھی واضح ہوجائے کہ اس اختلاف میں کوئی استبعاد نہیں بلکہ آیات قرآنیہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور اسی میں مصلحت ہے ارشاد باری ہے۔

ولوشاء ربك لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك۔ اگر آپ کے رب چاہتے تو سب کو ایک ہی صراط مستقیم پر قائم کردیتے لیکن وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے، بجز ان کے جن پر آپ کا پروردگار رحم فرمائے۔

**فائدہ:** خدائے تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو متقضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتے، اسی لئے حق کو قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا، مگر فی الحقیقت اختلاف ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے صاف اور

صریح فطرت کے خلاف کیا، حق کو جھٹلایا، اگر فطرت سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف ہی نہ ہوتا۔ اسی لئے الا من رحم ربك سے متنبہ فرمادیا کہ جن پر خدا نے حق پرستی کی بدولت رحم فرمادیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں ولذالك خلقهم سے اشارہ کردیا کہ دنیا کی آفرینش میں حکمت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی صفات جمالیہ وقہریہ کا ظہور ہو، اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا مبنی بر حکمت ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری دکھا کر رحمت وکرم اور غفران ورضوان کا مظہر بنے جو الا من رحم ربك کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت وغداری سے اس کی صفت عدل وانتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے۔

بہرحال آفرینش کا تشریعی مقصد عبادت ہے "وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون" اور تکوینی حکمت یہ کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب واختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ اور جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف وقہر کے مورد بن سکیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا جس قدر پھیلتی جاتی ہے اختلاف کا دامن بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ پھر لطف وکرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد وعمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ فوائد القرآن سورۂ ہود صائب نے خوب کہا ہے۔

قاتلش غازی ومقتولش بود صائب شہید　　ہیچ کافر را دریں دنیا بچشم کم مبیں

حضرت عطاء اور مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہاں مختلفین سے یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وحنفیت کا اختلاف مراد ہے اور الا من رحم ربك سے مراد حنفاء ہے شاید اس لئے بھی اس امت کو امت مرحومہ کا خطاب دیا گیا ہو۔

بہرکیف سورہ ہود کی اس آیت میں الا من رحم ربك کو مختلفین کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم کو تکوینی طور پر تمام انسانوں میں دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔

(۱) اہل اختلاف　(۲) مرحومین　اور سورۂ انعام میں ہے

وان هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔ میرا سیدھا راستہ یہ ہے اسی پر چلو دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستے سے جدا کرکے تتر بتر کردیں گے۔

**فائدہ:** آیت بالا میں صراط مستقیم کیلئے لفظ مفرد اور بقیہ اہل اختلاف کیلئے السبل لفظ جمع اختیار کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راہ مستقیم ایک ہی ہے اور ضلالت و گمراہی کے راستے بہت ہیں۔

مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ اس معنوی افتراق وتشتت کو محسوس طور پر سمجھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا دیکھو یہ سیدھا خط تو صراط مستقیم ہے اور اس کے دائیں بائیں جو خطوط ہیں وہ سبل ہیں، ناپسندیدہ راہیں ہیں، جن کی طرف شیاطین دعوت دیتے ہیں، اسکے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

اسی طرح قرآن عزیز کی متعدد آیتوں میں یہی مضمون ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سبل متفرقہ بہت ہیں اور صراط مستقیم ایک ہی ہے، سورہ فاتحہ میں بھی اس کی جانب اشارہ بلکہ قریب قریب تصریح ہے۔ اختصاراً ہم صرف سورۂ ہود اور سورۂ انعام کی دونوں آیتوں کی طرف آپ کی عنانِ توجہ کو منعطف کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں کے نتائج کو ملایئے تو حدیث افتراق امت کا پورا پورا مفہوم سامنے آجاتا ہے، صرف فرق باطلہ کی تحدید وعدم تحدید کا فرق رہتا ہے۔ ان آیتوں کے مضامین کا تجزیہ کیا جائے تو حسب ذیل نتائج برآمد ہوں گے۔

آیت انعام (۱) صراط مستقیم صرف ایک ہے۔ (۲) سبل متفرقہ بہت ہیں، سورۂ ہود (۳) نجات صرف ایک جماعت کیلئے ہے۔ (۴) اہل اختلاف کیلئے نجات نہیں۔ یہی چاروں امور حدیث افتراق کا مفہوم ہیں، البتہ آیات میں فرق مختلفہ کی تحدید نہیں اور حدیث میں اس افتراق کی تحدید ہے۔

## حدیث افتراق امت کی تحقیق:

ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صرف اسی قدر روایت کیا ہے کہ یہود کے اکہتر (۷۱) فرقے ہوئے اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہوئے اور میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے بھی افتراق امت کی حدیث کو حسن صحیح کہا۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے، پھر کہا اصول میں یہ ایک عظیم الشان اور بڑی اہم حدیث ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن عدی، حاکم، ابن حبان وغیرہ محققین حدیث نے اس کو اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور جامع الاصول، تیسیر الوصول، مقاصد حسنہ، جمع الجوامع، کتاب بیہقی وغیرہ میں ان روایات کو ان کتب صحاح وغیرہ سے نقل کیا ہے تو اس کی صحت میں کلام نہیں۔ تعجب تو علامہ شبلی نعمانی پر ہے کہ انہوں نے سیرۃ النعمان کے صفحہ ۱۳۲ ار میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے طرق بہت ہیں اور ائمہ حدیث نے اس کو صحیح مانا ہے، زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ انہوں نے موضوع ہونے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ فیا للعجب۔ (مخلصاً تاریخ مذاہب اسلام/۶)

## خلاصہ مع قدرے تفصیل:

امام ترمذی نے حدیث افتراقِ امت کی روایت کرنے والوں میں چار صحابہ کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ کی حدیث تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے اور اس کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ شیخ محمد طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں اسے نقل فرما کر کوئی

اختلاف رائے ظاہر نہیں کیا۔ امام شاطبی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر کی گئی روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ اعتصام ج ۲، ۱۶۲، ۱۷۰، ۲۰۶۔ موافقات ج ۷، ۴۴۷، حاکم نے حدیث مذکور کو دوجگہ روایت کیا ہے۔ مستدرک ج ۱، ۶، ۱۲۸۔ ذہبی فرماتے ہیں علیٰ شرط مسلم یعنی یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے بھی مفصل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف افتراق کا بیان ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت میں كلهم فی النار الا ملة واحدة کی زیادتی ہے اور امام ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے، البتہ ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بھی كلهم فی النار الا واحدة کی زیادتی ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ مستدرک ج ۱/ ۱۲۸، اور حضرت سعد اور عوف ابن مالک کا صرف حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے۔

شارح سفر السعادۃ نے امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ ناموں کا اضافہ کیا ہے، اس طرح اس روایت کے راوی پندرہ ہوئے۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں حدیث تفرق الامۃ ابوداؤد والترمذی قال حسن صحیح وابن ماجه عن ابی هريرة رفعه افترقت اليهود علىٰ احدى و اثنين وسبعين فرقة والنصارىٰ كذالك ويفترق امتی علىٰ ثلث وسبعين فرقة كلهم فی النار الا واحدة ، قالوا من هی يا رسول الله قال ما انا عليه واصحابی وهو عندا بی حبان والحاكم فی صحيحهما بنحوه وقال الحاكم انه حديث كبير فی الاصول وقدروی عن سعد بن ابی وقاص وابن عمرو ابن العاص وعوف بن مالك قلت وعن انس و جابر وابی امامة وابن عمرو ابن مسعود علی عمرو عوف وعويمر ومعاوية كما بينتها فی كتاب الفرق واو دع الزيلعی فی سورة الانعام من تخريجة من ذلك جملة مقاصد حسنہ ص۷۶، حاصل یہ ہے کہ علامہ سخاوی کے نزدیک بھی كلهم فی النار الا واحدة کی صحت مسلم ہے۔

علامہ سیوطی، حضرت انس کی روایت عقیلی اور دارقطنی کے حوالے سے پیش کرکے فرماتے ہیں والحديث المعروف واحدة فی الجنة وهی الجماعة یعنی معروف حدیث کے الفاظ یہ ہیں ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور وہ مسلمانوں کی جماعت ہوگی۔ علامہ سیوطی بطریق ابن عدی نقل کرکے فرماتے ہیں والمحفوظ فی المتن یعنی اس متن کے جو الفاظ محفوظ ہیں وہ یہ ہیں تفترق امتی عن ثلث وسبعين فرقة كلها فی النار الا واحدة (اللآلی المصنوعة ۱۲۸ج۱)

اور اصول حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ شاذ وہ روایت ہے جسے ثقہ اپنے سے ارجح یا ثقات کے خلاف نقل کرے اور اس کے مقابل کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ اور منکر وہ روایت ہے جسے ضعیف مقبول کے خلاف روایت کرے اور منکر کے مقابل کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ (ملخصا قفوالاثر ۱۳ شرح نخبہ ۴۰)

معلوم ہوا کہ یہ روایت علامہ سیوطی کے نزدیک مقبول ہے کیونکہ محفوظ و معروف مقبول احادیث کی قسمیں ہیں۔ حافظ نور الدین ہیثمی حضرت ابو امامہ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں

رواه ابن ماجة والترمذی باختصار ورواه الطبرانی ورجاله ثقاة
(مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٣٤)

اسکو ابن ماجہ اور ترمذی نے مختصراً روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس کے سب روای ثقہ ہیں۔

حضرت عوف بن مالک کی روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے۔ اور اسکے متعلق حاکم فرماتے ہیں: هذا حديث صحيح علىٰ شرط الشيخين
یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۴، ص ۴۳۰)

حاکم کی تصحیح پر عام طور پر علماء کو اعتماد نہیں۔ اس کی تفصیل امداد الباری جلد اوّل میں گذر چکی۔ لیکن یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ حافظ ذہبی اگر حاکم کی تصحیح پر تنقید نہ کریں تو وہ معتبر ہے اور یہاں حافظ ذہبی نے حاکم کی تصحیح پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے، معلوم ہوا کہ حاکم کی اس تصحیح سے ان کو اتفاق ہے، ورنہ حسب عادت یہاں بھی اپنی تحقیق ضرور ظاہر کرتے۔

حضرت معاویہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں وتفترق هذه الامة علىٰ ثلث وسبعين كلهم فی النار الا واحدة وهی الجماعة حضرت معاویہ اور ابو ہریرہ کی روایت نقل کرکے حاکم فرماتے ہیں هذه اسانيد تقام بها الحجة فی تصحيح هذا الحديث وقدروی هذا الحديث عن عبدالله بن عمرو بن العاص و عمرو بن عوف المزنی باسنادين تفرد باحد هما عبدالرحمن بن زياد الافريقی والاخر كثير بن عبدالله المزنی ولا تقوم بها الحجة اور علامہ ذہبی نے بھی فرمایا هذه اسانيد تقوم بها الحجة وجاء كلها فی النار الا واحدة وهی الجماعة حاکم کے نزدیک حجت اور قابل استدلال ہیں اور علامہ ذہبی کے نزدیک بھی۔ فالحمدللہ

روایات کی تحقیق وتنقید کے بعد صاحب ترجمان السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ روایت پندرہ صحابہ سے منقول ہیں ان میں ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، انس، ابوامامہ، عمرو بن عوف، معاویہ، عوف بن مالک کی روایات صحیح یا حسن کے درجہ پر آسکتی ہے۔ بقیہ روایات کی اسانید اگرچہ ضعیف ہوں، مگر یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ ضعیف حدیث کثرت طرق کی وجہ سے قوی ہوجاتی ہے لہٰذا وہ بھی طبقہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، اب اس مجموعۂ روایات کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ جو حدیث اتنے صحابہ سے مختلف صحیح وحسن طریقوں سے مروی ہو کیا محض چند شبہات کی وجہ سے اس سے صرف نظر کرلینا درست ہوسکتا ہے۔ ترجمان السنۃ ج ۱۔ ص ۲۵

**غرض:** اس روایت کی صحت کی تصریح امام غزالی نے بھی کی ہے۔ عبارت فرق ضالہ کے کفر و اسلام کی بحث میں مذکور ہے۔

## چند شبہات اور ان کے جوابات:

(۱) علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النعمان'' میں حدیث افتراق کو موضوع کہا؟

**جواب:** اولاً تو علامہ شبلی مؤرخ ہیں محدث نہیں۔ ثانیاً انہوں نے موضوعیت کی کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے اور دعویٰ بلا دلیل کسی طرح معتبر نہیں۔ اگر اسی طرح ان کے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو ہر شخص حدیث کو موضوع کہہ سکتا ہے، ثالثاً اتنے جلیل القدر محدثین کے مقابلہ میں ان کا قول کیونکر معتبر ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے، ان کے مقابلہ میں علامہ شبلی کا اعتبار ہی کیا، ملاحظہ ہو حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ''در صدر ایں حدیث در روایات صحیحہ ایں عبارت وارد شدہ افترقت **الیھود علیٰ احدی وسبعین فرقۃ و افترقت النصاریٰ علیٰ ثنتین وسبعین فرقۃ وستفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین فرقۃ**۔ فتاویٰ عزیزیہ

(۲) علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے سفر السعادت کے خاتمہ پر لکھا ہے۔ **لم یثبت فیہ شئی** اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

**جواب:** ان حضرات نے اس کتاب کی ورق گردانی کی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ مؤلف نے احادیث پر حکم لگانے کیلئے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، کہیں باطل موضوع۔ **لم یصح فیہ حدیث** اور کہیں **لم یثبت** کا لفظ لگاتے ہیں، پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ اس مضمون کو حدیث رسول کہنا ہی غلط ہے، دوسرا لفظ صحت کی نفی کرتا ہے اور نفی صحت سے حسن کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح لم یثبت کا لفظ طرق ضعیفہ کی نفی نہیں کرتا، مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے رسالہ الرفع والتکمیل میں ان فروق کی پوری تشریح فرما دی ہے کہ بسا اوقات محدثین لایصح یا لایثبت کا لفظ فرماتے ہیں ناواقف اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔

**فقد قال علی القاری فی تذکرۃ الموضوعات لا یلزم من عدم الثبوت وجود الوضع، انتھی وقال الحافظ ابن حجر فی نتائج الافکار قلت لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم وعلی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت الضعف لا حتمال ان یراد بالثبوت الصحۃ فلا ینتقی الحسن وعلیٰ التنزل لا یلزم من نفی الثبوت عن کل فرد نفیہ عن المجموع اھ**

حافظ ابن حجر نتائج الافکار میں فرماتے ہیں پہلے تو کسی کے نہ جاننے سے اس چیز کا فی الواقع نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، پھر اگر تسلیم کر لیا جائے تو نفی ثبوت سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت کی مراد ہو تو صحت کی نفی سے حسن کی نفی نہیں ہوتی، اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو ہر فرد کے ثبوت کی نفی سے مجموعہ کے ثبوت کے نفی ضروری نہیں (کل افرادی اور کل مجموعی کا فرق واضح ہے)

**وقال الزرکشی فی نکتہ علیٰ ابن الصلاح بین قولنا موضوع وبین قولنا لا یصح بعد کثیر**

علامہ زرکشی نکت ابن الصلاح میں فرماتے ہیں ہمارے لایصح اور موضوع کہنے میں بہت بڑا فرق ہے،

**فان الاول اثبات الکذب والاختلاق والثانی اخبار عن عدم الثبوت ولا یلزم منہ اثبات العدم وھذا یجئی فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لا یصح۔**

کیونکہ موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا جھوٹا ہونا اور حدیث کا گھڑی ہوئی ہونا ثابت ہو گیا اور لایصح میں صرف حدیث کے ثابت نہ ہونیکی خبر ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں فی الحقیقت بھی ثابت نہ ہو۔

**وقال علی القاری فی تذکرۃ الموضوعات تحت حدیث من طاف بالبیت اسبوعا الخ من ان قول السخاوی لا یصح لا ینا فی الضعف والحسن**

ممکن ہے کہ کسی کے نزدیک ثابت نہ ہو دوسرے کے نزدیک ثابت ہو۔ یہی جواب ہے، ان تمام حدیثوں کا جن کے متعلق ابن جوزی نے لایصح یا اس کے مثل کوئی لفظ کہا ہے۔

**فائدہ:** ابن جوزی کا تشدد مشہور ہے اور علماء کے نزدیک ابن جوزی کا کسی روایت پر وضع کا حکم لگانا معتبر نہیں جب تک کہ کوئی دوسرا معتمد محدث ان کی تائید نہ کرے۔ امداد الباری ج ۱/ ۴۹۱ میں اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ مجدالدین فیروز آبادی کے لم یثبت فیہ شئی کہنے سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اس کے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی، پھر ممکن ہے کہ یہ روایت جن طرق سے ان کو ملی ہو وہ قابل احتجاج نہ ہو، لیکن ان کا قول ان لوگوں پر حجت نہیں جنہیں صحیح طریقے سے ملے، خصوصاً علامہ ذہبی، علامہ سخاوی وغیرہ محققین نے بعض طرق کی صحت کو تسلیم کر لیا تو ان کے مقابلہ میں علامہ مجدالدین کا قول کیوں کر معتبر ہو گا، پھر خیر الاصول ۹ میں ان کو جرح میں متعنّت شمار کیا ہے، لہٰذا ان کا قول معتبر نہیں، مزید برآں لم یثبت ایک جرح مبہم ہے جو معتبر نہیں۔

(۳) الفروق والمذاہب فی الاسلام میں ہے کہ **کلھم فی النار الا واحدۃ** کی زیادتی کو ابن حزم نے موضوع کہا۔

**جواب:** ابن حزم نے زیر عنوان **فیمن یکفر ومن لا یکفر** اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث نقل کر کے فرمایا ہے

هذ ان حديثان لا يصحان اصلاً من طریق الاسناد۔(کتاب الفصل ج ۳۰ ۱۳۸)

**اولاً:** یہ تو جرح مبہم ہے جو تعدیل مفسر کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں۔

**ثانیاً:** یہاں صحت کی نفی ہے اور مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کی عبارت الرفع والتکمیل ابھی گذر چکی کہ لایصح سے موضوع ہونے پر استدلال اصطلاح محدثین سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔**ثالثاً:** صحت کی نفی حسن کی نفی کو مستلزم نہیں۔

**رابعاً:** کیا معلوم کہ ابن حزم کے پاس حدیث کے تمام طرق موجود ہیں یا نہیں! ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس یہ روایت ضعیف سند کے ساتھ پہونچی ہو تو انہوں نے لایصح کہہ دیا ہو۔

**خامساً:** ابن جوزی کا تشدد امت میں ضرب المثل ہے تو ابن حزم کی زبان کا سیف حجاج ہونا بھی مشہور ہے۔

علامہ ذہبی سیر النبلاء میں حافظ ابن حزم کے مناقب ومعائب کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں وانی اميل الىٰ محبة ابی محمد لمحبة بالحديث الصحيح و معرفته به و ان كنت لا او فقه فی كثير مما يقوله فی الرجال والعلل والمسائل البشعة فی الاصول والفروع واقطع بخطائه فی غير مسئلة و لكن لا اكفره ولا اضلله وارجواله العفو والمسامحة واخضع لفرط ذكائه وسعة علمه (مقدمة تحفة الاحوذی ۱۶۹)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ابن حزم بہت سی باتیں جو رجال وعلل کے بارے میں کہتے ہیں ان میں مجھے ان سے موافقت نہیں، اسی طرح ان کے بہت سے مسائل ہیں جو طبیعت اور دل کو مکدر بنانیوالے ہیں ان سے بھی میں موافق نہیں اور متعدد مسائل میں مجھے ان کی خطا کا یقین ہے، لیکن میں ان کی تکفیر نہیں کرتا نہ ان کو گمراہ بتاتا۔امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیں گے اور درگذر فرمادیں گے، ان کے وسعت علم اور ذہانت کی وجہ سے میں ان کا ادب کرتا ہوں اور مجھے اندازہ ہوا کہ ان کا تشدد حدیث صحیح کی محبت کیوجہ سے ہے، اس لئے میرا دل بھی ان کی محبت کی طرف ہے۔

غرض یہ علامہ ذہبی کی غایت احتیاط ہے، لیکن اس سے صاف ظاہر ہے کہ رجال وعلل کے بارے میں ابن حزم کا قول معتبر نہیں۔

**سادساً:** امام ترمذی جیسے جلیل القدر محدث اس سے ناواقف ہیں اوران کو مجہول کہتے ہیں تو ابن حزم کے قول کا اعتبار ہی کیا۔

قال الحافظ الذهبی فی ميزان الاعتدال محمد بن عيسىٰ بن سوره الحافظ العلم ابو عيسىٰ الترمذی صاحب الجامع ثقة مجمع عليه ولا التفات الىٰ قول ابی محمد بن حزم فيه فی الفرائض من كتاب الاتصال انه مجهول فانه ما عرف ولا دریٰ بوجود الجامع والعلل التی له انتهیٰ۔ (ميزان الاعتدال ج ۲ ۴۳۱)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کے بارے میں ابن حزم کا قول کہ وہ مجہول ہیں بالکل قابل التفات نہیں، کیونکہ ان کو امام ترمذی کی معرفت نہیں نہ ان کی کتاب جامع اور کتاب العلل کا علم ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی جلالت قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں حتیٰ کہ جب ان کے سامنے امام ترمذی کا تذکرہ ہوا تو تعجب سے فرمایا ومن محمد بن عيسىٰ بن سورة؟ یہ محمد بن عیسیٰ کون شخص ہیں (الباعث الحثيث الى معرفة علوم الحديث)

**سابعاً:** حافظ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کو مجہول بتا کر ابن حزم ظاہری نے اپنی ناواقفیت کا اعلان کردیا، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ ثقات مشہورین کی ایک بڑی جماعت جیسے حافظ ابوالقاسم بغوی، حافظ اسمٰعیل بن محمد الصفار اور حافظ ابوالعباس الاصم وغیرہم کے متعلق بھی ابن حزم نے یہی کہا ہے۔لہٰذا ابن حزم کے قول کی تاویل مناسب نہیں، بلکہ ان کا مزاج ایسا ہی ہے، لہٰذا ان کا قول معتبر نہیں، ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب کی عبارت وقال الحافظ فی تهذيب التهذيب قال الخيلی ثقة متفق عليه واما ابو محمد بن حزم فانه نادی علىٰ نفسه بعدم الاطلاع فقال فی كتاب الفرائض من الاتصال محمد بن عيسىٰ بن سوره مجهول ولا يقولن قائل لعله ما عرف الترمذی ولا اطلع علىٰ حفظه ولا علىٰ تصانيفه فان هذا الرجل قد اطلق هذه العبارة فی خلق من المشهورين من الثقات كالحافظ ابی القاسم البغوی و اسمٰعيل بن محمد الصفار وابی العباس الاصم وغيرهم والعجب ان الحافظ ابن الفرضی ذكره فی كتابه المؤتلف والمختلف ونبه علىٰ قدره فكيف فات ابن حزم الوقوف عليه فيه، انتهیٰ (مقدمة تحفة الاحوذی ۱۷۰)

پس اگر ابن حزم کے قول کو لیا جائے تو بہت سے مشہور حفاظ بھی مطعون ہوں گے اور بہت سی حدیثیں ضائع ہوجائیں گی، لہٰذا فیصلہ یہی ہے کہ وسعت علم کے باوجود کسی عارض کیوجہ سے وہ بے قابو ہوجاتے تھے اور خلاف تحقیق باتیں تندیٔ طبع اور تلون مزاجی کے باعث کہہ دیتے تھے جیسا کہ ان کو خود اقرار ہے، لہٰذا ان کا قول حجت نہیں۔

## اصل حقیقت المرٔیوخذ باقراره:

حافظ ابن حزم نے اپنی تصنیف مداواة النفوس میں خود تحریر فرمایا ہے کہ میں ایک شدید بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے میری تلی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے میرے مزاج میں تنگی، تیزی وبداخلاقی اور جلدبازی پیدا ہوگئی تھی، جب میں اپنی پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میرے عادات واخلاق کس قدر تبدیل

ہوگئے ہیں اور میں اپنی اصلی طبیعت سے اتنا دور ہوگیا ہوں، (توجیہ النظر ۳۱)

بہر کیف جب اس حدیث افتراق امت کو مستند ائمہ حدیث نے جرح و قدح اور پوری تنقید و تحقیق کے بعد معتبر مانا، مثلاً علامہ ذہبی، علامہ سخاوی، علامہ نورالدین ھیثمی، علامہ جلال الدین سیوطی، حاکم، امام غزالی وغیرہ نے تو کہا کہ ایک مبہم و مجمل جرح ان کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

## حدیث افتراق امت پر معنوی شبہات:

(۱) اس روایت میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اکثریت پر ناری ہونے کا حکم لگایا ہے حالانکہ کتاب وسنت سے اس امت کا امت مرحومہ ہونا ثابت ہے اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی، یہاں تک کہ جنت میں دو ثلث اسی امت کے لوگ ہوں گے اور ایک ثلث میں باقی امتیں۔ جامع ترمذی میں ہے کہ اہل جنت کی ۱۲۰ر صفیں ہوں گی، ۸۰ر امت محمدیہ کی اور ۴۰ دوسری امتوں کی۔

(۲) دوسرا شبہ یہ ہے کہ کلھم فی النار سے مراد خلود فی النار ہے یا دخول فی الجملہ۔ اگر خلود فی النار مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بجز ایک فرقہ کا کہ تمام فرقے ابد الآباد ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنم میں جائیں گے تو یہ مسلم نہیں، اس لئے اس صورت میں یہ حدیث نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے مخالف ہوجائے گی، کیوں کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ اہل اسلام کا کوئی فرقہ مخلد فی النار نہ ہوگا اور اگر ناری ہونے سے مراد یہ ہے کہ اپنے اعمال و معاصی کی سزا بھگتنے کے بعد یہ تمام فرق اسلامیہ جو ناری ہیں کسی وقت نجات پاجائیں گے تو یہ مسلم ہے لیکن اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ فرقہ ناجیہ کا کوئی فرد بھی تھوڑی دیر کیلئے جہنم میں نہ جائے، حالاں کہ احادیث صحیحہ مثلاً احادیث شفاعت متواتر المعنی سے ثابت ہے کہ فساق مومنین چندے جہنم میں جائیں گے اور شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکالے جائیں گے۔

**جواب:** یہ کوئی نیا شبہ نہیں، شرح عقائد، ملا جلال اور اس کے حواشی میں اس کے متعدد جوابات موجود ہیں من شاء التفصیل فلیطا لع هنالك.

**فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے، زمان و مکان اور اشخاص کو ہر حیثیت سے آپ سارے عالم کیلئے مبعوث ہیں اور ہر شخص کیلئے چاہے کہیں ہو، کسی زمانہ میں ہو آپ کی دعوت عام ہے، پھر جو ان میں سے ایمان لائے ان کو امت اجابت کہا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے آپ کی دعوت ایمانی کو قبول کیا اور جو ایمان نہیں لائے ان کو امت دعوت کہا جاتا ہے اس اصطلاح کے معلوم ہونے کے بعد اب جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

**جواب اول:** بعضوں نے یہ کہا کہ اس حدیث افتراق میں امت سے مراد امت دعوت ہے یعنی آپ کی تمام امت میں تہتر فرقے ہوں گے اس میں کافر و مومن، یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ سب شامل ہیں، ان تہتر فرقوں میں بہتر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے وہ سب مخلد فی النار ہوں گے اور ایک فرقہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا وہ مخلد فی النار نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ اس جواب کا مدار اس بات پر ہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے اور ناری ہونے سے مراد خلود فی النار ہے، لیکن یہ جواب کمزور ہے اور علامہ جلال دوانی شرح عقائد عضدیہ میں فرماتے ہیں **وستفترق امتی ای امة الاجابة (لا الدعوة) وهم الّذین آمنوا به علیه الصلوٰة والسلام وهو الظاهر فان اکثر ما وردفی الحدیث علیٰ هذه الاسلوب ای لفظ امتی اریده اهل القبلة فکذاههنا.** یعنی ظاہر یہی ہے کہ امت اجابت مراد ہے امت دعوت مراد نہیں اس لئے کہ حدیث میں لفظ امتی ہے اور احادیث میں اسی عنوان سے عموماً اہل قبلہ یعنی مومن ہی مراد ہوتے ہیں لہٰذا یہاں بھی امت اجابت یعنی اہل ایمان مراد ہوں گے، اسی وجہ سے امتی فرما کر اپنی ذات کی طرف منسوب کیا۔ علاوہ بریں اس امت کے اختلاف کو بنی اسرائیل کے اختلاف کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے اور یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ یہود کا اختلاف یہودیت کے دائرے میں رہ کر تھا، اسی طرح نصاریٰ کا اختلاف نصرانیت کے وسیع مفہوم میں شامل رہ کر تھا اسی طرح اس امت کا اختلاف بھی امت اجابت یعنی ایمان کے دائرے میں رہ کر ہونا چاہئے تھا کفر کو اپنی تمام انواع و اقسام کے ساتھ شریعت کی نظر میں ایک ہی ملت قرار دیا گیا ہے۔ الکفر ملة واحدة، تاریخ عالم بھی زبان حال سے یہی بتاتی ہے کہ خوارج و روافض، معتزلہ، مرجیہ، کرامیہ وغیرہ کی جتنی فرقہ بندیاں ہوئیں ہمیشہ اسلام ہی کے نام پر ہوئیں، ہر ایک اسی بات کا مدعی تھا کہ صراط مستقیم اسی کی راہ ہے، دوسری جماعتیں صراط مستقیم سے منحرف اور حق سے ہٹی ہوئی جماعتیں ہیں، اس لئے حدیث افتراق میں امت دعوت مراد لینا بعید ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں **ثم قیل یحتمل امة الدّعوة فیند رج سائر الملل الذین لیسوا علیٰ قبلتنا فی عدد الثلاث والسبعین ویحتمل امة الاجابة فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرة فی اهل قبلتنا والثانی هوا لا ظهر ونقل الابهری ان المراد بالامة امة الاجابة عند الاکثر. مرقات ج ۱ ۲۰۴**

**جواب ثانی:** بیان سابق سے یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ حدیث افتراق امت میں اختلاف و انحراف من الدین مراد نہیں، اسلئے امت سے مراد امت دعوت نہیں ہوسکتی جس میں یہود و نصاریٰ اور بقیہ کافر قومیں بھی داخل ہوں بلکہ حدیث میں مراد وہ افتراق ہے جو اصل دین سے منسوب رہتے ہوئے بعض اصول و کلیات کی تشریح میں اختلاف کرنا ہے، اس لئے یہاں افتراق سے امت اجابت ہی کا افتراق مراد ہوگا، البتہ اگر یہ انحراف اپنی حد سے متجاوز ہوجائے تو وہ مفضی الی الکفر بھی ہوسکتا ہے۔

اب سابقہ سوال پھر عود کر آئے گا کہ امت اجابت مراد ہے تو لازم آئے گا

کہ امت اجابت کی اکثریت ناری ہو، حالانکہ یہ بات صریح حدیث کے خلاف ہے کمامر۔

اس کا سیدھا سادہ صاف جواب تو یہی ہے کہ امت اجابت کی اکثریت کے ناری ہونے میں اور دوسروں کے لحاظ سے جنت میں اسکے زیادہ ہونے میں کوئی تناقض ہی نہیں، در تناقض ہشت وحدت شرط داں۔ اس میں کوئی استبعاد ہی نہیں کہ اس امت اجابت کی اکثریت جنتیوں کے مقابلہ میں جہنمی زیادہ ہو، کیونکہ خیر القرون کے بعد ہر دور میں صالحین واتقیاء کے مقابلہ میں فساق وفجار کی کثرت برابر چلی آرہی ہے، مگر پھر بھی اس امت کے جنتی بقیہ تمام امت کے جنتیوں سے زیادہ اور المضاعف ہوں تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ یہ بھی بالکل ظاہر ہے اس لئے سابقہ امتوں، یہود ونصاریٰ کی اکثریت بھی ناری ہے اور وہ امتیں سارے عالم میں نہیں تھیں اور یہ امت مرحومہ سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے، پھر یہودیت مخصوص علاقہ میں ایک مدت تک رہی وہ منسوخ ہوگئی، اس کے بعد اس امت میں رہ کر کوئی جنتی نہیں ہوا، نہ ہوسکتا تھا، اسی طرح نصرانیت کا مکان بھی محدود ہے زمان بھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نصرانیت بھی منسوخ، اب کوئی سابقہ دین اصلی پر رہتے ہوئے بھی جنتی ہوا نہ ہوسکتا ہے اور یہ امت مرحومہ زمانہ کے اعتبار سے بھی غیر محدود ہے، قیامت تک رہے گی اور مکان کے اعتبار سے بھی غیر محدود ہے۔ اس امت میں برابر قیامت تک صلحاء واتقیاء اور جنتی رہیں گے، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ امت اجابت کی اکثریت ناری بھی ہو اور دوسروں کے مقابلہ میں جنت میں زیادہ بھی، لہٰذا یہ اشکال رفو چکر ہوگیا۔

صاحب ترجمان السنۃ نے ج ا ص ۷۷ میں خوب فرمایا کہ یہ بھی تو سوچئے کہ اس امت کی ضرب المثل وحدت اس کی خدا ترسی، راستبازی، باہمی ہمدردی اور سلوک اس کے دور عروج کی باتیں ہیں اور اس کے برعکس اس کا افتراق وتشتت تفرق و کجروی اس کے دور زوال وانحطاط کی داستان ہے کسی قوم کے دور عروج کی تاریخ اس کے دور زوال میں پڑھنے کی سعی کرنا (برائے اعتراض نہ عمل کیلئے) بڑا ظلم ہے۔ جن احادیث میں اس امت کی خیریت وبرتری موجود ہے انہیں میں اس کے دور انحطاط کا یہ افتراق مذکور ہے پھر اس میں تردد وشبہہ کی کیا بات ہے۔

**جواب ثالث:** تحقیقی جواب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جواب اولٰی کہ ارجح واقوی است۔ جواب محقق دوانی است باختیار شق جواب دادہ اند۔ حاصلش آنکہ مراد دخول است، لیکن دخول من حیث الاعتقاد وفرقہ ناجیہ را۔ اصلاً از جہت اعتقاد دخول نار نخواہد شد اگرچہ از جہت تقصیرات عمل در نار داخل شوند۔ (فتاویٰ عزیزی ۲۶)

سب سے زیادہ راجح اور اقوی جواب محقق دوانی کا ہے کہ کلہم فی النار سے خلود مراد نہیں بلکہ دخول ہے لیکن دخول من حیث الاعتقاد مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام فرقے اپنے اعتقاد کی خرابی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اور فرقہ ناجیہ کا کوئی فرد فساد اعتقاد کیوجہ سے جہنم میں نہ جائیگا اگرچہ اعمال کی کوتاہی کی وجہ سے بہت سے افراد داخل جہنم ہوسکتے ہیں۔

اس جواب پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث شریف میں من حیث الاعتقاد کی قید نہیں تو آپ نے یہ قید کہاں سے نکالی؟ کیا اس قید کیلئے حدیث میں کوئی قرینہ ہے تو حضرت شاہ صاحب نے اس کا جواب دیا کہ قید کیلئے حدیث میں چار قرائن ہیں (۱) یہ کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتفرق امتی علیٰ ثلثۃ وسبعین فرقۃ میری امت تہتر فرقہ میں متفرق ہوجائیگی۔ اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ عمل کے اعتبار سے تہتر فرقے ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں۔ تارک فرائض، مرتکب معاصی اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے والے اور حقوق العباد کو غصب کرنے والے، داڑھی منڈانے تراشنے والے، شرابی، زانی، لوطی، چور، ڈاکو، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے، شوہر پر زبان درازی کرنیوالی بیوی، جانور پر بیجا ظلم کرنے، جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ والے سب جداگانہ فرقے ہیں۔ اسی طرح عمل میں افتراق کرنے والے تہتر سے بھی زائد ہیں۔ اسلئے حدیث میں افتراق من حیث الاعتقاد مراد ہے۔ لہٰذا حدیث میں دخول نار سے بھی مراد وہی دخول ہے جو فساد عقیدہ کے باعث ہو (۲) اس حدیث میں الا واحدۃ کا استثناء دلالت کرتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کی نجات کا منشاء ایسی چیز ہوگی جو اس فرقہ کے تمام افراد میں مشترک ہو اور یہ ظاہر ہے کہ فرقہ ناجیہ کے تمام احاد وافراد میں اشتراک عقیدہ ہی میں ہے نہ کہ اعمال میں (۳) فرقہ ناجیہ کی تعریف میں الذین ھم علیٰ ما انا علیہ و اصحابی کا جملہ صریح دلیل ہے کہ کوئی معین چیز مراد ہے جو مشترک ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اس فرقہ ناجیہ کے درمیان اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اس قسم کا اشتراک سوائے عقائد کے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ (۴) اس حدیث کی ابتداء میں روایات صحیحہ کے اندر یہ موجود ہے کہ یہود اکہتر فرقوں میں منقسم ہوئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں اور اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہود ونصاریٰ کا افتراق باعتبار اعتقاد مراد ہے۔ لہٰذا اس امت میں بھی وہی افتراق مراد ہوگا اور دخول نار کا باعث یہود ونصاریٰ کے حق میں افتراق بحیثیت اعتقاد ہے تو یہاں بھی منشاء دخول نار وہی ہوگا۔

**جواب رابع:** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واحدۃ فی الجنۃ میں فرقہ ناجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بے حساب اور بے شفاعت جنت میں جائیں گے اور ایسے لوگ تھوڑے ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ما انا علیہ واصحابی کا جملہ اس توجیہ کو غیر مناسب بتاتا ہے پھر تمام صحابہ کے بغیر حساب اور بغیر شفاعت داخل جنت ہونیکی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف دلائل ہے۔

**جواب خامس:** کہ مختار حجۃ الاسلام امام غزالی است ومحققین ومحدثین آں را پسند فرمودہ اند (بعد اصلاح) آنست کہ مراد از فرقہ ناجیہ کسانے ہستند کہ آں را

دخول نار مطلق نیست لامن حیث الاعتقاد ولامن حیث العمل یعنی بے سبق عذاب و در بہشت خواہند رفت خواہ از معصیت آنہا عفو الٰہی واقع شود یا براہوال قیامت وشدائد قبر درحق آنہا اکتفا کردہ آید یا شفاعت پیغمبر در محو آثار ذنوب ایشاں تاثیر قوی نماید ایں فرقہ نخواہد بود مگر خواص اہلسنت کہ عقیدۃً وعملاً راہ بدعت نہ پیمودند۔ اگرچہ مصدر بعضے تقصیرات فرعیہ گشتہ باشند وتفسیر ایں فرقہ کہ الذین ہم علیٰ ما انا علیہ واصحابی بریں تقدیر بسیار چسپاں است زیرا کہ درعہد رسول وصحابہ کرام ہم درعقیدہ درعمل بدعتے نبودہ است۔

بہت سے محققین ومحدثین کا پسندیدہ جواب وہی ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالی نے بیان فرمایا اور اسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے فتاویٰ میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ فرقہ ناجیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بغیر کسی قسم کے عذاب کے جنت میں جائیگا اور بر بنائے بشریت جو عملی کمزوری ان سے صادر بھی ہوگئی ہوگی تو رحمت خداوندی یا تو اسے معاف کردیگی یا قبر اور محشر کے شدائد ہی ان کی خلاصی کیلئے کافی ہوں گے۔ یا نبی کریم شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی ان کے آثام وذنوب کے محو اور فنا کرنے میں مؤثر ہوگی اور یہ جماعت خاص اہل سنت کی جماعت ہوگی جس میں اعتقادی یا عملی کسی پہلو سے بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی اگرچہ فرعی تقصیر ان سے ہوگئی ہوگی اور الذین ہم علیٰ ما انا علیہ واصحابی کی تفسیر اس فرقہ پر بہت زیادہ چسپاں ہے اس لئے کہ صحابہ کرام کے اندر نہ عقیدہ میں کوئی بدعت تھی نہ عمل میں۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق و اختلاف کی سزا بھگتنی پڑے گی آخر کار اس امت کا ہر فرقہ جس کی بدعت کفر تک نہ پہونچی ہو کچھ عذاب پا کر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہوجائے گا۔

**جواب سادس:** حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بہترین جواب ایک وہ ہے جو کتب وحواشی میں مسطور نہیں لیکن عرب کے استعمال قدیم کے موافق ہے اور حدیث میں بھی اس کے استعمال کی شہادت موجود ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کلہا فی النار سے مراد بطلان ہے اور یہ ایک محاورہ ہے جو کسی چیز کے غلط اور ناقابل ہونے کے موقع پر بولا جاتا ہے جیسے اردو میں کہہ دیتے ہیں کہ اسے چولہے میں ڈالو یا جب کہتے ہیں کہ فلاں چیز فی النار ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ وہ باطل ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے الھذاء فی النار یعنی زبان درازی باطل ہے اور سورۂ نساء میں ہے ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں اپنے شکم میں حرام وباطل ہی کھاتے ہیں۔ نار سے یہاں مراد باطل اور حرام ہے اس لئے کہ یتیموں کا مال حقیقت میں آگ نہیں اور مجاز پر اس واسطے حمل نہیں کرسکتے کہ فی بطونھم کا لفظ پکار کر بتارہا ہے کہ یہاں مجاز مراد نہیں۔ پس حدیث مذکور میں کلھم فی النار کے معنی یہ ہیں کہ تمام فرقے باطل پر ہیں گو ایک یا دو عقیدہ یا عمل کی وجہ سے ہوں۔ اور فرق ناجیہ میں بطلان ہے نہ عقیدہ میں یہ جواب بظاہر حضرت شاہ علیہ الرحمہ کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس پر اشکال کیا گیا ہے کہ اس روایت کے دوسرے طریق میں واحدۃ فی الجنۃ ہے یعنی صرف ایک فرقہ جنت میں ہوگا۔ لفظ نار اور جنت کا تقابل اس محاورہ کی گنجائش نہیں دیتا۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ اکثر روایت میں کلھا فی النار ہے واحدۃ فی الجنۃ نہیں پس اگر واحدۃ فی الجنۃ کو روایت بالمعنی پر محمول کریں تو یہ جواب درست ہوسکتا ہے بہرکیف تامل سے خالی نہیں۔

**جواب سابع:** یہ ہے کہ کلھا فی النار سے مراد کل واحدٍ من افراد کل فرقۃ فی النار ہے یعنی بہتر فرقوں میں سے ایک کا ہر فرد جہنم میں جائے گا۔ لہٰذا اس عبارت سے مراد ایجاب کلی ہے اور الا واحدۃ سے اس کا استثناء کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ موجبۂ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ آتی ہے پس اس صورت میں کلھم فی النار الا واحدۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر ہر فرد اس فرقہ ناریہ کا داخلِ جہنم ہوگا اور فرقہ ناجیہ کا ہر فرد جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ اس صورت میں اشکال زائل ہوگیا یہ سات جوابات ہوئے لیکن ان میں سب سے بہتر جواب "ثالث اور خامس" ہیں، واللہ اعلم۔

## حدیث افتراق پر تیسرا معنوی اعتراض:

اس حدیث میں ابہام واجمال ہے اس وجہ سے ہر باطل سے باطل منحرف فرقہ یہی دعویٰ کررہا ہے کہ ما انا علیہ واصحابی کا مصداق وہی ہے، ہر فرقہ گمان کرتا ہے کہ صراط مستقیم وہی ہے جسے میں نے اختیار کیا ہے، میں ناجی ہوں اور دوسرا ناری ہے۔ اگر ابہام واجمال نہ ہوتا تو ان فرقوں کی تصریح ہوجاتی تو لوگ باطل فرقوں سے بآسانی اجتناب کرتے کسی کے دام تزویر اور فریب میں نہ مبتلا ہوتے۔

**جواب:** یہ دنیا امتحان گاہ ہے اس میں ابہام ہی مناسب ہے اور اسی میں حکمت ہے ملاحظہ فرمایئے، قرآن عزیز میں قیامت کا بیان کتنی سورتوں میں، کتنے عنوانات سے، کن کن الفاظ سے ہوا ہے، لیکن قیامت کے وقت معین کا علم کسی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے۔ حدیث جبرئیل مشہور حدیث ہے اس میں ہے کہ اس آنے والے شخص یعنی جبرئیل امین نے چند سوالوں کے بعد کہا فاخبرنی عن الساعۃ قیامت کے بارے میں مجھے بتایئے (کہ کب آئیگی) آپؐ نے فرمایا ما المسؤل عنھا با علم من السائل۔ اس بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، جس سے دریافت کرتے ہو اس کا تو وہ خود ہی سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں، قال فاخبرنی عن اماراتھا اس نے کہا اچھا اس قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتادیجئے قال ان تلد الامۃ ربتھا وان تری الحفاۃ العراۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باندی لونڈی اپنے آقا اور مالک کو جننے لگے۔ برہنہ پا برہنہ جسم محتاج وتنگ دست بکریاں چرانے والے عالیشان مکانوں اور عمارتوں کے بنانے میں فخر و مباہات کرتے نظر آنے لگیں گے۔ یہ مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی پہلی حدیث کے

الفاظ ہیں یہ حدیث بہت اہم ہے ام السنۃ، ام الاحادیث اور ام الجوامع ہے حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے۔ بخاری شریف، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابوعوانہ وغیرہ میں موجود ہے۔

اس میں فاخبرنی عن الساعۃ سے قیامت کے وقت متعین کا سوال ہے آپؐ نے ماالمسؤل عنہا باعلم من السائل سے جواب دیا اور مسند حمیدی میں ہے کہ یہی سوال حضرت عیسیٰؑ نے حضرت جبرئیل سے کیا تو حضرت جبرئیل نے یہی جواب دیا ما المسؤل عنہا با علم من السائل ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر اتنا جواب کافی تھا کہ لست با علم منك (یا لا اعلم) لیکن آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اور حضرت جبرئیلؑ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا ماالمسؤل عنہا با علم من السائل اس میں اشارہ ہے کہ ہر سائل و مسؤل کا یہی حکم ہے کہ اتنا تو معلوم ہے کہ قیامت آنے والی ہے لیکن اس کا وقتِ معین کسی مخلوق کو معلوم نہیں اور بخاری شریف میں ہے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ پھر آپؐ نے تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم الساعۃ جس میں تصریح ہے کہ قیامت کے وقت معین کا علم کسی مخلوق کو نہیں اور اسی میں حکمت ہے، جسطرح سب کو معلوم ہے کہ موت ضرور آنے والی ہے کل نفس ذائقۃ الموت لیکن بمقتضائے حکمت باری تعالیٰ نے موت کا وقت معین کسی کو نہیں بتایا، اس لئے کہ انسان کو اگر اپنی ہی موت کا ٹھیک وقت معلوم ہوجائے تو یہ کارخانۂ حیات درہم برہم ہوجائے یا عیش پرستی، فواحش و منکرات میں جری ہوجائے کہ ابھی تو ایام زندگی بہت ہیں اخیر میں توبہ کرلیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے بربنائے حکمت انسان کو اس کی موت کا علم نہیں دیا گیا علیٰ ھذا القیاس قیامت یعنی فنائے عالم کی اسکو تاریخ بتادی جاتی تو یہی دونوں صورتیں ہوتیں۔ اس لئے اس کا اخفاء ہی مناسب تھا پھر جب علامت قیامت کا جواب آپ نے فرمایا تو ان تلد الامۃ ربتھا فرمایا جس میں بہت ابہام ہے علماء نے بہت سی توجیہات فرمائی ہیں جس کی تفصیل انشاءاللہ حدیث جبرئیل میں آئے گی۔

تقاضائے حکمت یہی ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں بھی ابہام ہی رہے تاکہ ہر ممکن نشانی پر ہول قیامت قلب پر مسلط ہوجائے، اور انسان کے قلب و دماغ پر بجلی کے کرنٹ کی طرح مؤثر ہو۔ قرآن عزیز کا بھی انداز بیان یہی ہے غور فرمائیے سورۂ قیامہ میں کتنی تفصیل ہے لیکن پھر بھی علامات قیامت میں کتنا ابہام ہے بل یرید الانسان أن یفجر امامہ یسئل ایان یوم القیامۃ فاذ ابرق البصرو خسف القمر وجمع الشمس والقمر یقول الانسان یومئذٍ این المفر۔ یعنی جولوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ کئے جانے کو محال بتاتے ہیں، اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کے نشانات غیر واضح ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی ہے بالکل بے باک ہوکر فسق و فجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کرلیا اور اعمال کے حساب و کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق و فجور میں اس قدر ڈھٹائی اور بے باکی اس سے نہ ہوسکے گی اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا، جس سے عیش منغص ہو اور لذات میں خلل پڑے بلکہ استہزاء و تعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب آپ کی قیامت کب آئیگی؟ اگر واقعی آنے والی ہے تو بقید سن و سال اس کی تاریخ تو بتلایئے۔ لیکن ایان یوم القیامہ قیامت کا دن کب آئیگا اس کے جواب میں قیامت کا وقت معین نہیں بتایا گیا بلکہ نشانیوں کی جانب رہنمائی کی گئی اس میں اشارہ ہے کہ تعیین یوم قیامت تو خلاف حکمت ہے لیکن اس کی نشانیاں سن لو فاذا برق البصر جس دن آنکھ چندھیا جائے گی یعنی حق تعالیٰ کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہوجائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب ہوجائے گا و خسف القمر چاند میں گہن لگ جائے بے نور ہوجائے چاند کو شاید اسلئے الگ ذکر کیا کہ عرب کو بوجہ قمری حساب رکھنے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام رہتا تھا و جمع الشمس والقمر یعنی بے نور ہونے میں دونوں شریک ہوں گے۔ یقول الانسان یومئذٍ این المفر اس دن کہے گا انسان کدھر بھاگ کر چلا جاؤں۔ آپنے ملاحظہ فرمایا کہ علامات قیامت میں کتنا ابہام ہے اگرچہ بعض روایتوں میں ہے کہ قیامت محرم کی دسویں تاریخ جمعہ کے دن آئیگی۔ لیکن کس سن، کس صدی اور کس ہزارہ میں آئیگی اس کی تصریح نہیں اسی طرح قیامت کی نشانیوں میں ابہام ہے۔ سورج میں گہن ہونا کوئی متعین علامت نہیں ہے کہ جس سے قیامت کے وقت معین کا علم ہوجائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وقت معین کی اطلاع نہ دی گئی ہو اور بہت ممکن ہے کہ علامتیں بھی مبہم بتائی گئی ہوں تاکہ جب کوئی علامت ظاہر ہو اور آپ پر خداوند قدوس کی شان بے نیازی کی تجلی کے باعث تکوینی طور پر خوف و خشیت طاری کی جائے تو امت کیلئے اس میں درس عبرت ہو، چنانچہ احادیث کسوف میں صاف موجود ہے عن ابی موسیٰ قال خسفت الشمس فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فزعاً یخشی ان تکون الساعۃ الخ متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ج ۱ ۱۳۰ اس خشیت کی تحقیق تو انشاءاللہ تعالیٰ امدادالباری میں باب صلوٰۃ الکسوف میں آئے گی یہاں تو صرف اتنا بتانا ہے کہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر آپ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر یہ اثر ہوا کہ یہ فزع اور خشیت قیامت کی وجہ سے ہے۔

بہرکیف آپ قرآن عزیز کی متعدد سورتوں مثلاً سورۂ قیامہ، سورۂ حاقہ، سورۂ واقعہ، سورۂ تکویر، سورۂ انفطار وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ علامات قیامت کے بیان میں کتنا ابہام ہے کہ کسی سے وقت مقررہ کی تعیین نہیں ہوتی۔ اسی طرح مغرب سے طلوع شمس، خروج دابۃ الارض، فتنۂ دجال، ظہور مہدی، نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ بڑی نشانیاں اگرچہ بوقت وجود سب پر ظاہر ہوجائیں گی لیکن ابھی ان میں ابہام ہے۔ نہ معلوم کس تاریخ، کس سن، کس صدی اور کس ہزارہ میں ظاہر ہوں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا وقت معین تو بتایا نہیں گیا علامتوں اور نشانیوں میں بھی بتقاضائے مصالح و حکم ابہام ہی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح فتن کی روایتوں کو ملاحظہ فرمائیں تو ان میں ابہام ہی ہے پس حدیث افتراق جائے تعجب۔ پھر احادیث سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب اختلاف وافتراق قائدین کے نام کی تصریح فرمادی تھی لیکن کس سے؟ اخص خواص سے نہ کہ عوام سے بلکہ خواص سے بھی نہیں، کیونکہ مصلحت اسی میں تھی۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن فصل ثانی ۴۶۳)

عن حذيفة رضى الله عنه والله ماترك رسول الله صلى الله عليه وسلم من قائد فتنة الىٰ ان تنقضى الدنيا يبلغ من معه ثلا ثمأة فصاعداً الاقدسماه لنا باسمه واسم ابيه واسم قبيلته (رواه ابوداؤد)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوڑا دنیائے خاتمہ یعنی قیامت تک کے کسی قائد فتنہ کو جس کے متبعین تین سو یا تین سو سے زائد ہوں مگر ان تمام قائدین فتن کے نام مع ان کے باپ اور قبیلہ کے نام ہمیں آپؐ نے بتلائے۔

بخاری شریف کتاب الفتن ج ۲ ص ۱۰۴۶ میں ہے

قال ابوهريره سمعت الصادق والمصدوق صلى الله عليه وسلم يقول هلكة امتى على اُيدى غلمة من قريش فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال ابو هريره لوشئت ان اقول بنى فلاں و بنى فلاں لفعلت وفى رواية ان شئت ان اسميهم بنى فلاں و بنى فلاں۔ (بخارى شريف ج ۱ ۵۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے (یعنی نوعمر ضعیف القول والتدبیر والدین) کے ہاتھوں ہوگی۔ مروان نے یہ سن کر کہا خدا کی لعنت ہو ان پر تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں میں تو ان کا نام نسب تک بتلاسکتا ہوں۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال حفظت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائين اما احد هما فبثثتهٗ واما الآخر فلو بثتهٗ قطع هذا البلعوم قال ابو عبدالله البلعوم مجرى الطعام۔ (بخارى شريف ج ا باب حفظ العلم ۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کے علم حاصل کئے ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں پھیلادوں تو میرا بلعوم (نرخرا) کاٹ ڈالا جائے۔ امام بخاری فرماتے ہیں بلعوم وہ ہے جس سے کھانا اترتا ہے۔

**فائدہ:** وعاء کا معنی برتن ہے یہاں محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے یعنی دو قسم کا علم۔ اور اسمٰعیلی کی روایت میں ہے لقطع ہذا یعنی راسہ مقصد یہ ہے کہ گردن اڑا دی جائے۔ فتح الباری میں ہے کہ یہ لفظ قتل سے کنایہ ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے فتن اور اشراط الساعۃ کی طرف خصوصاً ائمہ جور کے اسامی کی تعیین اور ان کے احوال وزمانہ کی طرف حضرت ابو ہریرہ کبھی کبھی کنایۃً ان میں سے بعض کو بیان کرتے تھے اور خوف کی وجہ سے نام کی تصریح نہ فرماتے تھے مثلاً فرماتے تھے اعوذ بالله من راس الستين وامارة الصبيان نوعمروں کی امارت اور ۶۰ کے سرے سے پناہ مانگتا ہوں اس میں اشارہ تھا یزید کی حکومت کی جانب اس لئے کہ اس کی ملوکیت ۶۰ میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ کی دعا قبول فرمائی کہ ۶۰ سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔ وفى الكرمانى و كان ابوهريرة يقول لوشئت ان اسميهم باسمائهم فخشى علىٰ نفسه فلم يصرح بهم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو نام بنام ان کو بتاؤں لیکن جان کے خطرہ کی وجہ سے ان کے اسماء کی تصریح نہ فرمائی۔ حافظ، عینی اور قسطلانی سب نے تصریح کی ہے اس قسم کے علم کا تعلق حلال وحرام سے نہ تھا۔ اسلئے اسکو فتنہ کے خوف سے ظاہر نہ فرمایا۔ اور جس کا تعلق حلال وحرام اور لوگوں کی ہدایت ورہبری سے تھا اس کو ظاہر کر دیا کیونکہ اس کے کتمان میں وعید ہے۔ (فتح الباری ج ا ۱۹۳ عمدۃ القاری ج ۲ ۱۸۴ ارشاد الساری ج ا ۱۷۴)

جو لوگ کہتے ہیں کہ ناری فرقوں کا نام بتادیا جاتا تو اچھا ہوتا وہ ان احادیث پر غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے قائدین فتن کے نام اخص خواص کو بتادیئے تھے لیکن علی العموم اس کی اشاعت میں شرور وفتن میں کمی تو ہوتی نہیں بلکہ اس میں زیادتی ہی کا خطرہ تھا اہل اہوا اپنی شرارت سے باز نہ آتے اور قتل وخوں ریزی کا بازار گرم ہو جاتا اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخص الخواص کو اس کی تعلیم فرمائی اور انہیں راز کی طرح بتایا اور ان حضرات نے بھی اس کا اظہار نہ فرمایا اسلئے اس کا تعلق اصلاح خلق سے نہ تھا اور اس کے ابہام میں کوئی مضرت بھی نہیں کیونکہ جب فتنہ سامنے آتا ہے تو اہل بصیرت پر اس کا فتنہ ہونا مخفی نہیں رہتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وانه ليكون الشئى قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر العجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا رآه عرفه متفق عليه ملخصاً (مشكوٰة ج ۲ ۴۶۰ (كتاب الفتن)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیامت تک آنے والے فتنوں کی خبر دی ان میں سے بعض چیزوں کو میں بھول چکا ہوتا ہوں لیکن جب وہ واقعہ سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر اسی طرح یاد کر لیتا ہوں جیسے کبھی انسان کسی کو دیکھ کر بھول جاتا ہے لیکن پھر جب وہ دوبارہ دیکھتا ہے تو اسے پہچان لیتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دور فتن اور پیشین گوئی کی احادیث میں ابہام لازمی ہے بسا اوقات دو بھائیوں کی صورت میں بہت زیادہ تشابہ ہوتا ہے اب اگر کوئی شخص ان

میں سے کسی کا تعارف آپ سے چاہے تو آپ یہ فرمائیں گے کہ اس کا رنگ یہ ہے نقشہ ایسا ہے، طویل یا متوسط ہے مگر ان الفاظ کے ذریعہ کیا اس شخص کی تعیین ہوسکتی ہے کہ پھر دوسرے شخص پر اس کا صادق آنا ممکن نہ ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا یہ تعارف ہی اس کی معرفت اور پہچان میں دشواری اور ابہام پیدا کردے کیونکہ ایک شکل وصورت کے متعدد اشخاص ہوتے ہیں جب ایک نادیدہ شخص کی تعیین صرف الفاظ سے پوری نہیں ہوسکتی ہے تو آئندہ کے حوادث وفتن کی تعیین باوجود ان کے تنوع وتشابہ کے کیونکر ہوسکتی ہے مثلاً قدریہ کا لفظ ہے کہ اس فرقہ والے کہتے ہیں کہ قدریہ اہلسنت والجماعت ہیں کیونکہ وہ قضاء وقدر کے قائل ہیں اور ہم تو منکر قدر ہیں یہ تو وہ ہے جو قدر کا قائل ہو اور اہلسنت منکرین قدر کو قدریہ کہتے ہیں آئندہ تفصیل آرہی ہے۔ انشاء اللہ

خلاصہ یہ ہے کہ جب اختلاف کا منشاء تعصب وعناد بغض وحسد اتباع ہواء ہوتو ابہام نہ ہوتا تو بھی ابہام پیدا کردیا جاتا تعیین سے کوئی فائدہ نہ ہوتا کیا تمام فرق باطلہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ہی سے سہارا نہیں لیتے اگرچہ انکا استدلال تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور سہی مگر صریح آیتوں اور حدیثوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ ہر صاحب بصیرت حیران وششدر ہوجاتا ہے اور ہر منصف مزاج کے نزدیک انکی جہالت خود بخود اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔

حدیث افتراق کا اصل مقصد نہ تو ارباب فتن کی تعیین ہے نہ ان کی تعداد وشمار کو معین کرنا بلکہ اس کا مقصد افتراق سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ چیز ہونے والی ہے ہوکر رہے گی ان کو دیکھ کر گھبرانا ہمت ہارنا یا کسی متبع ہویٰ وہوس کے دام تزویر میں پھنس جانا اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے اسلئے گمراہیوں کے دور میں دامن سنت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے مختلف رکاوٹوں اور ماحول کی ناسازگاری کے باوجود سنت پر قائم رہنا تمہارا ملی فریضہ ہے یقیں محکم عمل پیہم اور عزم واستقلال کیوجہ سے جبل ثبات و استقامت بن کر رہنا کہ فرق منحرفہ کی کثرت اور مخالفین کی مخالفت تمہیں صراط مستقیم اور جادۂ استقامت سے متزلزل نہ کرسکے یہی تمھارا فرض منصبی ہے اور تمہارا امتیازی مینار۔

صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ کیمیا تاثیر کی برکت سے صاحب بصیرت ہوچکے تھے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی روح اور مغز کو پالیا تھا اس لئے اس حدیث کو سن کر یہ سوال نہیں کیا کہ وہ فرقے کون کون ہیں انکی علامات کیا کیا ہیں کیونکہ اس بحث میں پڑنا ان کے نزدیک ایک دماغی تعزیر یا تفریح کے علاوہ کچھ نہ تھا اس لئے انہوں نے باطل فرقوں کی تعیین کے بجائے یہ دریافت کیا کہ وہ ایک فرقہ ناجیہ کون سا فرقہ ہے کیوں کہ عملی لحاظ سے یہی مفید ہے اور ایک طالب حق کیلئے یہی کافی ہے کہ فرقہ ناجیہ کا تعارف ہوجائے کیونکہ اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہونچ جائے گی کہ اس کے علاوہ جتنے فرقے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

## اعداد وشمار:

جب حدیث کا اصل مقصد ذہن نشیں ہوگیا تو اعداد وشمار کے مسئلہ کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اس لئے کہ یہ چیز متکلم کے وقتی استحضار، ہنگامی حالات ذہنی اعتبار کی بات ہے کبھی کبھی مصلحت سے اجمال وابہام کا ارادہ کرتا ہے تو عدد میں بھی پوری تفصیل نہیں اختیار کرتا اور کبھی تفصیل پر اترتا ہے تو عدد کی تفصیل بھی اس پر شاق نہیں گزرتی طبیعت کے انشراح وقت و ماحول کی وسعت ضرورت واہمیت کے لحاظ سے دونوں صورتیں معقول ہیں۔ روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے۔ ایک مصلح اور مبلغ دین حکیم وفہیم جب کسی مقام پر پہونچتا ہے جہاں لوگ نماز وروزہ کے تو پابند ہیں لیکن زکوٰۃ وحج میں کوتاہی کرتے ہیں حب مال میں اور حب جاہ میں مبتلا ہوتے ہیں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے ہر طرح مال جمع کرتے ہیں تو وہاں صرف انہیں امور کو بیان کرتا ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ نماز وروزہ اہم نہیں لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس کے تو پابند ہی ہیں اس کے بتانے کی ضرورت ہی کیا اسی طرح ایک ہی ڈاکٹر کے پاس نزلہ کے مریض پہونچتے ہیں لیکن ہر ایک کو الگ الگ نسخہ اور پرہیز تجویز کرتا ہے کیونکہ کسی کا نزلہ حار ہوتا ہے کسی کا بارد کسی کا نزلہ خشک وجامد ہوتا ہے کسی کا جاری ہے اسلئے کسی کو اشکال نہیں ہوتا اسی طرح آپ حدیثوں کو ملاحظہ فرمائیں کہیں ایمان کے شعبے ساٹھ سے زیادہ ہیں کہیں ستر سے زیادہ۔ اسی طرح ای الاسلام افضل یا خیر کے جواب میں کہیں ایمان باللہ ہے کہیں من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کہیں الجہاد فی سبیل اللہ کہیں افشاء السلام و اطعام الطعام ہے لیکن اختلاف جوابات کے باوجود بھی یہاں اختلاف نہیں سمجھا جاتا۔

عام جوابات تو یہ ہیں کہیں سائلین کے اختلاف کی وجہ سے جواب میں اختلاف ہوا یا الفاظ سوال کے اختلاف کی وجہ سے جواب میں اختلاف ہوا یا وقتی مصالح کیوجہ سے اختلاف ہوا تفصیل تو انشاء اللہ کتاب الایمان میں آئے گی۔ بعض محققین نے فرمایا کہ جب آپؐ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے صحابہ کرام گھربار چھوڑ کر فاقہ کرتے ہوئے مدینہ پہونچے تو آپؐ نے فرمایا سب سے اہم کام (اس وقت) اطعام الطعام ہے اور اسی وقت فرمایا جسے پہچانو اسے بھی سلام کرو جسے نہ پہچانو اسے بھی سلام کروتا کہ باہر سے آنے والوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ہم اجنبی لوگوں میں آگئے۔ بلکہ ان پر اسلامی اخلاق کا اثر ہو اور وطن کی جدائی کا غم کافور ہوجائے اور محسوس ہو کہ ہم اپنوں میں آئے اسی طرح اعداد کا معاملہ ہے افراد کو انواع انواع کو اجناس کے تحت داخل کرتے جائیے تو عدد گھٹتا چلا جائیگا اور اس کے برعکس اجناس وانواع کی تحلیل کرتے جائیے تو عدد بڑھتا چلا جائیگا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح فرق باطلہ کے شمار میں کسی نے کسی فرقہ کو مستقل سمجھا تو عدد بڑھ گیا کسی نے اسی کو کسی فرقہ کی شاخ قرار دیا تو عدد گھٹ گیا لہٰذا اس کمی زیادتی سے حدیث پر اعتراض درست نہیں۔

## ما انا علیہ و اصحابی:

صحابۂ کرام کے استفسار کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واضح اور عظیم الشان جواب عنایت فرمایا ما انا علیہ واصحابی درحقیقت یہی وہ مسطر ہے جس کو سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تیار کیا تھا کہ صفحات

عالم پر آئندہ عقائد واعمال کی جب کوئی سطر کھینچی جائے تو وہ اسی مسطر سے برابر کر لی جائے اب یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوگا کہ جب ہر فرقہ اپنے کو صراط مستقیم پر اور دوسروں کو منحرف اور جادۂ استقامت سے ہٹا ہوا سمجھتا ہے تو مابہ الامتیاز کیا ہے اس کا جواب اسی ما انا علیہ واصحابی سے ہوگیا کہ اس سے وہی فرقہ مراد ہے اور یہ جملہ اسی پر صادق آتا ہے جس کے عقیدہ اور عمل میں کوئی بدعت ظاہر ومخفی نہیں اس کے اعتقاد وعمل کے دونوں بازو درست ہیں وہ بدعت سے ہمیشہ دور ونفور رہا سارے عقائد واعمال اس کے سنت مطہرہ اور سیرت صحابہ کے بالکل مطابق ہیں۔ بظاہر سائل کے سوال کا جواب اتنا ہی کافی تھا انا واصحابی یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں یا یہ جواب دیا جاتا کہ عامل کتاب وسنت مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا علیہ واصحابی جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔ کیا صحابہ کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے سوا کوئی دوسرا طریقہ تھا جس کو مستقل بیان کیا گیا۔

جواب بیشک متبادر یہی تھا کہ جواب انا واصحابی ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانہ کی جماعت حق کی تعیین نہ تھی وہ دور فتن میں حق جماعت کی تعیین کا متلاشی اور طالب تھا اگر آپ اسے صرف کتاب وسنت ہی کا معیار بتاتے تو اس دور کے مناسب حال نہ ہوتا جس میں ہر باطل سے باطل فرقہ کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے اس لئے آپ نے یہاں وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانہ کے بھی مناسب حال ہو وہ صرف کتاب وسنت نہیں بلکہ کتاب سنت کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ نے صحابہ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی صحابۂ کرام نے اس کے ایک ایک خط وخال کو دیکھا اور ہو بہو اس کی نقل کی اب ادھر یہ اسوۂ حسنہ اور ادھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا پوچھنے والوں کے لئے اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ جو صراط مستقیم کو دریافت کرنے آتا اسے آنکھوں سے دکھا دیا جاتا اور زبان سے سمجھا دیا جاتا کہ وہ صراط مستقیم یہ ہے اس لئے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑ کر ان اوصاف کو بتا دیا گیا جو فرقہ ناجیہ کی تعیین میں ہمیشہ کیلئے کارآمد ہوں۔ ترجمان السنۃ ج ۱ ۸۳، سلف کی یہ دقت قابل داد ہے جنہیں ہر دینی معاملے میں سب سے پہلے یہی تلاش وجستجو رہا کرتی تھی کہ اسمیں صحابۂ کرام کا کیا طریقہ تھا جب ان کی کوئی ایک رائے معلوم ہوجاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اختلاف دیکھتے تو انہیں آراء میں سے کسی کو اختیار کر لیتے اور ان سے باہر قدم نکالنا ضلالت وگمراہی خیال کرتے جامع بیان العلم للعلامہ ابن عبدالبر ج ۲، ۳۲ علامہ عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ ج ۱، ۶۱ میں فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ نے بارہا مختلف عنوانوں سے فرمایا کہ ہم اولاً کتاب اللہ پر نظر کرتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر آثار صحابہ پر اگر کسی مسئلہ میں صحابہ متفق ہوتے ہیں تو ہم اسی کو معمول بہا بنا لیتے ہیں اگر صحابہ کرام میں اختلاف ہو تو خلفاء راشدین کے قول کو ترجیح دیتے ہیں پھر بقیہ صحابہ کے اقوال میں اختلاف ہو تو دلائل شرعیہ کے اشارات وغیرہ سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں صحابہ کرام کے اقوال سے علیحدہ کوئی راستہ اختیار نہیں کرتے اگر ایسا نیا مسئلہ آجائے جس میں صحابہ کے اقوال نہ ہوں تو الحاق النظیر بالنظیر کے اصولوں پر علتِ جامعہ کے لحاظ سے قیاس کرتے ہیں امداد الباری ج ۱، ۲۰۱ میں متعدد عبارتیں اس سلسلہ میں گزر چکی ہیں جن کو حوالہ کی عبارتوں کا شوق ہو وہاں مطالعہ فرمائیں۔ حافظ ابن عبدالبر امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے شاگرد بقیہ بن الولید سے فرمایا،

يا بقيه العلم ما جاء عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومالم يجئى فليس بعلم جامع بيان العلم ج ۲ ۲۳۹ قال الشعبى ما حدثوك عن اصحاب رسول اللهؐ فخذبه وما قالوا برا يهم فبل عليه ( جامع بيان العلم ج۲ ۳۹)

اے بقیہ علم تو وہی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم نہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ جو باتیں تمہارے سامنے لوگ صحابۂ کرام کی جانب سے نقل فرمائیں تو انہیں اختیار کر لو اور جو باتیں اصول شرع کے خلاف اپنی طرف سے کہیں انہیں بے زاری کے ساتھ ٹھکرا دو۔

حضرت حسن اصحاب کرام کی مدح میں فرماتے ہیں کہ یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ مخلص اور نیک دل سب سے زیادہ گہرے علم کے ساتھ متصف سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کیلئے انہیں منتخب فرمایا تھا۔ وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت کی جدوجہد اور اسی کی سعی میں رہا کرتی تھی ان کو لگن تھی تو اسی کی تلاش و دھن تھی تو اسی کی رب کعبہ کی قسم ہے کہ وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی موافقات ج ۴ ۷۸، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ صاف اور شاندار اور مکمل انداز میں اتباع صحابہ کی تاکید کی ہے فرماتے ہیں

من كان منكم متاسياً فليتاس باصحاب محمدٍ صلى الله عليه وسلم فاء نّهم كانوا ابر هذه الامة قلوباً واعمقها و اقلها تكلفاً واقومها هدياً واحسنها حالاً قوماً اختارهم الله لصحبة نبيه واقامة دينه فاعرفو الهم فضلهم واتبعوا فى أثارهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم

تم میں سے جس کو اقتداء کرنی ہو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی کی اقتداء کرے کیوں کہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ اور علم میں سب سے زیادہ گہرے نہایت بے تکلف مضبوط کیرکٹر اور سب سے بہترین حالات کے لوگ تھے۔ خداوند علیم وخبیر نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کیلئے انتخاب فرمایا اس لئے تم بھی ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے ہی نقش قدم پر چلو اس لئے کہ وہ صراط مستقیم اور سیدھے راستہ پر تھے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف ج ۱ ۳۲، میں بھی قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ موجود ہے بحوالہ زرین۔ مضمون ایک

ہی ہے۔

**سوال:** دور صحابہ میں مذہبی اختلافات نظر آتے ہیں۔خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں فرقہ بندیوں کے نشانات ملتے ہیں پھر کیا یہ مقدس قرن بھی اختلاف مذموم کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔

**جواب:** نہ تو ہر اتحاد مفید ہے نہ ہر اختلاف مضر ہے۔اگر کچھ لوگ عالم کے قدیم ہونے پر متفق ہو جائیں یا کتاب وسنت کے خلاف کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے پر اتفاق کرلیں تو کیا کسی منصف مزاج کے نزدیک یہ اتحاد مفید ہوسکتا ہے یا مثلاً چند سرپھرے دین ودانش سے بیگانے اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اسلامی قانون،مسلم پرسنل لاء میں تغیر ضروری ہے تو کیا وہ غیرت اسلامی کیلئے چیلنج نہیں کتاب وسنت اور اسلام کی توہین نہیں اسی طرح سے ہر اختلاف مضر بھی نہیں۔ملاحظہ فرمایئے انسان کی پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بلکہ ان میں اختلاف ہے کمیت میں بھی کیفیت میں بھی۔ اسی طرح لیل ونہار کا اختلاف،گردش ایام سردی گرمی کا آنا جانا،سورج کی گرم گرم شعاعیں اور چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سورج کی روشنی اور گرمی میں کمی زیادتی چاند کا چھوٹا بڑا ہونا کیا یہ اختلافات رحمت نہیں قرآن عزیز میں ہے ومن آیاته اختلاف السنتکم و الوانکم۔ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی قدرت کی نشانیاں ہیں اگر اس عالم پر عرش سے لے کر فرش تک نظر ڈالیں تو سارا جہاں اسی اختلاف کی آماجگاہ نظر آئیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آفاق وانفس کا یہ اختلاف دیکھ کر صاف طور سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ اختلاف وافتراق اس جہاں کی فطرت عین ہے جو رحمت ہے اور اسی پر نظام عالم کا دارومدار ہے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن!
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اور یہ تو بالکل بدیہی اور واضح حقیقت ہیکہ اس حدیث افتراق میں یہ اختلاف مراد نہیں کیونکہ یہ اختلاف تو رحمت ہی رحمت ہے اور وہ اختلاف مذموم ہے پھر اس اختلاف کا اقوام وملل کے اختلاف سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوا ہر اختلاف افتراق نہیں اور ہر اختلاف مضر نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اختلاف کے مفہوم کو واضح کردیا جائے اس لئے ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اختلاف ائتلاف کی ضد ہے ائتلاف کے معنی باہمی الفت ومحبت کے ہیں۔اگر اختلاف کے ساتھ ائتلاف ہے تو یہ اختلاف ائتلاف ہی نہیں یا اختلاف مضر نہیں۔اس طرح فروعی اختلاف بھی حدیث افتراق میں مراد نہیں کیوں کہ فروعی اختلاف میں ائتلاف باقی رہتا ہے اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف مذموم نہیں قرآن عزیز میں ہے شرع لکم من الدین ماوصیٰ بهٖ نوحاً اس کی تفسیر میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں اوصیناك یا محمد وایاہ دیناً واحداً، بخاری شریف ج ا ص ٦ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک شرعۃ ومنہاج کا کھلا ہوا فرق رہا مگر پھر بھی قرآن کریم نے اسکو ایک ہی دین قرار دیا۔پس جس طرح ادیان سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کے صحائف فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی دین کہلائے اور ہر ایک دوسرے کی تصدیق ہی کرتے رہے نہ ان میں بغض وعناد کا کبھی کوئی شائبہ پیدا ہوا نہ کسی نبی نے کسی نبی کی کسی بات میں تکذیب کی اور کیسے ان میں افتراق وتحزّب کی شان پیدا ہوسکتی ہے جبکہ لا نفرق بین احدمنهم ان کی شان میں وارد ہے اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت ووحدت میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتے لہٰذا حدیث افتراق امت کا مصداق فروعی اختلافات بھی نہیں ہوسکتے کیوں کہ اس قسم کے اختلافات نہ تو الفت ومحبت کے رشتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں نہ ایک دوسرے کے ساتھ تنافر وحسد کا باعث ہوتے ہیں۔

حقیقی اختلاف تو دلوں کا اختلاف ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک صورت تو دین وملت کا مختلف ہونا ہے اس اختلاف کی وجہ سے وحدت کی دعوت پر پارٹیاں اور اجتماع کی آواز پر ہمیشہ افتراق وتشتّت پیدا ہوتا رہا اور آج بھی مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ معمولی معمولی بہانہ پر ان پارٹیوں میں ہمیشہ آتش بغض وعناد بھڑکتی رہتی ہے اور ایک پارٹی دوسری پارٹی کے بالکل مدمقابل صف آراء ہوجاتی ہے ایک کو مسلمان دوسرے کو کافر کہا جاتا ہے اس افتراق میں امت مرحومہ ایک صف میں ہے۔ یہودیت ونصرانیت مجوسیت وغیرہ دوسری صف میں مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ حدیث افتراق امت میں یہ اختلاف بھی مراد نہیں دلوں کے اختلاف کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ملت ایک دین سے وابستہ ہوکر اس کے بعض اصول وکلیات میں اختلاف ہوجائے تو بیشک یہ اختلاف دین وملت کے اختلاف کی طرح افتراق قلوب کا باعث ہوجاتا ہے ملت کی ہیئت اجتماعیہ پارہ پارہ ہوجاتی ہے تعاون وتناصر محبت ومودت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں جماعتی شیرازہ منتشر ہوجاتا ہے۔ملاحظہ فرمایئے اہلسنت، روافض،خوارج،مرجئہ،جہمیہ،معتزلہ وغیرہ سب ایک ہی ملت ایک ہی دین ایک کتاب ایک رسول کے ماننے والے ہیں مگر بعض اصول وکلیات میں اختلاف کے باعث اس طرح گروہ اندر گروہ ہوگئے کہ اختلاف ملت کی طرح ان میں بھی تباغض وتحاسد وتدابر اور تعصب وعناد پیدا ہوگیا۔

حدیث امت افتراق امت میں یہی افتراق مراد ہے۔

## اختلاف مذموم کے وجوہ واسباب:

(۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک،قبلہ ایک،کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیوں کر پیدا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ نے یہی جواب دیا تھا کہ اے امیر المومنین قرآن ہمارے سامنے اترا ہے ہم تو اس کے شان نزول موارد ونزول کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے

مگر انہیں صحیح طور پر اس کے مصادر و موارد کا علم نہ ہوگا۔ پھر اسمیں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کردیں گے اور رجماً بالغیب بلاتحقیق باتیں کرینگے اس لئے ان میں اختلاف ہوجائیگا اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں بھی ہوں گی۔ شروع میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا مگر غور کرنے کے بعد وہ بھی اس خیال سے متفق ہوگئے۔ الاعتصام ۷۵۱اس میں اشارہ ہے کہ اختلاف کا سبب ناقص علم سطحی مطالعہ تفسیر بالرائے اور عالم نما جاہل کی جہالت ہے۔ خوارج کی ضلالت اور فرقہ بندی کی بنیاد یہی تھی کہ وہ اپنی ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے جو آیات کفار کی شان میں نازل ہوئی ہیں وہ انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے اور انہیں کے حق میں سمجھ کر انہیں کافر قرار دیتے اور درپے قتل و آزار ہوتے۔

## اختلاف کا دوسرا سبب اتباع ہویٰ ہے:

(۲) ارشاد باری ہے ولواتبع الحق اهوائهم لفسدت السمٰوٰت والارض اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین تہہ و بالا ہوجاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق اور ہویٰ دو متضاد صفتیں ہیں اور اتباع ہویٰ جس طرح نظام مذہب میں خلل انداز ہے اور مذہبی معتدل نظام کو تباہ و برباد کرکے اوراق منتشر کی طرح پارہ پارہ کرنے والا ہے اسی طرح نظام عالم کو بھی درہم برہم کرنے والا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اولئك الذين طبع الله علىٰ قلوبهم واتبعوا اهوائهم، سورہ محمد۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے۔ یعنی جب انہوں نے حق کا اتباع ترک کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو مردہ کردیا۔ علامہ عثمانی نے اپنے فوائد میں فرمایا ہے کہ ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کردیتے ہیں پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتباع ہویٰ اور ضلالت لازم و ملزوم ہیں اور اہل ہویٰ کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وہ خواہشات نفسانی کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ اپنی بدعات کو ہی دین سمجھتا ہے تو پھر اس سے توبہ کے کیا معنی انسان توبہ تو معصیت سے کرتا ہے دین سے نہیں۔

اب اس مقام پر آپ سابقہ نقل کردہ روایات پر غور کریں تو ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ آئندہ میری امت میں کچھ لوگ آئیں گے جن میں یہ ہویٰ اور خواہشات اس طرح اثر انداز ہوکر ان کے رگ و پے اور گوشت و پوست میں سرایت کرجائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے انسان کے جسم میں ایک زہریلا مادہ پیدا ہوجاتا ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ بیماری گھسی ہوئی نہ ہو۔ کیسی لطیف اور ترجمان حقیقت تشبیہ ہے اس میں دو چیزوں کی جانب اشارہ اور تنبیہ ہے ایک تو یہ کہ یہ بیماری چوں کہ ایک ایک جوڑ میں سرایت کرجاتی ہے اس لئے لاعلاج یا عسیر العلاج ہوجاتی ہے دوسری بات یہ کہ یہ بیماری دراصل دیوانے کتے میں ہوتی ہے لیکن جب وہ کتا کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اس آدمی کو بھی یہ بیماری اس بری طرح لگ جاتی ہے کہ وہ آدمی بھی دیوانہ ہوجاتا ہے۔ کتوں کی طرح بھونکنے لگتا ہے کتے ہی کی طرح خوفناک اور قابل احتراز ہوجاتا ہے اسلئے کہ وہ باؤلے کتے کا کاٹا ہوا انسان دوسرے انسان کو کاٹ لے تو اس پر بھی وہی اثر ہوجاتا ہے جو دیوانے کتے کے کاٹنے سے ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب ہویٰ سے احتراز ضروری ہے۔

عن ابن مسعود رضى الله عنه قال من احب ان يكرم دينه فليعتزل مخالطة الشيطان و مجالسة اصحاب الا هواء فان مجالستهم الصق من الجرب۔ (الاعتصام ج۲ ۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے اپنے دین کا قدرداں بننا چاہے اسے شیطان صفت انسانوں اور اصحاب اہواء سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہئے کیوں کہ ان کی بیماری خارش کی بیماری سے زیادہ لگتی ہے۔

**فائدہ:** خارشی اونٹ جب تندرست اونٹ کے بدن پر اپنا بدن رگڑتا ہے تو اس کے فاسد اور زہریلے مادہ کے لگ جانے کی وجہ سے تندرست اونٹ کو بھی خارش کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی بیماری اڑ کر دوسرے کو لگتی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ اصحاب اہواء کے پاس آنے جانے سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی لئے صاحب موافقات نے تو ایک مستقل باب منعقد کیا ہے کہ شریعت وداعئ ہویٰ کو ختم کرنے کیلئے آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الھویٰ کله ضلالة خواہشات نفسانی سب گمراہی ہے۔ ابن وہب حضرت طاؤس سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے جہاں ہویٰ کا ذکر کیا ہے اس کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ کتاب الاعتصام ج۲، ۱۵۲، ۱۵۵، ہم نے دو آیتیں نقل کردیں ایک منصف کیلئے وہی کافی ہیں سورۃ النجم، سورۃ نازعات، سورۃ محمد وغیرہ میں بہت سی آیات ہیں جن میں ہویٰ کی مذمت ہے۔

## اتباع ہدیٰ اور اتباع ہویٰ کا فرق:

اتباع ہدیٰ یہ ہے کہ شریعت کو حاکم اور عقل کو محکوم شریعت کو متبوع اور عقل کو تابع بنایا جائے لہٰذا اگر کسی حکم شرعی کی علت معلوم ہوجائے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے حکم بھی بتایا حکمت بھی سمجھادی۔ اگر حکم معلوم ہوجائے حکمت نہ معلوم ہو تو سمجھو کہ ہم کیا ہیں اور ہماری عقل ہی کیا ہے ہمارا کام تو سمعنا واطعنا ہے۔ یاد رہے تلاش حکمت کیلئے تدبر و تفکر آیات آفاق و انفس کا مطالعہ ممنوع نہیں بلکہ اس کی تو تاکید ہے۔ الذين يتفكرون فى خلق السموت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا

## اتباع ہویٰ:

یہ ہے کہ عقل کو حاکم شریعت کو محکوم بنایا جائے خوب سمجھ لو کتاب و سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کی محدود حدود میں قرآن و سنت کو محدود

کر دینا اتباع ہوئی ہے۔ جہمیہ معتزلہ وغیرہ نے اپنی عقل ہی کو معیار قرار دیا اس لئے قعر ضلالت میں گر پڑے پھر جو آیت یا حدیث اس معیار کے مطابق معلوم ہوئی اسے تو تسلیم کیا اور جو مضمون کتاب وسنت کا انکی فہم نارسا میں نہ آیا اس میں تاویل یا انکار کا راستہ اختیار کیا اس طرح صفات باری، رویت باری اور وزن اعمال وغیرہ جتنے امور ان کی پرواز عقل سے بالاتر تھے سب کا انکار کیا یا تاویل کی حالانکہ یہ امور نور وحی کے بغیر نہ دریافت ہوئے اور نہ ایمان کے بغیر حد کی یقین میں آسکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان فرق باطلہ نے اپنے اصول وعقائد کے ہوائی قلعہ کی بنیاد صرف عقل پر رکھی اس لئے یہ دوسرا افتراق پیدا ہو گیا پہلا اختلاف جہل کی بنیاد پر قائم ہوا تو یہ دوسرا اختلاف عقل کو معیار قرار دینے کی بنیاد پر ہے۔ عقل کی درماندگی اور پاشکستگی کو ہم امداد الباری جلد اول اور جلد دوم میں مختلف عنوانوں سے مفصل بیان کر چکے ہیں۔ من شاء فلیطالع

## افتراق واختلاف کا تیسرا سبب:

قومی ملکی یا خاندانی عادات اور رسم ورواج کو مذہب کا جزو بنا دینا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ فاسد عادات جب مذہبیت کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں تو دین میں محض اس رسم بد کی وجہ سے فرقہ بندی کی بنیاد پڑ جاتی ہے شب برات کی آتش بازی عرسوں میں طوائف کی شرکت ناچ باجے شراب نوشی وقمار بازی کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح ہندوستان کی بہت سی رسمیں ہیں جو نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں نہ خلفاء راشدین یا کسی صحابی سے نہ ائمہ مجتہدین سے۔ مثلاً سنت کے بعد دعاء ثانی اور الفاتحہ کا رواج کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں لیکن ہندوستان کے بعض علاقوں میں اسے دین ومذہب کا جزو بنا دیا گیا اور یہ عادات بعض جہلاء میں اتنی رائج ہو چکی ہیں کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا گویا علم جہاد بلند کرنا ہے اسی طرح میت کے گھر تیسرے دن عام کھانا جس میں امیر وغریب سب شرکت کرتے ہیں یہ رسم حقیقت میں غیر مسلموں کی ہے بعض علاقوں میں دستور ہے کہ جب تک میت کے گھر والے اپنے مخصوص طریقہ پر عام دعوت نہیں کرتے اس وقت تک برادری کے لوگ اس کے گھر کا کھانا ہی نہیں کھاتے اور بعض علاقوں میں مسلمانوں میں یہی رواج ہے ہم نے بعض لوگوں کو سمجھایا تو انہوں نے کہا مر کر زمین میں دھنس جانا پسند ہے لیکن اس کا ترک کرنا پسند نہیں جب سب کا کھایا ہے تو کھلانا ضروری ہے لیکن الحمدللہ اب ان کی اصلاح ہو چکی ہے اس کے علاوہ غیر مسلموں کی بہت سی رسموں کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ ایک تو یہ بھی ہوئی کہ غیر مسلم قومیں جب مسلمان ہوئیں اور ان کی مکمل اصلاح کسی وجہ سے نہ ہو سکی تو سابقہ رسموں نے اسلامی رنگ اختیار کر لیا۔ غیروں کے یہاں ایک تہوار کھچڑی کہلاتا ہے تو مسلمانوں نے کھچڑا بنایا آخر بڑے ہیں تو اپنی بڑائی یہ دکھائی کہ کھچڑی کے بجائے کھچڑا ہوا۔ احقر نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک غیر مسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ ان کے مذہب میں کیا ہے ہماری بہت سی چیزوں کو لے کر انہوں نے اپنا مذہبی شعار بنایا تعزیہ بھی ہماری نقل ہے پھر خود اس کو پوجتے ہیں اور دوسروں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ بت پرست ہیں۔ غیر مسلموں کے یہاں ایک دن دیوالی کا ہے جس میں چراغاں کرتے ہیں آتش بازی کرتے ہیں تو مسلمانوں نے ان کیلئے شب براءت کا دن مقرر کیا۔ ہندوؤں میں ایک تہوار تیج کا ہے تو انہوں نے تیجا منانا شروع کیا غیر مسلموں میں ایک دن کنہیا کے جنم کا ہے تو مسلمانوں نے بھی اپنے پیغمبر کا جنم دن منانا شروع کیا غرض اس قسم کی باتوں اور طعنوں کو سن کر شرم کے مارے گردن جھک جاتی ہے یلیت قومی یعلمون

اور حقیقت تو یہی ہے کہ ان امور کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ما انا علیہ واصحابی کے معیار سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں غلط ہیں لیکن انہی امور کو مذہبی رنگ دے دیا گیا تو اس سے بھی فرقہ بندیاں اور بغض وتنابز بالالقاب وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے اور حد تو یہ ہے کہ جب سنجیدگی سے پوچھا جائے تو جرم کا اقرار کرتے ہوئے عذر پیش کرتے ہیں کہ اس طرح باپ دادے سے چلا آرہا ہے یہی اندھی تقلید ہے جو بہر صورت ممنوع ہے اور یہ تو کافروں کا شیوہ تھا کہ اللہ اور رسول کے مقابلہ میں باپ داداؤں کا نام لیا کرتے تھے۔ ارشاد باری ہے

واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفینا علیه اٰبائنا اولو کان اٰبائهم لا یعقلون شیئاً ولا یهتدون ۔( سورۂ بقرہ)

اور جب ان سے کوئی کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو کیا بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔

باپ دادا دین کے امور کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں تو ان کی پیروی کرنا حماقت وگمراہی ہے اور حق تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے احکام کے مقابلہ میں باپ دادا کا اتباع جہالت وضلالت ہے مگر بعض جاہل مسلمان رسوم باطلہ کے بارے میں ایسی ہی بات کہہ گزرتے ہیں سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

بل قالوا انا وجدنا اٰبائنا علیٰ امة و انا علیٰ اٰثارهم مهتدون وکذالك ما ارسلنا من قبلك فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا وجدنا آبائنا علیٰ امة وانا علیٰ آثارهم مقتدون (سورة زخرف، پارہ ۲۵)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک دین پر اور ہم ان کے نشان قدم پر چل رہے ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب کسی آبادی میں کسی ڈر سنانے والے کو بھیجا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا ہم نے تو پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔

**فائدہ:** یعنی ان مشرکین کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی نہ ان کے پاس

مشرکانہ افعال کے پسندیدہ ہونے کی کوئی سند ہے آنکھیں بند کر کے بے سوچے سمجھے باپ دادا کی اندھی تقلید کر رہے ہیں وہی ان کی سب سے زبردست دلیل ہے جس کو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ کفار و مشرکین کا قدیمی مرض ہے کہ وہ ہمیشہ سے یہی کہتے آرہے ہیں کہ باپ دادا سے ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے اور ہم ان کا دین چھوڑنے والے نہیں چاہے کیسا ہی ہو۔ **فاعتبروایااولی الابصار**

## فرق باطلہ کی علامات:

فرق باطلہ کی ایک زبردست علامت اتباع متشابہات ہے۔ارشاد باری ہے۔

**هو الذی انزل علیك الكتاب منه اٰیات محكمات هن ام الكتاب و اخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاءَ الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تأویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا به كل من عند ربنا وما یذكر الا اولوا الالباب۔**( پارہ ۳ سورۃ آل عمران پہلا رکوع)

خدا ہی نے آپ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں یعنی ان کے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری آیات متشابہات ہیں یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں سوجن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے۔ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے اور مان لیا۔سب ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

**فائدہ:** ام الکتاب میں ام کا لفظ ہے اس کی تفصیل امداد الباری ج ۳ میں گزر چکی۔ مختصر یہ ہے کہ لفظ ام کے معنی عربی زبان میں اصل اور مرجع کے آتے ہیں۔مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ساری زمین کی اصل ہے سب سے پہلے یہی خطہ پیدا ہوا۔یہیں سے زمین اطراف وجوانب میں پھیلائی گئی اور دور دراز سے لوگ اس کی طرف بار بار لوٹ کر آتے ہیں۔میدان کارزار کے بڑے جھنڈے کو بھی اس لئے ام کہا جاتا ہے کہ کروفر کے وقت لشکر اسی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔سورۃ فاتحہ کو ام الکتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اصول کتاب اللہ پر حاوی ہے۔سورۂ فاتحہ کو ام القرآن اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ پورے قرآن میں جو سورت ام کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے اس لئے اس کا حق یہ ہے کہ بحیثیت اپنی جگہ رہے اور بقیہ قرآن اس سے آکر ضم ہوتا رہے ملتا رہے یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز میں اپنی جگہ رہتی ہے بقیہ سورتیں اور آیتیں اس سے آکر ملتی رہتی ہیں سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں متعین وواجب ہے اسکے علاوہ کوئی خاص سورہ یا آیت نماز میں متعین نہیں اور نہ سورہ فاتحہ سے پہلے کوئی سورہ پڑھی جاتی ہے جس کے ساتھ سورہ فاتحہ آکے ملتی ہو لہٰذا ام الکتاب کا مطلب

یہاں یہ ہوگا کہ محکمات اصل اور مرجع ہیں متشابہات کا متشابہات کو محکمات کی جانب لوٹایا جائیگا محکمات کو متشابہات کی جانب نہیں لوٹایا جائیگا۔لیکن غضب یہ ہے کہ نص قرآنی کے خلاف فرق باطلہ متشابہات کو اصل قرار دیتے ہیں اور محکمات کو نظر انداز کردیتے ہیں یا اس کی تاویل کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرق باطلہ کی علامت متشابہات کا اتباع ہے۔آئندہ فرق باطلہ کی تفصیل کے وقت اس کی مثالیں پیش کردی جائیں گی۔ انشاءاللہ

علامہ عثمانی نے اپنے فوائد میں لکھا ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک مؤقر ومعزز وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں تین شخص یعنی عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت وسیادت کے ایہم السید بلحاظ رائے وتدبیر کے اور ابو حارثہ بن علقمہ سب سے بڑے عالم اور لاٹ پادری ہونے کے اعتبار سے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا پھر پکا نصرانی بن گیا سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجد وشرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم وتکریم کے علاوہ بیش قرار مالی امداد کئے اسکے لئے گرجے تعمیر کئے اور مذہبی امور کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے مناظرہ کیلئے حاضر ہوا جس کی پوری تفصیل سیرۃ محمد بن اسحٰق میں موجود ہے۔سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ ( تقریباً اسی نوے آیات ) اسی واقعہ میں نازل ہوا۔عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔لیکن جب نجران کے نصاریٰ نے تمام دلائل سے عاجز ہوکر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں بس ہمارے مدعا کے اثبات کیلئے یہ الفاظ کافی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے **هو الذی نزل علیك الكتاب** سے کا تحقیقی جواب ایک عام اصول اور ضابطہ کی صورت میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات ومناقشات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔اس کو یوں سمجھو کو قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ جن کی مراد معلوم ومتعین ہو خواہ اس لئے کہ لغت وترکیب کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے یا اس لئے کہ عبارت والفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہوسکتا تھا لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہوچکا کہ متکلم کی مراد وہ نہیں بلکہ یہ ہے ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہی آیات ہیں دوسری قسم آیات کی متشابہات کہلاتی ہیں یعنی جن کی مراد معلوم ومتعین کرنے میں التباس واشتباہ واقع ہوجائے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کرکے دیکھنا چاہئے جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ بھی سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی

پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو دعوائے ہمہ دانی کر کے ہمیں حد سے گزرنا نہیں چاہئے جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پاسکتے اس کو بھی اسی فہرست میں شامل کرلیں مگر زنہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں۔ مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کردی ان ھو الا عبد انعمنا علیه یا ان مثل عیسیٰ عند الله کمثل آدم خلقه من تراب یا "ذالك عیسیٰ بن مریم قول الحق الذی فیه یمترون ماکان لله ان یتخذ من ولد سبحانه" اور جا بجا ان کی الوہیت وابنیت کا رد کیا اب ایک شخص ان محکمات سے آنکھیں بند کر کے کلمة القاها الیٰ مریم وروح منه وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی ۔بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسادیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھلمل یقین ایسے متشابہات سے اپنی رائے کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں حالاں کہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ سے آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات ومتشابہات سب کو حق جانتے ہیں انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض وتہافت کا امکان نہیں اسی لئے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانتا ہے ہم کو ایمان سے کام ہے۔اور راسخین فی العلم اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور ومطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل وعنایت کے طلبگار رہتے ہیں تاکہ کمائی ہوئی جمع پونجی ضائع نہ ہوجائے خدانہ کردہ دل سیدھے ہونے کے بعد ضائع نہ کردئے جائیں۔حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (امت کو سنانے کیلئے) اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینك

**نوٹ:** یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ متشابہات کے معنی اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم ہیں یا نہیں عام طور سے اس کو حنفی شافعی اختلاف قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ امور سلف سے منقول ہوتے چلے آرہے ہیں اور محقق فیصلہ ملاجیون نے یہ کیا ہے کہ جس نے انکار کیا اس کی مراد علم یقینی کا انکار ہے اور جس نے اثبات کیا علم ظنی کو ثابت کیا تو حقیقت میں اختلاف نہیں۔ چونکہ اس مقام سے اس مسئلہ کا تعلق نہیں اس لئے یہاں اشارہ ہی مناسب ہے۔نورالانوار میں بھی یہ مسئلہ ہے۔وسنعود انشاء الله بالتفصیل

## دوسری علامت:

فرقہائے باطلہ کی دوسری علامت یہ ہے کہ پہلے وہ ایک خیال پکا لیتے ہیں پھر اس پر قرآن سے استدلال قائم کرنے کیلئے کسی آیت کا مصنوعی سہارا لیتے ہیں اور آیات قرآنیہ کو کھینچ تان کر اپنے مقاصد کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں دوسرے عنوان سے کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر بالرائے کے باعث ہوئی پر ہدیٰ کا سراب انہیں نظر آتا ہے جسے وہ حقیقت خیال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت سے بہت دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔مثلاً روافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں چھپے بیٹھے ہیں جب کبھی انکو حکم ہوگا تو وہ ظاہر ہوں گے۔

سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جابر جعفی سے دریافت کیا کہ مندرجہ ذیل آیت کا کیا مطلب ہے فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی او یحکم الله وھو خیر الحاکمین تو جابر نے جواب دیالم یجئی تاویل ھذہ یعنی اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا قال سفیان وکذب سفیان نے فرمایا جھوٹ بولتا ہے حمیدی کہتے ہیں ہم نے سفیان سے دریافت کیاوما اراد بھذا اس شخص کا مطلب کیا تھافقال ان الرافضة تقول فرمایاروافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں ہیں اور جب ان کی اولاد میں کوئی مدعیٔ امامت ہوگا وہ اعلان کریں گے کہ ان کا ساتھ دو یہ امام برحق ہیں۔اب حضرت علی کی اولاد میں سے کوئی شخص مدعی امامت ہوگا تو ہم ان کا ساتھ اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک کہ حضرت علی آسمان سے منادی نہ کریں کہ ان کا ساتھ دو۔جابر جعفی کہتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے مقدمه مسلم شریف ۱۵/ملاحظہ فرمایا آپ نے اس بے وقوف نے پہلے تو رجعت علی کا عقیدہ فاسدہ بنایا پھر آیت قرآنی کو کھینچ تان کر اپنے عقیدہ پر چسپاں کردیا حالانکہ ہر صاحب بصیرت وبصارت جانتا ہے کہ یہ آیت سورۂ یوسف میں ہے آیت کے تمام سیاق وسباق سے صاف صاف عیاں ہے کہ یہ آیت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق ہے اور روافض کے اس مہمل عقیدہ سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں مگر اس نے جب اس آیت کو اپنے مذہب پر ڈھالنا چاہا تو سیاق کو دیکھا نہ سباق کو صرف اس آیت کو پڑھ کر مطلب برآری کی۔یہی حال خوارج جبریہ وغیرہ کا ہے۔وسیجئ تفصیله

## تیسری علامت:

فرق باطلہ کی تیسری علامت افراط وتفریط ہے اور اہلسنت والجماعت کی علامت اعتدال ہے اسی واسطے اس امت کو امت وسط کہا گیا وکذالك جعلنٰكم امة وسطا امت وسط کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت معتدل ہے۔ٹھیک سیدھی راہ پر ہے اس میں کچھ کجی کا شائبہ نہیں افراط وتفریط سے بالکل بری ہے۔ارشاد باری ہے" وعلی الله قصد السبیل ومنها جائر "اللہ تک پہونچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے یعنی جس طرح زمینی راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہونچتے ہو ایسے ہی خدا تک پہونچنے کا بھی سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے جس کی سمجھ سیدھی ہوگی وہ مذکورہ بالا قرآنی دلائل وبصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت وجبروت پر ایمان لائے گا اور توحید وتقویٰ کی سیدھی راہ پر چل کر بے کھٹکے خدا تک پہونچ جائے گا لیکن جس کی

عقل سیدھی نہیں اسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہوسکتی ہے وہ ہمیشہ ہویٰ و اوہام کی پیچ دار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا وان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم، فوائد القرآن سورہ نحل سہل تستری فرماتے ہیں قصد السبیل یعنی میانہ روی طریق سنت ہے ومنھا جائر ملل وسبل متفرقہ ہیں وعلیٰ اللہ قصد السبیل کی تفسیر میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔

**المقتصد بین الغلو والتقصیرو ذاك ان الجائر ھو الغالی اوالمقصر وکلاھما من اوصاف البدع** (الاعتصام جلد اول ۲۷)

اقتصاد و میانہ روی یہ ہے نہ اس میں غلو اور تجاوز عن الحد کی صفت ہو نہ تقصیر و کوتاہی کی اس کے بالمقابل جائر کا یہی مفہوم ہوگا کہ اس میں یا غلو پایا جائیگا یا کوتاہی اور یہ دونوں ملل منحرفہ متبدعہ کے اوصاف ہیں۔

اس افراط وتفریط غلو وتقصیر کی وجہ سے باہمی تعاون وتناصر محبت و مودۃ ختم ہوجاتی ہے اور اس کی جگہ بغض وعناد، تعصب وہٹ دھرمی پیدا ہوجاتی ہے بجائے وحدت واجتماعیت کے افتراق وتشتت کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور امت کا شیرازہ منتشر ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے تو ایمان کی تعریف میں معتزلہ اور خوارج نے حد سے زیادہ غلو کیا تو اعمال کو ایمان کا جزء حقیقی قرار دیا اور مرجیہ نے عمل کو بالکل بے تعلق بتایا عمل ہو نہ ہو صرف تصدیق سے ایمان کامل ہوجاتا ہے اور جہمیہ نے تو تصدیق کو بھی ضروری نہیں قرار دیا صرف معرفت کافی ہے لیکن اہلسنت کی راہ معتدل ہے کما سیاتی۔ اسی طرح معتزلہ نے بندے کو اپنے اعمال کا خالق قرار دیا اور جبریہ نے انسان کو مجبور محض جماد لایعقل کی طرح مانا دونوں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں اور اہلسنت کی راہ معتدل ہے کہ بندہ نہ تو اپنے اعمال کا خالق ہے نہ مجبور محض ہے بلکہ خالق تو صرف باری تعالیٰ ہے لیکن بندہ کاسب ہے۔ عنقریب تفصیل آرہی ہے۔

## آمدم برسر مطلب:

**سوال:** یہ تھا کہ خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی اختلاف تھا تو کیا یہ بھی اختلاف مذہبی اور مذموم تھا؟

**جواب:** اسباب اختلاف وعلامات فرق باطلہ ملاحظہ فرمائیے تو بآسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام کے دور کا اختلاف مذہبی نہ تھا مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا اختلاف صرف بعض اعمال کی شکایت پر تھا جسے عبداللہ بن سبا یہودی کی پارٹی نے ہوا دے کر طوفان برپا کردیا مگر ان میں سے کوئی کسی کی تکفیر یا تفسیق کا قائل نہ تھا چنانچہ شہادت سے پہلے حضرت عثمانؓ بالاخانہ پر تشریف لائے اور کچھ صحابہ کرام کو پکارا وہ بلائے گئے آپ نے بلوائیوں پر اتمام حجت کیلئے کچھ احادیث پڑھیں اور صحابہ کرام سے آپ نے پوچھا یہ حدیثیں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں یا نہیں؟ سب نے تصدیق کی اور بلوائیوں نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ ان کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے ہم اس کی شرارت کا بدلہ اس کو چکھائیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا قانون ہاتھ میں نہ لو اگر مروان پر دعویٰ ہے تو عدالت میں پیش کرو ثبوت کے بعد اسے شرعی قانون کے مطابق سزا دی جائے گی لیکن بلوائیوں نے اسے تسلیم نہ کیا۔ سیرۃ خلفائے راشدین مؤلفہ امام اہلسنت ۲۰۶ میں یہ بھی ہے کہ عین محاصرہ کی حالت میں انصار نے کہا امیر المومنین آپ کی مظلومیت انتہا کو پہونچ گئی ہم سے دیکھی نہیں جاتی آپ حکم دیں تو ہم ان باغیوں کو ابھی تہ تیغ کردیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میرے حکم سے کسی لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کا خون بہایا جائے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام کافی تھے وہ حمایت کیلئے مستعد ہوئے تو انہوں نے فرمایا جو ہتھیار رکھ دے وہ آزاد ہے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۷/۱۴۲ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر میں محصور تھا کہ ایک شخص نے ہمارے ایک آدمی کو تیر کا نشانہ بنالیا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا امیر المومنین اب مقابلہ کا وقت آگیا ہے انہوں نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کردیا قال عزمت علیك یا اباھریرۃ الارمیت بسیفك فانما تراد نفسی وسأقی المومنین بنفسی الیوم قال ابوھریرۃ فرمیت بسیفی فلا ادری حتی الساعۃ۔ قلت ترجمۃ مستوفاۃ فی تاریخ دمشق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے امیر المومنین سے قتال کی اجازت لی تو فرمایا اے ابوہریرہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنی تلوار پھینک دو اس لئے کہ وہ مجھ ہی کو چاہتے ہیں اور میں اپنی جان فدا کرکے مسلمانوں کو بچاؤں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اب تک مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔ نیز حافظ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کی محبت ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کذبوا لقد اجتمع حبھما فی قلوبنا جس نے کہا غلط کہا دونوں کی محبت ہمارے قلوب میں جمع ہے۔ معلوم ہوا یہ اختلاف مذہب وعقیدہ کا نہ تھا۔

## علیٰ ہذا القیاس:

جنگ جمل میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی نہ اس سے کوئی مذہبی فرقہ بندی پیدا ہوئی۔ ہم نے امداد الباری ج ۱، ص ۲۷ میں اس کا خلاصہ بیان کردیا ہے ملاحظہ فرمائیں وہاں دونوں فریق کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں بلکہ نامۂ و پیام کے ذریعہ بات ہونے والی تھی کہ اچانک بلوائیوں کو خطرہ ہوا کہ صلح ہوگئی تو ہماری خیر نہیں، عبداللہ بن سبا مشہور منافق نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ تم آج ہی رات میں لڑائی شروع کردو بلوائی دونوں طرف چلے گئے اور رات کے آخری حصہ میں جنگ شروع کردی، مگر عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی حضرت علیؓ نے ان سے کہا ابوعبداللہ تم کو یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا تم علیؓ کو

دوست رکھتے ہو تم نے جواب دیا تھا ہاں یا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آ گیا اس لئے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر واپس جا رہے تھے کہ ابن جرموز نے راستے میں ان کو شہید کر دیا اور با امید انعام حضرت علی کے پاس آیا اور کہنے لگا امیر المومنین مبارک ہو کہ میں نے آپ کے دشمن کو قتل کر دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا کس کو؟ اس نے کہا زبیر کو آپ نے کہا کہ میں تجھ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ تو جہنم میں جائیگا۔ ابن جرموز نے کہا کہ واہ آپ نے خوب انعام دیا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''یاعلی بشر قاتلَ بن صفیة بالنار''۔ اے علی میری پھوپھی صفیہ کے بیٹے زبیر کے قاتل کو جہنم کی بشارت سنا دینا یہ سن کر ابن جرموز نے خودکشی کر لی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت تھا تو ایک شخص ان کے پاس سے گزر رہا تھا اس سے پوچھا کہ تو کس لشکر کا آدمی ہے اس نے کہا کہ امیر المومنین حضرت علی کے لشکر کا حضرت طلحہ نے اس سے فرمایا لاؤ میں تمہارے ہاتھ پر حضرت علی کیلئے بیعت کروں چنانچہ وہ بیعت کے بعد جاں بحق ہو گئے۔ (ازالۃ الخفاء) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک پر گزر ہوا تو آپ ان کو دیکھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے ابو محمد اس جگہ اس حالت میں پڑے ہیں اور فرمایا کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا اور حضرت طلحہ کے ہاتھ کو بار بار چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے مصائب کو دفع کیا تھا (تطہیر الجنان) یہ واقعہ تھوڑے فرق کے ساتھ جمع الفوائد میں بھی ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حق پر ہونے کے باوجود کبھی کوئی سخت لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اسحٰق بن راہویہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ جنگ جمل وصفین کے موقع پر آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ مخالف لشکر والوں کے خلاف سخت الفاظ استعمال کرتا ہے تو آپ نے فرمایا ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو ان لوگوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے اسلئے ہم ان سے قتال کرتے ہیں۔

الغرض فریقین میں سے کسی نے دوسرے کی اہانت نہ کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت پر تاسف کا اظہار کیا ان کی تعریفیں کیں اور ام المومنین کا عین میدان جنگ میں بہت احترام کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ لڑائی سبائی پارٹی کی ریشہ دوانیوں سے ہوئی جس پر فریقین کو افسوس رہا، بعد میں اتفاق بھی ہو گیا اور ام المومنین رضی اللہ عنہا بہت سے مسائل حضرت علیؓ کے پاس بھیجتیں کہ وہ اعلم ہیں۔ اب ماشاء اللہ ظاہر ہو گیا کہ جنگ جمل کا اختلاف ''اختلاف مذموم'' کی حد میں نہیں آتا پھر سب مجتہد تھے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور جب حق واضح ہو گیا تو فوراً رجوع کیا۔

**واقعہ صفین:** اسکی بنیاد یہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بلوائیوں کی قوت ابھی زیادہ ہے ابھی ان سے قصاص نہیں لیا جا سکتا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آپ درمیان سے ہٹ جایئے میں ان سے ابھی قصاص لے لیتا ہوں لیکن یہ ظاہر ہے کہ خلیفہ برحق کا درمیان سے ہٹ جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا سبائی پارٹی اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھی ہی دونوں طرف سے اس پارٹی نے بہت مبالغہ آمیزی کر کے لوگوں کو بھڑکایا اور صلح کی گفتگو ناکام ہو گئی بالآخر فوج کشی ہوئی اور تحکیم پر معاملہ ختم ہو گیا لیکن س لڑائی میں بھی نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کی تکفیر یا تفسیق کی نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔

علامہ ابن خلدون نے طبری وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے مقتولین کا انجام کیا ہوگا حضرت علی نے دونوں فریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

لا یموتن احد من هولاء وقلبه نقی الا دخل الجنة۔ (مقدمه ابن خلدون فصل ۳۰، ۳۸۵)

ان میں سے جو بھی صفائی قلب کے ساتھ مرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔

جنگ کے بعد حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کے متعلق اور حضرت معاویہؓ سے حضرت علیؓ کے متعلق اچھے کلمات منقول ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے لوگو معاویہؓ کی حکومت کو برا مت کہو خدا کی قسم جب وہ نہ رہیں گے تو دنیا میں سخت بدامنی پھیلے گی۔ ازالۃ الخفاء میں حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ جب جنگ صفین سے واپس ہوئے تو فرمایا

یا ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رایتم الروس تندر عن کواهلها کانها الحنظل!

اے لوگو تم معاویہؓ کی امارت کو ناپسند مت کرو کیوں کہ اگر وہ نہ رہیں گے تو تم دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے منہاج السنۃ ج ۲، ص ۲۱۶ کی عبارت جنگ جمل کے بیان میں گزر چکی اسے مکرر ملاحظہ فرمالیں۔ روافض کی کتابوں میں بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک گشتی فرمان کے ذریعہ عام طور پر اعلان کیا کہ اہل شام اور ہمارا خدا ایک ہے نبی ایک اللہ اور اس کے رسول اور قیامت پر ایمان رکھنے میں نہ وہ ہم سے زیادہ نہ ہم ان سے زیادہ ہمارا اور ان کا معاملہ بالکل ایک ہے اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا ہے اللہ جانتا ہے کہ میں اس خون سے بری ہوں۔ نہج البلاغۃ

اسی طرح حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مختلف سندوں سے یہ بات منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک گفتگو کے وقت فرمایا واللہ انی لا علم انه خیر منی وافضل واحق منی (الخ) البدایه والنهایه ج ۸، ۱۲۷ (کتنی تاکید سے فرماتے ہیں) خدا کی قسم البتہ میں جانتا ہوں کہ حضرت علیؓ مجھ سے افضل و بہتر ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن کیا یہ بات تم تسلیم نہیں

کرتے کہ حضرت عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں اس لئے مجھے ان کے خون کا بدلہ اور قصاص لینے کا زیادہ حق ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ مختلف فقہی مسائل میں خط و کتابت کے ذریعہ حضرت علیؓ سے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے جب حضرت علیؓ کی وفات کی خبر پہونچی تو کہاذھب العلم والفقہ بموتِ ابن ابی طالب۔ (استیعاب تحت الاصابہ ج ۳، ۴۳)

علی ابن ابی طالب کی موت سے علم وفقہ رخصت ہوگئے۔

دوران جنگ میں حضرت ابوہریرہؓ جو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے تھے روزانہ حضرت معاویہؓ کے دسترخوان پر جاکر کھانا کھایا کرتے تھے ایک دن ایک شخص نے کہا ابوہریرہ آپ کی عجیب حالت ہے نماز علی کے پیچھے پڑھتے ہیں اور انہیں کے ساتھ ہوکر لڑتے ہیں اور کھانا یہاں آکر کھاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا نماز انہیں کے پیچھے اچھی ہوتی ہے اور خلیفۂ برحق وہی ہیں لہٰذا جہاد بھی انہیں کے ساتھ ہوکر اچھا ہے اس لئے نماز بھی وہیں پڑھتا ہوں جہاد بھی انہیں کے ساتھ ہوکر کرتا ہوں مگر کھانا تمہارے یہاں اچھا ہوتا ہے اس لئے کھانا تمہارے ساتھ کھاتا ہوں حضرت معاویہ سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو امداد الباری ج اول کا مطالعہ فرمائیں۔

**فائدہ:** ان مشاجرات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اجتہادی اختلاف تھا۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

تمرق مرقة عند فرقةٍ من المسلمین تقتلھم اولی الطائفین بالحق۔ (البدایة والنھایه ج۷، ۲۷۸)

مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ (جماعت سے) نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہ میں حق سے زیادہ قریب ہوگا۔

**فائدہ:** اس حدیث میں مارقہ سے مراد باتفاق خوارج ہیں ان کو حضرت علی اور ان کی جماعت نے قتل کیا جن کو آپ ﷺ نے اولی الطائفتین بالحق فرمایا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو جماعت حق پر ہوگی وہ قتل کرے گی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کا اختلاف صریح حق و باطل کا نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہوگا البتہ حضرت علی کی جماعت حق کے زیادہ قریب ہوگی اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اور حدیث کی متعدد کتابوں میں قوی سند کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لاتقوم الساعة حتیٰ تقتل فئتان عظیمتان تکون بینھما مقتلة عظیمة دعواھما واحدة (مسلم شریف ج ۱، ۳۹۰)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں ان کے درمیان زبردست خوں ریزی ہوگی حالاں کہ دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مسلمانوں کی دو جماعتوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتیں ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی دعوت کو ایک قرار دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں اسلام ہی کی دعوت لے کر کھڑی ہوئی تھیں اور اپنے اپنے اجتہاد کے موافق دین ہی کی بھلائی چاہتی تھیں کسی کے پیش نظر اقتدار کی خواہش اور حصول جاہ کی تمنا نہ تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں روایتوں کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب علیؓ اولی الطائفتین الی الحق ہیں اور یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے کہ حضرت علیؓ مصیب ہیں اور حضرت معاویہ چوں کہ مجتہد ہیں اس لئے انشاءاللہ وہ بھی ماجور ہوں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج۷، ۲۷۹)

سابقہ تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ ان مشاجرات میں نہ تو عقیدہ کا کوئی اختلاف تھا نہ اصول وکلیات کا نہ جہالت وعلم سے ناواقفی کا نہ اتباع ہویٰ کسی میں تھا نہ تباغض وتنافر، نہ تعصب وعناد نہ اتباع متشابہات نہ کسی نے کسی آیت کی تفسیر بالرای کی بلکہ ایک پیچیدہ معاملہ آگیا تھا اس میں دونوں نے اجتہاد کیا تھا لہٰذا افتراق امت والی روایت میں جس افتراق کی مذمت کی گئی ہے وہ ان مشاجرات پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان میں حقیقی اختلاف نہ تھا سب کا عقیدہ ایک تھا عمل ایک سب ایک ہی دین کے حامل تھے اور اسی متفقہ دین کی خاطر برسرپیکار تھے البتہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اس دین متین کے علم بردار ہم ہیں بس اتنا ہی اختلاف تھا بلکہ بعض اکابر سے منقول ہے کہ یہ مشاجرات امت کیلئے من وجہ رحمت ہیں کہ اس سے قیامت تک آنیوالوں کیلئے سبق ہے کہ اگر مسلمانوں میں کسی غلط فہمی پر اختلاف ہو تو کیا کرنا چاہئے دورفتن میں صحابہ کرام نے جس طرح نبھایا ہے۔ یہ انہیں کا حق تھا ان حضرات کے کمال ایمان کا تقاضا تھا کہ جس چیز کو حق سمجھا اس پر مضبوطی سے ڈٹے رہے نہ کسی قسم کی مداہنت کی نہ کسی رشتہ اور تعلق کا خیال آیا اور جن پر حق واضح نہ ہوا وہ کسی فریق کے ساتھ نہ ہوئے اور ان کے کمال تقویٰ کا حال تھا کہ اپنے مقابل کی خوبیوں کے اقرار میں کبھی تامل کیا نہ کسی کے متعلق کبھی کوئی نازیبا کلمہ استعمال کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے تھے بظاہر اختلاف تھا بباطن اتحاد اور جب ارشاد رسول سے ان کا ایک ہونا ثابت ہورہا ہے تو افتراق کہاں رہا؟ البتہ اسی حدیث میں خوارج کو مارقہ سے تعبیر فرماکر بتادیا کہ وہ افتراق کا نمونہ بن سکتے ہیں۔ کیا یہ قیامت تک آنے والوں مسلمانوں کے لئے سبق نہیں اور کیا اس حیثیت سے یہ مشاجرات رحمت نہیں۔

## مسائل کا اختلاف:

باقی رہا اختلاف مسائل کا تو اس کا معاملہ تو بالکل غیر اہم ہے بخاری شریف

میں ہے۔

اوتر معاوية بركعة وعنده مولىٰ لابنِ عباس فاتى ابن عباس فقال دعه فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى رواية اصاب انه فقيه۔ (بخاری شریف ج ۱، ۵۳۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشا کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام وہاں تھے اس نے حضرت ابن عباس سے اس کی شکایت کی اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ بھی کہا کہ آپ انہیں سمجھا دیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو انکار مت کرو کیوں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں فقیہہ ہیں (انہوں نے کسی دلیل سے کیا ہوگا)

**فائدہ:** اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر کے قائل تھے ان کے خادم کا بھی یہی مسلک تھا اور ایک رکعت وتر پڑھنا غیر معروف تھا اسی لئے توحش وتعجب ہوا اور شکایت بھی کی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی صحابیت اور تفقہ واجتہاد کی بناء پر انکار سے منع کیا اس سے صحابیت واجتہاد کی عظمت ظاہر ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی صحابی کوئی کام کریں تو ان کے ساتھ حسن ظن یہی رکھنا چاہئے کہ ان کے پاس کوئی سند ہوگی۔

**ایک دوسری مثال:**

عن ابن عمر قال قال النبى صلى الله عليه وسلم يوم الاحزاب لا يصلين احد العصر الا فى بنى قريظة فادرك بعضهم العصر فى الطريق فقال بعضهم لا نصلى حتى ناتيها وقال بعضهم بل نصلى لم يرد منا ذالك فذكرذالك للنبى صلى الله عليه وسلم فلم يعنف واحدًا منهم۔ (بخاری شریف جلد۲، ۵۹۱)

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الاحزاب میں فرمایا عصر کی نماز کوئی نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں صحابہ کرام بنی قریظہ کی جانب روانہ ہوئے لیکن کچھ لوگوں کو کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی انتظامات وغیرہ میں تو ان کو عصر کا وقت راستہ میں ہوگیا بعضوں نے کہا ہم تو عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر ہی پڑھیں گے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے بعضوں نے کہا ہم تو یہیں نماز پڑھیں گے۔ حضور اقدسؐ کا یہ مقصد نہ تھا کہ راستہ میں وقت ہوجائے تو بھی نماز نہ پڑھنا بلکہ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ بنی قریظہ میں نماز پڑھنے کی کوشش کرنا۔ اس کے بعد حضورؐ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے کسی کو اس پر سرزنش نہ فرمائی۔

**فائدہ:** ہم نے مطلب خیز ترجمہ کیا ہے اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جماعت نے الفاظ رسول کی اتباع کی دوسری جماعت نے آپؐ کے منشا کو سمجھنے کی کوشش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ دونوں کی نیت بخیر ہے اسلئے آپؐ نے کسی کو ملامت بھی نہ کی نہ کسی کی تغلیط کی۔ صحابہ کرام کے اختلاف کی دو مثالیں ہم نے بیان کردیں اور اختصاراً اسی پر اکتفا کرتے ہیں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اختلافی رنگ اتنا پھیکا اور معمولی تھا کہ ان اختلافات کے باوجود وہ ایک ہی مسجد میں نمازیں ادا کرلیتے بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے کی اقتداء بھی کرلیتے تھے بغض وعناد تعصب وہٹ دھرمی تقاطع وتدابر اور تحاسد تو درکنار انہیں موافقت و مخالفت کا تصور بھی دامن گیر نہ ہوتا نہ اپنی توہین کا شائبہ ہوتا۔ محبت ومؤدت تناصر و تعاون اخوت اسلامی اور خیر خواہی میں کوئی فرق نہ آتا۔ دنیا کی تاریخ میں اس اخلاص و للّٰہیت کی نظیر نہیں اس لئے یہ افتراق بھی افتراق مذموم کی حدود میں نہیں شامل ہوسکتا اگر یہ اختلاف مذموم ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ملامت یا سرزنش فرماتے معلوم ہوا یہ اختلاف رحمت ہے نہ کہ اختلاف زحمت۔

## اختلاف امتی رحمۃ:

علامہ سخاوی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ بیہقی نے اسکو مدخل میں سليمان بن كريمه عن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم کی سند سے ذکر کیا ہے، حدیث طویل ہے اس کے آخر میں ان اصحابى بمنزلة النجوم فى السماء فايما اخذتم به اهتديتم واختلاف اصحابى لكم رحمة اسی سند اور اسی لفظ سے طبرانی اور دیلمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ وجويبر ضعيف جدًا والضحاك عن ابن عباس منقطع علامہ زرکشی نے نصر مقدسی کی کتاب الحجۃ کے حوالہ سے مرفوعاً اس کو نقل کیا ہے۔ لیکن نہ تو سند بیان کیا نہ لفظ صحابہ کو۔ علامہ عراقی نے آدم بن ابی ایاس کی کتاب العلم والحکم کی طرف منسوب کرتے ہوئے بغیر بیان سند کے اس روایت کو اختلاف اصحابى رحمة لامتى کے لفظ سے نقل کیا ہے۔ پھر علامہ عراقی فرماتے ہیں وهو ضعيف مرسل اور اسی لفظ سے بیہقی نے اپنے رسالہ اشعریہ میں بغیر اسناد کے اس کو نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں عن سفيان عن افلح بن حميد عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم رحمة لعباد الله پھر علامہ سخاوی فرماتے ہیں فقد قرأت بخط شيخنا انه يعنى هذا الحديث حديث مشهور على الألسنة وقد اورده ابن الحاجب فى المختصر فى مباحث القياس بلفظ اختلاف امتى رحمة للناس وكثر السوال عنه وزعم كثير من الأمة انه لا اصل له لكن ذكره الخطابى فى غريب الحديث مستطردًا وقال اعترض على هذا الحديث رجلان احدهما ماجن والآخر ملحد وهما اسحٰق الموصلى وعمرو بن بحر الجاحظ وقالا جميعاً لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق عذابا ثم تشاغل الخطابى بردهذا الكلام ولم يقع فى كلامه شفاء لعذوالحديث ولكنه

اشعر بان له اصلا عنده (مقاصد حسنه ۱۲)

غرض مقاصد حسنہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت دوطرح سے منقول ہیں۔ ایک تو اختلاف اصحابی رحمۃ دوسرے اختلاف امتی۔ اختلاف اصحابی رحمۃ کی روایت کے متعلق علامہ سخاوی نے دوطرح سے نقد کیا ہے۔ (۱) جویبر ضعیف جدًا۔ (۲) والضحاك عن ابن عباس منقطع۔ لیکن جویبر کا ضعف تو مسلم ہے مگر ضحاک عن ابن عباس کو منقطع کہنا محل تردد ہے۔ کشف الاسرار، ص:۵۴ میں ہے وقال الشیخ السیوطی قد قالا ابوحاتم ما بحدیثہ بأس وقال ابو دائود ثقة وذکره ابن حبان فی الثقات استدرکه فی اللسان سمع ابن عباس۔

## ضحاک بن مزاحم کی تحقیق :

ضحاک کو بعض لوگوں نے ضعیف کہا ہے عن یحی بن سعید کان الضحاك عندنا ضعیفا وقالا ابن المدینی عن یحی بن سعید کا ن شعبة لایحدث عن الضحاك بن مزاحم۔ (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۴۵۳)

لیکن اسی تہذیب التہذیب میں یہ بھی ہے قال عبدالله بن احمد عن ابیه ثقة مأمون۔ وقال ابن معین و ابوزرعة وذکره ابن حبان فی الثقات وقال العجلی ثقة ولیس بتابعی وقال الدارقطنی ثقة۔ حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ان کے قول کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ کتاب اللعان میں فرماتے ہیں وقالا الضحاك الا رمزًا ای اشارة وللضحاك ذکر ایضاً فی تفسیر سورة رحمٰن۔ ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضحاک ثقہ ہیں ان کو ضعیف کہنا تو درست نہیں حافظ نے تقریب میں لکھا ہے صدوق کثیر الارسال البتہ محدثین کے نزدیک حضرت ابن عباس سے ان کی ملاقات ثابت نہیں اور ضحاک کہتے تھے کہ میری ملاقات ہوئی ہے، اس لئے محدثین کو اس پر اعتراض ہے وقال ابو حباب الکلبی عن الضحاك جاورت ابن عباس سبع سنین اسی طرح امام بخاری کہتے ہیں حدثنا ابو نعیم قال حدثنا سفیان عن حکیم بن الدیلمی عن الضحاك عینی ابن مزاحم قال سمعت ابن عمر یقول ماطهرت کف فیها خاتم من حدید وقال لا اعلم احدًا قال سمعت ابن عمر الاابو نعیم۔ تہذیب التہذیب۔ دیکھئے اس روایت میں بھی امام بخاری نے ضحاک پر کوئی کلام نہیں کیا۔ اس روایت پر صرف اتنا کلام کیا ہے کہ سمعت ابن عمر صرف ابونعیم نے کہا اور ابونعیم امام بخاری کے استاذ ہیں ان پر بھی کلام نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ ثقہ ہیں، ماموں ہیں اور لقاء ممکن ہے پھر کہتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی بلکہ طویل ملاقات ہوئی، ان کے قول کو کیوں تسلیم نہ کرلیا جائے۔ غالباً حافظ نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ روی عن ابن عمرو ابن عباس وابی هریرة وابی سعید و زید بن ارقم و انس ابن مالك و قیل لم یثبت له سماع من احد من الصحابة اس قول کو قیل سے نقل کرنا اور پھر یہ کہنا کہ کسی صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں لیکن کسی محدث نے بھی یہ نہیں لکھا یا کہا کہ لقاء وسماع ممکن نہیں۔ ان سب اقوال سے صاحب کشف الاسرار کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

بہر کیف اگرچہ انقطاع کا اعتراض محل تردد ہے، لیکن پھر بھی جویبر کے ضعف کی وجہ سے روایت ضعیف ہی رہے گی۔ لیکن اس کو بے اصل بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اسلئے قاسم بن محمد جو اوساط تابعین میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ کے فقہاء مشہورہ میں سے بہت بڑے جلیل القدر عالم ہیں وہ بھی کہتے ہیں اختلاف اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم رحمة لعباد الله اگر یہ روایت بے اصل ہوتی تو ایسے زبردست عالم سے یہ قول بہت مستبعد ہوتا۔ قاسم بن محمد کے متعلق تقریب میں ہے ثقة احد الفقهاء بالمدینة قال ایوب ما رأیت احدًا إضل منه من کبار الثالثة مات سنة ست و مأة علی الصحیح۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ تمنا نہیں ہوتی کہ کاش صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا تو اچھا ہوتا کیوں کہ صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا تو ہمارے لئے آسانی نہ ہوتی، یعنی اگر کہیں مسائل دینیہ میں ایک قول ہوتا تو بعض صورتوں میں وہ لوگوں کیلئے عمل تنگی کا باعث ہوجاتا۔ لیکن ان کے اختلاف سے دین میں عمل کی مختلف راہیں نکل آئیں چوں کہ وہ ہمارے مقتدیٰ ہیں اسلئے اب اگر ان میں سے کسی کا قول نیک نیتی سے اختیار کریں گے وہ بھی دین کی ایک سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔ (الاعتصام، ج:۲، ص:۱۴۶) میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے۔ ایک مشہور حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ہم نے اس روایت پر امداد الباری جلد اول، ص ۳۷۷ پر مفصل کلام کیا ہے۔ اسلئے یہاں اس کے ترجمہ پر اکتفاء کریں گے۔ اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو دریافت فرمایا کہ اگر کوئی معاملہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کروگے، عرض کیا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو، عرض کیا سنت رسول سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو عرض کیا اس وقت اجتہاد واستنباط کرکے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔ اور تحقیق حق میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرط مسرت وشفقت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبوب وپسندیدہ ہے۔ ابوداؤد شریف، ج:۲، ص:۱۲۹ ترمذی شریف، ج:۱، ص:۱۵۹ اور عون المعبود شرح ابوداؤد، ج:۳، ص:۳۳۰ میں ہے کہ خطیب نے اس روایت سے صاف ظاہر کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

تمام نمائندوں کیلئے دستور العمل یہی تھا کہ جب کتاب وسنت میں کوئی مسئلہ نہ ہوتو اجتہاد کر کے فیصلہ کریں اور ظاہر ہے ہر شخص کا اجتہاد ایک ہو نہیں سکتا۔ پس اگر یہ لازم کر دیا جاتا تو تمام صحابہ متفق رہیں تو حرج عظیم لازم آتا کیوں کہ یہ ممکن ہی نہ تھا جب ایک ارشاد کے مفہوم میں اختلاف ہو گیا کہ اگر درمیان میں عصر کا وقت ہو جائے تو عصر کہاں پڑھی جائے گی تو ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب وسنت کا کوئی حکم نہ ہوگا تو اس کے متعلق اجتہاد میں بدرجہ اولیٰ اختلاف ہوگا مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں میں عمال کو روانہ فرماتے اور اس علاقہ کے لوگوں کو انہیں کی اتباع کا حکم تھا، اس لئے ممکن نہ تھا اس اختلاف پر مطلع ہونے کے بعد کسی کے دل میں تردد ہو تو آپ نے اس تردد کو رفع کر دیا کہ "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم واختلاف اصحابی رحمة"۔ علیٰ ہذا القیاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف علاقوں کے وفود آتے اور بعض وفود ایسے بھی ہوتے کہ انہیں دوبارہ حاضری کا موقع نہ ہوتا۔ ان کے جانے کے بعد بعض چیزیں منسوخ ہو جاتیں اور ان کو نسخ کا علم نہ ہوتا تو اس علاقے کے لوگ سابقہ ہی چیزوں پر عمل کرتے بعد از اطلاع ان کے دل میں خدشہ ہونے کا اندیشہ تھا تو ان کے ریب وریبہ اور تردد کو دفع کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف اصحابی رحمة پھر اس کے ساتھ اگر صحیحین کی ایک روایت پر بھی نظر ہو تو یہ مضمون اور زیادہ واضح ہو جائے۔

عن عمرو ابن العاص انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذا حکم و اخطاء فله اجر۔ ( بخاری شریف ج ٢ص١٠٩٢ و مسلم شریف، ج ٢، ص ٧٦)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب حاکم اجتہاد کر کے یعنی حق بات کی تحقیق وجستجو کر کے کوئی حکم دے پھر وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جب حاکم اجتہاد کر کے کوئی حکم دے، کوئی فیصلہ کرے اور براہِ بشریت اس میں غلطی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

**فائدہ:** دنیا سرتا پا انقلاب ہے۔ روزمرہ نئے نئے واقعات وحوادث پیش آتے رہتے ہیں۔ پھر علاقہ کے حالات وضروریات میں بھی اختلاف رہتا ہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ہر جزئی کا صریح حکم کتاب وسنت میں نہیں اسلئے اجتہاد تو لابدی اور ضروری تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ہر مجتہد کا اجتہاد ایک ہو نہیں سکتا۔ پس اگر روزمرہ کے مسائل و احکام عملیہ میں اتفاق ضروری ہوتا تو امت پریشان ہو جاتی، عمل کی صورت ہی ممکن نہ ہوتی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف صحابہ کو بلکہ ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو رحمت بتایا کہ یہ رحمت نہیں کہ اجتہاد میں مصیب ہو تو دو اجر اور مخطی کو بھی ایک اجر۔

حقیقت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ واللہ اعلم کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دور فتن اور اعجاب کل ذی رای برائیہ کے زمانہ میں نجات کا راستہ وہی ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہوں تو کسی کے دل میں خلجان ہو سکتا تھا کہ اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو کیا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میرے اصحاب کا اختلاف اتباع ہوئی میں نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ اختلاف رحمت ہے۔ اختلاف اقتدار و نفس پروری نہیں جو جہنمی بنائے۔ اسلئے جس صحابی کی بھی اقتدا کرلو گے نجات پا جاؤ گے۔

اختلاف امتی رحمة کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر کے مباحث قیاس میں "اختلاف امتی رحمة للناس" کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں لوگ بکثرت سوال کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے ائمہ کا خیال یہ ہے کہ یہ بے اصل ہے لیکن خطابی نے غریب الحدیث میں اسے استطراداً ذکر کیا ہے اور خطابی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث بے اصل نہیں بلکہ اسکی اصل ہے اور بیضاوی کے حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث کو علامہ سبکی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن محدثین کے طبقہ میں یہ حدیث معروف نہیں۔ الموضوعات، ص:۹۱ حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اسنادی حیثیت سے ضعیف ہے تاہم بے اصل بھی نہیں البتہ اس کی تشریح وہی ہوگی جو گزر چکی اور امت سے مراد امت کے مجتہدین ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جس کا تعلق رویت ہلال وغیرہ سے ہے، اس میں وقوع اختلاف مشاہد ہے کہیں چاند کا ثبوت ہو جاتا ہے وہ عید مناتے ہیں اور کہیں ثبوت نہیں ہوتا اس لئے کہ مطلع صاف نہیں تھا تو وہ اس دن روزہ رکھتے ہیں جس دن دوسری جگہ عید ہے حالانکہ عید کے دن روزہ جائز نہیں۔ اسی طرح عید الاضحیٰ میں کہیں انتیس کو رویت ہو گئی تو وہاں کے لوگ اسی حساب سے عید اور قربانی کرتے ہیں کہیں رویت نہ ہوئی تو وہ اسی دن یوم عرفہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ حالاں کہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ ممنوع ہے۔ اسی لحاظ سے قربانی میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف مذموم نہیں بلکہ یہ اختلاف رحمت ہے کیونکہ اسلامی تہواروں کا مدار رویت ہلال پر ہے اور یہ تجربہ ہے کہ رویت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر حکم شرعی یہ ہوتا کہ سب کا ایک ساتھ عید اور قربانی کرنا ضروری ہے تو عید وقربانی مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتی۔ اسلئے شریعت مطہرہ نے حکم دیا کہ مکمل شرعی تحقیقات کے بعد تم جس دن عید کرو اسی دن عنداللہ بھی تمہاری عید شمار ہوگی۔ یہی حال قربانی کا بھی ہے پس اختلاف عید وقربانی میں اختلاف رحمت ہے۔ اس صورت میں اختلاف امتی رحمة کا تعلق صرف ائمہ مجتہدین سے نہیں بلکہ پوری امت سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو اختلاف شرعی حدود کے اندر نیک نیتی سے ہوگا وہ اختلاف رحمت ہے وہ اختلاف مذموم میں شامل نہیں۔

## ائمہ مجتہدین کا اختلاف :

سابقہ تقریر سے ثابت ہو گیا کہ صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کا باہمی اختلاف، اختلافِ مذموم نہیں، لیکن یہاں بھی ہم کسی قدر تفصیل کرنا چاہتے ہیں۔ مکمل تفصیل تو

حضرت شیخ قطب الاقطاب نور اللہ مرقدہ کے رسالہ ''اختلافِ ائمہ'' میں مطالعہ فرمائیں۔ نہایت مفید رسالہ ہے۔ اگر چہ وہ رسالہ ناتمام ہے ہم تو یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف مذموم اختلاف کیوں نہیں۔ سو ذہن نشین رہنا چاہئے کہ حقیقی اختلاف یہ ہے کہ شریعت کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تصریح کردہ جزئی سے اختلاف کیا جائے۔ لیکن جہاں شارع کی جانب سے سکوت ہے وہاں کسی مجتہد کا پوری جدوجہد اور ملکہ استنباط واجتہاد کی صلاحیتوں کے ساتھ مآخذ دین سے کسی حکم کا حاصل کرنا اختلاف نہیں بلکہ مزاج شریعت کے عین موافق ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے ثابت ہے اسی طرح کسی نص میں کئی احتمال ہوں تو حدود شریعت میں رہتے ہوئے کسی احتمال کے متعین کرنے میں اختلاف ہو جانا بھی حقیقی اختلاف نہیں جیسا کہ لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظہ سے ثابت حقیقی تعارض تو نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول اللہ میں، لیکن نصوص و روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اب ان میں تطبیق یا ترجیح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ یہ اختلاف بھی معیوب نہیں، اسلئے کہ سب کا مرکز ومحور ایک ہی ہے۔ البتہ کوئی اسٹیشن پر کار سے جانا چاہتا ہے اور کوئی بس سے کوئی موٹر سائیکل سے کوئی کسی اور سواری سے۔

عبارتنا شتیٰ و حسنك واحد
وكل الیٰ ذاك الجمال یشیر

الغرض ائمہ کا اختلاف کوئی اصولی اختلاف نہیں نہ اس اختلاف کی بنیاد اتباع ہویٰ پر ہے نہ اتباع متشابہات پر نہ جہالت وناواقفیت کا یہ ثمرہ ونتیجہ ہے نہ اس میں تعصب وعناد ضد وہٹ دھرمی کو کوئی دخل ہے بلکہ اس کی بنیاد کتاب وسنت سے استنباط واجتہاد پر ہے جس کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی کما فی حدیث معاذ الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله (صلی الله علیه وسلم)

## ائمہ مجتہدین کا باہمی تعلق:

ائمہ مجتہدین میں فروعی اختلافات کے باوجود محبت واخوت کا رشتہ بہت مضبوط تھا ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے ائمہ اربعہ کے حالات کسی قدر تفصیل سے ہم امداد الباری جلد اول میں بیان کر چکے ہیں اس کو مطالعہ فرمائیں تو اس اتحاد و یگانگت کا اندازہ ہو سکے گا۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امام مالک کے پاس پہونچے تو امام مالک نے ان کو اونچی جگہ بٹھایا انکا اعزاز کیا ان کے جانے کے بعد فرمایا ان کو جانتے بھی ہو لوگوں نے کہا نہیں امام مالک نے فرمایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں اگر کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ان کے کہنے کے مطابق یہی ظاہر ہو جائے اور بعض کتابوں میں ہے کہ پھر دلیل و حجت سے ثابت کر دیں۔ کردری خیرات تبییض مناقب ذہبی ص ۱۹، اللہ نے انہیں فقہ کی ایسی توفیق عنایت فرمائی ہے کہ اس میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ پھر سفیان ثوری داخل ہوئے تو ان کو امام مالک نے امام ابو حنیفہ سے نیچے بٹھایا (یعنی امام ابو حنیفہ سے کم اعزاز کیا) پھر سفیان ثوری کے جانے کے بعد انکے فقہ اور پرہیز گاری کا تذکرہ کیا۔ مقدمہ او جز ۵۵، محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو دیکھا امام ابو حنیفہ کا ہاتھ پکڑے جا رہے تھے جب مسجد نبوی پہونچے تو امام صاحب کو آگے بڑھایا۔ موفق ج ۲، ۲۴۔ امام صیمری نے کتاب المناقب میں ابن دراوری سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کو مسجد رسول اللہ میں دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد سے مذاکرہ شروع کیا تو صبح کی نماز تک اسی میں مشغول رہے جب کسی مسئلہ میں کوئی ایک دوسرے سے مطمئن ہو جاتا تو بلا تامل اسے اختیار کر لیتا تھا کسی کو اپنی بات پر بلا وجہ جمود نہ ہوتا تھا۔ مناقب موفق ج ۲، ۲۳۔ میں بسند صحیح اسماعیل بن اسحٰق بن محمد سے منقول ہے کہ امام مالک بسا اوقات مسائل میں امام ابو حنیفہ کا قول معتبر سمجھتے تھے۔ علامہ مسعود بن شیبہ نے امام طحاوی کی کتاب اصحاب اخبار الامام سے نقل کیا ہے کہ داروری نے امام مالک سے سنا فرمایا کہ میرے پاس ابو حنیفہ کی فقہ سے ستر ہزار مسائل ہیں۔ یہی مضمون موفق میں ہے۔ الخیرات الحسان میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ سبحان اللہ امام ابو حنیفہ عجیب شخص ہیں میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ اقوام المسالک للکوثری میں ہے کہ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے اور استفادہ کرتے رہتے تھے بہر کیف ان دونوں اماموں میں خصوصی تعلق تھا اور حج کے موسم میں تو امام مالکؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

## امام شافعی کے اقوال:

ابو عبید امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو فقہ سیکھنا چاہے وہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی صحبت اختیار کرے وقال الربیع وحرملة سمعنا الشافعی یقول الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفه۔ تهذیب التهذیب ج ۱۰، ۴۵۰ امام شافعی کا یہ مقولہ تو بہت مشہور ہے لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو فقیہ بننا چاہے وہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی صحبت کو لازم پکڑے اس لئے کہ قرآن وحدیث کے معانی و دین کے مقاصد ان کیلئے اللہ نے آسان کر دیئے ہیں خدا کی قسم میں تو امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن کی کتابوں سے فقیہ ہوا۔ ابن حجر مکی غرائب البیان صاحب بحر الرائق نے الاشباہ والنظائر میں فرمایا قال الامام الشافعی من اراد ان یبتحر فی الفقه فلینظر الیٰ کتب ابی حنیفة کما نقله ابن وهبان عن حرملہ۔ امام شافعی کے شاگرد علی بن میمون نے روایت کی کہ مجھ سے امام شافعی نے کہا کہ میں ابو حنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آجاتی ہے دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ سے دعا کرتا ہوں دعا کے بعد حاجت براری میں تاخیر نہیں ہوتی۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام

ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کرتے اور امام ابوحنیفہ کو قضائے حاجات کا وسیلہ بناتے جن میں امام شافعی بھی تھے۔الخیرات الحسان وقال ابن حجر المکی ، ان الشافعی صلی الصبح عند قبره فلم يقنت فقيل له قال تأدّ بامع صاحب هذا القبرو زاد بعضهم انه لم يجهر بالبسملة ، مقدمۂ اوجز ٦٤ حاصل یہ ہے کہ امام شافعی نے امام کی قبر کے قریب صبح کی نماز پڑھی تو قنوت نہیں پڑھی بسم اللہ کو جہر سے نہیں پڑھا اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا صاحب قبر کے ادب کی وجہ سے وہ صبح میں قنوت دائمی اور بسم اللہ کے جہر کے قائل نہ تھے۔

امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے اور اسی ۱۵۰ھ میں امام شافعی کی ولادت ہے لہٰذا ملاقات وتلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ امام شافعی کو امام محمد کی شاگردی کا شرف حاصل ہے اور امام شافعی امام محمد کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔دیکھو امداد الباری ج۱،۲۹۴۔ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ آپ کی شان میں امام شافعی کے کلمات حدتواتر تک پہونچے ہوئے ہیں۔یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام محمد سے زیادہ حلال وحرام علل حدیث ناسخ ومنسوخ کا جاننے والا میرے علم میں کوئی دوسرا شخص نہیں۔(شذرات الذہب (ترجمان السنۃ ج۱،۲۵۱)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ابوحنیفہ علم وتقویٰ، زہد واختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی وہاں تک نہ پہونچ سکا۔شامی ج۱، الخیرات الحسان۔سمعانی نے انساب میں لکھا ہے کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائیں جمع ہوجائیں تو پھر کسی کی مخالفت قابل التفات وسماع نہیں دریافت کیا گیا وہ کون لوگ ہیں تو فرمایا ابوحنیفہ ابویوسف محمد بن الحسن مقدمۂ التعلیق المجد ۲۹، امام احمد بن حنبل جب کبھی امام ابوحنیفہ کے کوڑے کھانے اور قضاء نہ قبول کرنے کا واقعہ یاد کرتے تو رو پڑتے اور امام صاحب کیلئے دعائے رحمت فرماتے تھے۔تاریخ ابن خلکان ج۱،نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلدین کے مقتدا تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل چوں ایں قصہ را یادمی کردمی گریست وبرابوحنیفہ ترحم می کرد وایں بعد مضروب شدن او بود برنہ گفتن قرآن را مخلوق۔اتحاف النبلاء ۲۲۲، سچ ہے ولی را ولی می شناسد۔امام احمد مسئلہ خلق قرآن میں حکومت کی جانب سے بہت تکالیف اٹھا چکے تھے پھر بھی امام الائمہ کے مصائب اور صعوبتوں کو یاد کرتے تو روتے اور امام پر ترس کھاتے دعائے رحمت کرتے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم کا ابتلاء کتنا شدید تھا اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت الفردوس عطا فرمائیں اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائیں بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم

ہمارا مقصد اس وقت ان ائمہ کے مناقب کی تفصیل نہیں بلکہ ان ائمہ کے باہمی تعلقات محبت واخوت کی جانب چند اشارات ہیں کہ فروعی مسائل واحکام میں اختلافات کے باوجود کتنا قلبی تعلق اور ایک دوسرے کا وقار دل میں تھا۔

## امام مالکؒ کے متعلق بقیہ ائمہ کے اقوال:

قاضی عیاض نے اوائل مدارک میں نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا کہ امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور پوری پرکھ والا نہیں دیکھا۔دیکھئے امام صاحب نے امام مالک کی ذہانت وذکاوت سمجھ بوجھ تفقہ مردم شناسی اور احادیث میں کامل نقد ومہارت کی کتنی بہترین داددی سابقہ بیان سے ان کے باہمی تعلقات پر کافی روشنی پڑچکی ہے مزید ضرورت نہیں۔امام محمدؒ ابوحنیفہ کی وفات کے بعد تین برس سے زیادہ امام مالک کی خدمت میں رہے اور امام مالک سے سات سو سے زیادہ حدیثیں سنیں۔مقدمہ تعلیق المجد۔امام شافعی سے منقول ہے کہ امام محمد جب مؤطا کا درس دیتے تھے تو ان کا مکان بھر جاتا تھا لوگ اس کثرت سے آتے کہ راستہ بند ہوجاتا۔(تہذیب الاسماء واللغات للنووی)

امام شافعی فرماتے ہیں لولا هما لذهب العلم من الحجاز مالك وابن عيينة قرينان فى العلم. فتح البارى وقال يونس بن عبدالاعلىٰ عن الشافعى اذا جاء الاثر فمالك النجم و مالك و ابن عيينة قرينان فى العلم وقال حر ملة عن الشافعى و مالك حجة الله علىٰ خلقه بعد التابعين. تهذيب التهذيب، وقال الشافعى اذا جاء الاثر فمالك النجم و اذا ذكر العلماء فمالك النجم الثاقب. مقدمۂ اوجز ١٤ ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ اور امام مالک ہم پلہ ہیں اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوچکا ہوتا۔حرملہ روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا کہ تابعین کے بعد امام مالک مخلوق پر خدا کی حجت ہیں۔امام شافعی سے بھی منقول ہے کہ حدیث واثر کے معاملہ میں تو امام مالک ستارہ ہیں اور علماء کے درمیان خوب چمکتے ہوئے تارہ ہیں۔

## امام شافعیؒ کے متعلق اقوال ائمہ:

یہ تو معلوم ہو چکا کہ امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور اسی سال امام شافعی پیدا ہوئے لہٰذا امام شافعی کے متعلق امام ابوحنیفہ کا قول تلاش کرنا عبث ہے اسی طرح تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی امام مالک کی خدمت سے رخصت ہوکر مکہ معظمہ پہونچے اور وہاں امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ سے حدیث حاصل کی وہاں سے یمن چلے گئے اور بعض ولاۃ وحکام کے یہاں اپنے معاشی انتظام میں رہے علامہ ابن عماد حنبلی ابن عبدالبر سے امام شافعی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ وہاں سے علوی خاندان کے نو اشخاص کے ساتھ گرفتار ہوکر آئے اور حافظ ابن حجرؒ نے توالی التاسیس بمعانی ابن ادریس میں لکھا ہے کہ جب امام شافعیؒ بغداد میں آئے تو اس وقت امام ابویوسفؒ اس عالم آب وگل میں موجود ہی نہ تھے کیوں کہ ان کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوچکا تھا اور امام شافعی پہلی بار ۱۸۴ھ میں ان کے انتقال کے دو سال بعد وہاں پہونچے اس لئے امام یوسفؒ سے بھی امام شافعیؒ کے متعلق کوئی تعریفی کلمات نہ ملیں تو تعجب نہیں کیوں کہ امام ابویوسفؒ امام شافعیؒ کا اجتماع ایک جگہ نہیں ہوا

جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ حافظ ابن حجرؒ اور حافظ سخاویؒ نے تصریح کی ہے۔البتہ امام مالکؒ امام احمدؒ بن حنبلؒ سے جو اقوال منقول ہیں وہ نقل کیئے جاتے ہیں۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ کی خدمت میں تیرہ برس کی عمر میں پہونچے اس وقت آپ موَطا حفظ کر چکے تھے شریک درس ہوگئے جب قراءت کا وقت آیا تو امام شافعی نے موَطا کو حفظ برزبان پڑھنا شروع کیا امام مالکؒ کو اس پر اتنا تعجب ہوا اور آپ کی قراءت کو بہت پسند فرمایا جب یہ ختم کرنے لگے تو فرمایا اور پڑھو اور پڑھو امام مالکؒ نے ان کے حق میں فرمایا تھا تم تقویٰ کو اپنا شعار بنالینا ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہوگے۔ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں نور ودیعت فرما رکھا ہے معصیت کرکے اسے ضائع نہ کرنا۔امام شافعیؒ صرف آٹھ ماہ امام مالکؒ کی خدمت میں رہے۔(تانیب الخطیب ۱۸۲)

امام محمد کو جب معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہارون رشید کی حکومت پر طعن کے الزام میں علوی خاندان کے نو افراد کی جماعت میں گرفتار ہوکر ہارون رشید کے سامنے لائے جا رہے ہیں ہارون رشید اس وقت رقہ میں تھا اور امام محمدؒ وہاں کے قاضی تھے انہیں امام شافعیؒ سے محبت تھی بہت بے چین ہوئے کیا کریں برابر اس کے منتظر رہے کہ ان کی پیشی کب ہوتی ہے پیشی کے بعد سب قتل کردیئے گئے۔کسی کی کوئی معذرت نہیں سنی گئی آخر میں امام شافعیؒ کی باری آئی امام شافعیؒ کا خود بیان ہے کہ میں نے کہا امیر المومنین میں تو علوی ہی نہیں ہوں زبردستی ان کے ساتھ گرفتار کرکے لایا گیا ہوں میں بنی عبدالمطلب میں سے ہوں اور اس کے ساتھ کچھ علم رکھتا ہوں آپ کے یہ قاضی صاحب بھی ان سب باتوں سے واقف ہیں اس کے بعد امام محمدؒ کی طرف مخاطب ہوکر ہارون رشید نے کہا یہ کیا کہتے ہیں کیا یہ واقعہ یوں ہی ہے امام محمدؒ نے کہا بے شک ایسا ہی ہے اور یہ بھی ہے کہ علم کے باب میں ان کا پایہ بہت بلند ہے جو شکایت کی گئی ان کی شان سے بہت مستبعد ہے۔ہارون رشید نے کہا اچھا تو اب آپ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں ان کے معاملہ میں ذرا غور کرلوں۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور اس طرح وہی میری رہائی کا باعث ہوئے۔یہ خلاصہ ہے اس چیز کا جسے ابن عماد حنبلی نے حافظ ابن عبدالبر سے امام شافعیؒ کے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔پھر امام محمدؒ نے امام شافعی کے ساتھ ہمیشہ لطف ومحبت ومؤدت ومساعدت کا معاملہ کیا اور امام شافعی سے بھی ائمہ میں سے کسی امام کے حق میں اتنی تعریف ومناقب منقول نہیں جتنی امام محمدؒ کے بارے میں ہے۔حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر میں ابوعبید سے نقل کیا ہے میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمدؒ نے ان کو پچاس اشرفیاں عنایت فرمائیں اور اس سے پہلے بھی کچھ اور دے چکے تھے اور کہا کہ اگر آپ علم حاصل کرنا چاہیں تو میرے ساتھ رہیں رقم لینے میں کوئی تکلف وتامل نہ کریں امام شافعی نے عرض کیا اگر آپ میرے نزدیک ان لوگوں میں ہوتے جن سے مجھے تکلف کرنا چاہئے تو یقیناً میں آپ کا یہ عطیہ قبول نہ کرتا۔اسی سے ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات میں خصوصی تعلق تھا۔امام شافعیؒ امام محمدؒ کی کتابیں نقل کرتے رہے ایک مرتبہ کتابوں کے ملنے میں دیر ہوئی تو امام شافعی نے عجیب انداز سے درخواست پیش کی چار اشعار میں جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔قل لمن لم تر عیناً من راٰہ مثلہ یعنی اس شخص کو جس کو دیکھنے والوں نے اس کا مثل نہیں دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا گویا اس سے پہلے کے استاذ و امام کو بھی دیکھا میری درخواست پہونچاؤ کہ علم اہل علم کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ علم کے قدر دانوں سے روکا جائے کیوں کہ امید یہی ہے کہ وہ بھی استعداد والوں کو پہونچائے گا توالی التاسیس ۵۵،ان اشعار سے امام محمد اتنا مسرور ہوئے کہ وہ کتابیں بجائے عاریت ہدیۃً عنایت فرمادی ان اشعار کو بار بار پڑھئے اور فیصلہ فرمائیے کہ امام شافعی اور امام محمد میں کتنے بہترین تعلقات تھے اور امام شافعی امام محمد کے کتنے قدردان تھے اور کیا سمجھتے تھے۔پورے اشعار امدادالباری جلد اول میں منقول ہیں اور حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں نقل فرمایا ہے۔

عرض کرنیکا مقصد یہ ہے کہ یہ اکابر ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے آپس میں بہترین تعلقات تھے بڑے نے ہمیشہ شفقت کا معاملہ کیا چھوٹے نے توقیر و احترام میں کمی نہ کی۔یہاں تک کہ تاریخ میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ امام محمدؒ ہارون رشید کے پاس جانے کیلئے گھر سے نکلے دروازے پر امام شافعی کو دیکھا تو کہا کہ آج بادشاہ کے یہاں نہ جائیں گے امام شافعی نے کہا میں پھر کبھی آجاؤں گا امام محمد سواری سے اترے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے گئے اور امام شافعی نے بھی ادب واحترام کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا راحۃ القلوب میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے حضرت زبدۃ العارفین خواجہ فرید شکر گنج کا قول نقل کیا ہے کہ جب امام محمد سوار ہوکر کہیں جاتے تھے تو امام شافعی ان کی رکاب کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔حدائق الحنفیہ ۱۰۴، امام شافعی کے اقوال امام ابوحنیفہ کے متعلق گزر چکے ہیں۔

سوال: اس سے پہلے ابن حجر مکی شافعی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کی قبر کے پاس فجر کی نماز پڑھی تو قنوت نہیں پڑھی بعضوں نے کہا بسم اللہ بھی جہر سے نہ پڑھی امام شافعی سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا تادباً لصاحب ھذا القبر یعنی امام ابوحنیفہ کے ادب واحترام میں ایسا کیا بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ واقعہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ امام شافعی کسی رعایت میں ایک سنت کو چھوڑ دیں۔

جواب: اصل مقصد کی بحث تو اپنے مقام پر گزر چکی یا پھر آئیگی لیکن بہت سے علماء نے تصریح کیا ہے کہ بسم اللہ کے جہر واخفاء میں اختلاف افضلیت و استحباب یا راجح مرجوح کا ہے علامہ ابن تیمیہ نے بھی مجموعہ رسائل کے ج ۲،ص ۱۷۳، ۱۷۴، میں اسکو اختیار کیا ہے۔اسی طرح قنوت فی الفجر کا مسئلہ ہے پھر جو لوگ اس کو مستحب مانتے ہیں ان کو بھی اقرار ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہیں فرمائی آپؐ سے بھی اس کے خلاف ثابت ہے لہٰذا کبھی اتفاقی ترک

خلاف سنت نہیں۔ نیز جب استحباب وغیر استحباب کا اختلاف ہے تو کسی مصلحت سے بلکہ بلا مصلحت بیان جواز کیلئے ترک کر دینا بھی قابل اشکال نہیں مزید برآں امام صاحب کے حسادان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی طرح طرح سے امام صاحب کو مطعون کرتے تھے اس لئے لوگوں کے مطاعن کو دفع کرنے کیلئے ایک مستحب کو ترک کر دینا عین حکمت ہے فعل مستحب ایک شخصی فائدہ ہے اور علماء کا احترام اور ان سے بدعقیدگی کو دفع کرنا اجتماعی منفعت ہے۔ واللہ اعلم

## امام احمد اور بقیہ ائمہ:

یہ تو ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام احمدؒ کو نہیں دیکھا کیوں کہ امام الائمہ سراج الامہ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا اور امام احمد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے لیکن امام احمد نے امام ابو یوسف اور امام محمد سے استفادہ کیا امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ سب سے پہلے مجھے حدیث کا علم ابو یوسف کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا۔ موفق ج ۲، ۱۶۰، کذافی تاریخ الخطیب۔ شیخ تاج الدین سبکی نے بھی امام احمد کو ابتداء میں امام ابو یوسف سے شرف تلمذ حاصل ہوا تین سال تک ان کی خدمت میں رہ کر حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا اور ان سے بقدر تین الماریاں یا تین بکس کتابیں لکھیں۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سوال کیا کہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے حاصل کئے تو فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے۔ موفق ج ۲، ص ۱۶۰، سمعانی نے انساب میں لکھا ہے کہ امام احمد سے منقول ہے کہ

اذا كان فی المسئلة قول ثلثه لم یسمع مخالفتهم فقیل له من هم قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد بن الحسن فابو حنیفة ابصرهم بالقیاس و ابو یوسف ابصر الناس بالآثار و محمد ابصر الناس بالعربیة۔ (مقدمة تعلیق الممجد ۲۹)

کہ جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائیں جمع ہو جائیں تو پھر کسی کی مخالفت قابل سماع والتفات نہیں کیوں کہ امام ابوحنیفہ قیاس واجتہاد کی بصیرت میں سب پر لائق وفائق ہیں امام ابو یوسف حدیث وآثار میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور امام محمد عربیت کے امام ہیں۔

**فائدہ:** اس میں امام احمد نے اپنا عندیہ ظاہر کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ سے انکی کیسی عقیدت ہے لیکن خود امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ مجھ سے زیادہ حدیث میں بصیرت رکھتے تھے تفصیل کیلئے امداد الباری جلد اول ملاحظہ فرمائیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ آپ امام شافعی کے مخصوص تلامذہ میں تھے ۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی اور جب تک امام شافعی بغداد میں رہے یہ ان سے جدا نہ ہوئے امام شافعی جب ۱۹۹ھ میں بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو چلتے وقت فرمایا

خرجت من بغداد وما خلفت بها افقه ولا ازهد ولا اورع ولا اعلم من احمد بن حنبل۔ کہ میں بغداد سے نکلا تو اس وقت وہاں امام احمد سے زیادہ نہ کوئی فقیہہ تھا نہ عالم نہ متقی نہ زاہد نہ محتاط۔ یہ بھی امام شافعی کے بہت معتقد تھے کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں نے امام شافعی جیسا نہیں دیکھا۔ امام احمد فرماتے ہیں کوئی ایسا محدث نہیں جس نے قلم دوات کو ہاتھ لگایا ہو مگر امام شافعی کا اس پر احسان نہ ہو ہمیں مجمل ومفسر ناسخ ومنسوخ حدیث کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ امام شافعی کی مجلس میں ہم بیٹھے۔ ابن خلکان ج ۳، ص ۳۵، یحیٰ بن معین نے امام شافعی پر کلام کیا تو امام احمد نے فرمایا این یعرف یحییٰ الشافعی ومن جهل شیئاً عاداه بھلا یحیٰ بن معین امام شافعی کو کیا جانیں جو شخص کسی کو نہیں جانتا اس سے ناراض ہی رہتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ یحیٰ بن معین سے متعدد طرق ثابت ہے کہ وہ امام شافعی پر تنقید کرتے تھے یہاں تک کہ امام احمد نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہاری ان دو آنکھوں نے بھی اس جیسا شخص نہ دیکھا ہوگا۔ (جامع بیان العلم)

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی مصر تشریف لے گئے تو ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میرا ایک خط امام احمد کو پہنچا دو اور اس کا جواب مجھے لا دو۔ ربیع کہتے ہیں میں خط لے کر بغداد پہونچا صبح کی نماز میں امام احمد سے ملاقات ہوئی جب محراب سے اٹھے تو میں نے خط پیش کیا اور عرض کیا یہ امام شافعی کا خط ہے امام احمد نے دریافت کیا تم نے اس کو دیکھا تو نہیں میں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد آپ نے مہر توڑ دی اور پڑھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں میں نے دریافت کیا اے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) خیر تو ہے فرمائیے کیا لکھا ہے فرمایا کہ انہوں نے لکھا ہے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا فرماتے تھے کہ ابوعبداللہ کو میرا سلام پہونچا دو اور کہہ دو کہ ان کا امتحان ہوگا اور قرآن کو مخلوق کہنے پر ان کو مجبور کیا جائیگا وہ اس کو منظور نہ کریں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تا قیامت ان کا نام روشن رکھیں گے۔ ربیع کہتے ہیں میں نے کہا اے ابوعبداللہ بشارت مبارک ہو اپنی دو قمیصوں میں نیچے والا کرتا جو جسم سے متصل تھا اتار کر مجھے انعام میں دے دیا میں اس کا جواب لے کر مصر آیا اور امام شافعی کی خدمت میں پیش کر دیا امام شافعی نے دریافت فرمایا بتاؤ بشارت کے صلہ میں کیا انعام ملا میں نے کہا امام کا اتارا ہوا کرتا ہے فرمایا یہ تکلیف میں تمہیں نہیں دے سکتا کہ وہ قمیص ہی مجھے دے دو البتہ یہ ضرور کہوں گا اس کرتے کو پانی میں بھگو کر نچوڑ دو اور وہ پانی مجھے دے دو تا کہ میں اسے تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھوں۔ (طبقات)

اس واقعہ سے امام احمد کی منقبت کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سابقہ محدثین کرام مجتہدین عظام فروعی مسائل میں اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کس طرح کرتے تھے اور ان کے تعلقات باہمی کس قدر بہترین واستوار تھے۔ حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام اور مجتہدین عظام کا افتراق مذموم نہیں بلکہ اختلاف رحمت ہے کیونکہ اگر کسی مسئلہ میں صرف ایک ہی قول ہو تو اس میں شدت ہو جاتی ہے اور

اختلاف ہوجاتا ہے تو اس میں شدت نہیں رہتی مجبوری اور ضرورت کے وقت دوسرے قول پر بھی بشرائط عمل کی گنجائش ہوتی ہے مثلاً جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو تو وہ کیا کرے اس میں صحابہ کا بھی اختلاف ہے اور ائمہ کا بھی۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جب اس کے ہم عمر انتقال کرجائیں تو سمجھا جائیگا کہ اس کی موت واقع ہوگئی بعضوں نے نوے برس تک انتظار کا حکم دیا وغیرہ وغیرہ لیکن امام مالک کا قول ہے کہ چار برس تک انتظار کے بعد اس کی موت کا حکم دے دیا جائیگا۔ وبه يفتى علماء زماننا. فيض البارى ج ٤، ٣٢٢ دیکھئے اگر یہاں ایک ہی قول ہوتا کہ جب تک وفات کا علم نہ ہو تو اس کی بیوی نکاح نہیں کرسکتی یا جب تک اس کے ہم عمر نہ انتقال کرجائیں یا نوے برس کی پابندی ہوتی تو کتنا حرج لازم آتا جوان عورت کے نان ونفقہ عزت وآبرو کی ساری مشکلات درپیش تھیں پھر بڑھیا ہونے کے بعد اس کو نکاح کی ضرورت ہی کیا الغرض اتنی مشکلات ہیں کہ ان کے تصور سے دل مضطرب ہوجاتا ہے لیکن امام مالک کا قول چار برس کا مل گیا تو رحمت بن گیا لیکن امام مالک کے قول پر فتویٰ کیلئے شرائط ہیں جس کو حضرت تھانویؒ نے اپنے رسالہ الحيلة الناجزه للحليلة العاجزه کے اندر صاف کردیا ہے ضرورت کے وقت کسی معتبر عالم ومفتی سے فتویٰ حاصل کر کے اس پر عمل کرلیا جائے۔

اسی طرح عورت کا جماعت کی نماز میں مرد کی صف میں کھڑا ہونا اپنی شرائط کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہے مرد کی نماز فاسد ہوجاتی ہے پھر اسی کی نہیں بلکہ پوری صف کی پھر پیچھے والوں کی۔ اگر اس مسئلہ میں صرف ایک ہی قول ہوتا تو حرم مکہ میں مردوں کیلئے نماز پڑھنا ہی دشوار ہوجاتا مگر امام شافعی وغیرہ کے نزدیک محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو گنجائش نکل آئی۔ ایک زبردست عالم سے جواب مرحوم ہوچکے مکہ معظمہ میں کسی نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس پر حکومت بھی کنٹرول نہیں کرسکتی اور ضرورت کے وقت دوسرے امام کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مس مرأۃ یعنی بغیر حائل عورت کے چھونے سے شوافع کے یہاں وضوٹوٹ جاتا ہے مگر اس مسئلہ میں بھی صحابہ میں اختلاف ہے ائمہ میں بھی۔ حنفیہ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو نہیں اگر صرف ایک قول شوافع کا ہوتا تو مسجد حرام میں نماز ہی دشوار ہوجاتی کیوں کہ اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ بے اختیار مس مرأۃ ہوجاتا ہے تو شوافع نے ضرورت کی بناء پر حنفیہ کے قول پر فتویٰ دیا یہ چند مسائل ہیں دوسری مثالیں بھی ہیں۔ اس وقت ہمیں مسائل بیان کرنا نہیں مسائل تو اپنے مقام پر آئیں گے یہاں تو اختلاف صحابی یا اختلاف امتی رحمۃ کو سمجھانا مقصود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس روایت کی اسنادی حیثیت اگرچہ کمزور ہے لیکن معنوی حیثیت سے بالکل صحیح ہے۔

لیکن ہر شخص کو اختیار نہیں کہ صحابہ کے مختلف اقوال یا ائمہ مجتہدین کے اقوال میں جس کو چاہے بے دلیل اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اختیار کرے کیونکہ یہ تو اتباع ہویٰ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”لا يومن احدكم حتىٰ يكون هواه تبعاً لما جئت“ یعنی کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میرے دین کے تابع نہ ہوجائے یہی وجہ ہے کہ امام شاطبی فرماتے ہیں کہ شریعت کا ایک کلی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقادی قول وفعل ہر پہلو میں آئینِ شریعت کا پابند رہے۔ موافقات ج ۴، ص ۱۳۱، اگر ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے تو یہ نفس ہویٰ کی پابندی ہوگی نہ کہ قانون شریعت کی بلکہ ایک من مانی کارروائی ہوگی جس کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اس بات کی بھی اجازت نہیں ہوسکتی کہ ہر جاہل کسی عالم سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کرلیا کرے کیوں کہ اولاً تو وہ جاہل ہے اسے عالم کی شناخت نہیں وہ عالم نما جاہل کو بھی عالم سمجھ کر قعر ضلالت میں گر جائے گا جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے پھر اس دور جہالت میں ہر شخص نفس پرست ہوگیا ہے جس کا قول آسان دیکھے گا اس پر عمل کر بیٹھے گا۔ آج کل اس کا بہت تجربہ ہورہا ہے۔

یاد رہے تلاش کر کر کے شرعی رخصتوں پر عمل کرنا اجماعاً ناجائز ہے چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ شرعی حجت کے بغیر صرف مذاہب کی رخصتوں پر عمل کرنا ناجائز بلکہ فسق ہے۔ (الموافقات ج ۴، ۱۳۴)

## فرق اسلامیہ کا مختصر تعارف:

لیکن پہلے حدیث افتراق امت کے مضمون کو مستحضر فرمالیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود اکہتر فرقوں میں منقسم ہوگئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی۔ سب کی سب جہنم میں جائیں گی مگر ایک اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ صرف ایک فرقہ جنت میں ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ناجی فرقہ کون ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا عليه واصحابى علامہ مقبلی اپنی کتاب ”العلم الشامخ“ میں میں لکھتے ہیں کہ افتراق امت والی روایت متعدد طرق سے منقول ہے ایک روایت سے دوسری روایت کی تائید ہوتی ہے اس لئے اس کے معنی ومفہوم میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دور فتن کیلئے ایک معیار متعین فرمادیا، کسوٹی عنایت فرمادی یا یوں کہئے کہ ایک مسطر تیار فرمادیا کہ جب بھی صفحات عالم پر عقائد واعمال کی کوئی سطر کھینچی جائے تو وہ اس مسطر سے برابر کرلی جائے اس کسوٹی پر رکھ کر اس کے کھوٹے کھرے ہونے کا فیصلہ کرلیا جائے اور اسی معیار پر جانچا جائے۔ لیکن افسوس کہ آج کے مودودی لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کردہ مسطروں پر تنقید اور چودہ سو برس بعد جو فرضی مسطر تیار ہوا اسی پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں۔ فیاللعجب تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب تحفۂ مودودیہ کا مطالعہ فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر مسطر، اس سے بہتر معیار، اس سے بہتر کسوٹی ہو ہی نہیں سکتی۔ صحابہ کرام کی جماعت وہ جماعت ہے جس کے سامنے قرآن عزیز کی ایک ایک آیت اترتی رہی اور وہ اس کی صحیح سے صحیح تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ پورا کا پورا دین انہوں نے نہایت سہولت و

صحت کے ساتھ اس طرح سیکھ لیا جس طرح ایک بچہ بلا کسی تکلف و تکلیف کے والدین کے پورے طرز وطریقہ رہن سہن کو سیکھ لیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کو سننا اور محفوظ کرنا ہی ان کا سبق تھا اور اپنے عمل کو آپ کے عمل کے مطابق بنانے میں مصروف ومنہمک رہنا ہی ان کا عمل تھا وہ آپ کی ہر ادا پر مرمٹنے والے تھے ان کو لطف آتا تھا تو اسی میں، عاشق و دلدادہ تھے تو اسی کے جو لوگ آپ کے لعاب دہن کو غسالۂ وضو کو ضائع نہ ہونے دیں کیا وہ آپ کی کسی ادا کو بھول سکتے تھے ہرگز نہیں انکا حال تو یہ تھا کہ جس ادا میں آپ کو دیکھ لیا زندگی بھر اسے نہ چھوڑا اسی پر عمل پیرا رہے اس لئے ان کی سادہ فطرت اور سادہ دماغ پر جو نقش قائم ہوا وہ حق ہی حق، صواب ہی صواب تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دور فتن کے لئے معیار اور کسوٹی قرار دیا۔ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے ما انا علیہ و اصحابی سے اہلسنت والجماعت مراد ہیں۔

## فرق اسلامیہ کی مراد:

دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے اسلامی فرقہ اس کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے خواہ وہ اسلام کے صحیح راستہ پر ہوں یا گمراہ ہوں مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، مرجئہ، جہمیہ، کرامیہ وغیرہ یہ سب فرقے اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ تمام فرقے ضروریات دین میں متحد ہیں ایسے مسائل میں کبھی اختلاف نہیں ہوا جو ضروریات دین سے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل مسائل میں مسلمان ہمیشہ یک زبان رہے ہیں۔

(۱) اللہ کی وحدانیت (۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اسی وجہ سے قادیانی جو مرزا کو نبی مانتے ہیں وہ اسلامی فرقوں میں سے نہیں خود مرزا بھی مسلمان نہیں (۴) قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا (۵) قرآن عزیز کا عظیم الشان معجزہ ہونا (۶) ارکان و فرائض مثلاً نماز پنجگانہ، زکوٰۃ، روزہ، حج (۷) ایمان بالآخرۃ وغیرہ۔ اسلئے یہ فرقے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کو فرق اسلامیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

## اسلامی فرقوں کی قدرے تفصیل:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں ایک ناجی ہوگا بقیہ فی الجملہ داخلِ جہنم ہوں گے۔ اہل حق کا اتفاق ہے کہ ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے بقیہ فرقوں کی تعیین میں اختلاف ہے ابن حزم نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اہل اسلام کے فرقے اصل میں پانچ ہیں۔ ایک اہل سنت والجماعت، دوسرے معتزلہ اور انہیں میں قدریہ داخل ہیں، تیسرے مرجئہ اور انہیں میں جہمیہ اور کرامیہ کا شمار ہے، چوتھے شیعہ، پانچویں خوارج اور انہیں میں ازارقہ وغیرہ شامل ہیں۔

مکحول نے ان تہتر فرقوں کے اصول چھ فرقے قرار دیئے ہیں جن کے نام یہ ہیں جہمیہ، قدریہ، شیعہ، حروریہ، مرجئہ، جبریہ پھر ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے لکھے ہیں اس حساب سے بہتر فرقے ہوگئے اور ایک فرقہ اہل سنت والجماعت کل تہتر ہوگئے۔ صاحب شرح وقایہ نے بھی کتاب الشہادت میں فرق باطلہ کے اصول چھ ہی قرار دیئے امام فخر الاسلام بزدوی نے بھی کلام میں ان کی چھ قسمیں ہی مقرر کی ہیں۔ محمد الغزالی نے اپنے رسالہ میں اور ابن السراج نے تذکرۃ المذاہب میں اور محمد صالح بن محمد شریف خیر آبادی نے موائد الافاضل میں بہتر فرقوں کے اصول چھ ہی قرار دیئے ہیں اگرچہ ان فرقوں کی تعیین میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن سب نے اصول چھ قرار دیئے اور ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے بیان کئے۔ اس طرح فرق باطلہ بہتر ہو جاتے ہیں کذا فی الفروق والمذاهب فی الاسلام ۱۹ تا ۲۴ ہر فرقہ کی شاخوں کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں واعلم ان اصول البدع کما نقل فی المواقف ثمانیه۔ مرقات ج ۱، ۲۰۴ اور حضرت علامہ نواب قطب الدین دہلوی نے بھی لکھا ہے کہ اہل اسلام کے بڑے گروہ آٹھ ہیں۔ مظاہر حق ج اول قسم ۳، ۱۸۷ اشعة اللمعات باب الاعتصام بالكتاب والسنه کی دوسری فصل میں ہے کہ افتراق اس امت کا تہتر فرقوں پر حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے اس طرح کہ معتزلہ کہ بیس فرقے ہیں اور شیعہ بائیس اور خوارج بیس مرجئہ پانچ نجاریہ تین جبریہ ایک مشبہہ ایک ناجیہ یعنی اہل سنت والجماعت ایک۔ الغرض یہ تفصیل مواقف میں بھی ہے مرقات میں بھی اشعۃ اللمعات میں بھی مظاہر حق میں بھی اس لئے ان فرقوں کا ہم بھی تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

**اشکال:** اگر تہتر فرقوں والی حدیث صحیح ہے تو اس کی تفصیل میں اختلاف کیوں ہے؟

**جواب:** اگر حدیث میں اختلاف ہوتا تو بیشک اشکال کی گنجائش ہوسکتی تھی یہاں حدیث میں اختلاف نہیں سب میں تہتر فرقوں کا بیان ہے البتہ اس کے مصادیق کے متعین کرنے میں علماء کا اختلاف ہے ہر شخص کے ذہن میں فتنوں کی نوعیت کا جو اندازہ ہوا اس کو بیان کیا۔ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ قیامت کے وقت مقررہ کا علم کسی کو نہ دیا جائے اس لئے وقت موعود کی تعیین نہ بتائی گئی اور حکمت ہی کی بناء پر اشراط ساعۃ میں بھی ابہام رکھا گیا حدیث جبرئیل جیسی اہم حدیث میں بھی اشراط ساعۃ میں ابہام ہی ہے کما مر تا کہ انسان جس چیز کو بھی علامات قیامت میں تصور کرے اسی سے اس کے دل پر اس ہولناک دن کی سختی کے تصور سے ایک ہیبت طاری ہو جائے، رونگٹے کھڑے ہو جائیں توبہ وندامت کی توفیق ہو پس حدیث افتراق امت میں ۷۳ کی تعداد تو بتادی گئی لیکن ان فرقوں کی وضاحت علی العموم نہیں کی گئی البتہ اصل مدار ما انا علیہ واصحابی کو واضح کر دیا گیا کہ یہ فرقہ تو ناجی ہے بقیہ غیر ناجی اب اگر اس کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہو تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مثال کے طور پر اصحاب کہف کے واقعہ کو دیکھئے تو اس میں اندازہ کرنے والوں کا اختلاف موجود ہے۔ سیقولون ثلاثة رابعهم كلبهم اب یہی کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا کتا ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجماً بالغيب، کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ وہ

پانچ ہیں ان کا چھٹا کتا اٹکل پچو بلا تحقیق ویقولون سبعة وثامنهم کلبهم اور یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان میں کا کتا قل ربی اعلم بعدتهم ما یعلمهم الا قلیل، کہہ دیجئے میرا رب خوب جانتا ہے ان کی تعداد ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ان قلیل لوگوں میں ہوں اصحاب کہف سات ہی تھے اور قرآن عزیز کے اسلوب بیان سے بھی یہی ظاہر ہے کہ دو کو رجماً بالغیب کہا تیسرے کو نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن عزیز میں اصحاب کہف کی صریح تعداد نہیں بتائی گئی تو لوگوں کو اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس واقعہ کی صحت پر اثر انداز نہیں اور ما یعلمهم الا قلیل بھی ہے اور اسی طرح سے ان تہتر فرقوں میں بجز ''ما انا علیه واصحابی'' کے کسی کی تفصیل نہیں بتائی گئی اب اگر اس کی تفصیل میں اختلاف ہو تو یہ اختلاف حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہاں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ما یعلمهم الا قلیل۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی اور حضرت حذیفہ کی روایت مذکورہ میں ہے کہ قیامت تک آنے والے ان تمام قائدین فتن کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا جن کے متبعین تین سو ہوں گے تو اصل حقیقت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو بتائی اسے معلوم ہے دوسروں میں اختلاف ہو جائے تو تعجب نہیں۔

## اہل سنت والجماعت کا انقسام:

پھر اہل سنت والجماعت میں احکام شرعیہ عملیہ کے لحاظ سے زیادہ اختلاف ہوا اور چار مذاہب پیدا ہو گئے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور ان کے مقتدا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے حالات کسی قدر تفصیل سے امداد الباری جلد اول میں گزر چکے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں اہل سنت صرف انہیں چار میں منحصر نہیں تھے سفیان ثوری وغیرہ کے مذاہب بھی اہلسنت ہی میں داخل ہیں لیکن چار مذہبوں کے علاوہ دوسرے مذاہب تقریباً ختم ہو چکے ہیں اس لئے اب یوں کہا جا سکتا ہے کہ فروعی مسائل میں اہلسنت کے چار مذاہب میں عقائد اور مسائل کلامیہ ہیں اہلسنت والجماعت میں تھوڑا اختلاف ہے اس حیثیت سے یہ تین گروہ میں منقسم ہو گئے محدثین، اشعری، ماتریدی، محدثین امام احمد بن حنبل کے متبع ہیں عقائد میں یعنی امام احمد بن حنبل سے جو اقوال عقائد میں منقول ہیں ان کی تشریح و اشاعت کرتے ہیں محدثین کے مقابلہ میں متکلمین ہیں پھر متکلمین میں دو جماعتیں ہیں اشاعرہ یہ لوگ اکثر و بیشتر امام مالک و امام شافعی سے منقول شدہ عقائد کی ترویج و تشریح میں مصروف رہے۔ ماتریدیہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے منقول شدہ مسائل اعتقادیہ و کلامیہ کی تائید و تفصیل کرتے ہیں۔

اشاعرہ کے مقتداء امام ابوالحسن اشعری ہیں اور ماتریدیہ کے امام و پیشوا امام ابوالمنصو رماتریدی ہیں یہ دونوں امام طحاوی کے معاصر ہیں لیکن ان پر خدمت حدیث کا رنگ غالب تھا۔ اسلئے مسائل کلامیہ میں ان کی شہرت زیادہ نہیں ہوئی۔ محدثین پر نقل و سماع غالب ہے وہ مسائل کو صرف سمعیات وعقلیات دونوں سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے کوئی نئی بات نکال کر اس کو دین کا جزو بنا دیتے ہیں بلکہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ عقیدوں کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنا اور شبہات عقلیہ کا جواب دینا ان کا اہم مقصد ہوتا ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ عقائد شرعیہ عقل کے خلاف ہیں بلکہ عقل ونقل کے توافق سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو اسلامی چیزیں عقل کے خلاف نظر آتی ہیں وہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ یہ فہم نارسا کا قصور ہے کہ خلاف عادت کو خلاف عقل قرار دیتی ہے حالانکہ خلاف عقل تو وہ چیز ہے جس کے تسلیم کرنے میں کوئی استحالہ لازم آئے بہر کیف خلاف عقل اور خلاف عادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس طرح اہلسنت والجماعت کے بظاہر سات فرقے ہوئے لیکن یہ سب ان اختلافات کے باوجود اہلسنت ہی ہیں کیونکہ سب کا اصل مقصد ومدعا ایک ہی ہے صرف طریقہ استدلال میں فرق ہے۔ امام احمد بن حنبل کا تذکرہ امداد الباری جلد اول میں اور اس چوتھی جلد کے اوراق گذشتہ میں بھی آ چکا ہے اس لئے ان کے حالات کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی کے مختصر حالات بطور تعارف بیان کئے جائیں گے اور یہ دونوں بھی اصول و عقائد میں متحد ہیں چند مسائل میں اختلاف ہے لیکن اہلسنت کے مقابلہ میں دونوں ایک جان دو قالب نظر آتے ہیں ہندوستان میں اہلسنت والجماعت کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے اور شام میں اس کا اطلاق عموماً صرف اشاعرہ پر ہوتا ہے لیکن ماوراء النہر ترکستان وغیرہ میں اہلسنت والجماعت سے مراد امام ابومنصور ماتریدی اور ان کے متبعین ہوتے ہیں شیخ ابوالحسن اشعری کے پیروکار زیادہ تر شوافع اور مالکیہ ہیں اور امام ابومنصور ماتریدی امام اعظم کے متبعین کے مقتداء ہیں۔

# اشاعرہ

## امام ابوالحسن اشعری کی جانب منسوب ہیں:

ولادت : ۲۶۰ھ ، وفات : ۳۳۴ھ

ابوالحسن علی نام والد کا نام اسمٰعیل تھا مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں تھے اور اشعر ملک یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ نے انکے والد اسمٰعیل کی وفات کے بعد مذہب اعتزال کے علمبردار اور معتزلہ کے مقتداء ابوعلی جبائی سے نکاح کر لیا تھا اس طرح شیخ ابوالحسن نے ابوعلی جبائی کی آغوش میں تربیت پائی امام اشعری معتزلہ کے ساختہ پرداختہ اور رئیس معتزلہ ابوعلی جبائی کے شاگرد تھے۔ ان کی فصاحت و بلاغت، طلاقت لسانی اور جودت طبع کا یہ عالم تھا کہ شاگردی کے زمانہ میں اپنے استاذ کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور بہت جلد ان کے معتمد اور دست راست بن گئے۔ ابوعلی جبائی اچھے مدرس و مصنف تھے، مگر مباحثہ پر زیادہ قدرت نہ رکھتے تھے۔ ابوالحسن اشعری ابتداء ہی سے فصیح و بلیغ، ذہین و ذکی اور زباں آور اور حاضر جواب تھے۔ مناظرہ کے وقت جبائی انہیں کو آگے کر دیتا تھا، اس لئے امام اشعری بہت جلد اپنی جماعت کے میر کارواں اور صدر نشین بن گئے۔ تبیین کذب المفتری لا بن عساکر الدمشقی ۱۱۷ گویا یہ اہلسنت والجماعت پر معتزلہ کی نظر میں ایک سیف قاطع تھے ظاہری قرائن و قیاسات صاف بتلا رہے تھے کہ یہ اپنے مربی اور استاذ کے جانشین ہوں گے، بلکہ ان سے مذہب اعتزال کی حمایت میں دو قدم آگے ہونگے، پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔ قدرت کے انتظامات عجیب ہیں آدمی کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ علیم و قدیر نے معتزلہ کی تلوار کو پلٹ کر خود معتزلہ کی گردن پر رکھ دیا۔ واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ یہ پورے رمضان کے اعتکاف کا ارادہ کر کے معتکف ہوئے عشرۂ اولیٰ میں ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے فرمایا ابوالحسن دین کی حمایت کیلئے کھڑا ہو جا صبح کو اٹھے تو کوئی خاص بات ان کے ذہن میں نہ آئی مذہب معتزلہ ہی ان کے نزدیک صحیح دین تھا اور یہ اس کی حمایت میں کمر بستہ ہی رہتے تھے سوچا کہ کچھ اور کوشش کر لوں گا پھر دوبارہ عشرۂ ثانیہ میں اسی قسم کا خواب، دیکھا دل میں تشویش تو ضرور ہوئی مگر خواب کی کوئی خاص تعبیر نہ معلوم ہو سکی، کیونکہ ان کے نزدیک عقائد معتزلہ ہی برحق تھے اور اس کی حمایت میں یہ پوری سعیٔ بلیغ کرتے ہی تھے پھر سہ بارہ عشرۂ اخیرہ میں خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا کہ دین کی حمایت کیلئے تیار ہو جاؤ، لیکن تم اب تک تیار نہ ہوئے، تو خواب ہی میں شیخ ابوالحسن اشعری نے درخواست کی کہ حضور میں تو نہیں جانتا آپ ہی بتا دیجئے کہ میرے عقائد میں کیا کیا غلطیاں ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری ہدایت کا خود تکفل فرمالیا ہے تو میں یہاں سے نہ ہٹتا، یہاں تک کہ تیری غلطیاں ایک ایک کر کے کھول کر بیان کر دیتا، لیکن خود اللہ تعالیٰ نے تکفل فرمالیا ہے اسلئے ضرورت نہیں، چنانچہ جب صبح کو اٹھے تو عقائد اہل سنت والجماعت میں ان کو شرح صدر تھا اور مفاسد معتزلہ ان پر منکشف ہو چکے تھے، جمعہ کا دن تھا جامع مسجد میں کھڑے ہو کر عام مجمع کے اندر معتزلہ کے تمام خیالات فاسدہ سے تائب ہوئے پھر تو اہلسنت والجماعت کے وہ امام بنے جو کہ اظہر من الشمس ہے۔ فضل الباری اور بعض کتب میں یہ ہے کہ امام اشعری کچھ عرصہ تک خلوت میں رہے اور فریقین کے دلائل کا موازنہ کرتے رہے آخر کار شیخ ابوالحسن کی طبیعت میں اعتزال کا ردعمل پیدا ہوا، چالیس برس تک معتزلہ کے مذہب و عقائد کی حمایت کرنے کے بعد ان کی طبیعت اس سے بالکل متنفر ہو گئی اور جامع مسجد میں منبر پر چڑھ کر یہ اعلان کیا جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے جو نہیں جانتا میں اسے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں ابوالحسن علی بن اسمٰعیل ہوں میں معتزلی تھا میرا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور خدا کا دیدار ممکن نہیں، قیامت میں بھی کوئی شخص اس کو نہیں دیکھ سکتا وغیرہ وغیرہ اب میں توبہ کرتا ہوں اپنے سابق خیالات سے براءت ظاہر کرتا ہوں آج سے میرا نصب العین معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے۔ تاریخ ابن خلکان ج ا، ص ۴۴۷، لوگو: میں عرصہ سے طرفین کے دلائل کا موازنہ کرتا رہا لیکن کسی خاص جانب رجحان نہ معلوم ہوتا تھا میں نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ مجھے راہ حق پر گامزن کر دے چنانچہ ہدایت مجھے دربار خداوندی سے عنایت ہوئی اسے میں نے اپنی کتابوں میں ودیعت کر دی سابقہ عقائد کے لبادہ کو میں نے یوں اتار پھینکا جیسے یہ لباس اتارتا ہوں یہ کہہ کر اپنا پہنا ہوا جبہ اتار دیا اور اپنی کتابیں جو محدثین و فقہاء کے طرز پر لکھی تھیں لوگوں کے حوالے کر دیا۔ طبقات الفقہاء مؤلفہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی یہ ایک غیبی انتظام تھا کہ جس نے ساری زندگی مذہب اعتزال کی تائید و نصرت میں گذاری تھی اور اس کیلئے مسند اعتزال کی امامت تیار تھی قدرت نے سنت کی حفاظت و حمایت کیلئے اسی کو منتخب فرمایا اور تاریخ عالم میں اسکے نظائر بہت ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب الابانہ کے مقدمہ میں اپنے معتقدات و مسالک کی تفصیلات بیان کر دی ہیں اور معتزلہ پر جو ان کے اعتراضات ہیں اس کی تفصیل بھی اس میں موجود ہے۔ من شاء فلیطالع

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کہ تم معتزلہ قدریہ، جہمیہ، مرجیہ، خوارج اور شیعہ کی تردید کرتے ہو تو بتاؤ کہ تمہارا اپنا مذہب و

مسلک کیا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہیں اور ان اقوال وآثار پر پختگی کے ساتھ قائم ہیں اور اس سے تمسک کرتے ہیں جو صحابہ تابعین اور ائمہ حدیث سے منقول ہیں ہم امام احمد کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہیں اور ان کے مخالفین کے اقوال سے احتراز کرتے ہیں جب کفر وضلالت کا چرچا ہوا تو آپ کی بدولت حق جل جلالہ نے حق کو واضح فرمایا مبتدعین کے بدعات کا استیصال کیا جو لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان کے شکوک کو زائل فرمایا خداوند کریم انہیں خوش وخرم وشاداں رکھے اور سب ائمہ کرام پر باران رحمت برسائے۔(کتاب الابانہ عن اصول الدیانۃ)

## امام ابوالحسن کا حافظہ اور ان کی ذہنی استعداد وصلاحیت:

یہ تو معلوم ہو چکا کہ ان کو مناظرہ مباحثہ کا پہلے سے ملکہ تھا اور اس میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا یہ ان کا فطری ذوق اور طبعی شوق تھا مذہب حق کی حمایت کے جذبہ اور تائید الٰہی نے ان صلاحیتوں کو زیادہ اجاگر کر دیا ان کے جذبہ تبلیغ اور احقاق حق کا یہ حال تھا کہ معتزلہ کی مجلسوں میں جا کر ان کے ممتاز لوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے کسی نے ان سے کہا اہل بدعت سے تو مقاطعہ کا حکم ہے آپ ان سے کیوں ملتے جلتے ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ کیا کروں وہ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں کوئی حاکم شہر ہے کوئی قاضی وہ اپنے منصب ووجاہت کی وجہ سے میرے پاس آ نہیں سکتے اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو حق کیسے ظاہر ہوگا۔تبیین کذب المفتری ۱۱۶ ان کی مناظرانہ صلاحیتوں کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے معتزلی کے اعتراضات کا جواب اس آسانی سے دیتے جیسے کوئی کہنہ مشق استاد اور ماہر فن مبتدی طلبہ کے سوالات کا جواب دے کر خاموش کر دیتا ہے۔ان کے ایک شاگرد ابوعبداللہ بن خفیف اپنی پہلی ملاقات اور ایک مجلس کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں۔ میں شیراز سے بصرہ آیا مجھے ابوالحسن اشعری کی ملاقات کا شوق تھا لوگوں سے پتہ معلوم کر کے آیا تو وہ ایک مجلس مناظرہ میں تھے وہاں معتزلہ کی ایک جماعت تھی وہ لوگ اپنے دلائل ومسائل پیش کر رہے تھے جب وہ خاموش ہوئے تو ابوالحسن اشعری نے گفتگو شروع کی انہوں نے ایک ایک سے مخاطب ہو کر کہا تم نے یہ کہا تھا اس کا جواب یہ ہے تم نے یہ اشکال کیا تھا اس کا جواب اس طرح ہے یہاں تک کہ سب کو جواب دے کر لاجواب کر دیا جب وہ مجلس سے اٹھے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا اور ان کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا انہوں نے فرمایا کیا دیکھتے ہو میں نے کہا کہ یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی کتنی زبانیں ہیں کتنے کان کتنی آنکھیں کہ سب کی سنتے سب کی سمجھتے اور سب کا جواب دیتے ہیں وہ یہ سن کر ہنس دیئے۔تبیین کذب المفتری ۹۵،الغرض علماء نے ان کی ذہانت وطباعی استعداد وصلاحیت اور دقت نظر کی بہت تعریفیں کی ہیں۔تفصیل کے لئے تبیین کذب المفتری ص ۱۲۵،۱۲۶ ملاحظہ فرمائیں۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر کے اندر سورۂ انعام کی تفسیر میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اشعری اور جبائی میں اختلاف ہوا تو اشعری نے اپنے استاذ کے تمام مقولوں پر اعتراضات کئے روز بروز اشاعرہ اور معتزلہ میں مقابلہ بڑھتا ہی رہا معتزلہ نے اپنی تقویت اور اپنے مخالفین کی تضعیف کیلئے براہین حکمیہ وفلسفیہ سے استدلال کرنا شروع کیا اس لئے معتزلہ کے مطالب کلامیہ ودلائل حکمیہ اور براہین فلسفہ سے خلط ملط ہوگئے رفتہ رفتہ یہاں تک فلاسفہ کی اتباع اور حکمت کے مسائل کا مادہ انمیں بڑھا کہ عقل کو نقل پر ترجیح دینے لگے جہاں ظواہر آیات واحادیث ان کے عقول کے مخالف ہوئیں ان کی تاویل وتوجیہہ کرنے لگے کھینچ تان کر اپنے پکائے ہوئے خیال خام کے مطابق کرنے کی سعی لاحاصل کرنے لگے یا انکار پر اتر آئے اور اس معصیت کیلئے عذر گناہ بدتر از گناہ یہ تراشا کہ صاحب شریعت کا کلام عقل کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بالکل درست ہے لیکن پہلے ان کو عقل کا معیار بتانا چاہئے تھا اور خلاف عقل کا بھی کوئی ضابطہ مقرر کرنا چاہئے تھا ان سب مراحل پر بحث کئے بغیر فلاسفہ زمانہ نے جو کہہ دیا وہ تو پیام جبریل بن گیا اور جو وحی ربانی نے ہدایت کی اسے اساطیر الاولین کہہ کر پس پشت ڈال دیا یا تسلیم نما انکار کر دیا۔ان کے مقابلہ میں متشدد محدثین غلاۃ حنابلہ نے اتنا مبالغہ کیا کہ ظواہر آیات واحادیث سے سرمو تجاوز نہ کر کے تاویل کا دروازہ بند کر دیا رفتہ رفتہ یہ حال ہوا کہ جہاں علم وحکمت کا ذکر کیا جاتا وہ مجلس مذموم سمجھی جاتی کیونکہ ان کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مباحث ومسائل میں عقلی استدلال سے کام لینا کجروی اور زیغ وضلال تھا دونوں نے راہ مستقیم اور راہ اعتدال کو ترک کر دیا۔ایک جماعت الفاظ کی جکڑ بندیوں میں اس طرح مقید ہوگئی کہ عقل کو بالائے طاق رکھ دیا اور معتزلہ بے عقلی کا ثبوت دیتے ہوئے عقل کے گھوڑے پر اس طرح سوار ہوئے کہ آنکھ بند کر کے علوم سلف کو پامال کرنا شروع کر دیا۔

## امام اشعری کا اصل کارنامہ:

کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ امام اشعری کی اعتزال سے علیٰحدگی کے بعد اولین کتب میں سے ہے۔اس میں امام اشعری نے اپنے مسلک وعقیدہ کی جو وضاحت کی ہے اس کا مضمون ابھی گزر چکا ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتاب وسنت پر عامل تھے۔اہلسنت والجماعت اور عقیدۂ سلف کے موافق تھے،اسی کی تائید کرتے تھے،لیکن درحقیقت یہ ان کا خصوصی کارنامہ نہیں۔یہ تو محدثین وحنابلہ انجام دے ہی رہے تھے۔ان کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محدثین ومعتزلہ کے درمیان ایک معتدل طریقہ اختیار کیا جبکہ معتزلہ عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے۔خداوند قدوس کی ذات وصفات جو بیرون قیاس ہیں اس کی حقیقت تک رسائی عقول انسانی اور حدود امکانی سے بالاتر ہیں۔مگر معتزلہ ان امور کی کتھی کو بھی ناخن عقل وتدبیر ظن وتخمین فضول وعبث قیاس آرائی سے سلجھانا چاہتے تھے۔اور عقل ہی کو ان امور میں معیار بنانا چاہتے تھے تو دوسری طرف بعض پرجوش اور

جامد حنابلہ دین کی نصرت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کیلئے عقل کی تحقیر کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کلامی و اعتقادی مباحث سے جو بتقاضائے اہل زمانہ شروع ہو گئے تھے اس سے اجتناب و احتیاط اور سکوت کو واجب خیال کرتے تھے۔ ایسے وقت میں امام اشعری کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنوٹ استعمال کیا۔ معتزلی کی لاٹھی سے انہیں کے دماغ کو پاش پاش کر دیا۔ انہوں نے معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے انہیں کی زبان و اصطلاحات میں گفتگو کر کے ان پر ثابت کر دیا کہ اہلسنت کے عقائد منقول و معقول دونوں کے مطابق ہیں۔ تمہاری فہم نارسا کا قصور ہے جو اسے عقل کے خلاف سمجھتے ہو۔ اس طرح عقائد اہلسنت کا وقار و وزن روز افزوں ترقی پر رہا۔ دن بدن اس کی قدر و منزلت بڑھتی رہی۔ امام اشعری کے نزدیک عقائد کا ماخذ یقیناً وحی اور نبوت محمدی ہے اور اس سلسلہ میں اطمینان کی دولت صرف وحیٔ الٰہی سے میسر آسکتی ہے کیونکہ یہی ترجمان حقائق ہیں اور بس اس کا ذریعہ کتاب سنت اور صحابہ کرام کے اقوال و روایات ہیں اور بس لیکن وہ ان حقائق و عقائد کے ثبوت میں تائید کیلئے عقلی استدلال اور رائج الوقت الفاظ و اصطلاحات سے کام لینے کو مفید و کارآمد سمجھتے تھے شریعت کے وکیل و ترجمان ہونے کی حیثیت سے وہ مخالفین کا مقابلہ اس حیثیت سے بھی کرنے کو بھی دین کی خدمت سمجھتے تھے لیکن امام اشعری عقل کو حاکم قرار دے کر نصوص کی تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ عقل انسانی کو ظواہر نصوص کا ایسا خادم قرار دیتے تھے جو ہر جگہ ان کی تائید و توثیق کرتا ہے اور جس چیز کو دین کیلئے مفید سمجھا موافقت و مخالفت کی پرواہ کئے بغیر ہمہ تن اس میں منہمک ہو گئے اور بڑی شجاعت و بہادری سے اس کام کو انجام دیا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند لگا دیا اور بہت سے اکھڑے ہوئے قدموں کو جما دیا اور معتزلہ بھی ان کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے یہاں ان حضرات کا مختصر تعارف مقصود ہے اس لئے مسائل و مناظروں کی تفصیلات بیان نہ ہوں گی مسائل تو اپنے اپنے مقامات پر پوری کتاب میں آئیں گے البتہ معتزلہ کے تذکرہ میں بعض امور کا بیان آئے گا۔ انشاء اللہ

## مخالفین:

حمایت دین کے باعث امام اشعری کو بڑی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا سرکاری حکام بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے آپ کے رفقاء اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور تمام مخالفین کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے علماء عصر نے ان خدمات جلیلہ کے پیش نظر آپ کو امام اہلسنت والجماعت کا لقب دیا۔ بایں ہمہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مخالف علماء بھی منصۂ شہود پر آئے مثلاً محدث ابن حزم ان کو جبریہ تصور کرتے تھے کیونکہ افعال اعباد کے بارے میں اشعری نے جس رائے کا اظہار کیا تھا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بندے کو کچھ اختیار بھی حاصل ہے کتاب الفصل ج ۳، ۲۲، اسی طرح مرتکب کبائر کے بارے میں امام اشعری جو نظریات رکھتے تھے ان کی وجہ سے ابن حزم ان کو مرجئہ قرار دیتے تھے۔ کتاب الفصل ج ۴ ص ۲۰۴، ابن حزم نے ان کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی ان پر گرفت کی ہے کچھ لوگ امام اشعری کے خلاف بھی تھے جو خاصی شہرت کے حامل تھے حنابلہ میں بھی آپ کے مخالف موجود تھے تاہم آپ کے اکثر مخالفین صفحہ ارضی سے مٹ گئے اور تاریخ اسلام میں ان کا کوئی پتہ نہیں ملتا (اسلامی مذاہب ۲۳۲)

## عبادت وتقویٰ:

احمد بن علی فقیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اشعری کی بیس سال تک خدمت کی میں ان سے متقی پرہیزگار باحیا دنیاوی معاملات میں شرمیلا امور آخرت میں مستعد نہیں دیکھا متکلم ابوالحسین اروی کا بیان ہے کہ امام ابوالحسن نے برسوں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ (تبیین کذب المفتری ص ۱۴۱)

## مسلک:

ابوبکر بن فورک نے طبقات متکلمین میں لکھا ہے کہ اشعری فقہ میں امام شافعی کے مذہب پر تھے اور یہ جو بعضے مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ مالکی تھے یہ وہم ہے وہ شافعی ہی تھے اور معتزلہ اشعریہ کو اثریہ بھی کہتے ہیں (الفروق والمذاہب فی الاسلام ص ۳۹)

## تصنیفات:

امام اشعری نے خود اپنی کتاب ''العمد'' میں ان کتابوں کے نام لکھے ہیں جو ۳۳۰ھ یعنی وفات سے چار سال پہلے تک تصنیف کر چکے تھے یہ ۶۸/ کتابیں ہیں جن میں سے متعدد دس دس بارہ بارہ جلدوں میں ہیں انہوں نے اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جو ذہبی کے بیان کے مطابق تیس اجزاء میں تھے ان کی تصنیفات اکثر معتزلہ کے رد میں ہیں اور بعض دوسرے مذاہب وادیان کی تردید میں ہیں۔ ان میں ایک کتاب الفصول ہے جس میں انہوں نے فلاسفہ دہریہ، یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور ہندوؤں کا رد کیا ہے یہ بڑی کتاب ہے اور بارہ کتابوں کا مجموعہ ہے (تبیین کذب المفتری ص ۱۲۸) خلاصہ یہ ہے کہ وفات سے چار سال قبل وہ ۶۸/ کتابیں جن میں بعض بہت ضخیم بھی ہیں تصنیف فرما چکے تھے آخری چار سال میں بھی انہوں نے بکثرت تصنیفات کیں جن میں سے مقالات الاسلامیین مشہور کتاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم عقائد کے بلند پایہ اور محتاط مؤرخ بھی تھے۔

## وفات حسرت آیات:

۳۳۴ھ میں امام ابوالحسن اشعری کی وفات ہوئی اور بغداد محلہ مشرع الزوریا میں مدفون ہوئے (ابن خلکان ص ۴۶۴) ان کے جنازے پر اعلان کیا گیا کہ آج ناصر سنت کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

# ماتریدیہ

## امام ماتریدی کا مختصر تعارف :

یہ فرقہ امام محمد بن محمد بن محمود ماتریدی کی جانب منسوب ہے ابو منصور کنیت تھی آپ سمرقند کے محلّہ ماتریدیہ میں پیدا ہوئے، بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کے شہروں میں ماترید بھی ایک شہر کا نام ہے سمرقند ماوراء النہر کے علاقہ میں ہے۔

## آپ کی تاریخ ولادت:

اس کے متعلق یقینی طور سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، قرائن وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری کے نصف میں پیدا ہوئے حتمی طور پر کہا جاسکتا ہے آپ نے حنفی فقہ اور علم کلام کی تعلیم کے سلسلہ میں نصر بن یحییٰ بلخی المتوفی ۲۶۸ھ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا (اسلامی مذاہب ص ۲۳۸) مصنفہ ابوزہرہ مصری لیکن الفروق والمذاہب فی الاسلام کے ص ۳۹ میں ہے کہ ابوبکر احمد جوزجانی تلمیذ ابو سلیمان جوزجانی سے فقہ حاصل کی بلاد ماوراء النہران دنوں علم فقہ اصول فقہ کے مجادلات و مناظرات کی آماجگاہ تھے آئے دن احناف وشوافع کے مابین فقہی مجادلات کی گرم بازاری رہتی اس دور میں جب محدثین وفقہاء معتزلہ کے خلاف صف آراء ہوئے تو ان کی مناظرہ بازی کا مرکز ومحور علم الکلام علم فقہ اصول فقہ کے علوم وفنون تھے۔ امام ماتریدی نظری وفکری مسابقت کے میدان میں پلے بڑھے آپ حنفی المسلک تھے لہٰذا آپ کی جولانگاہ فکر ونظر زیادہ تر فقہی اصول اور اصول دین کے علوم ومعارف تھے امام ماتریدی فقہاء ومحدثین کی تائید وتوثیق کیلئے کمر بستہ ہوگئے اگرچہ آپ کا طرز وانداز بڑی حد تک اشاعرہ سے جداگانہ نوعیت کا تھا تاہم دونوں کے نتائج اکثر ہم آہنگ ہوتے البتہ قلیل مسائل میں اختلاف بھی ہے کماسیاتی

## امام ماتریدی کے افکار کی اساس:

علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ امام ماتریدی کو جن آثار ونتائج تک رسائی حاصل ہوئی وہ بڑی حد تک امام ابوحنیفہ کے افکار وعقائد سے ہم آہنگ ہیں۔ امام الائمۃ سراج الامہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو منصور ماتریدی کے افکار وآراء کا علمی موازنہ کرنے سے ان کی باہمی یگانگت ومماثلت کا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے اس لئے علماء محققین کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ امام ماتریدی کے افکار وآراء کی اصل واساس امام ابوحنیفہ کے اقوال وآثار تھے اور صرف ظن وتخمین وقیاس آرائی ہی نہیں ہے بلکہ امام ماتریدی امام اعظم کی کتب کے راوی بھی ہیں مثلاً فقہ البسط مکتوب امام بنام بستی رسالہ عالم ومتعلم وصیت امام برائے یوسف بن خالد وغیرہا کتب کو اپنے اساتذہ ابونصر احمد بن عباس بیاضی، احمد بن اسحٰق جوزجانی اور نصر بن یحییٰ بلخی سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے استاذ محمد بن حسن سے روایت کرتے ہیں یہ سند اشارات المرام میں موجود ہے ان کتب کے ملاحظہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ امام ماتریدی تین وسائط کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ عقائد سے متعلق امام ماتریدی کے نظریات امام ابوحنیفہ کے ان اقوال پر مبنی تھے جو انہوں نے ان رسائل میں بیان کئے امام ماتریدی نے امام ابوحنیفہ کے افکار ونظریات کو عقلی ونقلی ومنطقی دلائل سے ثابت کیا، ہے جو بلاشک وشبہ بڑی قابل قدر چیز ہے اشارات المرام کے مصنف کا بیان ہے کہ امام ماتریدی نے قطعی دلائل کی روشنی میں ان اصولوں کو ثابت کیا اور یقینی براہین کی بناء پر ان فروعات کو استحکام بخشا۔ علامہ کوثری اشارات المرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ بلادِ ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک وصاف تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلاشرکت غیرے حدیث نبوی کا سلسلہ جاری تھا۔ احادیث وآثار کا یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ ماوراء النہر کے امام السنّت ابو منصور ماتریدی جن کو امام ہدایت کے لقب سے پکارا جاتا تھا منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل ودلائل کی تحقیق وتدقیق کی نذر کردیا۔ اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل ومذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (مقدمہ اشارات المرام ص ۹)

## امام اشعری وامام ماتریدی:

امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی ہم عصر تھے دونوں کے غایات ومقاصد میں بھی چنداں فرق نہ تھا البتہ اشعری کی بودوباش مرکز اعداء سے بہت قریب تھی آپ بصرہ میں اقامت پذیر تھے جو مسلک اعتزال کا مسکن وموطن بلکہ اس کی جنم بھومی تھا محدثین وفقہاء اور معتزلہ کے مابین سرزمین عراق میں جو معرکہ آرائیاں ہورہی تھیں بصرہ ان کا اہم ترین مرکز تھا۔ جہاں تک ماتریدی کا تعلق ہے آپ معرکہ آرائیوں کی سرزمین سے دور بستے تھے تاہم ان مجادلات کی صدائے بازگشت وہاں بھی سنائی دیتی تھی چنانچہ ماوراء النہر میں معتزلہ آباد تھے جو عراقی معتزلہ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور انہیں کی باتوں کو دہراتے تھے امام ماتریدی نے سب سے پہلے انہیں سے ٹکر لی اور ان کے نظریات کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا اور کسی میں ان سے مقابلہ ومباحثہ کی ہمت نہ ہوئی یہ ان کی خداداد قابلیت اخلاص وللّٰہیت ومہارت تامہ کا نتیجہ واثر تھا۔ راویوں کا بیان ہے کہ آپ عقائدی مسائل میں مباحثہ ومناظرہ کیلئے بائیس مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ (اسلامی مذاہب شیخ ابوزہرہ مصری ص ۲۳۹)

اشعری اور ماتریدی دونوں چوں کہ ایک ہی دشمن کے خلاف صف آراء تھے

لہٰذا ان کے نظریات بھی بڑی حد تک متقارب تھے اگرچہ متحد نہ تھے اکثر علماء کا خیال ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نظریات میں کوئی اساسی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ استاذ امام شیخ محمد عبدہ العقائد العضدیہ کے حواشی میں رقم طراز ہیں کہ ماتریدیہ واشاعرہ کا باہمی اختلاف دس مسائل سے متجاوز نہیں اور وہ بھی صرف نزاع لفظی کی حد تک ہے۔ (اسلامی مذاہب شیخ ابوزہرہ مصری ص ۲۴۲) مگر تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۱۱۵ کے حاشیہ میں ہے کہ عقائد عضدیہ کے تعلیقات میں شیخ محمد عبدہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ مختلف فیہ مسائل تیس سے زائد نہیں۔ ابن تیمیہ از محمد ابوزہرہ ص ۱۴۸، اور الفروق و المذاہب فی الاسلام میں از ص ۹۵ تا ۱۰۶، چالیس مسائل خلافیہ کو بالتفصیل لکھا ہے

### تنبیہ:

شیخ محمد عبدہ کی تعلیقات ہماری نظر سے نہیں گزری۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ اسلامی مذاہب کی عبارت میں احقر کے خیال میں کتابت کی یا کسی طرح کی غلطی ہے واللہ اعلم۔ اختلاف صرف دس تک محدود نہیں جنہوں نے تیس چالیس لکھا ان کا قول اقرب ہے مگر امام ماتریدی کے اقوال وآراء اور امام اشعری کے آخری آثار ونتائج کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ دونوں کا طرز فکر ونظر جداگانہ نوعیت رکھتا ہے تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت کردہ عقائد قرآنیہ کے دائرہ سے نکلنا دونوں میں سے کسی کو گوارہ نہ تھا۔

البتہ ایک فریق عقل کو بھی اہم قرار دیتا ہے بشرطیکہ وہ مشعل شرع سے مستنیر ہو اور محدثین وفقہا اور اشاعرہ نقلی دلائل کی چہار دیواری میں محصور رہتے ہیں مثلاً اشاعرہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت شریعت کی بناء پر واجب ہے اور ماتریدیہ امام ابو حنیفہ کی اتباع میں کہتے ہیں کہ اس کا وجود عقلی ہے یعنی اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو بھی عقلاً انسان کے ذمہ خدا کی معرفت ضروری ہوتی محدثین عقل سے اس لئے استناد نہیں کرتے کہ مبادا وہ جادۂ استقامت سے ہٹ جائیں امام ماتریدی کتاب التوحید میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اسلئے کہ منکرین عقل ونظر بھی عقل سے استدلال کرتے ہیں لہٰذا نظر وفکر کی اہمیت گویا ان کے یہاں بھی مسلم ہے تفکر وتامل سے انکار کیوں کر ممکن ہے جبکہ خلاق عالم نے اپنے بندوں کو تدبر وتفکر کی دعوت دی ہے اور عبرت پذیری کو ان کیلئے لازم قرار دے دیا ہے یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نظر وفکر علمی مصادر میں سے ایک عظیم مصدر ہے۔ بہرکیف امام ماتریدی ان عقلی احکام سے استناد کرتے ہیں جو خلاف شرع نہ ہوں ان کے خلاف شرع ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک بھی حکم شرع کے آگے گردن جھکانا ضروری ہے کیونکہ خلاف شرع ہونے سے ثابت ہو گیا کہ یہاں عقل نے ٹھوکر کھائی ہے لہٰذا وہ قابل استناد نہیں۔

### محققین کی تحقیق:

یہ ہے کہ ماتریدیہ اور اشاعرہ کے تمام اختلافی مسائل پر غور کرنے سے ایک صاحب بصیرت انسان اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ علامہ سید زاہد کوثری کے الفاظ میں اشاعرہ محدثین ومعتزلہ کے بین بین تھے اور ماتریدیہ معتزلہ اور اشاعرہ کے وسط میں واقع ہوئے ہیں ابوزہرہ مصری فرماتے ہیں کہ ہماری رائے ہے کہ جن جوہری مسائل میں کوئی نص وارد نہیں ان میں ماتریدیہ کا نقطۂ نگاہ عقل ونقل کا حسین مرکب نظر آتا ہے بہت سے مسائل میں ماتریدیہ اشاعرہ کے ہم خیال اور بعض میں مخالف ہیں اگرچہ یہاں ان فرقوں کا مختصر تعارف مقصود ہے بیان مسائل نہیں کیونکہ مسائل تو حسب موقع آتے ہی رہیں گے لیکن وضاحت کیلئے ہم صرف ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں۔

## اشیاء کے حسن وقبح کا عقل ادراک کر سکتی ہے یا نہیں:

ماتریدیہ کا موقف یہ ہے کہ اشیاء کا حسن وقبح ذاتی ہے اور عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے ان کے نزدیک اشیاء کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ اشیاء جن کے حسن کا ادراک عقل انسانی کر سکتی ہے۔ (۲) وہ اشیاء جن کی قباحت معلوم کرنا بنا بریں عقل کے ممکن ہے (۳) وہ اشیاء جن کے حسن وقبح کا ادراک عقل کے ذریعہ نہیں بلکہ شرع سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں ابو علی جبائی سے یہی منقول ہے تاہم دونوں کی تقسیم میں نقطہ امتیاز یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک جو چیز عقلاً حسن ہو وہ واجب الفعل ہوتی ہے اور جو قبیح ہو وہ حرام ہوتی ہے مگر ماتریدیہ اس حد تک تجاوز نہیں کرتے بلکہ امام ابوحنیفہ کی اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ عقلاً اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک ممکن ہے مگر آدمی اس وقت تک مکلّف و مامور نہیں ہوتا جب تک شارع کی جانب سے حکم نہ ہو اس لئے کہ عقل بالاستقلال دینی احکام صادر نہیں کر سکتی احکام صادر کرنا صرف باری تعالیٰ کی شان ہے اشعریہ کہتے ہیں کہ فی حد ذاتہ کسی شئے میں نہ حسن ہے نہ قبح۔ بلکہ حسن وقبح کا معیار ودار ومدار شارع کے اوامر ونواہی ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی کام حسن اس لئے ہے کہ شریعت نے اس کا حکم دیا اور قبیح اس لئے ہے کہ باری تعالیٰ نے اس سے منع کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ماتریدی کا نقطہ نگاہ معتزلہ اور اشاعرہ کے نظریات کی نسبت متوسط ہے (ماخوذ از اسلامی مذاہب، شیخ ابوزہرہ مصری) تاریخ دعوت وعزیمت میں لکھا ہے کہ

اسی زمانہ میں دنیائے اسلام کے ایک دوسرے سرے ماوراء النہر میں ایک دوسرے عالم اور متکلم ابو منصور ماتریدی نے علم کلام اور عقائد اسلام کی طرف توجہ کی وہ بڑے متوازن دماغ کے آدمی تھے معتزلہ سے ہر وقت بر سر مقابلہ ہونے کی وجہ سے امام ابوالحسن کے علم کلام میں بعض انتہا پسندانہ باتیں آ گئی تھیں اور بعد کے اشاعرہ نے معاملہ کو اور آگے بڑھا دیا۔ امام ابو منصور نے حشو وزوائد اور ایسے التزامات کو جو معتزلہ کی ضد میں اشعری علم کلام کا جزو بن گئے تھے اور ان کا ثابت کرنا اور نباہنا مشکل تھا، خارج کر دیا اور اہلسنت کے علم کلام کی مزید تنقیح وتہذیب کی اس کو زیادہ معتدل اور جامع بنا دیا۔ امام ابو منصور اور ان کے متبعین کے یہ اختلاف جزئی اور محدود تھا ایسے مسائل جن میں ماتریدیین نے اشاعرہ سے اختلاف کیا ہے تیس چالیس سے زائد ہیں اور ان میں

بھی اختلاف بیشتر لفظی ہے۔

## امام ماتریدی کا تقویٰ اور ان کی کرامت:

مشائخ کبار میں سے بڑے محقق و مدقق اور متکلمین کے امام عابد و زاہد اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ فقہ میں حنفی المذہب تھے ان کے زمانہ میں مذہب امام ابوحنیفہ کی امامت ان پر منتہی ہوئی آپ کا ایک باغ تھا جس میں خود کام کرتے تھے، اپنے مہمانوں کو باغ میں سے بے موسم پھل کھلاتے تھے لوگوں نے حیرت کی تو فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے کوئی گناہ نہیں کیا اس لئے جو چیز اس کے ذریعہ سے چاہتا ہوں حاصل ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے بادشاہ کے مظالم سے تنگ ہو کر آپ سے شکایت کی تو گھاس سے کمان اور تنکے سے تیر بنا کر اس ظالم بادشاہ کی طرف پھینکا۔ معلوم ہوا کہ اسی تاریخ میں قتل کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (حدائق الحنفیہ، تذکرۃ المحدثین ج ۲ ص ۸۷)

## تصنیفات:

امام ابومنصور ماتریدی بایں ہمہ کمالات بہت بڑے مصنف بھی تھے معتزلہ روافض اور قرامطہ کی تردید میں ان کی بڑی فاضلانہ تصنیفات ہیں ان کی کتاب تاویلات القرآن اپنے موضوع میں ایک جلیل القدر تصنیف ہے جس سے ان کی غیر معمولی قابلیت علوم عقلیہ و نقلیہ سے واقفیت اور اعلیٰ درجہ کی ذکاوت کا اظہار ہوتا ہے الفروق والمذاہب فی الاسلام ص ۳۹ میں ہے کہ کتاب تاویلات القرآن ان کی ایسی تصنیف ہے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتی بلکہ اس فن میں جو تصنیفات پہلے ہو چکی ہیں کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتی جہاں تک ممکن ہوتا ہے امام ماتریدی قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں کیوں کہ ایک چیز کہیں مجمل و مبہم ہے تو دوسری جگہ قرآن عزیز میں وہی چیز زیادہ واضح اور صاف ہے۔

قرآن عزیز میں ہے کہ "ھو الذی انزل علیك الكتاب منه اٰیات محكمات ھن ام الكتاب واخر متشابھات" اس آیت کی تفسیر ابھی حال ہی میں قریب ہی گزری ہے اسی اصول کے مطابق آپ متشابہات کو محکمات پر محمول کرتے ہیں اور متشابہات کو ام الکتاب یعنی محکمات کی جانب راجع کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ماتریدی نے عقائد و کلام میں اعلیٰ مرتبہ کی اور بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں پہلی تو وہی تاویلات القرآن ہے، علاوہ ازیں کتاب ماخذ الشرائع فقہ میں، کتاب الجدل اصول فقہ میں، کتاب التوحید، کتاب الاصول فی اصول الدین، کتاب المقالات فی الکلام، رد کتاب الامامۃ روافض کی تردید میں، الردّ علی القرامطہ، کتاب اوہام المعتزلہ، رد وعید الفساق للکعبی، رد تہذیب الجدل للکعبی، رد اوائل الادلۃ للکعبی، رد الاصول الخمسۃ لابی محمد الباہلی۔ بعضوں نے کتاب بیان فساد رأی المعتزلہ بھی لکھا ہے۔

**وفات:** شیخ ابوزہرہ مصری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ آپ کی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی۔ اسلامی مذاہب ص ۲۳۸، الفروق والمذاہب فی الاسلام ص ۳۹، میں بھی ہے کہ ۳۳۳ھ میں وفات ہوئی سمرقند میں دفن کئے گئے اور دین پناہ تاریخ وفات ہے لیکن تاریخ دعوت وعزیمت میں ہے م۳۳۲ھ۔ واللہ اعلم

## مسلک اہل سنت والجماعت:

ستفترق امتی علیٰ ثلاثة وسبعين ملة كلهم في النار الاملة واحدة قالوا امن هي يارسول الله قال ما انا عليه واصحابي (ترمذی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب دوزخ میں داخل ہوں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائیگا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ کونسا ہے اے رسول خدا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس عقیدہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ اور ایک روایت میں ہے بہتر فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور وہ یہی جماعت ہے۔" وید الله على الجماعة ومن شذ شذ في النار" اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے جو شخص اس سے علاحدہ ہوا وہ دوزخی ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی ورنہ شذوذ کا وبال دوزخ ہے۔

قرآن وحدیث کے نصوص سے صحابہؓ و تابعینؒ اور سلف صالحینؒ کی اتباع کی تاکید ثابت ہوتی ہے اور جمہور سلف صالحینؒ صحابہؓ اور تابعینؒ کی مخالفت اور ان کے طریقے سے اعتزال و شذوذ ممنوع اور اس کی سزا دوزخ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر دل و زبان سے ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مذہب اہل سنت والجماعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور عمر بھر عقیدۂ اہل سنت والجماعت پر قائم رہے کیونکہ اہل سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہو رہا ہے۔

**شرح حدیث:** حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ ما انا علیه و اصحابی کی تحقیق میں تحریر فرماتے ہیں: صحابہؓ کا سوال فرقہ ناجیہ کے متعلق تھا آپ ﷺ کا صاف جواب انا واصحابی ہونا چاہیے تھا یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے وہ صحابہ ہیں، بلاشبہ اس وقت فرقہ ناجیہ کا مصداق یہی جماعت تھی اور اگر اس سے بڑھ کر کوئی آئین کلی بتانا مقصود تھا تو وہ کتاب وسنت ہے بلکہ "ما انا علیه واصحابی" کا حاصل بھی یہی ہے، پھر آپ ﷺ کے اصحاب کا طریقہ آپ ﷺ کے طریقہ کے سوا کوئی اور طریق نہیں تھا جس کے متعلق مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم

ہونی چاہیے۔بے شک متبادر یہی تھا کہ جواب انا و اصحابی ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانے کی جماعت حق کا تعین نہ تھا وہ دور فتن میں حق جماعت کی تعیین کا طالب تھا، اگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کا ہی معیار بتاتے تو یہ جواب اس دور کے مناسب حال نہ ہوتا جس میں ہر باطل سے باطل فرقے کا دعویٰ یہی ہوتا کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے، اس لئے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانے کے بھی مناسب حال ہو، وہ صرف کتاب وسنت نہیں بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی اس لئے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑ کر ان اوصاف کو بتایا گیا ہے جو فرقہ ناجیہ کی تعیین کیلئے ہمیشہ کیلئے کار آمد ہوں

اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور فتن میں کچھ ایسا تعصب نمودار ہو جاتا ہے کہ اس زمانے کی کٹ حجتی ختم کرنے کیلئے صرف الفاظ کافی نہیں ہوتے، یہاں حقیقت ومجاز، عموم وخصوص کے چند احتمالات پیدا کر دینے کا سہارا باقی رہتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوٹوک عمل ہی وہ کھلی ہوئی شریعت ہے جس میں یہ احتمالات نہیں چلتے، اسی لئے اس دور فتن کا بنیادی مسئلہ اسی تفصیلی شریعت کا انکار ہوا کرتا ہے۔ قرآن کریم سے زیادہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث سے زیادہ فقہ کا، رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی سنت کو یہاں مستقل حیثیت کیوں دی گئی ہے؟ اس کی وجہ بظاہر اس کامل اعتماد کا اظہار کرنا ہے جو آپ ﷺ کو اپنے صحابہؓ کے فہم پر حاصل تھا..... صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض اعمال کی صورت گو دور سنت میں ہمیں نظر آئے گی مگر مقاصد شریعت کے لحاظ سے اس کا عین شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے، لیکن دور فتن میں صحابہؓ کے متعلق یہ حسن ظن رہنا مشکل ہے اس لئے اس بحث کو ختم کرنے کیلئے ان کے طریق کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے..... خود وحی الٰہی کا حضرت عمرؓ کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کھلی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی اصابت رائے امت کو تسلیم ہونا چاہیے۔صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیتے اس اختلاف صورت اور اتحاد مقصد کے پیش نظر مناسب ہوا کہ ما انا علیہ کے ساتھ ساتھ اصحابی کا لفظ اور اضافہ کر دیا جائے۔

حضرت مولانا سید بدر عالم فرماتے ہیں: جماعت اور سواد اعظم سے وہی جماعت، سواد اعظم مراد ہے جو"ما انا علیہ و اصحابی" یعنی کتاب وسنت کی متبع ہے، اگر ان ہر سہ الفاظ کا خلاصہ نکالو تو یہ ہوگا کہ اہل حق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو اور نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو۔ اگر کوئی جماعت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہؓ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ ان الفاظ کی حدود سے باہر ہے، دور فتن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے مابین تفریق کا عقیدہ بھی ظاہر ہو چکا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر الفاظ بالا میں صحابہ کرامؓ کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے ورنہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریق سے علیحدہ نہیں ٹھیک اسی طرح صحابہؓ کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے علیحدہ نہیں۔

اس لئے فرقہ ناجیہ کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریقوں کی جو در حقیقت ایک ہی ہیں اپنے اپنے مرتبے میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو بلکہ اس پر گامزن بھی ہو۔ خوارج نے صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا صحابہؓ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت تھی اور اس کی طرف حضرت ابن عباس نے بھی اپنے کلام میں اشارہ فرمایا تھا(ترجمان السنۃ ص ۸۵ ج ۱)

## اہل سنت کے امتیازات:

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بھی اہل سنت کی انہیں خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ تفصیل سے فرمایا ہے، تغیر وتبدل کے ساتھ مختصر طور پر ذیل میں ملاحظہ ہو:

اہل سنت کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ کہ "ما انا علیہ و اصحابی" یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑا ہے، وہ اس کے مقابلے میں اپنی عقل ورائے کی اور دنیا کی قیل وقال کی پرواہ نہیں کرتے۔ بہر حال اہل سنت والجماعت اور ان دوسرے فرقوں کے درمیان عقائد اور خیالات میں جتنے اختلافات ہیں وہ سب طرز فکر کے اسی بنیادی فرق کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے فرقوں کا یہ حال ہے کہ وہ سنت کو اور جماعت صحابہؓ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے، ان فرقوں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے دو فرقے خوارج اور شیعہ ہیں، شیعوں کی اگر چہ بہت سی شاخیں ہیں لیکن یہ بات تقریباً سب میں مشترک ہے کہ دین کے معاملے میں صحابہ کرامؓ ان کے نزدیک قطعاً قابل اعتماد نہیں بلکہ ان کے اکثر فرقے تو جمہور صحابہ کو معاذ اللہ منافق اور مخرب دین سمجھتے ہیں، اور جو مقام سنت کا ہونا چاہیے وہ ان کے نزدیک ان کے ائمہ کے اقوال وافعال کا ہے بلکہ واقعۃً ان کے سارے مذہب کی بنیاد ان کے ائمہ کی روایت پر ہی ہے۔اور خوارج کا حال یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے اجتماعی مسلک اور اجتماعی فیصلوں کا اتباع جس طرح اہل سنت ضروری سمجھتے ہیں وہ نہیں سمجھتے، گویا ان کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ دین کی کسی حقیقت اور قرآن وسنت کی کسی بات کو سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت یا ان کی بڑی تعداد غلطی کر جائے بعد والے اس کو صحیح سمجھیں، لیکن اہل سنت اس خیال کو گمراہی بلکہ سینکڑوں گمراہیوں کا سر چشمہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے تمام فرقوں کے مقابلے میں اہل سنت والجماعت کا امتیاز اور ان کا شعار یہی ہے کہ دین کی جس حقیقت کو اور کتاب وسنت کی جس بات کو صحابہ کرامؓ کی جماعت نے جس طرح سمجھا اور مانا اور ان کے درمیان میں اختلاف رائے

نہیں ہوا اس کو اسی طرح سمجھنا اور ماننا ضروری ہے اور کسی کیلئے اس میں اختلاف رائے کی اور نئے سرے سے اس پر غور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ الغرض! اہل سنت و الجماعت کی کسی حقیقت اور کسی مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کے اجماع اور اتفاق کو فیصلہ کن چیز سمجھتے ہیں جس سے اختلاف کرنے کی ان کے نزدیک کسی کو گنجائش نہیں، اسی لئے ان کو اہل سنت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعد سنت اور جماعت صحابہؓ کی دین میں اہمیت تسلیم کر لی ہے اور اپنے کو ان کا پابند بنا دیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اہل سنت و الجماعت کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو دین کی اصل اساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ ﷺ کے طرز عمل کو اس کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل سمجھتے ہیں، اور جو چیزیں قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہیں اور سنت میں ان کا بیان ہے ان کے نزدیک وہ بھی واجب الاتباع اور جزو دین ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیثیت تسلیم کر لینے کے بعد وہ جماعت صحابہؓ کی یہ حیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کا جو منشأ انھوں نے سمجھا اور جن امور پر ان کا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب الاتباع ہیں اور کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ ان کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کے خلاف اپنی کوئی رائے رکھے۔

## حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مکتوب گرامی:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے مکتوب گرامی میں جس کو ابوداؤد میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے اہل سنت کے اس مسلک کی بڑی واضح ترجمانی فرمائی ہے فرماتے ہیں: ولئن قلتم لم انزل اللّٰہ آیۃ کذا ولم قال کذا؟ لقد قرأوا منہ ما قرأتم وعلموا من تأویلہ ما جھلتم وقالوا بعد ذلک کلہ بکتاب وقدر (ابوداؤد) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پا رہے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیات کو مسئلہ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ سوچو کہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ نے بھی پڑھیں تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور آپ ﷺ کے فیض صحبت سے وہ قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے اس کے باوجود اس مسئلہ تقدیر کے قائل ہوئے، پس اس سے تمہیں خود سمجھ لینا چاہیے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کھا رہے ہو۔ غرضیکہ اہل سنت والجماعت کا مسلک اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یعنی دین کے بارے میں جماعت صحابہؓ پر پورا اعتماد کرنا اور انکے مقابلے میں اپنے علم و فہم کو ناقص اور نارسا سمجھتے ہوئے ان کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کی پوری پوری تقلید کرنا، جمہور امت کا مسلک یہی رہا ہے اور یہی وہ صحیح مسلک ہے جس کو حدیث شریف میں ''ما انا علیہ و اصحابی'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

## ایک گمراہ کن مغالطہ:

بعض لوگ جن کی نظر میں سلف کی اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ اصل چیز بس قرآن وحدیث ہے اور دین میں ہم قرآن وحدیث کے سوا کسی چیز کو سند نہیں مانتے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اصل چیز دین کے بارے میں قرآن اور حدیث ہی ہیں لیکن یہ لوگ اس بات کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں اور مغالطہ دیتے ہیں، گویا یہ کلمۃ حق ارید بھا الباطل کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو علم وفہم سے زیادہ اپنے علم وفہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب وسنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں، پس ہمارے اور ان کے طرز فکر اور طرز عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب وسنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو، بلکہ یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کا منشأ متعین کرنے کے بارے میں سلف صالحین کے فہم فکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

## خوارج کا قرآنی نعرہ اور حضرت علی کا جواب:

حضرت علیؓ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؓ خوارج کے مجمع کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے، خوارج نے قرآن کا نعرہ لگایا کہ ہم کتاب اللہ کو مانیں گے جیسا کہ آج کل کے بہت سے گمراہ فرقے ایسا ہی نعرہ لگایا کرتے ہیں، حضرت علی المرتضیٰؓ نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اس کو اوپر اٹھایا اور فرمایا ایھا المصحف حدث، ایھا المصحف حدث یعنی اے قرآن بول، یعنی اے قرآن بول، بار بار یہی فرمایا پھر کچھ دیر خاموش رہ کر خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھ لیا کہ قران میرے کہنے سے بھی نہیں بولا، گویا اس تدبیر سے انھوں نے بتلایا کہ قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے ہیں وہ کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں اس کی پیروی کی جائے، کتاب وسنت بولتے ہوئے انسان تو نہیں ہیں کہ ہم ان سے کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔ اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا احمقو! جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کو اور دین کو حاصل کیا کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن اور دین کو جاننے والے ہو؟ پھر آپؓ نے ان کے خیالات وشبہات کا تفصیلی رد کیا۔

## ہمارے زمانے کے نئے فرقوں کی ذہنیت:

مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں: اس واقعہ سے مجھے صرف یہ بتلانا تھا کہ ہمارے اس زمانے کے جو لوگ اور جو نئے فرقے اتباع سلف کے اصول کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب وسنت کو مانتے ہیں دراصل ان کی ذہنیت بالکل وہی ہے جو ان خوارج کی تھی اور وہ لوگوں کو سلف کے اتباع سے توڑ کر اپنے متبعین میں داخل

کرنا چاہتے ہیں، اور جو سادہ لوح اس کی بات مانتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہو کر خود انکے متبع اور مقتدی بن جاتے ہیں اور اسی سے امت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال دین کے بارے میں سلف صالحین پر اعتماد اور ان کا مکمل اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں تمام مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت ہے۔ (دین وشریعت ص ۱۳۶)

# ”فرق اسلامیہ کی اجمالی تاریخ“

سب سے پہلے جس آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وہ تھا ذوالخویصرہ حرقوص بن زہیر تمیمی اور اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے اس کی نسل سے پیدا ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور ہوا بھی ایسے ہی اس لئے کہ صفین میں تو وہ حضرت علی کے ساتھ مل کر شریک قتال رہا، مگر بعد میں اس نے خروج کیا اور خوارج میں حضرت علی کے ساتھ دشمنی میں بڑا سخت تھا پھر ۳۷ھ میں مسلمانوں کے خلاف لڑتا ہوا قتل کر دیا گیا یہ سب سے پہلا مسلمان ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف (العیاذ باللہ) عدم مساوات اور ناانصافی کا الزام لگایا۔

پھر اس کے بعد صحابہ کے درمیان اختلافات ہوئے، مگر وہ اجتہادی اختلافات تھے جیسے بعض صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کی وجہ سے آپ کی وفات کو برداشت نہ کر سکے اور یہ سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت نہیں کر گئے پھر حضرت ابوبکر نے سمجھایا تو سمجھ گئے اور اختلاف ختم ہو گیا۔

پھر موضع دفن میں اختلاف ہوا کسی نے کہا کہ مدینہ میں کسی نے کہا مکہ میں اور کسی نے کہا بیت المقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے تو پھر حضرت ابو بکر نے حدیث سنائی اور اختلاف ختم ہو گیا۔

پھر خلافت وامامت میں اختلاف ہو گیا کسی نے خلیفہ انصار میں سے ہو کسی نے کہا قریش میں سے ہونا چاہئے کسی نے کہا قریش کے علاوہ میں سے ہونا چاہئے پھر جب روایت ”الأئمة من قريش“ صحابہ کو پہونچی تو حضرت ابو بکر کی خلافت پر اختلاف ختم ہو گیا۔

پھر اختلاف فدک کے سلسلے میں ہوا تو یہاں بھی حضرت ابو بکر نے روایت بیان کیا: ان الأنبياء لا يورثون تو اختلاف ختم ہو گیا۔

پھر وجوب زکوۃ منکرین کے سلسلے میں اختلاف ہوا تو حضرت ابو بکر کے فیصلے پر اختلاف ختم ہو گیا۔ اللہ رب العزت بے حساب رحمتیں نازل فرمائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لحد پر خاصۃً اور تمام صحابہ کی لحدوں پر عامۃً۔

کیوں کہ تمام ابتدائی اختلاف کو آپ رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام کی روشنی میں حل کیا اسی لیے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں فرمایا کرتے تھے کہ ”ردة و لا ابابكر لها“ اور صحابہ بھی عجیب مطیع اور فرمانبردار تھے کہ جہاں کہہ دیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں یہ ارشاد ہے بس بات ختم فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔ ارے لے آوے کوئی ہمارے صحابہ جیسے جاں نثار اور اطاعت گذار لوگ قسم بخدا کوئی جماعت ایسی نہیں مل سکتی۔ اللہ شکر ہے تیرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسے افضل ترین رسول کا تو نے ہمیں امتی بنایا اور صحابہ کرام جیسے قائدین اور پیشوا تو نے ہمارے لیے منتخب کیے کہ ہم تیرا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

بہر حال صحابہ کا اختلاف اجتہاد کا تھا اعتقاد کا نہ تھا، لہٰذا وہ یہاں موضوع بحث نہیں بل کہ موضوعِ بحث اختلاف اعتقادی ہے لہٰذا اب ہم بالترتیب اجمالاً اس کو بیان کرتے جا رہے ہیں:

امت اختلاف اعتقادی کے اسباب ظاہری میں ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مظلومانہ شہید کئے جاتے وقت باغیوں کی دی جانے والی بددعا کہ دیکھو تم بغاوت سے باز آجاؤ ورنہ ایسے اختلاف سے دوچار ہوگے جو قیامت تک ختم نہ ہوگا، اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی چودہ سو سال میں بے شمار فرق ضالہ وجود میں آئے اور اب تو کثرت سے آتے چلے جا رہے ہیں اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اور موت تک اہل سنت والجماعۃ کے مسلک پر باقی رکھے۔ آمین

اسلام میں اختلاف وانتشار کی کوشش تو ویسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے کی جا رہی تھی لیکن اعداء اسلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کامیاب نہ ہو سکے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں مکار یہود و نصاریٰ اور مشرکین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انہوں پورے عزم واستقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور دو سال کے قلیل عرصہ میں تمام فتنوں کو کچل کر رکھ دیا اور الحمد للہ مسلمان داخلی فتنوں سے محفوظ ہوئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد زریں آیا تو آپ نے خارجی پالیسی اور داخلی پالیسی دونوں پر گہری نگاہ رکھ کر بہت ہی سوجھ بوجھ کر فیصلے کئے اور اسلام آپ کے عہد میں جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے مختلف خطوں میں پورے آب وتاب کے ساتھ پھیل گیا اور ویسے بھی آپ جلالی تھے ہی کسی کی مجال تھی جو کھلم کھلا مخالفت پر اتر آوے بہر حال عبد اللہ ابن سباء جس کے سر پر اسلامی اختلاف کی ابتداء کا سہرا باندھا جاتا ہے مکاری سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور مدینہ وغیرہ میں شورش برپا کرنے کی کوشش دبے دبے انداز میں کرنے لگا مگر کامیاب نہ ہو سکا تو یہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری دور تھا پھر آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کی محنت اور سمجھ داری سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ثالث منتخب ہوئے اور الحمد للہ آپؓ بھی دعوت اسلام کے مشن کو پوری امانتداری اور تندہی کے ساتھ اتحاد سے نبھاتے رہے

یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں بے شمار فتوحات ہوئی مگر کچھ عیاروں اور مکاروں نے آپ رضی اللہ عنہ پر غلط اور بے جا اعتراضات کنبہ پروری اور اعزہ نوازی کے الزام عائد کردیئے (العیاذ باللہ) اور اس میں سب سے اہم کردار عبداللہ ابن سباء کا رہا جو اولاً مدینہ سے شام کی طرف گیا اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکایا مگر اہلِ شام نے اسے نکال دیا پھر وہاں سے مصر پہنچا اور جب تفضیل علی سے وصی رسول اس ناپاک مہم کا آغاز کیا، مصر میں وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگیا اور پھر یہی محنت کوفہ اور بصرہ میں کی وہاں بھی کامیاب ہوگیا اور اس طرح ایک محاذ کھڑا کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا اس موقعہ پر عبداللہ ابن سباء کے چیلوں اور ان کی بات میں آجانے والوں نے مدینہ کا رخ کیا اور حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ورغلانا چاہا مگر کوئی ان کے جال میں نہ آسکا اور اپنوں نے کسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا، انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اور بس کیا تھا یہیں سے رافضیت کی بنیاد پڑ گئی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی جب آپ کو عبد اللہ ابن سبا کی حرکتوں کا علم ہوا تو آپ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس کو ملک بدر کردو تو اسے ملک بدر کردیا گیا پھر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کردیا گیا تو اسے اور موقعہ ملا اور اس طرح رافضیت اسلام میں پیدا ہونے والا سب سے بڑا فرقہ تھا گویا اس کی بنیاد تیسرے دہائی یعنی ۲۰ سے ۳۰ ہجری کے درمیان ہی ہوگئی اور ۳۰ سے ۴۰ کے درمیان اس میں شدت پیدا ہوئی اور پھر اس کی شدت بڑھتی ہی رہی جو اب تک جاری ہے یہاں اس کا تفصیلی ذکر تو نہیں مگر اجمالاً چند سطروں میں ہم اس کی تاریخ کو فی الحال سمیٹنے کی کوشش کریں گے بقیہ تفصیل انشاء اللہ آئندہ کسی خصوصی شمارے میں ذکر کریں گے جو فرقِ باطلہ قدیمہ پر مشتمل ہوگا۔

ویسے تو شیعہ کے بے شمار فرقے ہوئے مگر ہم یہاں اجمالاً چند اہم اور بڑے فرقوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے وہ یہ ہیں۔ (مستفاد از: امداد الباری، الملل والنحل، الفرق بین الفرق، تاریخ طبری)

## (۱) سبائیہ:

اس فرقہ کا بانی عبداللہ ابن سباء ہے جو ایک سیاہ باندی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اسی سے اس کو ابن سودہ بھی کہا جاتا تھا یہی سب سے پہلا حب علی وآل بیت کا ڈھونگ رچنے والا ہے ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اصل یہودی تھا اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسلمان ہونا ظاہر کیا حقیقت میں یہودی ہی تھا صاحب الفرق بین الفرق امام عبدالقادر بغدادیؒ کی تحقیق کے مطابق وہ اصل باشندہ حیرہ کا تھا جو ملک عراق میں واقع ہے اور امام طبریؒ کی تحقیق کے مطابق یمن کے شہر صنعاء کا تھا اور ابن کثیرؒ کے مطابق روسی الاصل تھا۔

## عقائد:

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید نہیں کئے گئے بلکہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

(۲) بجلی کی آواز جو ہوتی ہے اس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہوتی ہے اور چمک جو ہوتی ہے اس کے ساتھ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تبسم۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔

(۴) ائمہ، انبیاء کی معصوم اولاد کے لیے زمین سے گھی اور شہد کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِلٰہ تھے اللہ ان میں حلول کر گیا تھا۔

## (۲) کیسانیہ مختاریہ:

یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منظر عام پر آیا اس کا بانی بعض کی تحقیق کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام تھا جس کا نام کیسان تھا اور بعض کے مطابق ابن الحنفیہ کے مطابق کا شاگرد تھا پھر جب مختار ابن ابی عبید ثقفی جس کی ولادت طائف میں سن ۱ ہجری میں ہوئی بڑا ذہین و فطین تھا مگر دھوکہ باز اور حکومت کا لالچی تھا اسی لیے اس نے محبت آل بیت کا اور حب علی کا ڈھونگ رچا اور وہ بھی کیسانیہ مختاریہ میں ضم ہوگئے۔

مذکورہ عقائد کے علاوہ ان کے عقائد میں چند چیزیں اور ہیں۔

بعض مختاری کیائی کہتے ہیں کہ محمد ابن حنفیہ کو موت واقع نہیں ہوئے اور دوبارہ آنے والے ہیں ان کے پاس دو چشمے جاری ہیں ایک شہد کا اور دوسرا پانی کا ان کے دائیں شیر اور بائیں چیتا ہے جو ان کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں اور وہی مہدی منتظر ہیں اللہ نے ان کو روک رکھا ہے جب اللہ اجازت دیں گے تو وہاں سے نکلیں گے اور حکومت کریں گے اور بعض نے کہا کہ وہ مر گئے دوبارہ زندہ ہو کر آئیں گے۔ (الفرق المعاصرۃ)

## (۳) زیدیہ:

یہ بھی شیعوں ہی کا ایک فرقہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر چوتھے امام علی زین العابدین بن حسین تک ان کا اور اثنا عشریہ کا اتفاق ہے پھر امام زین العابدین کے دو بیٹے ہوئے امام باقر اور امام زید شہید۔ اثنا عشریہ، امام باقر کو اپنا امام مانتے ہیں اور انہی کی اولاد میں امامت کو جاری رکھتے ہیں اور زیدیہ امام زید کو اپنا امام مانتے ہیں اور انہی کی اولاد میں امامت کو موروثی سمجھتے ہیں۔

اس فرقہ زیدیہ کے بارے میں علمائے سلف وخلف کا مکمل رجحان یہ ہے کہ یہی فرقہ شیعوں میں اہل سنت والجماعت سے زیادہ قریب ہے، زید ابن زین العابدین کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بذات خود شیعہ نہیں تھے بلکہ اہل سنت والجماعت ہی میں تھے، مگر ان کے بعد لوگوں نے عقائد گھڑ دیئے اور

انہی کی طرف منسوب کر دیا، اور اس طرح مستقل ایک فرقہ وجود میں آ گیا۔ تقریب التہذیب میں حافظ ابی حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقۃ من الرابعۃ کہا ہے یعنی معتمد اور تابعی میں چوتھے درجے کے آدمی ہیں۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے ہشام ابن ملک کے زمانے میں ان کے دعویٰ خلافت پر ان کی تائید کی تھی۔ ان کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی۔

## عقائد:

(۱) تفضیل علی بدون تحقیر صحابة

(۲) امامت صرف اولادِ حسین میں منحصر نہیں بلکہ امام کا فاطمی ہونا کافی ہے۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا۔

(۴) ایک وقت میں دو مختلف علاقوں میں دو امام ہو سکتے ہیں۔

(۵) امامت کے لیے دعوت اور خروج ضروری۔

(۶) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔

(۷) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت مصلحۃً صحیح تھی۔

(۸) ائمہ معصوم نہیں۔ بل کہ عام لوگوں کی طرح ہیں۔

(۹) مہدیٔ منتظر یا غائب مکتوم کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۱۰) گناہ کبیرہ والا ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ بل کہ بین المنزلتین ہوگا۔

(۱۱) قضاء وقدر پر ایمان ضروری ہے۔

(۱۲) البداء، یعنی اللہ پر نسیان طاری ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۳) رجعت کے بھی قائل نہیں ہیں۔

(امداد الباری: ج/۴، وفرق معاصرہ: ج/۱)

نوٹ: فتنۂ خمینیت کے تحت اثناعشریہ اور رافضیہ کی تفصیل انشاءاللہ آجائے گی۔

## فرقۂ خوارج:

۳۶ھ مطابق ۶۵۶ عیسوی میں جنگ جمل اور ۳۷ھ میں مطابق ۶۵۷ عیسوی میں جنگ صفین کے بعد ہی فرقۂ خوارج وجود میں آیا، یہ جنگیں حضرت علیؓ کے زمانہ میں باہم لڑی گئی تھیں انہیں جنگوں سے منفی نتیجہ نکال کر یہ فرقۂ خوارج وجود میں آیا جن کا عقیدہ تھا کہ یہ دونوں حضراتؓ دشمنوں اور دوستوں دونوں سے عداوت رکھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ وغیرہ کو تو اس وجہ سے مبغوض جانتے تھے کہ انہوں نے امام برحق کے خلاف محاذ آرائی کی اور حضرت علیؓ سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے معاذ اللہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر انسانوں کو حاکم بنایا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ''ان الحکم لله'' اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے بارے میں یہ خیال تھا کہ: ''ان علیا و معاویه قد اشر کا فی حکم الله'' دونوں حضرات نے ان الحکم لله کی خلاف ورزی کی اور دونوں حکم بنانے پر رضامند ہو گئے جو سراسر شرک ہے۔

ان خوارج نے خوارج بصرہ کو بھی لکھا کہ مسلمانوں نے برخلاف کتاب اللہ کے دو آدمیوں کو ثالث مقرر کیا ہے اور وہ سب کافر ہو گئے انہوں نے جواب بھیجا کہ تمہاری رائے صحیح ہے ہم بھی بہت جلد تم سے آکر ملتے ہیں، جب یہ سب خوارج ''حرورا'' نامی مقام پر جمع ہو گئے تو ''عبداللہ بن وہب'' کے ہاتھ پر جو ان میں نہایت متقی تھا ان سب نے بیعت کی اور یہ عہد باندھ لیا کہ جن لوگوں نے حکم الٰہی کے بر خلاف ثالث مقرر کئے ہیں ان سے جنگ کریں گے۔ حرورا مقام پر اولاً چار ہزار خوارج جمع ہوئے پھر ایک جماعت ان میں آکر اور مل گئی جس سے وہ بارہ ہزار آدمی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے مختلف طرق سے سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے رجوع الی الحق نہیں کیا اور ''نہروان'' کو چلے گئے جو بغداد اور واسطہ کے درمیان میں دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے ان کو راستے میں جو مسلمان ملتا اسے مار ڈالتے اور مال و اسباب لوٹ لیتے نہروان میں حضرت علیؓ کی طرف سے عبداللہ بن جناب حکمران تھا اسے بھی قتل کر ڈالا (امداد الباری: ص ۱۴۲، ج ۴)

''الفروق والمذاہب فی الاسلام: ص ۳۱۰'' پر لکھا ہے جس کو علامہ عبدالجبار اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الباری ص/۴ میں نقل فرمایا ہے کہ ''حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے جنگ کے لئے ملک شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے کہ آپ کو یہ خبر پہونچی کہ خوارج ملک میں فساد کرتے ہیں اور مسلمانوں کو جہاں پاتے ہیں مار ڈالتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ شام کو چلے جائیں گے تو ہم کوفہ کو لوٹ لیں گے اور اہل کوفہ کو مار ڈالیں گے۔ آپ نے شام کا ارادہ ملتوی کر دیا خوارج کا تعاقب کیا اور نہروان پہونچ کر خوارج کو بہت کچھ سمجھایا تو آٹھ ہزار مان گئے اور توبہ کر کے حضرت علیؓ کی اطاعت قبول کر لی، مگر چار ہزار نے نہ مانا، ان کے سردار عبداللہ بن وہب اور حرقوص بن زبیر معروف بہ ''ذو الثدیہ'' تھے، امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ان سے مقابلہ کیا۔

تاریخ عاصم کوفی اور مروج الذہب میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں نو آدمی مارے گئے اور خوارج تمام کام آئے، صرف دس زندہ بچے، اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن وہب کے ساتھ ایک ہزار آٹھ سو خوارج رہ گئے تھے جو سب مارے گئے۔

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کی طرف سے صرف سات آدمی قتل کیے گئے (حاشیہ کتاب مذکور)

البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۸۸ میں عبارت ہے ''قالوا ولم يقتل من اصحاب علی الا سبعة''

''الملل والنحل للشہرستانی: ۱/ ۶۷'' پر فقاتلهم علی رضی الله عنه با لنهر وان مقاتلة شديد ة فما انفلت منهم الا اقل من عشرة وما قتل من المسلمين الا اقل من عشــرة فانه انهزم اثنان منهم الی عمان

،واثنان الی کر مان، واثنان الی سجستان ،واثنان الی الجزیرة ،وأحد الی تل مورون بالیمن ،وظهرت بدع الخوارج فی هذه المواضع منهم وبقیت الی الیوم''

**خوارج کے متعلق مرفوع حدیث:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: ''تمرق مارقة عند فرقة من المسلمین تقتلهم اولی الطائفتین بالحق'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۸)

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، بزار، ابویعلی، مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے، اسی طرح آٹھ طرق سے یہ حدیث مروی ہے۔

**آج کے خوارج:** ''الفروق: ص/۳۱۰'' پر ہے کہ ''بعضے کہتے ہیں کہ چار ہزار خوارج میں سے صرف نو آدمی زندہ بچے، باقی کل مارے گئے، ان نو میں سے دو خراسان جا کر ''سجستان'' میں آباد ہوئے، اور دو یمن کو چلے گئے، اور دو عمان میں جا بسے، اور دو دریائے فرات کے کنارے مقام ''شن'' میں آباد ہوئے، اور ایک ''تل خاقان'' (مورون) میں آباد ہوا۔ اب سارے خوارج انہیں نو آدمیوں کی اولاد میں سے ہیں۔ (کذا فی الفروق: ص/۳۱۰) مستفاد امداد الباری: ص/۱۴۵، ج/۴

**خوارج کی بنیادی غلطی:** خوارج کی بنیادی غلطیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) خوارج مجمل اور مبہم آیات کو لے لیتے ہیں جیسے: ان الحکم .......

(۲) کفار و مشرکین کے متعلق آنے والی آیات کو گنہ گار مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

(۳) ان کا علم بڑا سطحی اور معمولی ہوتا ہے۔

(۴) ان خوارج کے اندر بے جا تشدد ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الباری: ج/۴، ۱۴۵)

**نتیجہ:** ظاہر ہے کہ جس فرقے میں بے جا تشدد ہو، مزاج کی سختی ہو، علم سطحی ہو، تو مفصل و مجمل آیات کو نہ جانے کہاں منطبق کر بیٹھے گا اور کفار و مشرکین سے متعلق آیات کو نہ جانے کہاں کہاں چسپاں کرتا پھرے گا، یہی حال خوارج کا ہوا۔ (مستفاد امداد الباری: ۴/۱۴۵)

## خوارج کے ساتھ رئیس المفسرین کا مناظرہ:

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق ایک دن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ذرا نماز تاخیر سے پڑھیں میں خوارج کے مجمع میں جا کر کچھ مناظرانہ گفتگو کر آؤں۔

چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کی مجلس میں گئے، ذرا صاف ستھرا عمدہ لباس پہنے تھے تو ان پر (خوارج کو) اعتراض ہوا کہ اتنا عمدہ لباس پہننے کی اسلام میں کہاں اجازت ہے؟ حضرت ابن عباسؓ بولے: قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده الخ.

پھر خوارج نے پوچھا: آپ کے آنے کا سبب؟

ابن عباسؓ نے فرمایا: میں حضرت علیؓ کے پاس سے آیا ہوں اور ان کا پیغام تم تک پہونچانا چاہتا ہوں۔ تو خوارج میں سے کچھ بولے ان سے بات نہ کرو۔ کیوں کہ یہ قریشی ہیں، بل هم قوم خصمون۔

کچھ دوسرے خوارج بولے: ہم تو ضرور بات کریں گے۔ چنانچہ دو چار آگے بڑھے اور گفتگو شروع ہوئی۔

خوارج : ہم کو حضرت علیؓ پر تین اعتراضات ہیں۔

ابن عباسؓ : کیا کیا؟

خوارج : (۱) انسانوں کو حکم انہوں نے کیوں بنایا؟

(۲) حضرت عائشہؓ سے علیؓ نے جنگ کی تو پھر کسی کو قید کیوں نہ کیا؟

(۳) حضرت علیؓ نے اپنا نام لکھا تو امیر المؤمنین کیوں ہٹا دیا؟

ابن عباسؓ : قرآن میں ارشاد ہے: حکما ....من ....اهله .... یہ پہلی بات کا جواب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: و ازواجه.........

اگر کسی کو مثلاً عائشہ رضی اللہ عنہ کو قید کرتے تو وہ مسلمانوں کی ماں ہیں، کیا ماں کو قید کیا جائے گا اور اسیروں جیسا معاملہ کیا جائے گا! یہ دوسری بات کا جواب ہے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب صلح حدیبیہ میں صلح نامہ لکھ رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی صلح نامہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا لفظ کاٹ دیا تھا۔ اس پر خوارج چپ ہو گئے اور مجلس مناظرہ برخاست ہو گئی۔ (مستفاد: امداد الباری: ص ۱۴۶، ج ۴)

## خوارج کے عقائد باطلہ:

۱۔ خوارج کے نزدیک: (۱) تصدیق (۲) اقرار (۳) عمل۔
تینوں ایمان کے حقیقی حصے ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ رہا تو مسلمان کافر ہو جائے گا۔

۲۔ گناہ کبیرہ کرنے والا کافر ہے۔

۳۔ خوارج حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ کبار صحابہ کرام کو کافر سمجھتے ہیں۔

۴۔ مشہور ہے کہ خوارج اور حروریہ دونوں ایک ہی فرقے کے نام ہیں۔

۵۔ بعض کے نزدیک حروریہ اور خوارج الگ الگ ہیں، حروریہ کا کہنا ہے کہ مرتکب کبیرہ منافق ہے، جہنم میں ''درک اسفل میں'' یعنی ''ہاویہ'' اس کا مسکن ہے۔

۶۔ خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے ہونا چاہیے۔

۷۔ خلافت کسی عرب خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

۸۔ نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی کہتے ہیں حکم کے انکار سے خوارج کی مراد یہ

تھی کہ ہم صرف قرآنی باتیں مانیں گے حدیث نہیں۔

۹۔ خارجی مذہب کی اساس مسئلۂ تحکم سے انکار ہے۔

۱۰۔ نواصبہ وخوارج الگ الگ فرقہ ہے دونوں کے عقائد جداگانہ ہیں۔

## خوارج کے فرقے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۱)المحکمہ | (۲)البہیسیہ | (۳)الازارقہ | (۴)النجدات |
| (۵)الصفریہ | (۶)الاباضیہ | (۷)الحفصیہ | (۸)الیزیدیہ |
| (۹)حارثیہ | (۱۰)الرابعہ | (۱۱)العجارد | (۱۲)میمونیہ |
| (۱۳)حمزیہ | (۱۴)شعیبیہ | (۱۵)حازمیہ | (۱۶)قدریہ |
| (۱۷)اطرافیہ | (۱۸)معلومیہ | (۱۹)مجہولیہ | (۲۰)ثعالبیہ |
| (۲۱)اخنسیہ | (۲۲)معبدیہ | (۲۳)الشیبانیہ | (۲۴)مکرمیہ |

(امدادالباری:۴/۱۵۱، تذییل شرح العقائد:ص/۱۶۳)

## خوارج فرقوں کے بانی اوران کے عقائد:

(۱)محکمہ بانی:

عقیدہ: حضرت عثمان اور اکثر صحابہ کی تکفیر، گناہ کبیرہ کرنے والوں کی تکفیر۔

(۲)بہیسیہ بانی: بہیس بن الہصیم بن جابر۔

عقیدہ: قدریہ کی طرح بندوں کے افعال کی تخلیق کی نسبت بندوں ہی کی طرف کرتے ہیں یعنی بندوں کو اپنے افعال کا اور اعمال کا خالق مانتے ہیں۔

جو حرام وحلال کو نہ جانے وہ کافر ہے۔

(۳)ازارقہ بانی: نافع بن ازرق۔

عقیدہ: ان کے عقیدہ میں حضرت علی اور حضرت عثمان، حضرت فاطمہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سب کافر ہیں۔ زانی پر رجم کی سزا قرآن میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے نافذ نہ ہوگی۔ عورتوں پر حد قذف نہیں۔ مرتکب کبیرہ کافر ہے۔

(۴)نجدات بانی: نجد بن عامر نخعی۔

عقیدہ: ازارقہ کی طرح یہ بھی مذکورہ صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔

دیگر عقائد میں ازارقہ کے ساتھ نہیں ہیں۔

(۵)صفریہ بانی: زیاد بن الاصفر۔

عقیدہ: ایسا گناہ جس میں شرعی حد نہ ہو اس کا کرنے والا کافر ہے، مثلاً نماز ترک کرنا، روزہ ترک کرنا۔

(۶)اباضیہ بانی: عبداللہ بن اباض۔

عقیدہ: حضرت علی اور اکثر صحابہ ان کے نزدیک کافر ہیں

(۷)حفصیہ بانی: ابوحفص بن ابی مقدام۔

عقیدہ:

(۸)یزیدیہ بانی: یزید بن انیسہ۔

عقیدہ: عجم میں ایک صاحب کتاب نبی اترے گا۔ اور وہ شریعت محمدی کو نہیں مانے گا۔

(۹)حارثیہ بانی: ابوالحارث۔

(۱۰)عجاردہ بانی:

(۱۱)میمونیہ بانی: میمون بن عمران

عقیدہ: سورۂ یوسف کا انکار کرتے ہیں، پوتوں اور نواسیوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔

(۱۲)حمزیہ: بانی: حمزہ بن اورک۔

(۱۳)شعیبیہ: بانی: شعیب بن محمد۔

(۱۴)حازمیہ: بانی: حازم بن عاصم۔

(۱۵)اطرافیہ: بانی: غالب بحستانی۔

(۱۶)معلومیہ بانی:

(۱۷)مجہولیہ بانی:

(۱۸)ثعالبیہ بانی: ثعلب بن عامر۔

(۱۹)اخنسیہ بانی: اخنس بن قیس۔

(۲۰)معبدیہ بانی: معبد بن عبدالرحمان۔

(۲۱)شیبانیہ بانی: شیبان بن مسلمہ۔

(۲۲)مکرمیہ بانی: مکرم عجلی۔

# تحریکات

دارالعلوم دیوبند
تحفظ واحیاءِ دین کی ایک عظیم تحریک
دارالعلوم دیوبند
ایک مکتبِ فکر - ایک تحریک
شیخ محمد بن عبدالوہاب اور سلفیت کی دعوت
علماء اہلِ سنت دیوبند اور فرقہ وہابیہ کے عقائد میں بیخ کنی
اخوان المسلمین

# دارالعلوم دیوبند

## تحفظ واحیاءِ دین کی ایک عظیم تحریک

از : مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوئی تو مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہوگئی، مایوسیوں نے گھیرلیا اور سوچا یہ جانے لگا کہ یہ قوم اب کبھی انگڑائی نہ لے سکے گی، لیکن اس علمی تحریک کی داغ بیل نے جس کی پہلی کڑی دارالعلوم دیوبند کا قیام تھا افراتفری کا شکار دکھی مسلمانوں کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کردیا اور نئے سرے سے ایک مرکزِ وحدت میسر آگیا۔

یہی مرکز وحدت ہے جو آج ایک سو سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اپنی اسی حیثیت میں موجود ہے اور ملت کی ہر نوع کی رہنمائی اس کے دم قدم سے ہے۔

۱۸۵۷ء سے پہلے بھی مختلف النوع فتنے اسلامی عقائد کے خلاف سامنے آچکے تھے۔ لیکن اس کے بعد جس طرح چاروں طرف سے تابڑ توڑ حملے شروع ہوئے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

تاتاریوں کا ظلم وستم بہت مشہور ہے۔ اور اندلس کا خونی ڈرامہ اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن آج تو مکروفریب کے ہر نوایجاد طریق سے متاعِ حیات لوٹی جارہی تھی اور عیسائی مشنریز کے ساتھ ساتھ آریہ سماج وغیرہ اور پھر بعد کے ادوار میں انکار ختم نبوت، انکارِ حدیث ومعجزاتِ نبوی ﷺ اور بدعات ورسومِ جاہلیت کا جو دور دورہ ہوا اس نے انتہائی خطرناک صورت حال پیدا کردی۔

ساتھ ہی تعلیم جدید، کے فتنہ کو شامل کرلیں۔ جس کا ظاہری عنوان تو دلفریب تھا لیکن فی الحقیقت لارڈ میکالے کی تعلیمی اسکیم کو خود نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں پروان چڑھانے کی ایک مکروہ سازش تھی۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جدید علوم وفنون وغیرہ کے متعلق علماء پر جوطعن وتشنیع کی بوچھاڑ کی جاتی ہے وہ سرتاپا غلط ہے۔ علماء تنگ نظر نہیں کہ وہ اس قسم کے کردار کا مظاہرہ کریں، انہوں نے تمام علوم وفنون کی اجازت دی جیسا کہ خود سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب ''اسبابِ بغاوت ہند'' میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے تسلیم کیا ہے، اور حضرت مولانا گنگوہیؒ اور علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے فتوے بھی موجود ہیں۔ البتہ علماء کو جس بات سے اختلاف تھا وہ یہ تھی کہ مذہب و دینیات سے الگ رہ کر جو تعلیمی ڈھونگ رچایا جائیگا اس کے برگ وبار انتہائی نقصان دہ ہوں گے، اور قوم اپنے مرکز سے دور ہوجائیگی۔

تعصب وہٹ دھرمی سے الگ تھلگ ہوکر اگر علماء کی اس بات کو دیکھا جائے تو آج وہ سوفیصد درست ثابت ہوگی۔

بہر حال بات ان فتنوں کی ہورہی تھی جو متاعِ ایمان واسلام کو مٹانے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ لیکن دیوبند اور اس کے فرزندوں نے جس طرح ایک ایک فتنہ کے سامنے بند باندھا وہ تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے جھٹلانا کسی کے بس میں نہیں۔

انگریزی مشنری، آریہ سماجی، مرزائی منکرین حدیث دشمنانِ صحابہ اور اہل بدعت کی تمام ترک تازیوں کے جواب میں قلمی اور لسانی جہاد اس تحریک کے خدام نے کیا۔ اور ہر ایک کو منہ کی کھانی پڑی۔ الحمدُ لِلّٰہ۔

بانئ دارالعلوم کے وہ مناظرے اور قلمی کاوشیں جو آریہ سماج کے خلاف ہوئیں ایک ریکارڈ ہے جسے تاریخ نے محفوظ کردیا ہے۔ عیسائیت کی بات آتی ہے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر آغا، مولانا ابوالمنصور وغیرہ کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

مرزائیت کے خلاف مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتویٰ ہے اس کے بعد حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا قلمی جہاد، پھر آپ نے اپنے شاگردوں مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا محمد یوسف بنوری کو تصنیفی میدان میں لگادیا۔

مجلس احرار اسلام جس کے وارث کے طور پر آج مجلس تحفظ ختم نبوت موجود ہے کو حضرت شاہ صاحب نے اس محاذ پر کھڑا کیا۔ پھر مجلس کے خدام نے جن میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد حیات فاتح قادیان وغیرہ شامل ہیں، نے اس محاذ پر جو کام کیا وہ تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ہو یا ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت اسی مادر علمی کے فرزندوں نے ان میں ہراول دستے کی حیثیت سے کام کیا۔ آج مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے امیر مولانا محمد یوسف بنوری کی قیادت میں مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر ساری دنیا کو اکٹھا کرکے تحریک منظم کی۔ اسمبلی کے باہر حالات پر کنٹرول کیا تو یہ انہی مرحوم بزرگوں کی قربانیوں کا ثمرہ تھا اور اسمبلی کے اندر مجھ جیسے ناچیز سے جو کام ہوا وہ بھی اللہ کے بے پایاں فضل اور اپنے اسلاف کی توجہات کی برکت سے تھا۔

علاوہ ازیں مجلس کا بیرون ملک یورپ، افریقہ، مشرق وسطیٰ، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات پر مرزائیت کا تعاقب جاری ہے اور الحمد اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج

سامنے آرہے ہیں۔

اس مرحلہ پر یہ گذارش بھی ضروری ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے مرزائیت کے خلاف جو آواز بلند کی تو وہ بھی حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کی نظر کرم کا صدقہ تھی۔ اور ۳۵ء کے مقدمہ بھاولپور میں اہل اسلام کو مرزائیوں کے مقابلے میں کامیابی بھی محدث کشمیری کی جدوجہد سے ہوئی۔ منکرین حدیث و معجزات کا فتنہ ہے تو سرسید سے لے کر غلام احمد پرویز تک ایک ایک علمبردار فتنہ کو اپنی موت آپ سلانے والے بھی اکابر ہیں۔ دیال سنگھ کالج کے جلسہ میں قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی پرویزیت کے قلعے پر بمباری اور پھر تمام اکابرین کا متفقہ فتویٰ کہ پرویز کافر ہے کل کی بات ہے۔

ملک کے ایک معقول حصے میں سبائیت کے اثرات کا قلع قمع کرنا اور لکھنؤ میں حق صحابہ کو منوانا مجلس صحابہ کو منوانا مجلس احرار کی قربانی کا نتیجہ ہے۔ جو اس شجرۂ طیبہ کی ایک ٹہنی تھی اور آج بھی اس میدان میں جو افراد اور جماعتیں سرگرم عمل ہیں اور سبائیت کے اثرات سے ملت کو بچانے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں وہ بھی حضرت نانوتویؒ اور دوسرے اکابرین دیوبند کی معنوی اولاد ہیں۔

اہل بدع وہواء جو ایک طرف بدعات ورسوماتِ جاہلیت کی وجہ سے اسلام کے چشمہ صافی کو گدلا کر رہے تھے تو دوسری طرف ''**اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام**'' جیسی کتابیں لکھ کر اور انگریزی فوج میں شامل فوجیوں کو ترکوں کے مقابلہ میں تعویذ دے کر ملت سے غداری کر رہے تھے، کا مقابلہ کیا۔ اور اب تک کیا جارہا ہے۔ جدید تعلیم کے نام پر جو تحریک چلائی گئی اور جس کیلئے ملک بھر کے وزیروں نے دورے کئے اور انجمن ہائے اسلامیہ قائم کیں، یا دوسرے ناموں سے انجمنیں قائم کیں ان کے مضر اور منفی اثرات سے خلق خدا کو آگاہ کیا او دینی علوم کی اشاعت عقائدِ اسلامیہ کے تحفظ کیلئے وسیع پیمانے پر مدارس قائم کئے جن میں ابتدائی، وسطانی اور فوقانی ہر درجے کے مدارس بنائے اور خلق خدا کو فیض یاب کیا۔ ان مدارس کی خوبی یہ تھی کہ سرکاری اثرات سے آزاد رکھ کر محض غریب عوام کے مخلصانہ چندوں سے ان مدارس کو چلایا گیا اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچا کر انہیں علم کی روشنی سے منور کیا گیا۔ اور اب تک کیا جارہا ہے۔ اس وقت صرف پاکستان میں ہزاروں چھوٹے بڑے مدارس ہیں جو دین کی خدمت میں مشغول ہیں (۱) اسکے علاوہ دیوبند نے جو سب سے بڑا کام کیا ہے وہ غیر ملکی سامراج کا خاتمہ اور ملک کا آزاد کرنا۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض چکے ہیں کہ جب سے انگریز نے ملک میں قدم رکھا اس وقت سے جو حضرات اور طبقہ انگریز کے خلاف سرگرم عمل تھا وہ یہی طبقہ تھا اور اسی طبقہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ جس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ سرفہرست ہیں۔ حضرت نانوتویؒ مدرسہ کے بانی، حضرت گنگوہیؒ سرپرست تھے اور ان کے محبوب ترین شاگرد حضرت شیخ الہند قدس سرہ تھے جو دیوبند کے پہلے طالب علم تھے۔ حضرت شیخ الہند نے فراغت علم کے بعد مدرسہ میں تدریس اختیار کرلی۔ اور ابتداء میں جب آپ مدرس ہوئے تو آپ کی حیثیت یہ تھی کہ مدرس چہارم تھے۔ اور بڑھتے بڑھتے سلسلہ وہاں تک پہنچا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ قدس سرہ کے بعد مدرس اول ہوگئے۔ آپ کا طویل دور تدریس امتیازی شان کا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں حضرت امامنا الہمام امام ابو حنیفہؒ کی طرح شاگرد ملے اور پھر آپ کی فہرست دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت مدنیؒ، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا مفتی احمد علی لاہوریؒ، مولانا منصور انصاریؒ، مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ، مولانا فضل ربی افغانستانیؒ، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا رسول خانصاحبؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، میاں اصغر حسین صاحب، مولانا محمد صادق کراچویؒ، مولانا عزیر گلؒ جیسی نادر روزگار شخصیتیں آپ کو نظر آئیں گی اور یہ فہرست اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں۔

خدام میں چند بزرگ جو میدان رزم میں سامنے نہیں آئے لیکن انہوں نے اور دوسرے اعتبارات سے جو خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً ہزار کتابوں سے زائد کے مصنف حضرت تھانوی قرآن کے مفسر اور حدیث کے شارح مولانا عثمانی امام المعقولین مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا رسول خاں صاحب وغیرہ باقی اکثر حضرت کے مشن کے مطابق میدان رزم میں آئے اور شیخ کی ہدایات کے مطابق خوب کام کیا۔ ان حضرات کو حضرت نے جہاں اور جس ڈیوٹی پر متعین کیا انہوں نے وہاں کام کرنا سعادت سمجھا۔ مولانا مدنی قدس سرہ جو حدیث کے بہترین اسکالر اور مجاہد انسان تھے حضرت کے مشن کیلئے ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ میں مقیم رہے۔ جیسا کہ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر کے مضمون کے مطابق علامہ سید انور شاہ کشمیری کے سوال کے جواب میں حضرت کا ارشاد موجود ہے۔ ہدایت کردی جائے کہ وہ اپنی قوم کے نظام اور اپنی حکومت کے آئین کو برہم نہ کریں۔ جسطرح ہندوستان میں دیوبندی جماعت مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کے ساتھ بالاضطرار منازعت میں مبتلا ہوگئی ہے، کوشش کی جائے کہ یہ جھگڑے دریائے سندھ سے اُدھر نہ پھیلنے پائیں۔

نیز مدرسہ دیوبند کیلئے ضروری ہے کہ مکہ معظّمہ کے مرکز کے توسط سے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ اپنے ربط زیادہ مستحکم کرتا رہے، نیز اضطراری حالات کو چھوڑ کر مدرسہ دیوبند کو چاہیے کہ حکومت انگریزی کے مصالح سے غیر جانبداری اختیار کرے۔

مدرسہ دیوبند کی تاریخ کا پہلا دور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات پر ۱۳۲۳ھ میں ختم ہوتا ہے، اس چہل سالہ دور کا سب سے بڑا کارنامہ علمی تحریک کی توسیع اور مرکزی فکر کی حفاظت ہے۔ اس عہد میں مدرسہ دیوبند کی علمی تحریک اطراف ہند سے نکل کر افغانستان وترکستان اور حجاز اور قازان تک پہنچ گئی۔ اس اثناء میں دیوبند کے مرکزی فکر پر جس قدر بھی حملے ہوئے خواہ وہ نصاریٰ اور ہنود کی طرف سے ہوں یا

شیعہ ومبتدعین کی طرف سے، یا نجدی ویمنی ذوق رکھنے والے نوجوانوں کی طرف سے ،ان میں اکثر اعتراضات کے جوابات محققانہ اور مجادلانہ تیار ہو گئے۔

یہ مدرسہ دیوبند کے پہلے دور کا کارنامہ ہے، مدرسہ دیوبند کا دوسرا دور ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی شیخ الہند کی صدارت سے شروع ہوا۔ اور ۱۳۳۹ھ میں ان کی وفات پر ختم ہوا، اگر امام عبدالعزیز کی وفات پر ۱۲۳۹ھ میں حزب ولی اللہ کا پہلا دور ختم کر دیا جائے اور امام ولی اللہ کے کام کی ابتداء ۱۱۴۴ھ سے پانچ سال پہلے جب کہ انھوں نے ترجمہ قرآن لکھنا شروع کیا تھا مان لیا جائے تو حزب ولی اللہ کا پہلا دور بھی سو سال کا بن جاتا ہے۔ اور دوسرا دور بھی پورے سو سال کا قرار پاتا ہے۔

مدرسہ دیوبند کے دوسرے دور میں سب سے پہلے مولانا شیخ الہندؒ نے مدرسہ کے پرانے فارغ شدہ عالموں کو جمعیت انصار میں جمع کرنا شروع کیا۔ اسطرح دیوبندی نظام کی تعلیم یافتہ جماعتوں کی ساری اجتماعی طاقت منظم ہوگئی اور اس نظام میں جس طرح ہندوستان کے علماء داخل ہوئے اسی طرح افغانستانی اور ترکستانی علماء بھی شامل ہو گئے۔ نیز درجہ تکمیل جواب تک غیر منظم صورت میں تھوڑے سے افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے قواعد وضوابط منضبط ہو گئے۔ اور مولانا شیخ الہند نے امام ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم کی کتابوں کو اس درجہ کی تعلیم کا لازمی عنصر قرار دیا۔ علاوہ ازیں مدرسہ دیوبند کو دارالعلوم کے درجہ تک پہنچایا گیا اور دارالحدیث کو اس کی مرکزی درسگاہ (کالج) قرار دیا گیا۔

## دارالعلوم نے مسلمانوں کو کیا دیا؟

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بظاہر ناکام ہونے والے شکستہ دل مسلمانوں کی دینی وقومی روایات کا تحفظ کیا۔ ولی اللّٰہی منہاج پر تعلیمات کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی، اسلام مخالف تحریکات کی سرکوبی کی، برصغیر اور دیگر براعظموں میں مساجد و مدارس کے ذریعہ قال اللہ و قال الرّسول کی صداؤں کو عام کیا۔ فرنگی سامراج کے ظالمانہ اقتدار کی جڑیں اکھاڑ کر ہندوستان کو آزاد کرایا، اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیئے گئے ناروا حملوں کا جواب دیا، تفسیر وحدیث، فقہ وکلام اور جملہ علوم وفنون کی عظیم الشان لائبریری تیار کی، عظمتِ صحابہ اور عزتِ اسلاف کا تحفظ کیا۔ منکرینِ ختم نبوت کا کامیاب تعاقب کیا، بدعات کی تاریکیوں میں سنت کی مشعلیں روشن کیں اور آئندہ کام کرنے کیلئے سیکڑوں مجاہد، عالم، مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، مؤرخ، مقرر، خطیب، طبیب، مناظر، صحافی، صوفیاء، قراء، حفاظ اور سیاست داں پیدا کیئے۔

### تعداد فضلائے دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ تا ۱۴۱۴ھ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ہندوستان | ۲۰۳۷۹ | مالدیپ | ۱ | فرانس | ۱ |
| پاکستان | ۱۵۲۴ | ترکستان | ۲۰ | فیجی | ۷ |
| بنگلہ دیش | ۲۱۵۴ | مصر | ۱ | لبنان | ۶ |
| افغانستان | ۱۱۸ | یمن | ۱ | تعداد | |
| نیپال | ۱۱۹ | انڈونیشیا | ۱ | بیرون ملک | ۵۰۷۸ |
| برما | ۱۶۰ | ملیشیا | ۵۱۸ | تعداد | |
| شری لنکا | ۱۹ | کمبوڈیا | ۱ | اندرون | ۲۰۳۷۹ |
| چین | ۴۴ | امریکہ | ۱۶ | ملک | |
| روس | ۷۰ | افریقہ | ۲۳۷ | کل تعداد | ۲۵۴۵۷ |
| ایران | ۱۱ | برطانیہ | ۲۱ | تعداد | |
| عراق | ۲ | سوڈان | ۶ | مستفیدین | ۵۱۹۲۵ |
| کویت | ۲ | ویسٹ انڈیز | ۴ | | |
| سعودی عرب | ۲ | تھائی لینڈ | ۸ | کل تعداد | ۷۷۳۸۲ |
| مسقط | ۱ | نیوزی لینڈ | ۲ | | |

## طبقات مشاہیر علمائے دیوبند

### محدثین:

۱) حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ
۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ
۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ
۴) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ
۵) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ
۶) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ
۷) حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ
۸) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ
۹) حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی رحمۃ اللہ
۱۰) حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ
۱۱) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ
۱۲) حضرت مولانا محمد اسحٰق امرتسری رحمۃ اللہ
۱۳) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ
۱۴) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ
۱۵) حضرت مولانا عبدالعزیز گجرانوالہ رحمۃ اللہ
۱۶) حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ

۱۷) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ

۱۸) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی رحمۃ اللہ

۱۹) حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ

۲۰) حضرت مولانا ماجد علی جون پوری رحمۃ اللہ

۲۱) حضرت مولانا عبدالغفار مئوی رحمۃ اللہ

۲۲) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ

۲۳) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ

۲۴) حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ

۲۵) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوری رحمۃ اللہ

۲۶) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ

## مفسرین:

۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ

۲) حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہوی رحمۃ اللہ

۳) حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ

۴) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ

۵) حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ

۶) حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ

۷) حضرت مولانا حسین علی پنجابی رحمۃ اللہ

۸) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ

۹) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ

۱۰) حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ

۱۱) حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ

۱۲) حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ

۱۳) حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہٗ

## متکلمین اسلام:

۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ

۲) حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری رحمۃ اللہ

۳) حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ

۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ

۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ

۶) حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ

۷) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

۸) حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ

۹) حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ

۱۰) حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ

۱۱) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ

## مصنفین و مؤرخین:

۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ

۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ

۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ

۴) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ

۵) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمۃ اللہ

۶) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی رحمۃ اللہ

۷) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ

۸) حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ

۹) حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ

۱۰) حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی رحمۃ اللہ

۱۱) حضرت مولانا قاضی زین العابدین رحمۃ اللہ

۱۲) مولانا نور الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ

۱۳) مولانا یعقوب الرحمٰن رحمۃ اللہ

۱۴) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ

۱۵) حضرت مولانا سرفراز احمد صفدر رحمۃ اللہ

۱۶) مولانا سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ

۱۷) مونالا قاضی محمد اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ

۱۸) مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

۱۹) مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ

۲۰) مولانا اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ

## فقہاء کرام:

۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ

۲) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ

۳) حضرت مولانا سعادت علی سہارنپوری رحمۃ اللہ

۴) حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ

۵) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ

۶) حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ
۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی رحمۃ اللہ
۸) حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری رحمۃ اللہ
۹) حضرت مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری رحمۃ اللہ
۱۰) حضرت مولانا مفتی محمد فاروق رحمۃ اللہ
۱۱) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ میرٹھی رحمۃ اللہ
۱۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوری رحمۃ اللہ
۱۳) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ
۱۴) حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی مدظلہ
۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد اسمٰعیل بسم اللہ سورتی رحمۃ اللہ
۱۶) حضرت مولانا مفتی احمد سعید اجراڑوی رحمۃ اللہ
۱۷) حضرت مولانا فقیر اللہ رائے پوری رحمۃ اللہ
۱۸) حضرت مولانا مفتی محمود سرحدی رحمۃ اللہ
۱۹) حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ
۲۰) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف آزاد کشمیری رحمۃ اللہ
۲۱) مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ
۲۲) مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ
۲۳) مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ
۲۴) مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی
۲۵) مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ
۲۶) مولانا مفتی منظور احمد مظاہری رحمۃ اللہ
۲۷) حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی مدظلہٗ
۲۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن عربی دہلی رحمۃ اللہ
۲۹) مولانا مفتی شبیر احمد مدرسہ شاہی مدظلہ
۳۰) حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام رحمۃ اللہ
۳۱) حضرت مولانا مفتی ابوزید باندہ

## اصحابِ تدریس:

۱) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ
۲) حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ
۳) حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ
۴) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی رحمۃ اللہ
۵) حضرت مولانا منفعت علی دیو بندی رحمۃ اللہ
۶) حضرت مولانا ابوعبدالعلی میرٹھی رحمۃ اللہ
۷) حضرت مولانا عبدالمؤمن دیو بندی رحمۃ اللہ
۸) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ
۹) حضرت مولانا غلام رسول خاں ہزارویؒ
۱۰) حضرت مولانا محمد صدیق انبیٹھویؒ
۱۱) حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ
۱۲) حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ
۱۳) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
۱۴) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ
۱۵) حضرت مولانا محمد صدیق کشمیریؒ
۱۶) حضرت مولانا محمد عبدالسمیع دیو بندیؒ
۱۷) حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ
۱۸) حضرت مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ
۱۹) حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ
۲۰) حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہیؒ
۲۱) حضرت مولانا محمد مراد پاک پٹنیؒ
۲۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ
۲۳) حضرت مولانا محمد رسول خاںؒ
۲۴) حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ
۲۵) حضرت مولانا حمید الدین فیض آبادیؒ
۲۶) حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ
۲۷) حضرت مولانا احمد حسن کان پوریؒ
۲۸) حضرت مولانا عبدالستار معروفیؒ
۲۹) حضرت مولانا بشیر احمد بلند شہریؒ
۳۰) حضرت مولانا معراج الحق دیو بندیؒ
۳۱) حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ
۳۲) حضرت مولانا شکر اللہ اعظمیؒ
۳۳) حضرت مولانا علی احمد اعظمیؒ
۳۴) حضرت مولانا عبدالصمد کوپا گنجیؒ

## مبلغین اسلام:

۱) حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ
۲) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن بجنوریؒ
۳) حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

۴) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
۵) حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوریؒ
۶) حضرت مولانا محمد ادریس سکروڈویؒ
۷) حضرت مولانا سید معظم علیؒ
۸) حضرت مولانا محمد قاسم شاہجہانپوریؒ
۹) حضرت مولانا عبدالجبار حصارویؒ
۱۰) حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
۱۱) حضرت مولانا سید ارشاد احمد فیض آبادیؒ
۱۲) حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
۱۳) حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ
۱۴) حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ
۱۵) حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ
۱۶) حضرت مولانا قاری محمد صدیقؒ
۱۷) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ
۱۸) حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی مدظلہ

## حضرات مشائخ:

۱) سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ
۲) قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۶) حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ
۷) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ
۸) حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ
۹) حضرت مولانا ضرغام الدین فیض آبادیؒ
۱۰) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۱) حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ
۱۲) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ
۱۴) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
۱۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ
۱۶) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
۱۷) حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ

۱۸) حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ
۱۹) حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
۲۰) حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ
۲۱) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ
۲۲) مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ
۲۳) مولانا قاری فخرالدین گیاویؒ
۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
۲۵) حضرت مولانا عبدالجبار معروفیؒ،
۲۶) حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ
۲۷) حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ
۲۸) حضرت مولانا قاری محمد صدیقؒ
۲۹) حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ
۳۰) حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہٗ
۳۱) حضرت مولانا احمد علی آسامی مدظلہ

## مجاہدین وقائدین ملت:

۱) امام العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۲) امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ
۳) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۴) حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ
۵) حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ
۶) مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ
۷) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ
۸) رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ
۹) حضرت مولانا محمد صادق کراچی سندھؒ
۱۰) حضرت مولانا سجاد حسین بہاریؒ
۱۱) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
۱۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ
۱۳) حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۱۴) حضرت مولانا مفتی محمودؒ سابق وزیر سرحد
۱۵) حضرت مولانا احتشام حسین تھانویؒ

## مناظرین اسلام:

۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۲) حضرت مولانا احمد حسن لاہوریؒ
۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
۴) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ
۵) حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوریؒ
۶) حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ
۷) حضرت مولانا سید ارشاد احمد فیض آبادیؒ
۸) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
۹) حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ
۱۰) حضرت مولانا نور محمد ٹانڈوی رحمۃ اللہ
۱۱) حضرت مولانا عبد اللطیف اعظمی رحمۃ اللہ
۱۲) حضرت مولانا عبد السلام فاروقی لکھنویؒ
۱۳) حضرت مولانا عبد الحلیمؒ
۱۴) حضرت مولانا قاضی محمد مظہر حسین مدظلہ
۱۵) حضرت مولانا عبد الستار تونسوی مدظلہ
۱۶) حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
۱۷) حضرت مولانا محمد حیات فاتح قادیانؒ
۱۸) حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ
۱۹) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی رحمۃ اللہ
۲۰) حضرت مولانا امام علی دانش لکھیم پوری مدظلہ

| | |
|---|---|
| ۱۲) مولانا حامد الانصاری غازی | مدینہ بجنور اور جمہوریت دہلی |
| ۱۳) مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ | البلاغ کراچی |
| ۱۴) مولانا سمیع الحق | الحق اکوڑہ خٹک |
| ۱۵) مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی | بینات، بنوری ٹاؤن کراچی |
| ۱۶) مولانا عبد العلی | البدر کاکوری |
| ۱۷) مولانا محمد صادق علی بستوی | نقوش حیات بستی |
| ۱۸) مولانا اسیر ادروی | ترجمان اسلام بنارس، سہ ماہی |
| ۱۹) مولانا اعجاز احمد اعظمی | المآثر مئو، سہ ماہی |
| ۲۰) مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری | ندائے شاہی مراد آباد |
| ۲۱) مولانا نور الحسن راشد | احوال وآثار مفتی الٰہی بخش اکاڈمی کاندھلہ |
| ۲۲) مولانا محمد ہاشم القاسمی | الفیصل حیدر آباد |
| ۲۳) مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی | بحث ونظر پٹنہ، سہ ماہی |
| ۲۴) مولانا رضوان القاسمی | صفا، جامعہ سبیل السلام حیدر آباد |
| ۲۵) حبیب الرحمٰن قاسمی | ماہنامہ دار العلوم دیوبند |
| ۲۶) مولانا کفیل احمد کیرانوی | آئینہ دار العلوم دیوبند (پندرہ روزہ) |
| ۲۷) مولانا نور عالم خلیل امینی | الداعی (عربی) |
| ۲۸) مولانا محمد سالم جامعی فاضل دیوبند | ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی |

## صحافی واہل قلم:

| | |
|---|---|
| ۱) مولانا سید مناظر احسن گیلانی | ایڈیٹر ماہنامہ القاسم دار العلوم دیوبند |
| ۲) مولانا منظور احمد نعمانی | ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان بریلی ولکھنؤ |
| ۳) مولانا سعید احمد اکبر آبادی | ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی |

۴) مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی　آپکی ادارت میں دسیوں رسائل جاری ہوئے۔

| | |
|---|---|
| ۵) مولانا مظہر الدین بجنوری | روزنامہ الامان دہلی |
| ۶) مولانا شائق عثمانی | عصر جدید کلکتہ |
| ۷) مولانا عامر عثمانی | ماہنامہ تجلی دیوبند |
| ۸) مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی | الحرم میرٹھ |
| ۹) مولانا حبیب الرحمٰن بجنوری | منصور اور الخلیل ہفتہ وار |
| ۱۰) مولانا عبد الوحید صدیقی | نئی دنیا |
| ۱۱) مولانا ازہر شاہ قیصر | ماہنامہ دار العلوم دیوبند (سابق ایڈیٹر) |

# دارالعلوم دیوبند ایک مکتب فکر - ایک تحریک

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و مدیر ماہنامہ دارالعلوم

**(۱) افتتاحیہ:** دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ خاصانِ خدا کی دعائے سحرگاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبہ ایثار وقربانی کا مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد و اخلاص کی نمایاں علامت، علم و معرفت کا حسین امتزاج، مسلمانانِ برصغیر کے حیات ملی کی صراطِ مستقیم اور لامذہبیت کے اس دور میں دینی آثار واقدار اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا محافظ وعلم بردار۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ تاریخ اسلامی کی اولین درسگاہ ''صفہ'' کی یادگار اور عکس جمیل، جس کی بنیاد توکل علی اللہ اور خدائے کریم ورحیم کے باحوصلہ بندوں کے مخیّرانہ جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی نواب ورئیس کے مراحم خسروانہ کی جانب نگاہ اٹھائی اور نہ کسی حکمراں اور امیر کی داد ودہش کی پرواہ کی، جس کا سراپا وجود اپنے ابناء فرزندوں کو اعتماد علی اللہ اور عرفان خودی کی تعلیم ودعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ برصغیر ہندوپاک کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا مؤثر اور کامیاب مقابلہ کیا ہے، خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا ہو یا شدھی سنگٹھن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ عیسائی پادریوں نے برپا کیا ہو یا انگریزوں کے ظل عاطفت میں پرورش پانے والے متنبّی قادیانی نے، خواہ وہ فتنہ رضاخانیت اور نیچریت کے عنوان سے نمایاں ہوا ہو یا سبائیت اور ناصبیت کے لباس میں نمودار ہوا ہو۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ یہ وہ تربیت گاہ ہے جس نے اسلامیانِ ہند کو ''جمعیۃ علمائے ہند'' جیسی اولوالعزم، باحوصلہ، مدبر اور باشعور جماعت فراہم کی۔ جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جب کہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اس وقت اعلانِ جنگ کردیا جب کہ دوسرے لوگ اس نووارد آقا کی خوشامد اور رضاجوئی میں لگے ہوئے تھے۔

تاریخ گواہ اور شاہد ہے کہ برطانوی سامراج کو بایں طاقت وشوکت ننگی کا ناچ نچادیا اور اپنے جہد وعمل اور قربانیوں کے سلسلے کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک اس سفید فام سیاہ دل غاصبوں سے وطن عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرالیا۔

**(۲) پس منظر:** سقوطِ دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب اور تہذیب وثقافت سے بیگانہ اور برگشتہ کردینے کی غرض سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، دینی علوم اور ان کے محافظ علماء وفضلاء کو سرزمین ہند سے بے نشان کردینے کیلئے تشدد اور جارحیت کی حد کردی گئی۔ ارض ہند جس پر انھوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ بنادی گئی، امراء ورؤساء کی جائدادیں ضبط کر کے انھیں نانِ شبینہ کا محتاج بنادیا گیا، غرض یہ کہ ظلم وجبر کی جس قدر بھی شکلیں امکان میں تھیں وہ سب مجبور مسلمانوں پر آزمالی گئیں۔ لیکن خانماں برباد ملت میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی، سب کچھ فنا ہوگیا تھا مگر اسلامی کردار زندہ تھا، دولت وحکومت اور شان وشوکت پر غارت گرانِ فرنگ نے قبضہ کرلیا تھا، مگر دینی حمیت محفوظ تھی۔ اسلئے تمام تر وحشیانہ حرکتوں کے باوجود، دین و مذہب اور ملک و وطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جاسکیں تو ملک کے اقتدار پر قابض شاطر غاصبوں نے بجائے ظلم و تشدد کے ایک دوسری حکمت عملی تجویز کی جس کی تفصیل مولوی محمد طفیل علیگ کے الفاظ میں یہ ہے :

''حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص پر گورنمنٹ ہند کی عملی (پالیسی) ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارے میں تبدیل ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انھیں سلطنت کا خیرخواہ اور وفادار نہیں بنایا جاسکتا۔ چناں چہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقہ تعلیم دینے کا تہیہ کرلیا ہے۔'' (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

اس حکمت عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے؟ انھیں اچھی طرح سمجھنے اور اس پالیسی کی اصلی حقیقت تک پہنچنے کیلئے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا، یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کیلئے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے یا انگریزی زبان میں، اس کمیٹی کا اجلاس ۷ر مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا۔ جس میں لارڈ میکالے صدر اجلاس کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں :

اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے اس کے ذریعہ ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا، مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا، اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انھوں نے اپنی رپورٹ ان الفاظ میں دہرائی تھی :

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' (روشن مستقبل، ص: ۱۵۰)

لارڈ میکالے کا اصل جذبہ اور مخفی رائے جو ان کے قلب کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی تھی وہ تھی جو انھوں نے اپنے والد کو ایک خط میں لکھ کر بھیجی تھی جس میں وہ لکھتے ہیں :

''اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، بعض لوگ مصلحت کے تحت ہندو

رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو مؤحد ہوجاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجویز پر عمل درآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔" (روشن مستقبل،ص:۱۵۱)

بالفاظ خط واضح برٹش سامراج کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہن وفکر کے اعتبار سے انگریز بن جائیں یا کم از کم ایماندار وباوفا رعایا بن جائیں چناں چہ مسٹر الفنسٹن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں :

میں اعلانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہوسکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایمان دار، محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے۔" (روشن مستقبل،ص:۹۵)

اس سیاسی انقلاب اور جدید تعلیمی نظام نے مسلمانوں کے اقتصادی وتمدنی اور علمی ومعاشرتی نظام کو کس طرح پامال کیا اس کی تفصیل سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب آور انڈین مسلمس Our Indian Muslims (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کس قدر بیان کیا ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں انھوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کی مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

مسلمانوں کو حکومت سے بہت سی شکایات ہیں، ایک شکایت یہ ہے کہ حکومت نے ان کیلئے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کردیا ہے، دوسرے ایک ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا ہے جس میں ان کی قوم کیلئے کوئی انتظام نہیں، تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کردیا ہے، چوتھی شکایت یہ ہے کہ ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئے تھی غلط مصرف میں خرچ ہورہی ہے۔

ڈاکٹر ہنٹر نے ان شکایات پر بالتفصیل بحث کی ہے اور مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے۔" الخ (موج کوثر،ص:۴۷)

یہ تھے قوم وملت کے حالات کہ حکومت وسلطنت ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی، جاہ ومنصب خواب وخیال ہوگئے تھے، دولت وثروت کے خزانوں پر افلاس و ناداری کا پہرہ تھا، قومی وملی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتاردی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈمان کے جزیرے میں محبوس کردی گئی تھی، قسمت سے بچے کھچے افراد بتقاضائے مصلحت ہجرت کرگئے تھے یا اپنے اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس عالم لاچاری وکسمپرسی میں قوم وملت کیلئے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ ایمان واعتقاد کا سہارا تھا، مگر اب اس پر بھی غارت گران افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کررہے تھے اور ملت اسلامیہ ہند زبان حال سے ملتجی تھی۔

گردش وقت یہ بھی چھین نہ لے  
ایک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللّٰہی کا مرکز "مدرسہ شاہ عبدالعزیز دہلی" جہاں سے ملت کو علم و معرفت اور عزم وحوصلہ کا درس ملتا تھا تباہ کیا جاچکا تھا۔ جب کہ تحریک ولی اللّٰہی کی رگوں میں خون اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحٰق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی اصلاحی وانقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اس میں بیٹھ کر قوم کی علمی وفکری تعمیر وتشکیل کی خدمت انجام دی تھی۔

سقوطِ سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تو حسب تصریح مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ "شاہ محمد اسحٰق کی مرکزی جمعیت نے جو اب حجاز میں مقیم تھی اور امیر حاجی امداداللہ کی رہنمائی میں ہندوستانی کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔ چناں چہ مولانا محمد قاسم (نانوتوی قدس سرہ) اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سات سال تک کوشش کرتے رہے۔ تب کہیں جاکر ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ یعنی (۳۰ر مئی) ۱۸۶۶ء میں سقوطِ دہلی کے ۹ر سال بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہوسکی۔"

مولانا سندھی یہ بتارہے ہیں کہ "دارالعلوم دیوبند" کا قیام کسی وقتی جذبہ یا شخصی حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی ہے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیام دارالعلوم کے بعد جب شاہ رفیع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کیلئے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کیلئے دعا فرمائیے تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا :

"سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں کو یہ سرزمین لے اڑی (علمائے حق، ج:۱،ص:۱۷)

یہ ہے "مدرسہ عربی اسلامی دیوبند" یعنی ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی تاسیس وبناء کا تاریخی پس منظر جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند دراصل اس شجر طوبیٰ کی ایک سرسبز وشاداب شاخ ہے جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بافیض مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا تاکہ شرک وبدعت، جہل ومعصیت کی بادِ سموم سے نڈھال واماندگانِ راہ اس کے حیات بخش سائے میں آکر زندگی کی تازگی و توانائی حاصل کرسکیں۔

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس  
گاہ گہہ وا ماندگانِ راہ منزل می کنند

## (۳) اصول ومقاصد:

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے اصول و

مقاصد کو حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ نے اساسی ہشتگانہ کے عنوان سے خود تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ القاسم کے دارالعلوم نمبر (مجریہ ۱۳۴۷ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ان اصول و مقاصد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں :

''ان اصول کی بناء پر بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں :

(الف)　آزادیٔ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہوسکے۔ (مندرجہ بالا الف و ب کیلئے ملاحظہ ہو اصول ہشتگانہ کی دفعہ ۳ و ۷ و ۸)

(ب)　اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کیلئے ورنہ اس وقت تک کیلئے محفوظ ہو جائے جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے، نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج، خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹ ان میں قطعاً نہ پیدا ہو بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(ج)　کارکنان، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے افراط و تفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل ۴)

(د)　خود رائی اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادیٔ مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ (اس کے متعلق اصل ۳ میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔'' (علمائے حق، ج:۱، ص:۵۴ تا ۵۶)

الحاصل یہ اصول و مقاصد بتارہے ہیں کہ علم و عرفان کا یہ مرکز اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس سے دین کے سچے اور مخلص خادم، اسلام کے جانباز و جرأت مند سپاہی تیار کئے جائیں جو اسلامی عقائد و شعائر اور دینی اخلاق و روایات کے داعی و نقیب بنیں اور باطل طاقتوں کی فتنہ سامانیوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کریں اسی لئے اس کا نظام تعلیم و تربیت امام الہند محدث دہلویؒ کی تحریک دعوت و اصلاح کی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔

## (۴) سند و اسناد :

دارالعلوم دیوبند کا سلسلہ سند مسند ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے گزرتا ہوا نبی پاک ﷺ سے جاملتا ہے۔ دارالعلوم اور جماعت دیوبند کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہی ہیں۔ جن کے علمی و فکری منہاج و طریق پر منتسبین دارالعلوم اور بالفاظِ واضح دیوبندی مکتبِ فکر کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس لئے بحمداللہ دیوبندی مکتب فکر کوئی نو پید جماعت نہیں بلکہ علمی، دینی اور سیاسی احکام و امور میں علمائے دیوبند مسند ہند شاہ ولی اللہ کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں۔

برصغیر میں جب مسلمانوں کے کاروان شوکت پر برطانوی سامراج نے شب خون مارا، تو حکیم مطلق جل شانہ نے اسلامی تعلیمات و احکام اور تہذیب و ثقافت کو بچانے کیلئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد و احفاد کو آگے کر دیا، ان بزرگوں کے سامنے دو منزلیں تھیں: (۱) مسلمانوں کی لٹی شوکت کیسے واپس لی جائے۔ (۲) اور سیاسی تنزل کے اس دور میں اسلامی علوم و احکام کی گرتی دیوار کو کس طرح سہارا دیا جائے۔ پہلی منزل تک پہنچنے کیلئے محدث دہلویؒ نے معاشی انقلاب، صحابہ کرام سے انتساب اور قوم کو جہد و جہاد کی راہ دکھائی، ان دونوں امور کو واضح کرنے کی غرض سے حجۃ اللہ البالغہ، مصفی و مسویٰ اور ازالۃ الخفاء جیسی بلند کتابیں لکھیں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل دہلویؒ حضرت سید احمد شہید دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالحئی بڈھانوی کے ساتھ عملاً جہاد میں نکلے۔

دوسری منزل تک پہنچنے کیلئے ان محدثین دہلی نے قرآن و حدیث کے درس اور اسلامی علوم و فنون کی اشاعت سے اسلامی اعمال و اخلاق کی متزلزل دیوار کو سہارا دیا، چناں چہ عین اس وقت میں جب کہ سید احمد شہید اپنے جاں باز رفقاء کے ساتھ میدان کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے تلمیذ و جانشین دہلی کی مسند تدریس پر قال اللہ قال الرسول کا غلغلہ بلند کئے ہوئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اسی علم و فکر کا وارث اور محدثین دہلی کے اسی خاندان سے وابستہ ہے اور آج برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں اہل سنت والجماعت کا مرکز ثقل یہی دارالعلوم اور اس سے وابستہ علمائے دیوبند ہیں۔

## (۵) اسناد سلف کا لازمی اثر :

جن لوگوں نے علم و عمل کے چراغ سلف کے اسناد سے روشن کئے ہوں ان کے ذمہ سلف کا دفاع لازمی ہوجاتا ہے۔ اور وہ اس بات کے مکلف ہیں کہ اپنے اسلاف کے عمومی کردار کو ہر دور میں بے داغ اور آئندہ نسلوں کیلئے بمنزلہ چراغ ثابت کرتے رہیں اس کے بغیر ایک مسلسل حقیقت اور ایک زندہ مذہب نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ دارالعلوم اور بالفاظ دیگر علمائے دیوبند مکمل طور پر صحابہ کرام سے لے کر محدثین دہلی تک اسنادِ اسلام کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔

تسلسل اسلام اور اسنادِ دین کو کمزور کرنے والے مختلف طبقوں سے دارالعلوم اور اس کے علماء نے اختلاف کیا، تو اس لئے نہیں کہ وہ اختلاف پسند تھے یا انھیں کسی طبقے سے ذاتی بغض تھا بلکہ محض اس لئے کہ اسلام جس مبارک و پاکیزہ سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے۔ ان کے الحادی یا بدعی نظریات کی تردید و تخریب اس لئے ضروری تھی کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر و بقاء کی کوئی صورت نہیں تھی، لیکن ان کی یہ تردید بھی اصولی رہی اور انداز جدلِ احسن جس کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے " وجادلهم بالتی هی احسن "(پ:۱۴)

## عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ :

اسلام کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی یورپ اور بلاد افریقہ میں تبلیغی مشن کے حسین عنوان سے مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم کے سرخیل شیخ امداداللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا اشرف علی اور شیخ مہر علی شاہ گولڑوی کو اس کی سرکوبی کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد علامہ انور شاہ محدث کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد محدث عثمانی، مناظر اسلام مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد عالم (آسی) امرتسری، پھر حضرت محدث کشمیری کے تلامذہ میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس محدث کاندھلوی، مولانا محمد یوسف محدث بنوری وغیرہ اساطین علمائے دیوبند میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، مؤثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل و فریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد و منشا لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی و فکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

## ناموسِ صحابہ کا دفاع :

ناموسِ صحابہ کے دفاع میں دارالعلوم کے اکابر اور ان کے جانشینوں نے نہایت وقیع اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ہدیۃ الشیعہ، اَجوبہ اربعین وغیرہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے مطرقۃ الکرامۃ، اور ہدایات الرشید جیسی بلند پایہ کتابیں تحریر کیں اور اس باب میں محدثین دہلی کے علمی و فکری موقف کی پوری نمائندگی کی گئی جو حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء قرۃ العینین اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ سے ظاہر ہے پھر امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالشکورؒ فاروقی لکھنوی دفاع صحابہ کی اس عظیم خدمات میں پوری عمر مصروف رہے اور اس اہم موضوع کے ہر ہر گوشے سے متعلق اس قدر معلومات فراہم کر دیں کہ اب شاید اس پر مزید اضافہ دشوار ہو؛ نیز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مقام صحابہ پر کامیاب مضامین لکھے اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صف اول پر یلغار کی تو حضرت مدنی نے صحابہ کے معیارِ حق ہونے پر وہ مباحث تحریر فرمائے جو عصر حاضر کا سرمایۂ فخر ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ صوبہ بہار، مولانا محمد شفیع سنگتھروی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا لطف اللہ جالندھری، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا عبدالستار تونسوی وغیرہ علمائے دیوبند نے اس محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔

## ردِّ شرک و بدعت :

اتباع سنت اور حدیث کا انکار کرنے والا گروہ مرکز ملت کے نام سے ایک نئی اصطلاح وضع کر کے قرآن کی تعبیر و تشریح کا اختیار اسے سونپ دیتا ہے کہ یہ نام نہاد مرکز ملت زمانے کے تقاضوں اور امنگوں کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کے فیصلوں اور اجماع امت کے مسائل سے قطع نظر کر کے جو چاہے فیصلہ کر دے۔ ایک دوسرا گروہ جو زبانی عشق رسول کا بہت دعویدار ہے اور اپنے سوا تمام طبقات اسلام کو قابل گردن زدنی اور دنیا کے ہر کافر مشرک سے بدتر سمجھتا ہے۔ لیکن عملاً اس کا حال یہ ہے کہ شریعت کے روشن چہرے کو مسخ کر کے دین میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے اور من گھڑت افکار کو شریعت قرار دیتا ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے رسوم کو بدعت قرار دیا ہے اور اپنے ہر خطبے میں اس کی برائی بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے صحابہ سے لیکر آج تک علمائے حقانی نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو سب سے زیادہ بدعت پر مرکوز رکھا کیوں کہ اسی سے شرک کی راہ نکلتی ہے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند برزخ میں آپ ﷺ کی حیات جسمانی کے قائل ہیں مگر وہاں معاشرت دنیوی کو نہیں مانتے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے بدرجہا زیادہ مانتے ہیں پھر بھی اس کے ذاتی و محیط ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

**صحابۂ کرام:** علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہ کی عظمت کے قائل ہیں، البتہ ان میں باہم فرق مراتب ہے تو عظمت مراتب میں بھی فرق ہے۔ لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں اسلئے محبت و عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا پس "الصحابة کلهم عدول" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقۃ ہیں اور پوری امت کیلئے معیارِ حق ہیں۔ علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا و صواب کا تقابل ہے حق و باطل اور طاعت و معصیت کا نہیں؛ اسلئے ان میں کسی فریق کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

## صلحائے امت :

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صلحائے امت و اولیاء اللہ کی محبت وعظمت کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس محبت و تعظیم کا یہ معنی قطعاً نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ وطواف اور نذر و قربانی کا محل بنالیا جائے۔

وہ اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر انھیں عیدگاہ بنانے کو روا نہیں سمجھتے، وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی نمائشی صورتیں بنانے کے قائل نہیں۔

وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور عبادت میں قوتِ احسان پیدا کرنے کیلئے اہل اللہ کی بیعت وصحبت کو حق اور طریق احسانی کے اصول وہدایات کو تجربتہً مفید اور عوام کے حق میں ایک حدتک ضروری سمجھتے ہیں اور اسے شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے بلکہ شریعت ہی کا باطنی واخلاقی حصہ مانتے ہیں۔

## فقہ اور فقہائے کرام:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ علمائے دیوبند احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ برصغیر میں آباد کم وبیش پچاس کروڑ مسلمانوں میں نوے فیصد سے زائد اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، لیکن اپنے اس مذہب ومسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ حق وباطل کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ اصول وخطاء کا تقابل ہے۔ مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں ائمہ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہوجانا ایک ناگریز حقیقت ہے۔ اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ قرآن حکیم ناطق ہے :

شرع لکم من الدین ماوصیٰ به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه ۔ (الشوریٰ)

ظاہر ہے حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا پھر بھی قرآن حکیم اس کو ایک ہی دین قرار دے رہا ہے۔ اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدتِ دین کے معارض نہیں سمجھتا۔ اگر یہ فروعی تنوع بھی افتراق واختلاف کی حد میں آسکتے تو پھر "ولا تتفرقوا فیه" کا خطاب کیوں کر درست ہوتا۔

لہٰذا جس طرح شرائع سماویہ فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی دین کہلائے اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد واخوت میں منسلک رہے۔ تحزب و تعصب کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی۔ اسی لئے وہ "وکانوا شیعا" کی حد میں نہیں آئے۔ ٹھیک اسی طرح ایک ہی دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت ووحدت میں خلل انداز نہیں ہوسکتے۔

مواقع اجتہاد میں اہل اجتہاد کا اجتہاد بھی دین کا مقرر کردہ اصول ہے۔ اسے دین میں اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ رہا جماعت مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کرلینا تو دین کے بارے میں آزادی نفس سے بچنے اور خودرائی سے دور رہنے کیلئے امت کو سواد اعظم کا طریق مختار یہی ہے، جس کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ باب تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرز عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کی فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگ ابطال و تردید سے پیش آنے کو خسران دنیا وآخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں اصلیہ نہیں کہ اپنی فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق و تضلیل کریں، البتہ اپنی اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حدتک مطمئن ہیں۔

مذکورہ بالا امور میں علمائے دیوبند کا یہ طرز عمل اور مسلک انکی مؤلفات (شروح حدیث، تفسیر، فقہ وکلام وغیرہ) میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں، جنھیں دیکھ کر خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے اس مختصر تحریرات میں ان ساری تفصیلات کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔

## (۷) علمائے دارالعلوم کا فکری اعتدال :

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیوں کہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے۔ اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلید آباء کے تحت ہر بدعت اسلام میں داخل کردی جائے۔ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون سے متصل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہوسکتے۔ یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل ہیں جو قرآن وحدیث کے سرچشمہ سے فقہِ اسلام کے نام سے چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل واہتداء کے نور سے عاری تھے " اولو کان آباء هم لا یعقلون شیئا ولا یهتدون ۔"

ائمہ سلف اور فقہائے اسلام جو علم وہدایت کے نور سے منور تھے ان کی پیروی نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے، ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی کی نہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے چلانے کی ہر نماز میں اللہ سے درخواست کریں، کیونکہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ " اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم ۔"

اس منہج اعتدال کی بنا پر علمائے دیوبند مذہبی بے قیدی اور خودرائی سے محفوظ ہیں اور شرک وبدعت کے اندھیرے انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے۔

## (۸) فقہ میں سنت کی راہیں :

برصغیر میں کم وبیش نوے فی صد مسلمان فقہ حنفی پر عامل ہیں۔ فقہ حنفی امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادات، ان کے تلامذہ کے استخراجات اور اصحاب ترجیح کے فیصلوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر بحث وتحقیق اور کاٹ چھانٹ کے بعد فقہ کا

کوئی مسئلہ اصولِ شریعت کے خلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر اس طریق عمل میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عمل کرنے والے کی نظر ائمہ وفقہا کی تخریجات تک محدود رہتی، گو وہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کے طریق سے متجاوز نہ ہوتا، مگر عمل کرنے والے کا شعور اتباع سنت کی لذت پوری طرح محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ اس نے اعمال وعبادات کو ان کے بنیادی مصادر کی طرف لوٹایا۔ احادیث کے دفاتر کھلے، رجال کی گہری نظر سے پڑتال ہوئی، معانیٔ حدیث میں بحث کی گئی، گو ان حضرات کو اس علمی و تحقیقی کاوش سے فقہ کا کوئی مفتیٰ بہ قول اصول شریعت سے معارض نہ ملا تاہم اس راہ تحقیق نے (جو ظاہریت کی تفریط اور اہل بدعت کی افراط سے پاک سلف صالحین کے مقرر کردہ منہاج پر مبنی ہے) ایسی فضا پیدا کردی کہ پہلے جن مسائل پر فقہ سمجھ کر عمل کیا جاتا تھا اب وہی مسائل سنت کی خنک روشنی دینے لگے۔ اور ان اعمال میں اتباع حدیث کی وہ لذت محسوس ہونے لگی جو اس فکری تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

علمائے دیوبند نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کو سنت کا شعور بخشا بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ مصر و شام وغیرہ بھی ان کے اس فکر سے متاثر ہوئے۔ دیوبندی مکتبہ فکر کا نصوص فہمی میں منہج مختار یہی ہے، جیسے ان کی تالیفات مثلاً فیض الباری شرح بخاری، اللامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، معارف السنن شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، او جز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی، اعلاء السنن، ترجمان السنۃ، معارف الحدیث وغیرہ میں ان کے اس منہج مختار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

## (۹) فتنۂ ارتداد اور تحفظ اسلام کے لئے فکر دارالعلوم سے مربوط علمائے دیوبند کی سعیٔ مشکور:

برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد محدثین دہلی کے پیروکار اکابر دیوبند نے اپنی علمی و دینی بصیرت سے اس حقیقت کا پورا ادراک کرلیا کہ سماجی و اقتصادی تبدیلیاں جب اقتدار کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہیں تو دینی و روحانی قدروں کی زمین بھی ہل جاتی ہے۔ اس باب میں عثمانی ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترک قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اپنے ماضی سے کٹ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ترک اسلامی تہذیب، مغربیت میں فنا ہوگئی۔ اور ایک عظیم اسلامی سلطنت کا صفحۂ ہستی سے وجود ختم ہوگیا۔

الحاصل تہذیب اسلام کیلئے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ تاریخ کے اس انتہائی خطرناک موڑ پر اکابر دیوبند کے سامنے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی تہذیب کو مغربیت کے اس سیلاب سے محفوظ رکھا جائے۔ اور مسلمانوں کے دین و مذہب کا تحفظ کرکے انھیں ارتداد سے بچایا جائے۔ اس مقصد کیلئے انھوں نے پوری بیدار مغزی و ژرف نگاہی سے ہر اس محاذ کو متعین کیا جہاں سے مسلمانوں پر فکری و عملی یلغار ہوسکتی تھی اور پھر اپنی بساط کی حد تک حکمت و تدبر کے ساتھ ہر محاذ پر دفاعی خدمات انجام دیں۔

### پہلا محاذ:

غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء و اجداد کسی زمانے میں ہندو تھے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جما لینے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کو اکسایا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے اسلئے اپنی عددی قوت کو بڑھانے کیلئے انھیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کرو۔ چنانچہ انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں آریہ سماج کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہوگئی۔

اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دارالعلوم نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔ تقریر و تحریر، بحث و مناظرہ اور علمی و دینی اثر و نفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد امام حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سلسلے میں نہایت اہم و مؤثر خدمات انجام دیں، برصغیر کی مذہبی و سماجی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی حضرت موصوف کی ان خدمات جلیلہ سے پوری طرح واقف ہے۔

تقسیم ہند کے قیامت خیز حالات میں جب کہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا، اس ہولناک دور میں بھی شدھی سنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی۔ اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پروا ہوکر میدان میں کود پڑے اور خدائے رب العزت کی مدد و نصرت سے ارتداد کے اس سیلاب سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لے گئے۔

### دوسرا محاذ:

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد عیسائی مشنری برصغیر میں اس زعم سے داخل ہوئی کہ وہ ایک فاتح قوم ہیں، مفتوح قومیں فاتح قوم کی تہذیب کو آسانی سے قبول کرلیتی ہیں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلام کے تہذیبی نقوش مٹادیں یا کم از کم انہیں ہلکا کردیں تاکہ بعد میں انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے۔ اور اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو اتنا تو ہو کہ وہ مسلمان بھی نہ رہ جائیں۔

اس محاذ پر دارالعلوم اور اکابر دیوبند نے عیسائی مشنری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم و استدلال سے ان کے حملے پسپا کردیئے بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مذہبی ماخذ پر کھلی تنقید کی، اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح واقف ہے۔

**تیسرا محاذ:** اسی عیسائی اسکیم کے تحت پورے ملک میں انگریزی اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا اور اسلامی مدارس کو کمزور کرنے کی غرض سے ان کیلئے دنیوی ترقی کی تمام

راہیں مسدود کردی گئیں۔اس محاذ پر ضروری تھا کہ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم اور اسلام کے آبرومندانہ ماحول کیلئے عربی مدارس کو ہر طرح کی قربانی دے کر پوری قوت سے باقی رکھا جائے۔ نیز جدید عربی مدارس قائم کئے جائیں اور اس کی امکانی سعی کی جائے کہ کوئی اجنبی بات اسلام کے نام پر اسلام میں گھسنے نہ دی جائے۔جدید عصری نظریات سلف صالحین سے متوارث فکر وعمل کو کمزور نہ کرسکیں۔

اس محاذ پر بھی دارالعلوم اور اس کے اکابر نے پوری ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ اور ہندوستان کے چپے چپے پر عربی درس گاہوں کے ذریعہ علم ودین کے چراغ روشن کردیئے۔اور اس بات کا بھرپور اہتمام کیا کہ برصغیر میں اسلام اپنی اصل شکل وصورت کے ساتھ نمایاں رہے۔اس محاذ پر حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ان کے رفیق خاص محدث کبیر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور آزادی کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہم اکابر دیوبند نے کامیاب جدوجہد کی۔

# شیخ محمد بن عبدالوہاب اور سلفیت کی دعوت

سلفیت: ایک ایسی دعوت کا نام ہے جو امت مسلمہ کو روشن عہد رسالت سے آج تک کے صلحاء ومشائخ کے نیک واسطوں کی پیروی واتباع کی دعوت دین ہے۔اس لیے شیخ عبدالوہاب کی تحریک کو حقیقۃً ایک خالص اصلاحی تحریک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جو عالم اسلامی سے فکری جمود اور عملی تخلف کو دور کرنے کا عزم رکھتی ہے یہ تحریک خالص توحیدی عقیدہ اور اس کے اصل سرچشمہ کی طرف دعوت دیتی ہے اور صحیح توحید کے مفہوم کو اجاگر کرتی ہے جس پر بعض افراد کی عملی غلطی ہے شرک کے اثرات چھاگئے، بلکہ بعض اشخاص نے تو اس تحریک کو ایک ''وہابی'' تحریک سے منسوب کیا ہے۔شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اور یہ قطعی غلط ہے۔جبکہ یہ تحریک کوئی نیا مذہبی طریقہ پیش نہیں کرتی اور نہ دین میں کسی قسم کی بدعتی عقیدہ کی روادار ہے۔ بلکہ یہ تو صرف صلحاء ربانیین، اور خداترس بزرگوں کے صحیح اسلامی امور میں ان کی اتباع اور پیروی کی دعوت دیتی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اس انداز سے اشارہ فرمایا ہے۔

**والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه و اعدلهم جنات تجرى تحتهاا لانهار خالدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)**
اور جیسا کہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک ارشاد میں ناجی فرقہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ **هم من كان على مثل ما انا عليه اليوم واصحابى**۔کامیاب تو بس وہی ہے جو میرے اور صحابہ کے طریقہ پر ہے۔

## بنیاد اور تحریک کی اہم شخصیات:

سلفی تحریک کے روح رواں اور بنیادی رکن شیخ محمد بن عبدالوہاب تمیمی نجدی ہیں (۱۱۱۵۔۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۰۳۔۱۷۹۱ء)

ریاض کے قریب شہر العیینہ میں پیدا ہوئے فقہ حنبلی اور تفسیر وحدیث کے ابتدائی علوم اپنے والد محترم ہی کے پاس حاصل کئے دس سال کی چھوٹی سی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔حج کے ارادے سے مکۃ المکرّمہ کا قصد فرمایا اور وہاں کے علماء سے بھی اکتساب فیض کیا پھر مدینہ منورہ کی راہ لی تاکہ وہاں علوم شرعیہ سے اپنے آپ کو مزین کرسکیں۔اس مقدس شہر میں شیخ محمد حیاۃ السندی سے شرف نیاز حاصل کیا۔اور شیخ محترم سے حد درجہ متأثر ہوئے، اس طرح شیخ عبداللہ بن ابراہیم آل سیف سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

پھر دوبارہ اپنے گاؤں العیینہ کا رخ کیا پھر عراق چل دیئے ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء، تاکہ بصرہ بغداد اور موصل بھی دیکھیں اور وہاں کے علماء ومشائخ سے شرف نیاز حاصل

کریں اوران سے اکتساب فیض بھی۔

شیخ عبدالوہاب کی اصل دعوت توحید خالص اور اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت تھی اسی لیے توحید کے خلاف ہر چیز کا مقابلہ کیا، پکی بنی ہوئی قبروں کو مستوی و برابر کیا، اس پر بنے ہوئے گنبدوں کو مسمار کردیا، اسی وجہ سے وہ حالات ومشکلات کے شکار ہوئے بلکہ ان کو قتل کی دھمکیاں تک دی گئیں۔

۱۱۳۹ یا ۱۱۵۷ھ میں جب امیر محمد بن مسعود نے شیخ کی آمد کی خبر سنی تو استقبال کیا اوران کی حمایت کا پختہ وعدہ بھی بلکہ ان دونوں میں تبادلہ خیال بھی ہوا جس کو ہم مختصراً ذکر کئے دیتے ہیں۔

امیر! اے شیخ میں آپ کو اس سے زیادہ بہترین شہر کے سکونت کی بشارت دیتا ہوں جہاں آپ شرف ومجد کی مسند پر متمکن ہوں گے۔

شیخ! میں آپ کو ابدی عزت وشرف کی خوشخبری دیتا ہوں کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کو لازم پکڑنا اوراس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنا۔۔۔جس نے اس بات پر عمل کیا اس نے شہروں اور بندوں پر بھی حکومت کی یہ ہے توحیدی کلمہ جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی، اور یہ پوری زمین اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مسخر کردی۔

پھر شیخ نے امیر کو بہت سی دعائیں دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کیلئے فتوحات مقدر کرے، اور آپ کو غنائم وخیرات سے مالا مال کرے اور ہر وہ چیز عطاء فرمائے جس میں خیر مضمر ہے، اس لئے کہ شیخ حق کے لئے قوت وسطوت اور غلبہ کے خواہاں تھے، اس طرح شیخ اور امیر وقت ''نجد'' کے علاقہ میں دینی دعوت کے پھیلانے میں مصروف کار رہے۔اس طرح اس اصلاحی تحریک نے اپنے ممیزات وصفات حمیدہ کو اپنے محور میں سمولیا ہے۔

شیخ عبدالوہابؒ کے متبعین انکار منکر پر شدت کے ساتھ عمل پیرا تھے اور شرک وبدعت کے ہر کام کو کالعدم کرنے اوراس کو مٹانے پر کمر بستہ تھے لیکن اسلام کے دیگر ارکان وشعائر۔۔۔زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر عمل پیرا تھے، تاکہ معاشرہ سے دین وسیاست جدا نہ ہو بلکہ ہر میدان میں دینی امور کو بالادستی حاصل ہو۔

معلوم یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی سلفی دعوت یہ حقیقۃً توحید خالص کے طرف لوٹنے کی دعوت تھی، عہد رسالت کی مقدس شخصیات کے آثار وروشن نقوش کو عملی زندگی میں اپنانے کی دعوت تھی، اس تحریک کی اصل بنیاد کتاب وسنت اور اہل سنت والجماعت کا صحیح اسلامی طریقہ ہے، لیکن اگراس تحریک نے اجتہاد کا دروازہ کھولا بھی ہے تو بہت سے شرائط اور اصولوں کے ساتھ ہی۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ خالص توحید باری تعالیٰ کا علمبردار ہو، اور شرک وبدعات سے حتی المقدور اجتناب ودوری اختیار کرے، اور ان شرکیہ امور ومعاملات سے بچتا رہے جو غلطی سے امت مسلمہ کی زندگی کا جزء وحصہ بن کر رہ گئے ہیں، اس لئے اس اصلاحی دعوت وتحریک کی ضرورت پیش آئی اوراسکے بہترین اثرات بھی معاشرہ میں نمایاں نظر آئے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے مزاروں اور قبروں پر جو شرکیہ امور پیش آتے تھے ان کو مٹایا اور توسل الی اللہ کی صحیح تعیین فرمائی اسی طرح قبروں پر پکی عمارتیں بنانے، ان پر چادریں چڑھانے اوران پر چراغ روشن کرنے جیسے تمام امور کو بدعت قرار دے کر امت کو صحیح اسلامی زندگی کی طرف توجہ دلائی، اور امتِ مسلمہ کو غلط صوفیانہ طرز زندگی سے آگاہ کردیا کہ تصوف حقیقۃً کس کو کہا جاتا ہے، اور دین میں کس قدر اہمیت ہے اور بیعت جیسا مقدس عمل کتنا ضروری ہے۔

پھر شیخ محمد بن عبدالوہاب نے شرک کی مختلف اقسام ذکر فرمائی کہ شرک اکبر و اصغر اور شرک خفی کسے کہا جاتا ہے اوران شرکیہ امور کو کس طرح امت کی زندگی سے دور کیا جائے اس تحریک کے ذمہ داروں رجال کار افراد نے وقت کے تقاضوں اور حالات کا بغور جائزہ لیا اوران کو پوری طرح سمجھ کر اس کا تدارک بھی کیا اس اعتبار سے اس تحریک نے امت مسلمہ میں خالص اسلامی فکر کو بیدار کیا اور امت کے افراد کو ان کا اپنا دینی تخلف اور فکری جمود یاد دلایا اور عام مسلمانوں کو تعلیمی فکر اوران کی ذہن سازی، مفکرین امت اور دانشوران قوم کے ذہن ودماغ کو صحیح دینی تعلیم کے فروغ کی طرف توجہ دلائی اور خالص دینی کتابوں اوراسکے مراجع سے استفادہ کی طرف ان کے ذہنوں کو موڑا، اس اعتبار سے یہ تحریک ایک اہم محرک اور داعی ہے کتاب وسنت کے زندگی رائج کرانے کی طرف۔شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی یہ دینی دعوتی تحریک نے دیگر تحریکوں کی طرح بہت جلد شہرت حاصل کی یہاں تک کہ حکومتی ایوان تک بھی اس کی رسائی ہوگئی۔شیخ محمد بن عبدالوہاب کی بہت سی دینی ودعوتی مؤلفات اور اہم تصانیف ہیں جن میں سرفہرست کتاب التوحید کو خاص اہمیت حاصل ہے اسی طرح کتاب الایمان، کشف الشبہات، آداب المشی إلی الصلوۃ اور مسائل الجاہلیۃ بھی قابل ذکر ہیں اوران کے علاوہ بہت سے رسائل اور پمفلٹس بھی جو اکثر توحید کی اہمیت پر ہی مشتمل ہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے جن میں ایوان مملکت سے لے کر علماء تک شامل ہیں جن کو طوالت کے باعث چھوڑ رہے ہیں۔

## افکار ونظریات:

شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے لیکن جب حنبلی مسلک کے خلاف کوئی مضبوط دلیل ملتی تو مسلک کے پابند نہ ہوتے بلکہ سلفِ صالح کے فہم وادراک کے پابند ہوتے شیخ مرحوم امت کو صدر اول کے زمانے اور صحابہ کے طرزِ زندگی اور اسلاف امت کے آثار کی طرف لیجانا چاہتے تھے اور مسلمانوں سے یہی مطالبہ بھی تھا کہ توحید خالص اور ٹھوس عقیدہ کی طرف لوٹیں کہ ان اعبد وا اللہ واجتنبو ا الطاغوت .

شیخ مرحوم کی زندگی پوری تصویر تھی اس مجاہد کی جس نے شرک وبدعات اور امت سے جاہلی رسومات کو مکمل طور پر نکالنے پر کمر کس لی ہو اور پورے ملک میں دینی

دعوت اور صحیح اسلامی فکر کو فروغ دیتا ہے اور توحیدی کارواں سے پیچھے رہنے والے قافلہ کو خالص دینی زندگی اور ایک اللہ سے ہونے کی دعوت کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

# علماء اہل سنت دیوبند اور فرقہ وہابیہ کے عقائد میں کئی فروق

محمد حنیف خالد

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی ولادت ۱۹/شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء اور وفات ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/ دسمبر ۱۹۵۷ء جمعرات کے روز ہوئی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً سولہ سال مدینہ منورہ مسجد نبوی میں کتاب وسنت کا درس دیا ہے ۳۱/سال تک دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس پر فائز رہے اور ۱۳۴۷ھ کے بعد سے ۱۳۷۷ھ تک تاحیات دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے۔

(دیکھیے تذکرہ حضرت مدنیؒ (۱:۳۰و۱۳۱)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خودنوشت سوانح عمری "نقش حیات" میں اہل سنت والجماعت کے حقیقی ترجمان اکابر علمائے دیوبند اور نجدی جماعت یعنی فرقہ وہابیہ کے عقائد کے درمیان کئی فرق تحریر فرمائے ہیں، پھر حضرت مدنی قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ نے اپنی تازہ ترین تالیف "تذکرہ حضرت مدنیؒ" میں "نقش حیات" کے ہی حوالہ سے یہ فروق نقل فرمائے ہیں۔ اکابر علمائے دیوبند اور نجدی جماعت یعنی فرقہ وہابیہ کے عقائد کے مابین ان فروق کو آسان لفظوں میں ذرا ترتیب کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

| فرقہ وہابیہ | علماء اہل سنت دیوبند |
| --- | --- |
| (۱) وہابیہ انبیاء علیہم السلام کی وفاتِ ظاہری کے بعد حیاتِ جسمانی اور روح وجسم کے درمیان تعلق باقی رہنے کا انکار کرتے ہیں۔ | (۱) یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بل کہ اس کو ثابت کرتے ہیں اور اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ |
| (۲) وہابیہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقط مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا چاہیے، وہاں پہنچنے کے بعد زیارت بھی کر لی جائے۔ | (۲) ہمارے اکابر روضۂ مطہرہ کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو نہ صرف جائز بل کہ سب مستحبات سے افضل اور واجب کے قریب قرار دیتے ہیں بل کہ محض زیارت کے لیے سفر کرنا جس میں کسی اور عبادت کی نیت نہ ہو افضل واعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ |

(۳) وہابیہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی وفات کے بعد ان کے وسیلہ سے دعاء کو ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں۔

(۳) ہمارے حضرات اس کو نہ صرف جائز بل کہ ''ارجی للاجابت'' (یعنی قبولیت کے لیے سب سے پر امید ذریعہ) اور مفید قرار دیتے ہیں۔

(۴) وہابیہ بارگاہِ نبوت میں گستاخانہ کلمات استعمال کرتے رہتے ہیں۔

(۴) ہمارے حضرات بارگاہِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں اس قدر اظہارِ عقیدت فرماتے ہیں کہ سطحی اور ظاہری نظر سے دیکھنے والا اس کو غلو اور حد سے تجاوز سمجھنے لگتا ہے۔

(۵) وہابیہ تصوف اور بیعتِ طریقت اور اشغال ذکر و مراقبہ و توجہ، حلقہ ہائے ذکر وغیرہ کے سخت منکر ہیں۔

(۵) ہمارے حضرات سب کے سب ان کے پابند ہیں۔

(۶) وہابیہ کے اکثر لوگ تقلید شخصی کے مخالف ہیں اور جو لوگ قائل بھی ہیں وہ نہایت ڈھیلے ہیں۔

(۶) ہمارے حضرات سب کے سب تقلید شخصی کو واجب اور اس کے تارک کو گنہگار فرماتے ہیں۔

(۷) وہابیہ ائمہ طریقت، حضرت جنید بغدادیؒ، سری سقطیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہم کی شان میں سخت گستاخی اور بے ادبی کے کلمات کہتے ہیں۔

(۷) ہمارے حضرات ان کی محبت، تعظیم، توسل کو بہت مفید، ضروری، باعثِ برکات اور موجب رضائے خداوندی سمجھتے ہیں۔

(۸) وہابیہ مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات میں مشرک اور کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے مال اور خون کو مباح جانتے ہیں اور جانتے تھے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے رد المختار میں لکھا ہے۔

(۸) ہمارے اکابر کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کسی قول اور عقیدہ میں سو احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال بھی ایمان کا ہو تو اس کی تکفیر جائز نہیں ہے اور نہ اس کا مال اور خون مباح ہوسکتا ہے، بل کہ حضرت گنگوہی، قدس سرہ اپنے مکتوب ''انوار القلوب'' میں تصریح فرماتے ہیں کہ یہ قول فقہاء ''ننانوے احتمال'' کا تحدیدی نہیں ہے بل کہ اگر کسی کے کلام میں ہزار احتمال ہوں جن میں سے نوسو ننانوے احتمال کفریہ ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کی بھی تکفیر جائز نہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

نقش حیات (۱:۱۲۲ سے ۱۲۶ تک) تذکرہ حضرت مدنیؒ (۱:۳۸۵ سے ۳۹۲ تک)

# مصر کی قدیم ترین تحریک ''اخوان المسلمین''

اخوان المسلمین عصر حاضر کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔ جس کا آوازہ خالص کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور روزمرہ کی زندگی میں اپنے اعمال کو شریعت اسلامی کے مطابق کرنا ہے۔ اور یہ تحریک اس نظریات کی مخالف ہے کہ دین سیاست سے جدا ہے۔ اور عالم اسلامی وعالم عربی میں اشتراکیت کے دھارے کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑا ہونا بھی اس تحریک کے مقاصد میں داخل ہے۔

## تحریک کی بنیاد اور اس کے اہم رجال کار:

رکن رکین اس خالص دینی تحریک کے بانی اور عظیم الشان دعوتی مشن کے رکن رکین شیخ حسن البناء ہیں ۱۳۲۴-۱۳۶۸ھ (۱۹۰۶-۱۹۴۹م) موصوف کے والد مصر کے بجیرہ، تالی شہر کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے پرورش بھی خالص دینی ماحول میں ہوئی، ایک ایسے خاندان میں جس نے انکی زندگی پر روشن ودرخشاں اثرات ثبت کئے موصوف کی دینی تعلیم وتربیت جہاں گھریلو ماحول اور مسجد کے مکتب میں ہوئی وہیں حکومتی دیگر اداروں میں پڑھتے ہوئے دار العلوم قاہرہ میں بھی داخلہ لیا اور وہاں سے حسن تعلیم کے ساتھ ۱۹۲۷ میں سند فراغت حاصل کی۔

شیخ البناء اپنی تعلیم فراغت کے بعد پرائمری اسماعیلی مدرسہ میں مدرس مقرر کیے گئے یہیں سے ان کی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ کبھی تو وہ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں اور بازار کے مزدور طبقہ میں دعوتی پیغام سناتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ماہ ذوالقعدہ ۱۳۲۷ھ/ مطابق ۱۹۲۸، اپریل کو تحریک اخوان المسلمین کی پہلی بنیاد رکھی ۱۹۳۲ء، کو حسن البناء قاہرہ منتقل ہوئے تو آپ کے ساتھ تحریک کی قیادت بھی منتقل ہوگئی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو تحریک نے ایک ہفتہ وار جریدہ (الاخوان المسلمون) کے نام سے شیخ محبّ الدین خطیب کی ادارت میں جاری کیا پھر اخوان کے پلیٹ فارم سے مزید جرائد ومجلّات شائع ہوتے رہے۔ جن سے اخوان کی دعوت کو تقویت ملتی رہی تحریک مجلس عاملہ کی پہلی جماعت سو افراد پر مشتمل ۱۹۴۱ء میں عمل میں آئی، جن کو خود شیخ حسن بناء ہی نے منتخب کیا تھا۔

اس دینی تحریک نے فلسطین کے اسلامی جہاد میں عملاً حصہ لیا اور اپنے خاص اسلحہ جات سے مقابلہ کیا، جس کو تحریکِ اخوان کے قائد ورہنما شیخ کامل شریف اپنی کتاب ''الاخوان المسلمون فی حرب فلسطین'' میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

۱۹۵۰ء میں شیخ حسن الہضیبی ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۳۹۳ھ ۱۸۹۱/ ۱۹۷۳ء کو بحیثیت اخوان المسلمین کے لیے مرشد عام تجویز کیا گیا یہ مصر کے منصب قضاء کے اہم افراد میں سے تھے اخوان المسلمین کے مرشد عام ہونے کی حیثیت سے کئی بار ناگفتہ بہ

حالات وسنگین تجربات سے گذرنا پڑا۔لیکن عزم وہمت اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔

۱۹۵۱ء اکتوبر کو برطانیہ اور مصر کے درمیان حالات مزید شدت اختیار کر گئے ''اخوان'' نے انگریز کے خلاف نبرد آزمائی شروع کی جس کو جناب کامل شریف نے اپنی کسی کتاب میں ''الحفاوحة السرية فی قناة السويس'' (قناہ سویس میں خفیہ نبرد آزمائی) کے نام سے مفصل تحریر کیا ہے۔

۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء میں مصری پولیس کی ایک جماعت محمد نجیب کی سرکردگی اور قیادت میں ''اخوان'' کی مشارکت کے ساتھ ایک انقلابی تحریک وجود میں آئی، لیکن ''اخوان'' نے اس مشارکت سے انکار کردیا کہ ان کی اپنی شخصی واضح رائے تھی انقلاب کے طریقہ کار سے متعلق، لیکن جمال عبدالناصر نے ''اخوان'' کے مشارکتی انکار کو ''انقلاب'' کے خلاف تصور کیا، اس اعتبار سے دو گروہ آپسی رسہ کشی وسب وشتم کے شکار ہوئے، اور انتشار بڑھتا ہی گیا۔یہاں تک کہ جمال عبدالناصر کی حکومت نے ۱۹۵۴ء کو ''اخوان'' کے سرکردہ اور بنیادی افراد کو قید اور شہر بدر کرنے کا حکم جاری کردیا کہ حکومت نے ''اخوان'' کے اقدام کو جمال عبدالناصر کے خلاف کارروائی سے تعبیر کیا اس لیے اسکندریہ کے میدان میں اخوان کے اہم افراد کو زندگی سے معدوم کردیا۔

۱۹۶۵۔۱۹۶۶ء میں پھر ''اخوان'' پر حکومت کے خلاف عوام کو اکسانے کا الزام عائد کیا گیا۔بس پھر کیا تھا حکومت نے یکے بعد دیگرے ''اخوان'' کے رجال کار کو ہدف بنانا شروع کیا، اور اس مرتبہ اس اسلامی تحریک کے اہم تین ارکان کو شہادت کے تختہ پر لٹکایا گیا۔جن میں سرفہرست سید قطب ہیں جو ''حسن بناء'' کے بعد سب سے زیادہ مضبوط رہنما ومرشد مانے جاتے ہیں۔اور رنگ اسلامی کے عظیم نمائندے تصور کیے جاتے ہیں۔اس عظیم اسلامی مفکر کو ۱۹۵۴ء دس سال کے لئے جیل کے سلاخوں میں ڈال دیا گیا۔پھر ۱۹۶۴ء میں عراقی صدر عبدالسلام عارف کی کوششوں سے رہائی ملی بھی تو چند ہی روز کے لیے پھر آخر وہی حشر ہوا۔

سید قطبؒ نے اپنے پیچھے خالص اسلامی طرز فکر کی اہم کتابیں چھوڑیں، جیسے بنیادی کتاب ''فی ظلال القرآن'' قرآن کریم کی اہم تفسیری کتاب ہے، جس کو ہر عالم نے پسند کی نگاہ سے دیکھا۔اور ''العدالة الاجتماعية فی الاسلام'' اسی طرح ''خصائص التصور الاسلامی و مقوماته'' وغیرہ۔

لیکن جماعت ''اخوان'' نے اتنے سنگین حالات اور ناگفتہ بہ کیفیات کے باوجود بھی اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھا اور خفیہ طور پر اپنے کاز کو آگے بڑھاتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمال عبد الناصر کا پیمانۂ زندگی لبریز ہو گیا اور وہ ۱۹۷۰/۹/۲۸ء کو واصل الی اللہ ہو گیا۔

انور سادات نے اپنی صدارت وزمانہ حکومت میں بقیہ قید میں رکھے ہوئے رہنماؤں کو مختلف مراحل میں آزاد کردیا۔البتہ شیخ حسن الھیضی کے بعد شیخ عمر تلمسانی کو مرشد عالم منتخب کیا گیا جن سے اخوانی قیادت نے ان تمام حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا جو جمال عبدالناصر کے عہد حکومت میں سلب کرلیے گئے تھے۔حقوق کی بحالی کے بعد ''جماعت اخوان'' نے اپنے ماضی کے کئی مجلّات وجرائد کو از سر نو دوبارہ جاری کیا، جیسے ''النذیر'' ہفتہ واری، ''الدعوة'' ہفتہ واری، ''الاخوان المسلمون'' روزنامہ ''الشھاب'' ماہنامہ ''المسلمون'' ماہنامہ، ''لواء الاسلام'' وغیرہ۔

اخوانی قیادت میں مصر کے علاوہ بھی شخصیات ابھریں اور انہوں نے اپنی خدمات سے ایک مقام پایا۔جن میں سرِفہرست شیخ محمد محمود صواف ہیں جو عراق میں ''اخوان'' کے بانی ومرشد مانے جاتے ہیں۔موصوف کی بہت سی دینی وعلمی کتابیں ہیں، شیخ محمد صواف کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے عراق سے ہجرت کرجانے کے بعد افریقہ میں اخوانی دعوت کو عروج پر پہونچایا۔

اسی طرح شام میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ ہیں جو ملک شام میں اخوان کے بنیادی رکن شمار کئے جاتے ہیں، جامع ازہر کے شعبہ کلیۃ الشریفہ سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ۱۹۴۹ء میں فلسطین میں اخوان کے مقامی دستوں کی قیادت کی، دمشق میں بھی موصوف نے اخوانی مشن کو آگے بڑھایا۔

## افکار ونظریات:

اہل ''اخوان'' اسلام کے بارے میں ایک ٹھوس اور مضبوط عقیدہ کے حامل ہیں۔اور تمام مسلمانوں کی توجہات کو اسلام کے غیر متزلزل عقیدہ کی طرف مبذول کرتے ہیں۔جماعت اخوان کا نظریہ اسلامی حکومت کا انعقاد اور زمین پر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے۔جس کو ''اخوان'' کے بنیادی بانی اور روح رواں شیخ حسن بناء اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ **الاسلام عبادة و قيادة و دين، ودولة و روحانية، و عمل وصلاة و جهاد و طاعة و حكم ومصحف و سيف لاينفک واحد من هؤلاء عن الآخر۔**

کہ اسلام نام ہے عبادت کا، رہنمائی کا، دینداری کا، صحیح اسلامی حکومت کا، روحانیت کا، مسلسل عمل کا، نماز کی پابندی کا، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کا، اللہ کی اطاعت کا، اولوا الامر کی تابعداری کا، قرآن پر عمل کا اور ضرورت کے وقت اسلام کے لئے تلوار کے استعمال کا ان امور میں سے کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں کی جا سکتی ہے۔

اخوان نے روز اول سے ہی اس بات کا التزام کیا کہ اسکا دائرۂ عمل وسیع تر ہوجائے تاکہ یہ تحریک ایک عالمی تحریک کے روپ میں ظاہر ہو۔ظاہر ہے کہ اس کے چند شرائط بھی ہیں جن کی طرف بانیٔ تحریک اشارہ فرمارہے ہیں کہ:

۱۔اختلافی مظاہر سے دوری۔ ۲۔قوم کے سرکردہ اور مالداروں سے اجتناب۔ ۳۔سیاسی مجالس اور پارٹیوں سے احتراز۔ ۴۔لائحۂ عمل کو فروغ دینے کے لیے تدریجی وسلسل محنت۔ ۵۔عملی اسپرٹ کو فوقیت دینا پروپیگنڈہ پر۔ ۶۔نوجوانوں کو اس تحریک کی

طرف متوجہ کرنا، ۷۔ دیہاتوں اور شہروں پر اخوانی دعوت کو عام کرنا۔

اخوانی تحریک کی بنیادی دعوت جس پر اسکے مقاصد کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ یہ کہ لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں، اس لیے کہ یہ تحریک ایک ربانی تحریک ہے ۔یہ ایک عالمی تحریک ہے جس کا پیغام پوری انسانیت کی کامیابی کا ضامن ہے کہ تمام انسان اپنے اصل کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں، جن میں اگر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت وبرتری حاصل ہے تو وہ صرف تقویٰ وخشیتِ ربانی کی بنیاد پر۔

اس لئے حسن بناءؒ اپنے دینی بھائیوں سے جس عمل کے طلب گار ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کی اصلاح کرلیں کہ قوی جسم والا اور سنجیدہ اخلاق والا، صاف فکروالا، اور خالص توحیدی عقیدہ رکھتے ہوئے صحیح عبادت کرے اور روزی کے حلال ذرائع اختیار کرے، اپنے گھر کی صحیح تربیت کرے کہ گھریلو زندگی میں دینی شعائر وآداب اسلامی کا ہر طرح مظاہرہ ہو۔لوگوں میں خیر کی دعوت کو عام کرے زندگی سے رذائل ومنکرات کو ختم کرے، ملک کو ہر غیر اسلامی افکار والے حکمراں سے آزاد کرائے ، پوری دنیا میں دینی دعوت کو عام کرے کہ ہرسو اللہ کے نام کا ہی بول بالا ہو۔

اس تحریک کے بانی شیخ حسن بناء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیعت کے لیے چند شرائط مقرر کئے ہیں جن پر عمل کرنا ہر اخوانی کی اولین فکر ہوگی ،فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ معاملہ کرنے میں سب سے پہلے اخلاص وللّٰہیت کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی اطاعت کرنے والا، اپنے ہر کام میں پامردی وثابت قدمی دکھانے والا ہو۔ بھائی چارگی اور کامل اعتماد کے ساتھ کام کرنے والا ہو۔

پھر مزید حسن بناء فرماتے ہیں کہ ہماری دعوت کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا مقصد اپنے رب کو پالینا، اور ہمارے لیے نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، قرآن کریم ہمارا دستور، اور جہاد ہمارا راستہ، اور اللہ کے راستے میں جام شہادت نوش کرنا ہماری آخری تمنا ہے۔ ان چیزوں کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان کی زندگی میں خوش خلقی ہو، تلاوت کلام پاک ہو، نماز کا اہتمام ہو، جہاد کا شوق ، اور بلند اخلاق ، اخوانی تحریک ایک دینی تحریک ہے، جس کے مقاصد کتاب وسنت سے ماٰخوذ ہیں۔ جس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کی شریعت زندگی کے مختلف مراحل میں قابل عمل ہو نہ کہ صرف بیان کرنا جیسا کہ بعض افراد نے اس کی بھی جھلک پیش کی ہیں۔ اس کا مقصد تو صرف یہ کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے کام کیا جائے اور بس۔

# دورِ حاضر کے فتنے اور فرقے


نیا اسلام۔ایک اور نیا فتنہ
عظیمی فتنہ، توہینِ رسالت
الفرقان الحق - امریکی قرآن پاک
عورت اور مسجد کی امامت ، ایک تجزیہ
ان مجتہدین کو پہچانئے
امام مہدی
تحفہ گوہر شاہی
ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک
جونا گڑھی کے عقائد و نظریات
جماعت اسلامی
فکرِ اصلاحی
فتنہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی
فرقہ حزب اللہ
خمینیت
تاریخ غیر مقلدین
علمائے اہلسنت اور عصر حاضر کے معتزلہ
ماڈرن ازم
اکبر دی گریٹ (Akbar The Great) کا اسلام
تجدد و اصلاح کا نعرہ
فتنہ بغض اور انکارِ صحابہؓ
بریلویت
بہائیت
قادیانیت
داؤدی بوہرہ
اشتراکیت (کمیونزم)

# نیا اسلام، ایک اور نیا فتنہ:

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، اسریٰ نعمانی، امینہ ودود، نوال السعادی وغیرہ مسلم معاشرے کے ایسے فتنے ہیں، جنہوں نے اپنی فتنہ انگیزی کی ابتداء برل ازل ،مساواتِ مردوزن مسلم معاشرے کی گھٹن جیسے موضوعات پر مضامین لکھنے اور لیکچر دینے سے کی۔

اسلام دشمن پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے ان افراد کو منظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ لوگ ایسے نام نہاد ایشوز پر بات کرتے ہیں جس سے مسلم حلقوں میں ہلچل مچ جاتی ہے، اس قسم کے فتنے اسلام کی اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، ابھی امینہ ودود کے فتنے نے سر اٹھایا تھا کہ ایک نیا فتنہ اور اسلام کا نام نہاد مفکر اور اسلام کے جدید ایڈیشن کے دعوے دار نے سر اٹھالیا، یہ شخص طاہر اسلم گورا ہے، جس نے ''نیا اسلام'' کے نام سے دین کی نت نئی تعبیریں پیش کی ہیں، طاہر اسلم گورا ٹورانٹو کینیڈا میں New Islam Foundation اور Independent Muslim Media Network. کا بانی ہے، اس سے پہلے یہ شخص ٹورانٹو سے ہفت روزہ ''وطن'' شائع کرتا رہا، جسے فرزندانِ اسلام نے اسلام دشمن اور مسلمان دشمن ''ہفت روزہ'' قرار دیا۔

بنیادی طور پر یہ شخص افسانہ نگار اور ناول نگار ہے، پاکستان سے اس شخص کے افسانوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں، اس کے ناولوں اور شعری مجموعوں کے روسی، ازبک اور انگریزی زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں ، اس کے اس کاموں میں "pen canadian journalists for free writers union of canada expression" جیسے ادارے اور دیگر بین الاقوامی اداروں اور تنظیمات نے ان کا بہت ساتھ دیا۔ اس کا انتہائی متنازعہ کام ''نئے اسلام کا اعلان'' کناڈا اور امریکہ کے غیر مسلمانوں میں کڑی تنقید کا نشانہ بن رہا ہے اور اس کے اسلام دشمن افکار و نظریات کی مختلف ذرائع سے اشاعت پر شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے طاہر اسلم گورا میاں نواز شریف کے دورِ حکومت میں سیاسی و نظریاتی اختلاف پر اس وقت کی حکومت کے خلاف تنقید کرنے کے جرم میں معتوب تھے، لاہور میں ان کا بڑا کتب خانہ تھا، پھر موصوف ٹورانٹو کینیڈا آگئے جہاں انہوں نے ہفت روزہ ''وطن'' کا اجراء کیا جس پر یہ الزام تھا کہ یہ قادیانیوں کے فنڈ سے چلتا ہے۔

سانحہ گیارہ ستمبر کے بعد طاہر نے نیا اسلام NEW ISLAM کے نام سے ایک نئی مہم جوئی شروع کر دی ہے، اس مہم پر بھی قادیانی پشت پناہی کا الزام ہے ،کینیڈا سے اسلام پر چھپنے والی متنازعہ کتاب The Trouble With Islam جس کی مصنفہ ارشاد مان جی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی طاہر گورا نے کیا اور طبع کروایا، اس اردو ترجمہ کا نام ''میں دھتکاری مسلمان کیسے بنی؟'' رکھا گیا، یہ معلوم ہوا کہ اسریٰ نعمانی، امینہ ودود، ارشاد مان جی، طاہر گورا یہ سب آپس میں بڑے گہرے اور بے تکلف دوست ہیں۔

میرے پیشِ نظر طاہر گورا کا طویل ترین مضمون (کیا اسلام جدید ضابطۂ حیات بن سکتا ہے؟) جس میں اس نے اسلام میں جدیدیت، ماڈرن ازم، اعتدال پسندی، روشن خیالی کا خوب خوب تڑکا لگایا ہے، مضمون پڑھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ نام نہاد دانشور اور افسانہ نگار اسلام دشمنی میں کس سطح پر اترا ہوا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ان شہرت کے بھوکے، پیسے کے پجاری لوگوں کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہے کہ ۱۱/ستمبر کے سانحہ کے بعد جو بھی اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کرے گا فائدے میں رہے گا اور ان لوگوں کو اس بات کا بھی ادراک وشعور ہے کہ اسلام میں جدید رجحانات کی مہم چلانے کے لئے، اسلام میں نت نئی ترجیحات کا تعین کرنے کے لئے اور اسلام کی انوکھی تشریحات پیدا کرنے کے لئے امریکہ اور کینیڈا سے زیادہ کوئی موزوں مقام نہیں لیکن اللہ خود اپنے دین کا محافظ ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تسلیمہ نسرین چار مردوں سے شادی کے حق میں دلائل دیتی پھرتی ہے کوئی بھی شخص اس کی بات سننا تو درکنار اس سے بات کرنے کا روادار نہیں آج ہندوستان میں بیٹھ کر وہاں کی سیٹیزن شپ (Citizen Ship) کی بھیک مانگ رہی ہے سلمان رشدی ملعون اپنے گھر میں خود قیدی بن گیا ہے برطانیہ اس کی سیکورٹی کے اخراجات سے تنگ آگیا ہے ارشاد مان جی اپنے مسلم گھرانے میں پیدا ہونے پر ماتم کناں ہے، پھر اسریٰ نعمانی جنہوں نے شادی کے بغیر ہی اولاد پیدا کر دی اور بعد میں خود کو کولمبی قرار دیا ایسی اخلاق باختہ عورتیں مذہب میں عورتوں کے حقوق کی علمبردار بن کر سامنے آئیں گی تو ان کی کون سنے گا؟

اور اب مسٹر طاہر اسلم گورا ہے جن کو مذہب اسلام میں شراب پر پابندی پر بڑا صدمہ اور دکھ ہے اور اسلامی معاشرے میں نائٹ کلبوں کے فقدان پر شدید دکھ ہے ۔پاکستان کے شہر قصور میں پیدا ہونے والے طاہر اسلم گورا نے اسلام کا جو جدید ایڈیشن یا نیا اسلام پیش کیا ہے اس کے تحت اسلام کا اصل مسئلہ حلال گوشت، شراب اور نائٹ کلب ہیں حالانکہ طاہر اسلم کو کینیڈا میں رہتے ہوئے اب کم از کم یہ معلوم ہونا چاہئے کہ امریکہ و کینیڈا میں یا یورپ میں رہنے والوں کی بہت بڑی تعداد شراب کو اسی قدر معیوب اور برا تصور کرتی ہے کہ جس قدر مسلمان سمجھتے ہیں جہاں تک حلال حرام گوشت کا تعلق ہے، تو یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ امریکہ اور کینیڈا کے یہودی مسلمانوں

کے حلال گوشت (ذبیحہ) کو بھی حرام تصور کرتے ہیں۔

امریکہ اور یورپ تو اسلام میں دہشت گردی کے عنصر کے خلاف صف آراء تھے مگر طاہر اسلم گورا، ارشاد مانجی، اسریٰ نعمانی، امینہ ودود اور ان کے رفقائے کار تو اسلام کی اساس کے خلاف ہی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے ہیں اور اس کی بنیادوں پر حملے کر رہے ہیں کسی کو عورت کی امامت کا جوش گھر سے باہر نکال لایا ہے۔ کسی کو شراب پانی کی طرح تقسیم نہ ہونے کا دکھ مارے ڈال رہا ہے۔ جب مسلمان ان نام نہاد دانشوروں کی باتیں سنتے ہیں یا ان ناول نگار اور افسانہ نگاروں کی جانب سے اسلام پر حملہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کا ایمان کمزور ہونے کے بجائے اور مضبوط ہوتا ہے، اور وہ دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور اپنے نبی کی پاکیزہ سنتوں پر مزید عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، آسٹریلیا ہی نہیں، سارے یورپ میں مساجد اور اسلامک سینٹرز میں ہونے والی مثبت سرگرمیاں اس کا بین ثبوت ہیں۔ تقابلِ ادیان کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں۔ آج صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے تقریباً تمام مذاہب کے ماننے والوں میں بغاوتیں موجود ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے یہ باغی اور اسلام میں جدیدیت کا تڑکہ لگانے والے، اسلام کا نیا ایڈیشن پیش کرنے والے نئے لوگ نہیں ہیں۔ ایسی کوششیں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں۔ پچھلے دشمنانِ اسلام کا تو ذکر ہمیں تواریخ میں مل جاتا ہے، لیکن اِن کی تو داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

مذہبی انتہاپسندی کے مظاہر دنیا میں کل بھی موجود تھے، آج بھی موجود ہیں اور رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ انسان کی طاقت، اس کی دہشت اور اس کی بربریت کو یقیناً لگام لگ سکتی ہے اور یہ لگام اس کو مذہب ہی ڈالتا ہے۔

مذہب اسلام انسان کی ضرورت ہے، انسانیت کی ضرورت ہے۔ یہی مذہب انسان کی نفسیاتی ضرورت بھی ہے اور اس کی دوا بھی، اس کا ثبوت نارتھ امریکہ اور یورپ و افریقہ اور آسٹریلیا میں انتہائی تعلیم یافتہ خواتین و حضرات کا قبولِ اسلام ہے۔ جواب قرآن مجید کی تعلیمات اسلام کی سادگی، اسلام میں خواتین کے حقوق، یہ الفاظ یا ان جیسے الفاظ پر مشتمل جملے ہوتے ہیں۔

مسٹر طاہر اسلم گورا، پروفیسر مہدی حسن یا جسٹس جاوید اقبال جتنا بھی جدید اسلام پیش کریں یا احکامِ خداوندی کی منسوخی کا مطالبہ کریں، وہ اسلام، شعائرِ اسلام اور احکاماتِ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ انسان مذہب کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مذہب ہی ہے جو انسان کو جینے کا سلیقہ، زندگی کا طریقہ اور حوصلہ عطا کرتا ہے (۲۴)۔ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے کوئی دھرم یا ازم کہہ لیں مگر یہ بات یاد رکھیں کہ برصغیر کے ایک بہت بڑے شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی سلطنت کا پورا جاہ و جلال اسلام کو دین الٰہی کے نام سے بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا، نہ ہی مشرکین و منافقین کی صدیوں پر محیط سازشیں مسلمانوں کو خدا، رسول اور قرآن و حدیث سے برگشتہ کر سکی ہیں۔ اور نہ ہی اب یہ ''نیا اسلام'' جیسے حربے اور سازشیں کبھی کامیاب ہو سکیں گی۔ انشاء اللہ۔

''نیا اسلام'' کے بانی مسٹر گورا نے جن معاملات پر خامہ فرسائی کی ہے آیئے دیکھیں غیر مسلم اسکالرز اور مستشرقین اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ مشہور برطانوی مفکر و مؤرخ برنارڈ شاہ نے لکھا ہے: ''میں کسی ایسے دین یا اجتماعی نظام کو نہیں جانتا جو اس قسم کے عمدہ قوانین اور تعلیمات پر مشتمل ہو جن پر اسلام مشتمل ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ آئندہ سو سال میں برطانیہ اور یورپ اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے''۔ معروف انگریز دانشور تھامس کارلائل نے لکھا ہے: ''قرآن کریم کے احکامات اس قدر عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے''۔ ڈاکٹر کراہل نے لکھا: ''قرآن مجید میں عقائد، اخلاق اور ان کی بناء پر قوانین کا مکمل مجموعہ موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع سلطنت کی بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ تعلیم، عدالت، حربی انتظامات پر مشتمل نہایت محتاط قوانین موجود ہیں''۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے کہ: ''قرآن مجید اخلاقی ہدایات اور حکمت و دانائی کی باتوں سے لبریز ہے۔ قرآن مجید نے عالم انسانیت کی بہت زبردست اصلاح کی ہے۔ جن افراد نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانونِ ہدایت ہے۔ انسانی حیات کی کوئی بھی شاخ لے لیں، ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے''۔

یہ تو غیر مسلم اسکالرز کے الفاظ تھے، جبکہ ''نیا اسلام'' کا بانی ملعون گورا لکھتا ہے: ''اب ہم مسلمانوں کی اکثریت اور اس کی سادگی کی طرف آتے ہیں کہ ان کے پاس قرآن میں تمام مسائل کا حل ہے اور اگر قرآن پر عمل ہو گیا تو مسلمان دنیا پر چھا جائیں گے۔ دو تہائی قرآن میں ایسا کیا ہے جس کی بناء پر مسلمان دنیاوی، روحانی اور کائناتی ترقی میں سرفراز ہو سکتے ہیں؟۔ **نعوذ باللہ من ذالک**

''نیا اسلام'' کے بانی کے نزدیک خدا کسی مذہبی خدا کا نام نہیں بلکہ کائناتی خدا کا نام ہے، مگر ایک غیر مسلم محقق ''اینچ میسلے'' کے نزدیک ایک خدا کی وحدانیت اور آخرت پر ایمان لا کر ہی انسان کی نجات ہو سکتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ہی انسانیت کی نجات ہو سکتی ہے مسٹر بی اسمتھ لکھتے ہیں: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دنیا کا سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ اس سے زیادہ حیران کن مظہر کا تصور بھی محال ہے آپ نے انسان کو یہ سبق سکھایا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے پورے وجود کو پوری روح کے ساتھ یہ سبق سکھایا کہ وہ اپنے پورے وجود کو پوری روح کے ساتھ خدا کے سپرد کر دے

۔انسان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اسکا ہر عمل خدا کے احکام کے مطابق اور اس کے تابع ہو۔''نیا اسلام'' کا بانی ملعون طاہر اسلم گورا پیغمبر اسلام محسن انسانیت کی شادیوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انصاف کا دامن چھوڑ دیتا ہے، لیکن اس ضمن میں ذرا غیر مسلم مفکرین کی آراء ملاحظہ فرمائیے۔مسٹر بی اسمتھ لکھتے ہیں: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم پاکباز اور صالح انسان تھے۔آپ کا دامن ہمیشہ پاک اور بے داغ رہا۔حالانکہ اس معاشرے میں عورتیں کھلونا اور بے وقعت تھیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وقعت مخلوق کو بھی وقار بخشا''۔

ایک اور مشہور مستشرق جان بیکٹ گلب لکھتے ہیں: ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے متعلق بہت کچھ کہا گیا، ہم اس بحث میں پڑنا پسند نہیں کرتے۔تاہم یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت صرف عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں، زینب بنت جحشؓ مطلقہ تھیں اور باقی تمام بیوہ تھیں۔مزید برآں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں خدیجہؓ سے شادی کی جو اس وقت بیوہ تھیں اور ایک نہیں بلکہ دو دو شوہر سے بیوہ تھیں۔اور عمر میں آپ سے کافی بڑی تھیں۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات تک چوبیس سال تک ان کے ساتھ مکمل طور پر وفادار رہے''۔طاہر اسلم گورا کے بقول آیات واحادیث میں اب کوئی کشش اور جان نہیں۔اس لئے میں نے غیر مسلم مستشرقین کے معدودے چند حوالے پیش کئے ہیں، ورنہ یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، افریقہ کی چھوٹی بڑی لائبریریوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعلق کتب 'قرآن مجید اور احادیث کی حقانیت سے متعلق کتب بھری پڑی ہیں۔معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس افسانہ نگار اور کہانی نویس طاہر اسلم گورا کو کسی لائبریری میں جا کر کتاب کے مطالعہ کی بھی توفیق نہیں ہوئی ہے۔ممکن ہے جدیدیت، اعتدال پسندی، لبرل ازم کے شوق میں اپنے دین ہی کو بدل ڈالنے کی آرزو کرنے والے عناصر ان غیر مسلم دانشوروں اور اسکالرز کی آراء ہی پڑھ کر یہ محسوس کر سکیں کہ مذہب اسلام ''Out of Date'' نہیں ہے جیسا وہ سمجھ رہے ہیں۔مجھے امریکہ کے ان غیور مسلمان خواتین وحضرات کی اس بات سے سو فیصد اتفاق ہے کہ اگر یورپ امریکہ کے مسلمانوں نے فکر و تدبر سے اسلام کے ان باغیوں کی تحریر کو پڑھا تو وہ اپنے مذہب وعقیدہ پر اور بھی مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے۔مذہب فطرت کی آواز ہے اسے نہ ''نیا اسلام'' کی آواز ختم کر سکتی ہے نہ جدیدیت ختم کر سکتی ہے اور نہ ہی روشن خیالی کی صدائیں اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔انشاء اللہ تعالیٰ

# عظیمی فتنہ، توہینِ رسالت کا ارتکاب
# کفر بواح، جرأتِ ارتداد

مولانا عبدالقیوم حقانی

ماہنامہ ''روحانی ڈائجسٹ'' کراچی (اپریل ۲۰۰۵ء) کا شمارہ ''فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نمبر'' شائع ہوا ہے۔اس کے صفحات ۴۱ تا ۶۰ پر ایک طویل مگر ناپاک مضمون بعنوان ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالامارت'' (از محمد ذیشان خان) شائع ہوا ہے۔اس لمبی، زہریلی اور گندی تحریر کا نچوڑ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شاہانہ وسرمایہ دارانہ ٹھاٹھ باٹھ اور نمود ونمائش کے ساتھ مسرفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ قرآن مجید کی کھلی خلاف ورزیاں کر کے مسلسل اسراف کیا کرتے تھے۔یعنی ان کی سنت وسیرت نعوذ باللہ سادہ اور صاف ستھری نہ تھی، بلکہ تصنّع اور تعیّش والی تھی۔بالفاظِ دیگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مبلغ قرآن) کا اسوہ عکس قرآن نہ تھا، بلکہ برعکسِ قرآن تھا ۔**استغفر اللہ ولعنۃُ اللہ علی الکاذبین.**

اب مذکورہ نجس مضمون کا جوہری خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جس میں بیشتر الفاظ بھی متنِ مضمون سے ہی لئے گئے ہیں، لیکن پہلے مضمون نگار کی نیتِ بد اور جہالت کے صرف ایک نمونہ کی نشاندہی ضروری ہے۔اس جاہل نے ہر جگہ (عنوان سے لے کر اختتام تک) عربی لفظ ''دار'' کے معنی ''محل'' بتایا ہے، حالاں کہ ''دار'' کے معنی ''مکان'' ہوتا ہے ''محل'' نہیں۔محل کے لئے تو عربی لفظ ''قصر'' ہوتا ہے نہ کہ ''دار''۔اس شیطانی کھیلے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ملاحظہ کریں اس کی ابلیسی تحریر کی بکواسیات وخرافات کے صرف چند نکات کا خلاصہ:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنا پہلا قیام ابوایوب انصاریؓ کے دو (۲) منزلہ ''محل'' میں کیا تھا، جو شاہ تبع کا محل تھا (یعنی مضمون کا سب سے پہلا نکتہ ہی جھوٹ کا شاہکار ہے)

۲۔ اُس ''محل'' کے پاس والی زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''دارالامارات'' (جی ایچ کیو) بنایا۔(کتنی چالاکی سے مسجد نبوی کا نام بھی تبدیل کر دیا)

۳۔ مسجد نبوی کے اردگرد تمام محل ازواج مطہراتؓ کے لئے مخصوص ہو گئے تھے ۔ان محلات کے علاوہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر محلات تھے جن کی تعداد بارہ (۱۲) تھی اور رسول کے تمام ہی محلوں میں باغات بھی تھے۔(مطلب یہ کہ محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن بھی دنیادار بادشاہوں کی طرح ہی تھا۔(نعوذ باللہ)

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں ایسی وسیع وعریض اراضی بھی تھی جس میں سات (۷) چار دیواریوں کے اندر سات (۷) باغات تھے اور ان باغات کے اندر کئی کئی منزلہ سات (۷) بڑی بڑی حویلیاں تھیں۔(مطلب یہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے سب سے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار تھے)

۵۔ خیبر اور فدک کے باغات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں تھے۔(یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار نہ تھے، بڑے زمیندار بھی تو تھے۔(استغفر اللہ)

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ اراضی معدنی وسائل سے بھی مالا مال تھی جن میں ایک سونے کی کان بھی تھی۔(یعنی ذاتی زمیندار، سرمایہ داری اور جاگیرداری کی کوئی حد ہی نہ تھی)۔

۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شاہانہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے۔ان کے صرف ایک جوڑا لباس کی قیمت ساڑھے سات کروڑ روپے کے برابر تھی۔(اسے تہمت اور بہتان کا پہاڑ کہتے ہیں)

۸۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص ریشم سے تیار شدہ جبّہ اور کوٹ بھی زیب تن کیا تھا۔ (حالانکہ ریشم تو مردوں پر حرام ہوتی ہے)

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سونے کی انگوٹھی بھی خاص طور پر بنوائی تھی اور پہنی بھی تھی (یعنی ایک اور حرام کاری کی تھی۔(نعوذ باللہ)

۱۰۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چمڑے کا بیلٹ ایسا بھی تھا جس میں چاندی کی کڑیاں لگی ہوئی تھی۔(بالفاظِ دیگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سونے چاندی کے استعمال کے بڑے حریص تھے)

۱۱۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے محل میں متعدد کھانے کے برتنوں میں ایک طشت، بڑا دیگ ایسا بھی تھا جس پر تین (۳) چاندی کے کڑے لگے ہوئے تھے اور جس کی قیمت اس وقت چار (۴) لاکھ درہم تھی (جو آجکل کے حساب سے کروڑوں روپے کے برابر تھی) (اللہ اللہ)

۱۲۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار باندھی ہوئی تھی ،اس پر سونے اور چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔(جھوٹ کی انتہا ہے)

۱۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس متعدد زرّہ تھیں جن میں سے ایک ایسی بھی تھی جس کے حلقے چاندی کے تھے (مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بس سونے، چاندی اور ریشم کے رَسیا تھے)

۱۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف ڈیزائن کے چمڑے کے جوتے استعمال کیا کرتے تھے۔(یعنی یہ استعمال سونے، چاندی اور ریشم کے استعمال کا تکملہ تھا)

۱۵۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصطبل میں پندرہ (۱۵) گھوڑے، چار (۴) سواری والی اونٹنیاں، بیس (۲۰) دودھ والی اونٹنیاں، سو (۱۰۰) بکریاں، دو (۲) خچر اور ایک گدھا تھا۔ان میں سے ایک اونٹنی ایسی بھی تھی جس کی قیمت ایک کروڑ روپے کے برابر تھی۔(اس عیاشی کا تو جواب ہی نہ تھا۔(نعوذ باللہ)

۱۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نقیع کے مقام پر ایک وسیع وعریض اراضی تھی جو صرف چراگاہ کے طور پر مخصوص تھی (یعنی وڈیرہ شاہی کے لئے تو ایسا ہونا ضروری بھی تھا)

۱۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ شکاری کتے بھی تھے، جن میں ایک کتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرسی کے نیچے بھی بیٹھا کرتا تھا۔(استغفر اللہ)

۱۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھیتوں اور باغات سے کئی ٹن اناج (غلہ) اور میوہ آتا رہتا تھا۔(محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وڈیرے جو تھے معاذ اللہ)

۱۹۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواجِ مطہراتؓ کے لئے ذاتی نوکروں (خادموں) کی کل تعداد دوسوسات (۲۰۷) بنتی تھی۔ان میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی تھیں اور ان میں ایک یہودی بھی تھا اور پارسی بھی تھا۔(مطلب یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آستین میں سانپ بھی پالا کرتے تھے)

۲۰۔ ضروریاتِ زندگی کے لئے ازواجِ مطہراتؓ کو جو چیزیں ملتی تھیں ان کی سالانہ مالیت آج کے حساب سے ہر ایک زوجہؓ کے لئے چار لاکھ اٹھارہ ہزار روپے ہوتی تھی۔(بادشاہ وقت کی ہر ایک زوجہ ملکہ ہی تو تھی)

۲۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام صاحبزادیوں کے لئے نرم وملائم اور ریشمی لباس بنوا کر دیا کرتے تھے۔(یعنی وہ شاہ کی شہزادیاں جو تھیں)

(۲۲) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکزی محل کو ''ایوان صدر'' کی حیثیت حاصل تھی۔یہ محل محض نام کا محل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی فقر وفاقہ کا مسکن تھا۔یہ محل تو کئی منزلہ محل تھا جہاں بیک وقت درجنوں خدام اور خادمائیں مختلف کاموں میں مصروف عمل رہتے تھے (مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ''ایوان صدر'' نعوذ باللہ دنیا پرستی کا شاہکار عظیم تھا۔سبحان الله ونعوذ با لله، لعنة الله علی الکا ذبین ۔

آخر میں وفادارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یاددہانی کے لیے بزبانِ اقبال اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی حاضر ہے ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے ،تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا ،لوح وقلم تیرے ہیں

ابتدائے اسلام ہی سے دنیا میں کچھ ایسے بدطینت اور گندی ذہنیت کے مالک افراد نے جنم لیا ہے جنہوں نے نہ صرف اسلام بلکہ بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اپنی ناپاک تقریروں کا نشانہ بنا کر خوب کیچڑ اُچھالا اور'' خسر الدنیا والآخرة '' کا مصداق بنے انہیں ناہنجار وناعاقبت اندیش افراد میں سے سطور بالا کا مضمون نگار بھی ہے کم بخت جس نام کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا متبرک نام لگا رہا ہے بجائے اس کے نسبت عظمیٰ کا کچھ پاس ولحاظ کرتا اس نے تو جس زہر یلے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واحوال کو پیش کیا جس کے لفظ لفظ میں درندگی۔ اسلام دشمنی اور کج روی ٹپک رہی ہے اتنی خطرناک تحریر جسکا ہر تیر زہر آلود ہے شاید اور کسی نے لکھی ہو۔ اور آپ کی ذات بابرکت کو مجروح کرنے کے لیے جتنا سفید جھوٹ اس نے بکا ہے لگتا نہیں ہے کہ اتنا بڑا جھوٹ اس سے قبل کسی نے کہا ہو۔ ہم ذیل میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں سیرت کی معتبر ومستند کتابوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوالِ واقعی اور حقیقی حالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ جس شخصیت کے متعلق جو کچھ زہر اس نے اگلا ہے اس ذات گرامی قدر نے کتنی سادگی اور کس قدر فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی گذاری اور پوری انسانیت کے لیے اسوہ ونمونہ بن گئے چنانچہ قرآن مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے: ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ'' کے الفاظ سے قیامت تک پوری انسانیت کے لیے آپ کی ذات مبارکہ کو نمونہ اور آئیڈیل بنا دیا۔ مندرجہ ذیل آیت کی تفصیل سے اس کی بہت ساری بکواس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرما رہے (جس کو اس نے محل سے تعبیر کیا ہے) آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی (جس کو اس عقل کے دشمن نے کہا ہے) اس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے اور اس وقت آدمی بھیج کر آپ نے اہل وعیال کو بلوایا اور ان حجروں میں اتارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے ہر حجرے کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا ان سے اندر دھوپ آتی تھی چھت کھجور کی شاخوں اور پتیوں سے چھائی تھی بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل لپیٹ لیتے تھے بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھو سکتا تھا گھر کے دروازہ پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ تھا (سیرۃ النبیؐ، بخاری، ادب المفرد)

ان حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ تھا جس کو احادیث میں شربہ کہا گیا ہے ۹ھ میں جب آپ نے ایلاء کیا تھا نیز گھوڑے پر سے گر کر چوٹ کھائی تھی تو ایک مہینہ اس میں اقامت فرمائی تھی اس بالاخانہ پر سامان آرائش کیا تھا ایک چٹائی کا بستر چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ادھر ادھر چند کھالیں لٹکی ہوئیں تھیں۔ (سیرۃ النبیؐ، بخاری شریف)۔ جس عظیم المرتبت ہستی کے پاس ایک حقیقی مکان بھی نہیں تھا ایک پدری وراثت میں ملا ہوا گھر وہ بھی حضرت عقیل نے قبضہ کر لیا تھا بھلا اس ذات کے کیا محلات اور حویلیاں ہو سکتی ہیں اور ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں وہ کتنے تنگ اور چھوٹے تھے اس کی ساری کیفیت آپ نے پڑھی، کیا انکو محلات اور حویلیوں سے تعبیر کرنا کھلا جھوٹ نہیں ہے اور اپنی بیوقوفی کا ثبوت نہیں ہے کہ اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ محل ومحلات کس کو کہا جاتا ہے۔

رہا مسئلہ آپ کی املاک کا تو حجاز مقدس سے غیر قوموں کے انخلاء کے سبب سے بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں جو آپ کے قبضہ میں آئیں؛ چنانچہ بنونضیر، بنوقریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ نے ان کو اپنی طرف سے مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا خیبر کی زمین کچھ خالص رہی اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرما دی جو حدیبیہ میں شریک تھے یہ جاگیریں اس وسعت اور فیاضی کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ یہ شخص ان کا انتخاب اور اس کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔ نیز فدک وخیبر کی ملکیت تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہو یا بطور ولایت اسلامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں رہی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں تینوں جائدادوں کی آمدنی مسافروں کے لئے وقف تھی خیبر کی آمدنی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تینوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے دو حصے عام مسلمانوں کے لئے ایک حصہ ازواجِ مطہرات کو سالانہ مصارف کے لئے ملتا تھا اس میں سے جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا۔ (سنن ابو داؤد، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عمدہ نفیس لباس بھی زیب تن فرمایا ہے لیکن عام طور پر لباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا ہوتا جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے، نیز ملا علی قاری نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا سوت کا بنا ہوا تھا۔ (شمائلِ ترمذی) کیا سوت کے بنے ہوئے لباس کی قیمت سات کروڑ ہو سکتی ہے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے ایک کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہہ بند نکال کر بتلائی کہ انہیں کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی نسبت نہایت درجہ کی غلط بیانی ہے۔

## انگوٹھی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی انگوٹھی استعمال نہیں فرمائی بلکہ چاندی کی انگوٹھی استعمال فرمائی اور وہ ایک اہم ضرورت کی وجہ سے چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کیا کہ سلطان مہر کے بغیر کوئی تحریر ہرگز قبول نہیں کرتے ہیں اس بناء پر چاندی کی انگوٹھی بنائی اور محمد رسول اللہ لکھوایا۔ بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) مضمون سابق کے نمبرات پر جو اس نے لکھا۔ دیگ اور آپ کے برتنوں کے متعلق اس کا جھوٹ ہونا گذشتہ تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالاخانہ میں کس قدر معمولی سامان تھا یعنی ایک چٹائی کا بستر ایک چٹائی کا تکیہ اور چند کھالیں، ہاں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس

میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے، جیسا کہ حضرت ثابتؓ کی روایت میں موجود ہے: (شمائل ترمذی۔)

## اسلحہ وغیرہ:

زہد وقناعت کے باوجود جہاد کی ضرورت سے خانہ مبارک میں نو عدد تلواریں تھیں سات زرہیں تھیں لیکن زرہیں سب لوہے کی تھی نہ کہ چاندی کی۔ (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

## نعلین مبارک:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے جوتے ضرور استعمال فرماتے لیکن مختلف ڈیزائن کی مضمون نگار کی ایجاد ہے، چنانچہ حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک جوتے پر دو دو تسمے تھے (ترمذی)۔ شمائل ترمذی میں اس کی شرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب میں جوتا ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے پر دو تسمے رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

## دواب وجانور:

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن حویرث صحیح بخاری کتاب الجہاد سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں چھوڑا بجز اپنے سفید خچر اور ہتھیار اور ایک زمین کے جو عام وقف ہوگئی البتہ احادیث کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن حویرث کی مختصر فہرست کے علاوہ چیزیں بھی آپ کے قبضہ میں آئی اور ممکن ہے کہ آپ نے حسب عادت وفات سے قبل ہدیہ خیرات کردی ہو بہرحال از روئے روایات صحیحہ مختلف اوقات میں حسب ذیل جانور آپ کے دائرہ ملک میں آئے۔

**لحیف:** ایک گھوڑا جو عبداللہ بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا۔ (بخاری شریف)

**عفیرہ:** ایک گدھا تھا (بخاری شریف)

عضباء وقصواء نہایت تیز اونٹنی تھی قصواء بھی اسی کا نام ہے۔ دلدل۔ جسکا اکثر روایتوں میں ذکر ہے اسی خچر کا نام ہے جو عمرو بن حویرثؓ کی روایت میں مذکور ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلماء (رئیس ایلہ نے آپ کو ایک سفید خچر غزوۂ تبوک کے موقع پر تحفۃً ہدیہ بھیجا تھا (بخاری کتاب الجہاد) (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو بکریاں تھیں آپ پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان کی تعداد سو سے متجاوز ہو جب تعداد سو سے بڑھنے لگی تو ان میں سے کسی ایک کو ذبح کرڈالتے تاکہ سو کی تعداد باقی رہے۔ نیز روایات احادیث میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانوروں کا تذکرہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ان میں کہیں پر بھی آپ کے پاس کتے کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس کا تصور کیا جاسکتا ہے یہ محض صاحب مضمون کی افتراء پردازی ہے اور کچھ نہیں۔

## خدام:

چوں کہ حضرات صحابہؓ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت دنیا و مافیہا سے بڑھ کر نعمت تھی اس لئے ہر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو کیا آپ پر جان تک دینے کو ہمہ وقت تیار رہتا تھا اس اعتبار سے تو سارے صحابہ گویا آپ کے خدام خاص تھے۔ لیکن بعض صحابہؓ ایسے عقیدت مند تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے اور خاص خاص کام انجام دیتے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں یہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار بھی تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جاتے تو خوابگاہ، وضو، مسواک کا اہتمام ان کے متعلق ہوتا جب آپ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے راہ میں آگے آگے عصاء لے کر چلتے وغیرہ۔ (طبقات ابن سعد، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) حضرت بلالؓ دنیا ان کو مؤذن رسول کے لقب سے جانتی ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کردیا تھا اس وقت سے آپ کی خدمت میں رہے آپ کا خانگی انتظام انہیں کے ذمہ تھا بازار سے سودا سلف لانا مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا یہ تمام باتیں انہیں کے متعلق تھیں (۳) حضرت انسؓ بن مالک بھی آپ کے خاص خادم تھے دس برس تک آپ کی خدمت کی لوگوں کے پاس آنا جانا چھوٹے چھوٹے کام کرنا وضو کا پانی لانا یہ ان کے فرائض تھے۔ (فضائل انسؓ صحیح مسلم)

نیز روایات واحادث میں جہاں خدّام کا تذکرہ ہے یہودی یا پارسی کو خادم رکھنے کا ذکر نہیں ہے یہ بھی اسکے فیصلۂ جھوٹ کا ایک جھوٹ ہے اور کیونکہ آپ اپنے اور دین کے دشمنوں کو خادم بنانے کے لئے کیا آپ کے پاس جاں نثار صحابہ کی کمی تھی؟

ازواج مطہرات کی سادہ زندگی۔ ازواج مطہرات کے ساتھ جو آپ کو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام اہل وعیال اور خانوادۂ نبوّت کو ممانعت تھی کہ وہ پرتکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں آپ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں پہننے سے پرہیز کرو۔ اگر ہر زوجہ کو سالانہ خرچ چار لاکھ اٹھارہ ہزار روپیہ ملتا تھا تو پھر فقر وفاقہ اور تنگ دستی کی زندگی گزارنے کا کیا مطلب تھا اور کیوں فاقے پر فاقے برداشت کئے جاتے تھے؟ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ بھر نہیں کھایا (ترمذی شریف) نیز حضرت عائشہ ہی فرماتی ہے ہم لوگ ’’یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال‘‘ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا (ترمذی شریف) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینے کامل گزر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں

مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادیوں کو نرم وملائم وریشمی لباس بنوا کر دینا کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ پورے خانوادۂ نبوّت کو ہر تکلف اور ریشمی لباس سونے کے زیور کا استعمال کی ممانعت تھی جن چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود منع فرماتے تھے وہ کام خود کرینگے (نعوذ باللہ) چنانچہ آپ کی محبوب ترین بیٹی جنتی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمہؓ کا کیا حال تھا کہ انھوں نے آپ کی محبت سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ چکی پیسنے سے ہاتھ میں چھالے، بار بار مشک سے پانی بھرنے سے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دینے سے گٹے سیاہ ہو جاتے آپ تو انکار فرما دیا اور کہا کہ یہ فقراء و یتامی کا حق ہے نیز ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں (ابوداؤد شریف) محترم قارئین یہ حال ہے سیدالاولین والآخرین کی لخت جگر اور جگر گوشہ رسول کا کہ جس کے پاس ڈھنگ سے دوپٹہ بھی نہیں تو پھر نرم وملائم اور ریشمی لباس کے پہننے اور پہنانے کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے۔

## مسجد نبوی:

اللہ کے گھر مسجد نبوی کو ایوانی صدر سے تعبیر کرنا انتہائی درجہ کی گستاخی اور بدتمیزی ہے کیونکہ ایک مسجد عام کہ جس کو خدا کا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کے صدور کے محلات ومکانات کی حیثیت ہی کیا ہے پھر مسجد نبوی کہ جس کے فضائل جا بجا روایتوں میں موجود ہیں اور جسے خدا کا گھر ہونے کے ساتھ ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہونے کا بھی شرف وامتیاز حاصل ہے کے مقابلے میں دنیاداروں کے ایوانوں اور محلات کی حیثیت آفتاب کے مقابلے میں چراغ کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہوسکتی ہے پھر مسجد نبوی میں صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت وریاضت تعلیم وتعلم ترتیب ومجاہدہ کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کے تمام امور انجام پاتے تھے جس کی وجہ اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، لہٰذا اہل ایمان اور جاں نثار خدّام کا جمع ہونا ایک لازمی امر تھا اور مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر ونواہی سے واقف ہو بلکہ شب وروز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے تمام اسلامی رنگ میں ڈوب جائے، گفتار وکردار بات چیت نشست وبرخاست قول وعمل ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہوجائے تاکہ وہ ملک کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل بن سکے اس لئے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

آخر میں بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت ایسے گمراہ کن عقائد وخیالات سے خوب حفاظت فرمائے نیز اپنے حبیب کی سچی پکی محبت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

# 'الفرقان الحق': اکیسویں صدی کا امریکی قرآن

قرآن کریم اسلامی تشریع کا اولین سرچشمہ ہے اور ہر قسم کی تحریف وآمیزش سے پاک ہے۔ اس کے برعکس توراۃ وانجیل اپنی اصلی حیثیت کو برقرار نہ رکھتے ہوئے بے شمار تحریفات کا شکار ہوئی ہیں غالباً اسی وجہ سے مستشرقین نے قرآنی متن کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے اس کو محرّف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل استشراقی فکر کا محور یہ ہے کہ جس طرح تورات وانجیل اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے کئی Version منظرِ عام پر آچکے ہیں، مسلمانوں کے قرآن کو بھی اسی مقام پر لا کھڑا کیا جائے۔ چنانچہ آرتھر جیفری لکھتا ہے:

**"It is sometimes said that christinanity could exist without the New Testament, but Islam certainly could not exist without the Quran'.**

(لیکچرار علومِ اسلامیہ: نیشنل یونیورسٹی (Fast) لاہور)

یعنی عہد نامہ جدید کے بغیر عیسائیت تو اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے، لیکن قرآن کے بغیر اسلام باقی نہیں رہ سکتا۔ (لیکچرار علوم اسلامیہ: ورچوئل یونیورسٹی آف پاکستان)

قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کی عدیم المثال وابستگی اور دنیا پر اس کے حیرت انگیز اثرات کے مستشرقین بھی معترف ہیں۔ مارگولیتھ کے الفاظ ہیں۔

**"The Quran admittedly occupies an important position among the great religious books of the world..... it yields to hardly any in the wonderful effect which it has produced on large messages of men".**

(لیکچرار علوم اسلامیہ: ورچوئل یونیورسٹی آف پاکستان)

اہل مغرب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جب تک مسلمان کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ پختہ ہے، تب تک اسلامی اقدار کو منہدم کرنا مشکل ہے، چنانچہ راستے کے اس بھاری پتھر کو ہٹانے کے لیے قرآن مجید پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے، سینئر برطانوی وزیر گولڈسٹون نے پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں قرآن مجید ہاتھ میں بلند کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''تین چیزوں کی موجودگی میں ہم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے: ''نماز جمعہ، حج اور یہ کتاب''

کچھ عرصہ قبل امریکہ سے ''الفرقان الحق'' نامی ایک کتاب شائع ہوئی جس کو اکیسویں صدی کا قرآن قرار دیا گیا اور اس کی نشر واشاعت پوری تندہی کیساتھ تا حال جاری ہے۔ اِن سطور کا مقصد دنیا کو مغرب اور مستشرقین کا وہ متعصّبانہ رویہ دکھانا

ہے جو وہ مسلم امہ اور مسلمانوں کے بنیادی ورثہ کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ عہد طالبان میں پتھر کے دو مجسموں کے ٹوٹنے پر دنیا کا حیرتناک اور شدید ردعمل دیکھنے کو ملتا ہے، لیکن مسلمانوں کے دستورِ زندگی اور تعلیمات وعقائد کے مرکز قرآن مجید کا جب مذاق اڑایا جائے تو عالمی حقوق کی کسی تنظیم کی طرف سے کوئی مذمتی بیان جاری نہیں ہوتا۔

مغرب سے متاثر وہ افراد جو اسلام کے متعلق تعلیمات کے حصول کے لیے مستشرقین کے بظاہر سائنٹفک مگر بباطن غیر حقیقی مواد پر مشتمل مقالات کا مطالعہ کرتے ہیں، بہت جلد شکوک وشبہات کی گھاٹیوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ نوجوان نسل، جو پہلے ہی مادی ترغیبات کے سبب دائرۂ مذہب سے فرار کی خواہاں ہے، اس کے لیے ایک چھوٹی سی آواز بھی راہِ راست سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ ایسے حالات میں اس ضرورت کا شدید احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی منظّم شکل میں مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے مستشرقین اور اہل مغرب کے متعصب افراد کی آوازوں کا قوی اور مسکت جواب دیں۔ قارئین کرام کے لیے حالیہ امریکی قرآن کی اصلیت اور اس کے پس پردہ چشم کشا صیہونی مقاصد کا تعارف پیشِ خدمت ہے:

''الفرقان الحق'' نامی امریکی قرآن کا مصنف ڈاکٹر انیس شوروش (Anis Shorrosh) ہے جو خود کو 'الصفی'، 'المہدی' اور 'مہدی منتظر' جیسے القاب سے ملقب کرتا ہے۔ انیس شوروش کا اصل نام پہلی مرتبہ Amazon نامی انٹرنیٹ سائٹ پر دیکھا گیا (۵)۔ انیس شوروش فلسطین میں پیدا ہوا، یعنی یہ اصلاً فلسطینی عربی ہے۔ اُردن کے میسیسپی کالج (Mississippi College) میں تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے سے قبل Orleans Baptist new Theological Seminary کے ادارہ میں پڑھاتا رہا اور دو مرتبہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری بالترتیب Institute of Seminory Ministry International Luther Rice اور Dayton Tennessee کی یونیورسٹیوں سے حاصل کی۔ یہودیوں کے ساتھ مقبوضہ ارضِ مقدس میں کام کرتا رہا۔ مزید برآں ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۶ء یروشلم کے کنیسا میں بھی خدمات انجام دیں۔ امریکہ اور اسرائیل کے مابین ۴۰ سال تک Clergyman یعنی پادری سفارتکار کے طور پر جبکہ افریقہ، کینیا، کیپ ٹاؤن، ڈربن، جوہانسبرگ وغیرہ میں بطور عیسائی مبلغ کام کیا۔ ۱۹۵۵ء میں نیوزی لینڈ سے انگلینڈ منتقل ہوا اور بعدازاں پرتگال میں رہائش پذیر رہا (۶)۔ مشہور اسلامی مفکر اور اسکالر احمد دیدات نے اس کے ساتھ دو مناظرے بھی کیے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۸۰ء کو لندن میں ''کیا عیسی خدا ہے؟'' کے موضوع پر پانچ ہزار افراد کی موجودگی میں، جبکہ دوسری مرتبہ برمنگھم میں ''قرآن وانجیل کیا کلام اللہ ہے؟'' کے عنوان پر بارہ ہزار افراد کے اجتماع میں مناظرہ ہوا۔

انیس شوروش نے مذکورہ بالا مناظروں کے بعد ایک کتاب تالیف کی اور اس کتاب کے متعلق کہا کہ یہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام غلط عقائد پر مشتمل دہشت گردی کا دین ہے جو لوگوں کو جھگڑے، قتال اور خون بہانے کی طرف مدعو کرتا ہے کیونکہ اس کا اولین مصدر یہی قرآن ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قرآن کو الفرقان الحق سے بدل لیں (۷)۔ شوروش کے الفاظ ہیں کہ ''قرآنی اجوذ' **کتبته بالعربية الجيدة وترجم الى اللغة العربية الانجليزية الجيدة** (۸)

انیس شوروش کی اسلام اور مسلم دشمنی اس وقت کھل کر سامنے آئی جب اس نے نائن الیون کے دو دن بعد امریکی ریاست ہیوسٹن کی یونیورسٹی میں بغض وعناد سے بھرپور ایک ایسا خطرناک لیکچر دیا جس میں اس نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر زور دیا۔ شوروش کے الفاظ میں چونکہ دین اسلام دہشت گردی اور خون بہانے کا دین ہے اور اس وقت دہشت گردی کا اولین مصدر قرآن ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قرآن کو ختم کر دیا جائے تاکہ دہشت گردی ختم ہو سکے۔ مزید برآں امریکی حکومت پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو امریکہ سے نکال دیں اور تمام مسلمانوں کو مشرق وسطیٰ کے علاقہ میں جمع کرنے کے بعد ان کو ہائیڈروجن بم سے اڑا دے۔ بعدازاں اسلام اور مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے خصوصی سروس کا اہتمام کیا۔ شوروش کا یہ لیکچر بد کلامی اور اسلام کے خلاف گالی گلوچ سے اس قدر پُر تھا کہ یونیورسٹی کے صدر کو اگلے روز اس سلسلے میں معذرت کرنا پڑی (۹)۔ شوروش نے میڈیا کو اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا بنیادی ذریعہ بنایا حتیٰ کہ انڈونیشیا کے مشہور ٹی وی چینلز کو خریدنے کے بعد ان کی نگرانی انڈونیشیا عیسائیوں کے سپرد کر دی (۱۰)۔

شوروش اپنی کتاب ''الفرقان الحق'' میں قارئین کی حمایت حاصل کرنے کے لیے خود کو ایک مظلوم خاندان کا فرد ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کے والد اور چچازاد کی اسرائیل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاکت نے اس کو ۱۹۷۶ء میں اردن کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ (۱۱) وہ مسلمانوں کو ''I scincerely love all the Muslims'' کے الفاظ کے ساتھ جھانسہ دینے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ''الفرقان الحق'' کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمانوں سے محبت اور ان کے فائدے کی خاطر اس کتاب کو اپنی سابقہ کتاب ''**كشف حقيقة الاسلام**'' کے تتمہ کے طور پر شائع کر رہا ہے۔ اسرائیلی تھنک ٹینک نے شوروش کا مقالہ ''**الاسلام يستهدف امريكا فى مخطط يمتد عشرين عاما**'' بھی شائع کیا ہے۔ اس مقالہ میں اپنی کتاب ''الفرقان الحق'' کی اہمیت اس طرح بیان کی ہے کہ:

''تاکہ مسلمانوں کے قران کو ہر لحاظ سے چیلنج کیا جا سکے۔ اس کے جوہر اسلوب، لغت اور مشتملات ومحتویات، غرض یہ کہ ہر لحاظ سے اسلامی قران کے مقابل یہی کتاب ہے۔'' (۱۲)

اس خیال میں مسلمانوں نے ۲۰۲۰ء تک امریکہ کی فتح کے لیے جامع

منصوبہ بندی کر رکھی ہے چنانچہ اسی وجہ سے ایک وقت وہ بھی آیا جب مسلمانوں کا یہ منصوبہ ۱۱ر ستمبر کو اچانک جب امریکی سکون کی نیند سو رہے تھے، ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹاورز پر حملہ کی صورت میں رونما ہوا۔

شورش اپنے تعارف میں مزید لکھتا ہے کہ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی اسٹڈی کونسل (Study Council) کا ممبر بھی رہا اور ۷۶ر سے زائد ممالک کے دورے بھی کیے۔ وہ غیر مسلم حلقوں میں حقیقتِ اسلام کو منکشف کرنے کا متخصص (Specialist) قلم کار مانا جاتا ہے۔ شورش کے خیال میں قرآن انسانیت کو ۱۴۰۰ر سو برس سے چیلنج کر رہا ہے کہ کوئی انسان اس جیسی کتاب تالیف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جو زمانہ کے مناسبِ حال اور تورات وانجیل کے مابین جمع وتطبیق کرتی ہو اور ادیانِ ثلاثہ یعنی عیسائیت، یہودیت اور اسلام کی تعلیمات کی جامع تفسیر ہو، لیکن ''الفرقان الحق'' نے قرآن اور مسلمانوں کے اس مقولے اور چیلنج کو باطل کر دیا ہے۔ اس کے مطابق مسلمانوں کے نبی صلی اللہ علیہ سلم پر قرآن تیئیس سال تک اترتا رہا لیکن میں اس نئے قرآن کی ترتیب وتدوین میں سات سال سے زیادہ مصروف نہیں رہا۔ یہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں مرقوم ہے۔ جس پر ۱۹۹۹ء سے عمل شروع ہے۔ وہ مسلمانوں کے قرآن سے ''الفرقان الحق'' کا موازنہ کرتے ہوئے اسلامی قرآن میں قواعد نحو ولغت کی ۱۰۰ر سے زائد غلطیوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو چند مبہم اور غیر واضح نکات پر مشتمل ایک دستاویز سے زیادہ سمجھنے کو تیار نظر نہیں آتا ہے۔ اس کے برعکس اپنے خودساختہ کلام کے واضح اور تفصیلی جزئیات کے ساتھ مالا مال ہونے کا دعویدار ہے۔

''الفرقان الحق'' 20x15 سائز کے ۳۶۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ، بسملہ اور خاتمہ کے علاوہ اس کی ۷۷ر سورتیں ہیں۔ اس متعفن تصنیف کی ہر سورت کی آیات کی تعداد ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے برابر ہے جبکہ ہر سورت کو بتکلف ٹھونس ٹھانس کر بھر دیا گیا ہے۔

''الفرقان الحق'' کا جزء اول اسی سال ہے American Center of Divin Love کی وساطت سے امریکہ میں اومیگا ۲۰۰۱ء (Omega 2001) اور پریس وائن (Press Wine) سے شائع ہوا ہے۔(۱۵) جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کے ہفت روزہ مجلّہ ''الفرقان'' میں نسخہ کی قیمت 3 امریکی ڈالر مذکور ہے جب کہ مذکورہ کتاب امریکہ، اسرائیل، لندن اور دیگر یورپی ممالک میں بڑی تیزی سے فروخت کی جارہی ہے۔ 'الفرقان الحق' کے انٹرنیٹ ایڈیشن کی قیمت 49.19 امریکی ڈالر مذکور ہے۔(۱۶)

'الفرقان الحق' کے ناشرین ومتعلقین کی یہ کوشش ہے کہ اس کتاب کو ہر مسلمان کے گھر بل کہ اس کے دل ودماغ تک پہنچایا جائے۔ اگرچہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ مخلص مسلم اسکالرز اور دانشوروں کی موجودگی میں یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، تاہم انہوں نے اس کتاب کی تقسیم کا آغاز امریکہ کے بڑے بڑے کتب خانوں سے کیا ہے، ۲۰ویں صدی کے مسیلمہ سلمان رشدی کی خصوصی توجہ سے لندن میں بھی یہ کتاب بڑے پیمانے پر دستیاب ہے۔ کویتی مجلّہ ''الفرقان'' کے مطابق اس کتاب کو خصوصاً کویت کے عجمی اداروں میں مفت تقسیم کیا جارہا ہے تاکہ مشنری مقاصد کی تکمیل ہو سکے اور آنے والی نسلوں میں اسلامی تشخص کی ایک مسخ شدہ شکل پیش کی جا سکے تاکہ وہ دینِ حنیف سے روگرداں ہوں۔ اس کتاب کا براہِ راست ہدف نوجوان طبقہ ہے جو امتِ مسلمہ کا قیمتی سرمایہ اور مستقبل کے قائدین ہیں۔ بہت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے بعض نوجوان اور اسکالرز اجماعِ امت کے خلاف جب باتیں کرتے ہیں تو وہ نہ صرف اجتماعی ساکھ کو نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں بل کہ اس سے امت کی وحدت کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کی تقسیم کا دوسرا بڑا مقام ارضِ فلسطین ہے جہاں اسرائیل کے راستے کئی نسخے پہنچائے گئے ہیں جن کو فلسطینی تعلیمی اداروں میں رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ فلسطین کو اس کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنا اس وقت آسان تر ہو جاتا ہے جب بنظرِ غائر یہ دیکھا جائے کہ اس امریکی مسخرہ میں اسرائیلی اہداف کو کس طرح تقویت دی گئی ہے(۱۷)۔

امریکی فرقان کے ایک نمائندہ کی تقریر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ 17/04/2004 تک پیرس، لندن، واشنگٹن اور دیگر کئی بڑے شہروں میں اسلامی و عربی سفارت کاروں کو اس کی تقسیم مکمل کی جاچکی ہے۔ 20 اپریل 2004ء کو BBC نے اس کا نسخہ وصول کیا۔ اسی طرح فلسطین سے شائع ہونے والے عربی، انگریزی اور عبرانی زبان کے مجلّات کے دفاتر میں 15 مئی 2004ء کو اس کے نسخے پہنچا دیئے گئے۔ 17 مئی 2004ء کو لندن سے شائع ہونے والے عربی مجلّات کے دفاتر کی طرف اس کو ارسال کیا گیا۔(۱۸) مزید برآں مذکورہ کتاب www.amazon.com. کے علاوہ دوسرے انٹرنیٹ لنکس پر دستیاب ہے۔

ہمارے لئے مقامِ افسوس بایں طور ہے کہ مسلم مفکرین واسکالرز کو اس بات کی خبر تک نہیں کہ اس فحش کتاب کو کس تیزی ساتھ کے نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلم علاقوں تک پہنچایا جارہا ہے۔ امریکہ سے شائع ہونے والے مشہور ومعروف جریدہ ''صوت العربیہ'' کے چیف ایڈیٹر ولید رباح اپنے ساتھ پیش آنے والے حالیہ واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''کچھ روز قبل ایک امریکی شخص نے ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ کیا جو کہ اہل ٹیکساس کے لہجہ میں عربی زبان بول رہا تھا۔ کہنے لگا کہ میرا نام قسیس الیاہو ہے اور میں آپ سے جتنی جلدی ممکن ہو، ملنے کا خواہشمند ہوں۔ اس نے مزید کہا کہ میرے پاس آپ کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کب اور کہاں ملاقات ممکن ہے؟ اس نے کہا کہ میں ''صوت العربیۃ'' کے دفتر میں پہنچ جاتا ہوں، میں

نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس ہمارے دفتر کا ایڈریس ہے؟ تو اس نے زور دے کر کہا کہ جناب، اس کا ایڈریس تو میرے دل و دماغ پر کندہ ہے، میں نے کہا کہ جناب پلیز ضرور تشریف لائیے، میں فوراً دفتر پہونچا تو چند ہی منٹوں بعد طویل قد و قامت اور گہرے رنگ کے بالوں والا ایک آدمی جس کے ہاتھ میں Samsonite قسم کا ایک بیگ تھا، آن پہنچا، اس نے پُرتکلف انداز میں زبان کو بل دیتے ہوئے کہا ''شلام العلیکم'' میں نے علیکم السلام کہنے کے بعد اس کو بیٹھنے کے لئے کہا، اس نے کہا کہ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا اور اپنا بیگ کھولتے ہوئے ایک چمکدار لفافے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی اور کہا کہ سر! یہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے، میں نے طنزیہ انداز میں کہا کہ اس میں کہیں انتھراکس تو نہیں کیونکہ آپ لوگوں سے کچھ بعید نہیں، اس نے کہا نہیں جناب بلکہ اس میں ایک نئی زندگی ہے جو میں آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں، اس نے یہ کتاب میرے حوالے کی جس پر عربی میں ''الفرقان الحق'' لکھا ہوا تھا، میں نے اس کو ایک طرف رکھا اور اس ک ساتھ معاشیات، سیاسیات اور حالاتِ حاضرہ پر تقریباً آدھ گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی، پھر میں نے پوچھا کہ آپ اس کی تشہیر کے لئے ہمیں کیا دیں گے؟ اس کے دوبارہ استفسار پر میں نے کہا کہ اس کی تشہیر کے لئے آپ ہمیں کیا دیں گے؟ اس نے کہا کہ ایک تو کم ہوگا، دو ٹھیک ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس ایک دو سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اس نے کہا، ایک یا دو ملین ڈالر، لیکن شرط یہ ہے کہ ''صوت العربیۃ'' کے ہر قاری کے گھر میں یہ کتاب پہنچنی چاہئے اور یہ بھی کہ یہ کم از کم دس بار شائع ہو''۔ (۱۹)

''صوت العربیۃ'' کے مدیر اعلیٰ مزید کہتے ہیں کہ:

''وہ آدمی چلا گیا۔ میں نے اس کتاب کو کھولا تو عربی اور انگریزی میں ایک ساتھ لکھی ہوئی اس کتاب کا مقدمہ پڑھنا شروع کیا جس میں لکھا ہوا تھا:

**إلى الامة العربية خاصة والى العالم الاسلامى عامة سلام عليكم و رحمة الله من الله القادر علىٰ كل شئى ـ ـ ـ يوجد فى اعماق النفس البشرية اشواق للايمان الخالص والسلام الداخلى والحرية الروحية والحياة الابدية ـ ـ ـ واننا نثق بالا لٰه الواحد الاوحدبان القراء والمستمعين سيجدون الطريق لتلك الاشواق من خلال الفرقان الحق۔**

یعنی امت عربیہ کے لئے خصوصاً اور عالمِ اسلام کے لئے عموماً، اللہ قادر مطلق کی طرف سے تم پر سلامتی اور رحمت ہو، نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ایمانِ خالص اور سلامتی، روحانی آزادی اور ابدی زندگی موجود ہوتی ہے، ہم کو یقین ہے کہ الٰہ الواحد والاوحد کے فضل سے قارئین وسامعین ایمان و سلامتی کے یہ راستے الفرقان الحق کے ذریعے پائیں گے۔۔۔ خالقِ انسانیت نے یہ روشن ستارے اس صفی ومہدی (شوروش) کی طرف وحی کئے ہیں''۔

پھر ولید رباح نے جب پہلا صفحہ پلٹا تو اس پر سورۂ بسملہ تھی:

**''باسم الاب الكلمة الروح الالٰه الواحد الأوحد۔مثلث التوحيد موحد التثليث ماتعدد ـ فهو اب لم يلد ـ كلمة لم يلد ـ روح لم يفرد ـ خلاق لم يخلق ـ فسبحان مالك الملك والقوة والمجد ـ من ازل الازل الىٰ ابد الابد''**

ولید بن رباح کہتے ہیں کہ میں نے امریکی قرآن کی سورۂ فاتحہ دیکھی اور کتاب بند کرتے ہوئے دل میں سوچا کہ یہ کون سا مہدی ہے جس کو عربی زبان کے اصول وابجد کا ہی علم نہیں تو میں اس کے لطیفہ پر کیوں نہیں ہنس سکتا! میں نے فوراً قرآنِ مجید فرقانِ حمید کھولا اور سورۂ فاتحہ کو پوری دل جمعی سے پڑھا تو زندہ ومردہ کا فرق واضح ہوگیا، مجھے نہیں معلوم کہ میرا خیال اچانک مسیلمہ کذاب کی طرف چلا گیا کہ وہ کذاب ہونے کے باوجود اس فرقان امریکی سے بدرجہا بہتر عربی زبان سے واقف تھا، لیکن پھر بھی اس قابل نہ تھا کہ قرآن کا مقابل تیار کر سکے۔

اس امریکی اقدام کے پسِ پردہ عزائم کا اندازہ حسبِ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

**"The purpose of The True Furqan is a tool of evangelism, because so far we have not found a breakthrough way to reach the Muslim world for Christ, " Al-Mahdy said. "We have tried medicine, schools, books, movies and many other methods. (20)**

''المہدی نے کہا کہ الفرقان الحق کا مقصد انجیل کی تبلیغ واشاعت کے لئے اسے بطور ذریعہ اختیار کرنا ہے، کیونکہ اب تک ہمیں مسیح کی خاطر مسلم دنیا تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ہم دواؤں، اسکولوں، کتابوں اور فلموں سمیت کئی دوسرے طریقے بھی اختیار کر کے دیکھ چکے ہیں۔

## مؤلفِ ''الفرقان الحق'' کی کم علمی وکم عقلی کے ثبوت:

موصوف نے اپنے انگریزی مقدمہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ''الفرقان الحق'' وہ پہلی کتاب ہے جس نے اسلامی قرآن کے چیلنج کا مسکت جواب دیا ہے اور اس سے پہلے تاریخ کے کسی دور میں اسلامی قرآن کے مقابل کوئی کوشش نہیں کی گئی، لکھتا ہے:

**"1400 years ago the Quran challenged the world to produce a book like itself. Now for the first time in history, The True Furqan presents the gospel message in a unique**

style". (21)

شوروش مزید کہتا ہے کہ:

"The True Furqan Will be a breakthrough to Muslims not only because it answers the Qur'an's challenge, but because it also questions many of the Qur'an's teachings. as well as presenting the Gospel message, all in the language Muslims revere -- powerful, perfect, classical Arabic" (22)

شوروش کے مذکورہ بالا دعویٰ کے مطابق یہ وہ پہلی کتاب ہے جو قرآنی اسلوب کے مقابل تالیف کی گئی ہے اور یہی وہ فرقان ہے جس نے چودہ سو سال کے بعد پہلی مرتبہ قرآنی چیلنج کو قبول کیا ہے۔ درحقیقت اس کا یہ گمان مطلق جہالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ معاندین اسلام نے سینکڑوں بار شوروش سے بڑھ کر اسلامی قرآن کے مدمقابل کتابیں اور آیات افتراء کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسیلمہ ،حمام وغیرہ جیسے کذابین ومدعیان نبوت نے (و الفجر و لیال عشر.... الخ) کے وزن پر آیات گھڑی تھیں۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب ''اسد الغابۃ'' میں بھی ایسی عبارات ذکر کی ہیں جو قرآن کے مقابلہ میں بنائی گئیں اور اس پر تنقیدی کلام بھی کیا گیا ہے(۲۳)

مزید برآں امریکی قرآن میں جہاں فاتحہ، القدر، المؤمنین، التوبۃ، النساء، الطلاق، المائدہ، المنافقین، الکافرون، اور الانبیاء جیسی سورتوں کے نام چوری کیے گئے ہیں۔ وہیں بعینہ ایک دو حرف کی تحریف کے ساتھ قرآنی آیات کو بھی نقل کیا گیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ شاید 'الفرقان الحق، قرآنی کلمات، عبارات، تراکیب، ہیئت، فواصل، اور آیات کے توازن، وہم آہنگی سے مدد لئے بغیر کبھی معرض وجود میں نہ آسکتا۔ اس ضمن میں چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**مثل الذین کفرو ابربھم اعما لھم کرمادن اشتدت بہ الر یح فی یو م عاصف لایقدرون مما کسبوا علیٰ شیٔ ذالک ھو الضلال البعید (۲۴)۔**

اس کے مقابلہ میں شوروش کی افتراء کردہ آیت حسب ذیل ہے:

**مثل الذین کفروا و کذبوا بالانجیل الحق اعمالھم کرما دن اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لایقدرون مما کسبوا علیٰ شیٔ ذلک ھو الضلال الاکید (۲۵)**

۲۔ قرآن مجید میں ہے:

**ھا انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتاب کلہ واذا لقوکم قالوا امنا واذاخلو اعضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور ٥ ان تمسسکم حسنۃ تسؤ ھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوابھا وان تصبروا وتتقوا الایضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط(۲۶)**

اس کے مقابلہ میں شورش رقمطراز ہے:

**''یآ یھاالذین آمنوا من عبادناھاانتم اولاء تحبون الذین یعادونکم ،وھم لایحبونکم،واذا لقوکم قالوا :آمنابما آمنتم واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ،وان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوابھا،وان تصبروا وتتقوا الایضرکم کیدھم شیئا،ولایضرون الاانفسھم ومایشعرون'' (۲۷)**

انیس شوروش کا دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ مقصد بھی پوشیدہ نہیں کہ 'الفرقان الحق' دراصل اسلام اور عیسائیت کے مابین بعد پیدا کرنے کی کوشش ہے کیونکہ یہودی ہونے کے باوجود اس نے اس کتاب میں عیسائی تعلیمات کو استعمال کرتے ہوئے اسلام کے ساتھ نفرت کا اظہار کیا ہے۔لیکن منصف مزاج عیسائی دانشوروں نے شوروش کی اس کوشش کو کسی قسم کی قبولیت دینے سے انکار کر دیا ہے۔سید عبدہ عبدالرزاق لکھتے ہیں:

**''......علیٰ شبکۃ الانترنت یقف علی الکثیر من اقوال النصاریٰ المنصفین الذین یعملون ان ھذاالکتاب لایمت للمساء بصلۃ تقول اھدا ھن﴿انا برائی ان الشیٔاو الکتاب المسمی الفرقان الحق ماھوالا کذب تحریف وھجوم علی الاسلام مع اننی مسیحیۃ.....واظن ان الاسلام قد حفظ کتابہ القرآن وسیحفظہ.....''.(۲۸)**

شوروش کی اس کتاب میں تناقضات بھی جابجا ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں ،کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:**ولو کان من عند اللہ لو جدوا فیہ اختلا فا کثیرا(۲۹)**

۱۔ یہودیوں کے نزدیک بنی اسرائیل کے بعد کسی نبی یا رسول کا آنا ممکن نہیں جیسا کہ شوروش 'الفرقان الحق' کی سورۂ انبیاء میں کہتا ہے:

**''مابشرنا بنی اسرائیل بر سو ل یأتی من بعد ی کلمتنا وما عسا ہ ان یقول بعدان قلنا کلمۃالحق وانزلنا سنۃ الکمال .....''(۳۰)**

اس دعوے کے پیش نظر وہ دراصل عیسائیت کی بھی تنکیر کر رہا ہے جبکہ دوسری طرف وہ اپنی کتاب میں ''یشوع النا شید لسلیمان''، انجیل متی ، انجیل مرقس ، رویا القدس یوحنا ، جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

۲۔ شوروش کا بنایا ہوا قرآن عربی زبان میں ہے اور یہ اصول ہے کہ ''مـامن نبی ارسـل الابلسـان قـومـه ''تو یہ الفرقان الحق، کس طرح عربی زبان میں نازل ہو گیا؟ کیونکہ یہودی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو (نعوذ باللہ) غلام اور باندی کہتے ہیں، بایں وجہ اس نسل سے نبوت نہیں چل سکتی (۳۱)۔ کیونکہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب جبکہ اہل عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں تو، الفرقان الحق، کس طرح اہل عرب کے لیے نازل ہو سکتا ہے۔

۳۔ امریکی قرآن کی سورۃ الکبائر کی آیت ۹ کے الفاظ ہیں ''مومنین منافقین'' ایک انسان مومن ہونے کے ساتھ کس طرح منافق ہو سکتا ہے؟

۴۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ شوروش نے بہت سی قرآنی آیات کا سرقہ کیا ہے، تو جب اس کے بقول مسلمانوں کا قرآن (نعوذ باللہ) باطل ہے تو اس نے کیوں اس ''باطل قرآن'' کی آیات کا سرقہ کیا؟ جیسا کہ وہ کہتا ہے ''ومـن يبتـغ غيـر الانـجيل والـفـرقـان كتابا فلن يقبل منه '' اس کے علاوہ بھی سینکڑوں تضادات ''الفرقان الحق'' میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

## عالم اسلام کا موقف:

تمام اسلامی ممالک میں بالعموم اور مصر و سعودی عرب میں بالخصوص اس کریہہ اقدام پر سخت موقف کا اظہار کیا گیا ہے، ماسوائے وطن عزیز پاکستان کے کہ جہاں تادم تحریر کسی پلیٹ فارم سے کسی قسم کا کوئی ٹھوس موقف یا مذمت سننے یا دیکھنے میں نہیں آئی۔ ذیل میں بطور نمونہ مصر، سعودی عرب اور فلسطین کے علماء کی طرف سے اس کے مذمتی بیانات ذکر کیے جاتے ہیں:

جغرافیائی حدود کے اعتبار سے مصر اسلامی دنیا کے علمی میدان میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے مختلف جرائد و رسائل میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ امریکہ نے اسرائیلی تعاون کے ساتھ مصر سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب کی نشر و اشاعت کا انتظام کرے (۳۲)۔ اس کے ردعمل میں جامعہ ازہر کے رئیس ڈاکٹر سید طنطاوی نے شرعی طور پر اس جھوٹے نسخے کی اشاعت کو حرام اور کفر قرار دیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

**"یجب الـرد عـلـیٰ ذلک والتنبیه علیٰ ان هذاالمؤلف لااساس له من الـصحة و تجب مصادرته ......ان حکم من یوزع قرآنامزورا خاصة اذا کـان یـعـلـم حقیقة و یتعمد توزیعه و یقصد رد الناس عن الحق و استدراجهم الی الباطل، فعمله هذا عندئذ و العیاذ بالله هو خروج عن الاسـلام بـل هـوالـکـفـر بـعـیـنـه ،ومـن یـفعل بذلک یکون محاربـا للاسلام"(۳۳)**

مجمع البحوث الاسلامی کی ایک قرارداد کے مطابق انیس شوروش کا انتقامی فعل قرار دیا گیا جو اس نے احمد دیدات مرحوم سے مناظرہ میں شکست کے نتیجہ میں انجام دیا ہے اور یہ کہ شوروش کو اسلام کی تحقیر کرنے پر مستوجب سزا قرار دیا (۳۴)

سعودی عرب میں رابطہ عالم اسلامی مکة المکرّمة کی مجلس تاسیس نے دین حنیف اور قرآن کریم کے متعلق اس فعل شنیع کی سخت مذمت کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا ہے کہ حالیہ امریکی قرآن درحقیقت مسلمانوں کی اسلامی ثقافت اور قرآن کے ساتھ گہری وابستگی کی وجہ سے ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے ذریعے رسالت محمدیہ اور آپ ﷺ کی دعوت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے جیسے خطرناک عزائم مقصود ہیں۔ چنانچہ مسلم حکومتیں اس کی اشاعت رکوانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

رابطہ عالم اسلامی نے دیگر اسلامی تنظیموں سے مطالبہ کیا کہ وہ مشترکہ طور پر قرآن کے دفاع میں اپنی کوششیں صرف کریں اور اسلام دشمن مقاصد کو منظر عام پر لاتے ہوئے مسلمانوں کو اور اسلام اور قرآن کا دفاع کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کریں (۳۵)

فلسطین کے مشہور عالم الشیخ عکرمہ نے 'الفرقان الحق' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''**لـو کـنـا نحن المسلمين قد انتقدنا ای دين سماوی لقامت الدنيا ولـم تعقد**'' یعنی اگر ہم مسلمان یہودیت یا عیسائیت پر تنقید کرتے تو ساری دنیا کھڑی ہو جاتی اور بے چین ہو جاتی اور چین سے نہ بیٹھتی، باوجودیکہ مسلمانوں کا یہ موقف ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی نبی کا تمسخر اڑائے یا اس پر تنقید کرے اور مسلمان حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو نبی مانتے ہوئے ان کو صد احترام سمجھتے ہیں حالانکہ وہ یہودیوں کے بادشاہ ہیں (۳۶)

فلسطینی تنظیم 'حرکت اسلامی' کے نائب رئیس کمال خطیب نے اس کوشش کو اسلام پر ایک حملہ اور دینی شعار کے خلاف سازش قرار دیا (۳۷)

مسلم اسکالر شیخ ابو اسحاق الحوینی نے اس مضحکہ خیز کتاب (الفرقان الحق) کے متعلق شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے قاہرہ کی جامع مسجد میں اس پر تنبیہ و تردید کو واجب قرار دیا:

**و اخـطـر مافی هذه الحرف ان جما هير المسلمين غافلة عن هـذاالـمـخـطـط ..... و هـذا يـقـضـی ان يکون عندنا جيش جرار من الـمـحـققين وعلماء الحديث الذين يعرفون المصادر الا صلية،فان لم نفعل ذلک فهذاهو الضياع بعينه .....'' (۳۸)**

یعنی ہمارے پاس ہر وقت ایسے محققین کا لشکر موجود رہنا چاہئے جو ان جیسے شبہات کا فوری طور پر منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

سید عبدہ عبدالرزاق نے اس کتاب پر اسلامی حلقوں کی طرف سے جس کثرت سے Feed Back آنے کی ضرورت تھی، اس کے نہ آنے پر دکھ کا اظہار کیا: ''ان **ردالـفـعـل الاسـلامی علی هذا الفرقان اقل بکثير مما يجب، وهناک**

**الکثیر من الدول الا سلامیة یوضع حولها علامات استفهام کبیرة، فالکتاب یوزع فی اراضیها، ولنا ان نسأل ھؤلاء : ھل سیخیکم الصمت علیکم وکتاب الکفر یوزع با راضیکم؟" (۳۹)**

غیر مسلم ممالک میں بھی مختلف اسلامی آرگنائزیشنز نے اس پر سخت ردِعمل کا اظہار کیا ہے۔ برطانیہ میں مسلم تنظیموں نے برطانوی حکومت کو کثیر تعداد میں خطوط ارسال کیے ہیں جن میں ایسی ویب سائٹس کو بلاک کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے (۴۰)

امریکہ کی مسلم تنظیموں نے بھی شدید مذمت کا اظہار کرتے ہوئے اس کو دین اسلام کے خلاف متعصّبانہ اقدام قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہیومن رائٹس کی خلاف ورزی ہے امریکی حکومت کو ایک وضاحتی بیان میں کہا گیا ہے کہ جب طالبان گورنمنٹ نے ایک مجسمے کو گرایا تھا تو ساری دنیا سے اس کی شدید مذمت شروع ہوگئی تھی لیکن جب امریکہ میں بیٹھا کوئی شخص مسلمانوں کے تشریعی مصدر اور انسانیت کے دستور قرآن مجید کو مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دانشوروں کے کان پر کیوں جوں تک بھی نہیں رینگتی (۴۱)

شاید کچھ اہلِ علم یہ موقف بھی رکھتے ہوں کہ قرآن اور اسلام کے خلاف شائع ہونے والے مغربی لٹریچر کو قابلِ غور سمجھنا یا اسے کچھ وقعت دینا بھی اس کے شیوع کا سبب ہے، لیکن اس موقف کو کس اعتبار سے قریب از حکمت سمجھ لیا جائے کہ قرآن دشمن مغربی لٹریچر اور اس کے اثراتِ فاسدہ پر ہم خاموشی اختیار کیے رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی امید رکھیں کہ بہت جلد ہم سرزمینِ یورپ پر اسلام کے جھنڈے گاڑنے والے ہیں؟

قرآن کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہمارا موقف ہے، اور یقیناً ہم اس مین حق بجانب ہیں کہ اسلام اور قرآن کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو بازگشت بننے سے قبل ہی دبا دینا مسلمانوں کی عموماً اور اہل علم کی خصوصاً ذمہ داری ہے، کیوں کہ ایسا لٹریچر یقیناً پختہ مسلمان پر تو شاید اثر انداز نہ ہوسکے لیکن نومسلم اور مستقبل قریب میں اسلام قبول کرنے والے وہ لوگ جو دینِ اسلام کے مطالعہ میں مصروف ہیں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جو کسی طور پر بھی اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نہیں۔

امریکہ سے شائع ہونے والے "الفرقان الحق" کی اصلیت اور اس کے پس پردہ مکروہ عزائم کا پردہ چاک کرنے کے لئے یہ تحریر پیش کی گئی، اہلِ علم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس سے باخبر ہونے کے بعد مغرب کے اس متعصّبانہ اقدام پر شدید اظہارِ مذمت کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے سے نقاب کشائی میں اپنا علمی فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

## حواشی:

(۱) دیکھئے: Arthur Jeffery, The Quran as Scripture, Russel & Moore Company, N,Y,1952.

(۲) دیکھئے: G.Margoliouth, INTRODUCTION TO J.M.RODWELL'S THE QURAN, New Yark, Everyman's Library, 1977, p. vii

(۳) پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، قرآن مجید ایک مسلسل معجزہ: ص ۷۔ اورینٹل کالج میگزین: ج ۷۶، ۲۰۰۱ء

(۴) دیکھئے: http://www.alminbar.net/alkhutan/khutbaa.aspmedia

(۵) دیکھئے: http://saaid.net?Doat/ahdat/54.htm

(۶) السید عبده عبدالرزاق ابوعبدالرحمن، القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۵۵، رقم الایداع بدار الکتب 2004/21547 مصر

(۷) دیکھئے: http://www.messiahsgifts4u.com/truefurqan.ht,l

(۸) دیکھئے: Monthly GATRA, No. 1125. May 2002

(۹) القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۵۶، ۵۷

(۱۰) دیکھئے: http://www.saaid.net/Doat/ahdal/54/htm

(۱۱-۱۲) القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۵۷

(۱۳) نفس المصدر: ص ۵۸

(۱۴) نفس المصدر: ص ۵۹

(۱۵) دیکھئے: http://www.alarabonline.org/index.asp?fname

(۱۶) دیکھئے: http://www.amazon.com/exec/obidos/tg/detail/-/15792 11755/qid=1096805827/sr=1-q/ref=sr_1_1/002-4446804-6629664?v=glance&s=books

(۱۷) القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۶۴

(۱۸) دیکھئے: http://www.muslimuzbekistan.com/eng/ennews/2005/05/ennews01052005a1,html

(۱۹) **القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۶۶ تا ۶۸**

(۲۰-۲۲) دیکھئے: http://www.muslimuzbekistan.com/eng/ennews/2005/05/ennews01052005a1,html

(۲۳) ڈاکٹر غازی عنایة کا مضمون "امثلة علی بعض المتقولین علی القرآن" بحوالہ: WWw.balagh.com./mosoal/quran/7zOtb5pi.htm

(۲۴) **القرآن الحکیم**: ابراہم: ۱۸

(۲۵) امریکی قرآن (الفرقان الحق): سورۃ الثالوث/ ۱۸

(۲۶) القرآن الحکیم: آلِ عمران: ۱۱۹، ۱۲۰

(۲۷) امریکی قرآن (الفرقان الحق): سورۃ الخاتم ۱۸

(۲۸) **القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۷۳**

(۲۹) **القرآن الحکیم**: النساء: ۸۲

(۳۰) امریکی قرآن (الفرقان الحق): سورۂ انبیاء

(۳۱) **القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۷۶**

(۳۲، ۳۳) جریدة الاسبوع الاثنین: 06/12/2004، عدد 403، مصر

(۳۴) عقیدتی الثلثاء، ۲۹ ذوالحجۃ/ ۸ر فروری ۲۰۰۵ء، عدد ۶۲۷

(۳۵، ۳۷) الحیاة الوسط: 26/04/2004

(۳۸) دیکھئے: http://www.alheweny.com/iftra2_5.HTM

(۳۹) القرآن الامریکی: اضحوکة القرن الحادی والعشرین: ص ۱۷۳

(۴۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جریدة الوفد: الاثنین: ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء۔۔۔ مزید دیکھئے: htttp://www.alwafd.org.front/index.php

(۴۱) دیکھئے: http://www.alheweny.com/idex21

# عورت اور مسجد کی امامت:

کئی سالوں سے یہاں امریکہ کے مسلمانوں میں ایک نئی بحث نے جنم لیا ہے کہ کیا عورت مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے سکتی ہے یا نہیں؟ کیا مسجد میں خواتین وحضرات ایک ہی جگہ، ایک ہی صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان سوالات پر یہاں کے مذہبی و دینی حلقوں میں گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

لیکن اس سوال پر ایک طوفانی ہلچل ۲۰۰۵ء میں اس وقت مچ گئی، جب ورجینیا کامن ویلتھ یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ کی پروفیسر ڈاکٹر امینہ ودود نے اخبارات میں یہ بیان جاری کیا کہ اسلام میں عورت کو مسجد کے مرکزی حصہ میں مرد حضرات کے شانہ بشانہ نہ صرف نماز ادا کرنے کا حق حاصل ہے بل کہ عورت کو مساجد میں امامت کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ ڈاکٹر امینہ ودود نے مزید کہا کہ وہ خواتین کے حق امامت کو استعمال کرے گی۔ اور ۱۸/ مارچ ۲۰۰۵ کو نیویارک کے قلب میں ہٹن کے ڈاوننگ ہال میں جمعہ کا خطبہ دیں گی اور امامت کرائے گی۔ یہ بات واضح رہے کہ ڈاکٹر امینہ ودود اس سے پہلے بھی جمعہ کی امامت کا اعلان کر چکی تھیں تاہم ان کو نامعلوم مقامی مسلمانوں کی جانب سے مبینہ طور پر ملنے والی دھمکیوں کے باعث اپنا پروگرام منسوخ کرنا پڑا تھا۔ تاہم اس مرتبہ معاملہ ذرا مختلف تھا۔ انہیں اس بار بعض مسلم تنظیمات کی حمایت حاصل تھی۔ جس میں مسلم ویک اپ ڈاٹ کام نامی ایک ویب سائٹ اور اس کے ایڈیٹر احمد نست مسلم ویمن فریڈم ٹاورز، میڈیا کو آرڈینیٹری آف مسلم وومن نامی تنظیم اور اس کی ترجمان سارہ طنطاوی اور حال ہی میں قائم ہونے والی تنظیم پروگریسو مسلم یونین شامل ہیں حفظ ماتقدم اس مخلوط نماز جمعہ میں شرکت کے متمنی خواتین وحضرات نے ایک خصوصی فارم پُر کیا تھا جس کی جانچ پڑتال اور تحقیقات کے بعد اس مخلوط نماز جمعہ میں شرکت کے متمنی حضرات کو ان کی شمولیت کے بارے میں بتایا گیا تھا یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سارے ڈرامے کو جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے بعض مسلم تنظیمات اور مسلم شخصیات کی مکمل حمایت حاصل تھی ان تنظیمات اور مسلم شخصیات جس میں مرد وخواتین دونوں شامل ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ مسجد جو کہ مسلمانوں کا علمی، فکری، معاشی، سیاسی، اور سب سے بڑھ کر روحانی مرکز ہے، اس پر مردوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور محراب ومنبر پر مردوں کا غاصبانہ قبضہ، مسلمان خواتین کی اسلامی تعلیم کے حصول اور روحانی تسکین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر امینہ ودود کی جانب سے یہ اقدام مساجد کو مرد مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کا پہلا قدم ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں مخلوط یعنی مرد وعورت کو ایک دوسرے کے شانہ بشانہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیوں کہ ایسا کرنے سے نہ تو قرآن نے روکا ہے اور نہ ہی احادیث میں اس کی ممانعت ہے (نعوذ باللہ)۔ ڈاکٹر امینہ ودود کے اس اعلان اور پھر نماز جمعہ کی امامت نے امریکی مسلمانوں میں خصوصاً اور ساری دنیا کے غیور مسلمانوں میں عموماً اضطراب اور غم وغصہ کی کیفیت پیدا کر دی ہے، امریکی مسلم قیادت نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

اگر ان حرکتوں کو ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کے خلاف ایسی حرکتیں اور سازشیں اوائل اسلام سے ہی ہوتی رہیں۔ اس پروگریسو اسلام یا ماڈرن اسلام کے نام پر یہ حربے پہلے بھی استعمال کئے جا چکے ہیں اور عورتوں کے معاملے میں یہ حربہ اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی برین واشنگ کر کے ان کے دماغوں میں یہ خناس ڈال دیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ امتیاز (Discrimination) ہو رہا ہے اسلام میں عورتوں کو مردوں سے الگ نماز کا حکم خواتین کے تحفظ، تقدس احترام کی وجہ سے ہے۔ نماز میں عورت کی امامت کیوں جائز نہیں؟ اسلام میں عورتوں کو برابر حصہ کیوں نہیں ملتا؟ پروگریسو اسلام کی ان ماڈرن خواتین نے اپنی زندگی میں کبھی پنج گانہ نماز کی پابندی بھی نہیں کی ہوگی مگر امامت کا پورا شوق ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ طالبان کے ہاتھوں گرفتار اور پھر رہا ہونے والی برطانوی صحافی خاتون (Evyonne Ridley) جو کہ کٹر عیسائی تھیں انہوں نے اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں پڑھا اور اس سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ جب کہ وہ خواتین جو پیدائشی مسلمان ہیں وہ مغرب کی تقلید اور خوشنودی میں اتنا آگے گئیں کہ انہیں مسلمان لکھتے ہوئے قلم شرمندگی محسوس کر رہا ہے۔

یہ اسلامیات کی نام نہاد پروفیسر، اسلام کی بنیادی معلومات سے بھی عاری معلوم ہوتی ہے ورنہ ان کو یقیناً معلوم ہوتا کہ مذہب اسلام نے عورت کو انتہائی بلند وبالا رتبہ ومقام عطا کیا ہے، چاہے وہ عورت ماں ہوں، بہن ہو یا بیٹی ہو یا بیوی ہو عورت تمام انبیاء اور اماموں کی ماں ہے اور ماں کے قدموں کے نیچے جنت قرار دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اگر ماں تم سے راضی اور خوش ہے تو سمجھو کہ تمہیں جنت کی ضمانت مل گئی۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ مرد جو کمائے اس میں عورت کا حصہ ہے مگر عورت کی کمائی یا مال میں مرد کا کوئی حصہ نہیں۔ عورتوں کے ایام مخصوصہ میں اس کو نماز، روزہ، تلاوت جیسی اہم عبادات سے چھوٹ دی گئی ہے۔

اہل مغرب ایسی ذہن دریدہ خواتین کی سرپرستی کرتے ہوئے ذرا نہیں تھکتے اور انہیں امینہ ودود جیسی عورتوں کے معاملے میں Women Rights یاد آجاتے ہیں لیکن ان مغرب والوں کو پوری دنیا میں عورتوں پر ہونے والے مظالم دکھائی نہیں دیتے۔ حال ہی میں ہندوستان کے اخبار ہندوستان "ہندوستان ٹائمز" میں National Crime Report Bureau (NCRB) کے مطابق ہندوستان میں ۵۹/ خواتین روزانہ خودکشی کر لیتی ہیں اور ہر گھنٹے میں دو خواتین زیادتی

کا شکار ہوتی ہیں۔جہیز نہ لانے پر ہر روز ایک دلہن کی موت واقع ہوتی ہے یہ دنیا کے ایک بڑے جمہوری ملک ہندوستان کی بات ہے،مغربی میڈیا کو عورتوں پر یہ ظلم دکھائی نہیں دیتا وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ تو وہ دلہن مسلمان ہے اور نہ اس کو مارنے والے مسلمان ہیں۔سنگاپور میں خواتین کن مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں،دنیا بھر میں سنگاپور ماؤں کا سب سے زیادہ تناسب امریکہ میں ہے۔سب سے زیادہ لوطی عورتیں امریکہ میں ہیں۔ایک سروے کے مطابق نیویارک کی ٹرینوں میں ہونے والی تقریباً اسی فیصد لڑائیاں صرف عورتوں میں ہوئی ہیں مگر امریکی مسلمان عورت ایک مسلمان مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز کیوں نہیں پڑھ سکتی۔اس کا سب سے زیادہ مروڑ مغربی میڈیا کو ہو رہا ہے،مغربی ذرائع ابلاغ اسلام پر حملہ کرنے کے مختلف بہانے تراشتے رہتے ہیں Women Rights بھی ان کے حیلوں میں سے ایک اہم حیلہ ہے۔بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے بعض اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں معاشرتی سطح پر عورت کے ساتھ بے پناہ زیادتی ہوئی ہے۔جو کہ اب ہمارے کلچر کا حصہ بن گئی ہے۔امریکی اخلاق باختہ اداکارہ میرل اسٹریب نے خواتین کی عالمی کانفرنس کے بعد اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹر واقع نیویارک میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے خواتین سے متعلق قوانین پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ عورت کویت میں ووٹ نہیں دے سکتی،سعودی عرب میں گاڑی نہیں چلا سکتی،برطانیہ میں سب میرین کے طور پر کام نہیں کر سکتی اور اگر پاکستان میں زنا بالجبر کا شکار ہو جائے تو اسے چار بالغ مردوں کی گواہی چاہیے۔جبکہ امریکی میڈیا مختاراں مائی کو بار بار فوکس کر رہا ہے،حالاں کہ خود امریکہ اور مغرب میں عورت کی حیثیت سیکنڈ ہینڈ بستر سے زیادہ نہیں ہے،جس پر جو چاہے بیٹھے،جو چاہے اسے استعمال کرے اور جب دل چاہے اٹھا کر باہر پھینک دے اور اسے اس پر افسوس تک نہ ہو۔عورتوں کی سب سے زیادہ بے حرمتی امریکہ میں ہوتی ہے۔ہر منٹ پر کسی نہ کسی عورت کے منہ پر تھپڑ پڑتا ہے،سب سے زیادہ ڈپریشن کا شکار مغرب کی عورتیں ہیں،مغرب ہی میں عورت ہر قسم کے تحفظ سے عاری ہے،ہر عورت یہاں کام کرتی ہے اور پھر گھر آ کر بھی اسے دو کام کرنے ہوتے ہیں ایک گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اور دوسرے شوہر کے ہاتھوں مار کھانا،عورت سے مار پیٹ امریکی مردوں کا محبوب ترین مشغلہ ہے لیکن بینک اکاؤنٹ مرد اپنے ہی قبضہ وتصرف میں رکھتا ہے۔

جہاں تک ڈاکٹر امینہ ودود کا نماز کی امامت کا معاملہ ہے تو یہ اغیار کے ہاتھوں میں کھیلنے کے علاوہ سستی شہرت حاصل کرنے کا بھونڈا طریقہ ہے۔افریقن امریکن امام مولانا عبدالباقی نے ٹیلی فون پر مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ اس آزاد ملک میں امینہ ودود اور ان جیسے دیگر گمراہ لوگ اور بھٹکے ہوئے مسافر جو چاہیں اس کے کرنے کا قانونی حق رکھتے ہیں تاہم ان افراد کے عزائم انتہائی واضح ہیں۔یہ لوگ اسلام کی روح کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ان نادانوں کو دھونس اور دھمکی سے نہیں سمجھایا جاسکتا یہ لوگ قابل رحم ہیں اور ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں،اللہ انہیں ہدایت دے۔ایسے لوگوں کا میڈیا میں مدلل طریقے سے جواب دینا چاہئے۔

انہوں نے مزید کہا کہ اسلام سیدھا سادہ اور سچا مذہب ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی کا آئن اسٹائن ہونا ضروری نہیں۔اسلام کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے اور قرآن و سنت (حدیث) میں عورت کی امامت کی قطعاً گنجائش نہیں جو اس سے روگردانی یا انحراف کرے گا یا ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا،ڈاکٹر امینہ ودود کا دعویٰ ہے کہ وہ محراب ومنبر کو مردوں کے قبضے سے چھڑا کر دین اسلام کی خدمت کرنا چاہتی ہے اس انداز کا دعویٰ بذات خود خطرہ کا الارم ہے،اس سے پہلے مفسدین ومنافقین ''انما نحن مصلحون'' کہہ چکے ڈاکٹر امینہ ودود نے اس کام کے لیے جس وقت کا تعین کیا ہے ان کے اس اقدام کا وقت کئی اور ممکنات کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے جس میں مسلمان مخالف قوتوں کا ایجنڈا دنیا میں مصنوعی طور پر بنائی جانے والی خود ساختہ جمہوریت اور ریفارم وومنٹ کے نام پر مذاہب اور معاشروں کی ترتیب نو اور مسلم معاشرہ میں مردوں کے کنٹرول کو کم کرنے جیسی کوششیں شامل ہیں جو کسی طرح بھی دین متین کی خدمت میں نہیں بل کہ ایک فتنہ کھڑا کرنے کے انتہائی اقدام کے مترادف ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اوائل اسلام میں خواتین کے مسجد کے تعلق سے اہم کردار کی مثالیں موجود ہیں تاہم ایسی کوئی مثال جہاں کسی خاتون کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا گیا ہو اسلام میں عورت کو ذمہ داری کم اور حقوق زیادہ دیئے گئے ہیں جہاں ذمہ داریوں کا زیادہ بوجھ مرد پر ڈالا گیا وہیں عورت پر حقوق کی فراوانی کی گئی ایسے میں ان نام نہاد ترقی یافتہ و تعلیم یافتہ خواتین کی جانب سے حقوق کے نام پر ذمہ داریوں کا دعوے دار ہونا بذات خود مسلم علما دانشور اسکالرز فقہاء کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے ہمیں مغرب کے میڈیا اور ڈاکٹر امینہ ودود اور اسی قماش کے دوسرے افراد سے نمٹنے کا طریقہ آنا چاہئے ان سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیں اپنا انداز ProActive رکھنا چاہئے اور کبھی بھی Re Active نہیں ہونا چاہئے اس قسم کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے ہماری گفتگو Logical یا Defensive نہیں ہونی چاہئے۔چلتے چلتے اپنے قارئین کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ عورت کی امامت اور مسجد میں عورت کے شانہ بشانہ عورتوں کی نماز کی تحریک کی اصل محرکہ اور روح رواں مارگن ٹاؤن ویسٹ ورجینا کی ایک نام نہاد مسلمان اسریٰ نعمانی ہے۔چار سال قبل اسریٰ نعمانی نے عورت کی امامت کی بنیاد اس طرح رکھی کہ وہ اپنے چند ہم خیال کو لے کر مارگن ٹاؤن ویسٹ ورجینا کی مسجد میں گھس آئی اور ان عورتوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔مسجد کے انتظامیہ نے انہیں مردوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔لیکن مردوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔اسریٰ نعمانی یہ معاملہ عدالت تک لے گئی عدالت نے اسریٰ نعمانی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔اسی عدالتی فیصلے کے بعد سے اسریٰ اور اس کے ساتھیوں کا یہ طریقہ

کار ہے کہ وہ اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں دن فلاں مسجد میں مخلوط نماز پڑھیں گے۔ پھر اس دن وہ اسی مسجد میں گھس جاتے ہیں باہر پولیس انکے تحفظ کے لیے موجود ہوتی ہے

مولانا شبلی نعمانی کی پڑپوتی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والی اسریٰ نعمانی کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی لیکن ابھی وہ پانچ چھ سال کی ہی تھی کہ اس کے والدین اس کو لے کر امریکہ آگئے اسی اسریٰ نعمانی کے ساتھ ایسے ایسے واقعات وحقائق منسوب ہیں کہ جن کو بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے لیکن پوشیدہ نہیں ہے۔ امریکی میڈیا میں سب کچھ موجود ہے۔

احادیث کی کتب میں ام حمید ساعدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے آپ ایک انصاری صحابیہ ہیں خیر القرون ہے اور ہر طرف نیکی کا دور دورہ ہے۔ ام حمید ساعدہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کیا اے اللہ کے نبی میرا دل چاہتا ہے کہ میں مسجد نبوی میں آ کر نماز ادا کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں میری نماز ہو۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجدی ھذا'' (تیرا گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد (نبوی) میں نماز پڑھنے سے افضل ہے ) پھر فرمایا۔

''وصلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی دارک'' (اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر گھر کے دالان میں نماز پڑھنا ہے ) پھر فرمایا:

''وصلوتک فی مخدعک خیر من صلوتک فی بیتک'' ( اور گھر میں بھی اندر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا افضل ہے گھر کے دالان میں نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے )

مجھے امینہ ودود کی نماز جمعہ کی امامت اور جماعت میں شریک خواتین و حضرات کے سولہ سترہ فوٹو موصول ہوئے ہیں۔

کس طرح جوان خواتین وحضرات ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ڈاکٹر امینہ ودود کا خطبہ سن رہے ہیں۔ اور کس طرح ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر نماز پڑھ رہے ہیں اور کس طرح نماز کے بعد دعا مانگ رہے ہیں۔

ابھی نیویارک میں امینہ ودود کی امامت کی بازگشت جاری تھی کہ اطلاع آئی ۲۵ رمارچ ۲۰۰۵ء کو سلیمہ علاؤ الدین نامی خاتون نے نماز جمعہ کی مخلوط جماعت کی امامت کی ہے جس میں دوسو کے قریب خواتین حضرات نے شرکت کی۔ ہندوستان میں مالابار کے علاقے میں خواتین اپنی علاحدہ مسجد ''مسجد النساء'' بنانے کے متعلق سوچ بچار کر رہی ہے جبکہ ہالینڈ کے دارالحکومت ایمسٹرڈیم میں پچھلے دنوں خواتین کی مسجد کا افتتاح ہو چکا ہے جس میں مؤذن اور امام کے طور پر خواتین کا تقرر کیا جا چکا ہے اس مسجد کا افتتاح متنازع مصری ادیبہ نول السعادی نے کیا ہے جس پر قاہرہ کی ایک عدالت میں اسلام سے برگشتگی اور ارتداد کا مقدمہ چل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلم امہ کو ان نسوانی فتن سے محفوظ رکھے (آمین)۔ نیویارک کے باسی پاکستان کے مشہور ومعروف شاعر خالد بن عرفان کا قطعہ بھی پڑھ لیجئے وہ عورت کی امامت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

عورت کی قیادت بھی راس آئی نہیں ہم کو
عورت نے بہت کی ہے مردوں کی حجامت تک
مردوں کو ملا کیا ہے ؟ مردوں کو ملے کیا کیا ؟
عورت کی حکومت سے عورت کی امامت تک

# عورت کی امامت: ایک تجزیہ

تجزیہ: کمال گنوری، نئی دہلی

۱۸/ مارچ ۲۰۰۵ء کو ورجینا کامن ویلتھ یونیورسٹی کی پروفیسر امینہ ودود نے مین ہٹن میں اینگلکن چرچ کے سینٹ جان سڈنی ہاؤس میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پھر یہ مسئلہ متنازع فیہ بن کر اخبار و رسائل کی زینت بن گیا۔

پروفیسر صاحبہ اگر یہ کرم صرف عورتوں پر کرتیں تو شاید معاملہ اتنا نہ گرم ہوتا لیکن انہوں نے مخلوط مرد و عورت کی امامت مع خطبہ جمعہ کر کے جس ''جواں مردی'' کا ثبوت دیا ہے اس سے مسلم طبقہ کے خاص و عام میں ایک ہلچل سی مچ گئی، جہاں بہت سے لوگوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور اکثر علماء نے اس کے اس عمل پر ناراضگی کا اظہار کیا وہیں کچھ اہل فکر و نظر حضرات اس صنف نازک کے پیچھے مردوں کے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی وکالت کرنے کیلئے میدان میں کود پڑے۔ ''طوبیٰ'' اور ''البلاغ'' کے مئی ۲۰۰۵ء کے شمارے میں راشد شاذ صاحب کا شائع شدہ مضمون ''عورت کی امامت'' بھی ایسی ہی وکالت کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ واقعہ امریکی سیکوریٹی کی حفاظت میں ہوا اور نماز بھی انہیں لوگوں نے ادا کی جنہوں نے پہلے رجسٹریشن کرالیا تھا، گویا اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کیلئے پہلی بار رجسٹریشن کرانے کی ضرورت پیش آئی۔

اولاً راشد صاحب کی چند خامیوں کی طرف اشارہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں موصوف اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں ''فقہی اعتبار سے اگر اس سوال پر غور کیا جائے کہ مسلمانوں کے کسی اجتماع میں امامت کا اہل کون ہے؟ تو خود فقہاء کے نزدیک یہ چیز دیکھی جائے گی کہ جو ان میں نسبتاً تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو، دین کی فہم و بصیرت سے معمور ہو، اور جسے قرآن مجید کی ترتیل کا بہتر سلیقہ حاصل ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے، وہاں سرے سے یہ بحث نہیں آئے گی کہ اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل شخص مرد ہو یا عورت''

راشد صاحب اگر اس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ فقہاء نے جہاں بھی امام کے اوصاف بیان کئے ہیں وہاں اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ مرد ہو یعنی ان اوصاف کا حامل مرد ہو، تو عرض ہیکہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عورت کی امامت کے قائل ہیں، ورنہ تو ذرا سوچئے! فقہاء نے نکاح کی جو شرائط بیان کی ہیں اس میں اس چیز کی تخصیص نہیں کی ہے کہ جن دو کا نکاح ہو رہا ہو، ان میں سے ایک مرد ہو اور ایک عورت تو کیا فقہاء کے عدم تعیین سے یہ لازم آتا ہے یا دو عورتوں میں نکاح جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ یہ بات فطری ہے کہ ان کے نزدیک دو مردوں یا دو نکاح کرنے والوں میں ایک مرد ہوگا اور ایک عورت اسی طرح یہ بات بھی فطری اور فقہاء کے نزدیک عام ہے کہ امامت کرنے والا مرد ہی ہوگا نہ کہ عورت۔

اور اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء نے سرے سے اس مسئلے پر بحث ہی نہیں کی ہے کہ امامت کا حقدار مرد ہے یا عورت تو یہ آپ کی عدم واقفیت کی دلیل ہے، علامہ ابوالولید ابن رشد القرطبی نے بدایۃ المجتھد میں صفحہ ۱۴۵/ پر جمہور کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ عورت کو مردوں کی امامت کرنی جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ عمل اگر جائز ہوتا تو صدر اول سے منقول ہوتا نیز اس لئے بھی کہ صلوٰۃ میں عورتوں کے کھڑے ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے پیچھے ہوں، جس سے پتہ چلا کہ مردوں سے آگے بڑھنا ان کیلئے جائز نہیں نبی ﷺ کا ارشاد ہے'' اخروھن حیث اخّرھن اللہ'' البتہ صرف عورتوں کی امامت کرنے کی بعض نے اجازت دی ہے کیوں کہ یہ صدر اول سے منقول ہے۔

موصوف آگے رقم طراز ہیں: قرآن نے نسلی یا جنسی شناخت کو سرے سے لائق اعتبار نہیں سمجھا ہے کہ کسی ذات کا عورت ہونا اس کیلئے سماجی اور دینی طور پر وجہ معذوری بن جائے'' ان کی یہ معلومات محل نظر ہے قرآن میں گواہی کے متعلق ہے **فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتان** (البقرۃ:۲۸۲) ''یعنی گواہی دو مردوں کی قابل قبول ہوگی، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد ہو اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی، یہاں قرآن نے جنسی شناخت کو لائق اعتناء سمجھا ہے ورنہ تو دو مردوں کی طرح صرف دو عورتوں کی گواہی بھی قابل قبول ہوتی، گویا اسلام نے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام رکھا ہے اور قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیوں راشد صاحب! یہاں عورت کا عورت ذات ہونا وجہ معذوری بن گیا یا نہیں؟

موصوف آگے لکھتے ہیں ''رہی یہ بات کہ فقہاء ان مسائل پر کس طرح سوچتے ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کے یہاں صرف اس خیال سے ایک مباح کام کو ممنوع قرار دینے کی روایت موجود ہے جس کی بنیاد صرف اس اندیشے پر رکھی گئی ہو، مبادا یہ عمل فتنہ کا سبب بن جائے'' میں محترم راشد شاذ صاحب کو بتادینا چاہتا ہوں کہ یہ صرف فقہاء کی روایت نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ نے بھی بہت سے مباح کاموں کو ممنوع قرار دیا ہے، نیز صحابہ کرامؓ میں بھی یہ روایت موجود تھی، جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے شراب کیساتھ ساتھ ان برتنوں کو بھی استعمال کرنے سے منع فرمادیا ہے جن میں شراب بنائی جاتی ہے، ان برتنوں کا استعمال کرنا مباح تھا، حرمت صرف شراب کے بارے میں تھی، لیکن آپ ﷺ نے صرف اس خوف سے کہ ان برتنوں کی شراب یاد آجائے اور مبادا لوگ فتنہ میں پڑ جائیں ایک مباح امر کو ممنوع قرار دیا اور پھر جب یہ خوف نہ رہا تو ان کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی، صحابہ کرامؓ نے جس درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی بعض صحابہ اس کے نیچے نماز پڑھنے جاتے تھے جو کہ ایک مباح فعل ہے کیونکہ شریعت نے کسی شجر کے نیچے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا ہے، لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے خوف سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

آگے لکھتے ہیں ''اسلام کی متوارث تاریخ اور امت کا متوارث عمل اس بات

پر شاہد ہے کہ مسجد جو اسلام کا بنیادی سماجی ادارہ ہے، اس میں عورتوں کی شمولیت کا عہد رسول ﷺ سے التزام کیا گیا ہے "اللہ ہی بہتر جانے کہ شاذ صاحب تاریخ اسلام سے یکسر نابلد ہیں، یا پھر "غلط" کو "صحیح" ثابت کرنے کے جنون میں تاریخ سے چشم پوشی کر رہے ہیں، مسجد میں عورتوں کی شمولیت کا التزام نہ تو عہدِ رسول ﷺ میں کیا گیا ہے اور نہ اس کے بعد بلکہ مسجد میں مردوں کی شمولیت کا التزام کیا گیا ہے، عورتوں کی شمولیت بطورِ اباحت رہی ہے، لیکن وہ بھی صرف مقتدی ہونے کی حیثیت سے مردوں کی امامت کرنے کیلئے کوئی عورت مسجد میں گئی ہو ایسی تو کوئی موضوع روایت بھی نہیں کتابوں میں نہیں ملتی۔

الغرض کس کس غلطی کی نشاندہی کی جائے؟ خلاصہ یہ کہ محترم مضمون نگار کی پوری تحریر پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اصل مسئلہ سے کم ہی بحث کی ہے، عورت کی امامت پر دلائل کی بجائے قلم کی جادوگری سے قارئین کو متاثر کرنا چاہا ہے، کہیں عورتوں کے مسجد میں داخلے کے مسئلے کو چھیڑا ہے تو کہیں چہرے اور ہتھیلیوں کے انکشاف کے مسئلے کو قلم زد کے مضمون کو طویل کرنے کی سعی کی ہے، مضمون کے اکثر حصے میں یہ سمجھانے کی کوششوں کی ہے کہ مرد کو اپنے مرد ہونے پر فخر نہیں ہونا چاہئے اور عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھنا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعۃً عورت کو امامت کی اجازت نہ دینا اس کو حقیر سمجھنا ہے؟ اور مردوں کی امامت نہ کرنا عورت کی ذلت کا سبب ہے؟ کوئی بھی ذی شعور شخص اس کا قائل نہ ہوگا بلکہ امامت نہ کرنے میں عورت کی عین تکریم و تعظیم ہے، شریعت نے اس کو امامت کی اجازت نہ دے کر اس کی حق تلفی نہیں کی، بلکہ امامت کرنے کی صورت میں ظاہر ہونے والے اعضاء و جوارح کو مقتدی مردوں کی نگاہوں کا نشانہ بننے سے بچا کر عورت ذات کو عزت بخشی ہے۔

اس مسئلے کو سمجھنے کیلئے درجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی جو ایک عورت کو اپنا امیر بنا لے" (بخاری شریف)

"مردوں کی بہترین صف اگلی صف اور بری صف پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف اور بری صف اگلی صف ہے" (مسلم شریف)

"خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے اور نہ کوئی اعرابی مہاجر کی اور نہ کوئی فاجر مومن کی، مگر اس وقت جب کہ بادشاہ اس پر جبر کرے، اسے اپنی تلوار یا کوڑے سے ڈرائے" (ابن ماجہ) سند ضعیف ہے۔

"عورتوں کو پیچھے کرو جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے کیا ہے" (اس کی تخریج طبرانی نے "الکبیر" میں کی ہے اور یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے)

"انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ان کی دادی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی، کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے جماعت کا حکم دیا، انس رضی اللہ عنہ جماعت کی صف بندی کی کیفیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں "میں اور ایک بچہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بڑھیا ہمارے پیچھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دو رکعت صلوٰۃ پڑھائی" یہ روایت ترمذی میں ہے امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے، نیز فرماتے ہیں: اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

مذکورہ روایات سے دو مسئلے واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) عورتوں کو سربراہ نہیں بنانا چاہئے، اگرچہ پہلی حدیث آپ ﷺ نے فارس والوں کے سلسلے میں فرمائی تھی لیکن قاعدہ ہے العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب

اور امامت بھی ایک طرح کی سربراہی ہے کیوں کہ امام بھی مقتدیوں کا امیر ہی ہوتا ہے۔

(۲) عورتیں اگر مردوں کے ساتھ صلوٰۃ ادا کریں تو ان کی صف سب سے آخر میں ہونی چاہئے، اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کا صلوٰۃ میں مردوں کے برابر یا ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں، لہٰذا وہ امامت کیلئے مردوں سے آگے کیوں کر بڑھ سکتی ہیں یہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

عورت کی امامت کے قائلین کا سارا دارومدار ایک حدیث پر ہے جو کہ ابو داؤد میں اس طرح ہے: "عبدالرحمٰن ابن خلاد روایت کرتے ہیں ام ورقہ سے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کے لئے ان کے گھر آتے تھے اور ان کیلئے ایک مؤذن مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل خانہ کی امامت کریں"

استدلال یہ ہے کہ ان کے اہل خانہ میں مرد بھی رہے ہوں گے نیز مؤذن اور ان کا ایک غلام بھی تھا، ظاہر ہے کہ وہ بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں گے جس سے پتہ چلا کہ وہ مردوں کی بھی امامت کرتی تھیں، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اول تو بعض محدثین کے نزدیک حدیث میں کلام ہے دوسرے یہ کہ حدیث میں صراحت نہیں ہے کہ ان کے مقتدیوں میں مرد بھی ہوتے تھے، جہاں تک غلام اور مؤذن کا مسئلہ ہے تو ممکن ہے کہ وہ مسجد میں آکر جماعت سے صلوٰۃ ادا کرتے ہوں، نیز اس امکان کی تائید دارقطنی کی روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب الصلوٰۃ باب ذکر الجماعة واهلها وصفة الامام میں ان الفاظ میں نقل کی ہے "اللہ کے رسول ﷺ نے اجازت دے دی تھی کہ اس کیلئے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں"

مذکورہ حدیث کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرے اور اس کی تائید درج ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے، ام الحسن سے مروی ہے کہ انہوں نے ام سلمہ کو دیکھا کہ عورتوں کی امامت کر رہی ہیں اور ان کے ساتھ ان کی صف میں کھڑی ہیں" (اخرجه الشافعي في المسند و ابن حزم في المحلى وقال هذا اسناد كا لذهب)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کرتیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتیں" (اس کی تخریج دارقطنی، بیہقی اور عبدالرزاق

نے کی ہے، متابعت سے یہ حدیث صحیح ہے) ''حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ خود اذان دیتیں اقامت کہتیں اور عورتوں کی امامت بھی کرتیں'' (تفہیم الاحادیث: ۵/ ۳۲۸)

اگر تقویٰ کی بنیاد پر عورت کو مردوں کی امامت کرنی جائز ہوتی تو کیا خدیجہ، عائشہ، فاطمہ، زینب، ام کلثوم رضی اللہ عنھن، ان عورتوں سے زیادہ آج کی عورتیں تقویٰ رکھتی ہیں؟ کیا امینہ ودود صاحبہ کا تقویٰ نبی کی بیویوں اور بیٹیوں کے تقویٰ کے سامنے کوئی حیثیت رکھتا ہے؟ جب اس زمانے میں جو کہ نبی اور نبی کے شاگردوں کا زمانہ تھا اور جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، یہ نہیں ملتا کہ کسی صحابیہ رضی اللہ عنہا نے کبھی مردوں کی امامت کی ہو، آپ ﷺ نے کبھی اس کی اجازت دی ہو، تو آج ہمارے زمانے جس میں کہ اسمارٹ گرلز اور حسین دوشیزاؤں کو دیکھتے ہی سیٹیاں بجائی جاتی ہوں جملے کسے جاتے ہوں، ان کے اعضاء و جوارح کا نظارہ کر کے آوارہ اور بدچلن لڑکے محظوظ ہوتے ہوں، اور جہاں مغربی تہذیب کی بدولت فحاشیت وعریانیت عام ہو چکی ہو، ان کے حسن کو ناپ تول کر ''مس ورلڈ'' کا خطاب دیا جاتا ہو، الغرض جب ان کی عزت و ناموس ہی خطرے میں ہو تو ایسے وقت میں ان کے مردوں کی امامت کرنے میں کیا مفاسد سامنے آئیں گے اور عبادتوں میں خوف وخشیتِ الٰہی اور خلوص کس مقدار میں باقی رہ جائے گا، یہ کسی بھی ہوشمند شخص سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے، یقیناً ایسی صورت میں مسجدیں تو نمازیوں سے بھر جائیں گی لیکن خلوص کا جنازہ نکل جائے گا۔

لہٰذا امینہ ودود صاحبہ اور اس قبیل کی دیگر عورتوں کو سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے انہیں مردوں کی امامت کی اجازت نہ دے کر ان کی حق تلفی نہیں بلکہ ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی ہے۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

# ان مجتہدین کو پہچان لیجئے:

سالک دھامپوری

اس وقت اسلام کے خلاف دو طرح کی سازشیں کی جارہی ہیں وہ سازش جو اسلام دشمن اپنے طور پر کھل کر اسلام کو اسلامی تعلیمات کو اور اسلام کی اصل پہچان کو ختم کرنے پر کمر بستہ ہیں دوسرے اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے نام نہاد (علماء و اعلیٰ تعلیم یافتہ دانشوروں) کے ذریعہ اسلامی تعلیمات واحکامات میں اجتہاد کے نام پر تحریف کروارہی ہیں اس کا شکار بدقسمتی سے ہمارے ملک کا اعلیٰ دانشور طبقہ اور بعض مفاد پرست سیم وزر کے لالچی علماء بھی ہورہے ہیں۔ ہمارے ملک کی راجدھانی دہلی میں تو اسلام دشمن لابی نے کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اسلام کے نام سے اسلامی فقہ، اسلامی ریسرچ، اسلامی تعلیمات کے فروغ کے نام سے مختلف ادارے قائم کرائے ہیں اور اس لابی کا اثر بعض مذہبی جماعتوں پر بھی پڑنے لگا ہے۔

ان نئے مجتہدین میں ایک نام ہے جماعت اسلامی ہند کے نئے امیر ڈاکٹر عبدالحق انصاری کا ہے موصوف نے ''ماڈل نکاح نامہ وقت کے تقاضے پورا کرتا ہے'' کے عنوان سے اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا ۱۴ مئی ۲۰۰۵ء کے شمارے میں ایک مضمون لکھا۔ موصوف اس مضمون میں جہیز کے بارے میں لکھتے ہیں: ''شریعت نے جہیز کو حیثیت کے مطابق متعین کرنے کی ترغیب دی ہے اسی پر عمل ہونا چاہئے۔''

ڈاکٹر عبدالحق انصاری کیا بتائیں گے کہ قرآن وحدیث میں کس جگہ جہیز کی ترغیب دلائی گئی ہے اب تک تو علماء کا متفق فیصلہ یہی رہا ہے کہ اسلام میں جہیز نام کی لعنت کا کہیں وجود نہیں اب جماعت اسلامی ہند اور اس کے امیر نئی شریعت تیار کر کے ان برائیوں کو بھی اسلامی کہنا چاہتے ہیں جو سراسر لعنت ہیں۔

اسی مضمون میں ڈاکٹر عبدالحق انصاری فیملی پلاننگ کے جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اسلام نے یہ واجب نہیں کیا ہے کہ آپ بچے برابر پیدا کرتے چلے جائیں شوہر و بیوی اپنے اوپر اس طرح کی پابندی عائد کرلیں کہ بچے کم پیدا ہوں یہ حرام نہیں ہے''۔

لیجئے عبدالحق انصاری صاحب نے ایک ہی جملے میں حکومتِ ہند کی تمام کی تمام پریشانیوں کو حل کردیا اب کم سے کم جماعت اسلامی کے افراد تو اپنے امیر صاحب کی اطاعت کرنے کی وجہ سے کم بچے پیدا کریں گے۔

اس عبارت کے لیے بھی ڈاکٹر عبدالحق انصاری نے قرآن وحدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا جبکہ قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے:

تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے۔

(سورۃ الانعام ۱۵۱، سورۃ بنی اسرائیل ۱۳)

عبدالحق انصاری صاحب کم سے کم اس موضوع پر لکھنے سے قبل مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ضبط ولادت کا ہی مطالعہ کر لیتے۔

جہاں تک ہماری جانکاری کا تعلق ہے عبدالحق انصاری صاحب نے اسلامی تعلیمات کسی دینی درسگاہ، دارالعلوم، ندوۃ یا فلاح دارین سے حاصل نہیں کی بل کہ انہوں نے اسلام برطانیہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے حاصل کیا۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے مستشرقین نے ان کو جیسا اسلام پڑھایا اور جس اسلام کی تبلیغ کی ہدایت کی وہی اسلام وہ جماعت اسلامی ہند کے پلیٹ فارم سے پیش کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالحق انصاری کسی اجتماع و سیمنار یا آپسی تبادلۂ خیال کے موقع پر اسلامی واقعات و تاریخ بیان کرتے ہوئے کسی نبی، صحابی، تابعی یا معروف عالم دین کا حوالہ نہیں دیتے بل کہ وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے اپنے غیر مسلم اساتذہ و پروفیسر حضرات کا حوالہ دیتے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند نے جب سے اپنے نصب العین سے انحراف شروع کیا تب سے اس قسم کی تبدیلیاں آگئیں اب تو زندگی نو کے ذریعہ اس کے مدیر ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی بھی نئے اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں اسلام کی تعلیمات کو اجتہاد کے نام پر کس قدر توڑا مروڑا جارہا ہے اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں مارچ و اپریل ۲۰۰۵ء کے زندگی نو میں شائع ہونے والا ایک طویل مضمون۔

واضح ہو کہ جماعت اسلامی ہند کے اس ترجمان میں ایک عرصہ سے اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ صرف مضامین بل کہ اداریہ بھی لکھے جارہے ہیں۔ پردہ کو بھونڈے اور پھوہڑپن کے الفاظ سے نوازا گیا، سود و لائف انشورنس کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا اور اب مردوں کے لیے عورت کی امامت کو جماعت اسلامی ہند کے اسی ترجمان نے جائز قرار دے دیا۔

اسی طرح اسلام کی تعلیمات کو اجتہاد کے نام پر بدلنے کا کام ایک مشہور دانشور جناب سید حامد بھی کر رہے ہیں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے وہی سب سے بہتر قائد ہیں۔

انہوں نے مؤرخہ ۱۲ مئی کے قومی آواز میں ایک مضمون بعنوان ”مردم شماری کیا کہہ رہی ہے؟“ لکھا جس میں مردم شماری کی آڑ میں بڑے خوبصورت الفاظ و اپنی فنکاری کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلامی جواز بھی عطا کر دیا وہ لکھتے ہیں:

”مسلمان حتی الامکان اس بات کی تدبیر کریں کہ ان کے بچوں کی تعداد ان کے وسائل سے تجاوز نہ کر پائے تاکہ وہ ان کو اچھی تعلیم اور تربیت دے سکیں۔“

دوسری جگہ سید حامد صاحب لکھتے ہیں: ”شمالی ہند میں جو مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہوئی آبادی اور غریبی ہے ہم اب زیادہ دن تک پسماندگی، بے بسی اور بے چارگی پر قناعت نہیں کر سکتے۔ اسے قناعت کیوں کہئے اس عادت کا نام خودکشی ہے ہندوستان میں مسلمانوں کو اکثر خاندانی منصوبہ بندی سے اس لیے احتراز رہا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ معلوم نہیں کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا حالاں کہ انڈونیشیا، ایران، بنگلہ دیش اور مراکش نے فیملی پلاننگ کو اختیار کر رکھا ہے اور ہم ان سے بہتر مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے اسلام صحت اور تعلیم میں اعتدال کی تلقین کرتا ہے۔“

یہ نئے مجتہد صاحب اسی پر بس نہیں کرتے آگے لکھتے ہیں: ”مسلمانوں کو اپنے حالات میں سدھار لانا ہے تو ان کو ان امور پر اچھی طرح غور کرنا ہوگا کہ ان کی پسماندگی کے اسباب میں کثرت اولاد بھی ایک بڑا سبب ہے۔“

یہ سید حامد صاحب آج مسلمانوں کے قائد ہیں اور قائدانہ دوڑ میں اتنے تیز دوڑ رہے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی صحیح جانکاری نہ ہونے کے باوجود اسلامی تعلیمات میں انحراف کی جسارت کر رہے ہیں اپنی بات کو باوزن قرار دینے کے لیے قرآن اور حدیث کا حوالہ دینے کے بجائے انڈونیشیا، بنگلہ دیش، ایران کا حوالہ دے رہے ہیں حیرت ہے کہ سید حامد صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے کا اور اسکی جانکاری کا واحد ذریعہ قرآن و حدیث ہیں نہ کہ نام نہاد مسلم ممالک۔

اگر سید حامد کا اسلامی تعلیمات کے حصول کا پیمانہ یہی ہے تو کل وہ ان ممالک میں موجود دوسری برائیوں کا بھی مسلمانان ہند کو مشورہ دیں گے کہ ان کو بھی اختیار کر لینا چاہئے کیونکہ یہ ان مسلم ممالک میں موجود ہیں اور ہم ان سے بہتر مسلمان نہیں اس لیے ہم کو ان پر عمل کرنا ہوگا۔

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ موصوف جب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے وائس چانسلر تھے تو یونیورسٹی میں ایک طالبات کا پروگرام ہوا تھا جس کی صدارت سید حامد کو سونپی گئی تھی موصوف طالبات کے اس پروگرام میں شرکت کرنے غیر شرعی لباس یعنی ہاف پینٹ پہن کر آئے تھے جس پر اس وقت اخبارات میں کافی شور ہوا تھا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر جناب مولانا کلب صادق صاحب بھی ایک مجتہد ہیں وہ بھی فیملی پلاننگ کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے ایک بڑے قائد جو آئے دن سیاسی پارٹیاں بدلنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور خود کو مسلمانوں کا قائد کہلانا پسند کرتے ہیں ان کی نگاہ میں اسلام میں زنا کی سزائیں ظلم و بربریت کی علامتیں ہیں وہ اپنے ایک مضمون میں علماء کو مشورہ دے چکے ہیں کہ قرآن میں زنا کی سزاؤں کے لیے غور و فکر کریں اس طرح یہ نئے مجتہد مسلمانوں میں بین المذاہب شادیوں کو بھی رواج دینے کے حق میں ہیں۔ آج ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کرنے اور اس کی اصل تعلیمات کو بدلنے ان میں تحریف کرنے کا کام جاری ہے اسلام دشمن لابی نے دولت کے بل پر خود مسلمانوں کی بڑی بڑی قدآور شخصیتوں، دانشوروں، مذہبی جماعتوں اور بعض علماء و مفتیوں کو اپنے حصار میں قید کر لیا ہے اور وہ ان سے اسلام کے نام پر غیر اسلامی کام انجام دلا رہے ہیں عام مسلمان ان کے نام اور اداروں سے متاثر ہو کر فریب کا شکار ہیں۔

اسلام کو مٹانے اس میں تحریف کرنے کی اس سے قبل بہت کوششیں کی جاچکی ہیں،لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اسلام آج بھی مکمل صورت میں موجود ہے۔جو لوگ اسلام کے خلاف جانے انجانے یا کسی دنیوی اغراض کی وجہ سے سرگرم عمل ہیں ان کو اس آنے والے دن سے ڈرنا چاہئے جب وہ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے وہاں نہ امریکہ کام آئے گا نہ دیگر نام نہاد آقا۔وہاں صرف آپ کا اپنا خالص عمل کام آئے گا۔

# اہم شریف بانڈی پورہ میں مرزائیوں کے نئے برگشتہ امام مہدی

از : محمد رحمت اللہ

یہ مورخہ ۱۷رذی قعدہ ۱۴۲۵ھ یعنی ۳۰ردسمبر ۲۰۰۴ء جمعرات کی دوپہر تھی، جب ایک گاڑی AP20K سرینگر بانڈی پورہ روڈ پر پنزی نارہ نامی مقام پر آکر رکی۔اس مقام پر علاقے کے موجود دو دینی ذمہ دار جناب شوکت احمد صاحب وقاری فیاض احمد کھڑے تھے۔ان حضرات کا بیان ہے کہ گاڑی چلانے والے صاحب نے سلام کر کے معلوم کیا کہ کیا یہی بانڈی پورہ کا راستہ ہے؟ جواب اثبات میں ملنے پر اس نے ہماری منزل معلوم کی جو بتلا دی گئی۔اس کے جملے تھے ''بسم اللہ پڑھ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ''، ہم سوار ہوئے۔گاڑی میں تین افراد سوار ہے تھے جن میں سے گاڑی چلانے والے صاحب ذرا چست وہوشیار بولنے چالنے والے تھے۔ ننگے سر کلین شیو، ایزاور پینٹ پہنے ہوئے یہ صاحب بقول ان کے پیغمبر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبر تلاش کرنے کیلئے آئے تھے۔اسی لئے ان کی آخری منزل ''اہم شریف تھی''جو بانڈی پورہ کے شمال مشرق میں ایک مشہور ومعروف گاؤں ہے جہاں پر کشمیر کے مشہور بزرگ حضرت شیخ حمزہ مخدومی رحمۃ اللہ علیہ گوشہ نشین رہے ہیں اور ان کے خلیفہ حضرت علامہ بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی وہاں پر خلوت گاہ موجود ہے۔اس صاحب نے بتلایا کہ ہم حیدر آباد سے ابھی آرہے ہیں اور عنقریب دنیا میں ہماری حکومت قائم ہوگی، پوری دنیا پر ہمارا غلبہ ہوگا اور ہم اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دیکھنے جارہے ہیں انگریزی کی ایک کتاب ان کے ساتھ تھی جس کے صفحہ ۴۵رپر ایک قبر کا فوٹو تھا اس کو بطورِ ثبوت دکھا رہے تھے،ان کو بتلایا گیا کہ یہ دعویٰ غلط ہے یہاں کسی پیغمبر کی قبر نہیں ہے لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھے اور کہہ رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں قرآن نے اس کو ذکر نہیں کیا۔اس میں کوئی حکمت ہوگی، وہ یہ بھی دعویٰ کر رہا تھا کہ مسیح دجال دنیا میں آچکا ہے۔اس کے بقول وہ دجال غلام احمد قادیانی تھا کیوں کہ اس نے خدا ہونے کا،مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔بہر حال اہم شریف پہنچنے کے بعد مذکورہ نوجوان نے اس پہاڑ کو دیکھا جہاں ان کے غلط گمان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون ہیں۔یہ جگہ ''بوٹھو'' کے نام سے مشہور ہے وہاں تک پیدل راستہ طے کرنا تھا لہٰذا ارادہ بدل کر اپنے ہدایا اور تحائف اور کچھ کتابیں وہیں پر بانٹنے کو مناسب سمجھا اور اس سے آگے کے مقام کی زیارت سے خالی واپس لوٹنے پر اکتفاء کیا۔مقامی لوگوں نے ان پر یہ بات واضح کردی کہ جس قبر کو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سمجھتے ہو وہ پیغمبر کی قبر نہیں ہے اور ان کے پھل فروٹ کھا

جانے کے باوجود لوگوں نے ان کے زعمِ باطل سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے اس عنوان سے جمع شدہ حاضرین میں یہ بات واضح کر دی کہ مرزائی اسلام سے خارج ہیں۔ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس ساری گفتگو کے باوجود ان کے طرزِ عمل سے چونکہ لوگوں میں شک ہو چکا تھا کہ یہ کوئی گڑ بڑ آدمی ہے لہٰذا انہوں نے ان کو گاؤں سے فوراً بھگا دیا بلکہ کچھ دور تک پیچھا بھی کیا کیوں کہ مقامی لوگ اس سے نالاں تھے کہ وہ یہاں پیغمبر کی قبر کا مفروضہ لے کر کیوں آ رہے ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ اس مقام "بوٹھو" میں ایک صالح عورت دفن ہے جس کو "دید موج" (یہ کشمیری لفظ ہے جس کا ترجمہ ہے دادی اماں) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسی کے قریب میں چند قبریں ہیں جن میں سے ایک کو موسیٰ صاحب کی قبر کہا جاتا ہے یہ بھی نیک صالح مرد کی قبر ہے اور یہ چیزیں یہاں کے پرانے دیندار لوگوں میں مشہور ہیں نیز تاریخی ذرائع سے بھی منقول ہیں۔ بانڈی پورہ میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کو ماننا ایسی ہی زبردستی ہے جیسے سرینگر کے علاقہ خانیار میں شہزادہ یوز آصف کی قبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کہنا۔ جسکو زبردستی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کشمیر کی مشہور تاریخ "تاریخ حسن" میں تفصیل سے یہ وضاحت موجود ہے کہ اس مقبرہ میں شہزادہ یوز آصف دفن ہیں لیکن چونکہ مرزائیوں کو اس سے اپنا من گھڑت عقیدہ ثابت کرنا تھا اس لئے ان کے مشہور مصنف مولوی محمد علی لاہوری نے قرآن پاک کی تفسیر میں تحریف کر کے یہ لکھ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرینگر میں دفن ہیں جبکہ اسلام کا یہ مضبوط صریح عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور وہ قربِ قیامت نازل ہوں گے اس حال میں جبکہ دنیا میں حضرت مہدی کا ظہور ہو چکا ہوگا۔ مسجد میں نماز کی صفیں قائم ہو چکی ہوں گی اور اس وقت وہ دمشق کی جامع مسجد میں ہوں گے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جامع مسجد کے مشرقی مینارہ پر نازل ہوں گے۔ نماز کی امامت حضرت مہدی کریں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام "لُد" پر دجال کو قتل کریں گے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح بھی ہوگا اور اولاد بھی ہوگی سارے عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج وعمرہ بھی کریں گے۔ مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے اور جواب بھی سنیں گے۔ پھر جب اپنے وقت پر دنیا سے انتقال فرمائیں گے تو مدینہ منورہ میں ہی حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کے پہلو میں روضۂ اقدس میں دفن ہوں گے۔ یہ تمام امور صحیح اور مضبوط حدیثوں سے ثابت ہیں اور حدیث پاک کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

اس وقت جس شخص کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں اس شخص نے اپنی جو کتابیں یہاں تقسیم کی ہیں ان کے مطابق یہ شخص حیدر آباد کا رہنے والا ہے اس نے اپنا نام محمد مودود احمد خان بتایا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ بقول اس کے امام مہدی ہے اس حال میں کہ وہ امتی ہے نبی نہیں۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں نے دین زیادہ نہیں پڑھا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو پڑھا رہے ہیں۔ اپنی زندگی کا جو حال اس نے لکھا ہے اس کے مطابق اس کے باپ کا نام محمد مسعود احمد خان ہے اور یہ حیدر آباد میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا دادا محمد اسمٰعیل خان پولس آفیسر رہا ہے جبکہ پردادا مولوی ذوالفقار علی گوہر (سپر نٹنڈنٹ ایکسائز) تھا اس کے والد نے اس کے دو چچیرے بھائی عادل اور سہیل کی سرپرستی میں اس کو دسمبر ۱۹۹۱ء میں قادیان بھیجا تھا تاکہ وہ مرزا کی سوسالہ تقریبات میں شرکت کرے۔ اسی زمانے کا واقعہ اس نے کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۸ر پر لکھتا ہے:

"(قادیان میں) پہلے دن میں چھوٹی آنٹی کے گھر گیا جہاں ساجدہ اور ماں سبری پھوپھو پہلے سے موجود تھے پہلے دن میں نے لنگر میں آرام کیا دوسرے دن میں نے جلسہ سے متعلق معلومات کیں تاکہ جلسہ کا مطلب اور اس کی اہمیت سمجھ سکوں۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے کوئی جواب نہ مل پایا۔ دوسرے دن مجھے معلوم ہوا کہ "حضور" نامی ایک شخص فجر کی نماز کے بعد مسجد میں آئیں گے اور سب ان سے ملاقات کر سکتے ہیں اس لئے یہ (حضور) کون ہیں جانے بغیر میں صبح سویرے پانچ بجے اٹھا غسل کیا اپنی خوبصورت سرخ جاکٹ اس لئے پہنی تاکہ چاق وچوبند نظر آؤں۔ تب میں سہیل اور عادل کے ساتھ مسجد گیا جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے تقریباً آٹھ سو مرد چار سو عورتیں پہلے سے نماز کیلئے مسجد میں موجود تھے۔ باقی لوگ باہر اور گھروں میں موجود تھے پھر اس نے مزید واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

"فجر نماز کے بعد ایک موٹا تازہ عمر رسیدہ سرخی مائل شخص اپنے ماننے والوں کے سوالات کا جواب دینے کیلئے ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ (یہ مرزا طاہر تھا جو مرزا غلام احمد قادیانی کا چوتھا خلیفہ تھا) فوراً میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے (Vision) خیال کے بارے میں ان سے سوال کروں گا۔ ایک عورت کے سوال اور مرزا طاہر کے جواب کے بعد میں نے ہاتھ اوپر کیا مائک مجھے دیا گیا۔ میں نے پہلے اپنا تعارف کرایا" میں مولانا ذوالفقار علی گوہر کا پرپوتا ہوں (دنیا بھر سے آئے ہوئے مرزائیوں کی نظریں مجھ پر تھیں کیوں کہ ذوالفقار علی گوہر کا پرپوتا ان سب کیلئے بہت ہی اہم تھا اور ذوالفقار علی گوہر تمام قادیانیوں کے درمیان مشہور تھا) اس کے بعد اس نے اپنا سوال مرزا کا جواب اور اس کے بعد ان صد سالہ تقریبات کے متعلق مختلف باتوں کو ذکر کیا ہے۔

الغرض یہی پرپوتا اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ جولائی ۲۰۰۱ء میں اسے

**(Allah Revealed Qadinies Are Maseeh Dajjal)**

اللہ نے وحی بھیجی کہ قادیانی لوگ مسیح دجال ہیں۔ گویا اب وہ مرزا اور اس کے متبعین کو مسیح دجال سے تعبیر کرتا ہے اور اس کا یہ بھی کہنا ہے (العیاذ باللہ) روح القدس کی مدد مجھے مسجد اقصیٰ (قادیان) کے سفید مینارے کے نزدیک فجر نماز کے بعد چار سو مرد اور آٹھ سو عورتوں کی موجودگی میں حاصل ہوئی اور یہ کہ مجھے تمام قادیانی شیطان جیسے نظر آ رہے تھے (کتاب مذکورہ صفحہ ۲۰)

آگے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھے (العیاذ باللہ) روح القدس کے ذریعہ جو اللہ کی

طرف سے بھیجا گیا تھا گھر پہنچنے تک صحیح راستے کی رہبری کی گئی۔اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ نہ میں نے کبھی قادیانیوں کی کتاب پڑھی اور نہ ان کے خلاف کوئی کتاب پڑھی۔ نیز یہ بھی کہتا ہے کہ میں ایک گاڑی کی طرح تھا جو خود نہیں چل سکتی تھی بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے روح القدس کے ذریعے مجھے چلایا گیا (کتاب مذکورہ صفحہ ۲۰، پوائنٹ 32-31)

اسی طرح کی خرافات کو ذکر کرنے کے بعد مسمّٰی مذکور نے مرزا غلام احمد قادیانی کے سات ایسے متبعین کا تذکرہ کیا جنہوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا (۱) عبداللہ تیماپوری (۲) غلام احمد قادیانی (۳) چراغ دین قادیانی (۴) عبداللطیف قادیانی (۵) احمد نور قابلی قادیانی (۶) مولوی یار محمد (۷) مولانا صدیق حسن

کتاب مذکور میں مدعی مہدویت مرزائیوں کو خطاب کر کے صفحہ ۴۸ پر کہتا ہے کہ ''دنیا میں کوئی چیز اللہ کے چاہے بغیر نہیں ہوسکتی۔تم سب سنو مرزا غلام احمد قادیانی کو بقول اس کے اللہ کی مرضی کے مطابق مسیح دجال بنایا گیا تھا اور اس کے کرتوت کی وجہ سے اس پر مکہ اور مدینہ کے دروازے بند کر دیئے گئے تا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو۔کیا تم جانتے ہو کہ جنہوں نے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کی ہے مسیح دجال والے امتحان میں ناکام ہوئے ہو۔تم نے اس کو اصلی مہدی ''مسیح موعود'' مان کر اور ایک بڑی غلطی سے اس کو نبی مان کر جلد بازی کی کیوں کہ تم کو حدیثوں کے بارے میں شک وشبہ ہے۔تم سب نے قرآن چھوڑ دیا اور تم لوگوں نے مسیح دجال کی وبال جان بننے والی جماعت کو پوری دنیا میں پھیلانے کیلئے اپنی آمدنی کا دس فیصدی حصہ چندہ کے بطور دینا تسلیم کیا'' آگے کہتا ہے کہ ''کیا تم جانتے نہیں کہ شاعروں کو پیغمبر نہیں بنایا جاتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں'' آگے اس نے یہ لکھا ہے کہ ''اس مسیح دجال کا زمانہ اب ختم ہوگیا ہے اور اصلی امام مہدی کا رول اب مسیح دجال کے ماننے والوں سے مقابلے کا شروع ہورہا ہے'' اس نے مرزائیوں سے یہ بھی سوال کیا ہے کہ ''کیا مرزا غلام احمد نے یاجوج ماجوج کو اسلام کی تبلیغ کی ہے یا یہ بتایا ہے کہ ذوالقرنین کون تھا۔ کیا اس نے یہ صحیح دکھایا۔کیا اس کے زمانے میں قیامت کی تمام علامتیں پوری ہوئیں۔ کیا اس نے مسیح دجال سے لڑائی کی۔وہ اس سے اکیلا کیسے لڑ سکتا تھا جبکہ وہ خود ہی مسیح دجال تھا۔

کیا مسیح دجال نے خود اپنی جماعت احمدیہ کے ساتھیوں کو مراقبے یا خواب میں سور اور بندر جیسا نہیں دیکھا۔کیا اس نے ایک بیس سالہ نوجوان لڑکے کو بیرونی فرشتہ نہیں دیکھا۔کیا اس نے ۱۹۰۶ء میں مسجد اقصیٰ کے دعوے کے بعد سفید مینارہ نہیں بنایا'' وہ آگے یہ بھی کہتا ہے کہ ''کیا تم میں سے کوئی میری جواب دہی کیلئے آسکتا ہے۔ خدا میرے ساتھ ہے اور وہ تم سب کو شیطانوں سے صاف کرنا چاہتا ہے اور دنیا کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔تم ایک اصلی امام مہدی کا انکار کر رہے ہو اور ایسے شخص کو مانتے ہو جس کو لوگوں کیلئے آزمائش بنا کر بھیجا گیا تھا۔میں (العیاذ باللہ) رسول اللہ امام مہدی ہوں۔کیا تم اس شخص کو نہیں سمجھ سکتے یعنی مرزا کو جو تمہیں یہ بتا رہا ہے کہ نبی اور رسول کے درمیان کوئی فرق نہیں وہ درست کیسے ہوسکتا ہے؟ تم اپنی پیشانی سے کفر کا فتویٰ دھو نہیں سکتے۔جب تک اپنے آپ کی مدد نہیں کرو گے۔اور مجھے موقعہ دو کہ میں تم کو صاف پاک کرسکوں۔تم ایک مجلس کا اہتمام کرو اور مجھے جھٹلاؤ ہم دیکھیں گے کہ کون کامیاب ہوگا۔اے لوگو تم سب کو کنویں کے مینڈک کی طرح مدہوش کیا گیا ہے۔اب یہ تم سب کیلئے ایک نیا امتحان ہے چلو ہم دیکھیں گے کہ کتنے ناکام شدہ لوگ اس نئے امتحان کو پاس کریں گے'' اس نے مرزائیوں کیلئے ۹۳ سوالوں کی ایک فہرست بھی لکھ دی ہے جس کا اس نے جواب طلب کیا ہے (کتاب مذکور صفحہ ۵۲)

اس کے بعد مزید طبقوں سے بھی اس نے خطاب کیا ہے۔اس کی نظروں میں یاجوج کا مصداق چینی لوگ ہیں اور ماجوج کا مصداق جاپانی جبکہ کن شن ہانگ (Qing Shing Huang) کو اس نے ذوالقرنین بتلایا ہے۔(کتاب مذکور)

(نوٹ: مذکورہ کتاب کے چند اقتباسات مکمل ہوگئے)

مرزا قادیانی کے پیروکاروں میں بہت سے لوگوں نے امام مہدی کیا نبی تک ہونے کا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ مرزا کی زندگی اور اس کی جماعت کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں۔یہ نام نہاد امام مہدی بھی مرزا کے ماننے والوں میں سے مزید ایک ظاہر ہوگیا جس کا مزید دعویٰ یہ ہے کہ مرزا مسیح دجال ہے اور اپنی کتاب میں اس نے مرزا کو کانا دجال سے تعبیر کیا ہے۔اور اس کے خلفاء کو کانا دجال کے خلفاء سے اور ماننے والوں کو کانا دجال کے متبعین سے تعبیر کرتا ہے اور خود اپنا کام یہ بتاتا ہے کہ میری آمد کا مقصد کانا دجال اور اس کے متبعین کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو ختم کرنا ہے۔

اہم شریف پہنچنے پر اس کذاب کا واسطہ ان سیدھے سادھے لوگوں سے پڑا جو زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں انھوں نے اس کو سمجھایا کہ یہ قبروں کے قصے سب مفروضے ہیں اس میں کوئی حقیقت نہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ یہاں مسلمانوں میں اتنی بیداری ہے کہ وہ ایسے نقلی قصوں کو پہچان لیتے ہیں۔باقی رہا اس کا مہدی ہونے کا دعویٰ جب لوگوں نے متشرع اور دیندار شکل میں مرزا جی جیسے بہروپیے کو قبول نہیں کیا تو مغربی تہذیب میں غرق اس عجوبے کو کیسے مہدی تسلیم کر سکتے تھے۔تاہم مرزائیوں کیلئے یہ بات قابل غور ہے کہ وہ اپنے زعم کے مطابق پرانے مہدی مرزا غلام احمد قادیانی کو جس کو وہ مسیح اور نبی بھی کہتے ہیں اس کو مانیں گے یا اس نئے مہدی کو جو پرانے مسیح کو کانا دجال سے تعبیر کرتا ہے۔

اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی کے بارے میں حدیث پاک میں بیان کی گئی چند علامات کا ذکر کیا جائے:

مہدی لغت میں ہدایت یافتہ شخص کو کہتے ہیں اور احادیث پاک میں جس مہدی کا ذکر آیا ہے اس سے ایک خاص شخصیت مراد ہے جو اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ظاہر ہوں گے۔ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ مہدی حضرت

فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے۔اس بارے میں اس درجہ کثیر روایات ہیں جو درجہ تواتر و تو ارث تک پہنچ جاتی ہیں۔ایک اور روایت ابو داوٗد اور ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا نام میرا نام اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا (یعنی محمد بن عبداللہ) ابو داوٗد شریف ہی میں یہ بھی روایت ہے کہ ان کی پیشانی کشادہ ناک اوپر سے کچھ اٹھی ہوئی اور بیچ میں سے کسی قدر چپٹی ہوگی۔نیز ترمذی شریف اور ابو داوٗد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب امام مہدی مدینہ سے مکہ آئیں گے تو لوگ ان کو پہچان کر ان سے بیعت کریں گے۔ان کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔اس وقت غیب سے یہ آواز آئے گی ھٰذَا خَلِیْفَۃُ اللہِ الْمَھْدِیُّ فَاسْمَعُوْ الَہٗ وَاَطِیْعُوْہُ خدا تعالیٰ کا خلیفہ مہدی یہ ہے اس کے حکم کو سنو اور اس کی اطاعت کرو والغرض ظہور مہدی کے بارے میں احادیث مبارکہ بہت کثرت سے آئی ہیں اور اس درجہ وضاحت کے ساتھ بیان ہیں کہ ان میں ذرہ برابر اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔تفصیل کیلئے دیکھئے ''نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی از شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔

اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الگ شخص ہیں اور حضرت امام مہدی الگ شخص۔یہی عقیدہ صحابہ وتابعین سے لے کر امت کا آج تک کا عقیدہ ہے اس سلسلہ میں یہ چیزیں ذہن میں رکھنے کی ہیں:

(۱)　حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور امام مہدی اس امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کے آخری خلیفہ راشد ہیں۔جن کا مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔

(۲)　حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے نفخۂ جبرئیل علیہ السلام سے پیدا ہوئے اور آپ کا زمانہ پیدائش بنی اسرائیل میں حضرت نبیِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے تقریباً چھ سو سال قبل کا ہے جبکہ حضرت مہدی حضرت نبیِ اکرم ﷺ کی آل سے ہوں گے اور قیامت سے قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے۔آپ کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔اسی طرح یہ احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی کا ظہور پہلے ہوگا اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے زمین پر نازل ہونے کے بعد حضرت امام مہدی کے ہی طرز عمل اور طرز حکومت کو برقرار رکھیں گے۔

(۳)　حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ امام مہدی کی جائے ولادت مدینہ منورہ ہوگی اور جائے ہجرت بیت المقدس ہوگی اور بیت المقدس ہی میں وفات پائیں گے اور وہیں مدفون ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کے بہت دنوں بعد وفات پائیں گے اور مدینہ منورہ میں روضہ اقدس میں مدفون ہوں گے۔

(۴)　یہ بھی وضاحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لائیں گے اس وقت نماز کیلئے امام مہدی مصلےٰ پر کھڑے ہوں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر مصلےٰ سے ہٹ جائیں گے اور یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ کے نبی آپ ہی امامت فرمائیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ نہیں تم ہی نماز پڑھاؤ۔یہ اقامت تمہارے لئے کہی گئی۔تب حضرت امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء فرمائیں گے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ نازل نہیں ہوئے بلکہ امت محمدیہ کے تابع اور مجدد ہونے کی حیثیت سے آئے ہیں۔(نزول مسیح بحوالہ العرف الوردی وشرح العقیدہ السفاریذیۃ)

# تحفۂ گوہر شاہی

از : ابوالنصر مظاہری الٰہ آبادی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اسلام کو ابتداء سے ہی داخلی و خارجی دونوں فتنوں کا سامنا رہا ہے۔ خارجی فتنہ کھلا ہوا ہوتا ہے، دشمن بھی متعین ہوتا ہے اور کسی بھی لحہ دشمن کے دوست ہونے کا التباس نہیں ہوتا لیکن داخلی فتنے اپنے اثرات کے اعتبار سے سنگین زیادہ ہوتے ہیں اور ان سے عوام تو کیا بعض اوقات خواص و اہل علم کے دھوکہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے چنانچہ روافض کا فتنہ ابتداء سے لے کر آج تک ایک مصیبت بنا ہوا ہے جس کی پوری کوشش یہ رہی ہے کہ دین اپنی صحیح شکل میں قائم اور باقی نہ رہے اور اس کا وہی حشر ہو جائے جو یہودیت کا ہوا اور یہودیوں کی فتنہ سازی سے نصرانیت کا ہو چکا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد فتنے بڑے زور وشور سے اٹھے۔ ان داخلی فتنوں کی ابتداء قرامطہ گروہ سے ہوئی جس کا استیصال کرنے کیلئے محمود غزنویؒ کو ہندوستان پر حملے کرنے پڑے۔ یہ گروہ اباحت پسند تھا بادشاہ اکبر کے دور میں اکبر نے وحدۃ الادیان کا تصور پیش کیا اور وہ ایک بڑا فتنہ تھا۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال میں نیچریت، غیر مقلدیت، رضاخانیت، مودودیت، قادیانیت، آغاخانیت، بہائیت وغیرہ نہ معلوم کتنے فتنے پیدا ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن الحمدللہ علماء حق نے ان فتنوں کے اثرات کا بتوفیق الٰہی سدباب کیا۔ ان فتنہ پروروں میں بعض مبتدع رہے، بعض نے ائمہ کی تقلید کا انکار کر کے اپنے نفس کی تقلید کو اپنا شیوہ بنایا، بعض اہل حرص و اہل جاہ تھے، بعض سیاست وحکومت کی طمع میں سواد اعظم سے الگ ہوئے، بعضوں نے ختم نبوت کا انکار کیا جبکہ بعض پر علت ومعلول کا فلسفہ اتنا حاوی رہا اور وہ ڈارون کے نظریہ سے اتنے مرعوب رہے کہ انھوں نے دین اسلام کے تمام حقائق کو اندھے، بہرے، بے حس و بے شعور مادہ کے ساتھ متعلق کر دیا اس طرح ان کے ذریعہ نیچریت کی ملحدانہ روش اسلام اور اہل اسلام میں فروغ پانے لگی۔

اب دور حاضر میں ایک فتنہ گوہر شاہی نام سے ظاہر ہوا ہے۔ یہ گوہر شاہی فتنہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت اس واقعہ سے زیادہ سمجھ میں آجائے گی کہ کسی نے ایک جعلی کتاب اکبر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اس کتاب پر یہ پیشین گوئی درج تھی کہ زمانہ آخر میں امام مہدی پیدا ہوں گے، وہ بہت سی شادیاں کریں گے، ڈاڑھی منڈائیں گے اور اس کتاب میں اس نے امام مہدی موعود کی تمام نشانیاں وہی لکھ دیں جو اکبر میں موجود تھیں۔ اکبر اس فرضی تصنیف سے بڑا خوش ہوا اور اسے مالا مال کر دیا۔
(ہندوستان پر مغلیہ حکومت، ص:۱۲، از شوکت علی فہمی)

تقریباً یہی حقیقت گوہر شاہی مذہب کی ہے۔ دین الٰہی جیسا مذہب (یعنی ایسے اعمال وعقائد جس سے سارے مذہب کے لوگ خوش رہیں) مہدی موعود ہونے کا دعویٰ اور اپنے نظریات و افکار کے مطابق فرضی واقعات و روایات، اس فتنہ کی اساس اور بنیاد ہیں۔

پاکستان میں یہ فتنہ قوت کے ساتھ اٹھا۔ ہندوستان میں بھی اس کے اثرات پہنچے۔ مولانا یوسف لدھیانوی اور ان کے رفقاء سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح فرقہ باطلہ کے ردوبدل کا کام لیا اسی طرح اس فتنہ کی سرکوبی کا کام بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کے تربیت یافتہ مولانا سعید احمد جلال پوری سے لیا۔ ذیل میں اس فرقہ باطلہ کے دجل وفریب اور فتنہ سازی کے کچھ نمونے ان کی کتاب ''دور جدید کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی'' سے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ عامۃ المؤمنین اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں وباللہ التوفیق۔ ابوالنصر مظاہری۔

## مصنف کتاب کہتے ہیں:

(خود حضرت شہید نے بھی اپنی تحریروں کا آغاز اس فتنہ کی سرکوبی سے فرمایا تھا) میں ایک دن ظہر کی نماز کے بعد بیٹھا انہی فتنوں پر غور کر رہا تھا کہ اچانک دل میں میں نے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرتے ہوئے عرض کیا ''یا اللہ آپ قادر مطلق ہیں ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا فتنہ شروع ہو جاتا ہے، کیا اسی طرح ہماری زندگی گذر جائے گی؟ کیا اہل حق اسی طرح پریشانی کی حالت میں رہیں گے'' یہ گفتگو کرتے ہوئے میں روتا رہا کہ اتنے میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ''کیا پھر جنت ایسے ہی مل جائے گی'' اس فقرہ نے گویا دل کی سلگتی آگ میں ایک ٹھنڈک پیدا کر دی اور سکون واطمینان نصیب ہو گیا واقعی حضرت شہید نے سچ فرمایا تھا۔ (دور جدید کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی، ص:۳،۴) اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل اور ترتیب میں حضرت اقدس کی توجہ ونظر کا بہت زیادہ اثر ہے۔ (ایضاً)

پاکستان میں یک لخت ریاض احمد گوہر شاہی نے پورے دین کی عمارت کو ڈھا دینے کا اعلان کر دیا۔ اس نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے شعائر اسلام کا انکار کر دیا حد تو یہ ہے کہ اس نے نجات آخرت کیلئے دین وایمان اور اسلام کی ضرورت کا بھی انکار کر دیا اس کے نزدیک ظاہر شریعت، قرآن وحدیث اور اس کے احکام کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کے ہاں قرآن کے موجودہ تیس پاروں کی چنداں اہمیت نہیں بلکہ اس کے پاس مزید دس پاروں کا علم ہے، جس سے وہ اپنی ذات کو روشناس کراتا ہے، رات رات بھر چلہ گاہ میں مستانی سے ہم آغوش رہنے، بھنگ اور چرس پینے سے اس کی روحانیت میں کوئی خلل نہیں آتا بلکہ الٹا ترقی ہوئی ہے، اس کا کہنا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ امریکہ کے ایک ہوٹل میں اس سے ملنے آئے تھے، اگر سزا کا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ نبی ہونے کا دعویٰ بھی کر دیتا (ایضاً۔ ص:۱۵،۱۶)

اس کا دعویٰ ہے کہ حجر اسود پر اس کی شبیہ اور تصویر آگئی ہے اور جو اس کی حجر اسود کی تصویر کو نہیں مانتا وہ نشان الٰہی کا منکر ہے اور یہ تصویر اس کے مہدی ہونے کی علامت ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ تصویر آج کی نہیں بلکہ زمانہ قدیم کی ہے، خود

آنحضرت ﷺ نے بھی نعوذ باللہ حجر اسود کو اس لئے بوسہ دیا تھا کہ آپ نے عالم ارواح کی شناسائی کی بناء پر مجھے پہچان لیا اور حجر اسود پر میری تصویر کو بوسہ دیا تھا نعوذ باللہ من ذالک (ایضاً)

اس ملعون نے بھولے بھالے اور سیدھے سادے مسلمانوں کو "روحانیت" کے نام پر، ہوس پرستوں کو عریانی اور فحاشی اور زر پرستوں کو مال و دولت کا لالچ دے کر اپنے دام تزویر میں پھانسنے کا ایک مربوط و منظم جال بچھا رکھا ہے۔ (ص:۱۹)

گوہر شاہی اپنے تئیں روحانی بزرگ، مامور من اللہ، مہدی اور تمام انسانوں کا نجات دہندہ تصور کرتا ہے، مگر اس کا ذاتی کردار بھیانک اور قابل نفرت ہے، وہ مال وزر کا پجاری، عیش وعشرت کا دلدادہ اور شہرت کا بھوکا ہے، نشہ بازی، چرس اور بھنگ اس کے نزدیک حلال ہے اور غیر محارم سے اختلاط اس کے مذہب کا خصوصی امتیاز ہے بلکہ یہی وہ جال ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے، وہ اولیاء اللہ سے لے کر حضرات انبیاء کرام اور ذات الٰہی کی گستاخی تک کا مرتکب ہے۔ (ص: ۳۳)

پہنچ نہ سکے گا ہر گز تو اس شاہراہ کے بغیر کہ خدا بھی چلتا نہیں قانون خدا کے بغیر
اس نقطے کی تلاش میں طالبوں کی عمر برباد ہوتی ہے
خدا کی قسم اسی نقطے سے مجبور خدا کی ذات ہوتی ہے

(ص:۴۸) (تریاق قلب، ص:۷)

اس قرآن سے پوچھا! اللہ کدھر ہے، کہنے لگا بہت دور ہے، بس نمازیں پڑھتا رہ، اور روزہ رکھتا رہ، اس کا دیدار بڑا مشکل ہے بہت ہی دور رہتا ہے، جب ان (دس) پاروں سے پوچھا وہ کہنے لگے اللہ اسی دنیا میں گھومتا رہتا ہے، کبھی خواجہ کے روپ میں اور کبھی داتا کے روپ میں وہ تو اس دنیا میں گھومتا رہتا ہے۔ (ص:۴۹)

قرآن مجید میں بار بار آیا ہے "دع نفسک وتعال" (نفس کو چھوڑ اور چلا آ) (ص:۵۸)

یہ قرآن پاک عوام الناس کیلئے ہے جس طرح ایک علم عوام کیلئے جبکہ دوسرا علم خواص کیلئے جو سینہ بہ سینہ عطا ہوا، اس طرح قرآن پاک کے دس پارے اور ہیں، جب ہم نے اللہ کو پانے کی غرض سے لال باغ، سہون شریف میں ذکر و فکر تلاوت، عبادت وریاضت اور مجاہدات کئے تو ہم پر باطنی راز منکشف ہونا شروع ہوگئے۔ باطنی مخلوقات ہمارے سامنے آ گئیں پھر وہ دس پارے بھی آ گئے۔ (ص:۵۹)

پھر یہ قرآن مجید کچھ اور، وہ پارے کچھ اور۔ قرآن پاک چالیس پارے تھے، تیس ظاہری دس باطنی، ظاہری قرآن عوام کیلئے باطنی قرآن خواص کیلئے۔ (ایضاً)

یہ قرآن مجید فرماتا ہے اٹھتے بیٹھتے، لیٹے میرا ذکر کر وہ پارے کہتے ہیں اپنا وقت ضائع نہ کر اسی کو دیکھ لینا اس کی یاد آئے تو۔ (ص:۶۱)

یہ قرآن مجید فرماتا ہے نماز پڑھ ورنہ گناہ گار ہو جائے گا، وہ کہتے ہیں اگر تو نے نماز پڑھی تو گناہ گار ہو جائے گا۔ انہوں نے (دس پارے) کہا کہ جب نماز کا وقت آئے تو بس اسی کو دیکھ لیا کر جس کی نماز ہے۔ (ایضاً)

پھر اس قرآن نے کہا ذرا بھی پانی پیئے تو میرا تیرا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس نے (دس پارے) کہا دن رات کھاتا پیتا رہ روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (ص:۶۱،۶۲)

آگے پھر حج آ گیا یہ قرآن فرماتا ہے طاقت ہے تو حج میں ضرور جا، انہوں نے (دس پارے) کہا کعبہ دل و جان ہے تو اشرف المخلوقات ہے اس کو (کعبہ کو) ابراہیم نے گارے مٹی سے بنایا ہے، تجھے تو اللہ کے نور سے بنایا ہے، تو اس کعبہ کی طرف کیوں جاتا ہے؟ وہ کعبہ تیری طرف آئے نا۔ (ص:۶۲)

یہ قرآن کہتا ہے کہ زکوٰۃ دے، ڈھائی پرسینٹ (persent) زکوٰۃ دے دیا کرو، وہ کہتا ہے ڈھائی پرسینٹ اپنے پاس رکھ کر ساڑھے ستانوے پرسینٹ زکوٰۃ دے۔ (ص:۶۲)

## مالیخولیا اور جنون کے اثرات: چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ایک دن پتھریلی جگہ پر پیشاب کر رہا تھا، پیشاب کا پانی پتھروں پر جمع ہو گیا اور ویسا ہی سایہ مجھے پیشاب کے پانی میں ہنستا ہوا نظر آیا جس سائے سے مجھے ہدایت ملی تھی۔ (ص:۷۰)

بیس سال کی عمر سے بتیس سال کی عمر تک اس گدھے کا اثر رہا۔ نماز وغیرہ سب ختم ہو گئی جمعہ کی نماز بھی ادا نہ ہو سکتی پیروں فقیروں اور عالموں سے چڑ ہو گئی اور اکثر محفلوں میں ان پر طنز کرتا، فالتو وقت سینماؤں اور تھیٹروں میں گذارتا، روپیہ اکٹھا کرنے کیلئے حلال وحرام کی تمیز بھی جاتی رہی، کاروبار میں بے ایمانی، فراڈ اور جھوٹ شعار بن گیا، یہی سمجھئے کہ نفس امارہ کی قید میں زندگی کٹنے لگی سوسائٹیوں کی وجہ سے مرزائیت کا اثر ہو گیا۔ (ص:۱۰۷،۱۰۷)

فرمایا ایک دفعہ شیطان سے ہماری گفتگو ہوئی اس نے کہا کہ میں بھی جو کچھ کرتا ہوں، یہ سب در اصل میری اور خدا کی ملی بھگت ہے اور میں جو کچھ بھی کرتا ہوں یہ سب اس کی مرضی سے ہی کرتا ہوں، پھر اس نے کہا کہ اصل میں خدا کی بے پناہ رحمت کی وجہ سے سارے فرشتے، حوریں اور سب مخلوق خدا سے بے خوف ہو گئے تھے۔ پھر خدا نے مجھ سے کہا کہ اب معاملہ خراب ہو گیا ہے اب اسے درست کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ہی میں نے آدم کو سجدے سے انکار کر دیا اور اس کو جنت سے باہر نکلوایا اس طرح مجھے لعین قرار دیا گیا۔ فرشتوں اور دوسری مخلوق نے جب دیکھا کہ خدا کے اس قدر نزدیک رہنے اور اس کی عبادت کرنے والا بھی خدا کے غضب میں آ گیا تو ان میں پھر سے خدا کا خوف آ گیا یہ سب میں نے اسی کے حکم سے کیا، تم ہی بتاؤ کہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کچھ کر سکتا ہے؟ اس کی دلیلیں سن کر یہ اثر ہوا کہ ہم نے درود کی محفل میں اعوذ باللہ پڑھنا چھوڑ دیا کہ جب سب کچھ اس کی مرضی سے ہوا تو یہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ تو خدا نے ایسے ہی کھیل بنا دیا ہے۔ (ص:۱۷)

جو چیز بھی خدا کی طرف سے مزا دے اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر

موسیقی یا رقص سے ذکر میں سرور آتا ہے اور خدا کی محبت بڑھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر یہ بات نہیں تو موسیقی سننا مناسب نہیں۔(ص:۷۴)

نیز اللہ اللہ کرنے کیلئے ڈانس کرنا جائز ہے اور اللہ اللہ کرانے کیلئے چرس پلانا بھی جائز ہے۔(ایضاً) ع بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یادگار لمحات کے صفحہ نمبر ۹،۱۰ پر لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس قول کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم عطا ہوئے ایک تمہیں بتا دیا دوسرا بتا دوں تو تم مجھے قتل کردو تشریح کرتے ہوئے گوہر شاہی نے کہا ہے کہ وہ دوسرا علم یہ ہے کہ شراب پیو، جہنم میں نہیں جاؤ گے اور بغیر کلمہ پڑھے اللہ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔(ص:۷۵)

## فریب نفس: مہدی موعود:

جب چاند، سورج، حجر اسود، شیو مندر، امام بارگاہوں اور کئی مساجد میں تصویروں کی تصدیق ہوئی مجھے بھی شک گذرا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ (مہدی کا) مرتبہ بھی مجھے ہی نواز دے کیوں کہ کئی ایسے واقعات سامنے تھے کہ چور اور ڈاکو بھی راتوں رات ولی بن گئے حتمی یقین تب ہوگا جب اللہ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور ظاہری وباطنی ولی اس کی تصدیق کریں۔(ص:۸۶)

حکومت پاکستان نے بھی یہ قانون بنایا ہوا ہے کہ اگر کوئی امام مہدی کا اعلان کرے تو اسے جیل میں بند کر دیا جائے اگر واقعی امام مہدی پاکستان میں آ گیا تو پھر ان کا استقبال جیل کی دال سے ہی ہوگا حکومت نے یہ قانون کیسے پاس کیا جبکہ ہر فرقہ کے مطابق امام مہدی کو دنیا میں آنا ہے حکومت کے مطابق کہ یہ قانون جھوٹے مہدیوں کیلئے ہے تو پھر سچے مہدی کی حکومت کے پاس کیا پہچان ہے؟ اگر آج حکومت اس قانون کو ختم کرے تو کل ہی پورے ثبوت اور حدیثوں کی روشنی میں امام مہدی کو دنیا میں روشناس کر سکتا ہوں ورنہ ایک دن دنیا خود ہی پہچان لے گی۔(ص:۸۸)

جشن ولادت کے موقع پر ایک رنگین اسٹیکر R.A.G. انٹرنیشنل انگلینڈ نے جاری کیا جس میں کلمہ اور میرا نام لکھا تھا حالانکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی پھر بھی مخالفوں کے شر کی وجہ سے فوری ضبط کر لیا اس فارم میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد شامل ہے ان کی جانب سے اسٹیکر جشن ولادت کے موقع پر نکالا گیا جس کا ہمیں پیشگی قطعی علم نہ تھا۔ چوں کہ اس فارم میں غیر مسلم خصوصاً ہندو، سکھ، عیسائی مذاہب کی تعداد ہماری جنون کی حد تک معتقد ہے، وہ غیر مسلم ہونے کے ناطے لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں لیکن محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے، ہم نے حکمت کے تحت لا الہ الا اللہ کا قائل کر کے انہیں اسم ذات کی طرف راغب کیا تا کہ ان کے دلوں میں نور اترے اور ان میں اللہ کی محبت پیدا ہو۔ جشن ولادت کے موقع پر پاکستان کے علاوہ انگلینڈ و دیگر ممالک سے بھی مسلم اور غیر مسلم اس تقریب میں شریک ہوئے، ان غیر مسلموں نے اس اسٹیکر کے ذریعہ اپنے عقیدے کو ظاہر کیا لیکن ہم نے مخالفین کے شر کی وجہ سے فوراً ضبط کر لیا۔

(ص:۹۴)

امام مہدی اور حضرت عیسیٰ ظاہر ہو چکے ہیں، جو ان کے قریبی لوگ ہیں وہ انہیں جانتے جا رہے ہیں اور جو بھی ان کے قریب ہوتا جاتا ہے وہ انہیں جانتا جاتا ہے اور اسی طرح ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔(ص:۹۵)

## حضرت عیسیٰ سے ملاقات کا مدعی:

حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ کے حالیہ دورہ امریکہ کے دوران مورخہ ۲۹ر مئی ۱۹۹۷ء نیو میکسیکو کے شہر طاؤس (Taos) کے ایک مقامی ہوٹل (Elmont Lodge) میں حضرت سیدنا گوہر شاہی سے حضرت عیسیٰ نے ظاہری ملاقات فرمائی یہ ملاقات ۲۸ر جولائی ۱۹۹۷ء تک راز رہی لیکن اب جبکہ مرشد پاک نے اس راز سے پردہ اٹھانا مناسب جانا تو کرم فرماتے ہوئے کچھ تفصیلات ارشاد فرمائیں آپ فرماتے ہیں نیو میکسیکو کے ہوٹل میں پہلی رات قیام کے دوران رات کے آخری پہر میں نے ایک شخص کو اپنے کمرے میں موجود پایا۔ ہلکی روشنی تھی میں سمجھا ہمارا کوئی ساتھی ہے پوچھا کیوں آئے ہو؟ جواب دیا آپ سے ملاقات کیلئے، میں نے لائٹ آن کی تو یہ کوئی اور چہرہ تھا (ایک خوبصورت نوجوان) جسے دیکھ کر میرے سارے لطائف ذکر الٰہی سے جوش میں آ گئے اور مجھے ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوئی، جیسی فرحت میں نے حضور پاک کی محفلوں میں کئی بار محسوس کی تھی، لگتا تھا انہیں ہر زبان پر عبور حاصل ہے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میں عیسیٰ ابن مریم ہوں ابھی امریکہ میں ہی رہ رہا ہوں۔ پوچھا رہائش کہاں ہے؟ جواب دیا کہ نہ پہلے میرا کوئی ٹھکانہ تھا، نہ اب کوئی ٹھکانہ ہے، پھر مزید جو کچھ گفتگو ہوئی وہ ہم (گوہر شاہی) ابھی بتانا مناسب نہیں سمجھتے۔

حضرت گوہر شاہی فرماتے ہیں کہ پھر کچھ دنوں کے بعد جب میں ایری زونا ٹوسن میں ایک روحانی سینٹر (Tucsan 3335 East Erant Rs.A.Z) پر گیا وہاں کتابوں کے ایک اسٹال پر میزبان خاتون مس میری (Miss Marry) کے ہاتھ میں اس نوجوان (حضرت عیسیٰ) کی تصویر کس کی ہے کہنے لگی عیسیٰ بن مریم کی ہے پوچھا کیسے ملی تو بتایا کہ اس جان پہچان کے کچھ لوگ مقدس روحانی مقام پر عبادت و زیارت کیلئے گئے اور اس مقام کی تصاویر کھینچ کر جب پرنٹ کروائی گئیں تو کچھ تصاویر میں یہ چہرہ بھی آ گیا جبکہ وہاں نہ کسی نے دیکھا اور نہ ہی تصویر اتاری۔ وہ تصویر اس خاتون سے حاصل کرنے کے بعد جب چاند پر موجود ایک شبیہہ سے اس تصویر کو ملا کر دیکھا تو ہو بہو وہی تصویر نظر آئی۔ اب یہاں لندن آ کر گارڈین اخبار والوں کو اشتہار کیلئے جب تصویر دی تو انہوں نے بھی اپنے کمپیوٹر کے ذریعے چاند والی تصویر سے ملا کر اس تصویر کی تصدیق کی اب ان حوالوں کی روشنی میں اس راز سے پردہ اٹھانا مناسب سمجھتے ہیں کہ واقعی یہ تصویر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہی ہے جو اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے یا محض خرافات ہے۔(ص:۹۵،۹۶،۹۷)

آپ کا پیغام اللہ کی محبت کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہر مذہب کے افراد

آپ سے عقیدت اور محبت کرنے لگے اور اپنی عبادت گاہوں میں حضرت گوہر شاہی کو خطابت کی دعوت دینے لگے اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی کہ کسی شخصیت کو ہر مذہب والوں نے اپنی عبادت گاہوں کے اسٹیج اور منبر پر بٹھا کر عزت دی ہو۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور ہر مذہب والوں کے دل گوہر شاہی کی صحبت سے ذکر اللہ سے جاری ہو گئے۔ گویا وصول الی اللہ کیلئے اسلام بھی شرط نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ کے پاس ایک غیر مسلم شخص آیا تھا اور درخواست کی تھی کہ بیعت کر لیجئے اور کچھ وظیفہ بتلا دیجئے حضرت نے فرمایا پہلے ایمان لاؤ وہ ایمان نہیں لایا اور چلا گیا۔ (ابو النصر) ملفوظ حضرت تھانویؒ قصص الاکابر لقصص الاصاغر نمبر ۱۷ بحوالہ حسن العزیز جلد چہارم ص: ۱۲، ملحصاً) یہ آپ کی ادنی سی کرامت ہے، آپ کی بے شمار کرامتیں ہیں ہر ایک کا تذکرہ ناممکن ہے۔ چاند، سورج، حجر اسود، شیو مندر اور کئی دوسرے مقامات پر بھی تصویر گوہر شاہی نمایاں ہونے کے بعد اکثر مسلم اور غیر مسلم کا خیال اور یقین ہے کہ یہی شخصیت مہدی، کالکی اوتار اور سچا ہے، جس کا مختلف مذہبی کتابوں میں ذکر آیا ہے۔ (ص: ۱۰۰-۱۰۱)

## بانی فرقہ کے متعلق حضرت مولانا یوسف صاحب کی رائے گرامی

میں نے ریاض احمد گوہر شاہی کے عقائد و حالات کا مطالعہ کیا اور ہفت روزہ تکبیر کے سوالات بھی دیکھے، ان کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص دین اور شریعت کا قائل نہیں نہ اس کو نماز، روزے کا اہتمام ہے اور نہ شریعت کے محرمات سے پرہیز ہے اس لئے اس کی حیثیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسی ہے اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں۔ واللہ اعلم (محمد یوسف عفا اللہ عنہ) (ص: ۱۰۸)

فرقہ گوہر شاہی کے متعلق علماء اہل حق کی رائے اور ان کے فتاوے:

(۱) گوہر شاہی کا یہ کہنا کہ اگر وہ کسی بندے پر کامل نگاہ ڈال لے تو اس سے اس کی تقدیر بدل جاتی ہے بالکل باطل اور غلط ہے شریعت میں ایسی کوئی بات سرے سے نہیں ملتی ہدایت کا تعلق رب کائنات کی ذات سے ہے اور وہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں پھر ایسا شخص جو گناہ اور معصیت کی زندگی میں ملوث ہو اس کا یہ دعویٰ کرنا مضحکہ خیزی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) گوہر شاہی یا ریاض گوہر شاہی اپنے آپ کو کہلوانا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا ہے اس لئے کسی مسلمان سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی لہٰذا گوہر شاہی کا یا گوہر شاہی کا وظیفہ پڑھوانا خالص کفر ہے۔

(۳) عشق اگر شریعت کے تابع نہ ہو تو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں عشق میں کفر یہ عقائد رکھنا اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا اور حرام چیز کو حلال قرار دینا ناجائز اور کفر کے زمرے میں آتا ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ تصور رکھنا کہ شیطان خواب میں آپ کی شکل میں آسکتا ہے حدیث شریف کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں نبی اکرم ارشاد فرماتے ہیں "من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی متفق علیہ" (جس نے مجھے سوتے (خواب) میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیوں کہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا)

(۵) ایسا شخص حضور ﷺ کا جانشین تو کجا مسلمان تک نہیں ہو سکتا۔ صرف اسم ذات کی تبلیغ سے انسان مسلمان نہیں ہوتا بلکہ حضور کے دین کے ایک ایک حکم کو ماننا اسلام ہے اور کسی بھی حکم کے انکار کی بناء پر انسان کافر ہو جاتا ہے اس لئے گوہر شاہی کا یہ دعویٰ کہ "بلا تفریق مذہب صرف اللہ کا نام دل میں نقش کرتا ہوں" کفر ہے۔

(۶) چاند پر تصویر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کسی کی نہیں آئی اس لئے گوہر شاہی کا یہ دعویٰ بھی اسلامی عقائد کے خلاف اور اس کی ذہنی اختراع ہے۔

سوال میں دیئے گئے حوالہ جات کی روشنی میں ریاض احمد گوہر شاہی نامی شخص کی مطبوعہ تصنیفات مثلاً روحانی سفر، رہنمائے طریقت، تحفۃ المجالس، روشناس اور مینارۂ نور کے بغور مطالعہ کرنے سے اس شخص کے جو عقائد معلوم ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملحد و زندیق ہے لیکن لوگوں کو گمراہ کرنے اور اپنے الحاد و زندقہ کو چھپانے کیلئے تصوف کی اصطلاحات استعمال کر رہا ہے، نیز اپنی کتاب روحانی سفر میں لکھا ہے کہ "جو نشہ اللہ کے عشق میں اضافہ کرے، یکسوئی قائم رہے، خلق خدا کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو وہ مباح ہے بلکہ جائز ہے" جبکہ احادیث نبویہ میں نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے "کل مسکر حرام" (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) نیز یہ شخص جس فقر اور تصوف کی دعوت دیتا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ایسے عقائد رکھنے والے شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم (ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲)

گذشتہ صفحات میں گوہر شاہی کی کتابوں اور رسالوں سے ان کے چند چیدہ چیدہ نظریات اور ان پر قرآن و سنت کی روشنی میں بقدر ضرورت "تبصرہ" آپ نے ملاحظہ فرمایا جن میں نجات کافر، تعدد قرآن اور شریعت اور طریقت میں تباین جیسے نظریات نہایت خطرناک ہیں جن کے گمراہ ہونے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، لہٰذا ان فاسد و گمراہ کن نظریات و عقائد کی رو سے "ریاض احمد گوہر شاہی" انتہائی درجہ کا گمراہ اور بدعتی ہے۔ اس کی بیعت، مجالس، تقریر اور تحریر سے بچنا واجب اور ضروری ہے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم واتم (ص: ۱۴۴، ۱۴۵)

الجواب صحیح

احقر (مفتی) محمد تقی عثمانی مدظلہ

بندہ عبدالرؤف سکھروی

محمد عبدالمنان عفی عنہ

احقر محمود اشرف غفراللہ

عصمت اللہ عصمہ اللہ

دار الافتاء دار العلوم کراچی

اصغر علی ربانی

# ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک اور اندیشے:

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گذشتہ صفحہ میں عرض کیا گیا تھا کہ نئے فرقوں یا جماعتوں کے بانیوں کے بارے میں اہل علم کو جو اندیشے اور خطرے محسوس ہوئے (اور جو بعد میں حقیقت واقعہ بن کر سامنے آئے) ان کا اصل منشأ یہ تھا کہ اس عظیم الشان منصب کی صلاحیت و اہلیت حاصل کئے بغیر انھوں نے مسند قیادت پر جلوہ افروز ہونے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ ضروری نہیں کہ یہ سب قائدین و مصلحین شروع ہی سے دل کے کھوٹے ہوں، نہیں! بلکہ ان میں سے بعض کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ امت کے واقعی خیر خواہ تھے، ان کی زبوں حالی سے فکر مند تھے، وہ خلوص دل سے چاہتے تھے کہ امت کو قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچائیں۔ مگر چونکہ یہ بزرگوار علم راسخ سے تہی دامن اور اصلاح و تربیت کے فیضان سے محروم تھے اس لئے منصب قیادت کے بارگراں کو زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکے، بلکہ سفر قیادت شروع کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ان کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ بالآخر پٹری سے اتر گئے۔ اور چونکہ "بے مرشد" و "بے استاد" بھی تھے اور بزعم خود مجتہد بھی (یا ہمارے ڈاکٹر صاحب کی اصلاح میں نیم مقلد) اس لئے شتر بے مہار کی طرح جس طرف کو چاہا منہ اٹھا کر چل نکلے، نہ ان کا کوئی مرشد و رہنما تھا اور نہ وہ کسی کی تقلید کے قائل تھے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خدا خیر کرے ٹھیک انھیں کے نقش قدم پر آج کل ہمارے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی اس امت کے دینی انحطاط اور اس کی زبوں حالی پر کچھ زیادہ ہی فکر مند نظر آتے ہیں۔ مدت کی غور و فکر کے بعد موصوف نے امت کی خستہ حالی کا علاج "جہاد بالقرآن" تجویز فرمایا اور اس جہاد کیلئے انھوں نے "تنظیم اسلامی" تشکیل دے کر "سفر قیادت" کا آغاز کر دیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ چشم بد دور انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح "سلسلۂ بیعت" بھی جاری فرما دیا ہے (یہ تشبیہ نفس بیعت میں ہے گو نوعیت کا اختلاف ہو) (جسے سلسلۂ عالیہ احمدیہ کے مقابلے میں "سلسلۂ عالیہ اسراریہ" کہنا موزوں ہوگا) مگر "منصب امامت" کے لئے جو صلاحیتیں درکار ہیں موصوف ان سے عہدہ برآ نہیں اس لئے پیش رو قائدین و مصلحین کی طرح ان کے قدم بھی بار قیادت سے لڑکھڑانے لگے ہیں اور وہی اندیشہ سامنے آنے لگا ہے کہ کہیں وہ بھی گزشتہ قائدین اور مصلحین کی طرح پٹری سے نہ اتر جائیں۔ ولا فعل اللہ ذلک۔

جو خطرہ حقیقت واقعہ بن کر سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ یوں تو ڈاکٹر صاحب بار بار کہتے ہیں کہ وہ ان پڑھ اور امی امتی ہیں (ان کی اس تعبیر پر گفتگو انشاء اللہ آگے آئے گی) لیکن اپنی تمام ترامیت اور ان پڑھی کے باوجود انہوں نے پیچیدہ قسم کے دقیق نظری مسائل پر "اظہار خیال" شروع کر دیا ہے جو گویا ڈاکٹر موصوف کی "اصطلاحات" کی ابتداء اور بسم اللہ ہے۔

ان میں ایک "اجتہاد و تقلید" کا مسئلہ ہے، موصوف نے جہاد بالقرآن" کے لئے جو میدان یا محاذ تجویز کئے ہیں ان میں ایک فرقہ واریت کا محاذ ہے وہ فرماتے ہیں:

"چوتھے محاذ کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے فرقہ واریت کا محاذ ہے، اس فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے اور غیریت کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کوئی ایسی بنیاد، کوئی ایسی جڑ، کوئی ایسا مرکز درکار ہے جو ذہنی ہم آہنگی پیدا کرے، پھر یہی ذہنی ہم آہنگی لوگوں کے اندر آپس میں قرب وابستگی کا ذریعہ بنے، یہی مفہوم حبل اللہ کا ہے، میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہی ہے"

(میثاق ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۲۳)

اس فرقہ واریت سے ان کی مراد ائمۂ مجتہدین کا فقہی اختلاف اور اس سے پیدا ہونے والے فقہی مذاہب یا مسالک ہیں۔ موصوف اس فرقہ واریت کو امت کے لئے ایک خطرہ تصور کرتے ہیں۔ اس کے خلاف "جہاد بالقرآن" کا محاذ کھولتے ہیں' اور اس فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے کے لئے "ایک معتدل راستہ" نکالتے ہیں۔ جو "اجتہاد" اور "تقلید" کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا ہے' اور جو موصوف کی خاص اصطلاح میں "نیم مقلدیت" کا راستہ ہے۔ اس راستہ کو اپنانے کے لئے موصوف دو چیزوں کی سفارش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ائمہ اربعہؒ کے ساتھ امام بخاریؒ کے فقہی مسلک کو بھی ایک مستقل مذہب کی حیثیت میں تسلیم کر لیا جائے۔ دوم یہ کہ ان مذاہب خمسہ کے دائرے میں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ "یہ نہیں کہ بس ایک ہی کے ہو رہیں"۔ موصوف کا یہ "معتدل راستہ" بھی مسئلہ فرقہ واریت کا عبوری حل ہے۔ ان کی دعا کہ مستقبل میں اجتہاد مطلق کی حامل کوئی عظیم شخصیت کھڑی ہو اور وہ ان مذاہب خمسہ کا عطر نکال کر ایک ہی فقہی مذہب کی بنا ڈالے اور ساری دنیا کو اس پر جمع کر دے۔ یہ گویا فرقہ واریت کے مسئلہ کا صحیح اور حقیقی حل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

انور شاہ کشمیریؒ کے خیالات کے پیش نظر ایک معتدل راستہ نکالنا ہو گا' خاص طور پر ان حضرات کو جو علمی میدان میں خدمت دین اور خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔ میں نے اس کے لئے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے میں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کر رہا ہوں۔ چونکہ بات سمجھانے کے لئے نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑتی ہے۔ اصلاً یہ اصطلاح میں نے اپنے فقہی موقف کے لئے وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں نیم مقلد ہوں۔ میں مقلد ہوں پانچ کا صرف ایک کا نہیں۔ چار تو اہل سنت کے متفق علیہ ائمہؒ ہیں اور پانچویں امام بخاریؒ جن کی کتاب کے متعلق سب مانتے ہیں "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" میں ان پانچ کے دائرے کے

اندر اندر رہنے میں ہی اپنے لئے عافیت سمجھتا ہوں۔ اللہ کرے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کسی ایسی عظیم شخصیت کو کھڑا کردے جس کے تقویٰ، تدین، فہم دین اور اصابت رائے، جس کے خلوص واخلاص پر امت کے بڑے حصہ بالخصوص علمائے حق کی اکثریت کا اجماع ہوجائے تو وہ تمام فقہی مسالک میں عمیق غوروفکر کے بعد پوری للّٰہیت اور خدا ترسی کے ساتھ امت کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کردے تو کردے اور ان کے دائرے کے متعلق دین کے دائرے کے اندر اجتہاد مطلق کردے تو کردے۔ اس دور میں میرے نزدیک ہم جیسے بہروپئے اس طرح کی حرکتیں کریں گے تو دین کے خلاف بغاوت اور ایک بہت بڑے فتنہ کا آغاز کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ رہیں اس دائرے کے اندر لیکن یہ نہیں کہ بس ایک ہی کے ہوں۔ عوام کا معاملہ وہ ہے اور اپنے مسلک کے مطابق عمل بھی کریں اور روزمرہ کے مسائل میں اپنے ہی مسلک کے معتمد علماء کی طرف رجوع کریں۔ جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں کہ یہی ہدایت میں نے تنظیم اسلامی کے رفقاء کو دی ہے۔ فقہی مسائل کے بارے میں، میں اپنی رائے کے اظہار سے بھی حتی الامکان گریز کرتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مزاج ہے، میں اسے چھپانا نہیں چاہتا، میں محض مقلد نہیں ہوں، میں نیم مقلد ہوں۔ ان پانچوں دائروں سے باہر جانے کو میں غلط سمجھتا ہوں۔ یہ ہماری مشترک متاع ہے ان کے اندر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنہ و الصواب سمجھتا ہوں اسکی رائے کو ترجیح دیتا ہوں---- میرے مزاج، میری افتادِ طبع اور میری احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ آپ کے اس شہر لاہور ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی مشہور علمی درس گاہ اور دار العلوم کی ایک جید شخصیت، عالم دین، شیخ الحدیث کی خدمت میں آج سے تقریباً ڈھائی سال قبل میں نے حاضر ہوکر اپنی تمام کتابیں ان کے قدموں میں ڈال دیں اور ان سے عرض کیا کہ اگر ان میں سے آپ کسی بات کی نشاندہی فرمادیں جو ائمہ اربعہؒ اور امام بخاری رحمۃ اللہ کے دائرے سے باہر کی ہیں تو میں ان کتابوں سے حذف کردوں گا---- میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف حنفیت میں منحصر ہے تو میرا راستہ اور ہے اور آپ کا اور ---- انہوں نے کہا ہم ایسی بات کیسے کرسکتے ہیں، جب کہ ہم انہیں اہل سنت کے ائمہ تسلیم کرتے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ میں ان شاء اللہ ان تمام باتوں سے رجوع کرلوں گا جو امت مسلمہ کے دائرے سے باہر کی ہوں گی"

(میثاق ستمبر ۱۹۸۴ء
ص ۵۰۔۵۱)

ڈاکٹر صاحب کے پیش رو مصلحین وقائدین کو ہمیشہ یہ مشکلات رہی ہیں کہ وہ جب بھی امت کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی اچھی سی "نئی تجویز" پیش کرتے ہیں "ملا" (اپنی کورذہنی کی وجہ سے) فوراً اس کی مخالفت کرتا ہے، اور تنقید کے تیروں سے اسے چھلنی کردیتا ہے، افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس اچھی سی نئی تجویز کے ساتھ یہی سانحہ پیش آیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے اس نظریہ پر ماہانہ "الخیر ملتان" (نومبر ۱۹۸۴ء) میں مولانا عبدالقیوم حقانی (دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) اور مولانا محمد ازہر مدیر الخیر نے شدید تنقید کی۔ اس تنقید کا پورا متن "الخیر" کے محولہ شمارے میں دیکھ لیا جائے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نظریہ "اجماع امت" کی نفی کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے میثاق (دسمبر ۱۹۸۴ء) میں ایک طویل وضاحتی نوٹ رقم فرمایا ہے، جس کے اہم نکات حسب ذیل ہیں :

۱-------"میری تقریر کے یہ جملے، جن پر تنقید کی گئی، ان کا مطلب وہ نہیں تھا جو سمجھا گیا، اور اس مغالطہ کی کچھ وجہ خود راقم (یعنی ڈاکٹر صاحب) کی کج مج اور کچھ اس تقریر کے مرتب کی تقصیر ہے" (میثاق دسمبر ۱۹۸۴ ص ۲۴)

۲___ "تقلید واجتہاد کے مسئلہ میں) میں اپنا موقف اپنے ہی الفاظ میں بیان کئے دیتا ہوں :

ان تمام مسائل کے ضمن میں، جو ائمہ مجتہدین (اعنی ائمہ اربعہ) کے زمانے میں پیدا ہوچکے تھے اور ان پر انہوں نے پوری طرح غوروفکر کرکے اپنے فیصلے ثبت فرما دیئے ہیں ان میں سے:

(الف) جن مسائل میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہوا ان کے ضمن میں تو اجتہاد مطلق تو کجا، نفس اجتہاد کے باقی رہنے کا بھی قائل نہیں البتہ

(ب) جن میں ان کے مابین اختلاف رائے ہوا ان کے ضمن میں "اجتہاد" کو اس میں دائر سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کسی کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے اختیار کرلیا جائے، لیکن ان کے دائرے سے باہر نکلنے کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا۔

جنس اجتہاد یا نفس اجتہاد کے بقا اور تسلسل کا معاملہ میرے نزدیک ان مسائل میں سے ہے جو سائنسی ترقی اور عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں بالکل نئی صورت معاملہ کی حیثیت سے پیدا ہوتے ہیں" (ص ۲۷)

۳___ "مذاہب اربعہ کے ساتھ امام بخاریؒ کے مسلک کے اضافہ کی وجہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بتائی ہے کہ :

"اہل سنت کا ایک گروہ برصغیر پاک و ہند میں معتد بہ تعداد میں موجود ہے جو غیر مقلد یا اہل حدیث یا سلفی مسلک، الغرض مختلف ناموں سے موسوم ہیں------ اکثر و بیشتر مسائل میں یہ حضرت امام بخاریؒ کے اجتہادات ہی کا اتباع کرتے ہیں"۔ (ص ۲۹)

۴ "چونکہ ڈاکٹر صاحب کا خود تعلق بھی اسی مکتب فکر سے ہے اس لئے موصوف نے اپنی ذات کی حد تک "نیم تقلید" کا جو دائرہ بنایا ہے اس میں ائمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کو بھی شامل کیا ہے وہ علماء کرام سے اپنی ذات کی حد تک اس اجازت کے طلب گار ہیں کہ اپنی تقلید کو ان ائمہ خمسہ کے دائرہ تک وسعت دیدیں۔ (ص ۳۰)

گویا یہ نیم تقلید کا دائرہ ڈاکٹر صاحب نے صرف "اپنی ذات کی حد تک" تجویز فرمایا ہے اس کو عام کلیہ سمجھنا صحیح نہیں۔

**۵** --------مستقبل میں کسی مجتہد مطلق کے کھڑا ہونے کی دعا کا جو ذکر ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں آیا تھا وہ بات ایک خاص تناظر میں کہی گئی تھی' اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں :

''بہرحال میں واضح الفاظ میں صراحت کرتا ہوں کہ میرے اس قول سے مراد صرف اس درجہ میں اسلام کو تسلیم کرنا ہے جس درجے میں ہم عموماً ''بفرضِ محال'' کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ میں اس سے قطعی اعلانِ براءت کرتا ہوں کہ میں اس کا داعی یا مبلغ ہوں یا کسی درجے میں مجوز و محرک ہوں'' (ص ۲۶)

فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے سے موصوف کی مراد یہ ہے کہ :

''مختلف فقہی مسالک کے ماننے والے ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے سینوں اور دلوں میں وسعت پیدا کریں اور ایسا نہ ہو کہ '' قولنا صواب لکن محتمل الخطا وقول غیر ناخطا محتمل الصواب '' صرف کہنے اور لکھنے میں آئے اور عمل یہ ہو کہ فقہی اختلافات کی بناء پر ہمارے دلوں میں بعد پیدا ہو جائے اور ہم مل جل کر شانہ بشانہ مذاکرات' فواحش کے خلاف جہاد' امر بالمعروف ' نھی عن المنکر کی سعی' اور غلبہ اقامت دین کی جدوجہد میں شریک نہ ہوسکیں'' (ص ۲۸)

اس ناکارہ نے ڈاکٹر صاحب کی وضاحت کے اہم نکات قریب قریب انہی کے الفاظ میں درج کردیئے ہیں جو حضرات ان کی پوری تحریر دیکھنا چاہیں وہ ''میثاق'' کا دسمبر ۱۹۸۴ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے کہ موصوف کی یہ توضیحات ان کے ناقدین کے لئے بڑی حد تک اطمینان وتسلی کا موجب ہوں گی۔ تاہم اس ضمن میں چند گزارشات ڈاکٹر صاحب کے گوش گزار کرنا مناسب ہوگا :

مذاہب خمسہ کا دائرہ کھینچ کر ڈاکٹر صاحب نے علمائے کرام سے اس دائرے کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت طلب فرمائی ہے ہمارے خیال میں انہیں اس اجازت طلبی کی مطلق ضرورت نہیں تھی' کیونکہ اولاً تو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ مسلکا اہل حدیث ہیں' اور اس فقہی مسلک کو اختیار کرنے کے لئے کسی سے اجازت طلب کرنا خارج از بحث ہے۔ ثانیاً وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے فیض یافتہ ہیں' اور ان کے ذوق مشرب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب کہ اس سلسلہ میں مولانا مرحوم کا فتویٰ حسب ذیل ہے :

### ''کیا ایک فقہی مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا گناہ ہے؟''

''**سوال :** ہمارے اس زمانے میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پابندی پہلے سے زیادہ لازمی ہوگئی ہے۔ مگر دوسرا سوال یہ ہے کہ کوئی صاحب علم وفضل چار معروف مذاہب فقہ کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے یا اجتہاد کا حقدار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے؟ اور اگر جائز ہے تو پھر طحطاوی میں ایک بڑے صاحب کمال فقیہ کے اس قول کا مطلب کیا ہے؟

**'' المنتقل من مذھب الی مذھب باجتھاد وبرھان اثم یستو جب التعزیز ''**

**جواب:** میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اپنی تحقیق کی بنا پر کسی ایک مسلک کے طریقے اصول کا اتباع کرنا اور چیز ہے جسے میں صحیح سمجھتا رہا طحطاوی کا وہ فتویٰ جو آپ نے نقل کیا ہے تو وہ خواہ کتنے ہی بڑے عالم کا لکھا ہوا ہو میں اس کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال صرف اس صورت میں گناہ ہے جب کہ فعل خواہش نفس کی بناء پر ہو''۔

(ترجمان القرآن - رجب' شوال ۶۳ھ جولائی - اکتوبر ۶۴ء) رسائل و مسائل' حصہ اول ص ۱۶۰' ۱۶۱' مطبوعہ لاہور' طبع دوم ۱۹۶۳ء)

**ثانیاً:** مولانا سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے یہ فتویٰ غریب طحطاوی کا نہیں بلکہ علامہ طحطاوی نے اہل علم کا فتویٰ نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بار بار مذہب تبدیل کرتا پھرے وہ مستحق تعزیر ہے کیونکہ اس کا یہ فعل خواہش نفس اور تلعب بالدین کے ذیل میں آتا ہے' خواہ وہ اجتہاد و برہان کا دعویٰ کرے۔

**ثالثاً** --------جدید تعلیم کے اثرات کی وجہ سے ہمارے آج کل کے ''محققین'' میں ''اجتہاد'' کی وبا عام ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر (الا ماشاء اللہ) اجتہاد کی حقیقت و ماہیت' اس کے لوازم و شرائط' اس کے موارد و مواقع اور اس کی ضرورت و غایت سے بھی واقف نہیں' لیکن ان میں سے ہر شخص اجتہاد کے مرض میں مبتلا ہے اور چشم بدور اپنے تئیں ابوحنیفہؒ و شافعیؒ سے کچھ اونچا سمجھتا ہے' کم نہیں' خود ڈاکٹر صاحب کے استاذ جناب مولانا امین احسن اصلاحی کی زندہ مثال موجود ہے' جو بے چارے اجتہاد کے اسی ''وبائی بخار'' میں نہ صرف یہ کہ خود مبتلا ہیں۔ بلکہ انھوں نے ایسے بلند پایا مجتہدین کا ایک حلقہ بھی پیدا کر لیا ہے جو حضرات ائمہ مجتہدین کو سادہ لوح اور صحابہ کرامؓ کو (جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی) غنڈے اور بدمعاش کہنے سے بھی نہیں شرماتے (اصلاحی صاحب نے ''تدبر قرآن'' سورہ نور میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے مجلّہ ''الاعلام'' میں) اجتہاد کی ایسی وبائے عام کے دور میں ڈاکٹر صاحب کا صرف مذاہب خمسہ کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت طلب کرنا نرا تکلف نہیں تو اور کیا ہے؟ علمائے کرام نے ان ''وبائی مجتہدین'' ہی کا کیا بگاڑ لیا تھا جو ڈاکٹر صاحب کے ہلکے پھلکے اجتہاد کا (یا موصوف کی اصطلاح میں ''نیم مقلدی مسلک'' کا کیا بگاڑ لیں گے)

**ا** ___ دقیق علمی مباحث پر اظہار خیال میں بڑی احتیاط اور ہمہ پہلو نظر کی ضرورت ہے اس کے لئے جہاں بیان کرنے والے کے لئے بڑی گہری بصیرت اور راسخ علم

درکار ہے وہاں سامعین میں ان مباحث کو سمجھنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ ایسے مسائل پر ڈاکٹر صاحب ایسے شخص کا (جو اپنے آپ ان پڑھ اور ''امی امتی'' لکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں) عوام کے مجمع میں ''اظہار خیال'' کرنا بڑی ہی عجیب سی بات ہے شاید یہ بھی اسی وبائی مرض کا اثر ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ورنہ بے چارے عوام کے سامنے جن کی ذہنی سطح معلوم ڈاکٹر صاحب اجتہاد کے موضوع پر خطاب کرنے اور نئی اصطلاحات وضع کرکے لوگوں کو پریشان کرنے سے ضرور گریز کرتے پھر نہ اہل علم کو ان کے ''خطاب'' پر اشکالات پیدا ہوتے اور نہ انہیں طویل وضاحتی نوٹ لکھنے کی ضرورت لاحق ہوتی۔ بہرحال اس ناکارہ کا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ایسے دقیق نظری مسائل جو ان کی بساطِ علم سے باہر ہیں ان پر اگر اظہار خیال نہ فرمایا جائے اور اس سنگلاخ زمین کو انہیں لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ چیز ڈاکٹر صاحب کے حق میں بہتر ہوگی۔ اگر وہ ان نظری مباحث میں الجھ کر رہ گئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دامن کو تارتار ہونے سے نہیں بچا سکیں گے۔ ان کے پیشرو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی علمائے کرام نے یہی مشورہ دیا تھا جو افسوس کہ ان کی بارگاہ میں اصلاحی شرف پذیرائی حاصل نہ کرسکا اس کا نتیجہ جو نکلا وہ ڈاکٹر صاحب کو بھی معلوم ہے۔

۲ ___ ڈاکٹر صاحب نے ''فرقہ واریت'' کے خلاف ''جہاد بالقرآن'' کا اعلان فرمایا ہے وہ ان کی اس توضیح کے باوصف بھی (جو فقرہ نمبر۶ میں نقل کرچکا ہوں) دانش مندی و تدبر کے خلاف ہے' کیونکہ اہل سنت کا یہ مسلکی اختلاف کبھی تعاون علی البر والتقویٰ کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنا۔ اس کو ''فرقہ واریت'' سے تعبیر کرنا اور اس کے خلاف ''جہاد بالقرآن'' کا طبل بجانا ان تمام اکابر کی اہانت کے مترادف ہے' جو مختلف مسالک حقہ سے وابستہ ہیں۔

مجھے تسلیم ہے کہ ہر طبقہ میں غیر معتدل مزاج کے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو ان فقہی و مسلکی اختلافات کو جنگ و جدال کا اکھاڑا بنالیتے ہیں' ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب انہی کے خلاف ''جہاد بالقرآن'' کرنے چلے ہوں لیکن ایسے لوگوں کا علاج طبل جنگ نہیں' بلکہ حکمت و دانائی کے ساتھ انھیں دعوتی مقصد کی طرف متوجہ کردینا ہے---- میں یہاں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی تحریک کو مثال کے طور پر پیش کروں گا' جو حق تعالیٰ شانہ کے احسان سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیوں پر انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اور جس میں اہل سنت کے تمام مسالک حقہ ایک خاندان کی طرح بڑے ہوئے ہیں' اس تحریک کے اکابر کی طرف سے کبھی فرقہ واریت کے خلاف جہاد کا اعلان نہیں ہوا، بلکہ صرف دعوت الی اللہ پیش کی جاتی ہے' ایمان و یقین کو دلوں میں اتارا جاتا ہے، علم و ذکر کی تلقین کی جاتی ہے، اعمال کے فضائل بتائے جاتے ہیں، مسلمانوں کا اکرام سکھایا جاتا ہے، راہ خداوندی میں محض رضائے الٰہی کے لئے جان و مال لگانے کی ترغیب دی جاتی ہے، ایثار و قربانی کے عملی نمونے پیش کئے جاتے ہیں، اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، اکابر تبلیغ کی طرف سے یہ بھی ہدایت ہے کہ تبلیغی حلقوں میں صرف فضائل بیان کیے جائیں مسائل بیان نہ کیے جائیں، بلکہ جس شخص کو جس عالم پر اعتماد ہو اس سے انفرادی طور پر مسائل دریافت کیا کرے۔

دورِ جدید کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ خوبصورت نعروں کی گردان تو خوب کی جاتی ہے، مثلاً ہر شخص اٹھتے بیٹھتے یہ نعرہ لگاتا ہے کہ مسلمانوں کو متحد ہوکر ''بنیان مرصوص'' بن جانا چاہئے۔ یہ نعرہ بجائے خود بڑا دلکش ہے لیکن اتحاد کے نعرے جس زور وشور سے لگائے جاتے ہیں اسی رفتار سے انتشار بڑھتا جارہا ہے ڈاکٹر صاحب کا یہ اعلان بھی فرقہ واریت کے خلاف جہاد بالقرآن کیا جائے، اسی نوعیت کا ایک خوش کن نعرہ ہے اس سے فرقہ واریت کو تو کوئی آنچ نہیں پہنچے گی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی ''تنظیم اسلامی'' کے رفقاء کا یہ ذہن ضرور بن جائے گا کہ ائمہ کے فقہی اختلافات ''فرقہ واریت'' ہیں۔ ہمیں ان اختلافات سے بالاتر ہونا چاہئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ تنظیم اسلامی خود ایک فرقہ بن جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب چلے تو فرقہ واریت کے خلاف جہاد بالقرآن کرنے لیکن بالآخر خود ایک فرقہ بنا کر چلتے بنیں گے۔ اور صرف یہ اندیشہ ہی نہیں بلکہ ایک پیش پا افتادہ حقیقت ہے جس قدر گمراہ فرقے اس وقت موجود ہیں تم انھیں علماء کے اختلافات اور فرقہ واریت کے خلاف وعظ کہتے سنو گے، ان کے اسی ذہن نے انکو نئے فرقے میں تبدیل کردیا ہے۔ قادیانیت پرویزیت اور جماعت المسلمین سے لے کر ڈاکٹر عثمانی کی ''حزب اللہ'' تک کا یہی نعرہ اور یہی تکنیک ہے۔

ڈاکٹر صاحب بھی لاشعوری طور پر ٹھیک انہی کے نقش قدم پر فرقہ واریت کے خلاف جہاد کرنے جارہے ہیں۔

-------ڈاکٹر صاحب نے فقرہ نمبر۲ کی شق (۲) میں جو فرمایا ہے :

''جن مسائل میں ان (ائمہ اربعہ) کے مابین اختلاف رائے ہو ان کے ضمن میں ''اجتہاد'' کو اس میں دائر سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کسی کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے اختیار کرلیا جائے لیکن ان کے دائرے سے باہر نکلنے کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا۔'' (ص۳۰)

ڈاکٹر صاحب کی اس بات کو اصولی طور پر تسلیم کرلینے کے باوجود یہاں دو سوالوں پر غور کرنا ضروری ہے ایک یہ کہ آیا یہ حق ہر ایک کو حاصل ہے کہ اپنے ''اجتہاد'' کے ذریعے مذاہب اربعہ میں سے جس کے موقف کو جب چاہے ترجیح دے لیا کرے یا اس کے لئے خاص اجتہادی صلاحیت بھی درکار ہے؟ اور اگر ایسی کوئی صلاحیت کی شرط ہے تو اسکا معیار کیا ہے؟ دوم یہ کہ یہ اجتہاد خاص ناگریز حالات وضرورت کے تحت ہوگا یا ایسی کوئی پابندی نہیں؟ افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے پوری تحریر میں ان دونوں سوالوں کی طرف توجہ نہیں کی---- اور اس سلسلہ میں خود اپنے ''اجتہاد'' کی جو دو مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان سے عجیب وغریب کیفیت سامنے آتی ہے ان میں سے ایک

تو ''فاتحہ خلف الامام'' کا مسئلہ ہے اور دوسرا مزارعت کا، جو غالباً مولانا محمد طاسین صاحب کے مقالہ سے تاثر کا نتیجہ ہے---- فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں تو ڈاکٹر صاحب کا امام بخاریؒ کے مسلک کو اختیار کرنا قابل فہم ہے کیونکہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اہل حدیث مکتب فکر سے منسلک ہو، امام بخاریؒ کے قول کی ترجیح ایک فطری سی بات ہے اس لئے میں ان کے اس اختیار و ترجیح پر گفتگو کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ مزارعت کے مسئلہ میں امام بخاریؒ کا قول ترک کرنے پر اپنے دل و دماغ کے ہاتھوں کیوں مجبور ہو گئے؟ حالانکہ دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مذہب قوی ہے یہی جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا قول بھی ہے، اور یہی فقہ حنفی کا ''مفتیٰ بہ'' مسئلہ بھی ہے---- اور پھر ضرورت بھی اسی کی متقاضی ہے---- اس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی طرح ہر شخص کو مذاہب خمسہ کے دائرے میں گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ کس طرح چن چن کر شاذ یا کم از کم مرجوح اقوال کو ترجیح دینے لگے گا، اور ڈاکٹر صاحب کی طرح دلیل صرف یہ پیش کر دیا کرے گا کہ ''میں اپنے دل و دماغ کے ہاتھوں ایسا کرنے پر مجبور ہوں''

علمائے حقانی نے مذاہبِ اربعہ میں سے کسی قول کو اختیار کرنے کا دروازہ کبھی بند نہیں کیا (جس کو دوبارہ کھلوانے کی ڈاکٹر صاحب سفارش کرتے ہیں) البتہ اس کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرط عائد کی ہے کہ اس راستے پر پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے۔ کسی ناگریز ضرورت کی بناء پر ایسا کیا جائے، محض تشتہی (یعنی ''میں دل و دماغ کے ہاتھوں مجبور ہوں'') اس کا منشا نہ ہو، پھر اس راستے میں انفرادی قدم اٹھانے سے پرہیز کیا جائے، اہل علم و فہم کے مشورے سے کوئی فیصلہ کیا جائے۔ پھر جب مذہب کو اختیار کیا جائے اس کے تمام شروط کو بھی ملحوظ کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' اجتہاد کر کے یہ فرض کر لیا جائے کہ اس مسئلہ میں ہم نے فلاں امام کا قول لے لیا ہے۔ ماضی قریب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسالہ ''الحیلۃ الناجزہ'' میں حنفی مسلک کو چھوڑ کر مالکی مسلک اختیار کیا گیا جس میں مندرجہ بالا تمام شرائط کو احتیاط سے ملحوظ رکھا گیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت بنوریؒ کے زمانے میں اسی مقصد کے لئے مجلس مشاورت قائم کی گئی تھی، اور اس نے بعض اہم فیصلے بھی کئے---- الغرض ڈاکٹر صاحب نے مذاہب اربعہ کے دائرے میں رہ کر ''اجتہاد'' کرنے کا جو اصول جمع فرمایا ہے وہ عندالضرورۃ اپنی جگہ صحیح ہے اور علمائے حقانی کا معمول بہ بھی---- لیکن بحث اس میں ہے کہ ایسے ''اجتہاد'' کا اہل کون ہے؟ اور یہ کہ اس کی اجازت کن حالات میں ہے؟ ورنہ اس ''اجتہاد'' کو بھی بے لگام چھوڑ دیا جائے تو اس کی سرحدیں اباحیت کے ساتھ جا ملتی ہیں۔

۴ ____ ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد بھی بالکل بجا ہے کہ :

''جنسِ اجتہاد نفسِ اجتہاد کے بقاء و تسلسل کا معاملہ میرے نزدیک ان مسائل میں سے ہے جو سائنسی ترقی اور عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں بالکل نئی صورت معاملہ کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں''۔ (ص ۲۷)

ظاہر ہے کہ جب ایک بالکل نئی صورت سامنے آئے گی تو اہل علم کے لئے اس پر غور کر کے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ قرآن و سنت اور اشباہ و نظائر کی روشنی میں اس کا حکم کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن میں یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ سائنسی ترقی اور عمرانی ارتقاء کے حوالے سے دین کے قطعی مسائل میں کتر بیونت بھی ہمارے دورِ حاضرہ کے ''مجتہدین'' کا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے، وہ ہر جگہ یہ موٹا سا اصول جاری کر لیتے ہیں کہ فلاں صورت حال زمانہ نبویؐ اور فقہاء کے زمانے میں نہیں تھی۔ بالکل ''نئی صورت حال'' ہے۔ اس لئے اس پر قرآن و سنت کے نصوص کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی فقہاء کے اجتہادی فیصلے اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس میں ہمیں بالکل نیا اجتہاد کرنا چاہئے۔ اس کی مثال عورت کی دیت وقصاص کا مسئلہ ہے جس پر محققین نے حال میں ہی ''اجتہاد'' کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ جب اندرون ملک کی اجتہادی سرگرمیاں کافی نہ ہوئیں تو باہر سے جناب معروف دوالیبی اور شیخ مصطفیٰ الزرقا کو تشریف آوری کی زحمت دی گئی، ان ''عرب شیوخ'' نے جو کچھ فرمایا اس کا مغز اور خلاصہ یہی تھا کہ کسی زمانے میں خاندان کا معاشی بوجھ صرف مرد کے کندھوں پر تھا، لیکن اب حالات بدل چکے ہیں، عورت اپنا معاشی کردار ادا کرنے لگی ہے، اور معاشی بوجھ اٹھانے میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے لہٰذا اب عورت کی دیت بھی مرد کے برابر ہونی چاہئے۔ فیا سبحان اللہ۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان شیوخ کی تقریر میں، جو نئے حالات کے تحت نئے ''اجتہاد'' کا وعظ فرمانے کے لئے ہمارے یہاں تشریف لائے تھے، کیا کیا سقم ہے میں یہاں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ نئے حالات کے نئے مسائل سے نمٹنا بلاشبہ اہل علم کا فریضہ ہے (اس کو خواہ ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح میں نفس اجتہاد کا تسلسل کہہ لیا جائے) لیکن عمرانی ارتقاء کے حوالے سے دین کے قطعیات میں قطع و برید کر دینا اور ہر مدعی اجتہاد کو کھلی چھٹی دے دینا کہ وہ نئے حالات میں جیسے چاہے نئے فتوے صادر کرتا پھرے، کسی طرح بھی قرین عقل و قیاس نہیں، بہرحال ڈاکٹر صاحب کے نفس اجتہاد کا بقاء کا نظریہ اپنی جگہ صحیح ہونے کے باوجود بڑی احتیاط کا متقضی ہے

ڈاکٹر صاحب کے زیر بحث خطاب میں متعدد گوشے ابھی باقی ہیں جن پر تنبیہ کی ضرورت ہے، لیکن مضمون اندازے سے زیادہ طویل ہو گیا۔ اس لئے باقی نقاط پر کبھی فرصت ہوئی تو پھر عرض کروں گا البتہ ایک بات کا اوپر وعدہ کر چکا ہوں اس لئے مختصراً اس بات کا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں بھی، اور اپنے وضاحتی نوٹ میں بھی اپنے لئے ''امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امی امتی'' کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے چنانچہ وضاحتی نوٹ میں اپنے رفیق شیخ جمیل الرحمٰن کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''اس سب کے باوصف یہ اندازہ تو جملہ قارئین ''میثاق'' کو ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بھی بالکل میری طرح امی امتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میری طرح ان کی تحریروں میں بھی بعض فاش غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ادھر میرے ''ان پڑھ'' ہونے کا یہ علم ہے کہ ------''۔

(میثاق دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقبِ مقدس ----امی---- مدح کے لئے ہے اور آپ ﷺ کی امیت کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے۔لیکن کسی امتی کے حق میں تو یہ لفظ مدح استعمال نہیں ہوتا (الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا ہو) اب اگر ''امی نبی کا امی امتی'' میں امتی کا لفظ مدح کے لئے ہے تو ڈاکٹر صاحب پر اس لفظ کا اطلاق کیسے ہوتا ہے؟ اور اگر یہ ''کسرِ نفسی'' کے لئے ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ ملانے کی کیا تک ہے---- علاوہ ازیں امی تو اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔اس اعتبار سے بھی اس کا اطلاق ڈاکٹر صاحب پر محض تک بندی ہے الغرض اگر ڈاکٹر صاحب ''امی نبی کا جاہل یا بے علم امتی'' لکھتے تو صحیح تھا، مگر ''امی نبی کا امی امتی'' لکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سوءِ ادب کا پہلو رکھتا ہے۔

بظاہر یہ ایک لفظی سا مناقشہ ہے، لیکن معاملہ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ہے، اس لئے اس پر تنبیہ کرنا ضروری ہوا۔دوسرے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب (اپنی تمام خوبیوں کے باوصف) چونکہ علم راسخ نہیں رکھتے ۔اس لئے معمولی علمی تعبیرات میں ان سے کیسی کیسی لغزشیں ہوتی ہیں، جن میں ان کو تنبہ بھی نہیں ہوتا۔

آخر میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے خیر خواہی کے جذبہ سے لکھا ہے، ڈاکٹر صاحب کی شان کے خلاف کوئی بات نکل گئی ہو تو اس پر پیشگی معذرت کا طالب ہوں، واللہ العظیم۔

میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے عرض کیا جائے کہ آپ ایک نئی جماعت بنا کر اور بیعت کی نئی طرح ڈال کر امت کو کسی نئی آزمائش میں مبتلا نہ کریں، یہ امت نئی نئی اصطلاحات اور دین کے نام پر وجود میں آنے والی نئی نئی تنظیموں کے چرکوں سے پہلے ہی چور چور ہے، خدارا اس پر رحم کیا جائے اس کو کسی نئی تنظیم، نئی بیعت اور نئی اصطلاحات کی آزمائش سے معاف رکھا جائے بہر حال ان کے علمی ضعف کے پیش نظر میں ڈاکٹر صاحب کو وہی مشورہ دوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا :

**یا ابا ذر ! انی اراک ضعیفا، وانی احب لک ما احب لنفسی، لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال الیتیم .** (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

ترجمہ: ''ابوذر! میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں، جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔کبھی دو آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا اور کبھی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا''۔

# مولانا محمد جوناگڑھی کے عقائد ونظریات:

## غیر مقلدین کے پیشوا مولانا جوناگڑھی کے عقائد ونظریات اہل سنت کے خلاف ھیں

کچھ عرصہ پہلے خادم الحرمین الشریفین الملک فہد نے برصغیر کے اردو داں حضرات میں قرآنی پیغام اور اس کی حقیقی روح کو عام کرنے کے لئے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کا ترجمہ قرآن اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی عام فہم تفسیر لاکھوں کی تعداد میں شائع کی جسے برصغیر کے مسلمانوں نے بڑی نظر تحسین سے دیکھا۔اس تفسیر پر پاکستان کی وزارت مذہبی امور نے اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اس کی توثیق بھی کی ہے۔مگر افسوس کہ غیر مقلدوں کو خادم الحرمین شریفین کی یہ خدمت پسند نہ آئی۔انہوں نے حکومت سعودیہ میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لئے سازشوں کا جال پھیلایا اور غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے کی ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔اور دجل کی راہ سے اپنے عقائد ونظریات پر مشتمل تفسیر شائع کرائی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔جہاں تک مولانا محمد جوناگڑھی کے ترجمہ قرآن کے غلط ہونے اور مولوی صلاح الدین یوسف کی تفسیر کے غلط در غلط ہونے کا تعلق ہے ہم اس وقت اس سے بحث نہیں کرتے سعودی علماء ومشائخ کی خدمات میں یہ سارا مواد بھیجا جا چکا ہے اور علماء مسلسل اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غیر مقلدوں نے سازش کے ذریعہ جس صاحب کا ترجمۂ قرآن شائع کرا کر خادم الحرمین شریفین کو دھوکہ دیا ہے، اس کے عقائد ونظریات کیا ہیں؟ کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کا ترجمۂ قرآن شائع کیا جائے۔ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ جو لوگ ننانوے فیصد مسلمانوں کو مشرک سمجھتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیئے تاکہ پھر کسی کو مسلمان کی اکثریت کے جذبات مجروح کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔اسی احساس کے پیش نظر ہمارے دوست حافظ اقبال رنگونی نے ''محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کو سماحۃ الشیخ معالی الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی وزیر الشوؤن الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد'' کے نام ایک گرامی نامہ لکھا اور انہیں حقیقت حال سے مطلع کیا۔راقم الحروف نے مناسب سمجھا محترم موصوف کا یہ خط افادۂ عام کے لئے شائع کر دیا جائے تاکہ برصغیر کے اردو داں طبقہ کو معلوم ہو کہ غیر مقلدین کے سرغنہ کے عقائد ونظریات کیا ہیں اور وہ کس بے دردی سے مسلمانوں کے اکثریتی طبقہ کو اہل سنت سے خارج کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔جو غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم مولانا جوناگڑھی کے ان عقائد سے متفق نہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں، مولانا جوناگڑھی ان سب کے شیخ ہیں اگر آج کے غیر

مقلدین مولانا جوناگڑھی کے عقائد ونظریات سے متفق نہیں تو وہ ان سے کھلے عام براءت کا اظہار کیوں نہیں کرتے ؟ اور کیوں نہیں کہتے کہ وہ مذاہب اربعہ خصوصاً احناف کے بارے میں سخت تعصب رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں۔ آیئے حافظ موصوف کا وہ خط دیکھیں جو انھوں نے سعودی عرب کے ذمہ دار حضرات کی خدمت میں لکھا ہے۔(فقط۔ق۔م۔ا)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعودی مملکۃ خصوصاً خادم الحرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کی دینی اور اسلامی خدمات خصوصاً الحرمین شریفین کی تعمیر اور پوری دنیا میں قرآنی پیغام کو عام کرنے کی کوشش قابل صد تحسین ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی ان خدمات کو اپنے حضور میں شرف قبولیت دے اور انہیں دنیا وآخرت میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

لیکن ہمیں گذشتہ سال سے یہ دیکھ کر حد درجہ دکھ اور رنج ہوا ہے کہ مجمع کی جانب سے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ مع حواشی کے اردو داں طبقہ میں تقسیم کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کا ہے جو بہت کم تعداد میں ہیں اور انہیں ایک جدید فرقہ سمجھا جاتا ہے وہ خلفائے راشدین کے افعال کو کھلے طور پر بدعت کہتے ہیں اور اس کے خلاف ایک محاذ بنائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ ائمہ کے پیروؤں کو بھی اچھا نہیں سمجھتے اور امت کے فقہی اختلافات کو نعمت نہیں قمت سمجھتے ہیں۔ ان کے دن رات کا مشغلہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مذاہب اربعہ خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کریں۔ اور کھلے عام یہ کہنے سے نہ شرمائیں کہ جو لوگ مقلدین ہیں وہ کتے اور گھوڑے کی طرح ہیں جن کے گلے میں پٹہ پڑا ہو۔(العیاذ باللہ تعالیٰ)

جناب والا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہندو پاک کے ۹۹ رفیصد مسلمانوں کو تقلید شرعی کی بناء پر مشرک قرار دیتے ہیں ان کے رسائل واشتہارات اس کے شاہد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اہل سنت والجماعت کو احادیث کا منکر اور حدیث رسول کا مخالف کہہ کر آپس میں اختلافات کی فضا پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی تعداد ہندو پاک میں بہت کم ہے یہ عام مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں اور نہ کبھی اس قابل سمجھے گئے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کی نمائندگی کریں۔

جناب والا: ہندو پاک کے مسلمانوں کی اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے جو مذہب حنفی کے پیرو ہیں، لیکن وہ کسی دوسرے مذہب کی تذلیل وتحقیر نہیں کرتے جب کہ یہ نام کہ اہل حدیث (جو ہندو پاک میں غیر مقلد اور لامذہب کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں) جب کہ مذاہب اربعہ خصوصاً حنفیت کے خلاف زہر نہیں اگلتے اس وقت تک انکا کاروبار نہیں چلتا اور ان کے بازارِ تفریق میں رونق ہی نہیں آتی۔ ہم نہیں جانتے کہ سعودی عرب حکومت (جو مسلمانوں میں اتحاد و یک جہتی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہی ہے حنبلی المذہب ہونے کے باوجود اس نے کبھی دوسرے مذہب کی تذلیل وتحقیر روا نہیں رکھی) ان کو کس نے یہ مشورہ دیا ہے وہ ان لوگوں کا ترجمہ شائع کرے جو سرے سے ہی سب کو برا سمجھتے ہیں اور مسلمانوں میں ہمیشہ افتراق وانتشار پیدا کرنا اس کا وطیرہ رہا ہے، اس ترجمہ قرآن کی وجہ سے ہندو پاک سے تعلق رکھنے والے لاکھوں حجاج میں حد درجہ تشویش پیدا ہوئی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے ضرور سعودی حکومت کو دھوکہ دیا گیا ہے اور بعض نادیدہ ہاتھ اس میں ملوث ہیں جو ہندو پاک کے مسلمانوں کو سعودی عرب سے دور کرنا چاہتے ہیں اور بہت سے حجاج تو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ سعودی عرب کے علماء اور سعودی حکومت بھی غیر مقلد ہیں اسی لئے اس نے ان غیر مقلدوں کا ترجمہ شائع کیا جو مسلمانوں کی اکثریت کو برا سمجھتی ہے ہمارے نزدیک یہ سعودی حکومت کے خلاف گہری سازش ہے یہ طبقہ چاہتا ہے کہ ہندو پاک کے مسلمانوں میں سعودی حکومت کے خلاف زیادہ سے زیادہ نفرت پیدا ہو اور قرآن کریم کے پیغام کی جو عالمی کوشش سعودی حکومت اور خادم الحرمین شریفین کر رہے ہیں وہ اختلافی بن کر رہ جائیں اور ہندو پاک کا اردو داں طبقہ قرآنی پیغام سے بایں طور پر محروم ہو جائے کہ وہ اس ترجمۂ قرآن کو مسترد کر دے اور یہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ سعودی حکومت اس پہلو پر خصوصی توجہ دے اور یہ معلوم کرے کہ کیا یہ طبقہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی نمائندگی کے قابل ہے؟ اور کیا ان کے عقائد ونظریات اس لائق ہیں کہ اسے اہل سنت والجماعت مسلمانوں میں پھیلائے جائیں؟ سعودی حکومت اگر اس ترجمہ قرآن کو شائع کرنے سے قبل مترجم (مولانا محمد جونا گڑھی) اور محشی (مولانا صلاح الدین یوسف) کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کے اہل علم سے معلومات حاصل کرتی تو ہمیں یقین ہے کہ کبھی یہ ترجمہ قرآن شائع نہ کرتی مجمع کی جانب سے طبع کئے گئے قرآن کے مترجم مولانا محمد جونا گڑھی کی زبان اور قلم سے کون بچا ہے ان کی کوئی کتاب اور ان کا کوئی اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو وہ مسلمانوں میں اختلاف کی ایک آگ لگاتے نظر آئیں گے اور آپ کو ان کے الزامات میں سوائے تبرا اور جھوٹ کے کچھ نہیں ملے گا یقین مانئے شاید ہی مترجم کا کوئی رسالہ یا کوئی ایسی کتاب ہو جس میں ہندو پاک کے اکثریتی مسلمانوں پر شیعہ کی طرح تبرانہ کیا گیا ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ فقہ حنفی صرف قرآن وحدیث کے ہی خلاف نہیں بلکہ تہذیب انسانی کے بھی خلاف ہے؟ کیا سعودی حکومت فقہ حنفی کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ لیکن اس ترجمہ قرآن کی اشاعت سے مسلمانوں کی اکثریت کو اب یہ باور کرایا گیا ہے کہ سعودی حکومت فقہ حنفی کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے اور اس کا امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہی موقف ہے جو مترجم نے اپنی متعدد کتابوں میں بیان کیا ہے اور وہ کیا ہے؟ یہی کہ امام ابوحنیفہ احادیث رسول کے سخت خلاف تھے (معاذ اللہ)۔ حتیٰ کہ مترجم نے خطیب بغدادیؒ کی تاریخ کا وہ حصہ (جس میں امام ابوحنیفہؒ کے مثالب منقول ہیں اور جس کی علماء اور اسلام نے سختی سے تردید کردی ہے) کا باقاعدہ اردو ترجمہ کر کے ہندوستان میں شائع

کیا اور اسے تقسیم کیا تا کہ حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بری طرح بدنام کیا جائے اور ان کے بارے میں یہ غلط پروپیگنڈہ کیا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ احادیث رسول کے منکر تھے اور ان کا مذہب صرف اور صرف رائے اور قیاس پر تھا۔ آپ ہی بتائیں کیا یہ کھلا جھوٹ نہیں؟ کیا یہ اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی سازش نہیں؟

جس شخص یا گروہ نے آپ کو اس ترجمہ قرآن کی اشاعت کے لئے قائل کیا ہے اس نے آپ کو دھوکہ دیا اگر مترجم کے عقائد ونظریات سے کچھ بھی واقف ہو جائیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ مترجم اس لائق نہیں کہ اس کی باتوں کو ہندو پاک کے مسلمانوں پر مسلط کیا جائے۔ ہم اگلے سطور میں مترجم کے کچھ عقائد ونظریات سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

جہاں تک محشی کا تعلق ہے آپ کے علم میں یہ بات پہلے لائی جا چکی ہے کہ محشی کا ایک اور حاشیہ قرآن ریاض ہی سے شائع ہوا ہے جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے کھلا مذاق کیا گیا ہے اور حقائق کو بری طرح مسخ کیا گیا ہے اس کی تفصیل باحوالہ نقل کی جا چکی ہے۔ اور یہ بات سچ ہے کہ محشی کا عقیدہ وہی ہے جو اس نے ریاض سے شائع ہونے والے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے اگر اس کا عقیدہ نہ ہوتا تو وہ ضرور اس سے براءت کا اظہار کرتا اور اپنی غلطی کا اعلان کر کے اس سے رجوع کرتا محشی کا ریاض والے حاشیہ قرآن سے رجوع نہ کرنا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ محشی کا عقیدہ وہی ہے۔ سعودی حکومت کی طرف سے طبع شدہ اس ترجمہ قرآن میں یہ تبدیلی محض اس غرض سے لائی گئی ہے کہ سعودی حکومت کو دھوکہ دے کر اس کی اشاعت کرائی جائے اور ایک ہی نام کے دو مختلف حاشیے مسلمانوں میں ایک عنوان پر تقسیم ہو جائیں تا کہ اہل اسلام پھر ایک بار قرآن کے نام پر اختلافات کی دلدل میں پھنس جائیں اور اس کی ساری ذمہ داری سعودی حکومت پر آئے۔ ہمارے نزدیک یہ حکومت کے خلاف ایک سازش ہے نیز اس سے اہل اسلام کے ایک بہت بڑے طبقے پر زیادتی کا ارتکاب بھی ہے اس لئے ہم آپ سے فوری طور پر اس ترجمہ قرآن کی اشاعت پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ لامذہب لوگوں کے عقائد ونظریات سے اہل سنت والجماعت محفوظ رہیں۔

مترجم قرآن مولانا جونا گڑھی ہیں یہ گجرات (ہند) کے رہنے والے ہیں ان کے بہت سے رسائل ہیں یہ سب محمدیات کہلاتے ہیں (اور یہ بھی اپنے آپ کو محمدی کہتے رہے) ان میں آپ کو ایک بھی ایسی کتاب نہیں ملے گی جس میں مذاہب اربعہ خصوصاً احناف پر طعن وتشنیع نہ ہو۔ میرے سامنے اس وقت مترجم کی ایک معروف کتاب سراج محمدی ہے اس کے ۶۷ رصفحات ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے کچھ مقام آپ کے سامنے رکھے جائیں تا کہ آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ مترجم تعصب وتبرا میں کس دور تک جا چکا ہے۔ سب سے پہلے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد ونظریات پر جرح دیکھیں۔

## شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے عقائد ونظریات سے براءت کا کھلا اظہار:

مولانا جونا گڑھی لکھتے ہیں۔

ہم اہلحدیث نہ تو حنفی، شافعی، نہ مالکی نہ حنبلی نہ وہابی نہ کچھ اور۔ ہمارے نزدیک جیسے حنفی شافعی ویسے ہی وہابی (سراج محمدی ص ۸) یعنی ان کتابوں میں جو جرح وتنقید حنفیوں پر ہے بالکل وہی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروؤں پر بھی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں۔

## شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے اصحاب کو بدعتی بتانے کی جسارت:

موصوف کے نزدیک شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اہل بدعت ایک ہی صف کے لوگ ہیں یعنی جیسے اہل بدعت ہیں ویسے ہی شیخ اور ان کے اصحاب ہیں موصوف لکھتے ہیں۔

وہابی اور بدعتی دونوں ہمارے نزدیک یکساں ہیں ہم اہلحدیث محمدی ان دونوں سے بری الذمہ ہیں (ایضاص ۹) کیا یہ مذاق نہیں کہ جب انگریزوں کو خوش کرنے کی خاطر شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے اصحاب سے براءت کا اظہار کر دیا جائے اور جب مال حاصل کرنے کی بات آجائے تو اپنے آپ کو شیخ اور ان کے اصحاب کے حلقہ میں باور کرانے لگ جائیں اور لامذہب سے سلفی بن جائیں اور شیخ سے وابستگی ظاہر کریں۔ یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کے اکابر کی تحریریں شاہد ہیں کہ انھوں نے ہمیشہ شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ سے براءت ظاہر کی ہے اور انہیں بدعتی گروہ میں سمجھا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

آیئے اب ہم یہ بھی دیکھیں کہ مترجم حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ پر کس طرح تبرا کرتا ہے۔

## حضرت اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پر تبرا:

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مقام ومرتبہ اہل اسلام پر مخفی نہیں ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے تاریخ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے مناقب ومحامد بیان کئے ہیں اور آپ کے مثالب (عیوب) پر بھی کچھ صفحات سیاہ کئے ہیں ہم اس وقت ان الزامات واتہامات سے بحث نہیں کرتے علمائے اسلام نے کھل کر خطیب کا تعاقب کیا ہے اور حضرت امام کی براءت واضح کر دی ہے۔ لیکن محمد جونا گڑھی کے تعصب اور اس کے اسلاف کو بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ سے عداوت اور نفرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بدنام کرنے کے لئے خطیب بغدادی کی تاریخ سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مثالب پر مشتمل حصہ کا اردو ترجمہ کر کے شائع کیا اور پورے ہندوستان میں حضرت الامام کو بدنام کرنے کے لئے دورے کئے۔ اس کتاب کا نام امام محمدی رکھا اور لوگوں کو بتایا کہ امام ابوحنیفہ تو حدیث کے سخت مخالف تھے اور دن دھاڑے حدیث کو رد کر دیتے تھے مترجم جونا گڑھی نے خطیب کی نقل کردہ روایتوں کو سنا سنا کر لوگوں کو

حضرت امام سے بدظن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

اس جوناگڑھی نے اپنی کتاب سراج محمدی میں پھر سے خطیب کی نقل کردہ حکایتوں میں سے گیارہ روایتیں نقل کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے۔

میں ان گیارہ حوالوں پر اکتفاء کرتا ہوں اگر جناب بسط و تفصیل سے دیکھنا چاہیں تو تاریخ خطیب بغدادی کا جزء جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے بنام امام محمّدی ملاحظہ فرمائیں جس میں امام کی پوری سوانح کے ساتھ ہی اس قسم کی کل باتیں ہیں کاش آپ یہ نہ کرتے (ایضاً ۴۱)

جس شخص کے دل میں حضرت امام اعظمؒ کے بارے میں یہ غلاظت ہو کہ وہ واہیات حکایتوں کا اردو ترجمہ کرکے اردو داں طبقہ کو حضرت امام اور ان کے اصحاب کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی پر لے آئے کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کو عزت کی نظر سے دیکھا جائے۔ ہمیں حیرانگی ہے کہ سعودی حکومت جو مسلمانوں میں اتحاد و یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہے کو کس نے مشورہ دیا ہے کہ وہ ایسے شخص کا ترجمہ قرآن شائع کرے جو ہندو پاک کے مسلمانوں میں ذرہ بھر بھی لائق احترام نہیں اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ مسلمانوں میں اختلاف اور افتراق پیدا کرنے کا خواہاں رہا ہے اور اس نے ہمیشہ مذاہب اربعہ خصوصاً احناف کے بارے میں دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس پر ان کے رسائل گواہ ہیں۔

**مذہب احناف کو قرآن وحدیث اور تہذیب انسانی کے خلاف کہنے کی شرارت :**

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابۂ کرام اور ائمہ اربعہ کے درمیان بعض فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور ان اختلافات کو کبھی کسی نے قرآن وحدیث کا مقابل نہیں جانا۔ اور نہ کبھی اہل علم نے فقہی مسائل کو تہذیبِ انسانی کے خلاف قرار دیا لیکن مترجم محمد جوناگڑھی پوری ڈھٹائی سے فقہی مسائل کو تہذیب انسانی کے خلاف قرار دیتا ہے اس کا یہ عقیدہ مذاہب اربعہ کے بارے میں ہے تاہم اس نے حنفی فقہ کو محض اس لئے سامنے رکھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت اسی فقہ کی پیرو ہے۔ مترجم جوناگڑھی کا دل آزار بیان ملاحظہ کریں۔

"ہم کہتے ہیں کہ حنفی مذہب فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسائل قرآن و حدیث کے خلاف ہیں بلکہ تہذیب انسانی کے بھی خلاف ہیں (ایضاً ص ۱۲)

آپ ہی بتائیں کیا ایسا آدمی اہل علم کہلانے کے قابل ہے؟ اور کیا یہ امت میں اختلاف و انتشار پیدا کرنا نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ سعودی عرب کے علماء اس بات کے ہرگز قائل نہیں اور نہ سعودی عرب کی حکومت کا یہ نظریہ لیکن اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عام مسلمانوں میں سعودی عرب کی حکومت کے بارے میں کہیں کوئی غلط سوچ راہ نہ پکڑ لے اور وہ یہ سمجھیں کہ سعودی حکومت کا بھی یہی نظریہ ہو اس لئے ضروری ہے کہ سعودی حکومت فوری طور پر اس قسم کے لوگوں سے براءت کا اظہار کرے تاکہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بے چینی اور تشویش دور ہو۔

مترجم جوناگڑھی سے کسی نے پوچھا کے کیا یہ صحیح قول ہے کہ حنفی مذہب قرآن وحدیث کے خلاف ہے موصوف نے اس کے جواب میں لکھا۔

بیشک صحیح ہے حنفی مذہب قرآن وحدیث کے خلاف ہے (ایضاً ص ۱۱)

حنفیوں کا مذہب شرک و بدعت اور خلاف حدیث کا ایک مجسمہ ہے (ایضاً ص ۱۵)

کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اور کیا آپ ایسے لوگوں کے حامی ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور مسلمانوں میں انتشار پھیلاتے ہیں؟ یورپ کے مسلمان حیران ہیں کہ سعودی حکومت کس طرح ان لوگوں کے مکر کا شکار ہوگئی ہے یہ سعودی حکومت کو عام مسلمانوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش ہے۔ یہ مسلمانوں کی اکثریت کو سعودی عرب سے دور لے جانے کی ایک سازش نہیں تو اور کیا ہے؟

اب احناف کے بارے میں موصوف کا فتویٰ دیکھئے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کا والد حنفی (مقلد) ہو اور وہ فوت ہو جائے تو کیا وہ یہ دعا نہ پڑھے **رب اغفرلی ولوالديّ الخ** ۔ (یعنی کسی مقلد کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے؟)

موصوف نے اس کا یہ جواب دیا۔

مشرکین کے لئے دعاء مغفرت ناجائز ہے (ایضاً ص ۱۴)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ موصوف کے نزدیک احناف گروہ مشرکین ہیں ان میں سے کسی کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں ہے اب آپ ہی بتائیں کیا یہ شخص اس لائق ہے کہ اسے مسلمانوں میں پذیرائی کا حق ملے؟ ہرگز نہیں۔

یہ فتویٰ صرف احناف کے بارے میں نہیں سب مقلدین خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی۔ حنابلہ ہوں یا موالک سب اس فتویٰ کی زد میں ہیں اور مترجم کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں کیوں کہ یہ ائمہ اربعہ کے فقہ میں پیرو ہونے کے باعث مشرک ہوگئے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

ہندو پاک کے مسلمان حیران ہیں کہ سعودی حکومت جو حنبلی حکومت کے مطابق فیصلے کرتی ہے اور دوسرے سب فقہی مذاہب کا یکساں احترام کرتی ہے اور ان میں سے کسی کے بارے میں کوئی نفرت اور حقارت کے الفاظ تک نہیں بولتی اسے کس نے بدنام کرنے کی سازش کی ہے؟ جو شخص اہل سنت والجماعت کی اکثریت کو مشرک کہنے سے باز نہیں آتا اور علی الاعلان یہ فتویٰ دیتے نہیں شرماتا اس کا ترجمہ قرآن اس لائق ہے کہ اسے سعودی حکومت کی نمائندگی ہرگز نہ دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو کہ مسلمانوں کو کافر اور مشرک کہنے والے سعودی حکومت کی نظر میں کسی طرح کی عزت کے لائق نہیں ہیں۔

## حنفی مذہب پر ایک بہتان :

مترجم جوناگڑھی لکھتا ہے۔

حنفی مذہب میں ہے کہ جس حدیث رسول اللہ کے راوی حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس اور حضرت معبدؓ اور مدینہ کی اردگرد کی بستیوں کے رہنے والے صحابہ

ہوں اور امام ابوحنیفہ کے قیاس کے خلاف ہو تو اس وقت عمل حدیث پر نہ کرنا چاہئے ان حدیثوں پر قیاس مقدم ہے۔(ایضاً ۶۱)

سعودی عرب میں علمائے کرام موجود ہیں آپ ان میں سے کسی سے بھی پوچھئے کہ کیا مترجم جونا گڑھی کی یہ بات صحیح ہے؟ کیا یہ لوگ حضرت ابو ہریرہ سے مروی کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے؟ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے تھے ان کی بات میں کوئی وزن نہیں (دیکھئے فتاویٰ ج ۲۰ ص ۳۰۴) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات اعلام میں لکھی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے ہاں ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے "فتقديم الحديث الصحيح و آثار الصحابة على القياس و الراى قوله وقول احمد" (اعلام الموقعین) معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی علامہ ابن حزم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ "**الاجماع علىٰ ان مذهب ابى حنيفة ان ضعيف الحديث اولىٰ عنده من الراى والقياس**" (دلیل الطالب ص ۸۷)

ان صراحتوں کے باوجود مترجم جونا گڑھی کا مسلمانوں میں مذکورہ پروپیگنڈہ کرنا کیا بہتان عظیم نہیں؟ اور کیا یہ امت میں اختلاف و انتشار پھیلانا نہیں؟ اور کیا یہ اپنے اسلاف پر بداعتمادی پیدا کرنا نہیں؟

**جناب والا:** اس فرقہ غیر مقلد کا اصل مقصد عوام الناس کو اپنے اسلاف کرام سے بدگمان کرنا ہے اور ان سے اعتماد اٹھا دینا ہے۔ یہ بظاہر ائمہ اربعہ کی فقہی آراء کا انکار کرتے ہیں اور حدیث پر چلنے کی مدعی ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ نہ صرف ائمہ اربعہ کے خلاف ہیں بلکہ صحابہ کرام بھی ان کی زبان و قلم سے محفوظ نہیں ہیں۔ اور ان کے نزدیک خلفائے راشدین کے افعال جنہیں لسان نبوت نے سنت قرار دیا ہے بھی بدعت ہیں۔ ہمارے سامنے اسکی کئی مثالیں موجود ہیں سرِ دست مترجم جونا گڑھی کا یہ بیان دیکھیں جو اسنے حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں صحابہ کے اتفاق سے جاری ہونے والے ایک فعل کی تردید میں دیا اور اسے صریح بدعت کہا۔

## مسجد نبوی میں دی جانے والی جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے:

کون نہیں جانتا کہ جمعہ کے دن اذان کا اضافہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں ہوا اور سب صحابہ کرام نے اس سے پورا پورا اتفاق کیا کسی ایک کا اختلاف اس میں موجود نہیں۔ خود حضرت عثمان خلیفۂ راشد ہیں اور حضور ﷺ نے ان کے عمل کو سنت کہا اور ان کی پیروی کو لازم قرار دیا اس پر مزید یہ کہ حضرات صحابہ کا اجماع ہوا۔ مگر جونا گڑھی کھل کر اسے بدعت کہتا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کو بدعتی کہنے کے لئے حنفی حضرات کو آڑ بنا دیتا ہے اس نے لکھا۔

موجودہ وقت میں حنفی حضرات یہ کرتے ہیں کہ امام کے سامنے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان کہتے ہیں یہ صریح بدعت ہے (ایضاً ۳۷)

برصغیر پاک و ہند میں اہل بدعت کا ایک فرقہ بریلویوں کے نام سے موسوم ہے اس فرقے کے بانی مولانا احمد رضا خان نے ہندوستان میں جمعہ کی اس اذان کے خلاف آواز اٹھائی اور اسے بدعتِ عثمانی کہا۔ ہندوستان میں مولانا احمد رضا خان اور مولانا جونا گڑھی دونوں مل کر چلے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عمل صرف حنفی ہی کرتے ہیں یا حرمین میں یہ عمل نہیں ہو رہا ہے؟ اگر یہ صحابہ کی بدعت ہے تو کیا شوافع اور موالک اور حنابلہ اس صریح بدعت کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں۔ حرمین میں دی جانے والی اذان کو صریح بدعت کہنے والے کیا خود بدعتی نہیں ہیں اور کیا ایسے آدمی کا ترجمہ قرآن طبع کرنا سعودی حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں ہے؟ ہم نے یہاں مترجم جونا گڑھی کی صرف ایک کتاب کے یہ اقتباسات پیش کئے ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مترجم جونا گڑھی کی دوسری تالیفات و رسائل میں اور کس قدر اختلافی مواد ہوگا اور اختلافی مسائل میں اس نے کونسی زبان استعمال کی ہوگی۔ راقم الحروف کے پاس مولانا جونا گڑھی کے دیگر رسائل بھی موجود ہیں اور ان سب رسائل میں اس قسم کی بلکہ اس سے بھی سخت زبان استعمال کی گئی ہے۔

راقم الحروف آپ کے دل میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہے کہ علمائے عظام نے اس ترجمہ پر عالمانہ گرفت کی ہے اور بتایا ہے کہ ترجمہ کئی پہلو سے قابل رد ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ترجمہ قرآن کی اشاعت سے سعودی عرب کی حکوت کی نیک نامی کو خاصا نقصان پہنچا ہے اور اکثر حضرات کو اس پر افسوس کرتے پایا ہے کہ ایک جدید فرقہ کے عقائد و نظریات کو سعودی حکومت نے آخر کس کے مشورہ سے ہند و پاک کے مسلمانوں میں پھیلایا ہے؟

ہم آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب خادم الحرمین الشریفین کی جانب سے مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ترجمہ قرآن شائع ہوا تو اسکے مقدمہ میں اس کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ترجمہ پاکستان کی وزارت مذہبی امور کی طرف سے معتمد و مستند ہے۔ اور ہندوستان کے معروف عالم فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق لی تھی۔ کاش کہ مولانا محمد جونا گڑھی کے بارے میں موصوف کے والد مرحوم شیخ عبدالحی الحسنی کا تبصرہ ملاحظہ فرما لیتے جو انہوں نے مولانا جونا گڑھی کے بارے میں شیخ محمد بن یوسف السورتی سے نقل کیا اور اسی پر مولانا جونا گڑھی کا تذکرہ ختم کیا ہے۔ جو یہ ہے۔ **لم يكن فى العلم بمرتبة عالية بل كان قليل العلم بالحديث وغيره ولم يكن عارفاً بالاصول والعربية** (نزهة الخواطر ج ۸ ص ۳۹۷)

اب آپ ہی غور فرمالیں کہ اس غیر معیاری ترجمہ اور غلط حاشیہ سے سعودی حکومت کو عالم اسلام کی طرف سے کیا نیک نامی مل سکے گی؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری ان گذارشات کو بغور ملاحظہ کیا جائے گا اور

ایک جدید فرقہ کے عقائد ونظریات کو مسلمانوں کی اکثریت پر لاگو نہیں کیا جائے گا۔

والسلام۔ محمد اقبال عفا اللہ عنہ

(نوٹ:) مذکورہ گذارشات صرف ایک فرد کی آواز نہیں بلکہ دنیا بھر کے علمائے حق کی متفق علیہ آواز ہے بوقت ضرورت ان علماء کرام کی تصدیق وتوثیق بھی ارسال کی جاسکتی ہے۔ مرسلہ: محمد صدیق

# جماعت اسلامی کی اساسی فکر، کوتاہی اور بے اعتدالی

## مولانا منظور نعمانی اور مولانا علی میاں ندوی کے افادات کی روشنی میں

ترتیب وتلخیص: ابوالنصر مظاہری الٰہ آبادی

مولانا علی میاں نے مودودی صاحب اور ان کی فکر کے متعلق اصولی طور پر دو بنیادی باتوں کی گرفت کی ہے اور مجموعی حیثیت سے تین باتوں کی نشاندہی کی ہے۔ مودودی صاحب کی اساسی فکر جس پر جماعت اسلامی کی پوری عمارت کھڑی ہے ''قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں'' دین، عبادت، رب، الٰہ (معبود) میں پیش کی گئی۔ ان اصطلاحات کی تشریح جس طرح مودودی صاحب نے بیان کی ہے اس کی رُو سے خواصِ امت کے ایک بڑے طبقے سے فہم دین اور فہم قرآن کی نفی لازم آتی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کے بقول قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے۔ دوسری چیز دعوت اور اس کے داعی کے حالات میں عدم مطابقت۔

ان دو اساسی چیزوں کے علاوہ تیسری چیز جس کو مولانا علی میاں ندویؒ نے بطور عبرت ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جماعت کے بنیادی ارکان اور خواص سے علماء نے جس تعداد میں اور جس تسلسل کے ساتھ جماعت اسلامی سے علاحدگی اختیار کی، جماعتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر شاید نہ ملے۔

آئندہ مضمون میں مولانا علی میاں ندویؒ کی تحریر کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں جو در حقیقت مولانا منظور نعمانی کی کتاب ''مولانا مودودی صاحب کے ساتھ میری رفاقت اور اب میرا موقف'' کے پیش لفظ سے لیا گیا ہے۔ اور در حقیقت اس پورے مضمون میں مولانا منظور نعمانی کی اسی کتاب کے مندرجات سے استشہاد کیا گیا ہے۔

مولانا منظور نعمانی کا شمار اکابر اور بزرگوں میں ہوتا ہے، شروع میں اس طرح کی رفاقت ان کی مودودی صاحب کے ساتھ رہی اور پھر کس طرح انہوں نے جماعت اسلامی سے علاحدگی اختیار کرلی اس کی مفصل روداد انہوں نے ذکر کی ہے۔

۱۹۳۲ء کے آس پاس 'ترجمان القرآن' کے مطالعہ سے مودودی صاحب کے بارے میں واقفیت حاصل ہوئی۔ ترجمان القرآن کے مضامین نے دل ودماغ کو متاثر کیا، مقالہ نگار سے ربط وتعلق گہرا ہوتا گیا۔ پہلی ملاقات کیلئے ۱۹۳۶ء کے آس پاس دہلی کا سفر کیا لیکن مودودی صاحب کو دیکھ کر مولانا ہکا بکا رہ گئے۔ مودودی صاحب کے ایمان افروز مضامین سے ان کے طرز زندگی کو کوئی مناسبت نہیں تھی۔ اور وہ اس وقت انگریزی بال میں اور محلوق اللحیہ بھی تھے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پہلی مرتبہ مولانا (مودودی) کو دیکھ کر طبیعت کو ایک دھچکا سا لگا'' پھر لکھتے ہیں کچھ عرصے کے بعد ''دو تین دن وہاں (دارالاسلام میں) مولانا (مودودی صاحب) کے ساتھ رہ کر اُن کے بارے میں تو ذہن نے فیصلہ کرلیا تھا کہ............ دینی انقلاب کی مقدس مہم چلانے کیلئے جو صفات اور زندگی چاہئے اس سے مولانا بہت دور ہیں، اور بظاہر ان صفات زندگی کے حاصل کرنے کا ان میں کوئی خاص داعیہ اور اِرادہ بھی نہیں ہے۔'' لیکن مولانا نعمانی کے اندر اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دینی انقلاب اور اصلاحِ امت کا جذبہ بہر حال کام کرتا رہا۔ اسی جذبے کے تحت وہ مودودی صاحب اور اُن کی جماعت سے وابستہ رہے، چنانچہ اسی زمانے میں بمبئی میں مولانا منظور صاحب کی آٹھ دس تقریریں ہوئیں۔ خود لکھتے ہیں ''ان تقریروں کا موضوع اور مرکزی نقطہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اسلامی انقلاب کیلئے ایک منظّم تحریک کی دعوت تھی'' یہ تقریر خطباتِ بمبئی کے نام سے شائع ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان تقریروں کو میری طرف سے جماعت اسلامی کی تمہید کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا مودودی کا مضمون ''تجدید احیاء دین'' میری فرمائش پر لکھا گیا، جو جماعت کے بنیادی لٹریچر میں شمار ہوتا ہے''

یہ سب ہونے کے بعد میں نے پھر مولانا (مودودی) سے عرض کیا کہ جس قسم کا کام ہم آپ شروع کرنا چاہتے ہیں اس کے قائد کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی، اس کی دعوت سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس کے بعد داڑھی اور بالوں کے متعلق دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی۔ ان دونوں چیزوں کے بعد افہام وتفہیم کے بعد مولانا نے تسلیم کیا اور اصلاح کا وعدہ کیا۔ شعبان ۱۳۶۰ھ-اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت کی امارت کیلئے مولانا مودودی کا نام میں نے ہی پیش کیا تھا اور موقعہ پر وضاحت کی تھی کہ دستور کے لحاظ سے امیر میں جو صفات ہونی چاہئے (تقویٰ، علم دین میں بصیرت، اصابت رائے، جزم اور عزم) خدا کے فضل سے وہ سب ان میں موجود ہیں، اور اس حیثیت سے موجودہ ارکان میں وہ فائق اور ممتاز ہیں۔

اجتماع سے واپس آکر 'الفرقان' میں میں نے ایک دینی تحریک کا تعارف کے نام سے

جماعت اسلامی کی تاسیس وتشکیل، مقصد، نصب العین اور دعوت وطریقہ کار کی وضاحت اور مولانا مودودی صاحب کے طویل طویل اقتباسات نقل کیے۔

آخر میں بات شکوک وشبہات اور ان کے جوابات کے عنوان سے ایک مستقل مضمون لکھا جو الفرقان کے ۳۵ر صفحات پر تھا۔ میرا خیال ہے کہ جماعت اسلامی کی ایسی مکمل، اتنی مدلل دعوت کی وضاحت اس وقت خود مولانا مودودی صاحب کے قلم سے خود ترجمان القرآن میں بھی نہیں آئی تھی، اس کے علاوہ الفرقان میں مودودی صاحب کے دوسرے مضامین بھی پابندی سے شائع ہوتے رہے اور الفرقان جماعت اسلامی کا ایک آرگن ہو گیا تھا۔

اس انہماک کے ساتھ امت مسلمہ کا یہ حبر جلیل جماعت اسلامی میں اس کی اساس سے لے کر اس کی تشکیل، تشہیر اور اسکے مقاصد کی تبلیغ تک شامل رہا، لیکن اس کے بعد ملت کے اس بے لوث خادم نے اس جماعت کو چھوڑ دیا۔ کیا طریق کار پسند نہیں آیا، یا اساسی زیغ اور کجی محسوس ہوئی۔ آگے کے صفحات میں حضرت مولانا کے الفاظ میں اس کا جواب خود مل جائے گا۔ ملاحظہ کیجئے۔

مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

علمائے امت کو اپنے اس فریضہ کے ادا کرنے سے نہ کسی کا زہد نہ روحانیت عند اللہ وعند الناس مقبولیت روک سکی، نہ وہ عظیم دینی خدمات اور ملی منافع بلکہ فیوض و برکات مانع بن سکے، جو ان کی ذات سے مسلمانوں اور اسلام کو پہنچ رہے تھے، اسکی تابناک مثالیں جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں میں اور کتب طبقات وتراجم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بلکہ مشہور اصول زلة العالم زلة العالم کے پیش نظر ان کی غلطیوں کی نشاندہی میں ان ناقدین و مصلحین نے (ان کی خدمات کے پورے اعتراف کے ساتھ اور ان کی ذات کے مکمل احترام کے ساتھ) اپنی ذمہ داری کا اور زیادہ احساس کیا اور دوسروں کے مقابلے میں (جن کو امت اور اسلامی معاشرے میں یہ مقام حاصل نہیں تھا) اس کام کو اور زیادہ ضروری سمجھا۔ (۱-۲)

کتب حدیث میں آپ کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے: "يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين و تاويل الجاهلين" (اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ رسول اللہ کے ذریعے جو علم (کتاب وسنت کی شکل میں) آیا ہے ہر زمانے کے قابل اعتماد بندے ہی اس امانت کی حفاظت کریں گے، غالیوں کی تحریفات اہل باطل کے غلط دعووں اور جاہلانہ تاویلات کی تردید اور ان کا غلط اور باطل ہونا ثابت کریں گے) اور امم سابقہ اپنے علماء اور دین کے علمبرداروں کی اسی اخلاقی جرأت اور فرض شناسی کی کمی، دین میں مداھنت اور پاسداری (محاباۃ) اور دینی مصالح پر دنیوی مصالح کی ترجیح، مسئلہ کو مادی، سیاسی، اور تنظیمی نقطہ نظر سے دیکھنے کی عادت کی بناء پر عمومی ضلالت وانحراف کا شکار ہوئیں اور آخر میں وہ آخری اور کمزور دھاگہ بھی ٹوٹ گیا، جو ان کو خدا سے اور اپنی کتاب وشریعت سے مربوط کئے ہوئے تھا۔ (ص:۲)

ہر دعوت وتحریک میں دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک اس کا اساسی فکر جو اس کی دوسری دعوتوں اور تحریکوں سے ممتاز کرتی ہے اور وہی اس کی روح رواں ہوتی ہے۔ دوسری داعیٔ اول اور بانیٔ تحریک کی شخصیت وسیرت، جہاں تک مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی اس اساسی فکر کا تعلق ہے جس پر حقیقۃً جماعت اسلامی کی بنیاد پڑی اور جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہوئی (اور بظاہر جب تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آئے) قائم رہے گی وہ ان کی فکر یا خصوصی تحقیق ہے جو انہوں نے قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحوں "دین، عبادت، رب، اور الٰہ" کی تشریح میں پیش کی ہے، اور جس کو "حاکمیتِ الٰہ اور سلطانی رب" کے مختصر لفظوں سے ادا کیا جاسکتا ہے جو ان کے نزدیک پورے دین کا جوہر اور پوری تحریک کی اساس ہے۔ یہ اساسی فکر اور مولانا کی مخصوص تحقیق بہت دور رس نتائج کی حامل اور اس خاص نوعیت کی تھی کہ اس عہد کے ان علماء کو جن کی کتاب وسنت سے براہ راست واقفیت اور امت کے اعتقادی وفکری تسلسل سے شناسائی ہے اس کا پوری اہمیت کے ساتھ نوٹس لینا چاہئے تھا، خاص طور پر اسلئے بھی کہ مولانا نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ "بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معانی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر، نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کیلئے خاص ہو گیا" اور یہ کہ وہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی" (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۸، ۹) لیکن کچھ تو دوسرے بعض مباحث کی طرف توجہ مبذول ہو جانے کی وجہ سے اور کچھ اس طبقہ سے زیادہ واسطہ نہ پڑنے کی وجہ سے جس کا فکر وعمل اس فکری اساس اور اس مخصوص تحقیق کا پروردہ بلکہ زائیدہ تھا، ان حضرات نے شاید اس کی پوری اہمیت محسوس نہیں کی اور ان سنگین نتائج کا اندازہ نہیں لگایا جو اس کی تشریح وتحقیق سے تعلق مع اللہ، انابت الی اللہ اور عبدیت اور ایک مسلمان کے فکر وعمل پر مرتب ہوتے ہیں (ص ۳، ۴)

عصر حاضر میں دین کی اس جدید تفہیم وتشریح کا اس وقت جبکہ وہ پیش کی گئی تھی اس اہمیت کے ساتھ احتساب نہیں کیا گیا جس کی وہ مستحق تھی اور اس ضروری کام کی طرف بہت تاخیر سے توجہ کی گئی (ص:۴)

اس اساسی فکر کا قرآن مجید اور امت کے قرآن اور اس کے عمل کے تسلسل کی روشنی میں جو علمی جائزہ اور ناقدانہ تبصرہ آیا (تو بقول علی میاں ندوی کے) اس سلسلہ میں صرف حیرت کی بات اتنی ہے کہ اس فکر (جس کی بنیاد ہی امت کے ایک بڑے طبقہ اور مسلسل وطویل صدیوں کے فہم دین اور فہم قرآن کی نفی پر تھی) کی تنقید کا استقبال بڑی ناگواری، استعجاب اور کس قدر آزردگی کے ساتھ کیا گیا جو ایک ایسی جماعت سے قطعاً غیر متوقع تھا جس کو اس کا دستورِ اساسی ہدایت کرتا ہے کہ "رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنایا جائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا جائے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہوجائے" (ص:۴)

دوسری چیز تحریک کے داعی اور بانی کی شخصیت وسیرت ہے۔ (ص:۵)

اس لئے کہ دعوت اس داعی میں ایک ایسا نازک رشتہ ہے جس کا قرآن مجید

تک نے انبیاء اور ان کی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں لحاظ کیا ہے اور دعوت کے ساتھ جابجا داعیوں کے عمل واخلاق کو پیش کیا ہے (ایضاً)

ہمیں اس کا پورا علم وتجربہ ہے کہ جماعتوں اور تنظیموں کو یہ مرحلے پیش آتے ہیں، لوگ ان میں شامل ہوکر ان کا ساتھ چھوڑتے ہیں۔ ان کے مخالف بھی بن جاتے ہیں، لیکن جماعتِ اسلامی کو جو ابتلاء پیش آیا اور اس سے اس کے بنیادی ارکان (بالخصوص ان لوگوں نے جن کو براہ راست کتاب وسنت کا علم حاصل تھا) جس تعداد میں اور جس تسلسل کے ساتھ علاحدگی اختیار کی جماعتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر بہت ہی مشکل سے ملے گی بلکہ شاید نہ مل سکے گی (ص:۶)

مولانا منظور نعمانی صاحب نے جب شروع شروع میں ترجمان القرآن کا مطالعہ کیا تو اس کا کیا اثر ہوا خود ہی ذکر کرتے ہیں۔ ''ترجمان القرآن کے مطالعہ سے میرے قلب میں مولانا مودودی کی وقعت اور محبت میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔'' (ص۳۳)

میں نے محسوس کیا کے ایڈیٹر مولانا مودودی کو اللہ تعالیٰ نے دینی مسائل و حقائق کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سمجھانے کی غیر معمولی صلاحیت اور قدرت عطا فرمائی ہے، اور اسلام کے بارے میں مستشرقین کی کتابوں اور مغربی علوم وافکار کے پیدا کردہ شکوک وشبہادت جڑ سے اکھاڑ کے دلوں میں اطمینان ویقین پیدا کرنے میں ان کو خاص کمال حاصل ہے۔ (ص:۲۲)

ایک مرحلہ آیا جب ہمارے درمیان خط وکتابت سے یہ طے ہوا کہ ''ترجمان القرآن'' اور ''الفرقان'' کے ذریعے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں مسلمانوں سے جو کچھ کہا جارہا ہے، اور جو دعوت دی جارہی ہے اس کو ایک تحریک بنا کر آگے بڑھانے کیلئے عملی جدوجہد کا لائحہ اور منصوبہ بنایا جائے۔ مولانا مودودی نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ اب میں اس کا عزم کرچکا ہوں اور چونکہ اس کام کے لئے ریاستی علاقہ (حیدرآباد) بالکل مناسب نہیں ہے اس لئے میں پنجاب کے ایک مقام کو اپنی سکونت اور اس کام کے مرکز کے لئے تجویز کرچکا ہوں اور وہاں منتقل ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہوں پھر ایک وقت انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ کو وہاں پہنچ رہا ہوں میرا قیام محلہ چوڑی والان ''شمس کاٹج'' میں ہوگا (یہ مولانا کا سسرالی مکان تھا) آپ اس تاریخ پر دہلی آجائیں تو آئندہ کام کے بارے میں تفصیلی باتیں ہوجائیں گی۔ (ص:۲۵)

اگلے دن جب وقت آیا کہ سب ایک جگہ بیٹھ کر جماعت یا ادارہ کی تشکیل کریں تو میں نے ذرا دیر پہلے تنہائی میں مولانا سے کہا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں آیا تو اسی ارادے سے تھا کہ اس کام میں آپ کا رفیق بنوں گا لیکن یہاں آکر مجھ میں تذبذب پیدا ہوگیا ہے، اور میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے ہی آپ کو بتلادوں کہ اس وقت جو ادارہ یا جماعت بنے گی میں اس میں شرکت نہیں کرسکوں گا، لیکن آپ کے مقصد اور کی دعوت سے مجھے اتفاق اور ہمدردی ہے۔

مودودی صاحب بڑے ذہین آدمی ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ کیا چیز میرے لئے رکاوٹ بنی ہے، انھوں نے مجھے کہا کہ میں آپ کے اس تذبذب اور تردد کی وجہ سمجھتا ہوں، اصل بات یہ ہیکہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں کہ میں کس دنیا کا آدمی ہوں اور کہاں سے چل رہا ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک دم بدل جاؤں، آپ جو کچھ چاہتے ہیں انشاء اللہ رفتہ رفتہ ہوجائے گا اسلئے میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں، آپ کے انکار کردینے سے اور سبھوں پر بھی اثر پڑے گا میں نے عرض کیا کہ شرکت کے فیصلے کے لئے جس قلبی اطمینان کی ضرورت ہے واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے اندر وہ اطمینان نہیں پارہا ہوں اسلئے مجبور ہوں، حالانکہ مجھے اپنے شریک نہ ہونے سے دکھ اور افسوس ہے، اگر آئندہ اللہ نے مجھے اطمینان نصیب فرمادیا تو میں انشاء اللہ آپ کے ساتھ باضابطہ شریک ہوجاؤنگا لیکن ضابطہ کی شرکت کے بعد تعاون بھی کروں گا۔ اور دوسروں پر اثر پڑنے کی مشکل کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ میں مجلس میں اپنے اس تذبذب یا انکار کا پہلے اظہار نہ کروں بلکہ خاموش رہوں چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا دوسرے حضرات جب مجلس میں اپنی رائے ظاہر کرچکے ادارے کی رکنیت قبول کرنے والے اپنی منظوری دے چکے اور معذرت کرنے والے معذرت کرچکے تو سب سے آخر میں میں نے اپنے متعلق بتایا کہ میں اس وقت رکنیت کا فیصلہ نہیں کرسکا ہوں ابھی مزید غور کروں گا یہاں میں یہ بات واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے توقف یا انکار کی وجہ میرا یہ خیال تھا کہ اتنے اونچے دعوؤں کے ساتھ جو دینی جماعت یا ادارہ بنے اور اتنے اعلیٰ نصب العین کا دنیا کے سامنے اعلان کرلے (جس کا تحریک کے خاکہ میں ذکر کیا گیا تھا) اگر اس کے قائد کی زندگی اس دعوت سے ضروری درجہ کی بھی مطابقت نہ رکھتی ہو تو اولاً تو وہ چلے گی نہیں اور قلم کی طاقت کے بل پر کچھ چلی بھی تو اس کے ذریعے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی، حالانکہ اس راہ کا بنیادی کام یہی ہے کہ مسلمانوں میں از سرِ نو ایمانی روح پھونکی جائے اور ان کی زندگی میں دینی انقلاب برپا کیا جائے جیسا کہ حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے رفقاء نے کیا تھا ۔ (ص:۲۹،۳۰،۳۱)

اسی عرصہ میں علامہ سید سلیمان ندوی سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نعمانی صاحب فرماتے ہیں:

سلام ومزاج پرسی کے بعد سید سلیمان صاحب ندوی نے پہلی بات یہ فرمائی کہ جماعتِ اسلامی میں مودودی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک ہیں، کیا آپ ان کے بارے میں بالکل مطمئن ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو اطمینان کرکے ہی شریک ہوا ہوں۔ فرمایا خدا کرے آپ کا اطمینان درست ہو مجھے تو ان کی تحریروں میں تجدد کی بو آتی ہے ایسے لوگ دین کے معاملہ میں بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ (ص:۴۶)

اور پھر ایک مرحلہ وہ آیا جب مولانا مودودی دارالاسلام میں ہجرت کر گئے

فرماتے ہیں:

میرے قیام کو ابھی ایک ہی ہفتہ گذرا ہوگا کہ میرے سامنے بعض چیزیں ایسی آئیں جن سے معلوم ہوا کہ احکام شریعت کی جس درجہ پابندی یا کہنا چاہئے کہ جس درجہ کا علم وتقویٰ جماعت کے ہر رکن کے لئے شرطِ لازمی قرار دیا گیا ہے، خود مولانا مودودی نے اپنے کو ابھی تک اس کا بھی پابند نہیں بنایا ہے اور یہ کہ جماعت کی تاسیس سے چند روز پہلے والی تنہائی کی گفتگو سے تقویٰ اور شریعت کی پابندی کے بارے میں مولانا کا جو حال میں نے سمجھا تھا واقعہ میں ان کا حال وہ نہیں ہے بلکہ اس بارے ان میں اس قدر تہاون اور اتنی سہل انگاری ہے جو مقامِ تقویٰ کے بالکل منافی ہے یہ معلوم کرکے دل کو سخت دھکا لگا اور میں بار بار غور کرکے اس معاملے میں نہ تو کسی طرح ان کو معذور سمجھ سکا اور نہ ان کے رویہ کی کوئی تاویل ہی کرسکا۔(ص: ۵۲)

جس دن راقم سطور ''دارالاسلام'' پہنچا تھا، اس کے اگلے ہی دن کسی نماز کے بعد مسجد ہی میں مولانا مودودی صاحب نے رفقاء کو مخاطب کرکے فرمایا کسی اسلامی بستی کے لئے ایک ''محتسب'' بھی ضروری ہے اور میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ ذمہ داری آپ لے لیں! میں نے کہا ابھی چند ہی آدمی ہیں، ایسے میں کسی محتسب کی کیا ضرورت ہے؟ مولانا نے فرمایا اس کی بنیاد ابھی سے پڑنی چاہیے بہرحال مجھے محتسب بنادیا گیا اور یہ بات بھی اسی مجلس میں ذکر میں آگئی کہ میری یہ ذمہ داری ہے کہ اس پر نگاہ رکھوں کہ ہمارے اس دائرے میں کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو۔ میرے قیام پر دوچار دن ہی گذرے تھے کہ غالباً کسی رفیقِ جماعت کے ذریعے میرے علم میں یہ بات آئی کہ مولانا کا باورچی (جو جوان العمر تھا) زنانخانہ میں کھانا پکاتا ہے اور عورتوں کا اس سے پردہ نہیں ہے اور یہ کہ دارالاسلام میں مقیم رفقاء پر اس کا برا اثر پڑ رہا ہے پہلے تو میرا دل ودماغ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا میں سوچتا تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے (مولانا کی کتاب ''پردہ'' اس سے بہت پہلے شائع ہو چکی تھی) لیکن بالآخر معلوم ہوگیا کہ واقعہ یہی ہے۔ اس واقعہ کے علم نے مجھے ہلا کے اور جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ اب تک جس ماحول میں میری زندگی گذر رہی تھی اس میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کسی بھی درجہ کے تقویٰ اور دیندارانہ زندگی کے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ جماعت کے دستور میں ''صف اول'' کے ارکان کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ ''ان لوگوں کے لئے احکام شرعیہ کی پابندی کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوگی اور ان کو مسلمان کی زندگی کا پورا عملی نمونہ پیش کرنا ہوگا اور ان کے لئے رخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا (ص: ۵۲، ۵۳، حاشیہ)

دستور میں امیر کے لئے جو صفات ضروری قرار دی گئیں تھیں ان میں علم دین میں بصیرت اور اصابت رائے سے بھی پہلے تقویٰ کا ذکر تھا۔(ص: ۵۳ حاشیہ)

میرے سامنے اصل مسئلہ صرف اپنی ذات سے متعلق تھا کہ میں مولانا کے بارے میں بار بار ایک ہی شہادت دے چکا ہوں اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میری وہ شہادت صحیح اور واقع کے مطابق نہیں تھی اگر میں بدستور جماعت کا رکن رہتا ہوں تو گویا اپنے عمل سے مسلسل وہ شہادت دیتا ہوں جو اب میرے علم میں سچی شہادت نہیں۔ (ص: ۵۴)

وہ آخری گفتگو کرنے کے بعد جس کا ذکر ابھی کیا جاچکا ہے دارالاسلام سے سنبھل چلا آیا لیکن اس واقعہ سے مجھے اتنا سخت رنج اور صدمہ ہوا کہ شاید ہی عمر میں اس سے پہلے اتنا بڑا صدمہ کوئی ہوا ہو (ص: ۶۱)

اس کے بعد میں نے جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا اور دلی رنج وقلق کے ساتھ اپنے اس فیصلہ کی اطلاع میں نے مولانا کو ایک خط کے ذریعہ دی (ص: ۶۷)

اس اطلاع کے بعد مولانا کا جو خط آیا اس کا رنگ بالکل دوسرا تھا اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مولانا کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ اب جبکہ میں نے جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا ہے تو جیسا کہ ایسے موقعوں پر دنیا میں عام طور پر ہوتا ہے شاید میرا رویہ بھی بدل جائیگا اور جن باتوں کے اظہار سے اب تک میں بچتا رہا ہوں اب میں ان کے برملا اعلان پر آمادہ ہوجاؤں گا اور پھر ان کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہوں گا اور لکھوں گا بہرحال جہاں تک میں سمجھ سکا اس موہوم خطرہ کے انسداد کیلئے انہوں نے وہ خط مجھے ایسے انداز میں لکھا اور اس کے ذریعہ گویا مجھے خبردار کردیا کہ اگر ضرورت داعی ہوتو وہ کن حدود تک جاسکتے ہیں اس خط سے مجھ پر یہ چیز اور بھی واضح ہوگئی کہ مولانا میں سچی دینداری کی کتنی کمی ہے اور تقویٰ وفکر آخرت کی نہایت مؤثر دعوت دینے کے باوجود ان صفات کے لحاظ سے خود ان کا حال اور مقام کیا ہے؟ اور اگر ضرورت پڑے تو وہ عام دیندار نا خداترس لیڈروں اور صحافیوں کی سطح پر بھی آسکتے ہیں (ص: ۶۷، ۶۸)

پھر ایک وقت آیا کہ میں نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی کے حلقہ میں یا کہنا چاہئے کہ مودودی صاحب کی تحریروں سے متاثر ہونے والوں میں یہ ذہنیت عام طور سے پیدا ہورہی ہے کہ دین اس کے تقاضوں کو اگلوں نے صحیح سمجھا نہیں اور بس مودودی صاحب نے صحیح سمجھا ہے (ص: ۷۵)

پھر کچھ مدت کے بعد ۵۷ء میرا پاکستان جانا ہوا یہ وہ وقت تھا کہ وہاں کی جماعت اسلامی کے صف اول کے ارکان اور ممتاز عمائد کو مودودی صاحب سے اختلاف ہوگیا تھا (اور یہ اختلاف خالص دینی بنیاد پر تھا) اور بالآخر انھوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی یہ تھے غازی عبدالجبار صاحب مولانا حکیم عبدالرحیم شرقی صاحب مولانا عبدالغفار صاحب اور اسی سطح کے ان کے بعض رفقاء مولانا امین اصلاحی بھی ان کے ہم خیال اور شریک حال تھے لیکن انھوں نے بھی جماعت سے تعلق منقطع کرلیا تھا جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ حضرات جماعت اسلامی کی صف اول کے ارباب حل وعقد تھے اور میرے سب جانے پہچانے دوست احباب تھے اور اس کے اظہار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ کم از کم راقم سطور کے ذاتی علم وتجربہ میں یہ حضرات

دیانت اور تقویٰ کے لحاظ سے مودودی صاحب سے زیادہ قابل اعتماد تھے (واللہ اعلم باحوال عبادہ) ان حضرات سے ملاقات ہوئی تو اس اختلاف کی پوری تفصیل علم میں آئی جو کچھ ان حضرات نے بتایا مختصر الفاظ میں اس کا حاصل یہ تھا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ مودودی صاحب راستہ بدل رہے ہیں ان کے سامنے اب مسئلہ صرف حصول اقتدار کا ہے اور اس مقصد کے لیے عام سیاسی پارٹیوں کی طرح جس وقت جو پالیسی اختیار کرنا مناسب سمجھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہیں چاہے وہ اسلامی اصول وتعلیمات کے کتنے ہی خلاف ہو وہ اس کو اختیار کرینگے اور اسلام ہی کا نام لیکر اختیار کرینگے اور اس کے لیے ان کو اگر ضرورت ہوگی تو اسلامی اصول وتعلیمات کی من مانی تشریح کریں گے لیکن ہم لوگ اس کو سخت ضلال اور فتنہ سمجھتے ہیں ہم نے کوشش کی کہ مودودی صاحب کو اور جماعت کو اس راستہ پر نہ چلنے دیں مدت تک کشمکش اندر ہی اندر چلتی رہی لیکن مودودی صاحب اس پالیسی سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور آج کل کے سیاست کاروں کی جیسی چالوں کے ذریعہ انھوں نے ایسے حالات پیدا کر لیے کہ ہم لوگوں کو ہی جماعت سے الگ ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا (ص:۷۵،۷۶)

اس کے بعد ان ہی ڈاکٹر صاحب نے اسی موضوع پر ایک اور رسالہ "نقض غزل" کے نام سے بھی لکھا ہے ڈاکٹر صاحب کی یہ دونوں کتابیں قابل مطالعہ ہیں الغرض پاکستان کے اس سفر میں ان حضرات کے ذریعہ جو کچھ معلوم ہوا خاص کر یہ کہ مودودی صاحب کے دینی حکمت عملی کے فلسفہ کی جو تفصیل معلوم ہوئی اور جماعت کے مزاج اور رخ کی تبدیلی کے بارے میں جو کچھ ان حضرات سے سنا (جس کے بعد کے واقعات وتجربات نے بھی تصدیق وتوثیق کردی) اس نے دل ودماغ پر پڑا ہوا پردہ پوری طرح اٹھا دیا جو تقریباً ۲۵/سال سے مولانا صاحب کی دینی فہم وبصیرت کے بارے میں حد سے بڑھے ہوئے حسنِ ظن اور ان کی اسلامی انقلاب کی دعوت کی کشش نے ڈال رکھا تھا (ص:ایضا)

عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں؟ اور رب کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ دونوں الفاظ ان کی روزانہ کی بول چال میں پہلے ہی سے مستعمل تھے انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے (ص:۸۰)

اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بول چال میں پہلے سے رائج تھے ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں؟ عبودیت کس حالت کا نام ہے؟ عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے؟ اور دین کا کیا مفہوم ہے؟ اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ تو انہیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہیں آئی وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے مودودی صاحب آگے متصلاً تحریر فرماتے ہیں کہ لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گئے اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسرے یہ کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کیلئے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے (ص:۸۱،۸۲)

پھر اس تغیر کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں پس یہ حقیقت ہیکہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی (ص:۸۲)

مجھے اس وقت بلکہ اسکے بعد بھی ایک طویل مدت تک اس کا احساس وشعور نہیں ہوا کہ یہ صرف علم وتحقیق کی ایک غلطی نہیں بلکہ اس سے ملحدین کیلئے قرآنی نصوص اور دینی اصطلاحات کی ملحدانہ تشریح وتحریف کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ان کے لیے ایک بڑی سند فراہم ہوتی ہے (ص:۹۱)

لیکن بعد میں جب اس عاجز کو اس غلطی کی اس سنگینی کا احساس ہوا تو میرے ہی مشورہ پر الفرقان میں بھی اس سلسلہ میں لکھا گیا اور کئی ایک دوسرے حضرات نے بھی لکھا (ص:ایضا)

پھر اب سے چند ہی مہینے پہلے رفیق محترم مولانا علی میاں نے بھی اپنے خاص انداز میں بڑی دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ اس سلسلہ میں لکھا لیکن افسوس ہے کہ مولانا نے اس کے بعد بھی اس سنگین غلطی کی اصلاح وتدارک کی ضرورت نہیں سمجھی غالباً اس میں بڑا دخل اس بات کو بھی ہیکہ ان کے فیض یافتہ فدائین میں ایسے اصحاب قلم کی اچھی خاصی تعداد ہے جنہوں نے شاید اپنا فریضہ سمجھ لیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مودودی صاحب کی کسی غلطی کی نشاندہی کرے تو اس کا بھرپور جواب دے کر مولانا موصوف کیلئے اطمینان کا سامان فراہم کریں اور اپنی قلمی مہارت سے خود اس آدمی کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کر دیں (ایضا)

## تفردات مودودی:

**نوٹ:** یہ پمفلٹ ہمیں خزانہ احتشامیہ سے ملا ہے، جس کے آخر میں یہ عنوان درج ہے۔ عزیز الرحمٰن کان رسولہ مہتمم جامعہ رحیمیہ ڈھکی، جمعیت علمائے اسلام زندہ باد۔

### بانی وارا کین جماعت اسلامی کے عقائد ونظریات:

(۱) سینما دیکھنا، فلم بنانا تصویر کشی جائز ہے۔ (رسائل ومسائل: ص/۲۶۲ تا ۲۶۷)

(۲) میں کسی مذہب کا پابند نہیں ہوں (رسائل ومسائل: ص/۸،۶،۱۸، ج/۱)

(۳) انگریزی بال بنانا جائز ہے۔(رسائل ومسائل:ص/۲۶۹،ج/۱)

(۴) باریک سے باریک جرابوں پر مسح جائز ہے۔(رسائل ومسائل:ص/۲۳۶،ج/۲)

(۵) نماز میں تکبیر اولیٰ کے بغیر ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔(رسائل ومسائل:ص/۲۰۹،ج/۱)

(۶) کوا، گدھا، بلی وغیرہ حیوانات کا گوشت حلال ہے۔(تفہیم القرآن:ص/۵۹۲،ج/۱)

(۷) ابراہیم علیہ السلام عاصی ومشرک تھے۔(تفہیم القرآن:ص/۵۵۸،ج/۱)

(۸) سجدۂ تلاوت بلا وضو جائز ہے۔(تفہیم القرآن:ص/۱۱۶اج:۶''۱۳۹'')

(۹) سجدۂ تلاوت میں زمین پر سر رکھنے کی ضرورت نہیں۔(تفہیم القرآن:ص/۱۱۶،ج/۶)

(۱۰) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چار حیثیتوں میں ایک قابل قبول ہے باقی نہیں اور مخلوط ایسے ہیں کہ تمیز مشکل ہے۔(تفہیمات:ص/۳۲۸،ج/۲)

(۱۱) داڑھی کی شرعی حد نہیں۔(رسائل مسائل:ص/۲۴۸،ج/۱)

(۱۲) ضرورت پر متعہ جائز ہے۔(ترجمان القرآن:ج/۴(۱۶/اگست ۱۹۵۵ء)

(۱۳) زنا کی شرعی حد جاری کرنا ظلم ہے۔(تفہیمات:ص/۲۸۱،ج/۲)

(۱۴) چوری کی شرعی حد جاری کرنا دوہرا ظلم ہے۔(تفہیمات:ص/۲۸۱،ج/۲)

(۱۵) بخاری شریف کی حدیث شریف تجربہ اور عقل کے خلاف ہے صحابہ نے نہیں سمجھا۔(تفہیم القرآن:ص/۳۳۸ج/۴)

(۱۶) احد کے صحابہؓ سود خور تھے۔(تفہیم القرآن:ص/۲۸۸،ج/۱)

(۱۷) احد کے صحابہ باغض، حاسد، لالچی اور بخیل تھے۔(تفہیم القرآن:ص/۲۸۸،ج/۱)

(۱۸) دو بہنوں کا بیک وقت نکاح جائز ہے۔(تفہیم القرآن:ص/۲۸۸،ج/۱)

(۱۹) صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ ہے(رسائل ومسائل:ص/۱۹۶،ج/۱)

(۲۰) پرانے فقہ کا زمانہ نہیں۔(تفہیمات ص/۳۸،ج/۲)

(۲۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی مومن نہ تھے۔(تفہیم القرآن:ص/۳۳۰،ج/۲)

(۲۲) عین طلوع فجر کے وقت اسکی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے۔(تفہیم القرآن:ص/۱۴۶،ج/۱)

(۲۳) سات آسمانوں کے وجود سے انکار۔(تفہیم القرآن:ص/۶۱،ج/۱)

(۲۴) حضرت نوح علیہ السلام میں جاہلیت کا جذبہ تھا۔(تفہیم القرآن:ص/۳۴۴،ج/۲)

(۲۵) جاہلیت اسلام کے مقابلہ میں ہے۔(تفہیم القرآن:ص/۴۸۹،ج/۱)

(۲۶) انبیاء سے گناہ سرزد ہوتا ہے، علیت لازم ذات نہیں۔(تفہیمات:ص/۴۲،ج/۲)

(۲۷) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانی کمزوریاں تھیں۔(تفہیم القرآن:ص/۵۴۲)

(۲۸) مشرک کے پیچھے نماز جائز ہے۔(رسائل ومسائل:ص/۲۰۲)

(۲۹) پیغمبروں کو نفسِ شریر کی رہزنی کے خطرات پیش آتے ہیں۔(تفہیمات: ص/۱۹۵،ج/۱)

(۳۰) میں تول تول کر کہتا ہوں جذبات میں نہیں۔(رسائل ومسائل:ص/۲۹۶،ج/۱)

(۳۱) جو لوگ جماعت اسلامی کے دستور کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں۔
(ترجمان القرآن مارچ، اپریل، مئی ۱۹۴۵ء)

(۳۲) حاجی ایمان کھو کر آتا ہے۔(خطبات:ص/۲۱۶)

(۳۳) حرم شریف کے خادم بنارس اور ہنود کے پنڈت ہیں۔(خطبات:ص/۱۱۷)

## فکرِ اصلاحی:

اصلاحی صاحب فراہی صاحب کے شاگرد اور حامی ہیں مفسرِ قرآن سے معروف ومشہور ہیں، ہم یہاں مختصراً ان کی فکروں پر ایک نظر ڈالیں گے:

(۱) اجماع جن مسائل پر چودہ سو سال سے چلا آرہا ہو اور کسی نے اختلاف نہ کیا ہو ایسے مسائل میں بھی امین اصلاحی اور ان کے استاذ رائے زنی کرتے ہیں جس کی مثال شادی شدہ کی سزا رجم ہے، جس کا دونوں حضرات نے انکار کیا اور کہا کہ ہر شادی شدہ کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ جو غنڈہ قسم کا عادی ہو اسی کو یہ سزا ہو گی اور پھر (العیاذ باللہ) حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ وارضاہ کو اپنے ان الفاظ میں بیان کیا۔

کہ (ماعز) نہایت بدخصلت غنڈہ تھا میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کی سزا دی (تدبر قرآن: ص/۵۰۵، ج/۴) نقل کفر کفر نہ باشد کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ کلمات مشت ازخروارے کے ذکر کردیئے ورنہ تو اللہ کی پناہ ایسے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ایک حقیقی مسلمان کے لیے کسی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زبان سے صادر کرنا ممکن ہی نہیں۔ (الحفیظ والامان)

حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ان کی مخلصانہ توبہ کا ذکر کیا اور لوگوں کو ان کو برا بھلا کہنے اور نفرت کرنے سے روکا اور کہا: **والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انھار الجنۃ یغمس فیھا**۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ تو اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہے ہیں ان سب باتوں کے باوجود اصلاحی اور فراہی پتہ نہیں کہاں بھٹک گئے۔

## قراءت کی مختلف نوعیتوں کا انکار:

(۲) احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ قراءت مختلف الفاظ میں وارد ہے، امین اصلاحی فرماتے ہیں: ''غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قراءتوں کا اختلاف نہیں بل کہ اکثر و بیشتر تاویل کا اختلاف ہے۔ (تدبر فروری ۹۳ء)

اب آپ غور فرمائیں کہ احادیثِ متواترہ سے ثابت امور کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''غور کرنے سے''، یعنی حدیث متواترہ پر غور کرنے کی گویا ان کو اجازت ہے یہ پس پردہ حدیث کا انکارِ خفی نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے؟ پہلی بات تو یہ کہ قراءت سبعہ کے سلسلے میں امام ترمذی، بخاری، مسلم اور احمد ابن حنبل جیسے محدثین نے روایتیں نقل کی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ جیسے صحابہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور امام عبدالرحمٰن جوزی، امام جزری، عبدالوہاب سبکی، امام جلال الدین سیوطی، ولی اللہ نوری، ابن عابدین، عبدالکافی السبکی، ملا قاری بغوی اور بھی بڑے بڑے علماء نے اجماع بالتواتر نقل کیا ہے اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصلاحی صاحب نے معلوم نہیں کیسا غور کیا کہ ان کو اتنے سب لوگوں کا اجماع بھی ان کی سمجھ میں نہیں آیا، اللہ ہی خیر فرمائے۔

(۳) آج تک علماء حدیث اور سنت کو مترادف بیان کرتے چلے آئے اور اصلاحی نے کہا کہ یہ غلط ہے دونوں میں بڑا فرق ہے مترادف نہیں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ ''حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے حدیث اور سنت میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں' (مبادئ حدیث: ص/۱۹)

اصل میں سنت اور حدیث کے مترادف ہونے میں علما کے چند اقوال ہیں:

(۱) جمہور فقہاء و محدثین سنت اور حدیث کو مترادف مانتے ہیں۔

(۲) علامہ سعدالدین تفتازانی نے دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت بیان کی ہے۔

(۳) قولی و تقریری روایت حدیث اور فعلی روایت حدیث و نسبت گویا دونوں روایت کی قسمیں ہیں یہ بعض حضرات کی رائے ہے۔

(۴) اور بعض نے کہا حدیث عام ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیاری و غیر اختیاری تمام اقوال و افعال اور احوال و تقریر پر مشتمل ہے جب کہ سنت سے مراد صرف وہ حدیثیں ہیں جو قابلِ اتباع ہو۔

پہلے دو قول سے تو اصلاحی صاحب کے دعویٰ کا غلط ہونا واضح ہے، تیسرا بھی اصلاحی صاحب کے قول سے مختلف ہے کیوں کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک سنت سے مراد خارج میں عملی صورت ہے جو تواتر سے منتقل ہوتی ہے اور جس کا روایت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

گویا اصلاحی صاحب نے سب سے ہٹ کر اپنی دو اینٹ کی مسجد تعمیر کرالی جو آں جناب کی عادت ہی چلی آرہی ہے۔

(۵) خبر کے سمجھنے میں بھی امین اصلاحی صاحب نے ٹھوکر کھائی اسلئے امین اصلاحی تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث کو خبر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ **الخبر یحتمل الصدق والکذب**، یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے اسی بنیاد پر احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں۔ (مبادی تدبر حدیث: ص/۱۹)

اس تعریف میں امین اصلاحی صاحب سے چند کوتاہیاں ہوئیں:

(الف) خبر کی تعریف متکلم سے قطع نظر کرتے ہوئے کی ہے جب کہ امام ابن ہمام نے نیر التحریر: ۱/۲۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

''**الخبر مرکب یحتمل الصدق بلانظر الیٰ خصوص المتکلم فلایشکل بغیر النبی اذ ھو مع قطع النظر عن قائلہ یحتملھا**''۔ صدق اور کذب احتمال ہے کہ خصوص متکلم کی طرف نظر نہ کی گئی ہو لہٰذا اس تعریف پہ خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اشکال وارد نہ ہوگا، خبر رسول مطلق خبر ایک قسم ہے خبر مطلق کی نہیں تو گویا اصلاحی صاحب کو اشتباہ ہو گیا اور مطلق خبر اور خبر مطلق کے درمیان فرق نہ کر سکے۔

(ب) حدیث میں خبر ایک اصطلاح ہے جو جمہور علمائے فن کے نزدیک حدیث کی مراد ہے اور یہاں اس کا منطقی معنی مراد نہیں جیسا کہ امین اصلاحی صاحب نے لیا بل کہ یہاں خبر سے وہی مطلب مراد ہے جو حدیث کا ہے گویا منطق اور حدیث کی خبر کے درمیان اصلاحی صاحب فرق نہ کر سکے۔

(ج) اسی بناء پر حدیث کو ظنی کہتے ہیں یہ اصلاحی صاحب کا کہنا بھی بے بنیاد، بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ اس لیے کہ خبر ظنی کو انہوں مطلق سمجھا ہے جب کہ خبر ظنی ہوتی ہے ہمارے سلف و خلف کے نزدیک باعتبار سند و طریق کے نہ کہ متن کے جیسا اصلاحی

صاحب نے سمجھا ہے انہوں نے متن کے اعتبار ہی سے ظنی سمجھ لیا۔

اس کے علاوہ بھی اصلاحی صاحب احادیث متواترہ ومشہورہ اخبار آحاد کے سلسلے اور مغالطہ ائمہ پر طعنہ زنی اور بعض احادیث کا صراحۃً انکار خود باذوق عربی داں ہونے کے زعم میں اپنی ناقص علمی کا ثبوت دیتے گئے اور اپنے عیب، ناقص واقفیت علی اللغۃ العربیۃ کو بھی ظاہر کرتے گئے چوں کہ احاطہ مقصود نہیں اور تفصیل صرف چند حقائق کو بتانا مقصود تھا اس لئے بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے اسی طرح تدبر قرآن میں بھی بہت ساری جگہوں پر اصلاحی صاحب نے احادیث لینے کو پسند نہیں کیا جیسے "یطیقونہ اور الذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ "اور دیگر مقامات پر بھی احادیث مبارکہ اور جمہور کے قول کو چھوڑ کر اپنی من مانی تفسیر کی ہے اللہ ہم سب کو حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے نفس کے شر سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنی غلطی کو غلطی تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اس لیے آدم علیہ السلام نے گناہ سے توبہ اور اعتراف جرم کر لیا تھا اور شیطان نے نہ توبہ کی اور نہ اعتراف جرم کیا آدم اور اولاد آدم کو جو ان کی روش پر ہوں گے جنت ملے گی اور اللہ راضی ہو جائے گا اور شیطان کا ٹھکانہ عدم اعتراف کی وجہ سے جہنم ہوگا۔ (اختصار از فکرِ اصلاحی)

# جدید مفسرین، اصلاح امت کے نام پر

حکیم محمد قاسم (چیچہ وطنی)

ابوداؤد شریف میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ تمہارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے کہ مال کی کثرت ہو جائے گی اور قرآن عام ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کو مومن اور منافق، مرد وعورت، بڑا، چھوٹا، غلام، آزاد سب پڑھنے لگیں گے تو ایک کہنے والا کہے گا میری اتباع کیوں نہیں کرتے، حالاں کہ میں نے قرآن پڑھا ہے یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے، یہاں تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑ لوں حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ نئی نئی بدعتوں سے بچتے رہو، کیونکہ جو بدعت بھی نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔

یہ فتنوں کا دور ہے ہر طرف نیا فتنہ سر اٹھا رہا ہے۔ گذشتہ ادوار میں جو فتنے ظاہر ہوئے ان کے باطلانہ عقائد پر علمائے حق نے شدید پکڑ کی کیونکہ ان فتنوں کا باطل ہونا ظاہر اور واضح تھا۔ مثال کے طور پر فتنۂ ارتداد، مرزائیت، بہائیت، اسماعیلیت اور پرویزیت وغیرہ۔ گذشتہ دور کلامی اور کتابی دور تھا جس میں دونوں طرف کے علماء مناظرہ کرتے یا کتابیں لکھتے' حتیٰ کہ باطل اور حق واضح ہو جاتا اور عوام گمراہی سے محفوظ ہو جاتے۔

آج میڈیا کا دور ہے، دنیا گلوبل ویلج (Globle Village) بن چکی ہے، کمپیوٹر ایج اور انٹرنیٹ کریز ہے، فاصلے اور اوقات سمٹ کر رابطوں میں ضم ہو گئے ہیں اور دنیا مٹھی میں آ گئی ہے۔ ہر شخص نئی تحقیقات پڑھ سکتا ہے، سن سکتا ہے، دیکھ سکتا ہے اور جس کے جی کو جو چیز اچھی لگے اس پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ گفتگو، تقریر، تحریر اور فن کا ماہر میڈیا کے ذریعہ اپنی غلط یا صحیح بات پر زور دلائل کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کرتا ہے اور سیدھی سادی عوام اس کے دلائل سن کر اس پر ایمان لے آتی ہے اور الٹے سیدھے عقائد پر زندگی بسر کرنا شروع کر دیتی ہے۔

عقائدِ باطلہ کے حامل لوگ صراط مستقیم پر چلنے کے بجائے اِدھر اُدھر کا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ چاہے وہ راستہ کانٹوں سے بھرا ہی کیوں نہ ہو اس کا استعمال جائز یا ناجائز ہی کیوں نہ ہو وہ ہر طریقہ سے اپنے عقائد اور نظریات عوام پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اس طریقہ میں وہ کامیاب بھی ہیں۔ ایسے لوگ اپنے تئیں لوگوں کو نئے دور کے نئے مسائل سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اسلاف کا طریقہ چھوڑ کر نئے طریقوں کا سہارا لیتے ہیں۔ دوسری طرف علمائے حق اپنے اُسی سیدھے رستے پر چل رہے ہیں، جس پر ان کے اسلاف گامزن تھے۔ وہ بھی اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ میڈیا کے ذریعے باطل عقائد پھیلائے جا رہے ہیں' ان کا سدباب ہونا چاہیے۔ بعض ہم مسلک ساتھی کہتے ہیں کہ ہمارا بھی کوئی ٹی وی چینل ہونا چاہیے تاکہ غلط عقائد کے خلاف پیش بندی کی جا سکے لیکن یہ صرف اس وقت ممکن ہوگا جب اکابر علمائے کرام مل بیٹھ کر کوئی فتویٰ دیں تب ہی کوئی چینل بنایا جا سکے گا۔ جبکہ مختلف ٹی وی چینلز پر بعض علماء درشن بھی کراتے رہتے ہیں اور عوام کو اسلام سمجھاتے رہتے ہیں تاہم اِس وقت پرنٹ میڈیا پر اخبار ہفت روزے، ماہنامے وغیرہ مل سکتے ہیں اور مسلکِ حق کے ابلاغ کا انہیں ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور لوگوں کو موجودہ دور کے نام نہاد مفکر، دانشور، پروفیسرز اور ڈاکٹرز جنہوں نے قرآنی احکام کو کھیل سمجھ رکھا ہے ان کی اصلیت بتائی جا سکتی ہے۔ بعض مفکر اور دانشور تو ایسے ہیں کہ خود غیر متشرع ہیں اور شرعی مسائل کے سمجھنے اور سمجھانے کے بھی کچھ قواعد وضوابط ہیں۔ لیکن جدیدیت زدہ طبقہ ان پابندیوں سے بالکل ہی آزاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی پر غور وفکر کرو۔ اس میں اولین وآخرین کا علم ہے" مگر کلام پاک کے معنی کے لیے جو شرائط وآداب ہیں ان کی رعایت رکھنا نہایت ضروری ہے جیسا کہ اس دور میں جو شخص عربی کے چند الفاظ جان لے بلکہ اس سے بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے

معنی جانے اردو ترجمہ دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کر دے اس شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح ہو تو تب بھی اس نے خطا کی۔ مگر آج کل کے روشن خیال اور جدید نظریات کے حامل نام نہاد مفکر اور مقرر لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں ہر روشن خیال اس قدر جامع الاوصاف اور کامل و مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بل کہ صرف اردو عبارت ہی دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو وہ پھر تصوف میں جنید و شبلی کا استاد ہے۔ فقہ میں مستقل مجتہد ہے، قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں، نہ اس کی پرواہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے وہ دین و مذہب میں جو چاہے کہے جو منہ میں آئے بکے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس کی نکیر کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے۔ جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لکیر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے، تحقیقات جدیدہ سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر و اسلاف نے جو کچھ کہا ہے وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی بات نکال لے وہ دین کا محقق ہے حالانکہ اہل فن نے تفسیر کے لیے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتائی ہے۔ مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن پاک کے احکام و مسائل تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

**پہلا:** لغت جس سے یہ کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہوں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے اس کو جائز نہیں کہ بغیر لغتِ عربی کے جانے کلام پاک میں کچھ لب کشائی کرے۔ اور صرف چند لغات کا معلوم ہو جانا ہی کافی نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک یا دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

**دوسرا:** نحو کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

**تیسرا:** علم الصرف کا جاننا ضروری ہے اس لیے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس شخص سے علم الصرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زمخشری نقل کرتے ہیں ''ایک شخص نے قرآن پاک کی آیت: **یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ** (جس دن کہ ہم ہر شخص کو اس کے مقتدی اور پیش رو کے ساتھ پکاریں گے) اس کی تفسیر ناواقفیت کی بناء پر یہ کی ''جس دن ہر شخص کو ان کی ماؤں کے ساتھ پکاریں گے'' امام کا لفظ جو مفرد ہے اس کو اُم کی جمع سمجھ لیا اگر وہ صرف جانتا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ اُم کی جمع امام نہیں ہوتی۔

**چوتھا:** اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے نکلا ہو اس کے معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی ہے جس کے معنی پیائش ہیں۔

**پانچواں:** علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

**چھٹا:** علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفاء، تشبیہ و کنایہ سب معلوم ہو جاتا ہے۔

**ساتواں:** علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں جو مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں۔ کلام پاک جو کہ سراسر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

**آٹھواں:** علم قراءت کا جاننا ضروری ہے اس سے مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معانی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی پر ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

**نواں:** علم عقائد کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہر معنی کا اطلاق حق تعالیٰ سبحانہ پر صحیح نہیں اس لیے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے ''**یداللہ فوق ایدیھم**''۔

**دسواں:** اصول فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہیکہ جس سے وجوہ استدلال و استنباط معلوم ہو سکیں۔

**گیارہواں:** اسباب نزول کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ شان نزول سے آیت کے معنی واضح ہوں گے اور بسا اوقات تو اصل معانی کا معلوم ہونا بھی شان نزول پر ہی موقوف ہوا کرتا ہے۔

**بارہواں:** ناسخ و منسوخ کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول عام سے ممتاز ہو سکیں۔

**تیرھواں:** علم فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

**چودھواں:** ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآن پاک کی مجمل آیات کی تفسیر میں واقع ہوئی ہیں۔

**پندرھواں:** علم وہبی ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ خاص ہے جو اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے، جس طرح اس حدیث شریف میں اشارہ ہے ''**من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم**'' (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو وہ جانتا ہے تو حق تعالیٰ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا)

اب جو لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی آسانی کے لیے قرآن پاک کو پھیلا دیا ہے وہ ان کے لیے موجب ہلاکت و فساد ہے، مسائل کا استنباط کرنا علوم

قرآن سے واقفیت کے بغیر ہرگز جائز نہیں تاوقتیکہ ان علوم سے واقفیت نہ ہو جن کا ذکر مفصل گزر چکا ہے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''یؤتی الحکمة من یشاء'' اس سے اس مراد قرآن کی معرفت، اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، مقدم ومؤخر، حلال وحرام اور اس کے امثال وغیرہ کا جاننا ہے۔

درج بالا دلائل کی روشنی میں جدید مفسرین کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ اسلاف کے طریقہ کو چھوڑ کر علوم قرآن میں رسوخ ممکن نہیں۔ مفسرین کی پہلی جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی۔ جنہوں نے حدیث وسنت کے ساتھ قرآن کی تفسیر وتشریح کی ہے۔ آج اگر انہی بنیادوں کو نظر انداز کر کے کوئی نئی راہ نکالی جائے گی تو نتیجہ سوائے گمراہی کے کچھ نہیں نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی گمراہی اور فتنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

## تنظیم: بنام فکر ولی اللہ

سوال: تنظیم فکر شاہ ولی اللہ جس کے بانی مولانا سعید احمد شاہ رائے پوری ہیں کیسی جماعت ہے؟ عام مسلمانوں کے عقائد ونظریات کے برخلاف ان کی طرف منسوب عقائد ونظریات کی کیا حقیقت ہے؟ معلوم ہوا کہ ان کے عقائد وافکار کے رد میں علماء کرام نے رسالے بھی تحریر فرمائے ہیں آپ سے گزارش ہے کہ اس پر مفصل روشنی ڈالیں نیز اس تنظیم میں شامل ہونا یا تائید کرنا اور اس سے وابستہ امام وخطیب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب مطلوب ہے۔

(ساجد کراچی)

جواب: فکری اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت شیخ الہند رحمہا اللہ کے نظریات کے امین کہتے ہیں لیکن درحقیقت یہ ملحد اور گمراہ لوگ ہیں ان کا مذکورہ بالا اکابر سے کوئی تعلق نہیں بل کہ ان کو گمراہ سمجھتے اور ان کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں جس کا ثبوت ان کی اپنی کتابوں سے ملتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''ہاں مجھے یہ تسلیم ہے کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ فکر مرتب اور مدون شکل میں نہیں، بات یہ ہے کہ اس زمانے میں اور ان حالات میں اس قسم کی ترتیب و تدوین کا کوئی امکان نہیں تھا، مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ دو تین سو صفحے کی ایک کتاب ہو اور اس میں چار پانچ صفحے میرے کام کے ہوں، شاہ صاحب کی بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو ٹھیک نہیں، میرا کام یہ ہے کہ میں اپنی فکر کی شاہ صاحب کی کتابوں میں طالب علموں کے لیے نشان دہی کرتا ہوں۔'' (افادات وملفوظات: ۲۰۷)

## فکریوں کے نظریات وعقائد:

### (۱) ''حوض کوثر'' مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذت ہے:

''حوض کوثر'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلی وہ حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی، اور برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی، اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا، یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی، ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی، یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری۔''

(قرآنی شعور انقلاب: ص/۴۵۳)

### (۲) موجودہ مساجد ''مسجد ضرار'' کی شاخیں ہیں:

''میرے بھائی! اس طرح جھوٹے پیروں اور مولویوں کے دھوکے کی وجہ سے تو تباہی آئی کیونکہ ہماری مسجد کے اندر نظریہ نام کی کوئی شے نہیں، اس لیے طاقت نہیں فروعی مسائل میں الجھ رہے ہیں، فرقے فرقے بن گئے اور سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کر رہے ہیں، معاشرہ تباہ ہو رہا ہے، قتل وغارت کی فضاء قائم ہے، ڈاکے اور رشوت عام ہیں اور تمام مسائل میں الجھے ہوئے ہو اور ہر جگہ ''مسجد ضرار'' کی شاخ بنا رکھی ہے۔ (فکری رسالہ ''عزم'': ص۱۲ اسیریز ۱۶۶)

### (۳) جبرائیل فرشتہ نہیں بل کہ یہ نبی کی قوتوں میں سے ایک (۴) قوت نفسیاتی کا نام ہے:

"جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرائیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے، یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے، تو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کہ کسی اور سے، جو کچھ انہیں نظر آتا ہے وہی ہے جو ان کے خزانے میں مخزون ہوتا ہے۔"
(افادات وملفوظات: ۲۲۸)

## (۵) بغیر سمجھے قرآن پاک کی تلاوت کرنا شرک اور بت پرستی ہے:

"جو شخص قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اسے ثواب حاصل ہوگا وہ بت پرستوں سے کم نہیں، ایک نے بت کو خدا بنا لیا اور ایک نے کتاب کو خدا مانا، بت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اس کے لیے ایک بت ہے، کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں ہے اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے۔" (افادات وملفوظات: ۳۰۲، ۳۰۳)

## (۶) اس دور میں قرآنی اور اسلامی قانون ناکام ہے، آج سیکولر اور سوشلسٹ نظام کی ضرورت ہے:

"جو زمانہ گزر گیا وہ واپس نہیں آیا کرتا، جو پانی بہہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں، قرآن پر عمل کر کے خلافت راشدہ کے دور اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی اب بعینہ وہ حکومت نہیں بن سکتی، جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ حکمت قرآنی کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے، بیشک خلافت راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے لیکن یہ نمونہ ہر دور میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ (تعلیمات وسیاسی افکار: ۵۵)

"آج ہم صرف سیکولر اور سوشلسٹ جمہوریت سے ہی اسے توڑ سکتے ہیں۔
(افادات وملفوظات: ۱۶۵)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وقت کے سامراج نے فیل کر دیا:

"گروہ پیدا کرنا سامراج کی اولین پالیسی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کے سامراج نے اسی وقت فیل کر دیا یعنی بنی اسرائیل کے بارہ گروہ بنا دیئے، جو آپس میں تو لڑتے تھے مگر ظالم کے خلاف نہیں لڑتے تھے۔"
(رسالہ عزم: ص۱۴ اسیریز ۱۷ نومبر ۱۹۹۸ء)

## حیات عیسیٰ، یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے:

"یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے، یہ یہودی کہانی، نیز صابی من گھڑت کہانی ہے، مسلمانوں میں فتنہ عثمان کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ یہودی صابی تھے۔" (الہام الرحمان: ۲/۲۴۰)

## (۸) جہنم ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے، اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں:

**جہنم کی حقیقت:** یہ جہنم جس میں سرمایہ پرست ڈالا جائے گا عجیب مقام ہے، اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اس میں جس آگ سے واسطہ پڑے گا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے، جس طرح بدن انسانی کے اندر صفرا، سودا بلغم اور خون چار خلطیں ہیں اور ان کی خرابی (سرانڈ) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے انسان کا بدن جھلس جاتا ہے، اسی طرح انسان کے نسمی جسم میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں، وہ مختلف قسم کے زہریلے مادے جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں جب یہ انسان جہنم (جہنمی کیفیت) میں جائے گا وہاں وہ خاص قسم کے آگ کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کی آگ سے متاثر ہو سکتا ہے اس قسم کی آگ سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا اور اس کی سوزش درونی کا اثر نسمۂ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الھمزہ میں ان آگ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

**نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ انہا علیھم مؤسدۃ فی عمد ممدۃ۔** (فکری نصاب کی کتاب قرآنی شعور انقلاب)

## (۹) قرآنی جنت اور دوزخ کا تصور صرف عربوں کے لیے تھا:

قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے ان تشبیہات (جنت ودوزخ، میزان وحوض کوثر، حور وغلمان، دودھ وشہد، باغ وباغیچے، سانپ اور بچھو وغیرہ کی خاص خاص شکلوں) کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا، پس عرب جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب قائم کرنے کیلئے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اسی کوشش میں شہید ہو جائیں گے تو ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔ (قرآنی شعور انقلاب ۴۵۴)

## (۱۰) نزول عیسیٰ وظہور مہدی اسلامی عقیدہ نہیں:

**"وعلیٰ ھذا ان الحققین من الاشاعرۃ لم یعدوا انزول المسیح واتیان المھدی من جملۃ مایجب اعتقادھا اھل السنۃ ولم یذکرھما صاحب المواقف۔** (الہام الرحمٰن ۲/۵۴)

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور مہدی کے ورود کو محققین اشاعرہ نے ان عقائد میں شمار نہیں کیا ہے جن کا اعتقاد اہل سنت پر لازم ہے اور نہ اسکو صاحب مواقف نے ذکر کیا ہے۔

## (۱۱) جنت اور دوزخ دائمی نہیں:

مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کیا گیا کہ جنت میں جنتی اور دوزخ میں دوزخی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی حکیم اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ (الہام ۹۴ سورۃ یونس)

## (۱۲) حدیث مستقل وحی نہیں، بل کہ پیغمبر علیہ السلام کی ذہنی اختراع اوراجتہاد ہے:

واسس قانون السياسية والاجتماعية فى امور تدبير المنزل علىٰ اكمل قانون و او فر اتقان ولكن البلاء الذى وقع فيه المسلمو ن فى تدبيرهم هو انهم ماحصر والوحى فى القرآن وماجعلواتباع هذاالكتاب فرضاعلى النبى ومافهموا أن كل ماعمل به النبى عليه الصلوة والسلام انماكان مستنبطامن القرآن ومستخرجافحدث فى علمهم الفوضية فانهم لما رأو رواية ثابتة أو ضعيفة جعلوها آخر مستنداتهم فى أمورهم. (الہام الرحمٰن:۱/۲۶۶)

یعنی قرآن نے اجتماعی سیاست کے تناظر میں تدبیر منزل کے اساسی قوانین بدرجہ اتم اور وافر دیئے تھے، مسلمان اپنے فہم وفراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑ گئے اور وہ یہ کہ انہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر سمجھا اور قرآن کی متابعت رسول پر لازمی اور ضروری نہیں گردانی۔ اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ نبی جس چیز پر عمل کرے وہ قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھی۔ اسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے وحی کو قرآن میں سمجھا (بل کہ حدیث کو بھی وحی کا ایک حصہ قرار دیا) ان کے افکار، خیالات اور علوم میں انتشار اور لامرکزیت پیدا ہوگئی۔ جب بھی وہ کوئی صحیح یا ضعیف روایت دیکھتے ہیں تو اس کو اپنی آخری سند بنالیتے ہیں۔

## (۱۳) شفاعت سے انکار:

المسؤلية الشخصية هى أساس الأخلاق كلماجاء به المتشرعون من الكفارة والشفاعة وغيرها مردود بنص هذه الآية.‘‘ (الہام الرحمن: ۱/۱۰۶)

یعنی شخصی مسؤلیت کا نظریہ ہی اخلاق کی بنیاد ہے، مسلمانوں کا کفارہ اور شفاعت کے بارے میں موجودہ عقیدہ اس آیت کی رو سے مردود ہے۔

مذکورہ بالا ان کے گمراہ کن عقائد مشتے از خروارے کے مصداق ہیں ورنہ ان کے عقائد کی فہرست کافی طویل ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، بہر حال ان کی تنظیم میں شامل ہونا ان کی تائید کرنا اور ان کی مجالس میں شرکت کرنا قطعاً جائز نہیں ۔ ان سے وابستہ افراد کو امام یا خطیب بنانا جائز نہیں، اہل محلہ یا مسجد کی کمیٹی پر لازم کہ ایسے امام وخطیب کو اچھے طریقے سے رخصت کردیں ورنہ دوسرے نمازیوں کی نمازوں کے ضائع ہونے کا وبال بھی ان پر پڑے گا۔ تنبیہ: واضح رہے کہ جب ان لوگوں پر گرفت کی جاتی ہے تو یہ انکار کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے عقائد نہیں، ہماری طرف ان کی نسبت غلط ہے۔ مگر یہ تمام مذکورہ عقائد ان کے تربیتی نصاب میں شامل کتب اور ان کے رسائل سے لئے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف ان کی نسبت بالکل صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔ یہ لوگ دجل اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں اور تقیہ کرتے ہیں۔ واللہ العاصم من الشرور والفتن ۔ مرکز تحقیق واشاعۃ المسلمین سوال: چند ہفتے قبل ایک شخص نے مجھے جنرل ہسپتال کے قریب مرکز تحقیق واشاعۃ المسلمین کے ’’محمد‘‘ کے بارے میں بتایا تھا۔ ان کے نظریات خصوصاً جادو کے بارے میں گہرا اور اچھا تاثر ہے۔ میں بھی اس شخص سے ملنے گیا، ان کے عقائد ونظریات کے بارے میں اچھا خاصا مواد (پمفلٹ، کتابچے) حاصل کیا ہے۔ چند چیزوں سے تو میں بہت متاثر ہوا۔ جادو، نماز، الٰہ کا مفہوم وغیرہ سے۔ چند چیزیں میرے اوپر سے گزر گئیں مگر میں تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس لیے میں جناب والا کے پاس ان حاصل کردہ مواد بھیج رہا ہوں۔ برائے کرم ان ’’محمد‘‘ صاحب کے افکار ونظریات کے بارے میں ترتیب وار تائید وتردید وضاحت سے فرمائیں۔ اگر حق ہے یا کوئی درمیانی صورت ہے تو برائے کرم ان کے بارے میں جلد از جلد ضرب مؤمن میں وضاحت کریں۔ (محمد اشرف علی۔ صادق پلازہ، لاہور)۔ **جواب**: ’’مرکز تحقیق واشاعۃ المسلمین‘‘ کے مرسلہ لٹریچر کا مطالعہ کیا گیا، اس میں بعض باتیں تو صحیح ہیں، مثلاً جادو اور بتلا عملوں کے بارے میں خوب وضاحت کے ساتھ صحیح انداز سے گفتگو کی گئی ہے جس میں آج کل کے عاملوں کے گورکھ دھندوں سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے، اسی طرح مسئلہ توحید، نماز یں اول وقت میں پڑھنے کے فضائل اور سود جیسے ملعون عمل سے اجتناب کے بارے میں بھی اچھے اور صحیح انداز میں لکھا گیا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا معدودے چند صحیح باتوں کے سوا ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں قطعاً غلط، جمہور اہل سنت والجماعت کے برحق موقف کے خلاف اور گمراہ کن ہیں، ذیل میں ہم باحوالہ ان باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں: ۱۔ مسجد نبوی اور مسجد الحرام کے علاوہ دوسری مساجد میں نماز تراویح باجماعت پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے۔ (نماز تراویح کی اصل حقیقت وفضیلت کیا ہے ص:۴) ۲۔ جہاں اذان ہوتی ہے وہاں اقامت کہنی چاہئے، صف میں کھڑے ہو کر اقامت کہنا بدعت ہے (پیارے رسول کی پیاری نمازیں۔ ص۹) ۳: جمعہ اور ظہر کے الگ الگ اقامت مقرر کرنا، بدعت ہے اسی طرح عام نمازوں کا اقامت مقرر کرنا بدعت ہے۔ (حوالہ بالا) ۴۔ جہری نمازوں میں بسم اللہ جہراً پڑھنا لازم ہے۔ جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (حوالہ بالا) ۵۔ ایک بیوی کے موجودگی میں دوسری بیوی کرنا جائز نہیں اور چار تک بیویوں کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھنا غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (کیا ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کرنا جائز ہے ص/۵)

تنبیہ: حالاں کہ قرآن کریم میں صراحۃً چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ ۶۔ خطبہ جمعہ عربی میں دینا بدعت ہے، عربی میں خطبہ پڑھنے سے خطبہ صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی جمعہ (جمعۃ المبارک مسلمانوں کے لیے عظیم بخشش کا دن ہے ۱۳)۔ ۷۔ نماز جمعہ سے پہلے وعظ وتقریر کرنا بدعت ہے (حوالہ بالا: ص/۱۴) ۸۔ فرائض کے بعد اجتماعی دعاء شرک ہے۔ ۹۔ ائمہ کرام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنا اسی طرح دعاء بعد الفرض کرنا شرک فی الرسالۃ ہے۔ (پیارے

رسول کی پیاری نماز حصہ اول :ص/۲۴)

**تنبیہ:** واضح رہے کہ فرائض کے بعد ہیئت اجماعیہ کے ساتھ جہراً دعا کو مسنون یا لازم سمجھنا بدعت ہے لیکن اسے شرک کسی نے بھی نہیں کہا اور نہ اس پر شرک کی تعریف صادق آتی ہے اسکو اور صحابہ کرام وائمہ کرام کے اتباع کو شرک کہنا شرک کے مفہوم سے ناواقفیت اور جاہلانہ بات ہے۱۰۔ جنات کے شکل تبدیل کرنے سے انکار۔ (الہ کا معنیٰ :ص/۱۲)

**تنبیہ:** حالاں کہ اس پر تمام عقلاء کا اجماع ہے اور قرآن وسنت کی نصوص سے اس کی تائید ملتی ہے کہ جنات مختلف اشکال اختیار کرسکتے ہیں۔۱۱۔ تعویذ کرنا مطلقاً شرک ہے اسی طرح ''مولانا'' کا لفظ انبیاء اور رسل کے لیے بھی استعمال کرنا شرک ہے۔( حوالہ بالا: ص/ ۲۸) ی۱۲۔ اثاثہ نقد قیمت پر کم اور ادھار کی صورت میں زیادہ تر فروخت کرنا اور نقد وادھار کی قیمتوں میں فرق کرنا سود ہے۔ (قرآن کا معاشی نظام)

**تنبیہ:** حالاں کہ جب عقد طے کرتے وقت ایک جانب یعنی نقد یا ادھار پر دینے کی تعیین ہوجائے تو ادھار کی صورت میں نقد کی بنسبت قیمت ذرا زیادہ مقرر کرنا باجماع امت جائز ہے۔۱۳۔ اسلامی بینکاری نظام قائم کرنے کے لیے کوششیں کرنا لاحاصل ہیں'اگر آسمان سے فرشتے بھی اتر آئیں تو بھی اس مسئلے کا حل پیش نہیں کرسکتے۔(حوالہ بالاص:۱'۵) **تنبیہ:**۔ حالاں کہ یہ بات خلاف واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے تقاضوں سے بھی معارض ومتصادم ہے اور معاذ اللہ اسلام کو ایک ناقص اور بنیادی ضرویات کے حل سے عاجز دین کی صورت میں کرنے کے مترادف ہے۔۱۴۔ کرامات اولیاء اور صلحاء سے مطلقاً انکار۔(جب ہم نے دنیا کا سب بڑا دعویٰ کیا ص:۱۴)۔**تنبیہ:**۔ حالاں کہ کرامت ولی (یعنی ولی کے لیے خرق عادت چیز کا ظہور) قرآن وحدیث سے ثابت (۱) ہے، جیسا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت وغیرہ وغیرہ، جس کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے۔

مندرجہ بالا ساری باتیں یا تو خلاف واقعہ ہیں یا قرآن وسنت پر مبنی جمہور امت کے نظریات واقوال کے خلاف اور یا افراط اور حد سے تجاوز پر مبنی ہیں جن کے گمرا ہ کن ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس بناء پر عوام کو اس طرح کے خلاف شرع لٹریچر' رسالوں اور کتاب کے مطالعے سے اجتناب لازم ہے۔(۲) **الله هو العاصم من جميع الشرور والفتن.**

## فتنۂ ڈاکٹر فرحت ہاشمی

**سوال:** ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحب کی مختلف جگہوں میں درس کی محفلیں ہورہی ہیں جن میں فیشن زدہ اور دنیوی تعلیم یافتہ خواتین کثرت سے شریک ہوتی ہیں کراچی کےایک روزنامہ میں بھی ڈاکٹر صاحبہ کا درس قرآن شائع ہوتا ہے۔ نیز ڈاکٹر صاحبہ نے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' نامی ادارہ بھی قائم کیا ہے۔ جہاں بچیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ایک مختصر کورس کرواکر خواتین میں درس دینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے

درس میں ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو اس سے پہلے نہیں سنی گئیں۔آپ کی خدمت میں اس روزنامہ کے دو تراشے ارسال ہیں۔آپ سے درخواست ہے کہ ان کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحبہ کے متعلق اپنی رائے تحریر کریں کیا ان کے درس میں شریک ہونا یا روزنامہ میں ان کا درس پڑھنا جائز ہے؟ کیا اپنے بچوں کو ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' یا اسکی شاخ میں پڑھانا جائز ہے؟(ساجد کراچی)

**جواب:** روزنامہ مرسلہ تراشے دیکھنے اور اس کے علاوہ بھی ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی صاحبہ کی مختلف باتیں پڑھنے اور سننے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ قرآن وسنت کی اشاعت کے نام پر غلط نظریات کی اشاعت کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ نے گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے (جس کا اعتراف خود انہوں نے ایک روزنامہ میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں بھی کیا ہے) انکا گلاسکو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کرنا بھی ڈاکٹر صاحبہ کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے کیونکہ غیر مسلم ممالک یونیورسٹیوں میں مستشرقین نے اسلامی تحقیق کے نام پر احکام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور دین میں تحریف کرنے کا سلسلہ عرصۂ دراز سے شروع کیا ہوا ہے۔اس قسم کے اکثر ادارے درحقیقت اسلام میں تحریف کرنے والے افراد تیار کرنے کے لیے قائم کئے گئے ہیں اور ان کے نصاب ونظام کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ اس کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے اکثر وبیشتر دجل وفریب کا شکار ہوکر عالم اسلام میں فتنے برپا کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحبہ کے جو نظریات سامنے آئے ہیں ان میں سے بعض واضح طور پر گمراہانہ ہیں،بعض انتہائی گمراہ کن ہیں،بعض فتنہ انگیز ہیں،جس کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) تقلید کو علی الاطلاق ناجائز قرار دینا۔چودہ سو سال کی تاریخ میں امتِ مسلمہ کی اکثریت ائمہ مجتہدین کی تقلید اس بناء پر کرتی آئی ہے کہ ان کے بیان کردہ مسائل قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہیں،اگر علی الاطلاق اس بناء پر جائز قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت مسلمہ کی اکثریت گمراہی میں رہی ہے۔اسی بناء پر تمام معروف فقہائے کرام اس مسئلہ پر متفق ہیں۔

(۲) قرآن کریم کا ترجمہ اور مختصر تفسیر پڑھا کر پڑھنے والوں کو قرآن کریم سے احکام خفیہ کے استنباط کی دعوت دینا ہے۔حدیث کی روشنی میں ڈاکٹر صاحبہ کا یہ نقطہ نظر وطرز عمل انتہائی گمراہ کن ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار** (رواہ الترمذی)(مشکوٰۃ:ص/۳۵)

**ترجمہ:** جس شخص نے قرآن کریم میں بغیر علم کے کوئی بات کہی اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ نے ''علم'' کی تشریح اس طرح فرمائی ہے: (بغیر علم) **ای دلیل یقینی او ظنی او عقلی مطابق للشرعی** (المرقاۃ ۱/۴۹۰) حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں کچھ کہنے کی بنیاد کسی دلیل پر ہونی چاہیئے دلیل چاہے نقلی ہو (قرآن کی کوئی دوسری آیت، احادیث نبویہ، اقوالِ صحابہ کرام وتابعین عظام) یا عقلی ہو مگر شرعی اصول کے مطابق ہو اور کسی دلیل نقلی کے معارض نہ ہو۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ مختصر تفسیر پڑھنے سے اس درجہ کے علم کا حصول ممکن نہیں۔اگر سالہا سال لگانے کے بعد اس درجہ کا علم حاصل ہو جائے تو بھی بہرحال غنیمت ہے۔

(۳) علماء فقہاء سے بدظن کرنا، دینی تعلیم کے جو ادارے اسلامی علوم کی وسیع وعمیق تعلیم کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ان کی اہمیت ذہنوں سے کم کر کے مختصر کورس کو علم دین کے لیے کافی سمجھنا، نیز جو مسائل کسی امام مجتہد نے قرآن وحدیث سے اپنے گہرے علم کی بنیاد پر مستنبط کئے ہیں ان کو باطل قرار دے کر اسے قرآن وحدیث کے خلاف قرار دے کر اس پر اصرار کرنا ڈاکٹر صاحبہ کی یہ روش بھی گمراہ کن اور فتنہ انگیز ہے

(۴) ڈاکٹر صاحبہ فقہائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کی آراء پر اس انداز سے تنقید کردیتی ہیں کہ اس کی زد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آجاتے ہیں مثلاً ایامِ حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کے متعلق موصوفہ یہ کہا کرتی ہیں کہاں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ اِن دنوں میں قرآن نہ پڑھو کہاں منع کیا ہے کہ تم اِس کی تعلیم نہ دو کہیں بھی نہیں منع کیا، جب منع نہیں کیا تو یہ لوگ کون ہوتے ہیں خودساختہ پابندی ہم پر لگانے والے؟'' (روزنامہ......۱۷/مارچ ۲۰۰۱ء)

حالانکہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے دو مرفوع حدیثیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

**''وهو قول اكثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتا بعین ومن بعدهم مثل سفیان الثوری وابن المبارک والشا فعی واحمد واسحا ق قالو ا لا تقراء الحائض ولا الجنب من القرآن شیئا الاطرف الآیة والحرف ونحو ذلک ورخصو ا للجنب والحا ئض فی التسبیح والتهلیل** ۔(جامع ترمذی:ص/۳۴ ج۱، باب ماجاء فی الجنب والحائض انہما لا یقراءان القرآن)

یعنی اکثر اہل علم جن میں صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے علماء مثلاً سفیان ثوری، ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی شامل ہیں۔یہ سب فرماتے ہیں کہ حیض اور جنابت والے قرآن سے کچھ نہ پڑھیں الا یہ کہ آیت کا معمولی حصہ پڑھ لیں، البتہ ان اہل علم حضرات نے حیض وجنابت والوں کو تسبیح وتہلیل کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ترمذی کی عبارت مذکور پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر صاحبہ کے اس جملہ کو غور سے ملاحظہ کریں ''یہ لوگ کون ہوتے ہیں خودساختہ پابندی ہم پر لگانے والے؟'' ڈاکٹر صاحبہ مزید کہتی ہیں: ''تو یاد رکھیں دین میں پابندیاں نہیں ہیں، دین کو اتنا ہی رہنے دیں جہاں تک وہ ہے لہٰذا ان مشکلات سے باہر نکلیں۔ہوا کیا کہ عورت مسجد میں بھی نہیں جا سکتی، عورت قرآن شریف نہیں پڑھ سکتی، یہ خودساختہ پابندیاں ساری عورتوں ہی کے

لیے کیوں ہیں؟'' (روزنامہ، ۱۷ مارچ ۲۰۰۱ء)

حالانکہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خواتین کو مسجد میں آنے سے روکا ہے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ حکم جاری فرمایا کہ اب نوجوان عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں۔(۱)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے (۲) ایک موقع پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواتین کو جمعہ کے دن مسجد سے نکالا اور فرمایا کہ اپنے گھروں کو جاؤ، تمہارے گھر تمہارے لیے بہتر ہیں (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھتے جو عورتوں میں اب پیدا ہوگئی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

**(عن عائشة رضی الله عنها قالت لو ادرک رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة او قالت نعم)۔**

(صحیح البخاری: ۱/۱۲۰ و مثلہ فی صحیح مسلم: ۱/۱۸۳)

لہٰذا مذکورہ تفصیل کی بناء پر ڈاکٹر فرحت نسیم ہاشمی کے درس میں شریک ہونا، ان کے درس کو پڑھنا اور ان کے زیر اہتمام قائم شدہ ادارہ ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' میں تعلیم حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں بل کہ حتی الوسع دوسروں کو بھی اس سے بچانا فرض ہے۔ **واللہ العاصم من جمیع الفتن**

# فرقۂ حزب اللہ

اس جماعت کے بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ہیں جنہوں نے بے شمار مسائل میں احادیثِ مبارکہ اور اجماعِ امت سے ہٹ کر رائے زنی کرنے کی جرأت کی ہے وہ اپنے آپ کو علوم دینیہ کے فاضل کہتے تھے اور اپنی جماعت حزب اللہ کے علاوہ کسی کو موحد نہیں سمجھتے ان کے چند افکار ذیل میں دیئے جارہے ہیں:

(۱) ظاہری الفاظ میں تو نہیں مگر دبے دبے لہجے میں عذابِ قبر کا انکار معلوم ہوتا ہے اس لیے اس نے ایران توران کی باتیں بنانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: ''جو شخص وفات پا جاتا ہے اسے ایک برزخی جہنم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم و روح پر سارے احوال برزخی گزرتے ہیں۔ (عذاب برزخ: ص/۹)

جب کہ احادیث مبارکہ سے تو اسی دنیوی جسم پر احوالِ برزخی گزرتے ہیں جس پر بے شمار احادیث مبارکہ صحیحہ وارد ہیں مثلاً بنی اسرائیل گناہ گار کا واقعہ جس نے مرنے کے بعد اپنے بیٹوں کو جلانے کی وصیت کی تھی۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کا قبر کے پاس بدکنے کا بیان وغیرہ وغیرہ۔

(۲) جو لوگ نبی کو اپنی مدینہ والی قبر میں زندہ مانتے ہیں وہ گویا نبی نے اللہ کی مرافقت کو دنیاوی رفاقت پر۔ گویا وہ یوں کہنا چاہتے ہیں کہ وہ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔

یہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہے اس لیے کہ احادیث صحیحہ سے اہل سنت و الجماعت نے یہ بات ثابت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں باحیات ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

(۳) وسیلے کا شرک ص/۸ پر ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''غرض اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کی صدقے اور وسیلے کے علاوہ ہر دوسری ذات اور اس کی صفات کے صدقے اور وسیلے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔''

جب کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا غلط ہے اس لیے کہ امام بخاری و مسلم و ابوداؤد نے غار میں چار آدمیوں کے پھنس جانے اور پھر اپنے اعمال خیر کی وجہ سے دعا مانگنے اور نجات پانے کو ذکر کیا ہے اسی طرح امام ابن ماجہ نے حضرت عثمان بن حنیف سے جو روایت نقل کی ہے ایک آدمی نے اپنی کمزوریٔ بصارت کے لیے دعا کے لیے کہا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کے وسیلے سے دعا مانگنے کو کہا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت اس کو شرک نہیں کہتے۔

(۴) ڈاکٹر صاحب نے تعویذ کو بھی مطلق شرک کہا، چاہے وہ قرآنی آیت ہی سے کیوں نہ ہو جبکہ یہ بھی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآنی تعویذ کے بارے میں حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت جعفر صادق اور حضرت باقر، امام ابن سیرین، عطاء ابن ابی رباح، ضحاک نے لا باس بہ کہا ہے، لہٰذا اس کو اس بھی شرک کہنا درست نہیں، ہاں البتہ شرکیہ کلمات لکھا جائے تب تو ہم بھی ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔

(۵) ڈاکٹر صاحب نے ایمانِ خالص کے تین اجزاء عجیب بیان کئے:

شریعت و طریقت کی بھی تین بنیادیں ہیں جس کو اتحاد ثلاثہ کا نام دیا جاتا ہے پھر تحریر فرماتے ہیں۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: ۱) حلول۔ ۲) وحدۃ الوجود۔ ۳) وحدۃ الشہود۔۔۔ تینوں کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**(۱) حلول:** اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی ریاضتوں کے ذریعہ نفس کی صفاتی اور روح کی بالیدگی پیدا کرلے یا کسی کو ورثہ میں یہ چیز مل جائے تو ذات خداوندی اس میں حلول کر جاتی ہے یعنی لاہوت ناسوت میں اور موجِد موجود میں اتر آتا ہے۔

**(۲) وحدۃ الوجود:** اتحاد کا دوسرا جزء جس نے قرآن اور حدیث کے بتلاتے ہوئے خالق ومخلوق کے فرق کو بدل ڈالا ہے وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے اس کا کہنا یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ذات کے پھیلے ہوئے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اس نظریہ کے اتحاد سے کافرومشرک، فاسق وفاجر، مومن ومسلم، شیطان وجن، کتا وبلی، نجاست وغلاظت سب اللہ کے عین وجود ہیں (العیاذ باللہ)

**(۳) وحدۃ الشہود:** اتحاد کا تیسرا ٹکڑا وحدۃ الشہود ہے اس کو فنافی اللہ ہونا بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی محنت اور ریاضت کو اس قدر فروغ دے کہ حلولیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو عرشِ بریں سے اتار کر کسی بھی ذات میں داخل کرنے کے بجائے خود ہی عروج کرنے لگے اور بضد ہو کر ذاتِ الٰہی میں داخل ہو جائے۔ (ایمان خالص حصہ اول)

یہ سب صوفیاء کی اصطلاحات جس کو ڈاکٹر صاحب سمجھ نہ سکے اسی کو ایمان کا جزء بنا دیا ہے کہ اس کا مطلب وہ نہیں جو ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا بل کہ وحدۃ الوجود کے معنی اللہ کا اپنی تمام صفات میں یکتا ہونا جس کو انہوں نے ایک ہونا سمجھا جو فحش ترین غلطی ہے، اسی طرح وحدۃ الشہود کا مطلب یہ ہے کہ صرف آدمی کو اللہ ہی کا وجود نظر آئے، اسی طرح حلول تو اسلامی عقیدہ میں توحید کے منافی ہے، عیسائیوں اور شیعوں کا نظریہ ہے، اس کا بطلان تو اظہر من الشمس ہے ہی۔ اس پر خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(اختصار تحفۂ خیر خواہی)

## خمینیت

خمینی ۱۹۷۹ء میں ایران میں حکومت پر قابض ہوا اور اس کو اس نے ''اسلامی انقلاب'' کا نام دیا جبکہ حقیقت کچھ اور تھی، شروع شروع میں تو بڑے بڑے دانشور اور علماء بھی خوش ہوئے، مگر جب اس کا شیعہ اور رافضی ہونا معلوم ہوا تو ان کی آنکھیں کھلی، ہندوستان میں اس کی پوری تحریک پر پوری محنت اور جاں فشانی سے جو مواد اور حقیقت حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خمینی اور ایرانی انقلاب'' کے نام سے جمع کیا وہ قابل تحسین ہے، خمینی حقیقت میں اثناعشریہ کا زبردست داعی تھا اور اسنے اپنے مذہب کیلئے سب کچھ کرنے کو مستحسن سمجھا قبل اس کہ ہم خمینی کے امامیہ میں تفردات کا ذکر کریں اولاً امامیہ اثناعشریہ کے عقائد مختصر ذکر کئے دیتے ہیں۔

**(۱) تحریف قرآن کا عقیدہ:** حالانکہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اس کے غیر منحرف ہونے کے قائل ہیں کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ''انا لہ لحافظون'' کہہ دیا ہے۔ (۲) بجز چار صحابہ کے سب مرتد ہوگئے تھے۔ ابو ذر غفاری، مقداد ابن اسود سلمان فارسی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (۳) تقیہ: یعنی کسی مصلحت کی وجہ سے اپنے حق کے باوجود خاموش رہنا۔ (۴) رجعت: یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عیسیٰ کی طرح دوبارہ آئینگے (۵) انتظار امام غائب: یعنی جو امام تیسری صدی میں غائب ہوگیا ہے اس کا انتظار کر رہے ہیں (۶) ائمہ انبیاء اور رسولوں سے بھی افضل اور معصوم ہیں (۷) متعہ جائز ہے بلکہ نماز روزہ وغیرہ سے بھی افضل عبادت ہے (۸) صحابہ کو برا بھلا کہنا باعث ثواب ہے (۹) ختم نبوت کا انکار (۱۰) کربلا کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے (۱۱) اللہ پر العیاذ باللہ نسیان طاری ہوتا ہے۔ اور بھی اس کے علاوہ بے شمار باطل عقائد شیعہ رکھتے ہیں ہم نے اہم اہم مسائل ہی پر اکتفاء کیا ہے اور اب ہم ان کے فرقوں کی تعداد اور اسماء اور موٴسسین کے بارے میں مختصراً تحریر کرنے جارہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

## شیعہ فرقہ:

| | |
|---|---|
| (۱) کیسانیہ | کیسان |
| (۲) مختاریہ | مختار ابن عبید |
| (۳) ہاشمیہ | ابو ہاشم بن محمد ابن الحنفیہ |
| (۴) حارثیہ | حارث |
| (۵) بیانیہ | بیان ابن سمعان نہدی |
| (۶) رزامیہ | رزام |
| (۷) زیدیہ | زید ابن علی ابن حسین |
| (۸) جارودیہ | ابو جارود زیاد ابن منذر |
| (۹) سلیمانیہ | سلیمان ابن جریر |
| (۱۰) صالحیہ | حسن ابن صالح |
| (۱۱) امامیہ | حضرت علی کی امامت کے قائل |
| (۱۲) باقریہ جعفریہ | ابو جعفر محمد ابن علی الباقر |

| | |
|---|---|
| (۱۳) تاؤسیہ | تاؤس |
| (۱۴) افطحیہ | عبداللہ الافطح |
| (۱۵) شمطیہ | یحیٰ ابن شمیط |
| ۱۶۔ موسویہ | موسیٰ بن جعفر |
| ۱۷۔ اسماعیلیہ | محمد ابن اسماعیل |
| ۱۸۔ اثنا عشریہ | بارہ اماموں کے قائلین |
| ۱۹۔ غالیہ | شدید قسم کے شیعہ |
| ۲۰۔ مبینیۃ | عبداللہ بن سباء |
| ۲۱۔ کاملہ | ابوکامل |
| ۲۲۔ مغیریۃ | مغیرہ بن سعد بجلی |
| ۲۳۔ منصوریہ | منصور عجلی |
| ۲۴۔ خطابیہ | ابوخطاب محمد بن ابوزینب رسدی |
| ۲۵۔ کمالیہ | احمد بن کیال |
| ۲۶۔ ہشامیہ | ہشام ابن حکم |
| ۲۷۔ نصیریہ | محمد ابن نصیر تیمی |
| ۲۸۔ اسحاقیہ | اسحاق بن زید |
| ۲۹۔ علبائیہ | علباء بن ذراع دوسی |

## خمینی کے افکار:

ذیل میں خمینی کے افکار اور اعتقادات ذکر کیے جارہے ہیں جو امامیہ اثنا عشریہ میں سے کسی نے نہیں کہے گویا اس کے تفردات ہیں

۱۔ ولایۃ الفقیہ۔ جو امام منتظر مہدی کا قائم مقام ہوتا ہے جس میں کفاءت علمی وصفت عدالت پائی جاتی ہوتو وہ پوری مملکت کا فرماروا ہوتا ہے۔

۲۔ انبیاء اور رسولوں نے آسمانی پیغامات کو مکمل نہیں کیا اور نہ انصاف قائم کرسکے اور مہدی منتظر آکر ہی پیغام سماوی کا اکمال کرینگے اور روئے زمین کو انصاف سے مالامال کردیں گے۔

۳۔ ائمہ مقام محمود تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں اور خلافت تکوینی کے حقدار ہوتے ہیں۔

۴۔ ولاء ائمہ کے لیے اور براءت دشمن کے لیے یعنی صحابہؓ کے لیے ضروری ہے (العیاذ باللہ)

۵۔ جہاد اسلامی امام کی غیبوبیت کی حالت میں معطل ہوتا ہے۔

۶۔ اسلام حقیقی معنی میں صرف عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد علی میں متحقق ہوا۔

۷۔ نیروز کے دن عید منانے کا اہتمام اس دن غسل مستحب اور روزہ ضروری ہوتا ہے

۸۔ استنجاء کا پانی پاک ہے۔

۹۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا مبطلات صلوٰۃ میں سے ہے۔

۱۰۔ طہارت صرف سجود کے لیے شرط ہے ہر نماز کے لیے شرط نہیں۔

۱۱۔ عورت کے ساتھ دبر میں وطی جائز ہے۔

۱۲۔ ایک ہی نکاح میں بیوی اور اس کی خالہ کو جمع کرنا جائز ہے۔

## خلاصۂ کلام:

خمینی کٹر قسم کا شیعی تھا اور اس نے ایران میں اپنے افکار اور اعتقادات کے مطابق ہی حکومت کی جو اسلام اور تاریخ اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا اس کی وجہ سے اعتقاداتِ فاسدہ میں اضافہ ہوا اور شیعہ مذہب کو دور حاضر میں تقویت ملی اللہ ہم سب کی برے اور عقائد فاسدہ سے پوری پوری حفاظت فرمائیں اور ایمان پر خاتمہ فرمائے آمین۔

# تاریخ غیر مقلدین

**ابتداء:** برادران اسلام! برصغیر پاک وہند میں بارہ صدیوں سے اسلام آیا ہوا ہے، یہاں اسلام لانے والے، اسلام پھیلانے والے اور اسلام قبول کرنے

والے سب کے سب اہل سنت و الجماعت حنفی تھے۔ یہاں کے تمام ہی مفسرین ومحدثین، فقہاء، اولیائے کرام اور سلاطین عظام اہل سنت والجماعت اور حنفی تھے۔

لیکن جب انگریز کے منحوس قدم یہاں آئے تو وہ یورپ سے ذہنی آوارگی مادر پدر آزادی اور دینی بے راہ روی کی سوغات ساتھ لایا۔ اور مذہبی آزادی اور مذہبی تحقیق کے خوش نما اور دلفریب عنوانوں سے اس ملک میں ایک خودسر اور متعصب فرقے کو جنم دیا، اس فرقہ کا پہلا قدم سلف سے بدگمانی ہے اور اس کی انتہاء سلف پر بدزبانی ہے، یعنی آپ سمجھ لیں کہ اس فرقہ کا ہر شخص اعجاب کل ذی رأی برایه پر نازاں ہونے کے ساتھ ساتھ لعن آخر هذه الامة اولها کا مصداق ہے۔ اس فرقہ کا ہر فرد اپنے آپ کو ائمہ اربعہ بلکہ صحابہ کرام سے بھی برتر سمجھتا ہے۔ مولانا عبدالخالق صاحب خسر میاں نذیر حسین صاحب دہلوی۔ (الحیات بعد الممات: ص/ ۲۲۸، نتائج التقلید: ص/۳) پر فرماتے ہیں......."سو بانی مبانی اس فرقۂ نواحداث کا عبدالحق ہے، جو چند دنوں سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المومنین (سید احمد شہید) نے ایسی ہی حرکاتِ ناشائستہ کے باعث اسے اپنی جماعت سے نکال دیا، اور علمائے حرمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا، مگر کسی طرح وہ بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا۔

ام المومنینؓ کا گستاخ مولوی عبدالحق بنارسی (بانی غیر مقلدیت) نے برملا کہا کہ عائشہؓ علیؓ سے لڑی، اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری، اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا، اُن میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھی اور ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔

(کشف الحجاب: ص/۲۲ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی شاگرد شاہ اسحاقؒ)

**پہلی شہادت:** نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں......

"اس زمانہ میں ایک ریاکار اور شہرت پسند فرقے نے جنم لیا، جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لیے قرآن وحدیث کے علم اور اس پر عامل ہونے کے دعویدار ہیں، حالانکہ علم اور عمل وعرفان سے اس فرقہ کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ لوگ علوم آلیہ وعالیہ دونوں سے جاہل ہیں۔ (الحطہ: ص/۱۵۳)

اور یہ لوگ معاملات کے مسائل میں حدیث کی سمجھ بوجھ سے بالکل عاری ہیں اور اہل سنت کے طریق پر ایک مسئلہ بھی استنباط نہیں کر سکتے، یہ لوگ حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع خرچ پر اور سنت کی جگہ شیطانی تسویلات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اس کو عین دین تصور کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کی حلاوت، مٹھاس اور شیرینی سے خالی الذہن ہیں، اور مسلمانوں کی نسبت بڑے سنگ دل ہیں...... یقولون عن خیر البریة وهم شر البریة...... پھر خدا کی قسم کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص مؤحد کہتے ہیں، اور دوسرے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ سب سے زیادہ غالی اور دین کے بارے میں متعصب ہیں......... فما هذا دین ان هذا الا فتنة فی الارض وفساد کبیر.....نواب صاحب نے اس فرقہ کے تقدس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس زاہد کی مثال دی ہے جو اپنی مکاری اور عیاری سے خوب وعظ کرتا سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے ڈراتا، قبر وحشر کے ہولناک مناظر بیان کرتا مگر موقع ملتے ہی سونے چاندی کے سب برتن چوری کر کے رفو چکر ہو جاتا تھا۔ (الحطہ: ص/۱۵۱ تا ۱۵۶)

نواب صاحب کا کلام واقعی کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے، انہوں نے اس کو نوزائیدہ فرقہ کہا، یعنی یہ حدیث تفرقہ کا مصداق ہے (زجاج ص) علوم آلیہ عالیہ اور استنباط سے جاہل کہا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ فرقہ ...... ضلوا فاضلوا......کا مصداق ہے۔ اس کے علمی سرمائے کو تسویلات شیطانیہ قرار دیا جو حق ہے...... فقیه واحد اشد علی الشیطان من ألف عابد ......(زجاجہ) اور شیطان ہی پہلا غیر مقلد ہے...... اور جس گلی میں حضرت فاروق اعظمؓ قدم رکھیں وہاں سے بھاگتا ہے۔ بیس رکعت تراویح، طلاق ثلاثہ، فقہ سے انکار حضرت عمرؓ ہی کی مخالفت ہے۔

**دوسری شہادت:** غیر مقلدین کے مشہور محدث ومؤرخ مولانا محمد شاہ جہان پوری صاحب لکھتے ہیں....

"کچھ عرصے سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں، پچھلے زمانے میں شاذونادر اس خیال کے لوگ کہیں موجود ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا مؤحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہبی لیا جاتا ہے، کیونکہ یہ لوگ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں، یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ باندھتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، بنگالہ کے عوام ان لوگوں کو رفع یدینی کہتے ہیں۔ (الارشاد الی سبیل الرشاد: ص/۱۳ مع حاشیہ)

**نوٹ:** جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو چوں کہ یہ تقلید کو شرک وبدعت کہتا تھا، اس لیے ان کو غیر مقلد کہا جانے لگا، تاکہ پتہ چلے کہ یہ ایک منفی فرقہ ہے، جو تعمیر کی بجائے تخریب کے لیے تیار کیا جارہا ہے، پھر چوں کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی پابندی سے منحرف ہوگئے تھے اس لیے ان کو لا مذہب کہنے لگے۔

**وہابی:** چوں کہ اس زمانہ میں محمد ابن عبدالوہاب کی جماعت نے عرب میں قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ بہت سے مزارات کو گرایا، اور سعود نے قبہ مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا مگر اس کا مرتکب نہ ہوا اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے اور عثمانیوں کو حج سے مانع ہوا۔ اور کئی برس تک حج سے بہت سارے لوگ محروم رہے اور شام اور عجم کے لوگوں کو حج نصیب نہ ہوا اور اس

نے عرب کے رہنے والوں خصوصاً حرمین شریفین کے رہنے والوں کو تکالیف دیں، اس لیے عالم اسلام میں ان کے خلاف کافی برہمی تھی۔ مولوی فضل رسول بدایونی نے اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کے لیے مجاہدین کو وہابی کہنا شروع کر دیا۔ (ترجمان وہابیہ :ص/۴۴،۴۷)

اب غیر مقلدین کو فکر ہوئی کہ اس ملک میں وہابی مجاہد اسلام اور حکومت برطانیہ کے باغی کو کہتے ہیں، کہیں ہمیں مجاہد نہ سمجھ لیا جائے اور انگریز بہادر کہیں ہمیں مشکوک نہ سمجھ لے۔ تو انہوں نے فوراً انگریز کو خوش کرنے کے لیے مرزا کی تقلید میں کتابیں لکھ ڈالی۔

**ترجمان وہابیہ:** نواب صدیق حسن نے ۱۳۱۲ھ میں یہ کتاب لکھی جس میں لکھا کہ......

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چوں کہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں، اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے یہاں تک کہ جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلوی والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم بھی شریک تھے۔ (ترجمان وہابیہ :ص/۱۰۔۱۱)

**نوٹ:** غیر مقلدین ۵۰۰/علماء کے مقابلہ میں صرف پانچ علماء کا نام پیش کریں، جنہوں نے اس وقت فتاویٰ عالمگیری کی تردید میں کوئی رسالے لکھے ہوں۔ ہم فی رسالہ دس ہزار روپے رائج الوقت انعام دیں گے۔

## غیر مقلدین کے عقائد:

اس ملک میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہ کرنا، فقہ کو مخالفِ حدیث کہنا، اپنے آپ کو موحد اور محمدی، اور مقلدین ائمہ اربعہ کو مشرک اور بدعتی کہنا؛ تقلید سے چڑنا، ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی کہنا، بیس رکعت تراویح کو بدعت کہنا، مثل روافض کے رفع یدین عندالرکوع کو ارکان نماز سے شمار کرنا، مثل خوارج کے ائمہ کرام کو گالیاں دینا اور اجماع اور قیاس شرعی سے انکار کرنا غیر مقلدین کی ظاہری علامات ہیں ۔تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو مجسم مانتے ہیں کہ وہ عرش پر ہے، اور عرش سے اترتا ہے، تو عرش ایسے ہی خالی ہو جاتا ہے جیسے کرسی پر بیٹھا ہوا انسان کرسی سے اترے تو کرسی خالی ہو جاتی ہے اور خدا کو لامکان کا مکین مانتے ہیں۔ (ہدیہ المہدی اص ۱۱،۱۰)

۲۔ خدائے تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جس صورت میں چاہے ظاہر ہو سکتا ہے۔

(ہدیۃ المہدی اص ۷-۹)

۳۔ یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عیسیٰ کی شکل میں ظاہر، اور ہندو کہتے ہیں کہ خنزیر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کو جواز مل گیا۔

۴۔ خدا تعالیٰ کی صفات میں **الاستھزاء، السخریة والمکر، والخداع والکید** کو بھی شمار کرتے ہیں۔ (ہدیۃ المہدی اص ۷)

۵۔ کہتے ہیں ذات باری تعالیٰ کو حوادث سے پاک سمجھنا باطل ہے۔ غزالی اور رازی کی خرافات ہیں۔ (ہدیۃ المہدی اص ۱۲)

۶۔ ان کا عقیدہ ہے کہ رام چندر، لچھمن، کرشن، زرتشت، کنفیوس، مہاتما، بدھ، سقراط، اور فیثا غورث، یہ سب انبیائے صالحین میں سے ہیں۔ ہم پر واجب ہے کہ کہیں ”**آمنا بجمیع انبیاء و رسله لا نفرق بین أحد منهم ونحن له مسلمون**“ (ہدیۃ المہدی ۱/ص:۸۵)

۷۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ نبی، علی اور ولی کا سماع عام لوگوں سے وسیع ہے، حتیٰ کہ پوری زمین سے ہر جگہ دور و نزدیک سے وہ سن لیتے ہیں تو یہ شرک نہیں۔ (ہدیۃ المہدی: ج/۱/ص/۲۵)

۸۔ اس عقیدے سے کوئی یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہے تو شرک نہیں (ہدیۃ المہدی ج ۱ ص:۲۴)

۹۔ نواب صدیق خان (اسی عقیدے سے) یہ وظیفہ پڑھا کرتے تھے، قبلہ دیں مدد دے، کعبۂ ایمان مدد دے، قیم مدد دے، قاضی شوکاں مدد دے (ج/۱/ص/۲۳) یہ فوت بھی ہو چکے تھے اور دور بھی تھے لیکن نواب صدیق حسن خان صاحب ان سے استمداد فرمایا کرتے تھے۔

۱۰۔ نواب وحید الزمان نے کتاب لکھتے وقت یہ دعا کی ”**اللھم اید نی فی تالیف ھذا الکتاب و اتمامه بالارواح من الانبیاء**“ (ج/۱/ص/۳)۔ گویا اس کتاب کی تالیف کے وقت رام چند لچھمن، کرشن کی روحیں بھی مدد فرماتی رہیں۔

۱۱۔ جو شخص سماع موتی کا انکار کرتا ہے وہ اہل حدیث ہرگز نہیں بلکہ معتزلی ہے۔

(ہدیۃ المہدی ج ۱ ص:۶۰)

۱۲۔ اس فرقہ کے نزدیک قرآن پاک کی قطعیات کے مقابلہ میں خبر واحد پر عمل واجب ہے۔

۱۳۔ قرآن پاک کے اوقاف بدعت سیۂ ہیں، چناں چہ انہوں نے مسنون قراءت والا قرآن شائع کیا ہے۔

۱۴۔ احادیث نبویہ کے وسیع ذخیرے سے صرف چھ کتابوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر ان کی بھی اکثر احادیث کی بہت سی اقسام کو ضعیف کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔

۱۵۔ احادیث کی بہت سی اقسام میں سے صرف حدیث صحیح، صریح، مرفوع غیر مجروح

کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، باقی تمام اقسام حدیث کے حجت ہونے سے انکار کر جاتے ہیں۔

۱۶۔ غیر منسوخ احادیث کی اکثر اقسام کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، مگر منسوخ حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (معیار الحق)

۱۷۔ اجماع امت میں اجماع صحابہ کو ماننے کو تیار نہیں، جیسے بیس رکعات تراویح، طلاق ثلاثہ، اذان جمعہ وغیرہ مگر اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری اور صحاح ستہ کے اجماع کے انکار کو کفر سمجھتے ہیں۔

۱۸۔ قیاس شرعی اور اجتہاد کو خنزیر (ارشاد محمدی: ج/۲/ص/۳، والتحقیق: ص/۶۰) اور مثل بول مردار (طریق محمدی) قرار دیتے ہیں، مگر اس خنزیر اور بول کے استعمال کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بھی بنا رکھا ہے۔

۱۹۔ فقہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر فرمایا ہے خبیث قرار دیتے ہیں، چنانچہ ان کی ایک کتاب کا نام ہے "اظہار الطیب والخبیث بتقابل الفقہ والحدیث" المعروف شمع محمدی، نیز نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں......

"سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے ہے، جو مسلمانوں میں پیغمبر برحق کے بعد پھیلا اور مہا جال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہاء اور مقلدوں کی ہے اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاؤں کی ہے، جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور بدعت اور شرک کے نشہ میں سرشار، اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا مقلد کہتا ہے۔ (ترجمان وہابیہ: ص/۲۴، ۲۵)

۲۰۔ ائمۂ اربعہ جو باجماع امت "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے مصداق ہیں کو یہودیوں کے احبار و رہبان اور مشرکین کے آباء واجداد قرار دے کر انہیں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے والا اور مقلدین کو مشرک اور یہودی قرار دیتے ہیں "اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ" اور "بل نتبع ما وجدنا علیہ آبائنا" سے ائمۂ اربعہ کی تقلید کا رد کرتے ہیں، ان کے مولوی محمد یسین نے اشعار الحق جواب تنویر الحق میں تمام مقلدین کو اخوان یزید، رافضی پلید، شیطان اور کافر لکھا ہے، اسی طرح مولوی محی الدین نومسلم لاہوری کتب فروش نے بھی (الظفر المبین مطبوعہ ۷ر رمضان ۱۲۹۷ھ، ص/۲۳۰، ص/۲۳۲) پر ائمۂ اربعہ کی تقلید کو حرام لکھا ہے، اور مقلدین کو مشرک اور کافر لکھا ہے، حالانکہ ان کے ان فتووں کی زد سب سے پہلے اصحاب صحاح ستہ پر پڑتی ہے یعنی ائمۂ اربعہ تو احبار و رہبان اور اصحاب صحاح ستہ مثل ابوجہل و یہود کے ہیں۔

۲۱۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص امام العصر مہدی علیہ السلام سے سچی محبت رکھے اور امام مہدی کے ظہور سے پہلے مرجائے، امام مہدی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کر کے امام مہدی کے حضور پیش کر کے کامیاب کریگا، یہ رجعت ہے۔ (دراسات: ص/۲۱۹)

۲۲۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بارہ امام اور حضرت فاطمۃ الزہراء انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح معصوم ہیں۔

(دراسات اللبیب: ص/۲۱۳)

۲۳۔ روافض کی طرح حدیث "اصحابی کالنجوم" کو موضوع قرار دیتے ہیں حالانکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی کتاب سیف المسلول میں اس کو حسن ثابت کیا ہے۔ (دراسات اللبیب)

۲۴۔ جس طرح شیعہ ابوبکر اور ان کے تمام ساتھیوں کو معاذ اللہ منافق اور غاصب قرار دیتے ہیں اور حضرت علی اور آپ کے ساتھیوں کو معاذ اللہ تقیہ باز قرار دیتے ہیں تاکہ ہر ایک کی بات کا انکار کیا جاسکے، اس طرح غیر مقلدین مجتہدین کی فقہ کو خرطۃ البیر اور تحقیق الخمیر سے تشبیہ دیتے ہیں (ہدیۃ المہدی ج۱ص:۱۰۲) اور اپنے علماء کو مصداق "ضلوا وأضلوا" کا قرار دیکر ان کی سب کتابوں کا انکار کر جاتے ہیں۔

# فتنۂ اہلِ حدیث کا علمی و عملی جواب
## تقلید

**سوال نمبر۱:** تقلید کا لغوی اور شرعی معنی کیا ہے؟

**جواب:** تقلید کا لغوی معنی:

تقلید کا معنی لغت میں پیروی ہے، اور لغت کے اعتبار سے تقلید، اتباع، اطاعت اور اقتداء سب ہم معنی ہیں۔ تقلید کے لفظ کا مادہ قلادۃ ہے، یہ قلادہ جب انسان کے گلے میں ڈالا جائے تو ہار کہلاتا ہے اور جب جانور کے گلے میں ڈالا جائے تو پٹہ کہلاتا ہے۔ ہم چونکہ انسان ہیں اسلئے انسانوں والا معنی بیان کرتے ہیں جانوروں کو جانوروں والا معنی پسند ہوا کرتا ہے۔

### تقلید کا شرعی معنی:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی تعریف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: ’’تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا سکے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا‘‘ (الاقتصاد ص ۵)

تقلید کی اس تعریف کے مطابق راوی کی روایت کو قبول کرنا تقلید فی الروایۃ ہے اور مجتہد کی درایت کو قبول کرنا تقلید فی الدرایۃ ہے، کسی محدث کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف ماننا بھی تقلید ہے، اور کسی محدث کی رائے سے کسی راوی کو ثقہ یا مجہول یا ضعیف ماننا بھی تقلید ہے، کسی امتی کے بنائے ہوئے اصول تفسیر، اصول فقہ کو ماننا بھی تقلید ہے۔

## تقلید جائز اور ناجائز:

جس طرح لغت کے اعتبار سے کتیا کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہا جاتا ہے اور بھینس کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہتے ہیں۔ مگر حکم میں حرام اور حلال کا فرق ہے بالکل اسی طرح تقلید کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اگر حق کی مخالفت کے لئے کسی کی تقلید کرے تو یہ مذموم ہے جیسا کہ کفار اور مشرکین، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے گمراہ وڈیروں کی تقلید کرتے تھے۔ اگر حق پر عمل کرنے کے لیے تقلید کرے کہ میں مسائل کا براہ راست استنباط نہیں کر سکتا، اور مجتہد کتاب وسنت کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کو خدا اور رسول کی بات سمجھ کر عمل کرے تو یہ تقلید جائز اور واجب ہے۔

**(الف)** کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟

صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے اور حدیث معاذ (جس کو نواب صدیق حسن خاں صاحب حدیث مشہور فرماتے ہیں۔ الروضۃ الندیۃ: ج/۲، ص/۲۴۶) میں اجتہاد کا مقام متعین ہے، کہ جو مسئلہ صراحۃً کتاب وسنت سے نہ ملے اس کا حکم رائے اور اجتہاد کے اصولوں سے کتاب وسنت سے مجتہد اخذ کرے گا۔

**نوٹ:** محدثین کا اصول حدیث بنانا، کسی حدیث کو صحیح وضعیف کہنا، کسی راوی کو ثقہ یا مجروح قرار دینا ان کا اجتہاد ہے۔

**(ب)** تقلید کن کی کی جائے؟

ظاہر ہے کہ مسائلِ اجتہادیہ میں مجتہد کی ہی تقلید کی جائے گی اور مجتہد کا اعلان ہے کہ **القیاس مظہر لا مثبت**... (شرح عقائد نسفی) کہ ہم کوئی مسئلہ اپنی ذاتی رائے سے نہیں بتاتے بلکہ ہر مسئلہ کتاب وسنت واجماع سے ہی ظاہر کر کے بیان کرتے ہیں، اور مجتہدین کا اعلان ہے کہ ہم پہلے مسئلہ قرآن پاک سے لیتے ہیں، وہاں نہ ملے تو سنت سے، وہاں نہ ملے تو اجماع صحابہؓ سے، اگر صحابہؓ میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف خلفائے راشدینؓ ہوں اس سے لیتے ہیں اور اگر یہاں بھی نہ ملے تو اجتہادی قاعدوں سے اسی طرح مسئلہ کا حکم تلاش کرتے ہیں جس طرح حساب داں ہر نئے سوال کا جواب حساب کے قواعد کی مدد سے معلوم کر لیتا ہے، اور وہ جواب اس کی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ فن حساب کا ہی جواب ہوتا ہے۔

**(ج)** کون تقلید کرے؟

ظاہر ہے کہ حساب داں کے سامنے جب سوال آئے گا تو وہ خود حساب کے قاعدوں سے سوال کا جواب نکال لے گا اور جس کو حساب کے قاعدے نہیں آتے وہ حساب داں سے جواب پوچھ لے گا۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جو شخص خود مجتہد ہو گا وہ خود قواعد اجتہادیہ سے مسئلہ تلاش کر کے کتاب وسنت پر عمل کرے گا، اور غیر مجتہد یہ سمجھ کر کہ میں خود کتاب وسنت سے مسئلہ استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کتاب وسنت کے ماہرین سے پوچھ لوں کہ اس کا کتاب وسنت میں کیا حکم ہے؟ اس طرح عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اور مقلد ان مسائل کو ان کی ذاتی رائے سمجھ کر عمل نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجتہد نے ہمیں مرادِ خدا اور مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کیا ہے۔

## غیر مقلد کی تعریف:

مجتہد اور مقلد کا مطلب تو آپ نے جان لیا، اب غیر مقلد کا معنی بھی سمجھ لیں، جو نہ خود اجتہاد کر سکتا ہو اور نہ کسی کی تقلید کرے ’’یعنی نہ مجتہد ہو نہ مقلد‘‘ جیسے نمازِ باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی ہوتے ہیں، لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے، یہ غیر مقلد ہے، جیسے ملک میں ایک حاکم ہوتا ہے اور باقی رعایا، لیکن جو نہ ملک کا حاکم ہو اور نہ رعایا بنے، وہ ملک کا باغی ہے یہی مقام غیر مقلد کا ہے۔

**نوٹ:** غیر مقلدین میں اگرچہ کئی فرقے اور بہت سے اختلافات ہیں۔ اتنے اختلافات کسی اور فرقے میں نہیں ہیں، مگر ایک بات پر غیر مقلدین کے تمام فرقوں کا اتفاق اور اجماع ہے، وہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ حدیث۔ کیوں کہ نواب صدیق حسن خاں، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزماں، میر نور الحسن، مولوی محمد حسین اور مولوی ثناء اللہ وغیرہ نے جو کتابیں لکھی ہیں، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن وحدیث کے مسائل لکھے ہیں، لیکن غیر مقلدوں کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کی کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں، بلکہ برملا تقریروں میں کہتے ہیں کہ ان کتابوں کو آگ لگا دو۔ گویا یہ سب غیر مقلدین کا اجماع ہے کہ ہر فرقہ کے غیر مقلد علماء قرآن وحدیث پر جھوٹ بولتے ہیں، انہیں قرآن وحدیث نہیں آتا، وہ غلط گندے اور نہایت شرمناک مسائل لکھ لکھ کر قرآن وحدیث کا نام لے دیتے ہیں، اس لیے وہ کتابیں اجماعاً مردود ہیں اور یہ سب جاہل ہیں۔

**سوال دوم:** لفظ تقلید کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

**جواب:** قرآن پاک نے ان مقدس جانوروں کو جو خاص خانہ کعبہ کی نیاز ہیں قلائد فرمایا ہے اور ان کی بے حد تعظیم وحرمت کا حکم دیا ہے اور ان مقلدین کی بے حرمتی کرنے

والوں کو عذابِ شدید کی دھمکی دی ہے۔ البتہ کسی خنزیر، کتے وغیرہ کو قلائد بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے۔ اور بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مقدس ہار کو قلادہ فرمایا ہے اور مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے، موتی، جواہرات کے ہار کو خنزیر کے گلے میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

نوٹ ۱: اصول حدیث میں مرسل، مدلس، معضل وغیرہ جس قدر اصطلاحی الفاظ محدثین نے استعمال کئے ہیں، ان الفاظ کا ان ہی اصطلاحی معنوں میں قرآن وحدیث میں ہونا ثابت فرمادیں یا اصول حدیث کا انکار کردیں۔

نوٹ ۲: سائل نے سوال میں صرف قرآن وحدیث کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سائل اجماع کو دلیل شرعی نہیں مانتا۔ اگر واقعہ ایسا ہے تو سائل انکار اجماع کی وجہ سے دوزخی ہے اور سائل قیاس شرعی کو بھی شاید دلیل شرعی نہیں مانتا اور اس کے بدعت ہونے میں کچھ شک نہیں، کیونکہ انکارِ قیاس کی بدعت نظام معتزلی نے جاری کی تھی۔ ائمۂ مجتہدین کے اتباع کے لیے تقلید کا لفظ اسی اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں استعمال ہوتا چلا آرہا ہے، جس طرح اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ وغیرہ کا استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔

# مَنَّاعٌ لِلْخَیْرِ کو پہچان لیجئے!

سورۂ قلم آیات نمبر ۱۰ تا ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے مشہور دشمنِ اسلام اور عدوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن مغیرہ کی چند صفات ذمیمہ ورذیلہ بیان کرکے اپنے حبیب ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی ہے کہ آپ اس ذلیل دشمن اسلام کے بہکانے اور کہنے میں نہ آئیے، آپ جس طرح دعوتِ توحید اور تبلیغ اسلام میں لگے ہوئے ہیں لگے رہئے۔

ولید بن مغیرہ کی جو صفات ذمیمہ ورذیلہ اس موقع پر بیان کی گئی ہیں ان میں ایک صفت ''مناع للخیر'' بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ دشمن اسلام لوگوں کو خیر اور نیکی کے کاموں سے روکتا بھی ہے۔

رمضان شریف کی فضیلت میں حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے میں شیاطین الجن کو قید کردیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو مبتلائے معاصی نہ کرسکیں، لیکن قرآن مجید کی سورۂ ناس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسواس وخناس انسانوں میں بھی پائے جاتے ہیں جس کی تصدیق رمضان المبارک میں شائع ہونے والے ان اشتہارات سے بھی ہوجاتی ہے جو عینِ رمضان المبارک میں شائع کرکے تراویح کی رکعات اور سجدوں کی تعداد کم کرنے کی تلقین وترغیب کی صورت میں نمازیوں کا ثواب کم کراکے ''مناع للخیر'' والی صفت کی تقلید وپیروی کی جاتی ہے۔

اس وقت راقم السطور کے سامنے رکعات تراویح کو کم کرنے کی تلقین والے تین اشتہارات ہیں ان میں پہلا اشتہار شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی علیہ الرحمہ کے مجموعہ فتاویٰ امداد الاحکام کی جلد اول، ص/ ۶۳۷ تا ص/ ۶۵۳ میں شائع ہوا ہے جس کا سوال لوہا منڈی آگرہ سے کیا گیا تھا اور دو اشتہارات یا کتابچے امسال شائع ہوئے ہیں ان میں سے بھی ایک کتابچہ آگرہ ہی سے شائع ہوا ہے دوسرے اشتہار کا ناقص فوٹو دیکھنے کو ملا ہے۔ جس سے کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ع کون معشوق ہے اس پردۂ زرنگاری میں؟

آئندہ سطور میں ہم سب سے پہلے ان میں سے قدیم ترین اور پرانے سوال وجواب کو مختصر طور پر نقل کرتے ہیں۔ پہلے سوال پڑھئے:

(سوال) ''بعد الحمد والصلوٰۃ غیر مقلدین کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں تراویح کی گیارہ رکعت کے سنت ہونے پر زور دیا گیا ہے اور بیس رکعت کی سنیت سے انکار کیا گیا ہے اور ستم ظریفی یہ دیکھیں کہ حاشیۂ اشتہار میں حنفیہ کو اعلان دیا ہے کہ جو کوئی حدیثِ صحیح جو اپنے معنی میں صریح ہو پیش کردے اس کو دس ہزار روپیہ انعام فی حدیث دیا جائے گا۔''

(اس موقع پر اس کے حاشیہ میں یہ نوٹ بھی پڑھنے کے قابل ہے کہ اشتہار کا عنوان ''التحقیق فی اعداد التراویح'' تھا اور مشتہر کا نام حافظ محمد عمر ٹھیکیدار، لوہا منڈی اکبرآباد (آگرہ) لکھا ہوا تھا۔ یہ بوالعجبی دیکھئے کہ ٹھیکیدار بھی مجتہد بننے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ حدیث سے کسی مسئلہ کو ثابت کرنا اور دوسرے عالموں کے مسئلہ کو رد کرنا مجتہد ہی کا تو کام ہے۔'' (حاشیہ امداد الاحکام: ص/ ۶۳۷، ج/ ۱)

اب جواب ملاحظہ ہو: حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ تھانوی مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون فرماتے ہیں: ''اس کے جواب میں مجھے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے جماعتِ غیر مقلدین ''حدیث صحیح'' کی تعریف کسی حدیث ہی سے بیان کردیں، اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یہ ثابت کریں کہ حدیث حسن اور ضعیف ومرسل ومعضل ومعلل وشاذ ومنکر ومدلس وغیرہ کی یہ تعریف ہے، اور ان میں سے فلاں قابل قبول ہے اور فلاں قابلِ قبول نہیں، بل کہ قابلِ رد ہے، تو ہم اُن کو فی حدیثِ مرفوع بجائے دس کے دہ چند دینے کو تیار ہیں، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے قولِ صریح سے ان امور کو ثابت نہ کر سکیں تو پھر وہ ہم کو بتلائیں کہ "حدیث صحیح" کے معنی جو کچھ بھی ان کے نزدیک ہیں انہوں نے کہاں سے اخذ کئے؟ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یقیناً ماخوذ نہیں، پھر کہیں قیاس و اجماع سے تو ماخوذ نہیں، جس سے غیر مقلدین کوسوں دور بھاگتے ہیں، اگر قیاس و اجماع سے ماخوذ ہے تو براہِ کرام یہ بھی بتلادیں کہ قیاس و اجماع صحابہ کا ہے یا تابعین کا، اور تابعین میں سے فقہاء کا ہے یا محدثین کا یا دونوں کا، اور یہ کہ فقہاء یا محدثین کا قیاس و اجماع غیر مقلدوں کے نزدیک اس بارے میں حجت کیونکر ہو گیا، جن کے یہاں تقلیدِ علماء شرک ہے، کیا براہِ عنایت وہ کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کریں گے کہ حدیث کی تعریف وتصحیح وتضعیف وغیرہ میں فقہاء یا محدثین کا قیاس و اجماع حجت ہے، اور اس کی تقلید حنفیہ اور غیر مقلدین سب پر فرض ہے، اور باقی مسائل میں تقلید حرام اور شرک ہے، جب تک جماعت غیر مقلدین ان سب مسائل کو حدیث ہی سے ثابت نہ کر دیں اُس وقت تک اُن کو کسی مسئلہ میں نہ خود حدیث صحیح پیش کرنے کا حق ہے نہ حنفیہ سے مطالبہ کا حق ہے، کیوں کہ جو حدیث وہ پیش کریں گے ہم کو ان سے اس سوال کا حق ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا۔۔۔ کتاب اللہ سے معلوم ہوا یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یا قیاس سے یا کسی اجماع سے، الیٰ **آخر السوالات التی ذکرناها.**

نیز ہم کو یہ بھی سوال کرنے کا حق ہے کہ اس کیا وجہ کہ قبولِ حدیث و ردِّ حدیث میں بخاری ومسلم وترمذی واحمد وغیرہ کی تقلید تو حجت اور واجب یا جائز ہو، اور فہم معانی حدیث میں ابوحنیفہ و مالک وشافعی رحمہم اللہ کی تقلید ناجائز وحرام ہو۔ **کما هو زعم الطائفة الغير المقلدين.**"

صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی علیہ الرحمہ نے اس ضروری تمہید کے بعد جمہور علمائے مجتہدین وفقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر مشتمل روایات حدیث نقل فرمائی ہیں جس سے بیس رکعات تراویح کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند روایات کا صرف ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں:

**(پہلی حدیث)** ترجمۂ روایت: ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تراویح کی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑھتے تھے (اس روایت میں کان یصلی ماضی استمراری کا صیغہ آیا ہے جو استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے)

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کے علاوہ طبرانی و بیہقی وغیرہ میں بھی لی گئی ہے اور ابن ابی شیبہ کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، جن کی تعدیل تہذیب التہذیب اور لسان المیزان ان کے حوالہ سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے "امداد الاحکام" میں نقل فرمادی ہے اگر کسی کو اس کے راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے حدیث پر "ضعیف" کا ٹھپہ مارنے کا شوق ہو تو اپنا شوق پورا کرنے سے پہلے تہذیب التہذیب اور لسان المیزان ان سے ابراہیم بن عثمان کا حال معلوم کرلے کہ حافظ ابن عدی جیسے امام جرح وتعدیل نے ابراہیم بن عثمان کے متعلق فرمایا ہے: **له احاديث صالحة و هو خير من ابراهيم بن ابی حية** (ان کی احادیث بھلی اور عمدہ ہیں اور یہ راوی ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے اور ابراہیم بن ابی حیہ کو یحییٰ بن معین امام الجرح والتعدیل "شیخ ثقہ کبیر" جیسے شاندار الفاظ سے ثقہ قرار دے رہے ہیں اس لئے ہم اس روایت حدیث کو ضعیف ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ امام جرح وتعدیل حافظ ابن عدی جیسا مسلمہ فریقین محدث و امام ابراہیم بن نعمان کی احادیث کو عمدہ کہہ رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے حدیث کو ضعیف مان لیں۔

اور اگر کوئی غیر مقلد ہٹ دھرمی کرتے ہوئے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ سے پہلے حدیث کے ردو قبول کے اصول کو کتاب وسنت سے ثابت کرے۔ اس کے بعد حدیث کو ضعیف ثابت کرے اور جو چاہے انعام ہم سے لے لے۔ بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ کی تقلید نہ کرے، کیونکہ تقلید اس کے نزدیک ناجائز وحرام بل کہ شرک ہے حدیث کو ضعیف کہے تو یاد رکھے کہ حدیث کے ردو قبول کے اصول فقہائے حنفیہ نے بھی بیان کئے ہیں۔ ان کے مقابلے میں یہ اصول پیش کر کے غیر مقلدین سے یہ سوال کریں گے کہ آپ حضرات کتاب وسنت سے اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ حدیث کے ردو قبول کے معاملہ میں تو بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ کی تقلید واجب ہے اور ابوحنیفہ کی تقلید ناجائز وحرام (بل کہ شرک تک) ہے؟ (امداد الاحکام: ص/۶۵۹، ج/۱)

**نوٹ:** ہم اپنی اس مختصر تحریر میں صرف روایات حدیث کے نقل تک اپنے آپ کو محدود رکھنا چاہتے ہیں آئندہ صرف روایات ہی نقل کی جائیں گی، اسمائے رجال کے فن سے تعلق رکھنے والی بحث کی گنجائش اس مختصر تحریر میں نہیں جو صاحب علم سمجھنا چاہیں وہ اعلاء السنن اور امداد الاحکام میں دیکھ سکتے ہیں۔

**(دوسری حدیث)** ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت کے لیے اتنی زیادہ ریاضت ومشقت فرماتے تھے کہ غیر رمضان میں اس قدر مشقت نہ کرتے تھے۔ (اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

**(تیسری حدیث)** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے اور شب بیداری کی صورت میں رات کو بھی زندہ رکھتے اور اہل خانہ کو بھی نماز تراویح کے لیے جگا دیتے (اسے بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کیا ہے)

**(چوتھی حدیث)** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان آجاتا تو (اسی وقت سے) کمر کس لیتے (نمازیں پڑھتے رہتے) پھر اپنے بستر مبارک پر نہ لیٹتے تھے (یہی معمول رہتا تھا) یہاں تک کہ ماہ

مبارک رمضان ختم ہو جاتا (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)۔ (عزیزی)

**(پانچویں حدیث)** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی یہ روایت بھی ہے فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا اور آپ کی نماز پہلے سے زیادہ ہو جاتی (ظاہر ہے کہ تہجد کی نماز تو آپ کی روزمرہ کا معمول تھی۔ یہ زیادتی نماز تراویح کی وجہ سے ہوتی تھی) آپ اپنی دعاؤں میں زیادہ گڑگڑایا کرتے اور آپ کا رنگ خوف وخشیت کی وجہ سے سرخ ہو جاتا تھا۔ (یہ روایت بھی بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ چاروں روایات حدیث صاف طور پر یہ بتا رہی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں اور دوسری راتوں سے زیادہ عبادت کرتے اور زیادہ نماز پڑھتے تھے گو ان روایت میں بیس رکعات تراویح کا صاف ذکر نہیں ہے مگر یقیناً ان سے اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی وہ حدیث جو بواسطہ ابو سلمہ کے شیخین (بخاری ومسلم) نے روایت کی ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے) اسکا وہ مطلب نہیں ہے جو غیر مقلدین نے سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں بھی تہجد وغیرہ ملا کر صرف گیارہ رکعت پڑھتے تھے کیونکہ یہ مطلب حضرت عائشہ ہی کی دوسری روایات کے بالکل خلاف ہے۔ بل کہ تمام روایات کو ملا کر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی مقدار (تعداد) اکثر یہی تھی باقی یہ کہ تہجد کے علاوہ بھی آپ رمضان کی راتوں میں کچھ نماز نہ پڑھتے تھے اس سے یہ گیارہ والی روایت ساکت ہے (روایت کا یہ سکوت غیر مقلدین کے لیے مفیدِ مطلب نہیں ہے اس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا) حضرت عائشہ کی دوسری روایات بتلاتی ہیں کہ آپ تہجد کے علاوہ رمضان میں اور نماز بھی پڑھتے تھے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ آپ رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے اور کان یصلی ماضی استمراری ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی یا اکثر وبیشتر یہی معمول تھا، ممکن ہے کوئی تراویح سے پیچھا چھڑانے اور جان چرانے والا نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلد) اس موقع پر بخاری شریف کی یہ روایت پیش کر دے کہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کو مسجد میں نماز (تراویح) پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز (تراویح) پڑھی، پھر اگلی رات کو بھی آپ نے نماز (تراویح) پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے، وہ صحابۂ کرام تھے (نماز تراویح سے پیچھا چھڑانے وجان چرانے والے نہ تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں تراویح پڑھنے والوں کی کثرت ہو گئی پھر تیسری رات یا چوتھی رات میں (یہ صورت ہو گئی کہ) لوگ تو مسجد میں جمع ہو گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریفہ سے (نماز تراویح کے لیے) نہیں نکلے اور جب صبح ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ آپ لوگوں نے جو صورت اختیار کی ہے عشاء کے وقت تراویح کے لیے مسجد میں جمع ہوئے تھے (مگر میں حجرہ سے باہر نہیں آیا تو اس کی وجہ بتا رہا ہوں کہ) میں حجرہ سے باہر صرف اس وجہ سے نہیں نکلا کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہ میری اس طرح پابندی کی وجہ سے یہ تراویح (سنت کے بجائے) کہیں فرض نہ کر دی جائے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے۔'' یعنی یہ صورت تراویح کے معاملہ میں پیش آئی تھی (یہ حدیث شریف بخاری شریف کی ہے جیسا کہ اعلاء السنن: ص/۵۸، ج/۷ میں ہے) اسے دیکھ کر کوئی ''تراویح چور'' یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے تراویح نہیں پڑھائی تو پورے مہینہ تراویح کیوں پڑھائی جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف دو یا تین راتوں میں تراویح پڑھائی تھی۔ لہٰذا صرف دو راتوں میں تراویح جماعت سے مسجد میں پڑھائی جائے اور پھر بغیر جماعت کے اپنے گھر ہی میں پڑھ لی جائے۔

## آئندہ کے لیے یہ مژدہ بھی سننے کے لیے تیار رہیے:

ہم حنفی لوگ تو نرے مقلد ہیں احادیث سے پوری واقفیت اور اس میں مہارت کے دعویدار نام نہاد (اہل حدیث) غیر مقلدین کی عادت ہے وہ کوئی نہ کوئی شوشہ برابر چھوڑتے اور نکالتے رہتے ہیں ان کی توجہ شاید ابھی تک مسلم شریف کی اس روایت کی طرف نہیں ہوئی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں نماز پڑھنے کی صرف ترغیب دیا کرتے تھے، آپ نے لوگوں کو باقاعدہ عزیمت کے انداز میں کوئی حکم نہیں دیا کہ نماز (تراویح) ضرور پڑھیں۔ (رواہ مسلم: ۵۹، ج/۱)

ہمیں حیرت وتعجب ہے کہ غیر مقلدین کی آنکھوں پر کیسے پردہ پڑ گیا کہ وہ اس حدیث کو دیکھ نہیں سکے جو انہیں مطلق تراویح سے چھٹکارا اور نجات دے رہی ہے اور غیر ضروری طور پر رکعات تراویح کی بحث میں الجھ گئے کہ تراویح کی صرف آٹھ یا گیارہ رکعات ہیں بیس رکعات کا سنت ہونا حدیثِ صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ چلئے ہم بحث کو ختم کرنے کے لیے اگر یہ مان بھی لیں کہ آپ زیادہ محقق ہیں لیکن اِس کا تقاضا بس یہاں تک تو صحیح تھا کہ آپ آٹھ رکعات تراویح پڑھیں یا اوپر نقل کی ہوئی حدیث پر عمل کرتے ہوئے سرے سے تراویح ہی نہ پڑھیں لیکن اس بات کو ہم نہیں سمجھ سکے کہ حنفی لوگ اگر بیس رکعات پڑھتے ہیں تو آپ کے پیٹ میں اینٹھن اور مروڑ کیوں پیدا ہونے لگتا ہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ''سلفیاں''　　سارے جہاں کا درد انہیں کے جگر میں ہے

عبدالقدوس رومی، مفتی شہر آگرہ

## یاد رکھیے:

بدعتی تو بدعت کو سنت کہتے ہیں اور غیر مقلد سنت کو بدعت قرار دیتے ہیں

حالاں کہ سیدھی سچی بات یہ ہے کہ سنت، سنت ہے اور بدعت، بدعت ہے جس طرح بدعت کو سنت نہیں کہہ سکتے اسی طرح سنت کو بدعت نہیں قرار دے سکتے!

## اہل حدیث حضرات سے چند باادب سوالات

سوال ۱: کیا قرآن پاک میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل و بالترتیب موجود ہے؟

نوٹ: بالتفصیل سے مراد شرائط، ارکان، واجبات، سنن مؤکدہ، مستحبات، مباحات، مکروہات، اور مفسدات ہیں، ان میں ہر ایک کی تعداد، ہر ایک کی تعریف ہر ایک کے عمداً اور سہواً چھوٹ جانے کا حکم صراحۃً موجود ہے یا نہیں؟

سوال ۲/ کیا صحیح بخاری شریف میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ موجود ہے؟

سوال ۳/ کیا صحیح مسلم میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ موجود ہے؟

سوال ۴/ کیا جامع ترمذی میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ موجود ہے؟

سوال ۵/ کیا سنن ابی داؤد میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ موجود ہے؟

سوال ۶/ کیا سنن ابن ماجہ میں نماز کا مکمل طریقہ موجود ہے؟

نوٹ: جب صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب میں بھی مکمل مسائل بالتفصیل و بالترتیب موجود نہیں ہیں تو یہ چھ محدثین نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے؟

سوال ۷/ کیا کسی مسلمہ محدث نے کوئی نماز کی ایسی جامع کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں نماز کا طریقہ مکمل بالتفصیل و بالترتیب ہو، اس میں ہر ہر مسئلہ صحیح صریح غیر معارض حدیث سے پیش کیا گیا ہو اور اس کتاب کی صحت پر کوئی آیت یا حدیثِ صریح دلیل ہو؟

سوال ۸/ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیرِ نگرانی کوئی ایسی کتاب مرتب کروائی جس میں نماز کا مکمل طریقہ بالترتیب و بالتفصیل درج ہو اور وہ کتاب آج تک امت میں متداول ہو؟

سوال ۹/ کیا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد نے اپنی زیر نگرانی نماز کی کوئی ایسی جامع کتاب مرتب کروائی جس کو آج تک امت میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو؟

سوال ۱۰/ اس امت میں سب سے پہلے کس نے نماز کو بالتفصیل و بالترتیب مرتب کروایا جن کی مرتب کردہ نماز آج تک امت میں متداول ہے؟

نوٹ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن پہلے فرائض کا حساب ہوگا؟ اور ان میں اگر کمی ہوئی تو نوافل کے ذریعہ پوری کی جائیگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرائض اور سنتوں کا بیان فرمایا ہے۔

نماز پڑھنے سے پہلے جو باتیں ضروری ہیں ان کو ائمہ مجتہدین شرائط نماز کہتے ہیں، ائمہ اربعہ کی فقہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ نماز کی کچھ شرائط بھی ہیں۔

سوال ۱۱/ آپ بتائیں کہ نماز کی کتنی اور کون سی شرائط قرآن و حدیث میں کتنی مرتبہ مذکور ہوئی ہیں۔

سوال ۱۲/ آپ یہ بیان فرمادیں کہ نماز کے ارکان کون کون سے ہیں، رکن کی تعریف کیا ہے؟

سوال ۱۳/ آپ یہ بیان فرمائیں کہ نماز میں واجبات کتنے ہیں؟ نیز واجب کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

سوال ۱۴/ آپ یہ بیان فرمائیں کہ نماز میں کتنی چیزیں سنت مؤکدہ ہیں، اور ساتھ ہی سنت مؤکدہ کی تعریف بتائیں؟

سوال ۱۵/ آپ کے نزدیک نماز میں کتنے کام مستحب ہیں اور مستحب کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

سوال ۱۶/ آپ کے نزدیک نماز میں کتنے کام مباح ہیں اور مباح کی تعریف بیان فرمائیں؟

سوال ۱۷/ آپ کے نزدیک کتنی چیزیں نماز میں مکروہ ہوتی ہے اور مکروہ کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

سوال ۱۸/ آپ کے نزدیک نماز میں کتنی باتیں نماز کو فاسد کرتی ہیں اور فاسد و باطل کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

سوال ۱۹/ آپ کے ہاں فجر کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ سنت اور فرض کا لفظ صراحۃً حدیث میں ہو؟

سوال ۲۰/ آپ کے ہاں ظہر کی کتنی رکعات ہیں؟ سنت، فرض یا نفل کا لفظ صراحۃً حدیث میں موجود ہو؟

سوال ۲۱/ آپ کے ہاں نماز عصر کی کتنی رکعات ہیں؟ سنت فرض کی صراحۃً حدیث میں مذکور ہوئی ہو۔

سوال ۲۲/ آپ کے ہاں نماز مغرب کی کتنی رکعات ہیں؟ فرض سنت کی تفصیل صراحۃً حدیث میں ہو۔

سوال ۲۳/ آپ کے ہاں نماز عشاء کی کتنی رکعات ہیں؟ فرض، سنت نفل کی تفصیل صراحۃً حدیث میں موجود ہو۔

سوال ۲۴/ آپ کے ہاں جو مجتہدین، محدثین اور دیگر مسلمان نماز کی شرائط ارکان، واجبات، سنن، مکروہات، مفسدات کے قائل ہیں وہ مسلمان ہیں یا کافر؟

سوال ۲۵/ تکبیر تحریمہ فرض ہے یا واجب یا مستحب؟ حکم صراحۃً آیت یا حدیث میں مذکور ہو۔

سوال ۲۶/ آپ کے ہاں تکبیر تحریمہ امام کے لیے بلند آواز سے کہنا سنت ہے اور مقتدی کے لیے آہستہ آواز سے، یہ حدیث میں دکھائیں؟

سوال ۲۷/ اکیلے نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ بلند آواز سے سنت ہے یا آہستہ آواز سے؟

سوال ۲۸/ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین فرض ہے یا سنت مؤکدہ؟

سوال ۲۹/ تکبیر تحریمہ کے ساتھ اگر رفع یدین نہ کرے تو نماز باطل ہوگی یا مکروہ؟

سوال ۳۰/ تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھنا فرض ہے یا سنت مؤکدہ؟

سوال ۳۱/ جو لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں ان کی نماز باطل ہے یا مکروہ؟ ان تمام سوالات کے جوابات احادیث سے ثابت کرکے احسان عظیم فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

# غیر مقلدیت : وقت کا عظیم فتنہ

از : مصلح الدین قاسمی سدھارتھ نگری
سابق معین مدرس دارالعلوم دیوبند

آج امت مسلمہ کو جن فتنوں کا سامنا ہے اور جن کی وجہ سے پوری امت اختلاف وانتشار بدامنی وانارکی اور انتشار ولامرکزیت کا شکار ہے ان میں ایک اہم فتنہ ''فتنۂ لامذہبیت و غیر مقلدیت'' ہے، حالانکہ ایسے وقت میں جب کہ اسلام مخالف طاقتیں ہر چہار جانب سے اسلام اور اہل اسلام پر حملہ آور ہیں، ہر طرف فتنوں کی یورش اور مصائب کی یلغار ہے۔ سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی ہر میدان میں مسلمانوں کو پیچھے کرنے کی کوشش کی جارہی ہے امت کی شیرازہ بندی، اس میں اتحاد واتفاق اور اخوت وبھائی چارگی کی اس سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے جتنی ماضی میں رہی ہے۔

لیکن اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود کچھ شر پسندوں اور فتنہ پروروں نے امت مسلمہ کے شیرازے کو منتشر کرنے کی ایسی زبردست مہم چھیڑ رکھی ہے جس کا سدِّ باب اگر فی الفور نہ کیا گیا تو اس کے نتائج پوری ملت کیلئے خطرناک ثابت ہوں گے۔ یہ جماعت عمل بالحدیث کی آڑ میں اسلافِ کرام وائمۂ مجتہدین سے اعتماد کو متزلزل کرنے اور کتاب وسنت کے حقائق کو تبدیل کرنے کی مذموم کوششیں کررہی ہے، اس کی ساری محنت علمائے سلف اور ائمۂ عظام پر تبصروں اور تبرے بازیوں پر صرف ہورہی ہے۔ فروعی اور مجتہد فیہ مسائل جن میں ایک سے زیادہ راہِ عمل کی گنجائش ہے صرف ایک رخ متعین کرکے دوسرا رخ اختیار کرنے والوں کے خلاف زیغ وضلال بلکہ کفر وشرک کے الزامات عائد کررہی ہے۔

اس جماعت کا سب سے بڑا نشانہ ''مسئلۂ تقلید'' ہے۔ جس کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ یہ چیز (تقلید) جب قرنِ اول میں نہیں تھی تو اب کہاں سے اس کا وجود ہوگیا؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور یہ کہ اس کا ثبوت کہاں سے ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات جاننے سے پہلے یہ جان لینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ تقلید کہتے کسے ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

تقلید کے لغوی معنی ''قلد فلانا الأمر أو العمل فوضه اليه و ألزمه اياه''

(المعجم الوسیط، ص ۷۴۵)

کوئی کام کسی کے سپرد کردینا، لازم کردینا۔

تقلید کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا قاضی محمد اعلیٰ صاحب تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول أو يفعل معتقدًا للحقية من غير نظر الى الدليل ، كان هذا المتبع. جمع قول الغير أو فعله قلادة فى عنقه من غير مطالبة دليل (معیار الحق ص ۴۵۔ بحوالہ محاضرہ ردّ غیر مقلدیت۔ از مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی۔ جز:۲، ص:۸)

تقلید انسان کا اپنے غیر کی اتباع کرنا ہے اس کے قول و فعل میں، اُسے حق سمجھتے ہوئے دلیل پر نظر کئے بغیر، گویا اس متبع نے غیر کے قول یا فعل کو اپنی گردن کا ہار بنا لیا ہے بلا کسی دلیل کے مطالبے کے۔

تعریفِ مذکور سے ہر پڑھا لکھا شخص بلکہ ادنیٰ سوچ و فکر رکھنے والا انسان بہ آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ متبع اور مقلد جن احکام کو تسلیم کرتا ہے اور جن مسائل میں وہ دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے وہ احکام و مسائل بلا دلیل نہیں ہوتے، بلکہ بات یہ ہوتی ہے کہ مقلد اُن دلائل کا مطالبہ نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ مقلد کو اعتماد ہے کہ وہ امام جس کی وہ اتباع کر رہا ہے قرآن و سنت ہی کی روشنی میں وہ مسائل کو بیان کر رہا ہے اور یہ کہ امام کو علوم شرعیہ میں مکمل دسترس حاصل ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں ''تیسیر التحریر'' اور ''المنار لابن نجیم'' کے حوالے سے تقلید کی تعریف اور اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

التقليد : العمل بقول من ليس قوله احدى الحجج بلا حجة منها

تقلید اس شخص کے قول پر عمل کرنا ہے جس کا قول مآخذ شریعت میں سے نہیں ہے بغیر دلیل کا مطالبہ کیے ہوئے۔

''اس تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مقلد اپنے امام کے قول و مآخذ کو شریعت نہیں سمجھتا کیوں کہ ماخذِ شریعت تو صرف قرآن و حدیث (اور انہی کے ذیل میں اجماع و قیاس) ہیں، البتہ یہ سمجھ کر امام کے قول پر عمل کرتا ہے کہ چوں کہ وہ قرآن و سنت کے علوم میں پوری بصیرت کا حامل ہے، اسلئے اس نے قرآن و سنت سے جو مطلب سمجھا ہے وہ میرے لئے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

''اب آپ بہ نظرِ انصاف غور فرمائیے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے ''گناہ'' یا ''شرک'' کہا جاسکے، اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع (قانون ساز) یا بذاتِ خود واجب الاطاعت قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اس کے اس عمل کو شرک کہا جاسکتا ہے، لیکن کسی کو شارحِ قانون قرار دے کر اپنے مقابلے میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو کوئی ایسا جرم نہیں کہ اسے کفر و شرک کا درجہ دے دیا جائے'' (تقلید کی شرعی حیثیت، ص:۱۴)

پھر تقلید کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ تقلید کیلئے کسی خاص امام و مجتہد کو متعین نہ کیا جائے بلکہ ایک مسئلے میں کسی امام کے قول کو اپنا لیا جائے اور دوسرے میں کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کر لیا جائے اور تیسرے میں کسی اور امام کی رائے قبول کر لی جائے، اس پہلی صورت کو ''تقلید مطلق، تقلید عام'' اور ''تقلید غیر شخصی'' بھی کہتے ہیں۔ تقلید کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجتہد عالم اور امام کو اختیار کر لیا جائے اور ہر ایک مسئلے میں اسی کا قول مانا جائے، اسے ''تقلید شخصی'' کہتے ہیں۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ جس مجتہد کو قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے، اس کی بصیرت، نکتہ دانی اور اس کے تفقہ پر اعتماد کرکے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے، بذاتِ خود نہ تو اس امام کو واجب الاتباع گردانتا ہے اور نہ ہی شریعت ساز سمجھتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ تقلید کا رواج عہدِ صحابہ میں بھی تھا یا یہ تقلید دورِ حاضر کی ایجاد ہے؟ اس زمانے میں کس نے اس کو بڑھاوا دیا ہے؟ تو اس کا دوٹوک جواب یہ ہے کہ تقلید کی دونوں صورتوں کا رواج عہدِ صحابہ سے ہی ہے۔ اور علمائے اہل سنت کی بھاری اکثریت ہر زمانے میں اسی پر گامزن رہی ہے، البتہ عدمِ تقلید کا رواج کوئی ڈیڑھ سو سال پیشتر ہوا ہے، چنانچہ اس فرقے کی ابتداء ہندوستان میں ۱۲۴۶ھ کے بعد ہوئی۔ اس سے قبل ہندوستان میں اس فرقے کا نام و نشان تک نہ تھا۔

## عہدِ صحابہ کرام اور تقلید :

مختلف اخبار و آثار سے یہ ثابت ہے کہ جو حضراتِ صحابہ تحصیل علم میں زیادہ وقت نہیں صرَف کر سکتے تھے، یا کسی خاص مسئلے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے وہ دوسرے صحابہ سے پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے یعنی انھیں کے تفقہ پر اعتماد کرکے ان کی تقلید کرتے تھے، چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب ''مؤطا امام مالک'' میں حضرت سلیمان بن یسارؒ سے درج ذیل اثر مروی ہے۔

عن سليمان بن يسار أن أبا أيوب الانصاريؓ خرج حاجا ، حتى اذا كان بالنازية من طريق مكة أضل رواحله وأنه قدم علىٰ عمربن الخطابؓ يوم النحر ، فذكر ذلك له ، فقال عمر بن الخطابؓ : اصنع ما يصنع المعتمر ، ثم قد حللت ، فاذا أدرك الحج قابلا فاحجج واهد ما استَيسَّرَ من الهدى

(مؤطا امام مالک ص:۱۴۹ باب ھدی من فاتہ الحج)

حضرت سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ حج کے ارادے سے نکلے، یہاں تک کہ جب مکہ مکرمہ کے راستے میں نازیہ کے مقام تک پہنچے تو ان کی سواریاں گم ہوگئیں اور وہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) میں (جب کہ حج ہو چکا تھا) حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ واقعہ ذکر کیا، تو حضرت عمرؓ

نے فرمایا: تم وہ ارکان ادا کرو جو عمرہ والا ادا کرتا ہے (طواف و سعی) اس طرح تمہارا احرام کھل جائیگا۔ پھر اگلے سال جب حج کا زمانہ آئے تو دوبارہ حج کرو اور جو قربانی میسر ہو ذبح کرو۔

روایتِ مذکورہ سے یہ بات از خود واضح ہو رہی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ تو مسئلے کی دلیل پوچھی اور نہ ہی آپؓ نے خود بیان کی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و فہم پر اعتماد کر کے عمل فرمایا اور اسی کا نام تقلید ہے۔ اسی طرح مجمع الزوائد میں روایت ہے :

عن مصعب بن سعد قال : كان أبى اذا صلىٰ فى المسجد تجوّز و أتم الركوع والسجود والصلوة ، واذا صلىٰ فى البيت أطال الركوع والسجود والصلوة ، قلت : يا أبتاه ! اذا صليت فى المسجد تجوزت واذا صليت فى البيت أطلت ، قال : يا بنى ! انا أئمة يقتدى بنا رواه الطبرانى فى الكبير و رجاله رجال الصحيح.

(مجمع الزوائد للهيثمى ج:۱ص:۱۸۲، باب الاقتداء بالسلف بحوالہ "تقلید کی شرعی حیثیت"، ص:۳۷)

حضرت مصعب بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد جب مسجد میں نماز پڑھتے تو رکوع اور سجدہ تو پورا کر لیتے مگر اختصار سے کام لیتے، اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو رکوع، سجدہ اور نماز (کے دوسرے ارکان) طویل فرماتے، میں نے عرض کیا : ابا جان! آپ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو اختصار سے کام لیتے ہیں اور جب گھر میں نماز پڑھتے ہیں تو طویل نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا : بیٹے! ہم (لوگوں کے) امام ہیں، لوگ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ ہمیں طویل نماز پڑھتے دیکھیں گے تو اتنی لمبی نمازیں پڑھنا ضروری سمجھیں گے اور بلا وجہ اس کی پابندی شروع کر دیں گے۔ روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عام لوگ حضراتِ صحابہ کرامؓ کے صرف اقوال ہی کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ بڑے صحابہ کا صرف عمل دیکھ کر اس کی بھی تقلید کی جاتی تھی اور ظاہر ہے عمل دیکھ کر اقتداء کرنے میں دلائل کی تحقیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے یہ حضرات اپنے عمل میں اتنی باریکیوں کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔

مذکورہ دلائل تقلیدِ مطلق کے سلسلے میں ہیں، تقلیدِ شخصی پر بھی دلائل کتبِ حدیث میں جا بجا ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے :

عن عكرمة أن أهل المدينة سالوا ابن عباس عن امرائة طافت ثم حاضت ، قال لهم تنفر قالوا : لا ناخذ بقولك وندع قول زيد. (صحیح البخاری، ج:۱، ص:۲۳۷)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طوافِ فرض کے بعد حائضہ ہوگئی، آپؓ نے فرمایا: وہ جا سکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا : ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے۔

روایتِ مذکورہ سے صراحت کے ساتھ تقلید معین کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان حضرات سے یہ نہیں فرمایا کہ تم تقلید کیلئے ایک شخص کو معین کر کے "گناہ" یا "شرک" کے مرتکب ہو رہے ہو۔ "تقلید شخصی" پر نہایت واضح اور بے غبار دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جو مشکوٰۃ المصابیح، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

عن معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه سلّم لما بعثه الى اليمن، قال: كيف تقضى اذا عرض لك قضاء؟ قال: اقضى بكتاب الله، قال: فان لم تجد فى كتاب الله؟ قال: فبسنّة رسول الله صلى الله عليه و سلّم، قال: فان لم تجد فى سنة رسول الله ولا فى كتاب الله؟ قال: اجتهد رأيى ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه و سلّم صدره، فقال : الحمد لله الذى وفق رسول الله صلى الله عليه و سلّم لما يرضىٰ رسول اللهؐ. (۲)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن بھیجا تو فرمایا: جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپؐ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دونوں میں نہ ملے؟ عرض کیا: اس وقت اپنی رائے سے اجتہاد و استنباط کروں گا اور (حق تک پہنچنے کی کوشش میں) کوتاہی نہیں کروں گا، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرطِ مسرّت سے) حضرت معاذ کے سینے پر اپنا دستِ مبارک مارا اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے اس نے اللہ کے رسول کے اس قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

یہ روایت تقلید و اجتہاد کے مسئلے میں بالکل واضح، صریح اور بے غبار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو نہ صرف یہ کہ اجتہاد مرحمت فرمائی؛ بلکہ اس پر حد درجہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ اب اس روایت کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے اہل یمن کو ان کی "تقلید شخصی" کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس کو ان کیلئے لازم فرما دیا۔

## ضرورتِ تقلید:

اتنے صاف اور واضح دلائل کے باوجود بھی کوئی تقلید کو کفر یا شرک کہے تو یہ اس کی ہٹ دھرمی، ضد اور کج فہمی و بے راہ روی ہی کی دلیل ہوگی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ تقلید کی ضرورت کیا ہے؟ کیوں نہ براہِ راست قرآن و

حدیث کی طرف رجوع کرلیا جائے تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن وحدیث ہی اصل دین اور سرچشمۂ ہدایت ہیں، لیکن قرآن وحدیث میں بعض احکام تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی لکھا پڑھا آدمی سمجھ سکتا ہے جیسے ''ولا یغتب بعضکم بعضاً''(۱) تم میں سے کوئی پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہ کہے۔ آیت کریمہ غیبت کی حرمت کے سلسلے میں بالکل واضح ہے اور بعض احکام وہ ہیں جن میں کوئی ابہام اور اجمال پایا جاتا ہے جیسے ''والمطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلثة قروءٍ''(۲) اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین ''قروء'' گذرنے تک انتظار کریں گی۔

آیتِ مذکورہ میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کی گئی ہے کہ وہ تین ''قروء'' تک انتظار کرے گی اور ''قرء'' کا لفظ عربی زبان میں حیض (ماہواری) اور طہر (پاکی) دونوں معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے، اگر پہلا معنیٰ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض کا گذر جانا ہے اور اگر دوسرا معنیٰ مراد لیا جائے تو تین طہر گذرنے سے عدت پوری ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اس جیسے احکام میں ایک صورت یہ ہے کہ اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کرکے از خود کوئی فیصلہ کرلیں اور اسی پر عمل کریں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ بجائے اپنی بصیرت پر اعتماد کرنے کے یہ دیکھیں کہ ہمارے جلیل القدر اَسلاف نے کیا سمجھا ہے؟ اور اُنہی کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرکے اُسی کے مطابق عمل کرلیا کریں۔

اگر غیر جانب دار ہو کر حقیقت پسندی اور انصاف سے کام لیا جائے تو اَفلاسِ علم کے اس دور میں ہر شخص اسی بات کو بہتر اور احوط سمجھے گا کہ قرآن وسنت کے مختلف التعبیر اور پیچیدہ احکام میں اس مطلب کو اختیار کریں جو ائمہ اسلاف میں سے کسی نے سمجھا ہے، اس لئے کہ علم وفہم، ذکاوت وحافظہ، دین ودیانت اور تقویٰ وپرہیزگاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرونِ اُولیٰ کے علماء سے ہمیں کوئی نسبت ہی نہیں، نیز ائمۂ مجتہدین زمانۂ نزولِ قرآن سے قریب ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ سے براہ راست یا ایک یا دو واسطے سے علوم شرعیہ کو سیکھا اور سمجھا ہے، اس کے برخلاف ہم عہدِ رسالت سے اتنے دور ہیں کہ ہمارے لئے قرآن وحدیث کا مکمل پس منظر، اس کے نزول کے ماحول، اس زمانے کے طرزِ معاشرت اور طرزِ گفتگو کا ہو بہو اور بعینہٖ تصور بڑا مشکل ہے، حالاں کہ کسی بات کو سمجھنے کیلئے ان تمام باتوں کی پوری واقفیت انتہائی ضروری ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ علم وعمل سے کورے فہم وذکاوت سے عاری، دیانت وتقویٰ سے کوسوں دور حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم الفاظ حدیث ہی سے حدیث کے معانی ومفہوم اور اس میں بیان کردہ احکام کو سمجھ لیتے ہیں اللّٰهم اهدهم الی الصواب و نجهم من الزیغ والضلال (۱)

## تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے:

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ تقلید کہاں سے ہے؟ تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت قرآن وحدیث دونوں سے ہے، چناں چہ ارشادِ باری ہے:

فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (۲)

اگر تم اہل علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے اصولی طور پر ہدایت دی ہے کہ جو لوگ علم وتحقیق میں ماہر نہ ہوں وہ اہل علم سے معلوم کرلیں، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ معلوم کرکے بیٹھ جائیں؛ بلکہ مطلب یہی ہے کہ ان کی باتوں کو مانیں اور اسی کا نام تقلید ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

یاایها الذین آمنوا أطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الأمر منكم (۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ''اولوالامر'' کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ ''اولو الامر'' کی بھی اطاعت واجب قرار دی ہے ''اولوالامر'' کی تفسیر بعض حضرات نے ''مسلمان حکام'' سے کی ہے جب کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ''فقہاء'' ہیں اور امام رازیؒ نے اسی تفسیر کو متعدد دلائل کے ذریعے ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس آیت میں ''اولوالامر'' سے ''علماء'' مراد لینا اَولیٰ ہے (۱) تو گویا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان علماء وفقہاء کی اطاعت کریں جو قرآن وسنت کے شارح ہیں۔

اسی طرح کتب حدیث میں بھی ایسی احادیث بہ کثرت موجود ہیں جن میں تقلید واقتداء کا واضح طور پر حکم دیا گیا ہے، چناں چہ ترمذی کی روایت ہے:

عن حذیفةؓ كنا جلوساً عند النبی صلی الله علیه وسلم فقال : انی لا ادری ما بقائی فیكم، فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الیٰ ابی بكر و عمرؓ (۲)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں میں کب تک تمہارے درمیان رہوں، تم میرے بعد دو شخصوں کی اقتداء کرنا اور آپ نے حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیثِ مذکور میں صراحت کے ساتھ آپ نے اقتداء کا حکم دیا ہے اور ''اقتداء'' کا استعمال دینی امور میں ہی کسی کی اطاعت اور پیروی کیلئے استعمال ہوتا ہے، انتظامی امور میں کسی کی اطاعت کو ''اقتداء'' نہیں کہیں گے۔ صحیح بخاری میں حضور اکرمؐ کے مرض وفات کے واقعے میں مذکور ہے:

یقتدی ابوبكر بصلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم والناس مقتدون بصلوٰة ابی بكر (۳)

حضرت ابو بکرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اقتداء کر رہے تھے اور

لوگ حضرت ابو بکرؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔

روایت کے الفاظ ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں دینی معاملے میں اتباع کیلئے لفظ ''اقتداء'' کا استعمال کیا گیا ہے۔

یہ جو کچھ بھی لکھا گیا ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ہے، یہ کوتاہ نفس مضمون تفصیل کا متحمل نہیں ورنہ بے شمار احادیث میں اسی طرح تقلید و اقتداء کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس جیسی واضح روایتوں کے ہوتے ہوئے کس طریقے سے غیر مقلدین اس کو ضلالت و گمراہی یا کفر و شرک سے تعبیر کرتے ہیں، ایسا تو نہیں کہ اپنی آنکھ کی شہتیر پر نظر نہیں جا رہی ہے اور غیروں کی آنکھ کا تنکا سامنے دکھائی دیتا ہے، بہ ظاہر ایسا ہی لگتا ہے۔ اس لئے انہیں اس سلسلے میں کسی پر اعتراض سے پہلے خود اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے، تا کہ امت مسلمہ کے اتحاد کی مالا ٹوٹنے سے بچالیا جائے یا ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے کی فکر کی جائے۔

# علماء اہلسنت والجماعت دیوبند اور عصر ہذا کے معتزلہ کے مابین فاصلہ

## مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی

باسمہ تعالیٰ

محترم و مکرم جناب مولانا محمد فیاض خان صاحب سواتی زید مجدکم و علمکم و عملکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا جواب بھی موصول ہوا، اپنا ماہنامہ نصرت العلوم ارسال فرما کر مجھ پر بہت احسان فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، دین متین کی مزید ہمت و قوت عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ آپ کا جوابی مضمون نہایت وقیع، جاندار اور خصم سے مسکت ہے خصوصاً محمد اکبر شاہ صاحب کی وضاحت بلکہ غلطی کا اعتراف مماتیوں کیلئے پیام مرگ ہے لیکن ہماری سرائیکی کا مقولہ ہے میاں حیا بڈ دن۔

بندہ ایک مضمون روانہ کر رہا ہے اگر مناسب سمجھیں تو اپنے ماہنامہ نصرت العلوم میں شائع فرما دیں، حضرات شیخین کریمین سلمہما اللہ کی خدمت میں تسلیمات اور دعاء کی درخواست۔

فقط والسلام: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

**قارئینِ کرام!** گزارش ہے کہ فرقہ مماتیہ عصر ہذا کے معتزلہ جو کہ عموماً اپنے آپ کو اشاعۃ التوحید والسنۃ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، درجنوں مسائل و عقائد میں علمائے اہلسنّت والجماعت دیوبند سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو علمائے دیوبند کے مسلک میں منسلک رہنے کیلئے اپنی تقریروں، تحریروں اور مجلسوں میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں کیوں کہ اسی نام سے ان کے باطل تفردات اور غلط نظریات کی خوب نشو و نما ہوتی ہے، درحقیقت اسی نام پر جی رہے ہیں حالانکہ اپنے مخصوص عقائد و مسائل کی وجہ سے یہ لوگ علمائے اہل حق کی صراط مستقیم چھوڑ چکے ہیں اور اپنے اکابر کے مسلکِ حقہ کو خیر باد کہہ چکے ہیں اور خود علمائے دیوبند کثر اللہ سوادھم بھی ان جیسے نظریات کے حاملین کو اہلسنّت والجماعت سے خارج کر چکے ہیں اور اتنے سارے

| عقائد علمائے اہلسنت والجماعت دیوبند | عقائد جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ |
|---|---|
| (۱) قبر زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں مردہ جسد کو دفن کیا جاتا ہے، خاک و راکھ شدہ جسد اور پرندوں، درندوں کا خوردہ جسد بھی بالآخر زمین میں جا ملتا ہے الغرض جسد کا مستقر کہلاتا ہے۔ | (۱) زمین کا وہ حصہ جس میں مردہ جسد کو دفن کیا جاتا ہے یہ قبر نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک گڑھا ہے، قبر جسد کے مستقر کو نہیں بلکہ روح کے مستقر کو کہتے ہیں۔ |
| (۲) اس زمین والی قبر میں روح کا اعادہ ہوتا ہے میت کا حساب لیا جاتا ہے تین سوال کئے جاتے ہیں بعد از سوال روح کا جسد کے اجزائے اصلیہ سے تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے جسد رنج وراحت اور دکھ سکھ میں شریک رہتا ہے، خول جسد جس شکل میں بھی مستحیل ہو جائے، مقصد یہ ہے کہ عالم قبر و برزخ کی ساری کارروائی روح اور جسد عنصری دونوں پر وارد ہوتی ہے چونکہ غیب کی چیز ہے اس لئے ہر ایک کو نظر نہیں آتی | (۲) اس زمینی قبر میں روح کا اعادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں حساب و کتاب اور سوال و جواب ہوتا ہے اور نہ ہی روح کا جسد عنصری سے تعلق رہتا ہے اور نہ ہی یہ جسد رنج والم اور دکھ سکھ کو محسوس کرتا ہے، قبروں میں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ جزاء وسزا کی یہ ساری کارروائی روح کے ساتھ ہوتی ہے اور روح کو ایک اور جسد مہیا کیا جاتا ہے اسی پر جزاء وسزا وارد ہوتی ہے۔ |
| (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بمع دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور شریف میں مخصوص قسم کی حیات سے فائز ہیں جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار اقدس پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، آپ بہ نفس نفیس سنتے ہیں اور جواب مرحمت فرماتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا درود وسلام بذریعہ ملائکہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ | (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیائے کرام کو اپنی قبر میں کسی قسم کی حیات حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ان کی ارواح کو ان کی قبروں کے ساتھ کوئی تعلق ہے، عند القبر الشریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سلام کو نہیں سنتے اور نہ ہی دور والا درود شریف آپ کی ذات پاک پر پیش کیا جاتا ہے۔ |
| (۴) قبر شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر امت کے سارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ | (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر عرض اعمال نہیں ہوتا۔ |
| (۵) حضور اکرمؐ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا افضل القربات اور اعظم السعادات میں سے ہے۔ | (۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ |
| (۶) بہت سے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضری دی اور سلام پڑھے۔ | (۶) سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کسی صحابی سے مزار اقدس پر حاضری دینا اور سلام پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ |
| (۷) توسل بذوات الانبیاء والاولیاء ثابت اور جائز ہے۔ | (۷) کسی کی ذات کا وسیلہ دینا ناجائز بلکہ شرک ہے۔ |
| (۸) ہر مسئلہ کی تحقیق میں سلف صالحین کے فہم کو مشعل راہ بنایا جائے۔ قرآن و حدیث کی جو تشریحات اکابر علمائے اہلسنّت والجماعت سے منقول ہیں زیر اعتماد ہیں | (۸) یہ لوگ اپنے مخصوص نظریات کو ثابت کرتے وقت سلف صالحین کی بیان کردہ تشریحات کو پس پشت ڈال کر براہِ راست قرآن وحدیث سے ہی استدلال کرنے لگتے ہیں۔ |
| (۹) فروعی اور غیر ضروری مسائل میں غلو اور تشدد نہیں کرتے ہیں بلکہ اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں۔ | (۹) ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں تشدد اور غلو کرتے ہیں حتیٰ کہ معمولی اختلاف میں شرک و کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ |
| (۱۰) آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں اگر بظاہر تعارض نظر آئے تو سب سے پہلے تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔ | (۱۰) یہ لوگ ظاہری تعارض کو دیکھ کر احادیث صحیحہ کو رد کر دیتے ہیں بلکہ ان کو جھٹلا دیتے ہیں۔ |
| (۱۱) تعویذات قرآنیہ وادعیہ ماثورہ جائز ہیں بشرطیکہ ان کا ادب واحترام قائم رکھا جائے | (۱۱) اشاعۃ التوحید کے بعض نام لیوا تعویذات قرآنیہ کو بھی شرک کہتے ہیں۔ |
| (۱۲) امام مہدی علیہ السلام کی آمد احادیث سے ثابت ہے۔ | (۱۲) اشاعۃ التوحید کے بعض افراد امام مہدی کی آمد کا انکار کرتے ہیں۔ |
| (۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفعِ جسمانی اور قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض حق اور سچ ہے بلکہ ضروریات دین میں سے ہے۔ | (۱۳) بعض مماتی لوگ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو چکے ہیں اور کچھ منکر ہوتے چلے جا رہے ہیں مثلاً ابوالخیر اسدی وغیرہ۔ |
| (۱۴) سیدنا حسینؓ شہید مظلوم ہیں ان پر بغاوت کا الزام بہت بڑی زیادتی ہے | (۱۴) بعض اشاعتی ومماتی حضرت حسینؓ پر بغاوت کا الزام لگانے کا زور لگاتے ہیں۔ |

| | | |
|---|---|---|
| (۱۵) سیدنا یوسف علیہ السلام کا نکاح بی بی زلیخا کے ساتھ تاریخی وتفسیری حیثیت سے ثابت ہے اگرچہ ایسے مسائل میں خاموشی مبنی بر احتیاط ہے۔ | | (۱۵) بعض اشاعتی صرف نکاح کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ زلیخا کو گالیاں دیتے ہیں۔ |
| (۱۶) حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ | | (۱۶) حضرت قاری صاحبؒ کا یہ فیصلہ |
| نے عقیدہ حیات النبیؐ اور سماع النبیؐ کے متعلق جو فیصلہ فرمایا تھا وہ فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق ہے اور ایک سنی مسلمان کیلئے اس کو ماننا ضروری ہے، جو شخص اس شرعی فیصلہ کو نہ مانے وہ سنی دیوبندی نہیں ہے بلکہ مبتدع اور خارج از اہلسنّت ہے۔ | | درست نہیں ہے، اس کو ماننا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ اس فیصلہ سے اور فیصلہ کرنے والے سے رفض کی بو آتی ہے اور اس سے منحرفین کو اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا جسارت نہیں ہے۔ |
| (۱۷) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات قبر کی حدیثیں صحیح ہیں اس طرح ان حضرات کے سماع عند القبر شریف کی حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ | | (۱۷) انبیائے کرامؑ کے حیات وسماع کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ موضوع، جعلی اور من گھڑت ہیں۔ |
| (۱۸) سلامتی کی راہ یہ ہے کہ جمہور علماء کا اتباع کیا جائے۔ | | (۱۸) جمہور زنبور ہے۔ |
| (۱۹) حضور اکرمؐ کی قبر مبارک کی زیارت کے وقت استشفاع جائز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زائر آپؐ سے دعا واستغفار کی درخواست کرے۔ | | (۱۹) استشفاع جائز نہیں ہے۔ |
| (۲۰) جو شخص مدینہ منورہ حضور اکرمؐ کی زیارت کیلئے جارہا ہے تو اس کو یہ پیغام دینا صحیح ہے کہ مزار اطہر پر میری طرف سے سلام عرض کرنا اور اس کو چاہئے کہ زیارت کے وقت سلام پہنچائے۔ | | (۲۰) یہ بھی جائز نہیں ہے۔ |
| (۲۱) احادیث صحیحہ کی روشنی میں حضور اکرمؐ پر جادو کا اثر ہوا جس کی وجہ سے آپ کو جسمانی طور پر تکلیف ہوئی۔ | | (۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے جسمانی اثرات کو بعض اشاعتی علماء نہیں مانتے |
| (۲۲) روضۂ اطہر میں زمین کا جو حصہ حضور اکرمؐ کے جسد اقدس کو مس کئے ہوئے ہے وہ بیت اللہ اور عرش معلیٰ سے افضل ہے۔ | | (۲۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو مس کرنے والا زمین کا وہ حصہ بیت اللہ اور عرش معلیٰ سے افضل نہیں ہے۔ |
| (۲۳) عالم قبر وبرزخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اقدس کا تعلق دنیا والے جسد اطہر سے ہے جبکہ کنہ وحقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور حیات دنیوی کا یہی مطلب ہے یعنی حیات کا تعلق دنیا والے جسد کے ساتھ ہے، ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قبر کو حیات برزخی کہنا بھی صحیح ہے۔ | | (۲۳) عالم برزخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اقدس کو دنیا والے جسد کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے بلکہ جسد اطہر ہر قسم کی حیات سے عاری وخالی ہے ہاں جنت میں نور وکافور کا ایک اور جسد تیار کیا گیا ہے جو کہ دنیا والے جسد کے مشابہ ومشاکل ہے، آپ کی روحِ مبارک کو اس دوسرے جسد میں داخل کر دیا گیا ہے یہ ہے حیات برزخی کا مطلب۔ |
| (۲۴) عالم برزخ زمانے کا نام ہے جو کہ موت سے لے کر قیامت تک کے وقت کو کہا جاتا ہے اور یہ زمانہ سمیت مردے کے ہر مقام کو شامل ہے۔ قبر وبرزخ میں کوئی تضاد ومنافی نہیں ہے بیک وقت ایک چیز پر ہی ان کا اطلاق ہوسکتا ہے یعنی ایک مردہ جسد قبر میں بھی ہے برزخ میں بھی ہے۔ | | (۲۴) برزخ کسی مخصوص مکان کا نام ہے جہاں ارواح رہتی ہیں، برزخ اور قبر میں تضاد اور تنافی ہے ایک سے دوسرے کی نفی ہوجاتی ہے یعنی جو مردہ قبر میں ہے وہ برزخ میں نہیں اور جو برزخ میں ہے وہ قبر میں نہیں۔ |
| (۲۵) مردہ انسان اور اس کا مستقر یعنی قبر درحقیقت عالم برزخ کی چیزیں ہیں اگرچہ دنیا والوں کو نظر آرہی ہے۔ | | (۲۵) مردہ انسان اور اس کی قبر دنیا کی چیزیں ہیں ان کو برزخ کی چیزیں کہنا صحیح نہیں ہے۔ |
| (۲۶) انسان درحقیقت روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کا نام ہے یہی احکام شریعت کا مکلّف اور اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہے، دنیا، قبر اور آخرت کی جزاء اور سزا کا یہ دونوں مورد بنتے ہیں۔ | | (۲۶) انسان صرف روح کو کہتے ہیں جسد عنصری صرف اور صرف آلہ کی حیثیت میں ہے جیسے کہ تلوار، کلہاڑی وغیرہ، اس لئے قبر وبرزخ کی جزاء وسزا میں جسد شامل نہیں ہوتا۔ |

| | | |
|---|---|---|
| (۲۷) حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کی نوم ناقض وضو نہیں ہے۔ | | (۲۷) اہل اشاعت اس خصوصیت کا انکار کرتے ہیں۔ |
| (۲۸) مسلکاً دیوبندی وہ ہے جو "المہند علی المفند" یعنی عقائد علماء دیوبند پر دستخط کرے کیوں کہ یہ کتاب عقائد علمائے دیوبند اہلسنّت والجماعۃ کی دستاویز ہے، اس پر تمام اکابر علمائے دیوبند و اولیائے دیوبند دستخط کر چکے ہیں۔ | | (۲۸) یہ لوگ اس کتاب پر دستخط کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں بلکہ اس کتاب کی حیثیت گرانے کی غرض سے قسم قسم کی باتیں اور شبہات پیدا کرتے ہیں۔ |
| (۲۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور جنت کا باغ ہے۔ | | (۲۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک جنت کا باغ نہیں ہے۔ |

اختلافات وفروق کی موجودگی میں اپنے آپ کو زبردستی دیوبندی کہلوانا اور دیوبند کے نام پر قبضہ جمانا، دھوکہ، تلبیس اور خیانت سے کچھ کم نہیں ہے اب درمیانی فاصلہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

قارئینِ کرام! اتنے سارے طویل وعریض اختلافات کے ہوتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ علمائے دیوبند اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کے نظریات ایک ہی ہیں، بہت بڑی جسارت اور دور از حقیقت بات ہے، فریقین کے یہ عقائد ونظریات بندۂ عاجز نے ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے معلوم کئے ہیں، ایک ایک نظریہ کو ثابت کرنے کی ذمہ داری میرے ذمہ ہے۔

## ملفوظ حکیم الامتؒ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ نماز فجر کے بعد بروز جمعہ اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو قبل از نماز جمعہ اسے دفن کیا جاوے یا بعد نماز جمعہ؟ فرمایا کہ جلد سے جلد دفن کر دینا چاہیے جمعہ کے بعد کا انتظار نہ کیا جاوے۔ عرض کیا اس وجہ سے دیر کرتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد نمازی زیادہ ہوں گے۔ فرمایا مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں بیچاروں کو خبر نہیں دیر کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ عرض کیا کہ یہ بھی سنا ہے کہ جمعہ کے روز جو مر جاتا ہے اس کا حساب قیامت تک فرشتے نہیں لیتے۔ فرمایا اس

حدیث کا صحیح محل یہی ہے مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ یوم جمعہ کی فضیلت ہے نماز جمعہ سے قبل یا بعد کو کوئی دخل نہیں (ملفوظ: ۲۲)

## ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیا روپ:

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کیلئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن وسنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارح نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصر اًبعدَ عصرٍ ملت مسلمہ میں تواتر اور تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد، اجماع وقیاس، صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (Extention) کردی جائے، کہ یورپ کی دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بینکاری، قمار بازی، رقص و سرود، ثقافت و کلچر، زنا کاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساواتِ مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جاسکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہہ و بالا کرنے کے لئے عصر حاضر کے نام نہاد متجد دین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبول عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقادیر اور مصارف میں ردوبدل کرسکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربا تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر ونظر")

## قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت:

اِنہی حضرات کے یارانِ تیز گام منکرین حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے ہی سے امت مسلمہ کا نسخۂ شفاء قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں۔

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۲۶۰) مزید ارشاد ہے کہ قرآن کے یہ متعین معانی ومفاہیم، چند تصورات و رسومات کی لاشیں ہیں، جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ (اسبابِ زوال امت ص ۱۷) مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ "قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ Improve ہوتا (یعنی بدلتا یا بڑھتا) جائے گا۔ (قرآنی فیصلے ص ۲۶۶)

ان کی بدقسمتی یہی ہے کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی مستشرقین ساخت وغیرہ کے دریوزہ گر ہیں۔

## باطنیت کی تجدید:

جن کی اسلام دشمنی کو قرآن کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کرچکا ہے اور دجل و تلبیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے "**ومن الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه**" متجد دین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا۔ جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (فاطمین ۲۹۶ تا ۵۶۷ھ) کی شکل میں اقتدار وعروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد واعمالِ شریعت وسنت کے ساتھ تمسخر و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح اور صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہل حق مقہور و مظلوم اور نااہل و ناہنجار غالب وحاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظتِ دین کیلئے سنتِ خداوندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورثِ اعلیٰ عبید مجوسی یا یہودی تھا۔

# فتنہ تجدد والحاد

## اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

### اکبریت کا نیا روپ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

الحمدللہ کہ قافلۂ اسلام منزل بہ منزل، کو بہ کو عہد سعادت نبوت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرورِ کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت وفلاح کا یہ کبریتِ احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اِس امانت کی حفاظت کیلئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان کچھ عجیب وغریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت وعزیمت اور جہاد وقربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اِس سے بھری پڑی ہے۔ اَربابِ اخلاص ووفا کو کبھی اس راہ میں آگ وخون سے گذرنا پڑا تو کبھی بادِ صرصر وسموم کی تند وتیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کیلئے اُٹھتے رہے۔ بارہا الحاد وزندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخ زیبا کو چھپانے کی ناکام سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اِس رسی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی حفاظ دین کا ظہور کہ اُن ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے جیسا کہ اولین عہدِ سعادت میں رہا ہے "المسحة البیضاء لیلها کنهار"

### دین کی غربت کا عبرتناک زمانہ:

اِس سرزمین (برصغیر پاک وہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ اکبری عہد، دین کی غربت، اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہد اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کیلئے کچھ سبق ہے تو رجال دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک پہنچے میں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جاسکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ وتفنگ، ہمہ گیر تحریکات، منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہین منت ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اکبر کے دین الٰہی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدوخال پر کچھ روشنی پڑسکے۔

### بے دینوں کے بے دین ترجمان:

اور اسلام کے بارے میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا جاسکے جو اس ذلت مغل امپائر کے اس طاغوت اکبر کا نام بطورِ نمونہ (Ideal) پیش کرتے ہیں اور کہا جارہا ہے کہ:

"اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بناء پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا تھا، جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے۔ حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہِ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس ہوسِ اقتدار کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جارہا ہے۔ کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی وکارگزاری شریک بادشاہی باشد (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہوجائیں) (فکر ونظر ص ۴۶۳ ج ۴، اسلام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں کا مذاق اُڑایا جارہا ہے جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے ہمنوا علمائے حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشأۃِ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات وعزائم کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفےٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزومند ہیں۔ وہ کیا حالات ہیں جس نے علمائے حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا؟ کیا دعوت وعزیمت تجدید واحیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جاں نثاری اللہ تعالیٰ کی "سنت ماضیہ" اور "عادت جاریہ" کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم، بے لاگ اور مستند مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۱۰ھ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے "خلیفہ شہادت" کے بعد اپنی

کتاب ''منتخب التواریخ'' میں جمع کر دیئے ہیں جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر احسن گیلانی مرحومؒ نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنا مقالہ ''مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ'' میں سمیٹ دیا ہے۔منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارے میں ہمارا اعتماد مولانا مرحومؒ کے مضمون پر ہے منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دبستان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی ''تزک جہانگیری'' میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتمد ثقہ، امین امام جلیل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقاء تک پہنچایا گیا اور اجتہاد امامت وتشریع اور قانون سازی کے مناصب سے گذرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت ونبوت تو کیا معاذ اللہ الوہیت تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔

## منصبِ اجتہاد:

سب سے پہلے اکبر نے منصبِ اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو اجتہاد اور دینی مسائل میں بنی آدم کی معاشی اور دنیوی سہولتوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان فیصلوں اور احکامات کی پابندی بالکل لازمی اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا مرکزِ ملت قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔
(ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ، منتخب التواریخ ص۲۷۲)

## سلفؒ کی بے حرمتی:

اکبر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمۂ سلف اور مجتہدین امت کی برسر عام توہین وتحقیر کی جانے لگی۔ان پر فقیہ کور خشک ملا اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے، جامد اور متعصب ہونے کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔دربار اکبری کا مایہ ناز ''محقق'' ابوالفضل فقہائے کرام اور مجتہدینِ امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی کفش دوز اور فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں (منتخب التواریخ ص۲۰۰)

## صحابہ کی بے وقعتی:

سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جراءت نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعتِ صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آ گھیرا۔ان کی عظمت وحرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔خاص طور سے خلفائے ثلاثہ، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پر نہیں لایا جا سکتا۔(منتخب التواریخ)

## شان رسالت پر دست درازی:

اب خاکم بدہن شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی باری تھی۔حریم قدس نبوت پر دست درازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضورؐ کے لائے ہوئے احکامات وتعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان وعبادات تک کو رفتارِ زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ ''اسلامی تعلیمات وشعائر'' سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، ائمہ دین اور سلفِ صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو اور لوٹ مار کرنے والے تھے۔ارکانِ اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، جبراً ساقط کئے گئے۔(ص۲۵۱) کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں اعلانیہ نماز پڑھ سکے۔(ص۳۱۵)

## روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق:

اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو تقلیدات کہا جانے لگا۔ص۲۱۶ یعنی غیر معقول باتیں ''روایت پسندی اور دقیانوسیت'' کا ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص۲۱۱۔اگر کسی مسئلہ میں اُسی کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی تو الف ثانی کا یہ محرِّفِ اعظم یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل وحکمت سے ہو۔(ص۳۰۸)

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارے میں مجموعی طور پر بداعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول وفروع پر تیشۂ تحقیق چلایا جانے لگا جس پر خدائی دینِ اسلام کی ساری عمارت استوار تھی۔بقول ملا عبدالقادر بدایوانیؒ۔ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلّف ہونا، تکوین عالم، حشر ونشر وغیرہ کے بارے میں تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔(ص۳۰۷)

پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشقِ سخن بنا کر ہر ایک مسئلہ اور شعار کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ رکن جس سے اسلام کا توڑ ہوتا اسے نص قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل، نا معقول، نو پیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی چیزیں خیال کیا جاتا۔ (ص ۲۵۹)

## نبوت اور اخبار غیب سے انکار:

مصدرِ شریعت اور سر چشمۂ اسلام، نبوتِ کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی یہ مذموم کوششیں بڑھتی رہیں اور بالآخر اجتہاد وامامت کا یہ دعوے دار اور صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی منکر ہوئے اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار کو جھٹلا کر جن، فرشتے، معجزات، تواتر، قرآن اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب وکتاب، ثواب وعذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ (ص ۲۷۳)

## معجزات سے استہزاء:

معجزاتِ نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی یہ انتہاء تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراجِ رسول کی ہنسی اُڑانے لگتا اور کہتا کہ جب میں دوسری ٹانگ اُٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا؟ خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا۔ ہنسی مذاق کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارے میں بھی تھا (ص ۳۱۷)

## شانِ رسالت میں بے حمیتی:

اس گستاخ نے اسی پر اکتفاء نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایوانی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گذرنے لگتے تھے (ص ۲۱۵ ج ۲) یہاں تک کہ غیرت وحمیت سے عاری اس مغل اعظم کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سر عام شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر جگر شق ہو جائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی، اعزاز واکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند سبق پڑھ لو۔ (ص ۲۶۹)

## اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ)

اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کے اضمحلال اور رسالت وعہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کیلئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھال لے اور پرانے دین کے اس ملبہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اُٹھائے کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک (معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو چکی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مؤرخین اس خیال سے اس نے اپنے دین کو ''الٰہی مذہب'' کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت، تشریع وتبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب پورے طور پر وہ ''دین الٰہی'' کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام وشعائر کی بربادی وبیخ کنی میں لگ گیا۔ اعمال وفروع تو کیا عقائد واصول تک نئے رائج کر دیئے اور اس طرح باقاعدہ ایک جدید ملت اور سائنٹفک مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی تدوین وتنقیح کا کام اکیلے اکبر کے بس کا کہاں تھا کہ وہ بے چارہ تھا۔ بہرحال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مابدی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال محققین نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار ونخوت کے پندار میں اکبر مقام ''انا ولا غیری'' پر براجمان ہوئے۔

## اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے:

عقائد واحکام، فروع واصول اور دین کے ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات وتحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح اسلامی تحقیق'' اسلام کا آزادانہ مطالعہ'' سائنٹفک ریسرچ کے لئے قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث وتمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے شہرہ آفاق بیٹے ابو الفضل اور فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود ''اکبر دی گریٹ'' کی ذات اس تشریع وتجدید کی آخری اتھارٹی (Authority) اور قوتِ نافذہ تھی۔ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبد القادر بدایوانی نے تو اکبر کی اس اسلامک ایڈوائزری کونسل کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

(بادشاہ) حکم کرد کہ از مقربان چہل کس بعد چہل تن بہ نشستید وہر کس ہر چہ داند بگوید وہر چہ خواہد پرسد (ص ۳۰۸)

بادشاہ نے حکم دیا کہ مقربین میں سے چالیس چالیس آدمی یکے بعد

دیگرے یکجا بیٹھا کریں اور ہر شخص جو کچھ جانتا ہو اس کا اظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات جو کرنا چاہے کرلیا کرے۔

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح کے شبہات، ہنسی مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا۔ (ص ۳۰۷)

اس تحقیقاتی ٹیکسال میں ابوالفضل کے کئی شاگرد اور اسکالر بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی۔ (ص ۲۵۱)

## تاریخ کی تطہیر:

اِس روشن خیال اور آزاد ریسرچ کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ "تاریخ الفی" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رحلت کو آغاز بنایا گیا ہو۔ (ص ۳۰۶)

اس کا مقصد بظاہر آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ پر عجمی اثرات و دینی تعصب و تصلب اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں۔ ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہوجائے کہ صرف تاریخ پر کیا منحصر پورا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تلبیس کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا (ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو کہتا پھرتا تھا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ص ۲۱۱، گویا عجمی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابل عمل اور غیر معتمد بنادیا، اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم و روایات کی جن جن طریقوں سے حوصلہ افزائی کی گئی ان سے یہ بات حقیقۃً کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الخیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے تھی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ (ص ۲۵۶)

## اکبر کی رواداری کا نتیجہ:

بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس غریب دین کی ساری باتیں مہمل، نامعقول، نوپید اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ روادار اکبر جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب القتل اور راندۂ درگاہ ہوجاتا اور اسے فقیہ (ملا) کا نام رکھ دیا جاتا (ص ۳۳۹) اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے رواداری (جو ہمیشہ سے الحاد و گمراہی کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے) مساوات ادیان اور آزادیٔ رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث اور نصرانیت کو بدلائل بیان کریں اور ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کردیا جائے۔ (ص ۳۰۸)

## فرنگی تہذیب وثقافت اور کلچر:

فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص ۳۱۲، اور یہ تھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی دانشِ فرنگ ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ جشن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و دہش کے مستحق ہوتے (ملاحظہ ہو تذکرہ مجددؒ الف ثانی)

اِس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے، آتش پرستوں نے آکر زرتشتی دین کی حقیقت بیان کی ص ۳۰۸، پھر کیا دیر لگی اس وسیع الظرف روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کیلئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ (ص ۳۰۸)

## سیاست یا الحاد:

ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر گردن سے اسلام کا ربقہ اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ حوصلگیوں کا عالم کیا ہو؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تبرکاً ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور پڑھوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم 'کریا' پر منایا گیا۔ سر، داڑھی، مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوئے (شاندار ماضی ج ۱ ص ۸۹ بحوالہ تزک جہانگیری از مولانا محمد میاںؒ) غیروں سے یہ دریا دلی اکبر کیلئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آج کی اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا خوشنما نام دیں۔

## ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام:

غرض اکبر کی یہ رواداریاں اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹفک

مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور ملتِ جدیدہ کا ظہور ہوا جس نے عقائد واخلاق، سیاست ومعاشرت، تہذیب وتمدن، احکام ومسائل غرضیکہ قدیم ''اسلام'' کے ایک ایک ادنیٰ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان والحفیظ ہندوستان کے اس فتنۂ کبریٰ نے بزعم خود ملت مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کیلئے قوت وسطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

## حلف وفاداری:

اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمۂ شہادت پڑھایا جاتا مؤرخین کی زبانی وہ **لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ** ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس ایمان وشہادت کا مکلف ٹھہرایا جاتا ص ۲۷۳۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اُٹھاتے۔ میں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبرشاہی دین میں داخل ہوتا ہوں۔ ص ۱۱

## تمغے:

اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت فرسودہ روایات کے خول کو توڑ کر آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے دربار ہمایوں سے ''شجرہ'' کے نام سے ایک تمغہ حاصل کر لیتے۔

دینے فروختند وچہ ارزاں فروختند

یہ تمغۂ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانیؒ حامیانِ تجدد کیلئے باعث رشک تھا۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفاشعاروں کو دے دی جاتی جسے وہ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے ص ۳۴۱۔ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور نمائشوں تک محدود ہے)

بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کراتے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے معبود اور الٰہ اکبر کے سامنے سربسجود ہو جاتے ص ۳۲۶۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر اور جل جلالہ کا تبادلہ ہوتا۔ (ص ۳۶۵)

اکبر کی اُفتادِ طبیعت سے اور اکبر کے دین الٰہی پر ایک طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دین اکبری کی بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشن خیالیوں اور شرعی احکام وفروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں شاید دین کے اضمحلال اور اندراس کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں۔ ''ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید'' کہ بے شک اس میں ایک نصیحت ہے سننے اور سمجھنے والوں کیلئے

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

## اکبری عقائد وعبادات:

اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو لگ ہی چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا ص ۲۶۱، آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرنا ص ۱۱۱ اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر جلت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص ۲۶۱، کواکب پرستی بھی کی جانے لگی اور یہاں تک کہ (معاذ اللہ) سورتک کو خدا کا مظہر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے۔ ص ۲۶۱، حشر ونشر اور بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ پر ایمان لایا ص ۲۵۸، اپنے مقربین پر لازم کیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجالائیں ص ۳۱۲، آتش پرستی کیلئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا۔ (ص ۱۱)

یہ اس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیق علم الکلام والعقائد کے چند شہ پارے ہیں جنہیں برعکس نہند نام زنگی کافور، توحید الٰہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل سے اخلاق وکردار، معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل ودانش اور دیانت وشرافت کی دنیا سر پیٹ کر رہ گئی۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

## ریس کورس اور تقاوی سود کی حلت:

سود اور جوا حلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سودی قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کیلئے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (ریس کورس) قائم کیا گیا۔ (ص ۲۴۷)

## شراب حلال ہے:

دربار اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح وتقویت کیلئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غپاڑہ کرنا اور دنگا فساد کرنا

ممنوع ہے۔(ص ۲۴۷)

## محکمہ آبکاری:

ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک دوکان دربار کے سائے میں قائم کی گئی۔نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی۔

## جام صحت:

تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لنڈھائے جاتے، شراب سے ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔دربار اکبری میں تجدد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام ''ملاؤں'' کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔

## شیو:

اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور داڑھی منڈھوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارے میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

## غسل جنابت منسوخ:

دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت سے غسل واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے
(تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۲۷ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

## عائلی قوانین کی اصلاح:

نکاح وطلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لاء میں ردوبدل کیا گیا۔نئے عائلی قوانین کی بعض دفعات یہ تھیں۔

(۱) چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام، کہ میل شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ بیگانوں کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے)

(۲) سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف میشود گویا جو چیز بعد میں ''ساردا ایکٹ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔

(۳) یہ کہہ کہ خدا یکے وزن یکے ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگادی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازواج کا جو غلغلہ ہے اس کا کریڈٹ بھی ''اکبر اعظم'' ہی کو حاصل ہے۔عائلی آرڈیننس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔

(۴) آئسہ عورت (جس کی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔

(۵) مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہمبستری ممنوع ہوگی۔

(۶) شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کر کے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔

(۷) کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔(منتخب التواریخ)

## آزادیٔ نسواں:

پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں۔(ص ۳۹۱)

## مخلوط کلب، زنا اور فحاشی کی ترویج:

ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے کھلم کھلا اجازت دی گئی۔متعہ رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر ''شیطان پورہ'' کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی، جہاں باقاعدہ محافظ پولس اور داروغہ ہوتا۔جس کا جی چاہتا آ کر باہمی رضا ورغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لے جاتا۔ص ۳۹۱، گویا یہ زنا بالرغبت کا ایک ''مخلوط کلب'' ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں۔گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی۔نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے۔کیا صدیوں کی جمی ہوئی یہ تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہر حال تاریکی ہے۔بیسویں صدی کی ہو یا عہد اکبری کی ما اشبه ليلة بالبارحة

## دیگر اصلاحات:

میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا جاتا۔پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا۔اگر تدفین ہوتی تو حکم تھا کہ قبر ایسی بنائی جائے کہ مردہ کے پاؤں مغرب کی طرف اور سر مشرق کی جانب ہو (ص ۳۷۵) یہ دیدہ ودانستہ قبلہ کی توہین مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔چنانچہ اس نے خود اپنی خوابگاہ بھی اسی طرح بنائی تھی۔

## ختنہ پر پابندی:

بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی (ص ۳۷۲) اور پختگی عمر کے بعد بمشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔

## سونا اور ریشم حلال:

مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

## سور اور کتوں سے دلچسپی:

بزعم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کو دیکھنا عبادت سمجھا جاتا ص ۳۵۷، بادشاہ تو بادشاہ، روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے۔ (ص ۳۵۷)

## سگ پرست تہذیب:

آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفتگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جائیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس سگ پرست تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے دین الٰہی کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

## ذبیحۂ گائے پر پابندی:

کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھالیتا خواہ اس کی بیوی کیوں نہ ہوتی حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

## علمائے حق اور مدارسِ دینیہ پر دست اندازی:

یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی مگر ان واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غریب اسلام کیلئے رچایا گیا ہے۔ ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اعضاء کو ایک ایک کر کے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کیلئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اس مقصد کیلئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معاہد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت کی تعلیماتِ ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اور اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کا رہا۔ اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال، اسلامی علوم اور رجال دین کی بے کسی، دینی معاہد کی زبوں حالی اور شعائرِ اسلامی کی بربادی اور تباہی پر ایک نگاہِ عبرت ڈالنا چاہیئے۔ قرآنی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا (ص ۲۳۰)

## عربی زبان سے دشمنی:

دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ظ، ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا۔ ص ۳۰۷، عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہتا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی۔ (تذکرہ مجددؒ مرتبہ: مولانا منظور نعمانی)

## اسلامی علوم کی کسمپرسی:

اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی۔ فقہ و تفسیر اور حدیث پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ ص ۳۲۰، کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے اور اکبر کی اصلاحات اور تجدیدات کی تحسین کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور آج کل کی زبان میں ان کا کام ہی مخالفت اور فساد و انتشار رہ گیا تھا۔ یہ لوگ اکبر کے ''ترقیاتی پروگرام'' میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتارِ زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے۔ اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت، حساب، شعر، تاریخ اور افسانہ رائج و معروض کئے گئے۔ ایک شاہی سرکلر جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر نادرہ غربیہ، نجوم، حساب، طب اور فلسفہ پڑھا کرے ص ۳۶۳، نصاب تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر کے فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ (ص ۲۳۰)

## دینی اداروں پر پابندیاں:

علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

## محکمہ قضاء کا خاتمہ:

بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اسلامی شعائر سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرآن اکبری میں مٹا دیا۔ مکتوبات ج ۱ ص ۱۹۵، قضاء اور حکومت تو بڑی بات جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

## رؤیت ہلال کمیٹی:

عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا تھا۔ (تذکرہ حضرت مجدد ص ۹۴) ایسے ہی ایک موقع پر ابوالفضل، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مجدد روزے سے تھے، ابوالفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد۔

## اوقاف سرکاری تحویل میں:

علماء و مشائخ، ائمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چلی آ رہی تھی ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ ص ۸۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا بدایوانی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہونا تھا کہ ''مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلاوطن کر دیئے گئے'' (منتخب التواریخ ص ۲۷۴)

## حضرت مجددؒ کی شکل میں رحمتِ حق کا ظہور:

دین اور شعائرِ دین کی یہ غربت اور بے کسی تھی کہ یکایک رحمتِ حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصرِ سنت قامعِ بدعت آبروئے مجدد دین دین اللہ کا روشن چراغ اللہ کے دشمنوں پر سیفِ مسلول امام عارف بدر الدین ابوالبرکات مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ احساس کو تڑپا دیا۔ دعوت وعزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی ورود واضطراب، سوز وساز، جہاد دستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت واصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر فقیر بے نوا مگر اقلیم دعوت وعزیمت کا تاجدار اُٹھا اس شان سے کہ

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد ے خودآ گا ہے

اہل حق اور علمائے ربانی کے مرید سرخیل دین ابراہیمی اور ملتِ محمدی کی اس بے کسی پر جتنا رو سکتے تھے۔ روئے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ وشیون سے زمین لرز اُٹھی۔ آسمان تھرا گئے، خوابیدہ ضمیر جاگ اُٹھے۔

## دین کی بے کسی کا ماتم:

مجدد جہاد ودعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا۔ (مکتوب ص ۲۶۱، دفتر اول ص ۳۰۳) اکبری دور میں دین کی بے کسی کا کتنا بھیانک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

''ایک قرن میں اسلام کی غربت اِس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر صرف اس پر راضی نہیں کہ محض کفر کے احکام کا اعلانیہ اسلامی بلاد میں اجراء ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام ومسلمان کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔''

## شاہ ولی اللہ صاحب کا تبصرہ:

ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزندِ جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں اکبر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت وگمراہی کے پھریرے اُڑنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے۔ (شرح رسالہ رد الرفقۃ از تذکرہ مجددؒ ص ۳۰۰)

یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل، وسیع المشرب اور ملت جدیدہ کے بانی دولت مغلیہ کے تاجدار اکبر دی گریٹ کے دین ومذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں زور وشور سے پیٹے گئے کہ آسائش غیر متناعی خلق دراں بود۔

## اکبر کا آئیڈیل پیش کرنے والے:

اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیل پیش کر کے الحاد وتحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں۔

یہ ہے مغل امپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز ہیرو کی ایک ہلکی سے تصویر جسے روشن خیالی اور ترقی پسند سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلے میں اس کے سارے کارناموں کی تائید وتصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح وخیر خواہی کرنے والے علمائے حق کو خود غرض، حریصِ اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے۔ قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی۔ تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے ساتھ محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بٹھا دیا اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق واہل حق کا پھریرا لہرانے لگا۔ آج اکبر کے الٰہی مذہب کا نام ونشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم ودائم ہے **والحق یعلوا ولا یعلیٰ۔ 'ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان له قلب أو القی السمع وهو شهید.**

# تجدد واصلاح کا نعرہ۔ حقیقت کیا ہے؟

## راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس

### ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ'' کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دوچار علمائے حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالم اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم وجدید طبقات کا باہمی تبادلۂ خیال اور عالم اسلام کو درپیش مسائل پر غور وفکر، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابل تحسین قرار پاتا ہے۔ مگر تصویر کا دوسرا رُخ وہ ہے جسے ادارۂ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت، نظریات اور تحقیقی شاہکاروں کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جارہا ہے۔

## عالم اسلام میں قدیم وجدید کا معرکہ:

اِس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جن کو اہم اسلامی اَفکار واَقدار اور مغربی تہذیب واقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اُس کی تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو بچاتے ہوئے قرآن وسنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصر حاضر کے درپیش مسائل کی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کردی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنالیا جائے۔

## مغرب کے بارے میں معتدلانہ راستہ:

اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعت اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بلاتأمل یکسر خیرباد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور متصلب مسلمان کی دورائے نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور بروبحر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت ودفاع کیلئے ترقیاتِ زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علم وفنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم وفنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جاچکا ہے کہ اسلام کے نظریہ یا علمائے حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کردیا جائے۔

## تجدد واصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم:

الغرض تجدد واصلاحِ مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت، تعلیم وتربیت، ذاتی وسیاسی مصالح، مغربی تہذیب وتمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہورہی ہے اور اسلام پر تحقیق وریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مسلمہ طور پر کھل کر سامنے آچکی ہے۔ کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب وتمدن اور لادینی افکار وخیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلانا ہے۔ اِس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار وروایات حائل ہوسکتی ہوں ان میں ترمیم وتنسیخ کی جائے یا اسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔

## آوازۂ تجدید یا تقلید فرنگ:

مختصراً یہ کہ اس طرح حقیقی خدوخال سے محروم ہوکر ملک ومعاشرہ کو

مغرب کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورتِ حال ہے جس سے تجدد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب وافکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبال رو چکے ہیں۔

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید — مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

## علماء اور مسلمانوں کی تشویش:

اور یہی وہ تشویشناک صورتِ حال ہے جس نے دینی اقدار وافکار پر مر مٹنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر حاضرین کے سوادِ اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہل تجدد اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا سامنا اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا جائے نہ کہ حالات کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔

## عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام:

جہاں تک عہد جدید کا تعلق ہے ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اُڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کے بجائے ایئر کنڈیشنز کا استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھر کم مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولڈ اسٹوریج اور ریفریجریٹر کے مشروبات استعمال ہونے لگے، کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لفٹ سے چڑھنے لگیں۔ انسان تیر وسنان کی بجائے توپ وتفنگ اور بندوق وریوالور کی بجائے ایٹم بم ومیزائل پر قادر ہوا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے جوڑ نہیں کھاتا؟ بے شک کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال وجان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو بنیادی ضروریات تھیں عصرِ حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتدادِ زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل وتکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رکھ کر ان مادی ضروریات کے حصول واستفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

## مغربی برائیوں کو عصرِ حاضر کا تقاضا نہیں کہا جا سکتا:

ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم وفنون مراد نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک زہریلے سرطان اور مہلک جذام کی شکل میں پوری انسانیت کا جسم کھائے جا رہی ہے اور آپ اسلام کا جوڑا اس مغربی طرزِ معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں اور زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، جوا، نمائشِ حسن، سیول مریج، (Civil Marriage) گرل اور بوائے فرینڈ، الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود واصول سے بغاوت ہے۔

## اسلام کا جمود وتصلب:

الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود واصول سے بغاوت ہے۔ تو یقین جانئے کہ اسلام اس بارے میں قطعی جامد اور متعصب ہے۔ اس میں ہرگز عصر حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کیلئے ایسے ترقی یافتہ اور مذہب پسند لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تصلب تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کا صرف لیبل اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے جراءت مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیر باد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنایئے مگر اسلام بے چارے کو مشقِ ستم نہ بنایئے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح وبہبود کا اسی نسخۂ شفاء پر انحصار ہے۔ اگر عصر حاضر کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخۂ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کیلئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور استہزاء اور یہ تعصب وعناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہو گی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

## تحقیق وریسرچ کا اصل ہدف:

اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں ہر زمانہ کے حوادث ونوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا

کر دیئے ہیں اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف یہ نہ ہونا چاہئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کیلئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنایئے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کیلئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں، مضاربت اور مشارکت وغیرہ کو زیر بحث لایئے اور انہیں آزمایئے۔ شراب، بے پردگی اور مخلوط معاشرت کو کھینچ تان کر اسے اسلام میں داخل کرانے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچئے، معاشرتی حقوق کی پائمالی، حق تلفی اور ظلم و تعدّی سے بچانے کیلئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعددِ ازواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، عدت وغیرہ میں توڑ مروڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیم، دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظام اقتصاد و اعتدال کو سامنے لا کر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ اور جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نت نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ اور فتوئ سلف کی روشنی میں مخصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے کردار کو کھلی چھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوباتِ شریعت کو بھی ''ویٹو'' کر سکے۔ عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنایئے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں۔ مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہ ہوگا کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیر کائنات بالفاظِ دیگر شکم پروری کی تدبیروں کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیق انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور تعلیماتِ قرآنی کے حقیقی مقصد عبدیتِ خداوندی، حصول و مرضیات الٰہی اور فلاحِ آخرت کو ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں۔ جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف جسم اور پیٹ کی پرورش میں رہ جائے اور تمام اخلاقی و روحانی قدریں پائمال ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی لے سکیں گے اور اس کے تمام مطالبات سے بھی بچ جائیں گے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء کی مثال بمشکل مل سکے گی۔

## ہمارے خدشات کی تائید:

ہم نے مذہب کے تجدد اور اصلاح کی ان کوششوں کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہل تجدد یقیناً اسے سوء ظن، ہماری تنگ نظری اور رجعت پسندی قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارۂ تحقیقات اور اس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارۂ تحقیقات اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریک تجدد اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے ''تحقیقی شاہکار'' بطورِ نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے ہیں کہ ہم ان خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھال کر کون سا اسلام تصنیف کیا جا رہا ہے، یہ تمام ''جواہر پارے'' ادارۂ تحقیقات کے ترجمان مجلّہ فکر و نظر میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین تصنیف ''اسلام'' (مطبوعہ ویڈنفیلڈ اینڈ نکلسن لندن ۱۹۶۶ء) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے :

## ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعض ملحدانہ خیالات:

(۱) قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں (یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ جس شکل میں بھی ظاہر ہوں) اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں سامنے آچکی ہیں۔ نماز، روزہ اور حج میں بھی اسی اصول سے ترمیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔

الف: زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے، اور اگر مروجہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔

ب: اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی۔ اس وقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔

(۲) شریعت اسلامیہ غیر متبدل ہمہ گیر اور ابدی نہیں۔

(۳) وہی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت سے معیار پر پوری اترے۔

(۴) وحی الٰہی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۵) قرآن کریم کے فیصلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوہ، نمونہ اور مثال ہیں۔

(۶) قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور

ہنگامی حیثیت رکھتے تھے۔

(۷) اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ جن میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

(۸) وحی ایک وارداتِ قلبی اور نبیؐ کے شعور کی آواز ہے۔

(۹) جبرئیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔

(۱۱) پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔

(۱۲) معراج ایک افسانہ ہے جو زمانۂ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفعِ مسیح سے مستعار لیا گیا۔

(۱۳) قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

(۱۴) حدیث کا بیشتر ذخیرہ خود ساختہ اور موضوعی ہے۔

(۱۵) اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

(۱۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی۔ پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور یہ بعد کی اختراع و ایجاد ہے۔

(۱۷) سنت نبوی کا اکثر حصہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات لے کر سنت میں داخل کر دی ہیں۔ (ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت اُن تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو اُن کے زعم میں مذکوہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں)

(۱۸) عہدِ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے۔ مطلق سود حرام نہیں۔

(۱۹) صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اور اس کے علاوہ بیئر وغیرہ کی تمام اقسام حلال ہیں۔

(۲۰) نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔

(۲۱) یہی حال شفاعت اور خروجِ مہدی کے عقیدہ کا ہے۔

(۲۲) اسلام کا خلاء مغرب کی رہنمائی سے ہی پر ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقین یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیئے جاتے ہیں۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس کا ہیولیٰ سر سید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طٰہٰ حسین کے اظہارِ معذرت جوزف شاخت اور گولڈ زیہر کی تشکیک و تلبیس اور ولفریڈ اسمتھ (یہودی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ بندی جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدد و اصلاح کے دعوؤں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہل حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے۔ تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

**فإنا لله وانا اليه راجعون، فيا للاسلام ولخيبة المسلمين، اللهم انا نسئلك الثبات والاستقامة والتوفيق والسداد والعافية، والله يقول الحق وهو يهدى السبيل.**

# فتنۂ رفض اور انکارِ صحابہؓ

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک جان نثار جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کا انتخاب کیا جو اپنی جان و مال کو اسلام کی خاطر لٹانے کے لئے ہمہ تن و ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ اِس مقدس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کو دوسروں کیلئے نمونہ اور معیار قرار دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: آمنوا کما آمن الناس (الآیۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشہور یہودی عبداللہ بن سباء اور اس کے بعد اس کی روحانی ذریت نے صحابہ کرام کے تقدس اور تعدیل کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ علمائے امت نے ہر زمانہ میں سبائی ٹولے کے اِن ناپاک عزائم کا بھرپور تعاقب کرتے ہوئے حضراتِ صحابہ کے ناموس کی جنگ لڑی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا ذیل کا یہ مضمون بھی ہے جو دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق میں شائع ہوا۔

## تعدیل صحابہ مدارِ دین ہے:

قدوسیوں کی اِس جماعتِ صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار ونظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر ''اپنوں میں سے بھی اگر کوئی اُٹھ کر ان ستونوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اُسے ملی خودکشی اور اپنے دین و پیغمبر اور اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیر خواہی، اخلاق اور خدا ترسی سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) منافق، سازشی، پالیٹکس، خودغرض یا اقرباء پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب وسنت ان کے ذریعے ہم تک

پہنچی ہے اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام تقدس ثقاہت اور تعدیل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اِسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہئے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام ؐ کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علوِ ہمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم علم و تحقیق یا عناد و تعصب کا تیشہ ان پر ہی چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شافعیؒ (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیرِ مرتبہ شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں؟ تو یہود نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (صحابہ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسول ؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے۔'' کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفان نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین شریعت) تو نہیں ڈوب رہا۔ اور ہماری تحقیق و اکتشاف کی کلہاڑی سے قصر اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہے ہیں؟ **ولا فعل الله ذالک فاعتبروا یا اولی الابصار**

## عظمتِ صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے:

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن و سنت اور دین و شریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اُسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اُن کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اور ہمارے اَسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

## علم و تحقیق کے نام پر:

پس یہ کیسی بدبختی اور شقاوت کی انتہاء ہے کہ آج ہم میں سے ہی بعض نا عاقبت اندیش اور دولت خشیت خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہ جیسی بیش قیمت متاع دین اور ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سرِ بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علمائے حق کا اولین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ شل ہو جانے چاہئے جس کی دست درازیوں سے عثمانِ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو کالم شہیدِ عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت'' **فسیکفیکهم الله**'' کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدؓ دار کی بے کسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد بابِ تحقیق پر خندہ زن ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ **فسیکفیکهم الله وهو السمیع العلیم.**

## اظہارِ براءت:

عظمت صحابہ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں خلافت و ملوکیت کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' کے آرگن بُرہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی فرمائی۔ ندوۃ المصنفین ہمارا ہی ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیرِ شہیر مولانا سعید احمد اکبرآبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحبِ قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کی توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف کی سے براءت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا وعدہ بھی کیا۔

## دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض:

قومی یک جہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنان اقتدار ہے۔ ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یک جہتی، باہمی اتحاد اور حسن معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعت کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ

ساتھ اہل بیتؓ اور ائمہ طہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

## دفاعِ صحابہؓ سنی مسلمانوں کا فریضہ ہے:

ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات، دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کیلئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے، جس کی زد دینی عظمت وتقدس اور دینی افکار ونظریات پر پڑ رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ جن کا وجود دین میں اتھارٹی اور اسوہ کا مقام رکھے۔ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یک جہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ پورے ملک کے سوادِ اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ادارے سے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کیلئے روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سلامیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

## اہل الحاد وفتن کی سینہ زوری:

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت تو کیا کوئی ایک فرد بھی اُٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی نظریہ ''اسلام'' کو للکار سکتا ہے۔ اسے دین اور مذاہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے پورے فکر نظام کو تہ وبالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر علم و مشیخت، مدرسہ و خانقاہ مسجد و مکتب درس وتدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد وتربیت، غرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتے رہتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ جدت اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کیلئے ''ریورس گیر'' سمجھتا ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علمائے حق کو ملائیت کے نام پر پابند طوق وسلاسل کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر وفکر اگست ۱۹۶۷ء) ایک شخص (غلام احمد پرویز) اُٹھ کر اسلام کے پورے ''حدیثی ذخیرہ'' اور پیغمبر کی تشریعی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے مگر اس تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر وتقریر کی قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی دلآزاری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق وریسرچ کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم وافراتفری کے خلاف اگر کوئی آواز اُٹھائی جاتی ہے تو الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

## نبوت کاذبہ کا پرچار:

جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز اوّل سے کافر مرتد اور خارج از اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی زرمبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس دیس میں اس کے خلاف اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا نمائندہ اور مسلمانوں کا خلیفہ اور پاکستان کا مذہبی رہنما بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے گوشواروں میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یکجہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جب کہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے جذباتی اور فدائیانہ لگاؤ تھا۔

## شیعہ معتقدات کا فروغ:

اہل سنت والجماعت (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی فراخ حوصلگی سے غلط فائدہ اُٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے

(۱) شیعہ مسلمانوں کے لئے نصاب تعلیم وتربیت بنانے

(۲) عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب وشتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے

(۳) اور شیعوں کے لئے الگ الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اِن مطالبات کی خاطر میدان کربلا کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی وفطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا سمجھا ہی نہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتر بود کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا۔ جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھ دار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہوگا کہ الگ تھلک رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سلامیت پر ایک کاری ضرب ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے ردعمل کی شکل میں خود شیعوں کیلئے یہ انداز فرق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا رد

عمل پھر تعلیم اور اوقات تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہوسکتا ہے، جس کا تصور بھی ملک وملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔

## سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج:

ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو'دیوانوں کی بڑ' سمجھتے رہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ المناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کردیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر اسکولوں کے ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدعمر فاروقؓ، سید عثمان غنیؓ اور معمارانِ اسلام کے احوال وسوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا۔ جن کی پاکیزہ معیاری سیرت ملک اور معاشرہ کی تشکیل کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کرنے کیلئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے بجا طور پر اہل سنت کو چونکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کیلئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک وملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، یہ کوئی معمولی سانحہ نہیں ہے جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے خیر خواہ صرف نظر کرسکیں۔

## سنی کنونشن:

اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد چند قراردادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی عناد وفساد اور فرقہ وارانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد واتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلآزار مساعی، جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفائے راشدین کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سلامتی کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق۔ ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مٹھی بھر جماعت کی خاطر ملک وملت اس تشتت اور باہمی تقسیم کی متحمل ہوسکتی ہے۔ اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب وشتم اور تبرابازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کرسکتے ہیں۔ جنہیں خلفائے راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

## سنی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی:

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پریس نوٹوں اور آرڈی نینسوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سرراہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں، مگر کسی قسم کا حرف شکایت زبان وقلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔ مگر دوسری طرف فراخدلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہورہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو خنزیروں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہؐ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کرکے مٹائیں، اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی ملت اور امت کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے انکار کی برملا دعوت دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کا (خاکم بدہن) مذاق اُرائیں۔ اطاعت خدا اور رسول کو من مانی معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وحی، نبوت، جبرئیل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسیح کو فسانہ سمجھیں۔ شراب، جوا، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی مقدار میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلاخوف احتساب یہ حق حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلمہ بزرگوں، صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں۔ مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو نہ ایسی حرکات سے ملک وملت کو انتشار وافتراق کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں سے کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر کہیں ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سوادِ اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات وواقعات نے یہ صورت اختیار کرلی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہوگا جنہوں نے اپنے دین وشریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت وترویج اور باطل کی سرکوبی ہی کیلئے تاریخ کی بے مثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم

غالب اکثریت کے رحم وکرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکولر سٹیٹ (Secular State) میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب وسنت اور ان کی وہی تشریح وتعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول وتسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو تو بے دست وپا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ اُن کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبر کی موت، ناعاقبت اندیشی کا بین ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک وملت کی خیر خواہی، دینی ذمہ داری اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بناء پر اس المناک صورت حال کا مکمل جائزہ لیتے رہیں۔

## اختلافی معتقدات پر مبنی کلمۂ اسلام:

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علاحدگی کا مسئلہ اُٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی وملت خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو متنبہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی، اسمبلی میں آواز اُٹھائی گئی، مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علاحدہ علاحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق وانتشار کی نیو ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سوادِ اعظم کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارۂ نصاب ودرسی کتب وزارتِ تعلیم وصوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذۂ اسلامیات جماعت نہم ودہم اسکولوں میں آ گئی، سنی مسلمانوں اور علماء کو بجا طور پر حیرت وتشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمۂ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا۔ شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں **علیٌ ولی الله وصی رسول الله وخلیفة بلا فصل** کے ذریعہ امامت وخلافت کے جھگڑوں کو کلمۂ اسلام کا جز بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا۔ اور ان عقیدوں کے ذریعہ ایمان واسلام ملاحظہ ہو ص ۳۵ مسلک ومشرب کے امتیاز کی لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیارِ اسلام کلمۂ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت وخلافت بلا فصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات وتلمیحات میں کافر قرار دینا ملک وملت کی خیر خواہی ہے۔ ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلہ اسلام کی علامت صرف کلمہ طیبہ ہی رہا ہے۔ اور عہد صحابہؓ خیر القرون میں کلمہ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جوامت مسلم کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابل تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بجبر واکراہ رکھا جا رہا ہے۔ نہایت ناعاقبت اندیشی ہے۔ ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم دین قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریکِ التواء پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ نصاب دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اُٹھی ہے خدارا ملک وملت کی سلامتی کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اُسے بجھا دینے کے اقدامات کرے۔ (مارچ ۷۶ء)

## بریلویت ۔ مختصر تعارف اور خاکہ

یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی پر تاریخ شاہد ہے کہ ان دونوں قوموں نے اسلام کی تعلیماتِ حقہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے میں نہ ماضی میں کبھی گریز کیا اور نہ آج کر رہی ہیں، ان کے اس باطل پسندانہ پُر عناد عمل قبیح کا یہ طبعی نتیجہ تو نکلنا ہی تھا اور وہ نکل رہا ہے کہ علم ودانش سے بے بہرہ دیگر قوموں میں بھی کسی معقول وجہ کے بغیر اسلام دشمنی کا جذبہ اُبھرا، اور وہ بھی یہود ونصاریٰ کی ہمنوا بن گئیں، جس سے اسلام دشمنی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

لیکن قدرت نے اس خیر وشر آمیز دنیا کا دستورِ طبعی یہ ہی قرار دیا ہے کہ ہر شر میں خیر پنہاں کا پہلو اپنے وقت پر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اسلام دشمنی نے بھی اسلام کے بارے میں اس خوش آئند حقیقت کو بین الاقوامی سطح پر طشت از بام کر دیا کہ مخالفین اسلام اپنے اپنے تسلیم کردہ اعتقادی نظام حیات کو چونکہ زندگی کے اکثر وبیشتر گوشوں پر، معقول ومدلل ہدایت ورہنمائی سے یکسر خالی نہیں پاتے بلکہ جہاں رہنمائی ملتی بھی ہے، وہ بھی عقل وشعورِ انسانی کیلئے اطمینان بخش نہیں ہوتی، اس لئے اپنی اس ذلت ناک تہی دستی اور تہی دامنی کو چھپانے اور سلیم الفطرت اربابِ دانش وبینش کی توجہات کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دینے کیلئے یہ معاندین اسلام یا تو خود ساختہ جھوٹی باتیں اسلام کی طرف منسوب کر کے اس کی صداقت وحقانیت کو دبانے یا مٹانے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں اور یا خود مسلمانوں کے جہالت وغربت زدہ طبقات کی جہالت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے، دولت ومناصب، اور معاشی سہولتوں کی فراہمی کا لالچ دے کر، انہیں غیر اسلامی رسوم ورواج کو عین اسلام باور کرانے کی، شرافت واخلاق سے عاری سازشیں برپا کرتے ہیں، جو بذاتِ خود اپنے اعتقادی نظامِ حیات کے بارے میں ان کے فکر افلاس کی ناقابلِ انکار دلیل ہے۔

اسلام کے برخلاف ان کی سازشوں کی داستان بہت طویل ہے لیکن دو عظیم سازشیں گذشتہ صدی کے مسلمانوں کیلئے زبردست مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔

پہلی یہ ہے کہ دولت ومناصب کی بارشیں برسا کر، خود مسلمانوں کے جہالت زدہ طبقے کے ایک دین فروش کو انگریزوں نے اپنی خود ساختہ شیطانی نبوت سے سرفراز کیا، جس کو قادیانیت کے نام سے عالمگیر شہرت دی گئی۔

اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے اسی جہالت وافلاس زدہ طبقے کو قطعاً غیر اسلامی رسوم ورواج کو عین اسلام قرار دینے کی مدعی بنا کر ملک گیر پیمانے پر اس کو ہمہ جہت حکومتی تائیدات سے نوازا گیا۔ جو بریلویت کے نام سے ملک بھی میں متعارف کرائی گئی۔

قادیانیت کی سازش اسلام کے بنیادی ختم نبوت کے عقیدے کے انحراف پر مبنی تھی، جس کے خلاف اسلام ہونے سے، بے علم مسلم عوام بھی بڑی حد تک واقف تھے، اور ساتھ ہی اُس کے عہد آغاز میں ہی حضرات علمائے دیوبند نے بروقت اس فتنے کو پہچان کر، مدعیٔ نبوتِ کاذبہ غلام احمد قادیانی، اور اس کے جاہل پیروکاروں کی تکفیر کا اعلان فرمادیا، جس سے یہ فتنہ زیادہ وسیع پیمانے پر نہیں پھیل سکا۔ پھر اس فتنے کے برگ وبار مزید واضح ہوجانے کے بعد علمائے دیوبند کی جانب سے تکفیر قادیانیت کے اس اعلانِ حق کی پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے عالمی پیمانے پر تائید کی گئی۔

لیکن اسلام کے نام پر، اسلام کے برخلاف، ملک گیر پیمانے پر دشمن اسلام برطانیہ کا برپا کردہ فتنۂ بریلویت نہ صرف زندہ، بلکہ ملت اسلامیہ کی اکثریت کے ضروری دینی علم سے بے بہرہ ہونے کی بناء پر، اس کے زندہ رہنے اور پنپنے کے امکانات بھی قوی تر ہیں، اس لئے علمائے حق نے اس کے دفاع کو اہم ترین دینی فریضہ قرار دے کر ہر دور میں اسکی ادائیگی پورے اہتمام سے کی اور آج تک کر رہے ہیں۔

### بریلوی مسلک کا عوام میں عمومی تعارف:

بانس بریلی ہندوستان کے ایک صوبہ یوپی کا شہر ہے جہاں مولانا احمد رضا خان پیدا ہوئے، انہوں نے ایک مذہب ترتیب دیا اور اپنے پیروؤں کو اس پر چلنے کی وصیت کی:

میرا دین ومذہب جو میری کتاب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصایا شریف)

اسی نسبت سے اس مذہب کو بریلوی مذہب کہتے ہیں۔ بریلویت کا صحیح

تعارف وہ عقائد ونظریات اور افکار و بدعات ہیں جو مولانا احمد رضا خان سے ایک خاکہ مذہب کی صورت میں آگے چلے اور ان کے پیروؤں نے ان کے التزام سے اپنے آپ کو باقی امت سے علاحدہ کانٹوں کی ایک باڑ پر لا کھڑا کیا اور اب تک اسی درخت کے کڑوے پھل امت کے کام ودہن کو تلخ کر رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کے مذہب میں امتیازی مسائل یوں تو بہت ہیں لیکن وہ مرکزی کام جن کے گرد بریلویت کی چکی اب تک گھومتی آئی ہے (۱) تکفیر امت یعنی اپنے مسلک کے سوا باقی کل مسلمانوں کی تکفیر کرنا (۲) انگریزوں کے خلاف اُٹھنے والی ہر تحریکِ آزادی کی مخالفت کرنا (۳) دیہات کے رسم ورواج کو شرعی استناد مہیا کر کے جہلاء کو اپنے ساتھ ملائے رکھنا۔

پس جو لوگ صرف رسم ورواج اور چند بدعات پر کاربند ہیں لیکن دیگر فرقوں کو بھی مسلمان سمجھتے ہیں کافر نہیں کہتے۔ حج کیلئے جائیں تو وہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ایسے لوگ بریلوی ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو افسران ہمیشہ انگریزی حکومت کے ماتحت رہے اور ہر تحریک آزادی کی مخالفت کرتے رہے لیکن اپنے سوا دوسروں کو کافر کہنے کی بریلوی مہم میں شریک نہ ہوئے وہ بھی بریلوی نہیں۔ بریلوی صرف وہی لوگ ہیں جو مولانا احمد رضا خان سے اپنی نسبت جوڑتے ہوئے اپنے سوا باقی سب امت کو کافر سمجھیں۔ انگریزوں کے خلاف اُٹھنے والی تحریکوں کی مخالفت کریں اور جاہلوں کے رسوم ورواج کو شرعی استناد مہیا کر کے بدعات کو پوری قوت سے فروغ دیتے رہیں۔

بریلویت کی حقیقت یہی ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی عددی کثرت جتلانے کیلئے ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے لگے جو دوسروں کو کافر قرار دینے کی رضاخانی کارروائی سے قطعاً متفق نہ تھے مگر گھروں میں عام رسم ورواج کی پابندی اور بدعات کے تلوث کے باعث اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے تھے۔ یہ لوگ بدعتی تو ہوسکتے ہیں لیکن بریلوی نہیں۔ بریلویت کا مدار مولانا احمد رضا خان کی اصولی نسبت پر ہے۔ یہ بریلویوں کی حیلہ سازی ہے کہ وہ غیر بریلوی بدعتیوں کو اپنے ساتھ شامل بتلا کر ان کو بھی، اپنے آپ کو بھی اور عام لوگوں کو بھی بریلوی اکثریت کا مغالطہ دیتے ہیں۔

آیئے بریلویت کے عام تعارف کیلئے کچھ ان مسائل کا جائزہ لیں جو مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروؤں کے حلقوں میں ان کا جماعتی نشان سمجھے جاتے ہیں۔ بریلویت کی دینی جماعتی سرگرمیاں (۱) ختم وایصالِ ثواب (۲) قبور ومزارات (۳) جاہل پیروں اور غیر متشرع فقیروں سے مرعوب رکھنے کی جدوجہد تک مرکوز رہتی ہیں اور بریلویت کا تعارف زیادہ انہیں حلقوں میں ملتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان تین عنوانوں کے تحت بریلوی خدوخال کا جائزہ لیں تاکہ اس روشنی یا اندھیرے میں بریلویت سے کچھ تعارف ہوسکے۔

## ختم اور ایصال ثواب:

مرحومین کو ثواب پہنچانے کا عقیدہ برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب حسب نیت مرحومین کو پہنچتا ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ ثواب پہنچتا ہے اصلی چیزیں نہیں پہنچتی ہیں۔ نہ ان کی خوشبو اور لذت پہنچتی ہے۔ ان چیزوں کو ان کی اصلی شکل میں اگلے جہاں میں بھیجنا کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ ایصالِ ثواب برحق مگر ان چیزوں کا وہاں پہنچنا کہیں ثابت نہیں نہ ان چیزوں کی دنیوی لذت وہاں پہنچتی ہے۔

مگر بریلوی مذہب یہ ہے کہ اصل چیزیں ہی پہنچتی ہیں اس لئے ختم میں وہ ان چیزوں کو خصوصی طور پر شامل کرتے ہیں۔ جو مرحوم کو مطلوب یا مرغوب تھیں۔

## اصل چیزیں ہی بھیج دیا کریں:

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ قبل پرتکلف کھانوں کی فہرست تیار فرمائی اور وصیت کی کہ یہ چیزیں بھیج دیا کریں۔

اعزہ سے اگر بطیّب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز، اگر بھینس کا دودھ ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو، شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی، ارد کی پھریری دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل اور دودھ کا برف۔

آخری وقت میں نیک لوگ توبہ واستغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکر وتلاوت کی فکر ہوتی ہے آخرت کی طرف دھیان ہوتا ہے مگر خانصاحب ہیں کہ اس وقت بھی چٹ پٹے کھانوں کی فہرستیں تیار فرمانے میں مصروف ہیں۔ میر تقی میر نے پرخور کے بارے میں کہا تھا

جب مرے گا وہ بھوک کا روگی      روح تو شاہ کی روٹی میں ہوگی

وصایا شریف میں گیارہویں نمبر پر فقراء کو دینے کی نصیحت آپ پہلے کر آئے ہیں۔ یہ پرتکلف کھانے بھیجنے کی وصیت بارہویں نمبر کی ہے یہاں دوسروں کو بھیجنے کی گفتگو نہیں۔ وہ بات پہلے ہو چکی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔

چنانچہ ایک صاحب بوقت دفن دودھ کا برف خانہ ساز جو وصیت میں

مذکور تھا، قبر پر لے آئے، تاہم یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ دودھ کہاں رکھا گیا، کفن کے ساتھ ہی رکھا گیا یا کسی کونے میں دفن کیا گیا۔ اس واقعہ کو ساٹھ سال ہوگئے مگر آج تک بریلوی مذہب والوں نے اس دودھ کا پتہ نہیں دیا۔

## نیا کفن بھجوانے کی تدبیر:

بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خان ایصالِ ثواب پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اصل چیز کا پہنچنا اور پہنچانا یوں بیان کرتے ہیں:

ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا۔ صبح کو صاحبزادے نے اُٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں۔ تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے۔ لڑکے نے فوراً نیا عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا کہ یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔ رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا کہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے بہت اچھا کیا کفن بھیجا۔ (ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ اول ص ۱۰۶)

یہ ہنسنے کی بات نہیں سوچنے کی بات ہے۔ آپ خود اپنے ضمیر سے فیصلہ لیں کہ والدہ کو کفن بھیجنے کے بعد دادی اور دادا کو کفن نہ بھیج سکنے اور پھر ان سے آگے جو اجداد گذر چکے ہیں ان تک کفن نہ بھیجنے کی کتنی فکر اور تشویش صاحبزادے کو ہوئی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی سوچیں کہ ایک میت کے ساتھ اگر کئی کئی کفن دھر دیئے جائیں تو کہیں یہ کپڑے کو ضائع کرنا تو نہیں ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کفن کے بارے میں کیا نصیحت کی تھی؟ بریلویوں کے اس عقیدے سے اموات واجداد کو فائدہ پہنچے یا نہ، کفن چوروں کو فائدہ ضرور پہنچے گا کہ ایک قبر کھولنے سے انہیں کئی کئی کفن ملنے لگیں گے۔ ایصالِ ثواب برحق ہے مگر اصل چیزوں کا بھیجنا یہ ایک عجیب سی حرکت ہے۔

انتہائی کمزور روایات کے سہارے اس قسم کی نقل وحرکت کسی طرح کارِ تجدید اور لائقِ تحسین نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کے اس ارشاد میں پوری طرح واضح ہے کہ اصل چیزیں وہاں کیسے بھیجی جاسکتی ہیں۔

## قبر میں ذائقے پہنچتے ہیں:

کھانے اور مٹھائیاں جن برتنوں اور خونچوں میں ہوتی ہیں وہ برتن اور خونچے تو مرحومین کو نہیں پہنچتے لیکن بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں سے بھیجی ہوئی لذیذ اور مزیدار چیزوں کے ذائقے وہاں ضرور پہنچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ان لذتوں میں کھو کر پھر ختم کو ہی سارے دین کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ ان کے صوفی ظہیر الحسن صاحب لکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ بالوشاہی، پیڑے، بریانی، زردہ کی دیگیں، نان، قورمہ، فیرنی کے خونچے اُٹھ کر عالم آخرت کو نہیں جاتے بلکہ ان چیزوں کا ذائقہ اور لذت ہی پہنچتی ہے۔ (جوہر تصوف ص ۶۱ مطبوعہ نذیریہ پرنٹنگ ورکس، کراچی)

ظہیر صاحب یہاں ایصالِ ثواب کو یکسر بھول گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقیدے میں نیکیوں کا ثواب نہیں پہنچتا لذتیں اور ذائقے پہنچتے ہیں۔ وہاں لذت پہنچے یا نہ پہنچے، یہاں یہ لوگ کھانے کی چیزوں کا ذکر بڑی لذت سے کرتے ہیں۔ اور عجیب وغریب فہرستیں تیار کرتے رہتے ہیں۔

## قبر میں لذت طلبی کی انتہا:

لذتوں کا عقیدہ بریلویوں کو اس انتہا تک لے گیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تک کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ قبروں میں اس لذت طلبی میں منہمک ہیں۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواجِ مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ اُن کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔

لفظ پیش کئے جانے پر غور کیجئے۔ کس قدر بے حیا تعبیر ہے، انبیاء کی برزخی زندگی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے، قبر میں لذت طلبی کا تصور ان لوگوں کا عجیب عقیدہ ہے۔

جنسی لذتوں کی بات ضمناً آ گئی ہے۔ معاف رکھئے ذکر چٹ پٹے اور لذیذ کھانوں کا ہو رہا تھا جو مولانا احمد رضا خان کا خاص موضوع تھا۔

## وفات کے وقت کھانوں کی فہرست:

مولانا احمد رضا خان نے وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چٹ پٹے کھانوں کی نہایت نفیس فہرست تیار فرمائی تھی۔ اعلیٰ حضرت کا اس دنیا میں یہ آخری کارنامہ تھا۔ دودھ کا برف اس فہرست میں دو مرتبہ لکھا ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ یہ زیادہ مطلوب ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایک صاحب دودھ کا برف دفن کے وقت قبر پر لے آئے تھے۔

اس فہرست میں یہ الفاظ مزید لائقِ توجہ ہیں۔ فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ لفظ بھی بتاتا ہے کہ یہ فہرست بطور تتمہ تھی۔ کھانوں کی اصل فہرست کوئی اور ہوگی اور خدا جانے کتنی لمبی ہوگی۔ سنا ہے بریلوی حضرات اپنے خاص حلقوں میں وہ فہرست بتلاتے ہیں اور اس کی روشنی میں سارے سال کے ختم چلتے ہیں۔

بعد کے بریلوی اس فہرست میں کوئی خاص اضافہ نہ کرسکے تاکہ مولانا

احمد رضا خان ہی ''اعلیٰ حضرت'' رہیں اور کوئی صاحب ان سے بڑے حضرت نہ بن سکیں۔ ظہیر الحسن صاحب کی فہرست میں صرف سات باتیں مذکور ہیں۔ جبکہ اعلیٰ حضرت نے تیرہ شمار فرمائیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ تیرہ کھانوں کی فہرست میں حلوے کا ذکر نہیں۔

## فہرستِ وصیت میں حلوہ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ:

مولانا احمد رضا خان کے ہاں حلوہ ایک مستقل عنوان تھا۔ اس لئے اسے فہرستِ وصایا شریف میں جگہ نہیں دی گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اعلیٰ حضرت موت کی دہشت میں حلوہ کو بھول گئے جب وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے اُرد کی پھریری دال ادرک مع لوازم کو نہیں بھولے تو حلوہ کو کیسے بھول سکتے تھے۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ آپ جس حلوہ کے حلوائی تھے۔ اس کی کچھ تفصیل درکار تھی۔ اس باب میں آپ علیحدہ فرما چکے تھے۔

کیوڑہ وغیرہ شامل کرلیں۔ مصارف میں تخفیف کی نیت نہ ہو۔ (جب صلحاء نے کھایا ہے غرباء نے نہیں تو ظاہر ہے کون خرچ میں تخفیف کی نیت کرے گا۔ انگریزوں سے مدارس کیلئے مالی امداد لینا اور اُن کے معتقدین میں ویسے ہی جائز تھا۔ اسے حلوہ میں صرف کرلیں تو کیا حرج ہے) ہاں خوش ذائقہ کرنے کیلئے اضافہ ہوجائے تو حرج نہیں۔ (راقم الحروف) (مولانا احمد رضا خان) کے ہاں اوراس کے احباب کے ہاں نسخہ مندرجہ ذیل مروج ہے۔

سوجی ۵/ مار، شکر ۱۰/ مار، روغن زرد ۵/ مار، ناریل ۱/ مار، کشمش ۱/ مار، پشتہ ۱/ مار، مغز بادام ۱/ مار الائچی سفید ۶/ چھٹانک، چرونجی ۱/ مار، زعفران ۲/ ماشہ، کیوڑہ نصف بوتل

شکر ۱۰/ مار پر یہ حاشیہ دیا گیا ہے ''برابر کی شکر سے حلوہ میں شیرینی ہلکی ہوتی ہے''

مغز بادام پر یہ حاشیہ کیا گیا ہے ''چار سیر بادام میں سوا سیر مغز نکلتا ہے''

(حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۰۲ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی)

مولانا کے اس ارشاد پر کہ خوش ذائقہ کرنے کیلئے مصارف میں اضافہ ہوجائے تو حرج نہیں۔ ایک حدیث یاد آگئی۔ جسے امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔

**وقال صلی اللہ علیہ وسلم شرار امتي الذين غذوا بالنعيم ونبتت عليهم احسبا معهم وانما همتهم انواع الطعام وانواع اللباس ويتشدقون فى الكلام واوحى الله تعالىٰ إلىٰ موسىٰ عليه السلام اذكر انك ساكن القبر فان ذلك يمنعك من كثير الشهوات وقد اشتد خوف السلف من تناول لذيذ الاطعمة وتمرين النفس عليها ورأوا ان ذلک علامة الشقاوة**

(ترجمہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہوں گے جو نعمتوں میں پلتے رہے اور موٹے تازے بنتے رہے۔ ان کی پوری توجہ طرح طرح کے (خوش ذائقہ) کھانوں اور طرح طرح کے لباس زیب تن کرنے پر لگی رہی اور وہ بات کرنے میں گلے پھاڑتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی ''تو یاد رکھ کہ تو قبر میں آنے والا ہے یہ بات تجھے زیادہ لذتوں سے روکے رکھی گی'' اور سلف صالحین طرح طرح کے لذیذ کھانوں سے اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنانے سے بہت ہی ڈرتے تھے اور بتلاتے تھے کہ یہ کسی انسان کے بدبخت ہونے کی علامت ہے۔

یہ کھانے جب ختم کے عنوان سے لقمہ صلحاء بننے لگیں اور خود صلحاء کی وصیت ہو کہ مصارف میں تخفیف کی نسبت نہ ہو۔ خوش ذائقہ کرنے کیلئے اضافہ ہوتا چلا جائے تو حرج نہیں تو ظاہر ہے غریب بریلویوں پر کیا گذرے گی۔ جن کا مال خوش ذائقہ ہو کر ان کے مولویوں کے پیٹ میں اُترتا جائے گا۔ رضا خانی مذہب کے لوگ ختم کے اتنے دلدادہ ہوگئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کیا۔

## شوقِ ختم میں پیغمبرؐ پر افتراء:

جناب ظہیر الحسن صاحب لکھتے ہیں:

ملا علی قاری نے فتاویٰ جزری میں نقل کیا ہے کہ ایصالِ ثواب سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے وصول کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاریؓ نے اونٹنی کا دودھ، جو کی روٹی اور کچھ کھجوریں لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ، تین بار سورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر دستِ مبارک دعا کیلئے اُٹھائے اور فرمایا کہ خداوند اس کا ثواب میرے فرزند ابراہیم کو پہنچا۔ اس کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ اسے تقسیم کردو۔

ہم یہاں لعنة الله على الكاذبين کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ حدیث ہرگز ہرگز کہیں ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**من كذب عليّ متعمداً فليتبوا مقعده فى النار**

ترجمہ: جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

## حق نفس اور حظ نفس میں فرق:

یہاں ہم ضروری کھانے پینے کی تردید نہیں کررہے۔ یہ زندگی کا حق

ہے جو اسے ملنا چاہئے لیکن حق نفس اور حظ نفس میں فرق ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب اور جناب ظہیر الحسن صاحب ان فہرستوں کے تیار کرنے میں حق نفس نہیں حظ نفس میں مبتلا تھے۔

## سرکارِ بغداد حضرت پیرانِ پیر کی نصیحت:

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

''حظ نفس سے باز رہ۔ نفس کو اس کا حق دینے میں زندگی اور لذت پہنچانے میں ہلاکت ہے۔ اس کا حق کھانے پینے پہننے اور مکان میں ہے۔ اس کا سرور لذتوں اور شہوتوں میں ہے۔'' (الفتح الربانی مجلس ۱۸ ص ۱۲۸)

اہل فقر دوسروں کو ہمیشہ توکل کی نصیحت کرتے ہیں۔ مگر جس شخص نے ایک نیا مذہب بنا رکھا ہو اور لوگوں کو برملا کہے کہ میرے دین و مذہب پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اس سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ حق نفس اور حظ نفس میں فرق کرے۔ حضرت پیرانِ پیر ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اے منافقو! تم توکل کے متعلق محض باتیں بنالینا کافی سمجھتے تھے حالانکہ تمہارے دل مخلوق خدا کو شریک خدا کر بیٹھے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۶۶)

پھر فرماتے ہیں

باز آئے تمہارے مذہب سے اور تمہاری پیروی سے، ہماری راہ تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ ہماری اسی میں سلامتی ہے۔ ہم طریقِ سنت اور توحید واخلاص کے ٹیلے پر رہنا چاہتے ہیں۔ تم بدعت، ریا و نفاق کے خندق میں پڑے ہو۔

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی نصیحت بھی آپ نے سن لی۔ اب مولانا احمد رضا خان کی نصیحت بھی پڑھ لیجئے۔ اہل اللہ اور دوسروں کا فرق ان میں واضح طور پر کھلے گا۔

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ (وصایا شریف ۸)

## سرکارِ ہند حضرت مجدد الف ثانی کی نصیحت:

حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی فرماتے ہیں کہ:

بدعت اندھیروں کو بڑھاتی ہے اور سنت کے نور کو کم کرتی ہے۔ سنت کے کام بدعت کے اندھیروں کو کم کرتے ہیں اور نور بڑھاتے ہیں۔ جو شخص چاہے سنت کا نور بڑھائے، جو چاہے شیطان کی جماعت کو بڑھائے اور جو چاہے اللہ کی فوج میں شامل ہو۔ اس وقت کے صوفی اگر انصاف پر آئیں اور اسلام کی کمزوری اور جھوٹ کا پھیلاؤ دیکھیں تو سنت کے علاوہ کسی چیز میں اپنے پیروں کی پیروی نہ کریں۔ سنت کی اتباع یقیناً نجات دینے والی ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۳)

سنی عقائد اور بریلوی مذہب میں فرق آپ پڑھ چکے ہیں۔ سنی عقیدے کے مطابق اصل چیزیں نہیں ان کے دینے کا ثواب پہنچتا ہے۔ بریلوی مذہب میں قرآن مجید پڑھنے کا تو ثواب پہنچتا ہے لیکن کھانا خود پہنچتا ہے جیسے کہ اصل کفن اس صالحہ کو مل گیا۔

## قرآن مجید پڑھنے کا ثواب:

اس مسئلے میں سنی اور بریلوی دونوں متفق ہیں کہ مرحومین کو قرآن مجید پڑھنے کا ثواب حسب نیت ضرور پہنچتا ہے۔ بریلوی مذہب والے قرآن مجید کے تو ثواب پہنچنے کے قائل ہیں لیکن کھانا یا کفن ان کے ہاں اصل ہی پہنچتے ہیں۔ کھانا پہنچانے کا ان کے ہاں طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ قرآن مجید پڑھا جائے۔ قرآن کریم کا ثواب پہنچے گا لیکن کھانا خود پہنچے گا۔ مولانا احمد رضا خان ایک جگہ لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں اسے فاتحہ کہتے ہیں۔ اولیائے کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔

ثواب کا لفظ اس عبارت میں قرآن مجید کے ساتھ ہے۔ یہ ثواب تنہا بھی پہنچتا ہے اور ان کے ہاں کھانے کے ساتھ بھی۔ یعنی قرآن پڑھنے کا یہ ثواب اور کھانا دونوں مرحوم کو پہنچ جاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان نے یہاں اولیاء اللہ کو مسلمانوں کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔ کیا اولیاء اللہ مسلمان نہیں ہوتے؟ یا مسلمان وہی ہوتا ہے جو بریلویوں کے سوا باقی سب مسلمانوں کو کافر سمجھے۔ ہاں خان صاحب بریلوی نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہاں کونسا عرف مراد ہے اور ایصالِ ثواب کو تعظیماً نذر و نیاز کہنے کی ابتداء اسلام میں کب سے ہوئی؟ کیا بریلوی حضرات اُسے کوئی تاریخی استناد مہیا کرسکیں گے۔

## اہل میت کے کھانے کی شرعی حیثیت:

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنے عزیزوں کو وصیت کی کہ فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلوی مذہب میں اہل میت کو کھانا تیار کرنے اور بھیجنے کی عام ترغیب ہے۔

یہ فاتحہ ہفتہ میں تین دفعہ ہو تو ہر دوسرے دن کرنی ہوگی۔ اعزہ کو خان صاحب کی وفات کا آخر تین دن تک سوگ رہا ہوگا اور ان دنوں میں بھی ان کو کھانوں کی تیاری کرنی پڑی ہوگی۔ اب آیئے دیکھیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں۔

کنا نری الاجتماع الیٰ اہل المیت وصنعة الطعام من النیاحة

ترجمہ: ہم (اصحابِ رسولؐ) اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور ان کے ہاں کھانا تیار کرنے کو جاہلیت کے دور کا ماتم سمجھتے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ ص۱۱۶، ورواہ احمد ایضاً باسناد صحیح کما فی رد المختار جلد ۱ ص ۸۴۲)

نوحہ خوانی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، صحابہ کرام نے اس اجتماع اور کھانے تیار کرنے کو بھی اسی کی فروع میں شمار کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اعزہ ان کھانوں کی تیاری میں لگ جائیں اور دودھ کا برف تک بھیجیں، خود دوسروں کو انہیں کھانا مہیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان پر ایسا حال گذرا ہے کہ خود کھانا تیار کرنا ان کے لئے خاصا گراں ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اصنعو لآل جعفر طعاماً فقد اتاهم ما يشغلهم**

ترجمہ: جعفر کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کرو۔ ان پر ایسی افتاد ہے کہ وہ اسی میں مشغول ہیں۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی ص ۱۵۱)

محدث جلیل ملا علی قاریؒ اس پر لکھتے ہیں۔

**واصطنعاه اهل الميت له لاجل اجتماع الناس عليه بدعة مكروه بل صح عن جرير بن عبدالله رضي الله عنه كنا نعدهٔ من النياحة وهو ظاهر فى التحريم قال الغزالى ويكره الاكل منه قلت هذه اذ لم يكن من مال اليتيم والغائب والافهر حرام بلا خلاف.**

ترجمہ: اور گھر والوں کا لوگوں کے اجماع کیلئے کھانا تیار کرنا بدعت مکروہ ہے۔ بلکہ حضرت جریر سے ثابت ہے کہ میت والوں کی طرف سے کھانا کھلانے کی نوحہ خوانی میں سے سمجھتے تھے اور اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں اس کا کھانا مکروہِ تحریمی ہے۔ یہ تب جب کہ مال یتیم یا کسی غیر حاضر وارث کے مال سے نہ ہو ورنہ یہ بلاخوف حرام ہے۔ (مرقات جلد ۴ ص ۹۶

**ويؤيده ما فى آخر الجنائز من فتح القدير ج ۱ ص ۴۷۳/ حيث قال ويكره اتحاذ الضيانة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة** (فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۵۸۴)

اب آپ ہی سوچیں مولانا احمد رضا خان کے اعزہ پر اسی دن سے سترہ پر تکلف کھانوں کی تیاری کس قدر گراں گذری ہوگی۔ کیا یہی سنت ہے۔ کیا یہی بات نہیں جسے صحابہ کرام دورِ جاہلیت کی بات سمجھتے تھے۔ "أليس منكم رجل رشيد"

## ختم میں ستر ہزار چھوہارے:

اسلام میں ایصالِ ثواب کیلئے چیزوں کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے۔ بریلوی مذہب میں یہاں پر بھی ایک عرف قائم کرلیا گیا۔ مولانا احمد رضا خان کے جو فتاویٰ مولوی عرفان علی صاحب نے مرتب کئے ہیں ان میں یہ مسئلہ سوال وجواب کے طور پر مرقوم ہے۔

مسئلہ ۲: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہئے؟ اگر چھوہاروں پر فاتحہ دی جائے تو کس قدر وزن ہو؟

الجواب: کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں۔ اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔ (عرفان شریعت حصہ اول ص ۳)

جواب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں جواب مذہب اہل سنت کے مطابق ہے کہ کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اور دوسرے حصے میں بریلوی مذہب کا بیان ہے۔ غور کیجئے کہ ایک چھوہارا اگر نصف تولے کا ہو تو بریلویوں کے ہر تیجے میں ۱۰/من، ۳۷/سیر، ۸/چھٹانک چھوہارے ضروری ہوگئے۔ تیجے کے ہر ختم میں اتنے چھوہاروں کی دستیابی کیسے ہوگی اور پھر اتنے چھوہارے کہاں رکھے جائیں گے اور کہاں سمائیں گے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہاں تصریح نہیں کہ یہ ستر ہزار چھوہارے ہی بھیج دینے ہیں یا ان کا ثواب بھیجنا ہے۔ اگر اصل چھوہارے ہی بھیجنے ہیں تو انہیں دفن کرنے میں کیا دقت نہ ہوگی۔ بصورتِ دیگر انہیں کہاں رکھا جائے گا اور کیسے تقسیم کیا جائے گا۔ مختصر مجالس ختم میں تو یہ ستر ہزار چھوہاروں کا مسئلہ خاصی پریشانی میں مبتلا کردے گا۔ اندیشہ ہے کہ رہے سہے لوگ بھی بریلوی مذہب چھوڑ جائیں۔

بریلوی علماء نے اس خطرے کے پیش نظر اب چھوہاروں کو چنوں سے بدل لیا۔ کسی بڑے شخص کا ختم ہو تو ستر ہزار چھوہارے پورے کرلیتے ہیں۔ چھوٹے کا ہو تو ستر ہزار چنوں سے ہی کام چلا لیتے ہیں۔ لیکن چنوں کے ساتھ بتاشے ضرور جمع کرتے ہیں۔

## سوم کے چنے بتاشے:

مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

سوم کے چنے بتاشے کہ بغرضِ مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں یہ اس حکم میں داخل نہیں نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لئے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۱۳۸)

اس سے پتہ چلا کہ صرف ستر ہزار چھوہاروں سے کام نہیں چلتا۔ سوم میں چنے اور بتاشے اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ مولانا کے ہاں جب چنے بتاشوں کے ساتھ مل کر آتے ہیں اور اسی طرح ختم میں انہیں لایا جاتا ہے تو ان کا ستر ہزار چھوہاروں سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ انہیں خواہ مخواہ ستر ہزار چنوں سے بدلنا سعی

بے حاصل ہے۔

## شبِ براءت میں حلوہ:

میت کے سوم پر ستر ہزار چھوہارے اور چنے بتاشے کافی ہیں، لیکن شب براءت پر حلوہ ضروری ہے۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حلوہ سب میتوں کو مرغوب کرتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس کی شب براءت سے تخصیص کیسی؟ پھر یہ سوم میں بھی ہونا چاہئے، لیکن کیا وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے وہاں چھوہاروں اور چنوں بتاشوں پر کفایت کرلی۔

دنیا میں انسانوں کے ذوق مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی میٹھی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور کوئی نمکین اور کچھ دونوں کو۔ بریلوی ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ختم میں وہ چیزیں آگے بھیجی جائیں جو مرحوم کو زیادہ مرغوب تھیں اور دوسری طرف شب براءت کا حلوہ سب پر لازم کرتے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کے مفتی احمد یار صاحب گجراتی لکھتے ہیں

رب فرماتا ہے "**لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون**" شب براءت کا حلوہ اور میت کی فاتحہ اسی کھانے پر کرنا جو میت کو مرغوب تھی، اسی سے مستنبط ہے۔ (نور العرفان ص ۵۱)

**مما تحبون** کا ترجمہ جو تم پسند کرتے ہو کی بجائے یہ کرنا جو مرحوم پسند کرتے تھے۔ عجیب شانِ اجتہاد اور عجیب استدلال ہے اور شب براءت کے حلوے کو اس ضابطہ سے ثابت کرنا کہ حلوہ تمام میتوں کو مرغوب ہوتا ہے عجیب مخبری ہے۔ مولانا احمد رضا خان اسے مردے کی پسند پر یا اپنی پسند پر نہیں چھوڑتے۔ مطلق فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ سب میتوں کو مرغوب ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان اسے پسند کرنے کی اور وجہ لکھتے ہیں۔

## حلوے کے پسند کرنے کی وجہ:

نیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے جیسے زردہ یا حلوہ یا شکر پارہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علیحدہ کردی گئی ہوں۔

سب مجتہدین جمع ہیں، ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اجتہاد کررہے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۲۶)

این خانہ ہمہ آفتاب است

## غذا مرغن اور غیر مرغن میں فرق:

ختم کے موقع پر بڑی اور چھوٹی چیزوں کا فرق، اعلیٰ یا ادنیٰ چیزوں کا فرق، قیمتی اور سستی چیزوں کا فرق کیا اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟

جاہلوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں کھانے پر تکلف اور عمدہ ہوں بریلوی علماء ختم لمبا پڑھتے ہیں اور فاتحہ میں وقفہ طویل کرتے ہیں اور جہاں سادہ دال پکی ہو وہاں نہایت مختصر فاتحہ پر کفایت کرلی جاتی ہے۔ اور طریق کی کیا کوئی شرعی حیثیت بھی ہے یا یہ ختم پڑھنے والوں کا محض اپنا ذوق ہے؟ مولانا احمد رضا خان کی وصیت میں یہ ارشاد بھی ملتا ہے:

فاتحہ میں طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ غذا مرغن ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(المیز ان امام احمد رضا نمبر ص ۳۶۳)

ختم میں غذا مرغن اور غیر مرغن کا فرق کرنا عجیب فقہی مسئلہ ہے یا رضا خانی ذوق ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

## ختم کے بریلوی آداب:

بریلوی لوگوں میں ختم کے جو آداب رائج ہیں ان میں یہ امور نہایت ممتاز ہوتے ہیں۔ (۱) کھانا ختم پڑھنے والے کے آگے رکھا جاتا ہے۔ اس کے بغیر مولوی صاحب کا دل نہیں لگتا۔ (۲) کھانا آگے رکھنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس وقت کھانے کی جو پلیٹ سامنے ہوتی ہے اسے لے جاکر پھر ساری دیگ میں ملاتے ہیں تاکہ پوری دیگ میں ختم شمار ہوجائے۔ (۳) ختم کے کھانے پر برادری، اعزہ و رشتہ دار، ہمسائے اور دوست سب اس طرح بلائے جاتے ہیں جیسے دعوت کی تقریب ہو (۴) کچھ کھانا قبروں پر بھی لے جاتے ہیں جیسے دودھ مولانا احمد رضا خان کی قبر پر لے آئے تھے (۵) ختم ایصالِ ثواب کیلئے کچھ دنوں کی تعیین ہوتی ہے۔ عملی تعیین نہ ہو تو ذکری تعیین ضرور کی جاتی ہیں۔ (۶) اولیائے کرام کو پہنچانے کیلئے خاص خاص کھانے طے کئے جاتے ہیں۔

## کھانا سامنے رکھنا:

بدعتیوں نے ایک حدیث وضع کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو حضورؐ نے کھانے اور دودھ کو سامنے رکھ کر ان پر ختم پڑھا۔ (استغفر اللہ) یہ حدیث بالکل من گھڑت ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ کوئی شیعہ مولوی امداد حسین تھے جنہوں نے حنیف کا لبادہ اوڑھ کر "مسائل ضروریہ خلاصہ مذہب حنفیہ" نامی کتاب لکھی اور اس میں اس قسم کی باتیں درج کردیں اور اپنی مجالس محرم میں کھانے سامنے لاکر ختم پڑھنے کی سند مہیا کردی۔ یہ ایک ایسی زیادتی تھی کہ مولانا احمد رضا خان بھی اس کی تائید نہ کرسکے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ایصالِ ثواب کے لئے کھانا آگے رکھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔

آیئے بریلوی حضرات کے اس سنۃ ضروریہ کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں یہ بریلویت مولانا احمد رضا خان کے نزدیک کہاں تک درست ہے؟ یہاں بڑے واضح الفاظ میں کھانا سامنے رکھنے کو بے کار بات کہا ہے۔

## کھانا آگے رکھنے کو ضروری سمجھنا:

جو چیز بے کار ہو اسے ضروری سمجھنا جہالت ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے ایصالِ ثواب کیلئے دوسرے یا تیسرے دن کی تعیین کو ضروری سمجھنے کے بارے میں لکھا ہے۔

انہی دنوں کی گنتی کو ضروری جاننا جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۰۰)

اس اصول پر ہم کھانا آگے رکھنے کو ضروری جاننے والوں کو بھی اور کچھ تو نہیں جاہل ضرور کہہ سکتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو جہلاء اسے ضروری جانتے ہوں وہ کس جہت میں اسکو ضروری سمجھتے ہوں گے۔ ظاہر ہے وہ اسے شرعی طور پر ہی ضروری سمجھتے ہوں گے۔ یہی بدعت کی حقیقت ہے کہ جو چیز شرع میں نہیں اسے شرع کا حکم سمجھ کر کیا جائے۔

## ختم کے کھانے پر اغنیاء کا جمع ہونا:

جہاں کہیں ختم کی مجلس ہوتی ہے، عزیز رشتہ دار، برادری کے معزز افراد احباب ودوست سب جمع ہوتے ہیں اور جو کھانا ایصالِ ثواب کیلئے تیار کیا گیا تھا اسے دعوت کے طور پر یوں کھا جاتے ہیں جیسے کوئی شادی کی تقریب ہو۔ وہ بریلوی علماء جو یقیناً زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے، خاصے غنی ہوتے ہیں، ختم کا کھانا شیرِ مادر کی طرح ہضم کرتے ہیں اور کبھی نہیں کہتے کہ ایصالِ ثواب صرف فقراء کا حق ہے۔ غنی کو اس کھانے کی اجازت نہیں۔ بلکہ جورو کے الٹا وہابی کہا جاتا ہے۔ کاش یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اس باب میں مولانا احمد رضا خان کا فتویٰ کیا ہے؟

مردہ کا کھانا صرف فقراء کیلئے ہے۔ عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵۳)

مولانا احمد رضا خان کا ایک ہی فتویٰ ہے جس کی بریلوی کھل کر مخالفت کرتے ہیں اور جہاں ختم کی مجلس ہو امیر وغریب سب پہنچ جاتے ہیں اور فقراء ومساکین کا حق کھلے بندوں ہضم کر جاتے ہیں۔

## کھانا قبروں پر لے جانا:

کھانا قبروں پر لے جانا اور وہاں قاریوں اور دوستوں کو کھلانا شریعت میں قطعاً ممنوع تھا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

**یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم.** (ردالمختار ج ۱ ص ۸۴۲)

اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا، پہلے دن تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد اور مختلف موقعوں پر کھانا قبر پر لے جانا اور قرآن خوانی کیلئے دعوت کرنا اور قراء وصلحاء کو ختم قرآن کیلئے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کو یہ بات معلوم تھی لیکن کھل کر نہ فرمایا کہ کھانا قبرستان میں لے جانا درست نہیں، صرف یہ کہا کہ فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا منع ہے۔ معلوم ہوتا ہے بدعتی کھانا قبروں پر بھی رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں

فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا تو ویسا ہی منع ہے جیسے چراغ پر رکھ کر جلانا اور اگر قبر سے جدا رکھیں تو کوئی حرج نہیں۔ (احکام شریعت ج ۱ ص ۷۱)

دیکھئے کس صفائی سے قبرستان میں کھانا لانے کا جواز پیدا کر دیا کہ قبر سے ذرا فاصلے پر رکھیں تو کوئی حرج نہیں۔ پیش نظر رہے کہ خانصاحب خود قبر سے ذرا فاصلے پر ہی ٹھہرتے تھے۔ یہ بریلوی مذہب کی بات تھی جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، علامہ نووی شرح منہاج میں لکھتے ہیں۔

**الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورود العود واطعام الطعام فی الأیام المخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشهر السادس بدعة ممنوعة** (منقول از انوارِ ساطعہ ص ۱۰۵)

ترجمہ: قبروں پر تیسرے دن جمع ہونا گلاب اور عود کی تقسیم، تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں اور ششماہی کے مخصوص دنوں میں (غریبوں کو) کھانا کھلانا بھی بدعت ممنوعہ ہے۔

علامہ نووی کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایصالِ ثواب کیلئے کچھ خاص تاریخوں کی تعیین ہرگز جائز نہیں ہے۔ جہاں تعیین اور پابندی سے ہوگی لوگ اسے ضروری سمجھیں گے اور شریعت پر افتراء ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کے شیخ حضرت علی متقی بدعاتِ تعزیت کی مذمت کرتے ہوئے تیجے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

**ان هذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصاً لیس فیه فرضیة ولا فیه وجوب ولا فیه سنة ولا فیه استحباب ولا فیه منفعة ولا فیه مصلحة فی الدین بل فیه طعن ومذمة وملامة علی السلف حیث لم یبینوا له بل علی النبي صلی الله علیه وسلم حیث ترک حقوق المیت، بل علی الله سبحانه وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعة ... فیکون حراماً لتضمنه هذه الصائح** (ماخوذ از تفہیم المسائل)

ترجمہ: یہ تیسرے دن کا اجتماع نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت بلکہ اس میں سلف پر طعن، مذمت اور ملامت مضمر ہے کہ انہوں نے اسے بیان نہ کیا تھا بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ نے میت کے حقوق بیان نہ کئے تھے۔ (معاذ اللہ)

**ان تخصیص الذکر بوقت لم یرد به الشرع غیر مشروع**
(فتاویٰ شامی ردالمختار جلد ۱ ص ۷۷۷)

ترجمہ: بے شک ذکر کو کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص کرنا، جس کا ثبوت شرع سے نہ ہو ناجائز ہے۔ علامہ برونی جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے بیان کرتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کیلئے خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم تھی۔ وہ مختلف ذاتوں کے مردوں کو مختلف دنوں میں کھانا بھیجنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ہندوؤں کے ہاں مختلف میتوں کے بڑے ختم کے دن مختلف ہوتے ہیں۔ برہمن کیلئے گیارہواں دن، کھتری کیلئے تیرہواں دن، ویش کیلئے جو کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں پندرھواں دن اور شودر جیسی اقوام کیلئے تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ان کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں۔ سرادھ کا کھانا تیار ہوجائے تو اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں۔

جو علماء دنوں کی اس گنتی کو جہالت بھی سمجھیں، پھر بھی اپنے لوگوں کو ہندوؤں کی پیروی سے نہ روکیں، ان کے اس طرزِ عمل کے بارے میں اس کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ عمداً مسلمانوں کے ہاں ہندو تہذیب کے لئے دروازے کھول رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان اقرار کرتے ہیں:

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں۔ جب چاہیں کریں، انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۴۰)

جہاں یہ تعیین عرفی نہ سمجھی جائے لوگ اسے شرعی درجہ دینے لگیں یہاں تک کہ اس کیلئے حدیث وضع ہونے لگیں تو پھر یہ نری جہالت نہ رہے گی، بدعت بھی قرار پائے گی۔ تعیین عرفی نہ رہے گی۔

## اولیائے کرام کیلئے خاص خاص کھانے:

یہ عقیدہ کہ حضرت پیرانِ پیر گیارہویں کے ختم میں کھیر ہی کھانا پسند کرتے تھے، حضرت بو علی قلندرؒ کے لئے ختم میں سہ منی چاہیے، شیخ سدو کے لئے گلگلے چاہئیں، حضرت امام جعفر کیلئے کونڈوں میں حلوہ اور پوریاں ہوں، شاہ مدار کو مالیدہ بھیجنا چاہیئے، فلاں بزرگ کو سری پائے پکا کر ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے۔ یہ ختموں کا کاروبار چلانے والوں کی محض اپنی تخصیصات ہیں جو انہوں نے ذائقے بدلنے کی فطری خواہش سے خود تجویز کر رکھی ہیں۔ شروع میں ایصالِ ثواب کیلئے کہیں کھانوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے بھی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے جن چٹ پٹے کھانوں کی فہرست تیار فرمائی ان کی تخصیص شرع میں کہیں وارد نہ تھی نہ یہ کہیں منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے کبھی کھانوں کی ان انواع کو کہیں طلب کیا ہو۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

بعضے از زناں دروقت اظہار شناعت ایں فعل گویند کہ ما ایں روز ہارا برائے خدا نگاہ می دارم وثواب آں را بہ پیراں می بخشیم اگر دریں امر صادق باشند تعیین از برائے صیام چہ درکار است وتخصیص طعام وتعیین شنیع مختلفہ در افطار برائے چیست (مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۴۱ ص ۱۷)

ترجمہ: بعض عورتیں اس کام کو برا کہنے پر کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب اپنے پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس بات میں سچی ہوں تو روزوں کیلئے ان دنوں کا تعین آخر کس لئے؟ بعض کھانوں کی تخصیص اور افطار میں طرح طرح کے شنیع طریقوں کا تعین کیوں کر ہے؟

## قبور ومزارات:

**الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ، آء الله خیر عما یشرکون اما بعد**

ہر جان کیلئے موت مقدر ہے اور ہر کسی کو ایک دن موت کا پیالہ پینا ہے۔ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اور اس کے کچھ آداب وحالات ہیں۔ اسلامی آداب کے پہلو بہ پہلو بریلوی مذہب کا بھی مطالعہ کیجئے۔

دفن میت کا جو طریق اہل اسلام میں شروع سے چلا آتا ہے نہایت سادہ اور وقت کی مناسبت سے نہایت فطری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**یا علی ثلاثة لا تؤخر (۱) الصلوٰة اذا اتت (۲) والجنازة اذا حضرت (۳) والایم اذا وجدت لها کفوا** (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۶۱)

ترجمہ: اے علی تین موقعوں پر تاخیر نہ کی جائے۔ (۱) نماز کا وقت جب ہوجائے (۲) جنازہ جب حاضر ہوجائے (۳) اور لڑکی کیلئے جب تجھے کفو (برابر کا رشتہ) مل جائے۔

## مولانا احمد رضا خان کی وصیت:

مولانا احمد رضا خان اپنی وصیت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

حامد رضا خان سات مرتبہ اذان دیں، تلقین کرنے والے قبر کے مواجہہ میں تین بار تلقین کریں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک قبر پر مواجہہ میں درود شریف بآوازِ بلند پڑھا جائے اور ممکن ہو سکے تو تین شبانہ روز تک بآوازِ بلند قرآن شریف اور درود شریف پڑھوائے جائیں تاکہ اس نئے مکان میں دل لگ جائے۔ (ماہنامہ المیزان امام رضا نمبر ۳۶۳)

## قبر میں سوال وجواب:

احادیث سے ثابت ہے کہ قبر میں ہر شخص سے یہ تین سوال کئے جاتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے یا آپ کی صورت مبارکہ دکھائی جاتی ہے۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن بریلوی مذہب میں ہے کہ وہاں مرنے والے کے پیر کی آمد ہوتی ہے اور مرید کے بجائے وہی فرشتوں کو جواب دیتا ہے۔

## قبر میں پیر کی آمد کا عقیدہ:

فیوضات فریدیہ میں ہے:

جان لو کہ اپنا شیخ جس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے مرنے کے وقت قبر میں آجاتا ہے اور اپنے مرید کی طرف سے فرشتوں کو حق کے مطابق جواب دیتا ہے اور اسے نجات دلاتا ہے۔ پس ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کامل کو پکڑیں تاکہ شفیع ہوں۔ (فیوضات فریدیہ اُردو ترجمہ فوائد فریدیہ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ معین الادب ڈیرہ غازی خان)

پس جن بریلویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں، انہیں اپنے عقیدے کی اصلاح کرنی چاہئے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں آنا کوئی قطعی بات نہیں۔ خود مولانا احمد رضا خان قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کئے گئے سوال **ماذا کنت تقول فی هذا الرجل** کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ کا پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی۔ (ملفوظات حصہ چہارم ص ۶۹)

## بہائیت:

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبہ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں "**مکاتب المقاطعة العربية لاسرائيل**" کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری

توجہ کی مستحق ہے۔

## غیر اسلامی صیہونی فرقہ:

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ در پردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی وسیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالم اسلامی نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سکریٹری اور برسرپیکار عرب اداروں کو مبارکباد دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارے میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب پریس بہائیت کے بارے میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اُٹھا رہی ہے۔

## مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت:

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ وہ دراصل اِس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکلات اور سامراجی ویہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن، روٹری کلب، لائنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں، فحش جنسی لٹریچر اور استشراق وتحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار واختلاف، سیاسی ضعف واضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون مارنے کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد واعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد:

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰) نے شیعی غلوّ محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد واعمال، اوہام وخرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعوے دار نظام ہدایت وارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد وشرف، انسانی اقدار وشرافت، عقل وفکر کی پختگی، عقیدہ وعمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملغوبہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی ومذہبی اقدار سے باغی اباحیت زدہ انسانوں کے لئے باعثِ کشش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیاء وشرافت، حلال وحرام، جائز وناجائز، عقیدہ اور اوہام، عقل اور سخاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحیت کے مارے ہوئے یہود ونصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور صیہونیت واستعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود ونصاریٰ مشرق کی مجوسی اور مریض ذہنیتوں کا مرکزِ نظر بن گیا۔ اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر کا اعتراف ہے کہ:

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی ادبی انجمنوں نے اس کے اصول وضوابط کے استحکام وفروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول وضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدۃ الشرعیۃ۔ ص ۲۵۰)

## استعماری مقاصد کا آلہ کار:

پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومتِ مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صیہونی تصویر آ گئی تو وہاں کے محکمہ قضاء یہاں تک کہ پارلیامنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پرامن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

## اسلامی حکومتوں کا فرض:

اب جب کہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے

شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نقاب کشائی کی تفصیل میں جاتے) تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرت ملی، حمیت دینی اور قومی سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

## فری مینس روٹری اور لائنز کلب:

عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری مینس روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵/جولائی ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے قرارداد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے لاعلمی کا اظہار کیا، مگر اب جب کہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کیلئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارے میں نظر ثانی کرنی چاہئے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کیلئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم کر رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف عمل ہیں۔

**(11)**

# متجددین اور منکرین حدیث کا جاہلانہ تصور نبوت:

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیث کا ہے۔

## منصب رسالت:

قرآن کریم کا اول تا آخر سنت نبوی کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسول کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلم اور مربی بھی ہیں، شارح کتاب اللہ بھی اور تمام امت کے پیشوا اور نمونہ تقلید بھی۔ وہ رسول کی اتباع اور اطاعت کو محبتِ خداوندی اور یومِ آخرت کی امیدواری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کے اقوال وافعال کو اپنا اسوۂ حسنہ نہ بنانے والون کو کافرین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسول کا کام صرف کتاب پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تفسیر و تلبین بھی آپ کے فریضۂ نبوت میں شامل اور منصب رسالت کا تقاضا ہے کہ وہ جگہ جگہ رسولؐ کو بحیثیتِ شارع پیش کر کے انہیں تشریعی اختیارات (Legislative Powers) دیتا ہے اور کبھی مختلف پیرایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسول کریم اللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم، فرمانروا اور قاضی (جج) ہیں۔ وہ ربِّ رسول کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل وجان سے تیرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دیں ہرگز یہ مومن نہیں ہو سکتے۔ تیری مرضی کے فیصلہ سے انکار تو کیا اگر انہیں اپنے دلوں میں ذرا سی بھی تنگی محسوس ہو جائے تو یہ چیز متاعِ ایمان کے ضیاع اور دین واسلام کی بربادی کا سبب ہوگی۔ مومنین کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑتے چلے آئیں اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (النور ۵۱) رہے کافر اور منافقین تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے مواقع پر رسولؐ سے کنی کتراتے (النساء ۶) وہی قرآن جس کی آڑ لے کر آج دین اور ملت اسلامیہ پر شب خون کرنے والے یلغار کر رہے ہیں، اسی کتاب مبین کا اعلان ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار، خدا اور اس کی کتاب سے انکار ہے۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان، اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ، اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشاء اور اس کا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر کا اٹل قانون ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج فہمیوں کا ماتم کن الفاظ سے کیا جائے جو قرآن کا نام لے کر رسولِ اولین وآخرین سے یہ سارے مناصب (خاکم بدہن) چھین لینا چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے، رسول کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے ارشادات اور تشریحاتِ قرآن کو شریعت کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قانون کا ماخذ سمجھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سنت کا دوسرا ماخذ قانون Sourse of law ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے، اسلام اور رسول اسلام کی ذاتِ اقدس سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور تفسیر کو قرآن کریم کے احکام اور اصطلاحات سے الگ کر دیا جائے گا، تو اسلام اور قرآن کی من مانی

تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا، قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس طرح کے بے شمار فرقِ باطلہ میں یہ چیزیں آپ کو قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی، خواہ یہ لوگ دعویٰ حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا اعلانیہ انکار۔

## سنت رسول اور مستشرقین اور تجدد زدہ طبقہ:

پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور مسلمانوں کے تجدد زدہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر سنت رسول ہی رہا۔ کبھی کھلے الفاظ میں اسے نشانۂ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کرنے کی شکل میں ہمارے ہاں کے تجدد زدہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی وفکری قوتوں کو خدا اور رسولؐ کی مرضیات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور نہ مجبوری اور مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مساعی کا تعلق بھی زیادہ تر سنت رسول کی تشریعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے بیشتر وغیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق وریسرچ ہے۔ ہمیشہ سنت نبویؐ کے مصداق اور اس کی اہمیت واستنادی حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیث رسولؐ سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

## سنت اور حدیث کے بارے میں منافقانہ کردار:

اور کچھ لوگ اعلانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بناء پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس ''طرزِ تحقیق'' کا سہرا سوائے عالم یہودی مستشرق پروفیسر جوزف ساخت کے سر پر ہے۔ اور ہمارے اس نظریہ کے فروغ واشاعت کا فریضہ ان کے وفا شعار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کے ہمنوا جماعت بجالا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسدانہ اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنت رسولؐ کو سنگ گراں سمجھ کر اسے راستہ سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

## نظریہ سنت جاریہ وغیر جاریہ:

مگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نظریہ سنت جاریہ وغیر جاریہ وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ ہر قسم کی رندی اور عیاری پر تقویٰ اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمٰن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ سنت درحقیقت ایک تعاملی اصطلاح ہے۔ جس کی تشکیل آزاد شخصی رائے سے ہوتی ہے۔ اور عوام الناس یا رائے عامہ کے قبول کرنے کے بعد وہی چیز سنت بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی ''اجماع'' ہے۔ جس کو وہ ''آزاد اجماع'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنت نبوی کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے۔ ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور اس تعاملی اصطلاح کو جاری رکھنے کیلئے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام سنت جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی سنت کو سنت غیر جاریہ (مردہ سنت، معاذ اللہ) قرار دیتے ہیں۔ جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب وسنت اور تعلیماتِ شریعت میں اتنی توسیع کر دی جائے کہ جدید تہذیب وتمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سما جاسکیں۔

## پرویزی نظریہ سے مہلک:

تحریف وتلبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودھویں صدی کی یہ تحقیق منکرینِ حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے فضل الرحمٰن کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ انکارِ حدیث سے دوسری جماعت کی براءت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمٰن یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر پرویزی نظریہ کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی اندازِ فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصر اسلام کو خاکم بدہن جلد از جلد پیوند خاک دیکھنا چاہتے ہیں (**ولا فعل الله كذالك**) یہ لوگ اپنے مقصد کیلئے چور اور منافق بن کر در پردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دوٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کے کھلے ارتداد اور کفر صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح نفاق وتلبیس کا راستہ اختیار کرے تو آج ہی یہ دونوں مکتب فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتب فکر میں میدان الحاد وتجدد کی سیادت وقیادت کا جذبہ بھی کار فرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا رقیب اور حریف بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ فرق باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریقِ کار، اندازِ بیان اور تعبیرات میں فرق ہے۔

## آزاد اجماع اور شخصی رائے:

چودھویں صدی کے اباحیت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کیلئے مستشرقین یورپ، ہمارے ہاں کے اہل تجدد اور اسلام کے تعمیر نو New

contruction کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ ہوس زدہ عوام کی اکثریت اور دین سے عموماً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنت جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش و منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکا یک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

## عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟

اگر اس آزاد اجماع اور شخصی رائے کو احکام شرعیہ کا ماٗخذ اور سنن جاریہ مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سنیما، بے پردگی، فحاشی، سود بینکنگ، جوا، الغرض یورپ کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے مخالف کہہ سکے۔ کل اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی 'سنت جاریہ' سوشلزم کو پسند کر کے، پرسوں کیمونزم یا کیپٹل ازم اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگالے تو ان میں سے ہر چیز کو سنتِ نبوی کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ **والعیاذ باللہ**

ذرا اور گہرائی میں جایئے تو نتیجہ کے لحاظ سے ''سنت اور حدیث'' سے تلاعب اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھا ہو جاتی ہیں کہ ''اطاعت رسول'' اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے جو رسول اور اس کی سنت کو حاصل ہے۔ البتہ پرویزی مکتب فکر میں اس کی تعبیر مرکز ملت کے نام سے کی جاتی ہے اور متجددین کے ہاں زندہ اور مردہ سنت سے اور کبھی آزاد اجماع اور اجتہاد کی آڑ میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیامنٹ (مقننہ، اگر اسے اسلامی نقطہ نظر سے مقننہ کہنا جائز بھی ہو) کو ہر قسم کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے۔ خواہ ان فیصلوں کا مقصد کتاب وسنت اور اس کے منصوص احکام کو ''ویٹو'' کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے پچھلے تمام اجماعی مسائل کا توڑ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

## جمہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارے میں صدر ایوب کے غلط خیالات:

پھر اس غلط اور خطرناک تصور اجماع کا پروپیگنڈہ اس زور شور سے کیا گیا کہ بدقسمتی سے اور تو اور ہمارے قابل احترام صدرِ مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب ''فرینڈز ناٹ ماسٹر'' کے گیارھوں باب ''آئین اور نظریۂ حیات'' میں انہوں نے اجماع کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطۂ حیات کی تشکیل میں صدرِ محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات سے مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب وسنت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کیلئے جو اہلیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواصِ امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدرِ محترم کے خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پائمالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانہ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

## ملائیت پر پاپائیت نہیں:

حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں علماء اور ملا کسی خاص رنگ یا نسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم ونسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق قوم وپیشہ، کتاب وسنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم وفہم حاصل کر کے عالم بن کر منصب وراثت ونبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ ونسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصبِ جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتی ہے۔ تو پھر یہ معاملہ ''ملا'' کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم 'ملا' کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعبیر وترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کیلئے کتاب وسنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

## جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے:

بے شک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب وسنت اور خدا اور رسول کی مرضی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

## اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے:

جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجینئر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجینئرنگ کی معمولی شد بد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلہ اور بنگلہ جیسے بھاری بھرکم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جمہوریت پروری نہیں، بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجئے۔ لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر پھاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ملک کے ہر شخص کو جاں بلب مریضوں کے آپریشن کا حق اس لئے دیا جا سکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پائمالی ہوگی؟ نہیں۔ بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت، تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے ہر شہری کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین اور عدالتی نظام سے معمولی آگاہی بھی نہ رکھتا ہو یہ حق دیا جا سکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا پورے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے وکالت کا اختیار دیا جائے۔ پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کیلئے مخصوص شرائط، قیودات، اور خاص قسم کی قابلیت اور اہلیت کے التزام کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھی جائے؟

## اجتہاد اور اجماع:

پس بلاشبہ شریعت نے ہر کس و ناکس کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اُٹھائے گئے آزاد اجماع کا وہ دین کا اصل قرار دیا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہوگا جو خداترسی، تقویٰ، خشیت، فراستِ ایمانی، بصیرتِ ذہنی، جذبۂ خیرخواہی اور حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل اجماع اور عبقری شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب وعناد، جہل، خودغرضی اور خواہشاتِ نفسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسول اور عہد صحابہ و تابعین سے کوئی قوی سند بھی موجود ہو۔ ایسے ہی لوگ اجتہاد واستنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق ''اجماع'' قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ مگر افسوس! کہ واقعی صدیاں ہوئیں کہ وہ کنجی گم ہو چکی ہے جسے لے کر ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ احمد بن حنبل اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔

اب انہیں ڈھونڈھو چراغِ رخِ زیبا لے کر

## خلاصۂ بحث:

بہرحال تقدیر اسلام کی نظر میں اصل اطاعت، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصلی مقام کتاب وسنت اور اس کے مستنبط احکام واصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیامنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اِس ''اجماعِ ضلالت'' کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کا اعلان واشاعت کرتی رہے گی۔ مجموعی امت گمراہی پر حسب بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (**لا تجتمع امتی علی الضلالة**) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی۔ بنابریں نہ تو مرکز ملت یا قوتِ حاکمہ کو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنتِ جاریہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا بالرضاء جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیامنٹ کے فیصلوں کو ''اجماع'' قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جا سکتا ہے۔ نہ ان میں توسیع و ترمیم ہو سکتی ہے اور جس طرح کتاب سے مراد وہی قرآن ہوگا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ مانتی چلی آ رہی ہے۔ اِسی طرح سنتِ اجماع اور اجتہاد کے وہی معنی قابل قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آ رہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریف و تبدیلی اور ظلی بروزی کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے۔ اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب وسنت، اجماع واجتہاد کو اپنے اصلی معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین ہے اور اس کو دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا، جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

# قادیانیت: تاریخ وعقائد

مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی (بانی قادیانیت) نے ۱۸۸۰ء میں اپنی علمی ومذہبی زندگی کا آغاز کیا، اور اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جس کے دوران اس نے اپنے بارے میں مامور اور ملہم من اللہ، اور مجدد ہونے کے دعوے کیے اور اپنے کو ہمدرد اور خادم اسلام کی حیثیت سے پیش کیا تو اچھی خاصی شہرت اس کو حاصل ہو گئی حتیٰ کہ کچھ لوگ اس سے بیعت لینے کو کہنے لگے (حالانکہ مرزا نہ کسی شیخِ طریقت کا مرید تھا اور نہ کسی شیخِ کامل سے اس کو اجازتِ بیعت ملی ہوئی تھی)

## بیعت لینے سے انکار:

جب بھی اس کے سامنے بیعت کا تذکرہ آتا تو وہ انکار کر دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ:

انسان کو خود سعی ومحنت کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**۔ اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔ (سیرت المہدی حصہ اول: ص/۱۷۲)

## بیعت لینے کا اعلان:

لیکن پھر یکم دسمبر ۱۸۸۹ء کو اس نے اعلان کر دیا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے اور ایک جماعت تیار کرنے کا حکم دیا ہے''۔

## بیعت لینے کا آغاز لدھیانہ میں:

اس اعلان کے بعد ۲۳/مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۰/رجب ۱۳۰۶ھ کو مرزا قادیانی نے لدھیانہ میں عام بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

## تاخیر کی وجہ:

اس اعلان کے فوراً بعد بیعت لینے کا سلسلہ اس لیے شروع نہیں کیا کہ مولوی نورالدین سے مرزا قادیانی نے وعدہ کر رکھا تھا کہ سب سے پہلے اس سے بیعت لے گا۔ اور وہ اس وقت بحیثیت سرکاری طبیب کشمیر میں مقیم تھا (مجدد اعظم: ص/۲۱۵)

بہر حال ۲۳/مارچ ۱۸۸۹ء کو کل چالیس اشخاص نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور بقول مرزائیوں کے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بنیاد پڑی جس کے ذریعہ مرزا احمد کے مریدوں کی ایک جماعت بنتی چلی گئی۔

## قادیانیوں کے چند عقائد:

☆ مسیح موعود اِس امت کے تمام گذشتہ اولیاء سے افضل ہیں۔

☆ مسیح موعود میں خدا نے تمام انبیاء کے صفات اور فضائل جمع کر دیئے ہیں۔

☆ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

☆ مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہئے۔

☆ امت محمدیہ کا مسیح اور اسرائیلی مسیح دو الگ الگ شخص ہیں۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی حقیقی مردہ زندہ نہیں کیا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسم عنصر کے ساتھ نہیں ہوا۔

خدا کی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منقطع نہیں ہوئی۔

(دستخط مرزا غلام احمد)

شمولہ مسل فوجداری بعدالت رائے چند دلائل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور ص/۵۰۰، ۵۰۱، تعزیرات ہند، بحوالہ تازیانہ عبرت ص/۱۱۵، ۱۱۶، از رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل کریم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ)

یہ فہرست ایک مقدمہ کے دوران ایک خاص ضرورت کے تحت مرزا قادیانی اور اس کے معاونین نے مل کر مرتب کر کے عدالت میں پیش کی تھی لیکن یہ اس کے تمام عقائد ودعاوی کا بوجھ نہیں ہے، ان کے علاوہ مرزا قادیانی کے اور بھی بہت سے غیر اسلامی عقائد ہیں جو قادیانی لٹریچر میں جا بجا مذکور ہیں۔ بطور نمونہ کے چند عقائد مع عبارتوں کے یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

## مرزا قادیانی کے کچھ اور عقائد باطلہ:

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں ہیں بلکہ آپ کے بعد مرزا قادیانی حقیقی نبی اور خاتم النبیین ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے: ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا، مبارک ہیں وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں، اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں، بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیوں کہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح، خزائن: ص/۶۱/۱۹)

مرزا بشیر الدین محمود قادیانی لکھتا ہے:

پس شریعتِ اسلام نبی کے جو معنی بیان کرتی ہے اُس کے معنی سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ: ص/۱۷۴، از مرزا محمود قادیانی)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہیں اور دوسری بعثت اقویٰ واکمل ہے۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے: **و اعلم ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کما بعث فی الالف الخامس کذالک بعث فی آخر الالف السادس باتخاذہ بروز المسیح الموعود.... بل الحق ان روحانیتہ علیہ السلام کان فی آخر الالف السادس اعنی فی ھذہ الایام اشد وا قویٰ و اکمل من تکل الاغوا بل کالبدر التام**۔ (خطبہ الہامیہ: ص/۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ج/۱۶)

**ترجمہ از مرزا:** اور جان کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے، ایسا ہی مسیح موعود (مرزا قادیانی از ناقل) کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے بل کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔

## قادیانیت نبوتِ محمدی کیخلاف ایک سازش، ارباب فکرونظر کا فیصلہ:

لیکن اربابِ فکر ونظر کا فیصلہ یہ ہے کہ قادیانیت محض ایک فرقہ نہیں ہے بل کہ یہ فتنہ اسلامی تاریخ کا سب سے خطرناک فتنہ ہے، کیوں کہ قادیانیت ایک مستقل دین اور متوازی امت کی دعوت ہے، یہاں پورا دینی نظام ترتیب دیا گیا ہے شعائر کے مقابلہ میں شعائر، مقدسات کے مقابلہ میں مقدسات، مرکز کے مقابلہ کے مقابلہ میں مرکز، قبلہ کے مقابلہ میں قبلہ، محبت کی جگہ محبت، عظمت کی جگہ عظمت، ایک طریق فکر واستدلال کی جگہ پر اسلامی تقویم کے قمری وہجری مہینوں کے مقابلہ میں مہینوں کے نئے نام رکھے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔

(ماخوذ از تقریر حضرت مولانا علی میاں صاحب)

## ڈاکٹر اقبال مرحوم کا تجزیہ:

اس موقع پر ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کا تحقیقی تجزیہ بھی قابل مطالعہ ہے وہ فرماتے ہیں:

اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت اور الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان، اور رسول کریم کی ختم رسالت پر ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہِ امتیاز اور حدفاصل اور اس ازم کے لیے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں مثلاً برہموسماج خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیائے کرام کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو نہیں مانتے جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حدفاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔

## مسلمان امام کے پیچھے قادیانیوں کی نماز جائز نہیں:

مرزا بشیر الدین محمود قادیانی لکھتا ہے ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔ اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیوں کہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ (انوار خلافت: ص/۹۰، مؤلفہ مرزا محمود قادیانی)

بحالت اسلام مسلمانوں کا حج فرض ادا نہیں ہوتا:

جس (مسلمان) نے اس زمانہ میں حج ادا کیا ہو کہ آپ (مرزا قادیانی) کا دعویٰ پوری طرح شائع ہو چکا اور ملک کے لوگوں پر عموماً اتمام حجت کردیا گیا اور حضور نے غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرمادیا تو پھر اس کا حج فرض ادا نہیں ہوا لہٰذا احمدی ہونے کے بعد بھی اس کی حالت ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے حج فرض ہوتا ہے تو اس کو حج ادا کرنا چاہئے کیوں کہ اس نے جو پہلے حج کیا ہے وہ ادا نہیں ہوا۔

## زندیق کے بارے میں حکم شرعی مرتد سے زیادہ سخت:

اگر کوئی مسلمان (نعوذ باللہ) مرتد ہوجائے تو امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ اس کو توبہ کی تلقین کی جاتی ہے اور تین دن کی مہلت دی جاتی ہے جس میں وہ اپنے شبہات دور کرے اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرلے تو بہت اچھا ورنہ اس کو قتل کردیا جائے گا لیکن زندیق اگر خود آکر توبہ کرلے تب بھی اس کے قبول کئے جانے میں فقہائے امت کا اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اور امام احمدؒ کی مشہور روایت تو یہ ہے کہ زندیق کی توبہ اگر سچے دل سے ہو تو قبول کرلی جائے گی اور اس سے قتل ساقط ہوجائے گا یعنی زندیق کا حکم مرتد جیسا ہے اور احناف کے یہاں تفصیل ہے کہ اگر کوئی زندیق اپنے عقائد فاسدہ کی دعوت دیتا ہو تو اگر وہ پکڑا جائے تو اس کی توبہ ناقابل اعتبار ہے (درمختار/۴: ص/۲۴۴) لیکن اگر پکڑے جانے سے پہلے زندیق اگر خود توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی اور وہ قتل کی سزا سے بچ جائے گا اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک اور حضرت امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کسی بھی حال میں زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی اس کی سزا بہرصورت قتل ہے۔

## کفر زندقہ میں مبتلا قادیانی گروہ اور اس کا حکم:

آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں قادیانی تحرفات وتاودات زائغہ اور اس گروہ کے مخالفِ اسلام عقائد فاسدہ سامنے آجانے کے بعد امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ زندیقوں کا گروہ ہے جو اپنے عقائد کفریہ پر اسلام کا لیبل لگا کر دنیا بھر میں نام نہاد ''حقیقی اسلام'' کے نام سے ان کی ترویج واشاعت میں سرگرداں ہے اور جو واقعی اسلام ہے اور جس کو امت مسلمہ چودہ سو سال سے اپنائے ہوئے ہے اس کو کفر کا نام دینے کی بے جا جسارت کرتا ہے، لہٰذا اگر اسلامی حکومت ہو اور یہ گروہ اور اس کے افراد حکومت کی گرفت میں آجائیں تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق ان کی توبہ قبول نہیں کیجائیگی اور وہ قتل کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

## مرتدین اور قادیانی زندیقوں کی اولاد کا حکم:

قادیانیت کے علاوہ کسی اور دھرم کی طرف مرتد ہونے والے اگر کسی وجہ سے قتل سے بچ جائیں اور ان کی نسل چلے تو ان کی صلبی اولاد کا حکم یہ ہے کہ آباء واجداد کے تابع قرار دے کر ان کو مرتد سمجھا جائے گا مگر اصالۃً نہیں، لہٰذا بلوغ کے بعد ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے جس ضرب کی شکل تو اختیار کی جائے گی لیکن اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور مرتد کی اولاد کی اولاد کسی طرح مرتد کے حکم میں نہیں ہے نہ اصالۃً نہ تبعاً بلکہ وہ کافر اصلی شمار ہوگی۔ (شامی ج۴ ص ۲۵۶)

لیکن اسلام ترک کر کے قادیانیت کے طرف مرتد ہونے والے کی صلبی اولاد اپنے والدین کے تابع ہو کر مرتد وزندیق کہلائے گی، اور اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق کہلائے گی اور زندیق کا حکم اس پر لاگو ہوگا نہ کہ کافر اصلی کا اسی طرح اگر کوئی شخص شروع سے ہی قادیانی زندیق بنا ہو، یا قادیانیوں کے گھر پیدا ہوا ہو اس کی سینکڑوں نسلیں بھی بدل جائیں تب بھی ان پر سادہ کافر کا حکم نہ لگے گا بلکہ ان کا حکم

ہمیشہ زندیق کا ہی رہے گا کیونکہ جس جرم کی وجہ سے ان کو زندیق کہا گیا ہے (یعنی کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہنا) ان نسلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

## قادیانیوں سے کسی قسم کے تعلقات رکھنا حرام اور قطعی حرام ہے:

جب یہ معلوم ہوگیا کہ قادیانی مرتد و زندیق ہیں، اور زندقہ پھیلانے میں مصروف ہیں تو ان کے ساتھ تجارت وغیرہ میں شریک ہونا، ان کی تقریبات میں شرکت کرنا یا اپنی تقریبات میں شرکت کی دعوت دینا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ان کے گھر آنا جانا، دوستانہ تعلق رکھنا اور مسلمانوں جیسا سلوک ان کے ساتھ روا رکھنا قطعی حرام اور ایمانی غیرت کے خلاف ہے۔

## مسلمان عورت سے قادیانی مرد کا نکاح حرام ہے:

قادیانیوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے قادیانی مرد کے ساتھ کسی مسلمان عورت کا نکاح ایسے ہی حرام ہے جیسے کسی اور غیر مسلم سے حرام ہے، اس کی اولاد ولد الحرام ہوگی، اور اگر پہلے سے میاں بیوی مسلمان تھے اور (العیاذ باللہ) شوہر قادیانی ہوگیا تو نکاح فسخ ہوجائے گا، اس کی مسلمان بیوی کو جائز نہیں ہوگا کہ اس کے گھر رہے اور میاں بیوی کا تعلق اس سے رکھے۔

## قادیانی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح حرام ہے:

علاوہ کتابیہ کے کسی غیر مسلم سے مسلمان کا رشتۂ ازدواج قائم کرنا حرام ہے، لہٰذا کوئی مسلمان قادیانی عورت سے نکاح کرتا ہے تو باطل ہے۔ دیدہ و دانستہ قادیانی عورت سے نکاح کرنے والے مسلمان پر اپنے ایمان کی تجدید لازم ہے

اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ مرزا غلام احمد کے عقائد کفریہ ہیں، اور قادیانی مرتدوں و زندیقوں کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، کسی قادیانی عورت کو مسلمان سمجھ کر اس سے شادی کرتا ہے تو ایمان سے خارج اور کافر قرار پائے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ ایمان کی تجدید کرلے، کیوں کہ عقائد کفریہ کو اسلام سمجھنے سے کفر کا حکم لاگو ہوتا ہے اور ناواقفیت میں مسلمان نے کسی قادیانی عورت سے شادی کرلی تو مسئلہ معلوم ہوجانے کے بعد اختیار کرلے اور اپنے اس فعل پر توبہ کرلے۔

## قادیانیوں کو مسلمان سمجھ کر ان کی شادی میں شرکت کا حکم:

جو مسلمان یہ جانتے ہوئے کہ قادیانیوں کے عقائد کفریہ ہیں ان کو مسلمان سمجھ کر ان کی شادی میں شرکت کریں گے وہ ایمان سے خارج ہوجائیں گے ان پر تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازمی ہوگا، ہاں اگر یہ مسئلہ معلوم نہ رہا ہو کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تو تجدیدِ ایمان لازم نہیں البتہ گنہگار ہوں گے ان کو توبہ کرنی چاہئے۔

## قادیانی ذبیحہ حرام ہے:

قادیانیوں کے ارتداد و زندقہ کی وجہ سے مسلمان کے لئے حرام ہے ان کی تیسری پشت کی اولاد بھی خالص زندیق ہی رہتی ہے اس لئے انکا ذبیحہ بھی ناجائز ہے اور اہل کتاب کا حکم قادیانیوں پر ہرگز جاری نہ ہوگا۔

## کسی قادیانی میت کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں:

قادیانیوں کے ملحدانہ عقائد معلوم ہوجانے کے بعد ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اولاً امت کے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جنازہ کے جائز ہونے کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے کسی بھی غیر مسلم کا جنازہ باجماع امت ناجائز ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے

| | |
|---|---|
| ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابداً ولا تقم علیٰ قبره انهم کفروا بالله ورسوله وما تواهم فاسقون ۰ (التوبہ/ ۸۴) | اوران میں کوئی مرجائے تواس (کے جنازہ پر … نماز پڑھ اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھ… ہوجئے، کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس … رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے وہ حالتِ کفر… میں مرے ہیں۔ |

## قادیانی میت کے عقائد معلوم ہونے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

اگر مسلمانوں کو یہ معلوم رہا ہو کہ میت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا تھا، اور اس کی وحی پر ایمان رکھتا تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا منکر تھا، پھر بھی وہ مسلمان سمجھ کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں تو ان میں سب پر لازم ہے کہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کریں کیوں کہ ایک مرتد کے عقائد کو اسلام سمجھنے کی وجہ سے ان کا ایمان بھی ختم ہوگیا اور انکا نکاح بھی نہیں رہا، اور ان میں سے پہلے کسی مسلمان نے حج کر رکھا ہو تو وہ بھی باطل ہوجائے گا، اور دوبارہ حج کرنا لازم ہوگا۔

البتہ اگر مسلمانوں کو اس کے عقائد معلوم نہ رہے ہوں اور اس کے جنازہ میں انہوں نے شرکت کرلی ہو تو معلوم ہوجانے کے بعد ان کو استغفار کرنا چاہئے کیوں کہ ایک قادیانی مرتد کا جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ان سے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب ہوا ہے۔

## مسلمانوں کے قبرستان سے قادیانیوں کی لاشیں اکھاڑنا واجب ہے:

(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے موقوفہ قبرستان میں کسی غیر مسلم کو دفن کرنا اس جگہ کا غصب ہے جو ایک ناجائز تصرف ہے وقف شدہ زمین میں ناجائز تصرف کی اجازت دینے کا اختیار تو کسی کو بھی حاصل نہیں، ہاں اس ناجائز تصرف کو ختم کرنے کی کوشش کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے اگر اس ناجائز تصرف پر سب لوگ خاموشی اختیار کریں گے اور اس کے ازالے کی جدوجہد نہیں کریں گے تو سب گنہ گار ہوں گے جیسے کسی مسجد کے لئے کوئی غیر مسلم موقوفہ زمین پر مندر، گرجا وغیرہ بنانے لگے تو اس کو حتی الامکان روکنا لازم ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر اپنی قبر میں معذب ہوتا ہے اور اس کی قبر محل لعنت و

غضب ہے، اس سے مسلمان مردوں کو ایذا ہوگی اس لئے اولاً تو قادیانی کافر مرتد کو وہاں دفن نہ ہونے دیا جائے اور اگر دفن کر دیا گیا ہو تو مسلمان مردوں کو ایذا سے بچانے کے لئے قادیانی مردہ کو اکھاڑ کر پھینکنا ضروری ہے اسکی لاش شریعت کی نظر میں کوئی حرمت نہیں رکھتی ہاں مسلمان مردوں کی حرمت ہے اور اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۳) وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ قبرستان جائیں اور مردوں کے لئے دعاء واستغفار کریں جب کہ کسی کافر کے لئے دعاء واستغفار اور ایصال ثواب جائز نہیں لہٰذا وہاں کسی غیر مسلم خصوصاً قادیانی مرتد کی قبر نہ رہنے دی جائے تا کہ زائرین دھوکہ سے غیر مسلم کی قبر پر دعاء نہ پڑھنے لگیں۔

# داؤدی بوہرہ جماعت کی تاریخ

ڈاکٹر شاہد مسعود

ایک طالب علم نے مجھ سے سوال پوچھا ہے کہ آج کل داؤدی جماعت کی روحانی شخصیت سیدنا برہان الدین صاحب کی سالگرہ کی تقریبات منعقد ہو رہی ہیں لیکن اس جماعت کی کوئی باقاعدہ مستند تاریخ آج تک سامنے نہیں آئی۔ براہ کرم فرمایئے کیا بوہری جماعت اسماعیلی مسلک سے ہی تعلق رکھتی ہے، یا یہ اہل تشیع حضرات ہیں کیوں کہ ان کے ہاں بھی محرم کی مجالس ہوا کرتی ہیں۔ میں اسکا جواب یوں دینا چاہوں گا کہ جی ہاں! داؤدی بوہرہ جماعت بنیادی طور پر شیعہ مسلک سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ ان کا دیگر اثناء عشری حضرات سے اختلاف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ذرا سلسلۂ امامت پر نظر ڈالی جائے۔ اہل تشیع حضرات میں سلسلۂ امامت کا آغاز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہوتا ہے۔ دوسرے امام حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے۔ تیسرے امام شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، چوتھے امام حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے، پانچویں امام حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ، چھٹے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مسئلۂ امامت پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے اسماعیلؒ پھر عبد اللہؒ اور تیسرے نمبر پر حضرت موسیٰ کاظمؒ تھے۔ اِن تینوں ہی شخصیات نے امامت کا دعویٰ کیا۔

کچھ حضرات کا کہنا تھا کہ حضرت اسماعیلؒ چوں کہ امام جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے ہیں اور انہوں نے حضرت اسماعیل کی امامت پر نص کی تھی، اس لیے وہ امام ہے۔ امام اسماعیلؒ کو ماننے والے اسماعیلی فرقے کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ کچھ حضرات کا یہ کہنا تھا کہ چونکہ حضرت اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں وفات پا گئے، اس لیے امامت حضرت موسیٰ کاظم تک منتقل ہو گئی۔ یہ اثنا عشری شیعہ کہلاتے ہیں۔ باقی شیعہ حضرات سے اپنا راستہ الگ کر لینے والے اسماعیلی اپنے آپ کو بنو فاطمہ کہلانے لگے۔ حضرت امام اسماعیلؒ کو اپنا امام مان لینے والے بنو فاطمہ شمالی افریقہ کے علاوہ ۲۰۰ سال تک مصر پر بھی حکومت کرتے رہے اور ان کے دور میں علم و فن کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

بنو فاطمہ میں ۱۴/ خلفاء گزرے ہیں اور کے پیش نظر اہم ترین مقصد یہ تھا کہ وہ بغداد میں موجود سنی عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیں۔ ۱۰اروِیں صدی کے آخر تک بنو فاطمہ کا مرکزِ خلافت مصر تھا اور وہ یمن کے وسیع علاقے تک اپنا حلقۂ اثر قائم کر چکے تھے۔ بنو فاطمہ نے مصر میں پرانے شہر فسطاط کے نزدیک اپنا نیا دار الخلافہ قائم کیا اور اس کا نام قاہرہ رکھا۔ یہ ۹۶۹ کا واقعہ ہے اور اس سے اگلے ہی سال اسماعیلی بنو فاطمہ نے ایک اہم مسجد تعمیر کی، جو اب تک موجود ہے اور جامعۃ الازہر کہلاتی ہے۔ اس دوران عباسی اور فاطمی خلافت کے درمیان کئی خونریز جھڑپیں ہوئیں۔

بنو فاطمہ کے ساتویں خلیفہ جو کہ اسماعیلیوں کے ۱۸اروِیں امام تھے، ان کی جانشینی پر ان کی وفات کے بعد خود بنو فاطمہ میں جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گیا، خلیفہ کے وزیر افضل نے خلیفہ کے چھوٹے بیٹے مستعالی کو جانشین نامزد کر دیا جبکہ خلیفہ کی بڑی بیٹی نزار نے مستعالی کی امامت تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے خود امامت کا دعویٰ کر دیا۔ یہاں سے اسماعیلیوں میں بھی دو شاخیں ہو گئیں۔ نزار نے مصر سے بھاگ کر اسکندریہ میں اپنی حکومت قائم کی۔ مستعالی نے وہاں فوج بھیجی اور نزار کو گرفتار کر کے قاہرہ لے جایا گیا جہاں مستعالی نے انہیں دو دیواروں میں کھڑا کر کے دیوار چنوا دی اور دوسری روایت کے مطابق وہ قید میں انتقال کر گئی۔

نزار کو اپنے مقصد میں تو نا کامی ہوئی لیکن ان کے حامیوں نے اپنی دعوت جاری رکھی اور قلعۃ الموت پر اپنی حکومت قائم کر لی جو ڈیڑھ سو سال تک قائم رہی۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ مستعالی اور نزار کی اس جنگ میں اسماعیلی حضرات دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ہندوستان میں اسماعیلیوں میں جو لوگ نزار کے حامی ہیں وہ لوگ ''خوجے'' کہلاتے ہیں اور جو لوگ مستعالی کے حامی ہیں وہ لوگ ''بوہرہ'' کہلاتے ہیں۔ بوہرہ دراصل گجراتی لفظ 'بہورو' سے نکلا ہے جس کے معنی تاجر یا سوداگر کے ہیں کیوں کہ اس فرقے میں اکثر حضرات تجارت پیشہ تھے، اس لیے یہ بوہرہ کہلائے۔

نزاری اسماعیلیوں کے ۴۵ ر ویں امام خلیل اللہ ایران میں ایک شورش کے دوران قتل ہو گئے اور وہاں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ فتح علی قاچار نے قاتلوں کو سزا دینے کے علاوہ ان کے دو سالہ بیٹے حسن علی کے ساتھ اپنی بیٹی سروری جہاں خانم کو بیاہ دیا اور اس کے علاوہ انہیں آقا خان کا شاہی خطاب بھی دیا جو کہ بعد میں آغا خان کہلانے لگا۔ اس طرح اسماعیلیوں کے چھیالیسویں (۴۶) امام حسن علی آغا خان اول کہلائے۔ یہ لفظ آقا یا آغا ایران میں ترکی سے آیا جہاں عثمانیوں میں اس کا مفہوم مالک کے طور پر لیا جاتا ہے۔

آغا خان اوّل یعنی حسن علی کا اپنے سسر فتح علی قاچار کے انتقال کے بعد ایران میں رہنا دشوار ہو گیا اور ۱۸۴۲ء میں وہ ہندوستان آ گئے، جہاں ممبئی میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی۔ دو سال بعد ان کی خدمات کے صلے میں برطانوی حکومت نے ۱۶۴۴ء میں انہیں ''ہز ہائی نس'' کا خطاب عطا کر دیا۔ اسماعیلی حضرات جو نزار کو ماننے والے اور جو ہندوستان میں آغا خان کے آنے سے پہلے ہی بس گئے تھے، وہ ''خوجے اسماعیلی'' کہلانے لگے جن کے ایک خاندان میں قائداعظم نے آنکھ کھولی۔ بعد میں جب آغا خان ہندوستان آ کر اس جماعت کے سربراہ بن گئے تو یہ لوگ اسماعیلی آغا خانی کہلانے لگے۔

تاریخ پاکستان کی ممتاز شخصیت ایم اے ایچ اصفہانی کے مطابق انہیں قائد اعظم نے خود بتایا تھا کہ جب وہ ۲۱ ر سال کے تھے تو انہوں نے اسماعیلی مذہب چھوڑ کر اثناء عشری کی طرف جانے کا فیصلہ کیا اور آغا خان کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اسماعیلیوں کی قیادت چھوڑ دیں۔ دوسری طرف مستعالی کے پیروکار مصر میں بنو فاطمہ کے بعد یمن میں آ گئے۔ جہاں امام کے روپوش ہو جانے کے بعد ''داعی مطلق'' انہیں ہدایات جاری کرتے رہے۔ میں پہلے ہی یہ بات کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان میں یہ ''بوہرہ'' جماعت کہلانے لگے اور ۱۰ ر ویں صدی ہجری تک یمن ہی ان ''بوہرہ'' حضرات کا مرکز رہا اور یہ وہیں پر زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں نامساعد حالات کی وجہ سے ان کے داعئ مطلق نے اپنا مرکز ممبئی کے قریب منتقل کر دیا۔ اس وقت داعئ مطلق یوسف ابن سلیمان تھے۔ ان کے جانشین داؤد بن عجب شاہ تھے، جب وہ فوت ہوئے تو گجرات کی بوہرہ کمیونٹی نے داؤد ابن قطب شاہ کو اپنا داعئ مطلق تسلیم کر لیا۔ یہ لوگ اسی نسبت سے داؤدی بوہرہ کہلانے لگے۔ موجودہ داعی یعنی ڈاکٹر سیدنا برہان الدین اس سلسلۂ داعیان میں ۵۲ ر ویں نمبر پر ہیں اور اس وقت اس جماعت کی دنیا بھر میں تعداد ۱۰ ر لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ سیدنا برہان الدین ۱۹۶۵ء سے بوہرہ جماعت کے داعئ مطلق ہیں اور ان کے والد سیدنا طاہر سیف الدین علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ (اے روائی، ون ورلڈ نیوز چینل۔ ۸/ جون ۲۰۰۴)

# اشتراکیت (کمیونزم) ایک تعارف:

اشتراکیت ایک فکری اور اختراعی مذہب ہے جس کی بنیاد الحاد و بے دینی پر رکھی گئی ہے۔ اور جس کا اہم نظریہ یہ ہے کہ ہر چیز کی ''اصل'' مادہ ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے ہم اس کی وضاحت اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ اشتراکیت کا مقصد درحقیقت مختلف طبقات کے لوگوں کے درمیان نزاع اور جھڑپ پیدا کرنا اور اقتصادیات کے اسباب و ذرائع متعین کرنا ہے۔

اس کا ظہور مارکس انگریز کے ہاتھوں جرمنی میں ہوا۔ اور جلد ہی اس نے ایک انتہاء پسند تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ جس کا عملی ظہور سب سے پہلے ۱۹۱۷ء روس کے اندر یہودیوں کی منصوبہ بندی سے ہوا پھر ہتھیار اور بموں کی طاقت سے اس کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ جس کا سب سے برا اثر مسلمانوں پر پڑا۔ اس تحریک کے نتیجے میں گرچہ بہت سی جانیں تاریخ کے صفحات سے مٹ گئیں۔ لیکن کمیونزم اپنے ظالمانہ کردار کے نتیجے میں آج بھی تاریخ کے صفحات پر کلنک کا ٹیکہ بن کر موجود ہے۔ سوویت یونین ٹوٹ چکا اور کتنے علاقے نے اس سے کٹ کر مستقل ملک وحکومت کی شکل اختیار کرلی۔ اور اس کے نظریات کو ناقابل سمجھتے ہوئے مارکسیت کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار پھینکا۔

## اشتراکیت اور اس کی چند ممتاز شخصیات:

اشتراکیت کے فکری اور نظریاتی اصولوں کا واضع اول کارل مارکس یہودی ہے۔ جو حاخام یہودی کا پوتا تھا۔ حاخام یہودی یہ وہی ہے۔ جو مردخائی مارکس سے مشہور ہے۔ کال مارکس بڑا تنگ نظر متلون المزاج۔ انسانی معاشرہ سے متنفر اور بیزار شخص تھا۔ اس کی دو مشہور تصنیف بھی اس موضوع پر ہیں (۱) بیان اشتراکیت جو ۱۸۴۸ء میں نشر ہوئی (۲) رأس المالیۃ جو ۱۸۶۷ء میں طبع ہوئی۔

(۱) کال مارکس کا بڑا معاون اور جگری دوست فردریک انگریز تھا جس نے اس کے نظریات کی اشاعت میں خوب دل کھول کر مدد کی۔ بل کہ اس نے مارکس اور اس کے خاندان کی مرتے دم تک پوری کفالت بھی کی۔ اس نے بھی کئی کتابیں ان نظریات سے متعلق تحریر کی۔ مثلاً اصل الاسرۃ الثنائیۃ فی الطبعیۃ الاشتراکیۃ الخرافیۃ و الاشتراکیۃ العالمیۃ۔

(۲) اشتراکیت کی دوسری اہم شخصیت لینن ہے جس کا اصل نام فلادیمر التیش بولیانوف ہے یہ شخص اس انتہاء پسند خونی تحریک کا بہت بڑا قائد اور بارعب ڈکٹیٹر رہا ہے، بڑا سنگدل مصر بالرائے، انسانیت سے نفرت کرنے والا تھا اس کی پیدائش ۱۸۷۰ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۲۴ء میں ہوئی تاریخ کی تحقیقات اور ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے یہ شخص یہودی الاصل تھا اور یہودی نام سے موسوم تھا بعد میں روسی طرز کے نام سے مشہور ہوا۔

(۳) اس باطل خونریز تحریک کا تیز اور اہم شخص اسٹالین ہے، جس کا اصل نام جوزیف فادیوفتش (۱۸۷۹ء متوفی ۱۹۵۴ء) یہ لینن کے بعد اشتراکی گروہ کا سکریٹری رہا ہے۔ یہ بھی سنگدلی ظلم وجور ڈکٹیٹر شپ اور اپنی رائے پر اصرار کرنے میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اپنے ذاتی امر کے لیے پوری پبلک وعوام کو داؤ پر لگادینے کا حامی تھا اس قدر متشدد تھا کہ بیوی سے ایک مرتبہ معمولی مناقشہ ہوا تو اس کو قتل ہی کرڈالا۔

(۴) اس تحریک کی تیسری اہم شخصیت ٹروٹسکی (۱۸۷۹م ۱۹۴۰) جو اسٹالین کی سازش کے نتیجے میں قتل کیا گیا یہ بھی یہودی النسل تھا اور اصلی نام بروش ٹائن تھا پارٹی میں اس کو بڑا مقام حاصل تھا اشتراکی نظریہ کی تحریکی شکل اختیار کرنے کے بعد خارجی امور کی ذمہ داری اسی کے سر رہی اس کے کارنامے کو دیکھتے ہوئے پارٹی کے بہت سے اندرونی معاملات بھی اس کے سپرد کردیئے گئے لیکن اسٹالین کی سازش سے پارٹی کے مفاد کے خلاف کسی عمل کے الزام میں اس کو معزول کردیا گیا اور اس کا مقصد درحقیقت اسٹالین کی صدارت کے لئے فضاء ہموار کرنا۔

## افکار وعقائد:

اشتراکیت کے بہت سے باطل عقائد ونظریات ہیں مثلاً: (۱) اللہ کے وجود کا انکار غیب کی تمام باتیں فرشتے، وحی، جنت ودوزخ، ثواب عقاب وغیرہ کا انکار، اور انکا خاص شعار ہے کہ تین چیزوں پر ایمان رکھو: مارکس، لینن، اسٹالین ۔۔ اور تین چیزوں کا انکار کرو: اللہ، دین اور شخصی ملکیت۔

اس پوری تحریک میں سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان نزاع اور جھڑپ کی عکاسی ہوتی ہے ادیان ومذہب سے اختلاف کرنا انکا شیوہ ہے اور اس عمل کو وہ حضرات عوام کو ڈرانے کا ایک بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کو سرمایہ داری اور امپریل ازم کی ایک خدمت سمجھتے ہیں اور ہر جگہ ان تمام امور سے یہودی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہودی مظلوم ہیں ان کو اپنے دین کی ضرورت ہے تاکہ ان کے مغصوبہ حقوق اس کو واپس دلائے جاسکیں۔

شخصی املاک اور وراثت کے قائل نہیں ہیں انکا نظریہ کہ مال میں ہر فرد کی شرکت ہوتی ہے ان کی پوری توجہ مادے اور وسائل تولید وانتاج پر مرکوز ہوتی ہے۔

انکا ایک باطل نظریہ کہ دنیا کا ہر تغیر وسائل انتاج کے تغیر سے ہوتا ہے اور ہر فکر ونظر نیز ہر تہذیب وثقافت اقتصادی ترقیات کے مرہون منت ہیں۔

اس کا ایک برا نظریہ یہ بھی ہے کہ اس دنیا کے بعد کوئی دنیا نہیں تمام مادّے ازلی اور قدیم ہیں اور اقتصادیات کے تمام اسباب ہی افراد اور جماعت کیے لئے محرک اول ہیں، حکومتی طبقے کو ہتھیار اور بموں کے استعمال کا پورا حق ہے۔

اس کے بنیادی نظریات میں سے یہ ہے کہ عوام میں جھگڑا اور جھڑپ پیدا کی جائے اور مزدوروں اور مالکوں کے درمیان بغض وکینہ ابھارا جائے اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر کام کے لئے وہ تیار نظر آتے ہیں چاہے وہ عمل کتنا ہی شنیع اور قبیح ہو وہ چاہتے ہیں پوری دنیا اشتراکیت کو قبول کرکے ان کے ماتحت ہوجائیں لینن نے ایک مرتبہ کہا تھا دنیا کے تین چوتھائی حصے کو ہلاک وقتل کردینا کچھ نہیں اہم تو یہ ہے دنیا کا ایک چوتھائی حصہ اشتراکیت کی نظریئے کا قائل نہ ہو۔ اور اس نظریئے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے روس، چین، افغانستان اور دوسرے جمہوری اسلامی ممالک بخارا اور سمرقند کے مسلمانوں پر ظلم وعدوان کا بازار گرم کیا۔

کتنی ہی مساجد کو منہدم کردیا یا اس کو تفریح گاہ اور پارٹی کے دفتروں میں بدلدیا، اور مسلمانوں کو شعائرِ دینی کے اظہار سے روکا، قرآن پاس رکھنے کو اتنا بڑا جرم

قرار دیا کہ اگر وہ قرآن کسی مسلمان کے پاس پایا جائے گا تو اس کو ایک سال قید با مشقت کی سزا دی جائے گی، غرض یہ کہ ان کی اصل توجہ مسلمانوں پر ظلم کرنا، مسلم ممالک پر قبضہ کرنا، اس کے عوام کو تہہ تیغ کرنا اور ان کے دین اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کرنا ہے۔

## اشتراکیت کی فکری جڑیں:

اشتراکیت کی جڑیں یہودیت سے ملتی ہیں، اس تحریک کا آغاز جن سات شخصوں سے ہوا وہ سب کے سب یہودی تھے اس سے اشتراکیت اور یہودیت کے درمیان گہرے روابط کا پتہ چلتا ہے، مارکسین اس کو بہت چھپانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ چھپا نہیں سکتے اپنے اہداف اور مقاصد کے حصول کی راہ میں وقتاً فوقتاً اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں چنانچہ جب اس کی تحریک کی بنیاد پڑی تو پہلے ہی ہفتے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کا مضمون تھا ''یہودی کے ساتھ دشمنی اعلیٰ انسانیت کے ساتھ دشمنی ہے اور یہودیوں کو حق ہے کہ وہ فلسطین میں آباد ہوں''۔

مارکس نے ایک مرتبہ اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس نے صیہونیت کے مشہور قائد فلسفی استاذ ہرتزل سے ملاقات کی اور وہی ہمارے نظریاتی اصولوں کے بانی اور محور ہیں اور اوپر ذکر کیا جا چکا ہے مارکس کا دادا حاخام بھی یہودی تھا۔

## اشتراکی حکومت:

بہت سی جگہوں پر اشتراکی حکومتیں ہیں: سوویت یونین، مجر، بلغار، بولندا، جرمنی، رومانیہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ، کیوبا، اور تمام جگہوں پر اشتراکیت ہتھیار اور طاقت وقوت کے زور سے پہونچی، اشتراکیت نے اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے میڈیا اور قلم کو بھی خوب استعمال کیا ہزاروں کتابیں اور لٹریچر مفت تقسیم کیا جس سے سادہ لوح عوام متاثر ہو کر اشتراکیت میں داخل ہوگئی لیکن جب عوام نے اشتراکی نظریے کی گہرائی کو سمجھا اور یہ جان لیا کہ یہ وہ فردوس نہیں جس کا ان کو تصور دلایا گیا تو بہت سے ملکوں میں اس کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں اور نئی نئی تحریکیں اس کے خلاف وجود میں آنے لگیں اور یہ عجیب بات ہے آپ کبھی بھی اشتراکی ملکوں میں ہمیشہ محبت اور اتفاق نہیں پائیں گے۔

بڑا المیہ اور نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ حکام کی جہالت اور کرسی کی لالچ کے نتیجے میں آج اشتراکیت بہت سے اسلامی ملکوں میں سرایت کرتی چلی جا رہی ہے مصر، شام، لبنان، فلسطین، اردن اور تیونس میں اس پارٹی کی بنیاد رکھی جا چکی ہیں اور بہت سے ممالک میں اشتراکیت کا ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے حکومت میں عمل دخل ہے اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اسی اشتراکیت نے افغانستان کو بھی ہڑپ کرنا چاہا تھا لیکن آفرین وہاں کے غیور مسلمانوں کو کہ انہوں نے اس کو اکھاڑ پھینکا ایسی توفیق اللہ تعالیٰ تمام عالم کے مسلمانوں کو دے۔ آمین۔

## اشتراکیت کا زوال:

اپنے قیام کے تقریباً ستر سال بعد اشتراکیت اپنے مرکز میں برے انجام کو پہونچی، اسکے تار و پود بکھر گئے، اس طرح کارل مارکس کی تمام پیشین گوئیاں غلط ہو کر تاریخ کے کوڑے دان میں پہونچ گئیں، اس کے ٹوٹنے سے پہلے اسی تحریک اور سوویت یونین کے بڑے ذمہ داروں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ مارکسیت کے بہت سے اصول باقی رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں اور اس میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں اور مطالبوں کو پورا کرے اور صاف طور پر مارکسیت کے عیوب کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تحریک شخصی ملکیت کو روکتی ہے اور وراثت کو لغو قرار دیتی ہے جبکہ یہ چیزیں فطرت اور اشیاء کی طبیعت کے خلاف ہیں یہ مارکسیت عمل میں شخصی آزادی نہیں دیتی اجتماعی عدالت کا وجود نہیں ایک کی مصلحت کے لئے سینکڑوں کی مصلحت کو قربان کیا جا سکتا ہے غرضیکہ لوگوں نے اچھی طرح جان لیا کہ مارکسیت ایک فاسد نظریہ ہے جو کسی طرح قابل تنفیذ نہیں ہے اور جن کا ان نظریات سے سابقہ پڑا انہوں نے کھلے آنکھوں اس کا مشاہدہ کر لیا۔

مارکسیت پر بہت سے لوگوں نے تنقید کی ان میں سب سے بڑا ناقد امریکی فلسفی ارنچ مزوم ہے، جس سے اپنی کتاب ''المجتمع السلیم'' میں اس کے کھوکھلے پن کو خوب ظاہر کیا جبکہ یہ خود مارکسی تھا، ایسی ہی تنقید کارل بوبر، نے اپنی کتاب ''المجتمع المفتوح'' میں کی اور گورباچوف نے اپنی کتاب ''بیروستوریکا'' میں اس کے عیوب کو اچھی طرح انکشاف کیا ہے اس زوال کے بعد لوگوں پہ یہ بات بھی اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ یہ قومی فیصلے کی بھی طاقت نہیں رکھتی ہمیشہ اس تحریک نے ظلم اور قتل وغارت گری والی سیاست کھیلی۔

## آخری گفتگو:

گذشتہ باتوں سے یہ امر عیاں ہو چکا کہ اشتراکیت ایک الحادی مذہب ہے، جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ انسان اس زندگی کی طرف اتفاقاً بلا مقصد کے آ گیا ہے، اور اس کی وجود کی کوئی غایت نہیں ہے، اس کی زندگی عبث ہے، یہ نظریات منشائے اسلام کے بالکل خلاف اور متضاد ہیں۔ لہٰذا اسلام اور اشتراکیت ایک قلب میں بالکل ہی جمع نہیں ہو سکتے۔

# یونس شیخ ملحد و زندیق ہے:

از : مولوی عبدالمنعم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ''محمد یونس شیخ'' نامی ایک آدمی نے ''شیطان مولوی'' نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مصنف نے شعائرِ اسلام کے خلاف انتہائی توہین آمیز لب ولہجہ استعمال کیا ہے، چنانچہ مصنف لکھتا ہے کہ:

''جن مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ زنا کرنے والوں کو اللہ نے اور محمد ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے، وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں'' (ص:۱۴۰، شیطان مولوی)

''امام بخاری نے اپنی کتاب کے ذریعے سے گیارہ سو سال سے لاکھوں لوگوں کو قتل کروایا ہے اور مولوی بھی امام بخاری کی کتاب کی گندگی کو چاٹ رہے ہیں'' (ص:۱۹)

کتبِ حدیث کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

''یہودی مولوی'' دینِ اسلام کے نام پر جن حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مر گئے ان کتابوں میں کفر وشرک، ضلالت اور غلاظت بھری ہوئی ہیں، یہودی مولوی اسلام کے نام پر جتنی حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مر گئے ہیں، ان کتابوں کی تفسیر اور تبصرہ تورات اور انجیل کے مطابق ہے، جن مولویوں نے دین واسلام کے نام پر کتابیں لکھیں، ان کی ذمہ داری تھی کہ حدیثوں کی کتابیں قرآن کے مطابق ہونی چاہئے تھیں، حدیثوں کی کتابوں میں جن جھوٹے قصوں اور کہانیوں کو نبی ﷺ کا فرمان اور نبی کی سنت کہا جا رہا ہے، ان مولویوں کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ نبی کا فرمان ہے اور یہ نبی ﷺ کی سنت ہے؟'' (ص:۲۴)

امام بخاریؒ کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ:

''محمد رسول اللہ کی زندگی میں مدینہ میں اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے منافقوں نے ایک مسجد بنائی تھی، امام بخاری اسی نسل سے پیدا ہوا ہے اور اسی نسل کے لوگ بعد میں مولوی بنتے رہے، جس کی نسل ابھی تک باقی ہے اور ان میں بھی قرآن کو چھوڑ کر یہ نبی ﷺ کی حدیثوں کے نام پر لوگوں کو کفر وشرک کی تعلیم دیئے جا رہے ہیں'' (ص:۲۷)

''امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تورات کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے تھے، امام بخاریؒ یہودی تھا، اس لئے تورات کا نام لکھا ہے'' (ص:۴۸)

پھر اس نے عنوان قائم کیا ہے ''امام بخاری یہودی تھا'' (ص:۴۸)

اسی طرح اس نے عنوان قائم کیا ہے ''ابوجہل مولوی امام مالک'' (ص:۱۰۶)

ایسے ہی مصنف نے لکھا ہے کہ:

''مگر سعودی عرب کے بادشاہ امریکہ کے جاسوس ہیں، حج اور عمرہ کی کمائی کھانے کیلئے مسلمان بنے ہوئے ہیں، اندر سے وہ لوگ یہودی ہیں'' (ص:۱۱۱)

مذکورہ بالا عبارات سے مصنف کے طرزِ تحریر کا ہلکا سا منظر سامنے آ گیا ہوگا، جبکہ اصل کتاب جابجا گالیوں سے اٹی پڑی ہے، مصنف نے جابجا محدثین اور علماء کو جہنمی اور دوزخی لکھا ہے۔

کتاب ہمراہ ہے، ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں کہ مذکورہ کتاب کے مندرجات کا اعتقاد رکھنے والے کی اسلامی نقطۂ نظر سے کیا حیثیت ہے؟ اور ایسے آدمی کے بارے میں حاکمِ وقت کیلئے کیا حکم ہے؟

فقط: والسلام مع الاکرام

محمد یونس خان، اسسٹنٹ سب انسپکٹر انویسٹیگیشن کھارادر کراچی

## الجواب بعون الوہاب

صورتِ مسئولہ میں ''شیطان مولوی'' نامی کتاب پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف احادیثِ نبویہ سے بیزار اور متواتر اسلامی عقیدوں کا منکر ہے، جیسا کہ اس نے محدثین عظام اور علمائے کرام کو ہر جگہ کافر اور جہنمی قرار دیا ہے۔ مصنف کی باتیں انکارِ حدیث بلکہ انکارِ دین پر مبنی ہے، اس نے یہ کہہ کر سب کتب احادیث کو رد کر دیا ہے کہ:

**الف:** سب سے بڑے مجرم وہ مولوی لوگ ہیں جن لوگوں نے حدیثوں کی بڑی بڑی کتابیں لکھیں اور مر گئے، جن مولویوں نے حدیثوں کی بڑی بڑی کتابیں لکھیں ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ قرآن کے مطابق حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کرتے مگر ان مولویوں نے قرآن نہیں پڑھا ہوگا جس کی وجہ سے ان کتابوں میں کفر اور شرک کے سوا کچھ اور نہیں ہے'' (ص:۶۲)

**ب:** یہودی مولوی دین واسلام کے نام پر جن حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مر گئے ان کتابوں میں کفر وشرک، ضلالت اور غلاظت سے بھری ہوئی ہیں (ص:۲۵)

**ج:** ''ایک یہودی کو امام بنا کر پیش کیا اور اس یہودی امام نے اسلام کے نام پر کتاب لکھی، کتاب کا نام بخاری شریف ہے، اس کتاب میں کفر وشرک بھر دیا گیا ہے۔ (ص:۱۱۳)

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مصنف جدت پسندی کی راہ پر چلتے ہوئے احادیث نبویہ ہی نہیں بلکہ پورے دین کا انکار کر گیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

**''واذکرن ما یُتلیٰ فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ''** (سورۃ الاحزاب:۳۴)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمتیں''

جبکہ امام شافعیؒ کتاب ''الرسالہ'' میں لکھتے ہیں:

**''فلم یجز واللہ اعلم ان یقال ان الحکمۃ ھھنا الا سنۃ رسول اللہ وحتم علی الناس اتباع امرہ''** (باب فرض اللہ فی کتابہ من طاعۃ۔ ص:۲۴)

جب مصنف نے متواتر احادیث نبویہ کو رد کر دیا تو وہ متواترات بلکہ قرآن کریم کا منکر ہو گیا، چنانچہ وہ متواتر اسلامی عقیدہ وحیات ونزول مسیح کا انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مولوی لوگ اپنی ناکامی کو چھپانے کیلئے اکثر جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر آئیں گے، اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ منافق مولوی جھوٹے ہیں، قرآن میں کسی آیت میں نہیں آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا ہے اور قیامت سے پہلے

دوبارہ زمین پر آئیں گے۔ مولویوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ کے رسول عیسیٰ لعنت دینے کیلئے قیامت سے پہلے دوبارہ نہیں آئیں گے'' (ص:۹۹ تا ۱۰۰۔شیطان مولوی)

حالانکہ اس کے برعکس قرآن مجید میں صراحۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کا ذکر موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

**''وبکفرهم وقولهم علیٰ مریم بهتانا عظیما وقولهم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول الله، وما قتلوه وما صلبوه ولٰکن شبه لهم ، وان الذین اختلفوا فیه لفی شک منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقیناً بل رفعه الله الیه وکان الله عزیزا حکیما''** (نساء:۱۵۹)

ترجمہ: ''اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ پر شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک، بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا''

علامہ آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

**''ولا یقدح فی ذلک ما اجمعت الامة علیه واشتهرت فیه الاخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوی ونطق به الکتاب علیٰ قول ووجب الایمان به واکفر منکره کالفلاسفة''**

(روح المعانی ص:۲۲،۲۳)

معلوم ہوا کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور رفع و نزول کا عقیدہ متواتر ہے اور قرآن سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

**''واما نفی نزول عیسیٰ علیه السلام او نفی النبوة عنه وکلاهما کفر''**

(الحاوی للفتاویٰ، ص:۱۶۶)

ترجمہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا ان کی نبوت کا انکار کرنا دونوں کفر ہیں''

لہٰذا مصنف اپنے غلط عقیدے کی بنا پر کافر و مرتد ہے۔

اسی طرح مصنف نے کتاب میں ''رجم کی سزا'' کے غیر شرعی ہونے پر خوب زور لگایا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ عقیدہ قرآن سے ثابت نہیں، چنانچہ لکھتا ہے:

''بدکاری کرنے والوں کو یا زنا کرنے والوں کو قتل کرنا کفر ہے۔(ص:۴)

جن مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ زنا کرنے والوں کو اللہ نے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں۔''

(ص:۱۴)

حالانکہ رجم کی سزا بھی متفقہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو شخص رجم کا انکار کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے:

چنانچہ خفاجی کی نسیم الریاض میں ہے:

**وکذلک وقع الاجماع علیٰ تکفیر کل من دافع نص الکتاب او خص حدیثا مجمعا علیٰ نقله متطوعا به مجمعا علیٰ حمله علیٰ ظاهره کتکفیر الخوارج بابطال الرجم''** (ج۴،ص:۵۴۵)

اسی طرح علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

**''وقد اجمع الصحابة ومن تقدم من السلف علماء الامة وائمة المسلمین علیٰ ان المحصن یرجم بالحجارة حتیٰ یموت و انکار الخوارج ذلک باطل ... لان ثبوت الرجم منه علیه الصلوٰة والسلام متواتر المعنی ... وهم کسائر المسلمین یوجبون العمل بالمتواتر معنی کالمتواتر لفظا''** (ج:۱۸،ص:۷۸) **فذلک هو الزندیق واتفق جماهیر المتأخرین من الحنفیة والشافعیة علیٰ قتل من یجری هذا المجری''** (المسوّیٰ مع المصطفیٰ، ج:۴،ص:۱۳۰)

ترجمہ: ''صحابہ کرامؓ اور کل ائمہ متقدمین اور جملہ ائمہ وعلمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ کیلئے سزا رجم ہے تا آنکہ اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے اور خارجیوں کا اس سے انکار باطل ہے...کیونکہ رجم کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے معناً متواتر ہے...اور عام مسلمانوں کی طرح خوارج بھی متواتر معنوی پر عمل کرنا اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح کہ متواتر لفظی کو واجب العمل سمجھتے ہیں...پس جو شخص ایسی تاویلیں کرے وہ زندیق ہے اور جمہور متاخرین حنفیہ وشافعیہ اس پر متفق ہیں کہ جو اس راہ پر چلے وہ واجب القتل ہے''

الغرض کسی شخص کا اس متفقہ مسئلہ سے منکر ہونا اس کے ملحد و زندیق ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح مصنف نے اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا بھی انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''ان لوگوں کو جہنم میں ڈال دے جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن نبی لوگوں کو بخشوائیں گے'' (ص:۳۲)

حالانکہ یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کی قیامت کے دن شفاعت پر اجماع ہو چکا ہے، چنانچہ ''الکوکب الازہر'' میں ہے:

”اعلم هداک الله ان اجماع اهل الحق معقود علیٰ شفاعة رسول الله ﷺ وجاء ت الآثار مثبة لشفاعة المشفع“ (ص:۱۲۹)

ایسے ہی مصنف نے اپنی کتاب میں نعوذ باللہ امام مالکؒ کو ابوجہل مولوی کہا ہے۔(ص:۱۰۶)

جبکہ امام بخاریؒ کو معاذ اللہ یہودی لکھا ہے۔ (ص:۴۸)

اسی طرح ایسے دیگر علماء کو جو ”رجم“ کے قائل ہیں، انہیں بھی یہودی اور جہنمی لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: ”امام بخاری ”یہودی“ تھا“......افسوس اس بات کا ہے کہ مولوی بھی یہودی بن گئے“ (ص:۴۸)

مصنف کی کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے علماء سے ”رجم“ کے مسئلے پر ہی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اسے پورے دین سے ہی اختلاف ہے، اسی وجہ سے وہ انہیں کافر و یہودی کہتا ہے جبکہ قرآن وسنت اور فقہ وفتاویٰ، اجماع امت اور تصریحات اکابر علمائے امت کی رو سے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

”ومن ابغض عالما غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر ولو صغر الفقیه او العلوی قاصدا الاستخفاف بالدین کفر لا ان لم یقصده“ (البحر الرائق، ج:۵،ص:۱۲۴)

”المتانة فی مرمة الخزانة“ میں ہے:

”من انکر المتواتر فقد کفر“ (۵۹۶) (جس نے متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا)

”والفتویٰ فی جنس هذه المقالات ان کان ارادالشتم ولا یعتقده کافرالایکفر وان کان یعتقده کافر افخاطبه بناء علیٰ اعتقاده انه کافر بکفر“ (ص:۶۰۳)

اسی طرح طلاق کے بارے میں بھی مصنف نے پوری امت سے ہٹ کر عجیب وغریب اور ملحدانہ عقیدے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

”اللہ نے قانون بنایا ہے کسی عورت کی ۳ر مہینے سے پہلے طلاق نہیں ہوگی، مولوی لوگ اگر روزانہ اپنی بیوی کے پاس بیٹھ کر طلاق کی تسبیح بھی پڑھتے رہیں اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ طلاق کا لفظ ایک بار بولیں یا دس بار بولیں یا لفظ طلاق کی تسبیح پڑھتے رہیں ۳ر ماہ سے پہلے طلاق نہیں ہوگی (ص:۷۶) حیض کے حساب سے ۳ر مہینے ختم ہوگئے تو میاں اور بیوی کے درمیان رشتہ ختم ہوجائے گا، اگر ایک مہینہ شروع ہوا ہے اور شوہر اور بیوی کے درمیان دوستی ہوگئی تو طلاق نہیں ہوگی“

یہ عجیب وغریب نظریہ تمام امت سے ہٹ کر گھڑا گیا۔ مزید یہ کہ جمہور امت کو ان کے شرعی نظریئے کی بنا پر کافر قرار دینا ہے، جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

”وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں جن مولویوں کا عقیدہ ہے کہ ایک ہی وقت میں طلاق کے تین لفظ بولنے سے خاوند اور بیوی کے درمیان رشتہ ختم ہو جاتا ہے“ (ص:۷۳)

حالانکہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علیٰ ذلک ... والجمهور علیٰ عدم الاعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (فتح الباری۔ ج:۹،ص:۳۶۵)

جبکہ علماء نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ امت کو گمراہ کہنے والا کافر ہے، جیسا کہ نسیم الریاض میں ہے:

وکذلک یقطع بتکفیر کل من قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة (نسیم الریاض۔ ج:۴،ص:۵۴۶)

بہر حال گذشتہ تفصیلی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عقیدۂ حیات ورفع نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر کافر ہے، اسی طرح ”رجم“ کی سزا کا منکر بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے، ایسے ہی احادیث متواترہ کا انکار اور محدثین کرام اور علماء کی گستاخی و توہین کی وجہ سے ”شیطان مولوی“ کے مصنف شیطان کا ایمان سلامت نہیں رہا، لہٰذا یہ شخص مرتد وملحد اور زندیق ہے اور مرتد کی سزا یہ ہے کہ اسے قید کرلیا جائے، اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اور جن کفریہ عقائد کو اس نے علی الاعلان اختیار کیا ہے ان سے توبہ کروائی جائے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے اور مہلت طلب کرے تو حاکم اسے تین دن تک کی مہلت دے اگر اس دوران وہ مسلمان ہوجائے اور عقائد کفریہ سے توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے، اگر اسلام بھی قبول نہ کرے اور مہلت بھی نہ مانگے تو اسی وقت اسے قتل کردیا جائے جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے:

”ومن ارتد عرض علیه الاسلام استحبابا وتکشف شبهته وحبس ثلاثة ایام ان استمهل فان اسلم والاقتل“ (کتاب الحدود، ج:۴،ص:۲۲۵)

ترجمہ: ”اور جو شخص مرتد ہوگیا اس پر استحباباً اسلام پیش کیا جائے، اور اس کے شبہات کو دور کیا جائے اور اگر مہلت مانگے تو تین دن قید میں رکھ کر اس کو مہلت دی جائے، اگر وہ مسلمان ہوگیا تو فبہا ورنہ اسے قتل کردیا جائے“

| | | |
|---|---|---|
| الجواب صحیح | الجواب صحیح | عبدالمنعم |
| محمد عبدالمجید دین پوری | محمد شفیق عارف | المتخصص فی الفقه الاسلامی |

# اِنکارِ حدیث

## عجمی تصورات کا پہلا دَور

### (۱) فرقہ جہمیہ

اسلام پہلی صدی ہجری کے اواخر تک عجمی تصورات سے محفوظ و مامون رہا، دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ تا ۱۲۵ھ) کے زمانہ میں ایک شخص جہم بن صفوان ظاہر ہوا جو ارسطو کے نظریہ ذات باری سے متأثر تھا اور بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کی مکمل تنزیہہ بیان کرتا تھا۔ وہ بھی خدا کے متعلق تجریدی تصورات کا قائل تھا اور خدا تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرتا تھا جو قرآن وسنت میں وارد ہیں۔ اس نے تنزیہہِ الٰہی میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو لاشئے اور معدوم (۱) بنا دیا وہ خدا کیلئے جہت یا سمت متعین کرنے کو شرک قرار دیتا تھا وہ خدا کی طرف ہاتھ، پاؤں، چہرہ، پنڈلی، جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے ان کی نسبت کرنے کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔ وہ اس آیت "ثُمَّ اسْتَوىٰ عَلَى الْعَرْش"

پھر وہ عرش پر جا ٹھہرا۔[الاعراف ۷/۵۴]

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ"

- جہمیت
- اعتزال
- انکارِ حدیث

رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا۔[طٰہٰ ۲۰/ ۵]

میں لفظ استویٰ کا ترجمہ استولیٰ سے کر کے بزعم خویش اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کیا تھا۔ امام ابن قیم نے اپنے قصیدہ نونیہ کے درج ذیل شعر میں اسی چیز کی وضاحت فرمائی ہے:

نُوْنُ الْيَهُوْدِ وَلَامُ جَهْمِيِّ هُمَا

فِيْ وُحْيِ رَبِّ الْعَرْشِ زَائِدَتَانِ

یہودیوں کا 'نون' حطۃ کی بجائے حنطۃ (۲) کہنا اور جہمیہ کا 'ل'

(استوی کو استولی) کہنا رب العرش کی وحی سے زائد ہے

اس کے علاوہ بھی اس کے بے شمار غلط معتقدات تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے عرش پر قرار پکڑنے یا اپنے ہاتھوں، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کا ذکر غیر مبہم الفاظ میں قرآن کریم میں فرمایا ہے تو اس کی تنزیہہ خود اس سے زیادہ بہتر اور کون کرسکتا ہے؟ رہی یہ بات کہ اس کا عرش کیسا ہے؟ یا وہ خود کیسا ہے اور کس طرح اس نے عرش پر قرار پکڑا ہے یا اس کا چہرہ اور ہاتھ کیسے ہیں؟ تو ہم یہ جاننے کے مکلّف نہیں ہیں کیونکہ اس نے خود ہی فرما دیا ہے ''لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ'' نیز فرمایا ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' تو بس ایک مسلمان کا یہ ایمان ہونا چاہئے کہ جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جوں کا توں تسلیم کرے۔ اسے عقل اور فلسفہ کی سان پر چڑھا کر اس کی دوراز کار تاویلات و تحریفات پیش کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں اور نہ ہی قرآن ایسی فلسفیانہ موشگافیوں کا متحمل ہوسکتا ہے کیونکہ جن لوگوں پر یہ قرآن نازل ہوا تھا وہ اُمّی اور فلسفیانہ موشگافیوں سے قطعاً نابلد تھے پھر یہ قرآن اشاروں اور کنایوں کی زبان میں بھی نہیں اُترا بلکہ عربی مبین میں نازل ہوا۔ ایسی ٹھیٹھ اور آسان زبان جسے ان پڑھ لوگ بخوبی سمجھ جاتے تھے۔

ارسطو کی تعلیمات کی تائید میں جہم بن صفوان کیلئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے خوش یا کسی پر ناراض ہوسکتا ہے اور جو آیات مثلاً ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' یا ''غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' وغیرہ قرآن پاک میں وارد ہیں ان سب کی دوراز کار تاویلات پیش کر کے خدا تعالیٰ کی صفات سے تنزیہہ کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس کے ہم خیال پیدا ہوئے اور اس کے نام کی نسبت سے جہمیہ کہلائے یہ لوگ ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق اختلافات کے علاوہ کئی دوسرے امور میں بھی اہل سنت والجماعۃ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن انہیں زیر بحث لانا مقصود نہیں۔

(۱) بخاری کتاب التوحید حاشیہ از وحید الزمان

(۲) یہودیوں نے حطۃ کی بجائے حنطۃ ''گندم یا معاشی فراوانی کا مطالبہ'' کہہ کر وہ بات کہہ دی جس کی طرف ان کی عقل نے رہنمائی کی۔

علاوہ ازیں مسئلہ تقدیر میں یہ لوگ انسان کو مجبور محض سمجھتے تھے۔ وہ انسان کے ارادہ کو من جانب اللہ تصور کرتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ انسان خود مخلوق خدا ہے۔ لہٰذا مخلوق کے ارادہ کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے۔ اسی طرح انسان کے افعال کا خالق بھی خدا ہے۔ انسان کی طرف افعال نسبت محض مجازی ہے۔ رہا جزا اور سزا کا مسئلہ تو جس طرح افعال جبری ہیں اسی طرح جزا اور سزا بھی جبری ہے۔ یعنی جس طرح جبر کی بناء پر انسان اچھے اور بُرے افعال کرتا ہے۔ اسی طرح جبر ہی کی بناء پر اسے جزا اور سزا بھی دی جاتی ہے۔

## (۲) معتزلین

اسی زمانہ میں ایک اور شخص واصل بن عطاء (۸۰-۱۳۰ھ) کا ظہور ہوا۔ مشہور یہ ہے کہ واصل بن عطاء حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بیٹھا ہوا تھا، اس کا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اختلاف ہوا کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا ہے (جیسے مرجیہ کا خیال تھا) یا کافر ہوجاتا ہے۔ (جیسا کہ خوارج کہتے تھے) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ وہ منافق ہوتا ہے۔ واصل بن عطاء نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور اپنے ہمنوا ساتھیوں کو لے کر آپ کے حلقۂ درس سے اُٹھ کر مسجد کے کسی دوسرے کونے میں الگ جا بیٹھا تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اِعْتَزَلَ عَنَّا یعنی وہ ہم سے کنارہ کر گیا۔

لیکن بات صرف اتنی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ واصل بن عطاء (۸۰-۱۳۰ھ) ایک مکتبِ فکر کا بانی بن کر سامنے آیا جو بعد میں اعتزال کے نام سے مشہور ہوا۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق اس کے عقائد جہم بن صفوان سے ملتے جلتے تھے۔ یونانی فکر کا رنگ اس پر بھی غالب تھا۔ اس کے معتقدین بعد میں معتزلہ کہلائے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان لوگوں کے بعد عقائد اہلسنت والجماعت سے مختلف تھے لیکن یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

جب ہارون الرشید (۱۴۷-۱۷۰ھ) کے عہد میں یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں شائع ہوئے تو یہ خیالات عام مسلمانوں تک پہنچے تو اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں دو قسم کے گروہ پیدا ہوگئے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے قرآن وسنت کے مقابلہ میں ارسطو کے نظریات الٰہیہ کو کلیۃً رد کردیا۔ دوسرا گروہ ان ذہین فطین لوگوں کا تھا، جس نے محض اس بات پر ہی اکتفانہ کیا کہ یونانی فلسفہ کو رد کردیا جائے، بلکہ انہوں نے عام مسلمانوں کو اس یونانی فلسفہ کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی خاطر فلسفہ کا جواب عقلی دلائل سے پیش کیا اور علم کلام کی طرح

ڈالی ایسے لوگوں میں امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۰ھ) امام بخاریؒ (م ۱۵۰ھ)، امام غزالی، امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ وغیرہ کے نام سر فہرست ہیں متاخرین میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایسی ہی خدمات انجام دیں۔

اور تیسرا گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے یونانی افکار ونظریات سے مرعوب ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور ان کو من وعن قبول کر لیا۔ اس گروہ کی تخم ریزی تو پہلے واصل بن عطاء کر ہی چکے تھے۔ یونانی افکار ونظریات سے تقویت پا کر ایک منظم فرقہ کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ان کے مخالفین تو انہیں معتزلین کے نام سے پکارتے تھے لیکن یہ لوگ خود کو "اهل العدل والتوحيد" کہتے تھے۔ گویا یہ لقب ان کے ہر دو گونہ نظریات کا جن سے وہ عام مسلمانوں سے اختلاف رکھتے تھے، ترجمان تھا۔

## نتائج:

جہم واعتزال کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) جب کبھی اسلام میں نئے نظریات کو داخل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بالعموم اس دور کے غالب رجحانات سے ذہنی شکست خوردگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ یہ نظریات فلسفہ سے تعلق رکھتے ہوں یا سائنس سے۔

(۲) ان نظریات کو تسلیم کروانے کیلئے عقل کی برتری اور تفوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ عقل کی برتری اور تفوق جہم واعتزال دونوں کے عقیدہ کا اہم جزو تھا۔

(۳) ان نظریات کی پہلی زد احادیث اور بالخصوص خبر واحد پر پڑتی ہے۔ جن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں ظنی اور نا قابل اعتماد قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی احادیث نئے نظریات کو اسلامی عقائد میں داخل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ ان لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ احاد ہیں اور ان سے علم حاصل نہیں ہوتا اور ان کا نام براہین عقلیہ رکھ لیتے ہیں" (صواعق ج:۲، ص ۲۷۵ بحوالہ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۲۱۹) اس لئے معتزلہ قانون اسلامی کے ماخذ میں سے حدیث اور اجماع کو قریب قریب ساقط کر دیتے ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۱۲۷ بحوالہ خلافت وملوکیت ص ۲۱۹)

پھر جہم واعتزال چونکہ مسئلہٴ تقدیر میں متضاد خیالات رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو حدیث جہم کے نزدیک مردود تھیں۔ وہی اعتزال کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے ہاں نا قابل قبول تھیں۔ وہی جہمیہ کے ہاں قابل قبول تھیں اور دونوں عقلی دلائل سے ان احادیث کو رد وقبول کا شرف بخشتے تھے۔

(۴) حدیث کی حجیت سے انکار کے بعد قرآن کی من مانی تاویلات کی گنجائش نکل جاتی ہے۔ لیکن یہاں بھی متضاد نظریات کے باعث یہی صورت حال تھی۔

(۵) حدیث کی حجیت سے انکار اور قرآن کی تاویل لازم وملزوم ہوتی ہے۔ جو شخص احادیث سے انکار کرے گا تو وہ لازمی طور پر قرآن کی کوئی نئی توجیہ پیش کرے گا۔ جو اس کے خیالات ونظریات کی آئینہ دار ہوگی۔ نیز یہ توجیہ یقیناً قرآن کریم کی تحریف ہوگی لہٰذا احادیث سے انکار کے اصلی محرک وہ عجمی تصورات ونظریات ہوتے ہیں جنہیں کوئی مسلمان اسلامی نظریات سے زیادہ سائنٹیفک اور برتر سمجھتا ہے۔

# عجمی تصورات کا دوسرا دور:

بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی نظریات کا دوسرا دور تیرہویں صدی ہجری یا انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا لیکن دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت اب حالات بہت مختلف تھے۔ اُس وقت مسلمان فاتح تھے اور اُنہیں سیاسی غلبہ حاصل تھا اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح ومغلوب قوموں کا فلسفہ تھا اِس وجہ سے اُن فلسفوں کا حملہ بہت ہلکا ثابت ہوا۔ اِس کے برعکس تیرہویں صدی ہجری میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پِٹ چکا تھا، اُس کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا، معاشی حیثیت سے اُنہیں کچل ڈالا گیا تھا۔ ان کا نظام تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور اُن پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنا مذہب، اپنی زبان، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی، سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے اُن کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا۔ اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار ونظریات درآمد ہو رہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں اور اُن پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق وباطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

اِس شکست خوردہ ذہنیت نے وہی پہلی معتزلہ والی سہ گونہ تکنیک

استعمال کی۔ یعنی (۱) یعنی احادیث کو جہاں تک ہو سکے مشکوک اور ظنی قرار دیا جائے اور مفسرین پر الزام لگایا جائے کہ وہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۲) سنت کے حجت یا سند ہونے سے انکار کر دیا جائے اور اس کے بعد

(۳) قرآن کی من مانی تاویلات کیلئے راستہ صاف کر لیا جائے۔

لیکن آج اِس تکنیک کو استعمال کرنے کی صورت وہ نہیں جو معتزلہ کے دور میں تھی۔ معتزلین خود ذی علم لوگ تھے۔ عربی زبان وادب میں بڑا پایہ رکھتے تھے اور ان کو سابقہ بھی ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کی علمی زبان عربی اور صلاحیت اعلیٰ تھی اور ان کا تعلیمی معیار بلند تھا۔ علمائے حق ہر طرف کثرت سے موجود تھے لہٰذا معتزلین بہت سنبھل کر بات کرتے تھے۔ مگر آج کا دور ایسا ہے کہ معترضین کے علم دین کا سرمایہ بیشتر مستشرقینِ مغرب کا مرہونِ منت ہے اور عوام کی علمی سطح انتہائی پست ہے لہٰذا آج کا حملہ بھی معتزلین کے حملہ سے دوگونہ وجوہ کی بناء پر شدید تر ہے۔ (بحوالہ آئینہ پرویزیت۔ ص ۶۹۔ از: مولانا عبدالرحمان کیلانی)

## سر سید احمد خان:

اس دور کے سرخیل سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) ہیں، آپ نے مغرب میں ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مغربی افکار وخیالات سے شدید متاثر تھے اور مسلمانوں کی بھلائی اسی بات میں سمجھتے تھے کہ وہ مغربی علوم سے آراستہ ہوں اور اس تہذیب کو جوں کا توں اپنا لیں۔ اس غرض کیلئے آپ نے دوگونہ اقدامات کئے ایک تو ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ مسلم کالج کی داغ بیل ڈالی۔ دوسرے اُسی دور میں قرآنِ کریم کی تفسیر لکھ کر اپنے نظریات کو کھل کر قوم کے سامنے پیش کیا۔ اِس دو گونہ اقدام سے آپ نے مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن میں مغربی افکار ونظریات بھرنے اور مسلمات اسلامیہ کا حلیہ بگاڑنے کی جو خدمات انجام دیں اس پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

آنچ گم، ہر طرف دھواں ہی دھواں      وائے بر سعی سید احمد خاں!!!!

یہ وہ دور تھا جب یورپ صرف اُس بات کو ماننے کیلئے تیار تھا جو عقل وتجربہ کی کسوٹی پر پرکھی جا سکتی ہو۔ بالفاظ دیگر کوئی ایسی بات جو مافوق الفطرت Supper Natural یا خارقِ عادت ہو۔ اہل مغرب کے ہاں ناممکن الوقوع اور خلاف عقل سمجھ کر رد کر دی جاتی تھی۔

دوسرے سر چارلس ڈارون (۱۸۰۹-۱۸۸۲) کا نظریہ ارتقاء بھی منظر عام پر آچکا تھا۔ یہ سوال ڈارون سے پہلے بھی پیدا ہو چکا تھا کہ آیا انسان اولادِ ارتقاء ہے یا اس کی پیدائش کسی دوسری نوعیت سے ہوئی تھی۔ ڈارون نے ۱۸۵۹ میں ایک اصل الاصول (Origin Spicies) لکھ کر یہ نظریہ مدون طور پر پیش کیا کہ انسان اولادارتقاء ہے۔

تیسرے یہ دور خالص مادیت پرستی کا دور تھا۔ ہر کام کے زیبا ونازیبا ہونے کا معیار دنیوی نفع ونقصان بن گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس تہذیب نو نے مساوات مرد وزن کا نعرہ لگا کر کئی قسم کے عائلی مسائل کھڑے کر دیئے تھے جو اسلامی تعلیمات سے براہِ راست ٹکراتے تھے۔

چونکہ سرسید اِن تمام افکار ونظریات سے شدید متاثر تھے، لہٰذا آپ نے: (۱) انبیاء کے معجزات سے یا تو سرے سے انکار ہی کر دیا یا ایسی تاویل پیش کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ خواہ یہ تاویل بجائے خود کتنی ہی غلط اور مضحکہ خیز کیوں نہ ہو۔ (۲) معجزات کے علاوہ باقی خوارق عادت باتیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں بھی ایسی ہی تاویلات پیش کیں مثلاً دعاء کی قبولیت یا جنت ودوزخ کی بعض کیفیات۔ (۳) ڈارونی نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر حضرت آدم کے فردِ واحد یا نبی ہونے سے انکار کر دیا۔ نیز فرشتوں اور ابلیس کے خارجی تشخص سے بھی جس سے ایمان بالغیب کے بہت سے اجزاء پر زد پڑتی ہے۔ (۴) مسائل حاضرہ پر قلم اُٹھا کر موجودہ تہذیب سے ہم آہنگی میں اسلامی عقائد ونظریات کا حلیہ بگاڑ دیا۔

ہم یہاں انہی باتوں کو زیر بحث لائیں گے۔ آپ نے چند در چند رسائل لکھ کر اپنے مخصوص نظریات امت کے سامنے پیش کیئے۔ اس "ماڈرن اسلام" کی غرض وغایت اور مقصد کا اندازہ آپ کی ایک تقریر کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی ہوتا ہے۔ (حوالہ ایضاً۔ ۷۰)

## جدید علم کلام کی ضرورت اور خصوصیات:

اِس زمانہ میں ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے جس سے یا تو ہم علومِ جدیدہ کو باطل ثابت کر دیں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر دکھائیں۔ میرے نزدیک جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں وہ پوری کوشش، حال کے علم طبیعی وفلسفہ کے مسائل کو اسلامی مسائل سے تطبیق دینے یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں کوشش نہ کریں گے، وہ سب گنہگار اور یقیناً گنہگار ہوں گے" (پاکستان کا معمار اول سر سید ص ۵۵، مطبوعہ طلوع اسلام، لاہور)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ سید صاحب کے خیال میں:

(۱) موجودہ علوم طبیعی اور فلسفہ کا یا تو بطلان ثابت کرنا یا پھر انہیں اسلام کے مطابق دکھانا ایک بہت بڑا دینی فریضہ ہے۔

(۲) جو لوگ اہلیت ہونے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کرتے وہ گنہگار ہیں۔

اور سید صاحب نے اس گناہ سے بچنے اور دینی فریضہ کو انجام دینے کیلئے اس کام کا بیڑہ اُٹھایا۔ وہ علم طبعی یا فلسفہ کو باطل تو ثابت نہ کر سکے۔ البتہ بزعمِ خود انہیں اسلام کے مطابق کر کے دکھایا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ علم طبعی اور فلسفہ کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی بجائے اپنی تمام تر کوششیں اور اہلیتیں اُلٹا اسلام کو علم طبعی اور فلسفہ کے مطابق کرنے میں صرف کر دیں۔ اِس اہم کام کیلئے جو طریق کار انہوں نے اختیار کیا وہ بھی درج ذیل اقتباس سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ (حوالہ ایضاً ص ۱۷)

## حدیث اور فقہ سب نا قابل حجت ہیں:

''اسلام کے متعارف مجموعہ میں وہ حصہ جس کو تمام مسلمان فہم من اللہ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس طرح خدا کی طرف سے نبیِ آخر الزمان کے دل میں القاء ہوا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ صرف وہی حصہ اِس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس میں جو بات مسائل فلسفہ اور حکمت کے خلاف معلوم ہوں اس میں اور مسائل حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائل حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ''حَسۡبُنَا کِتَابُ اللّٰہ'' کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء ومفسرین کے اقوال وآراء اور تمام فقہاء ومجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بناء پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء ومفسرین اور فقہاء ومجددین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا۔ اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سر سید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ (حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمارِ اول ص ۵۷)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مجوزہ ''کارعظیم'' کے راستے میں تمام مجموعۂ احادیث تمام علماء ومفسرین کے اقوال وآراء اور تمام فقہاء ومجتہدین کے قیاسات واجتہادات ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ لہٰذا آپ نے ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا اور ان سب سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے: (حوالہ ایضاً۔۱۷)

## قرآن اور نیچر:

''ضروری تھا کہ قرآن مجید کی ہدایتیں اس طرح بیان کی جائیں کہ اس سے ایک صحرائی اونٹ چرانے والا بدو اور ایک اعلیٰ درجہ کا حکیم سقراط برابر فائدہ اُٹھائیں، قرآن مجید ہی ایسا کلام ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور جس کے مختلف درجوں بلکہ متضاد حیثیتوں کے لوگوں کی یکساں ہدایت ہوتی ہے۔ ایک جاہل بدو، ایک مقدس مولوی اس کے معانی سے جیسے ہدایت پاتا ہے اور کسی لفظ کو نیچر یا فلسفہ کے خلاف نہیں پاتا'' (حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمارِ اول ص ۵۸)

اس اصول سے کسی کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن ہدایت کے حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم نے خود ہی ایک اور شرط بھی عائد کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيْراً وَّيَهْدِيْ بِهِ كَثِيْراً وَّمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ. [بقرہ۲/۲۶]

خدا اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔

یعنی قرآن واقعی سب کیلئے ہدایت ہے مگر جو قلبِ سلیم کے ساتھ اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہے اور جس کا دل کجرو اور فاسق نہ ہو، جو قرآن کی روشنی کے تابع ہو کر چلنا چاہے نہ کہ قرآن کو اپنے قلب وذہن کے تابع کرنا چاہے۔ سارے بدو یا مولوی یا ہر زمانہ کے سقراط اُس سے ہدایت ہی نہیں پاتے۔ بیشتر گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور مشاہدہ بھی اِس بات کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔ کہ اکثر گمراہ فرقوں اور مذاہب باطلہ کے بانی انتہاء درجہ کے ذہین وفطین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے کہ قرآن ہر فلاسفر کے فلسفہ یا ہر نیچری کی نیچریت کے مطابق ہے۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ نیچر یا تمام قوانین فطرت کا احاطہ کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے تو جن چند قوانینِ فطرت پر انسان کو آگہی حاصل ہوئی ہے انہیں تک قرآن کو محصور کر کے قرآنی آیات کی ان کے مطابق تاویل کر دینا کونسی دینی خدمت ہے؟ فلسفہ کا معاملہ اس سے بھی نازک ہے۔ فلسفہ ایک استدلالی علم ہے مگر انسان کی زندگی فلسفہ یا استدلالی علم کی پابند نہیں۔ زندگی میں ایسی بہت سی باتیں وجدان سے حاصل ہوتی ہیں اور قرآن کتاب زندگی ہے۔ فلسفہ کی کتاب نہیں، لہٰذا جو شخص فلسفہ یا نیچر یا کسی خاص دور کی علمی سطح سے مرعوب ہو کر قرآن سے اس کا بطلان (۱) ثابت کرنے کی بجائے قرآن کو ان چیزوں کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس کی ذہنی شکست خوردگی کی دلیل تو بن سکتی ہے۔ قرآن کی تفسیر نہیں کہلا سکتی۔ سید صاحب اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے قرآن کو نیچر اور فلسفہ کے ماتحت بنا دیا ہے۔ (حوالہ ایضاً۔۷۲)

## سر سید احمد خان کے نظریات:

اب ہم سر سید احمد خان کی تفسیر ''تفسیر القرآن'' سے آپ کے چند

کارہائے نمایاں مختصراً بطورِ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

## (۱) معجزات کا انکار:

معجزہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا خرقِ عادت یا عام دستور اور مشاہدہ کے خلاف واقعہ جس کا صدور کسی نبی سے ہوا ہو۔ قرآن نے معجزہ کیلئے آیت یا مبصرۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ایسا کوئی نہ کوئی معجزہ انبیاء کے ساتھ لازم وملزوم سمجھا جاتا رہا ہے۔ اسلئے انبیاء کے مخاطبین بالعموم ان سے اپنی بات کی صداقت کے ثبوت میں معجزہ کا مطالبہ بھی کرتے رہے ہیں۔ ایسے خرقِ عادت واقعات کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) انسان کی عادت ہے کہ کوئی واقعہ عادت کے خلاف سنتا ہے تو بالعموم اس کا انکار کر دیتا ہے اور اگر بچشم خود دیکھ لے تو حیران رہ جاتا ہے لیکن اگر وہی واقعہ دو تین چار مرتبہ پیش آجائے تو وہ عادت بن جاتا ہے، لہٰذا اس کی حیرانی واستعجاب ختم ہوجاتی ہے اس کی سب سے واضح مثال تو انسان کی اپنی پیدائش ہے جو ناپاک پانی کے قطرہ سے پیدا ہوتا ہے اور جس کی طرف اللہ نے بار بار توجہ دلائی ہے لیکن چونکہ یہ عادتِ مستمرہ بن چکی ہے لہٰذا اس پر کسی طرح کی حیرت واستعجاب تو درکنار خیال تک بھی انسان کے دل میں نہیں آتا۔

(۲) اس کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی ایک واقعہ انسانی تاریخ کے کسی مخصوص دور میں معجزہ تو سمجھا جاتا ہے لیکن بعد کے ادوار میں وہ معجزہ نہیں رہتا۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ ہوا ان کے تابع تھی اور وہ ایک ماہ کا سفر ایک پہر میں طے کر لیتے تھے لیکن آج ہوائی جہاز کی دریافت نے اس معجزہ کی اعجازی حیثیت کو ختم کر دیا ہے۔ یا اسی طرح اگر ارسطو یا فیثا غورث کے زمانہ میں کوئی شخص یہ اعجاز پیش کرتا کہ یونان میں بیٹھ کر پاکستان میں رہنے والے کسی شخص سے بات چیت کر رہا ہے تو اسے عوام تو درکنار مفکرین بھی پاگل ہی قرار دیتے لیکن آج ٹیلیفون کی ایجاد نے اس کی اعجازی حیثیت کو ختم کر دیا ہے۔

اِن تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اشیائے کائنات کے خواص سے متعلق انسان کا علم یا لاعلمی ہی کسی ایک واقعہ کو خاص دور میں تو معجزہ سمجھتی ہے لیکن وہی واقعہ اس سے اگلے دور میں عادت بن جاتا ہے۔ اب دیکھئے قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات مذکور ہیں جو آج تک معجزہ ہی بنے ہوئے ہیں اور انسان کا علم اس گتھی کو سلجھا نہیں سکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے معجزات کو من وعن قبول کر لینا چاہئے یا ان کی تاویل پیش کر کے انسان کی علمی سطح تک نیچے لے آنا چاہئے؟

(۱) اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے فلاسفر ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن کے ساتھ احادیث سے اقوال ومفسرین کی اقوال وآراء سے فقہاء مجتہدین کے قیاسات اور اجتہادات سے بھرپور استفادہ بھی کیا اور اپنے دور کے فلسفہ کا بطلان بھی کیا۔ جیسے امام احمد بن حنبل، امام غزالی، امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہم وغیرہم۔

سوال درحقیقت یہ ہے کہ آیا انسان اشیائے فطرت کے خواص اور قوانین کا پورا احاطہ کر چکا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو ایسے معجزات کا من وعن تسلیم کر لینا ہی راہِ صواب ہے اس سوال کے جواب میں سرسید صاحب خود لکھتے ہیں: (حوالہ ایضاً۔ ص ۷۳)

## سرسید کا نظریۂ معجزات:

تمام قوانینِ قدرت ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہیں وہ نہایت قلیل ہیں اور ان کا علم بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب امر واقع ہو اور اس کے واقع ہونے کا کافی ثبوت بھی موجود ہو اور اس کا وقوع معلومہ قانون قدرت کے مطابق بھی نہ ہوسکتا ہو اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ بغیر دھوکہ اور فریب کے فی الواقع ہوا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقعہ بلاشبہ اس کے وقوع کیلئے کوئی قانونِ قدرت ہے مگر اس کا علم ہم کو نہیں کہ خلافِ قانونِ قدرت کوئی امر نہیں ہوتا اور جب وہ کسی قدرت کے قانون کے مطابق واقعہ ہوا ہے تو وہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر وہ شخص جس کو وہ قانون معلوم ہوجائے وہ اس کو کر سکے گا؟ (تفسیر القرآن ۳/۳۴) حکماء وفلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار خواہ کسی وجہ سے کیا ہو ہمارا انکار صرف اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اس لئے انکار کرنا ضروری ہے۔ بلکہ ہمارا انکار اس بناء پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطورِ خرقِ عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت کے امتناع پایا جاتا ہے۔ جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلافِ قانونِ قدرت نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص: ۳۷)

غور فرمایا آپ نے سید صاحب کے معجزہ کے اقرار میں بھی کتنے انکار پوشیدہ ہیں۔ آپ معجزہ سے صرف اس لئے انکار کر رہے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی خلاف قانون قدرت کا واقعہ کا ذکر موجود نہیں ہے۔ یہاں دو سوال ذہن میں ابھرتے ہیں۔

(۱) کیا قانون قدرت کے خلاف کسی امر کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟

(۲) کیا قرآن کریم میں ایسے کسی واقعہ کا ذکر ہے بھی یا نہیں جو قانون قدرت کے خلاف ہو؟ اب ہم انہی سوالات پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔ (حوالہ ایضاً۔ ۷۴)

## قوانینِ قدرت میں تبدیلی:

قوانین قدرت کے غیر متبدل ہونے کے ثبوت میں جو آیت پیش کی جاتی ہیں وہ یہ ہے

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَّلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً

سوتم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔ [الفاطر ۳۵/۴۳]

اب سوال یہ ہے کہ قوانین قدرت تو لاتعداد ہیں۔ کچھ قوانین اجرامِ فلکی کی حرکت، ان کی کشش ثقل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ دوسرے اشیاء کے خواص سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پانی ہمیشہ نشیب کی طرف ہی بہتا ہے۔ مائعات جم کر سکڑ جاتے ہیں۔ ہوا گرم ہو کر اوپر اُٹھتی ہے۔ زہر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو اخلاقیات اور قوموں کے عروج وزوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو جاندار اشیاء کے طبعی تقاضوں اور حیات وممات سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن کریم ''اللہ کے طریقہ'' یا قانون قدرت کو غیر متبدل قرار دیتا ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

قرآن میں یہ الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں اور ان سب مقامات کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانون کو غیر متبدل قرار دیا ہے۔ وہ انسان کی اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے اور قوموں کے عروج وزوال کے قانون کو غیر متبدل قرار دیتا ہے۔ یعنی جب کوئی قوم اپنی سرکشی کی بناء پر نبی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیتی ہے یا نبی بحکم الٰہی وہاں سے نکل جاتا ہے۔ یا کوئی قوم اخلاقی پستیوں میں گر جاتی ہے تو وہ عذاب میں ماخوذ اور زوال پذیر ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا قانون ایسا قانون ہے۔ جس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے۔ اب آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا

اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے یہ لوگ تو بس پہلے لوگوں کی روش کے منتظر ہیں سوتم خدا کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔ [الفاطر ۳۵/۴۳]

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا، سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلاوطن کر دیں اور اس وقت تمہارے بعد یہ بھی نہ رہتے مگر تھوڑی مدت۔ جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا طریق یہی رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔ [الاسراء ۱۸۱/۷۶-۷۷]

مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا، سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا

وہ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے اور جو لوگ پہلے گذر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی ہماری یہی عادت رہی ہے اور تم خدا کی عادت میں تغیر وتبدل نہ پاؤ گے۔ [الاحزاب ۳۳/۶۱-۶۲]

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا، سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا

پھر کسی کو دوست نہ پاتے اور نہ مددگار یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ [الفتح ۴۸/۲۲،۲۳] (حوالہ آئینہ پرویزیت۔ ص ۷۵۔۷۶۔ از: مولانا عبدالرحمان کیلانی)

## قوانین قدرت اور استثنائی صورتیں:

مندرجہ بالا جملہ مقامات میں قوموں کی اخلاقیات اور ان کے زوال کا قانون بیان کیا گیا ہے اور یہی ایسا قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ رہے دوسرے قوانین فطرت یا قدرت تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں تبدیلی ممکن ہے۔ مثلاً

(۱) اجرام فلکی کی حرکت کے قوانین جو ہمیں لگے بندھے اصولوں کے مطابق نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں بنی نوع انسان کی عمر نہایت قلیل ہے۔ روزانہ اس عظیم کائنات کا وجود میں آنا اور پھر کسی وقت فنا ہو جانا ان قوانین میں تغیر وتبدل کی واضح دلیل ہے۔

(۲) زہر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کیلئے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے لیکن کبھی وہی زہر کسی انسان کیلئے تریاق بھی بن جاتا ہے اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن واقعہ سے انکار ممکن نہیں۔

(۳) دوسری تمام مائعات کے برعکس پانی جم کر پھیل جاتا ہے، جب کہ دوسری مائعات جم کر سکڑتے ہیں یہ ایسی استثنائی صورت ہے جو انسان کے علم میں آچکی ہے مگر عام قانونِ فطرت سے اس استثناء میں کسی کو مجال کا انکار نہیں۔

(۴) کسی مخصوص مقام پر بارش کے طبعی عوامل یہ ہیں، سمندر سے فاصلہ، موسم، ہواؤں کا رُخ، پہاڑوں کی بلندی، پھر کیا وجہ ہے کہ کسی مخصوص مقام پر خاص موسم میں کبھی تو وہ موسم بالکل خشک گذر جاتا ہے اور کبھی لگاتار بارشوں سے سیلاب آجاتے ہیں اور کبھی معمول کے مطابق بارش ہوتی ہے تو یہ اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ کوئی بالاتر ہستی موجود ہے جو ان قوانین قدرت کے تغیر وتبدل پر پورا کنٹرول رکھتی ہے یہ اور ایسے بے شمار واقعات اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

جن سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ قوانین قدرت میں مستثنیات موجود ہیں۔ اگر زہر کسی خاص انسان کیلئے تریاق بن سکتا ہے، تو آگ بھی کسی خاص انسان کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوسکتی ہے۔ (حوالہ ایضاً ص۷۶)

## معجزات سے انکار کی اصل وجہ:

ہمارے خیال میں انکارِ معجزات کی وجہ یہ نہیں کہ قوانین فطرت میں استثناء ناممکن ہے کیونکہ ایسے مستثنیات تو مشاہدہ میں آتے ہی رہتے ہیں۔ کسی انسان کے ہاں دوسر والا بچہ بھی پیدا ہوسکتا ہے ماں باپ دونوں اندھے ہوں تو اولاد بینا بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس کا انکار کی تہہ میں وہی ارسطو کا خدا کے متعلق تجریدی تصور کارفرما ہے۔ جس کے تحت خدا نے ایک دفعہ کائنات کو حرکت تو دے دی ہے اور اب وہ خاموش تماشائی بن گیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس نے قوانین فطرت بنا دیئے ہیں اور اب خود بھی ان کا پابند بن گیا ہے۔ لیکن قرآن ایسے خدا کا تصور پیش کرتا ہے جو حی وقیوم، قادر مطلق اور حکیم وخبیر ہے اور جیسے چاہتا ہے، جب چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ وہ قوانین فطرت کا پابند نہیں۔ قوانین فطرت اس کے حکم کے پابند ہیں۔ وہ ان قوانین میں ہر وقت اپنی حکمت ومصلحت کے پیش نظر تغیر وتبدل کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ (حوالہ ایضاً۔۷۷)

## قرآن کریم میں مذکور معجزات:

خدا کو "قدرت واختیار" کی کرسی سے ہٹا کر جب آپ نے قرآن میں ایسے بے شمار معجزات کا ذکر دیکھا تو انہوں نے ان معنوں میں معجزات کا یکسر انکار کردیا جو معنی قرآن کریم کی عبارت والفاظ سے واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ بلکہ ان واقعات کا رُخ اس طرف موڑا اور قرآنی الفاظ کی ایسی مضحکہ خیز تاویل پیش فرمائی کہ ان تمام معجزات کو مطابقِ فطرت بنا کے چھوڑا اور اس کارِ خیر میں اتنی کوشش فرمائی کہ اب انہیں قرآن کریم میں کوئی معجزہ نظر ہی نہیں آتا۔

ہم یہاں آپ کی تمام تر تاویلات کا ذکر نہیں کرسکتے۔ البتہ ازراہِ تفنن چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

## ۱۔ آگ کا ٹھنڈا ہونا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ انہیں سرے سے آگ میں ڈالا ہی نہیں تھا۔ یہ معاملہ محض کفار کی کوششوں اور تدبیروں تک ہی محدود رہا۔ (تفسیر القرآن دیباچہ ص۱۷) آپ کی دلیل یہ ہے:

قُلْنَا یَا نَارُ کُونِی بَرْداً وَّسَلَاماً عَلَیٰ إِبْرَاهِیمَ وَأَرَادُوا بِهِ کَیْداً فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِینَ

ہم نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم کیلئے تدبیر کی سو ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔
(الانبیاء ۲۱/۶۹-۷۰)

اب ان کی تدبیر کیا تھی؟ وہ تدبیر یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جائے اور وہ اللہ نے ناکام بنا دی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اتنی ہی بات تھی تو اللہ تعالیٰ کا آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جانے کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے اتنا بھی علم نہ تھا کہ ہونا ہوانا تو کچھ ہے نہیں پھر آگ کو ایسا حکم دینے کا کیا مطلب؟ (حوالہ آئینہ پرویزیت۔۷۷۔از: مولانا عبدالرحمان کیلانی)

## ۲۔ اصحابِ فیل:

اصحاب فیل کا قصہ قرآن میں یوں مذکور ہے کہ ابرہہ حاکم یمن کے ہاتھیوں کے لشکر پر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے۔ جنہوں نے اُس لشکر پر اتنی کنکریاں برسائیں کہ سارے لشکر اور ہاتھیوں کو چھلنی کر کے کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ اب سید صاحب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی تھی اور وہ فوج مرگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس وباء کی مکہ والوں سے کیا دوستی تھی کہ اس نے انہیں تو کچھ نہ کہا اور ابرہہ کی فوج کو ہاتھیوں سمیت ختم کر کے دم لیا حالانکہ یہ دونوں ایک ہی علاقے اور ایک ہی وقت میں موجود تھے؟ پھر یہ ہاتھیوں کی چیچک کا تصور بھی خوب ہے اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کی آیت

تَرْمِیهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّیلٍ

جو ان پر پتھروں کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ [الفیل ۱۰۵/۴] سے چیچک کی وباء کا تصور کیسے کشید کیا جاسکتا ہے۔

## ۳۔ عصائے موسیٰ اور ید بیضاء:

اب ملاحظہ فرمایئے ان تاویلات کی زد کہاں تک پہنچتی ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں۔ "ان آیتوں پر جو عصائے موسیٰ کے سانپ بننے اور ید بیضاء پر دلالت کرتی ہیں، غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا۔ جس کا اثر خود ان پر ہوا تھا۔ یہ کوئی معجزہ یا مافوق الفطرت نہ تھا نہ اس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوا تھا، کسی معجزہ کے دکھانے کا موقع تھا اور نہ یہ تصور ہوسکتا ہے۔ کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھائے جاتے ہوں اور معجزوں کی مشق کرائی جاتی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں از روئے فطرت وجبلت کے وہ قوت نہایت قوی تھی جس سے اس قسم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینک دی اور وہ ان کو سانپ یا اژدھا

دکھائی دیا۔ یہ خود ان کا تصرف اپنے خیال میں تھا، لکڑی لکڑی ہی تھی۔ اس میں فی الواقع کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ خدا نے اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ **فَانْقَلَبَتِ الْعَصَا ثُعْبَانًا** یعنی وہ لاٹھی بدل کر سانپ ہوگئی بلکہ سورۂ نحل میں فرمایا ''**کَاَنَّهَا جَآنٌّ**'' یعنی گویا وہ اژدہا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ درحقیقت کوئی اژدہا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ لاٹھی ہی تھی۔ (تفسیر القرآن ج ۳، ص: ۲۲۲)

سید صاحب کی اس تحقیق پر دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

(۱)　ہمیں قوتِ باطنی بھی تسلیم ہے۔ قوتِ نفسانی یا قوتِ مقناطیسی جو کچھ آپ کہیں تسلیم ہے، اور یہ بھی تسلیم ہے کہ اس قوت کو حاصل کرنے والے عامل دوسروں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں لیکن ان کا خود اپنے ہی عمل سے متاثر ہونا یہ ناممکن الوقوع بات ہے کیا آپ نے کوئی ایسا عمل بھی دیکھا ہے کہ دوسرے پر اپنی توجہ ڈالے مگر اس چیز پر تو کچھ اثر نہ ہو۔ الٹا عامل پر ہی اثر پڑنا شروع ہوجائے۔ کیا عامل اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ان کے اپنے ہی اوسان خطا ہوجائیں گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس قوت مقناطیسی سے عصا کی لکڑی پر تو خاک اثر نہ ہوا، الٹا نہیں ہی وہ اژدھا نظر آنے لگی۔ پھر وہ اس سے اس قدر دہشت زدہ بھی ہوئے کہ پیچھے ہٹنے لگے۔ کیا کوئی ایسا عمل بھی کرتا ہے جس کا فائدہ تو کچھ نہ ہو الٹا عامل کو ہی نقصان پہنچے؟

(۲)　آپ نوعِ انسانی میں ارتقاء کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں لیکن کسبِ کمال یا فن کے سلسلہ میں یہ اصول قطعاً نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام قوت مقناطیسی اثر جو کچھ بھی تھا۔ خواہ وہ حقیقۃً اژدہا بن گیا تھا یا بقول آپ کے وہ لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی رہا لیکن آپ نے اسے اژدھا سمجھ لیا اور ڈر بھی گئے۔ یہ زندگی بھر کا پہلا مقناطیسی اثر یک لخت کیسے ظہور پذیر ہوگیا۔ یہ مقناطیسی قوت ابتدائے پیدائش سے ہی آپ میں موجود تھی یا وحی کے ساتھ پیدا ہوئی؟ اگر پہلے سے موجود تھی تو پہلے بھی کوئی چھوٹا موٹا واقعہ ضرور دریافت ہونا چاہیے۔

یہ تو عقلی اعتراضات تھے۔ اب نقلی اعتراضات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے یوں فرماتے ہیں۔

**فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى، قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى**

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ (طٰہٰ ۲۰/ ۲۰، ۲۱)

اگر لکڑی لکڑی ہی رہی تھی تو اس کو پہلی حالت پر لانے کا کیا مطلب؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے کہ ہم تمہاری مقناطیسی قوت کم کردیں گے۔ یا چھین لیں گے تاکہ تمہیں یہ لکڑی ہی نظر آئے۔ سیرت تو بقول سید صاحب موسیٰ علیہ السلام کی بدلنی چاہئے تھی نہ کہ عصاء کی۔

سید صاحب اسی قوت نفسانی کے اثر سے ید بیضاء کا مسئلہ بھی حل فرمادیتے ہیں۔ یعنی وہ بھی بس دیکھنے والوں کو چٹا نظر آتا ہے۔ کوئی معجزہ یا مافوق الفطرت بات نہ تھی بعد میں آپ کو خیال آیا کہ:

''اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عصائے موسیٰ کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا چٹا ہوجانا بھی اس طرح قوت نفسانی پر اثر تھا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں کی رسیاں بھی سانپ دکھائی دیتی تھیں تو خدا نے عصائے موسیٰ اور ید بیضا کو ''**فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ**'' یعنی ان کو خدا کی طرف سے برہانؑ کیوں فرمایا ہے؟ پھر اس کی وجہ بتائی کہ برہان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عصائے موسیٰ کا اژدہا مرئی ہونا یا ہاتھ کا چٹا دکھائی دینا فرعون اور اس کے سرداروں پر بطورِ حجت الزامی کے تھا، وہ اس قسم کے امور کو اس بات کی دلیل سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے اور اسی سبب سے انہوں نے کہا کہ اگر کوئی کرشمہ دکھایا جائے گا تو وہ دعویٰ کو سچا جانیں گے۔ (ج: ۳، ص: ۲۵۵)

اب سید صاحب کھل کر سامنے آگئے، ان کے خیال کے مطابق عصائے موسیٰ اور ید بیضا معجزے نہیں بلکہ کرشمے تھے جو فرعون کے جادوگروں کے کرشموں سے بڑے تھے۔ اسی لئے خدا نے ان کو برہان کہا ہے تو اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سحرۃ فرعون سے بڑے ساحر ہوئے (نعوذ باللہ من ذلک) صرف درجہ کا فرق تھا اور یہی فرعون کا گمان تھا اس نے بھی یہی کچھ کہا تھا کہ ''**اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ**'' (۲۰: ۷۱) جس کی سید صاحب نے تصدیق فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس قول کو ''**وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى**'' (۳۰۔ ۲۹) کہہ کر مردود قرار دیا ہے۔ **فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ** (حوالہ ایضاً۔ ص ۷۸ تا ۸۰)

## ۴۔ دریا کا پھٹنا:

یہ واقعہ بھی قرآن میں کئی مقامات پر بہ صراحت موجود ہے جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکلے اور فرعون ان کے تعاقب میں نکلا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی دریا پر اپنا عصا مارا۔ وہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہوگیا۔ دریا کے دونوں حصے بڑے پہاڑ کی مانند کھڑے ہوگئے۔ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے تو دریا عبور کرلیا اور جب فرعون اور اس کے لشکری داخل ہوئے تو دریا جاری ہوگیا جس کی وجہ سے فرعون اور اُس کے ساتھی غرق ہوگئے۔ اب سید صاحب کے ارشادات سنئے۔

''نہ کوئی دریا پھٹا اور نہ کوئی خلافِ عادت معجزہ ظہور میں آیا بلکہ اس دریا کی سمندر کی طرح عادت تھی کہ مدوجزر چڑھنا اور اترنا آناً فاناً اس میں ہوا کرتا تھا۔ پس جب رات کو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سمیت گذرے تھے تو اس وقت خشک تھا اور جب فرعون گذرنے لگا تو اتفاقاً چڑھ گیا'' (تفسیر القرآن ۱/۹۹)

اب دیکھئے کہ مادہ پرست تو ساری کائنات کو اتفاقاً ہی سے پیدا کردیتے ہیں۔ اگر سید صاحب نے دریا کے پانی کو اتفاقاً چڑھا دیا تو کون سی آفت آگئی۔ لیکن حیرانگی ضروری ہے کہ مدوجزر کے اوقات مقرر و متعین ہوتے ہیں جو سب لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ فرعون اور اس کے لشکری بڑے ہی جاہل تھے کہ ان کے قلمرو میں ایک دریا بہہ رہا ہے اور اس کے مدوجزر کے اوقات سے بھی ناواقف تھے جس کا علم بعد میں سید صاحب کو ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ تو اس دریا کو پھاڑنے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینے کو ایک احسانِ عظیم کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور سید صاحب ہیں کہ وہ اسے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے اور اسے ایک فطری امر قرار دے رہے ہیں پھر احسان عظیم آخر کس بات کا تھا؟ (حوالہ ایضاً۔۸۰)

## ۵۔ بارہ چشموں کا پھوٹنا:

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پانی کیلئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اس کی تاویل آپ نے یہ فرمائی ہے کہ

''حجر کے معنی پہاڑ کے ہیں اور ضرب کے معنی رفتن کے پس صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چل۔ اس پہاڑ کے پرے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے۔ خدا نے فرمایا **فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً** یعنی اس میں سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے۔ (ایضاً ج ۱/۱۱۳)

یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کے سہارے نہ جاتے، لاٹھی کے بغیر وہاں جاتے تو شاید وہاں یہ بارہ چشمے موجود نہ ہوتے۔ یہ لاٹھی کے سہارے چلنے ہی کی برکت تھی، کہ وہاں بارہ چشمے موجود تھے اور بھی شاید لاٹھی ہی کی کرامت تھی کہ وہ پورے بارہ ہی تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔

پہاڑ کیلئے عربی میں بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ مثلاً ''**جبل، جبال، رواسی، طود، صخرہ**'' جو علی الترتیب چھوٹے بڑے پہاڑوں پر بولے جاتے ہیں۔ مگر حجر کے معنی پتھر ہی ہیں۔ پھر ضرب کا صلہ اگر فی ہو تو اس کے معنی چلنا ہوتے ہیں۔ جیسے **ضَرَبَ فِي الْأَرْضِ** کے معنی زمین میں چلنا پھرنا یا سفر کرنا ہے اور جب ضرب کا صلہ ب سے ہو تو اس کے معنی چلنا نہیں بلکہ کسی چیز سے مارنے کے ہوتے ہیں اور ب کے بعد اس آلہ کا ذکر ہوتا ہے جس سے مارا جائے۔ گویا **اضرب بعصاک** کے معنی لاٹھی سے مارنا ہی ہوں گے لاٹھی کے سہارے چلنا لغت کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ (حوالہ ایضاً۔ ص ۸۱)

## ۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور وفات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات دونوں بڑے عظیم معجزے ہیں۔ حیات عیسیٰ یا حضرت عیسیٰ کا باپ ثابت کرنے میں تو سید صاحب اکیلے ہیں۔ مگر وفات عیسیٰ میں مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۹۰۸) بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مقاصد دونوں کے الگ الگ ہیں۔ مرزا صاحب کو مسیح موعود کی خالی کرسی درکار تھی وہ جب تک ان کو فوت شدہ ثابت نہ کرتے یہ نہیں مل سکتی تھی اور سید صاحب کا مقصد مسلمانوں کو نیچر پسند ثابت کرکے مغرب سے سرخروئی حاصل کرنا اور مسلمانوں کو خرقِ عادت واقعات قبول کرنے کے بعد بدنما داغ سے بچانا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ ان دونوں حضرات کے بنیادی نظریات میں براہِ راست تصادم ہے ایک صاحب پکے فطرت پرست ہیں تو دوسرے کی زندگی کا مدار ہی کرامات و الہامات پر ہے۔ تاہم وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر دونوں کا اتحاد ہو جاتا ہے۔ دونوں حضرات تاویلات میں خوب ماہر ہیں اور مرزا صاحب نے تو بذریعہ کشف حضرت عیسیٰ کی قبر بھی کشمیر میں دریافت کرلی ہے۔

بہرحال یہ دونوں مسائل اتنے طویل ہیں کہ ان کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے باقی معجزات کے متعلق سید صاحب کے ارشادات سے قارئین کو ضرور مستفید فرمائیں گے۔ (حوالہ ایضاً۔ ص ۸۱)

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزات:

قرآن کریم میں متعدد بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر آتا ہے کہ وہ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو باذن اللہ بینا کردیتے تھے اور کوڑھیوں کے مرض کو دور کردیتے تھے۔ پرندوں کی مٹی سے شکلیں بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ باذن اللہ زندہ پرندے بن جاتے تھے، وہ لوگوں کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا اور کیا کچھ گھر میں رکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ معجزات کو تسلیم کرنے کی وجہ سے سید صاحب کو علمائے اسلام سے یہ بھی شکوہ ہے کہ وہ ایسی آیات کے معنی جن میں معجزات کا ذکر ہے یہودیوں اور عیسائیوں ہی کی طرح کیوں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

''علمائے اسلام کی عادت ہے کہ قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ان

آیتوں کے معنی بھی وہی بیان کئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مُردوں کو جلا دیتے تھے۔ (ایضاً ج:۲،ص:۱۴۴)

مثل مشہور ہے کہ پہلے کتے کو بدنام کرو۔ پھر اسے مارڈالو۔ یہی تکنیک سید صاحب اختیار کرتے ہیں خود تو جہاں ضرورت پیش آئے، بائبل کی روایات بلاتکلف پیش کردیتے ہیں مگر علمائے اسلام سے انہیں یہ گلہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کے مفہوم کو عیسائیوں اور یہودیوں جیسا کیوں.... بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تو صاف ہے کہ قرآن بھی اللہ کا کلام ہے اور تورات بھی اللہ کا کلام ہے۔ محرف شدہ ہی سہی مگر سارا تو غلط نہیں۔ بہت سی باتیں آج بھی ان دونوں کتابوں میں ایک جیسی پائی جاتی ہیں۔

اب دیکھئے سید صاحب مردوں کو زندہ کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

انسان کی روحانی موت اس کا کافر ہونا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحدانیت تعلیم کرنے اور خدا کے احکام کے بتانے سے لوگوں کو اس موت سے زندہ کرتے تھے اور کفر کی موت کے پنجے سے نکالتے تھے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ (حوالہ ایضاً)

**زندہ باد!** مردوں کو زندہ کرنے کا یہ انکشاف جو سید صاحب نے فرمایا ہے یہ کام تو سب انبیاء ہی کرتے تھے، اس میں بھلا حضرت عیسیٰ کے خصوصی ذکر کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ پھر فرماتے ہیں کہ

"اندھے لنگڑے اور چوڑی ناک والے کو، یا اس شخص کو جس میں کوئی عضو زائد ہو اور ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور کبڑے اور ٹھگنے کو اور آنکھ میں پھلی والے کو معبد میں جانے اور معمولی طور پر قربانیاں کرنیکی اجازت نہ تھی یہ سب ناپاک اور گنہگار سمجھے جاتے تھے اور عبادت کے لائق یا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لائق متصور نہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تمام قیدیں توڑ دی تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے، لنگڑے، چوڑی ناک والے ہوں یا پتلی ناک کے، کبڑے ہوں یا سیدھے، ٹھگنے ہوں یا لمبے۔ پھلی والے ہوں یا جالے والے سب کو خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی، کسی کو خدا کی رحمت سے محروم نہیں کیا۔ کسی کو عبادت کے اعلیٰ درجے سے نہیں روکا۔ بس یہی ان کوڑھیوں اور اندھوں کا اچھا کرنا تھا یا ان کو ناپاکی سے بری کرنا تھا۔ جہاں جہاں بیماریوں کا انجیلوں میں اچھا کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہی مراد ہے اور قرآن میں جو آیتیں ہیں ان کے بھی یہی معنی ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴۶)

بالفاظ دیگر معجزات کی صحت کا آپ نے خود ہی ثبوت بہم پہنچادیا کہ انجیل اور قرآن ان سب باتوں کے بیان کرنے میں مشترک ہیں اور ان کے متبعین بھی ان سے ایک ہی جیسے معنی و مفہوم مراد لیتے رہے ہیں اور انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات یا خرقِ عادت امور ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اب بھی اگر سید صاحب اپنے فہم کا قصور نہ سمجھیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں ان کے اس فہم کو غلط ثابت کرنے کی مزید ضرورت بھی نہیں۔

قرآن نے معجزہ یا نشان نبوت کیلئے بالعموم آیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب تاویل کی راہیں یوں کھلتی ہیں کہ آیت بھی کئی معنوں میں استعمال ہوجاتی ہے۔ مثلاً

## (۱) احکامِ شریعت:

**تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ**

یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔ [البقرہ ۲/۱۸۷]

## (۲) نشانِ قدرت یا دلیل:

**وَفِي الْاَرْضِ آيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ، وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ**

اور یقین کرنے والوں کیلئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ [الذاریات ۵۱/۲۰،۲۱]

## (۳) نشانِ نبوت یا معجزہ:

**اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ**

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ [القمر ۵۴/۱،۲]

اب دیکھئے کہ احکام شریعت کے ساتھ صرف مومنین کا تعلق ہوتا ہے۔ کفار کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آیاتِ قدرت جیسے زمین، آسمان، چاند، سورج، تارے بھی کافر و مومن میں باعث نزاع نہیں ہوتے اور انہیں سب لوگ ماسوائے چند دہریت پسندوں کے نشانِ قدرت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کبھی اختلاف ہوا تو صرف نشان نبوت یا معجزہ میں اور ایسے ہی نشانات پر کفار کا جھگڑا اور تکرار ہوتا ہے اور وہ اسے بالعموم جادو ہی کہہ دیتے ہیں۔ نبوت کو کبھی تو ایسے معجزات کفار کے مطالبہ سے پیشتر ہی مل جاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصائے موسیٰ کا سانپ بننا اور ید بیضاء کے معجزے پیغمبری کے ساتھ ہی مل گئے، اور کبھی کفار کے مطالبہ پر ملتے ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ کفار کے مطالبہ پر دیا گیا جو پہاڑ میں سے برآمد ہوئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ آتَيْـنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا، وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيْفاً

اور ہم نے ثمود کی قوم کو اونٹنی کا کھلا نشان دیا تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ایسے نشان صرف ڈرانے کیلئے بھیجا کرتے ہیں. [الاسراء ۱۷/۵۹]

اور کبھی ایسے معجزات کفار کے مطالبہ پر بھی انبیاء کو نہیں دیئے جاتے۔ چنانچہ کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار ایسے حسی معجزات کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ سے یہی جواب ملتا رہا کہ کفار سے کہہ دیجئے کہ معجزات دکھلانا میرے بس کی بات نہیں میں تو صرف ایک بندہ اور رسول ہوں اور نیز یہ کہ قرآن خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معجزہ عطا ہی نہیں کیا گیا۔ قرآن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل معجزات کا ثبوت ملتا ہے۔ (آئینہ پرویزیت۔۸۲تا۸۴۔از:مولانا عبدالرحمان کیلانی)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات:

### ۸۔ انشقاقِ قمر:

جس آیت سے چاند کا پھٹنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اوپر درج کی جا چکی ہے لیکن ہمارے یہ دوست کہتے ہیں کہ یہاں چاند کے پھٹنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ فی الواقع پھٹ گیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے نزدیک پھٹ جائے گا۔ جیسے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور دوسرے اجرام بھی زیر وزبر ہو جائیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ دلیل اس لئے غلط ہے کہ جہاں قیامت کو ان آیاتِ الٰہی کے پھٹنے اور زیروزبر ہونے کا ذکر ہے۔ وہاں کفار کے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کہیں قرآن مجید میں ان آیاتِ الٰہی کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ انشقاق کی آیت اور کفار کا اسے سحر سے تعبیر کرنا اس پر کفار کی تکرار ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

### ۹۔ واقعہ اسراء:

سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا

پاک ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں سیر کرائی۔ تا کہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں۔ [الاسراء ۱۷/۱]

مندرجہ بالا آیات میں آپ کے اس سفر کے جسمانی ہونے کے چار دلائل موجود ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) سبحان کلمۂ استعجاب وحیرت ہے اگر یہ سفر محض روحانی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔

(۲) اسریٰ کا لفظ صرف جسمانی سیر کیلئے آتا ہے۔

(۳) عبد کا لفظ روح اور جسم کے مرکب پر بولا جاتا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر جسمانی سفر تھا۔

(۴) اس واقعہ کے بعد کفار کی تکرار اس سفر کے جسمانی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اور یہ تکرار تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ اگر یہ سفر روحانی ہوتا تو تکرار اور جھگڑے کی نوبت ہی کہاں آتی؟

ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سید صاحب فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی بہت سی باتیں جو خواب میں دیکھی ہوں گی لوگوں سے بیان کی ہوں گی منجملہ ان کے بیت المقدس میں جانا اور اس کو بھی دیکھنا فرمایا ہوگا۔ قریش سوائے بیت المقدس کے اور کسی کے حالات سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے امتحاناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے حالات دریافت کئے چونکہ انبیاء کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بیت المقدس کا حال خواب میں دیکھا تھا۔ بیان کیا جس کو راویوں نے فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتُ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ أَنْظُرْ إِلَيْهِ سے تعبیر کیا ہے پس اس مخاصمت سے جو قریش نے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ اور بیداری کی حالت میں بیت المقدس جانا ثابت نہیں ہوسکتا۔" (۹۲/۶)

سو یہ ہے وہ آپ کی قوتِ استدلال جس پر بعد میں آنے والے قرآنی مفکرین کو آپ پر ناز ہے جو "ہوگی" اور "ہوگا" سے شروع ہوتی ہے۔ بات یہ ہیکہ جب کوئی شخص یہ تہیہ کر لے کہ وہ فلاں بات کو تسلیم نہیں کرے گا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جبراً تو منوا نہیں سکتی۔ بلاشبہ آپ نے مندرجہ بالا دلائل کا تجزیہ بھی کیا ہے اور پھر بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ کوئی حسی معجزہ نہ تھا۔ مثلاً سبحان کا لفظ کلمۂ تعجب تو ہے مگر یہ اسریٰ سے متعلق نہیں بلکہ لنریہ من آیاتنا سے متعلق ہے۔ نیز کفار کی مخالفت اس وجہ سے تھی کہ نبی خواہ خواب کی بات بیان کرتا یا بیداری کی ان کیلئے یکساں مابہ النزاع تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اس سفر کے روحانی ہونے کی تائید میں حضرت ابن عباس یہ قول بھی پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۶۰ کو معراج سے متعلق کہا ہے جو یوں ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

اور جو نمائش ہم نے تمہیں دکھائی اس کو لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔

[الاسراء ۱۷/۶۰]

مگر جب یہی ابن عباس آیتِ بالا کو معراج سے متعلق کہنے کے باوجود یہ

کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ رُؤیَا الْعَیْن فِی الْیَقْظَۃِ یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں دیکھی حقیقت تھی۔ تو سید صاحب حضرت ابن عباس کی یہ بات ماننے کو آمادہ نہیں ہوتے ہیں اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ لغوی لحاظ سے رویاء کا لفظ خواب میں کچھ دیکھنے یا بیداری کی حالت میں دیکھنے دونوں طور سے یکساں استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو قرآن سے ثابت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جنگ بدر میں آپ نے ریت کی مٹھی کفار کی طرف پھینکی تو اس کے ایک ایک ذرہ نے کفار کو اندھا کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ ریت کی مٹھی تو واقعی آپ نے ہی پھینکی تھی لیکن اس ریت کو کفار کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں اندھا بنانا میرا کام تھا۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور خدائے تعالیٰ کی قدرت دونوں ہی باتیں قرآن سے ثابت ہوتی ہیں۔ مگر آپ ان دونوں کو ہواؤں کے رُخ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہواؤں کے رخ کی ہی وجہ سے وہ ریت کی مٹھی اور اس کے ذرات تمام کفار کی آنکھوں میں جا کر لگے تھے، تو یہ واقعہ کسی دوسرے صحابی سے کیوں نہیں ظاہر ہوا؟ پھر کیا ہواؤں کا رُخ صرف جنگ بدر ہی سے مخصوص تھا؟ کہ اس جنگ کے بعد بھی کبھی ہواؤں کا رُخ ایسا کرشمہ نہ دکھلا سکا۔ (حوالہ ایضاً۔ ص ۸۴ تا ۸۶)

## (۲) دوسرے خرقِ عادت امور سے انکار:

### ا۔ کیا دعا کا کچھ فائدہ ہوتا ہے؟

قرآن کریم کے ابتداء میں سورۃ فاتحہ ہی میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی گئی ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الٰہی ہمیں سیدھی راہ پر چلا

پھر بیشتر مقامات پر دعا کرنے اور اس کے قبول ہونے کا ذکر آیا ہے مثلاً

وَنُوحاً اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ

اور جب اس سے پیشتر نوح علیہ السلام نے ہمیں پکارا تو ہم نے اس ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے بچالیا۔ [الأنبیاء۲۱/۷۶]

دوسرے مقام پر فرمایا: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور تمہارے پروردگار نے کہا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ یہ بھی فرمادیا: اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں

غرض قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں دعاء اور اس کی قبولیت کا ذکر آیا ہے کہ کچھ مواقع تو ایسے ہیں جہاں یہ ذکر ہے کہ کسی پیغمبر یا مومنوں نے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر مطلب براری کر دی اور دوسرے مواقع ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ سے دعا کیا کریں، کیونکہ اللہ ہی دعا قبول کرنے والا اور حاجت روائی کرنے والا ہے اور کر دیتا ہے مگر ان سب آیات کے علی الرغم سید صاحب لکھتے ہیں:

''دعا جب دل سے کی جاتی ہے بیشتر مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعاء کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس مطلب کیلئے ہم دعاء کرتے ہیں۔ دعاء کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جائے گا۔ اور استجابت کے معنی اس کا مطلب حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مطلب کیلئے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے مگر دعاء نہ تو اس مطلب کے اسباب سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے۔ جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطراب کو جو مطلب حاصل نہ ہونے سے ہوتا ہے تسکین دینے والی ہے۔ (ایضاً جلد ا، ص: ۱۸)

اقتباس بالا سے مندرجہ ذیل سوال ابھرتے ہیں؟

(۱) کیا اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے یا نہیں؟

(۲) اگر وہ مسبب الاسباب ہے تو دعا کی بنا پر ہر مطلب کے حصول کیلئے کوئی مسبب بنا سکتا ہے یا نہیں؟

گویا بالواسطہ خدا کی قدرت سے انکار ہے جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ خدا کی حقیقت اب محض ایک تماشائی کی سی ہے۔

اگر دعاء کی استجابت سے یہی مراد ہے کہ اس سے دل کو اطمینان نصیب ہو جائے جو حصول مطلب میں ممکن تھا اور یہ استجابت صرف قلبی واردات سے ہی تعلق رکھتی ہے اور خارج میں کچھ نہیں ہوتا تو مندرجہ ذیل آیت کا کیا مطلب ہوگا؟

فَدَعَا رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ، فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْھَمِرٍ، وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَی الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ

تو (نوح نے) اپنے پروردگار سے دعاء کی کہ میں (کفار کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہوگیا۔ [القمر ۵۴/۱۰،۱۲]

اب دیکھئے کہ کیا دعاء کے بعد آسمان سے بے تحاشا پانی برسنا اور زمین

کے چشمے مل کر طوفان کی شکل بنا اور اس طرح کربِ عظیم سے نوح علیہ السلام اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دینا کیا یہ سب قلبی واردات ہیں؟ پھر ایک مقام پر سید صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ:

''بسا اوقات دعاء کی جاتی ہے مگر حاجت براری نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ دعاء کوئی سبب حصول مقصد کیلئے نہیں ورنہ ایسا نہ ہوتا۔'' (تہذیب الاخلاق ماہ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ)

اس اقتباس میں ''بسا اوقات'' کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعاء کبھی کبھار حصولِ مقصد کا سبب بن بھی جاتی ہے۔ بس یہی ہمارا مقصد ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ بسا اوقات قبول نہیں ہوتی تو دعاء کی قبولیت کے کئی موانع ہیں۔ جن کی تفصیل یہاں خارج از بحث ہے۔ نیز ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دعاء کی طرح دوا بھی بسا اوقات مرض کا علاج نہیں بن سکتی لیکن کبھی حصولِ مقصد کا سبب بن بھی جایا کرتی ہے۔

دوا کا استعمال کسی جسمانی تکلیف کو دور کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ اور جب تک یہ تکلیف رفع نہ ہو تو مریض کو تسکین کبھی نہیں ہوسکتی اور دعاء کا دائرہ اثر دوا سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ دعاء دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت دونوں کیلئے کی جاتی ہے۔ نیز اس کا استعمال مادی اور روحانی یا ذہنی دونوں طرح کے عوارضات کیلئے ہوتا ہے۔ پھر جب تک دعاء کے اثر سے ایسے عوارضات دور نہ ہوں یا نئے اسباب مہیا نہ ہوں، دل کو تسکین کیسے ہوسکتی ہے؟ (حوالہ ایضاً ص/۸۶ تا ۱۸۸ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی)

## ۲۔ بنی اسرائیل کا بندر بننا:

پرویز صاحب فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے عجیب باتیں بیان کی ہیں۔ کسی نے کہا وہ سچ مچ بندر بن گئے اور وہ سب تیسرے دن مر گئے کسی نے کہا یہ بندر جو اب درختوں پر اچھلتے پھرتے ہیں انہی کے نسل سے ہیں مگر یہ سب باتیں لغو خرافات ہیں۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا دن تھا اور اس میں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارے پر رہتا تھا، فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا ان کی قوم کے مشائخ نے منع کیا اور ان کو قوم سے منقطع، برادری سے خارج، کھانے پینے سے الگ، میل جول سے الگ کر دیا اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ خدا نے فرمایا ہے ''کَانُوْا قِرَدَةً خَاسِئِیْنَ'' یعنی جس طرح بندر بلا پابندیٔ شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں اسی طرح تم بھی انسانوں سے الگ اور ذلیل وخوار اور رسوا ہو۔ (تفسیر القرآن ۱/۱۰۰)

اِس تاویل پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

(۱) اگر تورات پر نہ چلنے والوں سے بنی اسرائیل پہلے سے ہی بائیکاٹ کا رویہ اختیار کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو یہ حکم دینے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

(۲) یہ معاشرتی بائیکاٹ تو ان تین صحابہ کا بھی ہوا جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے انہیں تو ایسی سزا نہیں دی گئی، نہ ہی اسی طرح کے خطاب سے نوازا گیا؟

(۳) اگر محض ذلیل وخوار کرنا ہی مقصود تھا تو کئی قسم کی مخلوق بندر سے بھی زیادہ ذلیل تر ہے۔ مثلاً کتا اور سور۔ جب ظاہری طور پر ہونا ہوانا کچھ نہیں تھا تو پھر انہیں بندر ہی کہنے کی کیا تخصیص تھی؟

## ۳۔ اللہ تعالیٰ کے مارنے اور زندہ کرنے کی قوت:

قرآن کریم میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا۔ (فتح الحمید) (البقرہ ۲/۲۴۳)

اس آیت میں سید صاحب ''فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ'' کا ترجمہ یوں پیش فرماتے ہیں:

''پھر ان سے کہا اللہ نے مرو تم (یعنی بہ سبب موت کے ڈر سے یا اپنی نامردی اور لڑنے کے ڈر سے) پھر جلایا ان کو (یعنی ان کے دل میں شجاعت اور ارادۂ جنگ پیدا کیا) (تفسیر القرآن ۱/۲۱۳)

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت سے مراد صرف ذہنی تبدیلی ہوتی ہے۔ امر واقعہ کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے بے شمار مقامات پر بھی سید صاحب ایسے خوارقِ عادت واقعات کو ذہنی تبدیلی کے حوالے کر دینے کے عادی ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعات سے بھی ظاہر ہے۔

## ۴۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت اور زندگی:

سورہ بقرہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کو مارنے اور پھر زندہ کرنے کا ذکر آیا ہے، اس آیت کو ہم سید صاحب کے ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً

لِّلنَّاسِ وَانظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْماً فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

یا (تونے اس شخص کونہیں دیکھا یعنی اس کا حال نہیں جانا جس نے رویاء میں دیکھا) کہ گویا وہ گذرا ایک شہر پر ایسی حالت میں کہ وہ سر کے بل گرا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ کیونکر زندہ کرے گا (یعنی آباد کرے گا) اللہ اس کو اس کے مرجانے کے (یعنی ویران ہونے کے) بعد پھر اللہ نے اس کو سو برس تک مرا ہوا رکھا پھر اس کو اُٹھایا۔ خدا نے کہا کہ کتنی مدت تو پڑا رہا۔ اس نے کہا کہ میں پڑا رہا ایک دن یا کچھ کم ایک دن کہا۔ اللہ نے کہا بلکہ تو پڑا رہا سو برس پھر دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے کو (کیا) وہ نہیں بگڑا ہے اور دیکھ اپنے گدھے کو (کیا وہ نہیں گل گیا) اور میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو ایک نشانی آدمیوں کیلئے بناؤں اور دیکھ ہڈیوں کو کس طرح ہم حرکت میں لاتے ہیں۔ پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس کو (یہ بات) ظاہر ہوئی۔ اس نے کہا (حالت بیداری میں) میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' [البقرہ ۲/۲۵۹]

اس ترجمہ میں سید صاحب نے جو چابک دستیاں دکھلائی ہیں اس پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

(۱) سید صاحب کی یہ عادت ہے کہ جس خرق عادت واقعہ میں تاویل کی کوئی گنجائش نظر نہ آئے۔ وہ اسے خواب کے سپرد کردیتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ابتداء ہی میں بریکٹوں میں (رویاء میں دیکھا) لکھ کر اس سہل ترین طریقہ سے مطلب برآری کی ہے جس کیلئے قرآن کے الفاظ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۲) اس واقعہ میں اللہ نے دو طرح کے نشانات بتائے ہیں۔ ایک کھانے پینے کی چیزیں جن پر زمانہ کا کوئی اثر نہیں اور وہ بالکل تروتازہ ہیں۔ دوسرے گدھا جس پر سو سال کی مدت گذرنے کی وجہ سے اس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئیں۔ اگر یہ واقعہ خواب کا تصور کیا جائے تو گدھے کو بھی اسی حالت میں ہونا چاہئے تھا۔ متضاد نتائج کی کیا تُک تھی؟

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ تو کیا کسی کے خواب کے واقعات بھی آيَةً لِّلنَّاسِ ہوسکتے ہیں؟

(۴) پھر جب آخر میں آپ حضرت عزیر علیہ السلام کو جگا کر ان کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یہ فقرہ بھی وہ خواب ہی میں کہہ دیتے تو کیا فرق پڑتا تھا؟ کیا ''إِنَّ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' کا دائرہ صرف خواب کے واقعات تک ہی محدود ہے تو یہ قدرت کیا ہوئی؟ یہ تو محض انسانی تخیلات ہوتے ہیں حالانکہ اس آیت کا یہی آخری حصہ اس واقعہ کو عالم بیداری کا واقعہ اور معجزہ ثابت کررہا ہے۔

### ۵۔ پرندوں کی موت اور زندگی:

قرآن کریم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق درج ذیل واقعہ بھی معہ ترجمہ سید صاحب ملاحظہ فرمائیے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [البقرہ ۲/۲۶۰]

''اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے (خواب میں) اے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ کس طرح تو زندہ کرے گا مردوں کو؟ خدا نے کہا کیا تو یقین نہیں کرتا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں لیکن! میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے۔ خدا نے کہا کہ لے چار پرندے پھر ان کے ٹکڑے کرڈال پھر رکھ ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا''

اس آیت میں حسبِ عادت سید موصوف نے (خواب میں) کا اضافہ کرلیا ہے۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز حکیم (زبردست حکمت والا) کا اظہار اتنی بات سے ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کو ایسا خواب دکھلا دے؟ فافهم وتدبر

غرض یہ اور ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ سید صاحب نے کسی بے چارگی سے افکار مغرب کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں؟

### ۶۔ جنت اور دوزخ کی حقیقت؟

اخروی زندگی میں نیک اعمال کے بدلہ میں جنت اور بداعمالیوں کے بدلہ میں دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی کا بیشتر حصہ مسلمانوں میں اسی عقیدہ کو راسخ کرنے میں گذارا اور صدہا آیات قرآن کریم میں ایسی موجود ہیں جو اخروی زندگی میں جنت اور دوزخ کی منظر کشی کرتی ہیں لیکن جنت اور دوزخ بھی چونکہ مابعد الطبیعات سے تعلق رکھتی ہیں اور عقل اور مشاہدہ کے پیمانوں میں ناپی نہیں جاسکتی لہٰذا سید صاحب جنت اور دوزخ سے مراد محض روحانی لذت اور کلفت لیتے ہیں.... جنت اور دوزخ کے متعلق اپنی تفسیر جلد ۱/ ص ۲۳/ پر رقم طراز ہیں کہ:

''تمام انسانوں میں خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں یا گرم ملک کے، مکان کی آراستگی اور خوبی، باغ کی خوشنمائی، بہتے پانی کی دلربائی، میووں کی

تر و تازگی سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اس کے سوا حسن یعنی خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی چیز ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ انسان میں ہو اور اس سے بھی زیادہ جب کہ وہ عورت میں ہو۔ پس مشیت کی (قرۃ اعین) کو ان کی فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو و پیپ پلائے جانے اور تھوہر کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی لذت و راحت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت و راحت یا رنج و کلفت وہاں ہے۔ اُن کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت و اِحتظاظ یا رنج و کلفت کا خیال پیدا کرنے کو اس پیرایہ میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ اور رنج و کلفت کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے" یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ ہیں اور سرسبز درخت ہیں۔ دودھ اور شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہیں جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ دوسرا چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لبِ جاں بخش (بایں ریش درخش) بوسہ لیا۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے اور کوئی کسی کونے میں کچھ۔ یہ بے ہودگی ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے موجودہ دور کے خرافات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (تفسیر القرآن ۱/۳۴)

## جنت اور دوزخ کے خارجی وجود کا انکار:

اقتباسِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کا نہ تو کوئی خارجی وجود ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ محض تخیلات کی دنیا کے دو مختلف پہلوؤں کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص خیالی جنت میں بستا ہے تو بس یہی اصل جنت ہے جس کا ذکر قرآن میں مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ پھر آپ محض اس نظریہ پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ جو لوگ آپ کے ہم خیال ہوں انہیں آپ تربیت یافتہ دماغ سمجھتے ہیں اور جو قرآن کے الفاظ و معانی کو اصل حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ انہیں کوڑھ مغز ملا اور شہوت پرست زاہد کے القاب سے نوازتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

انہی آیات (یعنی جو جنت و دوزخ سے متعلق ہیں) کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو، ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ وعید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہ وہی اشیاء مقصود نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑھ مغز ملا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی، شرابیں پئیں گے۔ میوے کھائیں گے، دودھ اور شہد کی ندیوں میں نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اُڑائیں گے اور اس لغو اور بے ہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہنچا تھا اس پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے۔ پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ غور نہیں کیا۔ اس نے درحقیقت قرآن کو نہیں سمجھا اور اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہا۔ (ایضاً ص ۳۵)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ:

(۱) جو لوگ جنت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کے عذاب و رنج کو ایک حقیقت سمجھتے ہیں اور واقع ہونے والا ایک امر خیال کرتے ہیں وہ یا تو کوڑھ مغز ملا ہوتے ہیں یا شہوت پرست زاہد، یہ دونوں قسم کے لوگ حقیقتِ قرآن کو مطلق نہیں سمجھے اور نعمت عظمیٰ سے محروم رہے ہیں۔

(۲) اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اور اس کی نعمتیں یا عذاب سب کچھ تصوراتی باتیں ہیں جو انسان میں ترغیب و ترہیب پیدا کرنے کا کام کرتی ہیں۔ اور جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے وہی تربیت یافتہ دماغ ہیں کیونکہ یہ سب محض نظریاتی چیزیں ہیں۔ عملی زندگی سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔

(۳) کوئی جنت و دوزخ کو محض خیالی سمجھے یا حقیقت سمجھے۔ دونوں کا نتیجہ یکساں ہوتا ہے۔ یعنی انسان اوامر بجالاتا اور نواہی سے بچ جاتا ہے۔

## خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تصور:

غور فرمائیے سید صاحب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا تصور پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ متواتر تیئیس سال تک جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق دوزخ اور اس کی تکالیف پر آیات نازل کرتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ کر کے لوگوں کے اس تصور کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہے، اس تصور کی پختگی سے مقصود یہ تھا کہ یہ لوگ اچھے کام کریں اور برے کاموں سے بچیں۔ اور جب مقصد حاصل ہو ہی گیا تو اب مرنے کے بعد جنت اور دوزخ کو فی الواقع قائم کرنے کی ضرورت بھی کیا رہ گئی؟ اس سے واضح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دھوکا کیا (معاذ اللہ) اور

جنت ودوزخ کا تصور پختہ کر کے جب اصل مطلب حاصل کر لیا تو اب اس وعدہ وعید کو عملی شکل دینے کی ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جس کے متعلق اس نے خود فرمایا ہے کَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا۔ (آئینہ پرویزیت ص/۸۹تا۹۳ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی)

## نظریہ ارتقاء کا سرسید کے عقائد پر اثر:

### (۱) فرشتوں پر ایمان:

فرشتوں پر ایمان لانا ایمان کا ایک جزء ہے اور قرآن میں اس کی صراحت کئی مقامات پر موجود ہے۔ فرشتے اپنا خارجی وجود اور ذاتی تشخص رکھتے ہیں۔ وہ فرشتے آسمان سے نیچے بھی اُترتے ہیں، زمین سے اوپر آسمان پر چڑھتے بھی ہیں، جبرئیل اور میکائیل انہی میں سے ہیں پھر کچھ فرشتے دو دو تین تین چار چار پروں والے بھی ہیں، فرشتوں نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کی مدد بھی کی تھی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرشتوں کا خارجی وجود ضرور ہے لیکن چونکہ وہ غیر مرئی مخلوق ہیں لہٰذا ان پر ایمان لانا "ایمان بالغیب" کا ایک حصہ ہے لیکن سید صاحب موصوف فرشتوں کے خارجی وجود کے منکر ہیں اور ان کا انکار اس بناء پر ہے کہ وہ محسوسات ومشاہدات کی زد سے باہر ہیں۔ نیز ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا بھی یہی تقاضا ہے پھر چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کی صف میں تھا۔ لہٰذا اس کے خارجی وجود سے بھی آپ نے انکار کر دیا۔ آپ اپنی (تفسیر القرآن ۱/۴۲) پر ارشاد فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے جو اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصل وجود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی ساری مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک ابلیس یا شیطان بھی ہے۔ پہاڑوں کی معدنیت، پانی کی رفت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوتِ جذب ورفع، غرضیکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ انسان ایک مجموعہ ہے قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں۔ جو ہر ایک قسم کی نیکی وبدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور انسان کے فرشتے اور ان کی ذرّیات اور وہی انسان کے شیطان اور ان کی ذریات ہیں۔ (ایضاً: ۴۲)

### سرسید کے خیالات کے ماخذ:

آپ فرماتے ہیں: بعض اکابر اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا۔ شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالہدیٰ نے جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی، مرید امام محی الدین ابن عربی سے ہیں۔ شرح فصوص الحکم میں بہت بڑی بحث لکھی ہے۔ (ایضاً ص ۴۳)

یہ جو اکابر اسلام سید صاحب نے گنوائے ہیں۔ یہ دراصل ابن عربی (۶۳۸ھ) اور ان کے مرید خاص صدر الدین قونوی اور ان کے مرید شیخ عارف باللہ ہیں۔ ابن عربی گروہ صوفیاء کی معروف شخصیت ہیں اور صوفیاء میں شیخ اکبر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ابن عربی نے بھی تصوف میں چند نئے نظریات کو داخل کیا تھا مثلاً

(۱) یہ کہ نبوت وہبی نہیں بلکہ اکتسابی چیز ہے اور عقل کو اپیل کرنے کی وجہ سے سید صاحب نے بھی اس نظریہ کو اپنایا ہے۔

(۲) یہ کہ نبوت چونکہ اکتسابی ہے لہٰذا قیامت تک جاری رہے گی۔ مرزائے قادیان نے بھی ابن عربی کی تحریروں سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

(۳) یہ کہ ولایت کا مقام نبوت سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق سب سے نچلا درجہ رسالت کا ہے۔ پھر اس سے اوپر نبوت کا اور پھر اس سے اوپر ولایت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مَقَامُ النُّبُوَّةِ فِيْ بَرْزَخٍ فُوَيْقَ الرَّسُوْلِ وَدُوْنَ الْوَلِيِّ

نبوت کا مقام درمیان میں ہوتا ہے جو رسول سے اوپر اور ولی سے نیچے ہوتا ہے ابن عربی اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ رسول یا نبی سے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کے ذریعہ بات چیت کرتا ہے لیکن فرشتہ کے واسطہ کے بغیر ہوتی ہے۔ نیز نبی ہو یا رسول۔ اس کا ایک مخصوص مقام ہوتا ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ جب کہ ولی واصل بحق بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ولایت نبوت سے افضل ہے۔

(۴) خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الاولیاء بھی ایک منصب ہے اور چونکہ نبوت سے ولایت افضل ہے لہٰذا خاتم الانبیاء سے خاتم الاولیاء افضل ہوتا ہے اور موجودہ دور کا خاتم الاولیاء میں ہوں۔ چنانچہ اس کا درج ذیل شعر اسی نظریہ کی ترجمانی کرتا ہے۔

أَنَــا خَــاتِــمُ الْــوَلَايَةِ دُوْنَ شَكٍّ
لِــورثِ الْهَــاشِــمِيِّ مَعَ الْــمَسِيْحِ

بے شک میں خاتم الاولیاء ہوں کیونکہ مجھے ہاشمی وراثت کے ساتھ ساتھ مسیحی وراثت بھی حاصل ہے

(۵) اور اس کا پانچواں نظریہ یہ تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ معرفتِ الٰہی اُس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ کسی عورت سے جماع میں مشغول ہوتا ہے۔

انہیں نظریات کی وجہ سے علمائے دین نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور

حکومت مصر کو اس کے خیالات سے مطلع کر دیا۔ اس بات کی ابن عربی کو خبر ہوئی تو ابن عربی نے وہاں سے بھاگ کر دمشق میں آ کر پناہ لی۔

ابن عربی فلسفہ وحدت الوجود کا سب سے بڑا پرچارک تھا جو صوفیہ کا مشہور ترین نظریہ ہے، اسی وجہ سے صوفیہ اسے شیخ اکبر کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے دو کتب فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ جو خود بھی صوفیہ میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

""ہمیں نص سے کام ہے، فص سے نہیں اور فتوحات مدینہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔""

سو یہ ہیں محی الدین ابن عربی اور ان کے مرید صدر الدین قونوی اور ان کے مرید عارف باللہ شارح فصوص الحکم۔ جن کو سید صاحب اکابر اسلام کا نام دے کر ان سے استفادہ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بھی ملائکہ کے ذاتی تشخص کو تسلیم نہیں کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

""شیخ نے اپنے مکاشفہ سے ان جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا مگر چونکہ وہ مکاشفہ ہم کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ہم انہیں قوی کو جن کو شیخ اور ان کے متبع ذریات ملائکہ قرار دیتے ہیں۔ ملائکہ کہتے ہیں مطلب ایک ہے صرف لفظوں یا جاننے نہ جاننے کا ہیر پھیر ہے۔ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے۔

ان حوالہ جات سے یہ بات بہر حال واضح ہو جاتی ہے کہ سید صاحب نے فرشتوں اور ابلیس سے انکار کے ثبوت میں کس طرح کے ""اکابر اسلام"" سے استفادہ کیا ہے۔

## سر سید اور صوفیہ کا ذہنی اتحاد:

آپ حیران ہوں گے کہ ابن عربیؒ اور اس کے مرید جو طبقہ صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ولایت کا معیار ہی کرامات سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف سر سید جیسے نیچر پرست ہیں جو کرامات تو کیا معجزات کے بھی منکر ہیں پھر یہ دونوں فرشتوں اور ابلیس کے خارجی وجود کے انکار کے مسئلہ پر کیونکر متفق ہو گئے تو گذارش ہے کہ ابن عربی اور اس کے حواریوں کی ضرورت اور تھی اور سر سید کی ضرورت دوسری ہے۔ ابن عربی کا گروہ شیطان کی دشمنی سے نفس کشی، چلے اور ریاضت ومجاہدہ مراد لیتا ہے اور ملکوتی قوتوں یا ملائکہ کو انسان کے اندر ثابت کر کے فرشتوں کے بجائے خود آسمانوں کی طرف روحانی پرواز کرتا ہے۔ البتہ یہ گروہ خارجی قوتوں کو ملائکہ سے تعبیر نہیں کرتا۔ جب کہ سر سید کو ملائکہ اور ابلیس انسان کے اندر ہی تسلیم کرنے اور خارجی وجود سے انکار کی ضرورت یہ پیش آئی کہ اس تاویل کے بغیر نظریہ ارتقاء کو اسلامی تعلیم میں فٹ کرنا مشکل تھا۔ لہٰذا دونوں گروہوں نے الگ الگ مقاصد کے پیش نظر فرشتوں، ابلیس اور شیطان کے ذاتی تشخص اور خارجی وجود سے انکار کر دیا۔

## فرشتوں کے ذاتی تشخص کے دلائل:

اب سوال یہ ہے کہ اگر ملائکہ سے مراد کائنات کی مختلف خارجی قوتیں یا انسان کے اندر نیکی پیدا کرنے والی قوتیں مراد ہیں تو ان قوتوں کو مسلمان کیا ہر انسان حتیٰ کہ دہریے بھی تسلیم کرتے ہیں پھر یہ فرشتوں پر ایمان بالغیب کیا ہوا؟ اور اس آیت کا مطلب کیا ہوگا؟

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

رسول اور مومن اس کتاب پر جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں، ہر ایک اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ [البقرہ ۲/ ۲۸۵]

اب دیکھئے درج ذیل آیت فرشتوں کے خارجی وجود کے ثبوت میں کیسی صاف ہے۔

"وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا" اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ [الفرقان ۲/ ۲۱]

گویا اس دور کے کفار ومشرکین فرشتوں کے خارجی وجود کے اس طرح قائل تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے خارجی وجود کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب یہ دیا:

"يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ" جب کہ وہ لوگ دیکھیں گے فرشتوں کو اُس دن جس دن مجرمین کیلئے کوئی خوش خبری نہیں ہے۔ [الفرقان ۲۵/ ۲۲]

تو کیا یہ سوال وجواب محض خارجی یا باطنی قوتوں سے متعلق ہی ہو رہے ہیں۔ باطنی قوتیں تو کم وبیش ہر شخص میں اور ایسے ہی کفار میں بھی موجود ہوتی ہیں پھر آخر ان کا مطالبہ کیا تھا؟

نیز یہ بات تو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عبد کا لفظ روح اور جسم کے مرکب پر بولا جاتا ہے۔ (دیکھئے تفسیر القرآن واقعہ اسراء۔) اس کا استعمال نہ

تو صرف روح پر ہوسکتا ہے اور نہ صرف جسم پر اور نہ ہی خارجی یا باطنی قوتوں پر۔
اب دیکھئے قرآن کریم نے جیسے عبد کا لفظ انسانوں کیلئے استعمال کیا ویسے ہی فرشتوں کیلئے بھی استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا

اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ خدا کے بندے ہیں اناث (خدا کی بیٹیاں) مقرر کیا۔ [الزخرف ۴۳/۱۹]

## جبرئیل علیہ السلام کی حقیقت اور نبوت کا مقام:

آپ (تفسیر القرآن ۱/۲۳) ارشاد فرماتے ہیں۔ ''نبوت در حقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء بمقتضاء ان کی فطرت کے مثل دیگر قوی انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تمام ملکاتِ انسانی اس کی ترکیبِ اعضاء اور دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملکہ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایک شاعر یا ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضاء کے قوی ہوجاتے ہیں، اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوجاتا ہے اور جب وہ اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جس کو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴)

''خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکۂ نبوت کے جس کو ناموسِ اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے۔ جس میں خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کیلئے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے خود اس کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے اس کو کوئی نہیں بلواتا، بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' ہزاروں شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں۔ تنہا ہوتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ ہاں ان دونوں میں فرق اتنا ضرور ہے کہ پہلا مجنوں ہے اور دوسرا پیغمبر، گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنوں بتاتے تھے۔'' (ایضاً ص ۲۵)

''خدا نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں جبرئیل کا نام لیا ہے مگر سورۂ بقرہ میں اس کی ماہیت بتادی ہے جہاں فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے۔ دل پر اتارنے والی یا دل میں ڈالنے والی چیز وہی ہوتی ہے جو انسان کی فطرت میں ہو نہ کہ کوئی دوسری چیز، جو فطرت سے خارج اور خود اس کی خلقت سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہو جداگانہ ہو'' (ایضاً ص ۲۵)

## فطری ملکہ اور نبوت میں فرق:

سید صاحب کا یہ نادر انکشاف کئی لحاظ سے غلط ہے:

(۱) یہ فطری ملکہ اگر ابتدائے فطرت سے ہوتا ہے تو اس کا اظہار بھی ابتداء ہی سے ہونا چاہئے مثل مشہور ہے ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' شاعر نابغہ اور فطین قسم کے لوگ جو ابتدائے فطرت سے یہ ملکہ لے کر پیدا ہوتے ہیں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک مدت معینہ تک تو انہیں خود بھی اور دوسروں کو بھی ان کے اس ''ملکہ فطرتی'' کا علم تک ہی نہ ہو اور عمر کے ایک خاص حصہ میں اس کا پوری شدومد سے ظہور شروع ہوجائے۔ یہ چیز فطرت کے خلاف ہے لیکن انبیاء میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معین مدت تک نہ انہیں خود ہی ''وحی'' کے نزول کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو گمان ہوتا ہے کہ اس میں ''وحی'' والا فطرتی ملکہ موجود ہے۔

(۲) اس فطری ملکہ کا جب ظہور شروع ہوجاتا ہے تو اس میں بدستور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اور وہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ (۱) اس خاص فن میں مزید کمال پیدا ہوتا ہے اور (۲) تجربہ کی بناء پر اس کے نظریات میں تبدیلی واقع ہوتی ہی رہتی ہے۔

## فطری ملکہ اور علامہ اقبالؒ:

اب ہم ان باتوں کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ علامہ اقبال کے متعلق یہ تو مسلمہ امر ہے کہ ان میں شعر کا فطری ملکہ موجود تھا۔ اب دیکھئے انہوں نے بچپن ہی میں کسی بچہ کو مخاطب کر کے ایک نظم کہی تھی، جس کا پہلا شعر ہے

میں نے چھینا تجھ سے چاقو، اور چلاتا ہے تو
مہرباں ہوں، مگر نا مہرباں سمجھا ہے تو

لیکن علامہ موصوف کے آخری زندگی کے اشعار بلحاظ شعریت اس نظم سے بدرجہا بلند ہیں۔ مثلاً

سمجھتی ہیں مآلِ گُل، مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

گویا اس خاص ملکہ فطری میں بھی ارتقاء و پختگی کا عمل جاری رہا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں شعروں میں بلحاظ سلامت و شعریت زمین و آسمان کا فرق معلوم ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے نظریات زندگی بدلتے رہے تھے ایک وقت وہ تھا جب علامہ موصوف پکے نیشنلسٹ یا وطن پرست تھے۔ اس وقت آپ نے یہ شعر کہا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

پھر جب آپ وطن پرست کی بجائے اسلام پرست یا ''مسلم'' بن گئے تو آپ کا نعرہ یہ تھا

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

پھر اس نظریہ میں اس قدر پختہ ہوئے کہ مولانا حسین احمد مدنی مہتمم دار العلوم دیوبند نے انگریزوں کو وطن سے نکالنے کی خاطر کانگریس کے نظریہ کو قبول کر لیا اور یہ نظریہ کو پیش کیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ موصوف نے ان کو درج ذیل رباعی لکھ کر بھیجی۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دین ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ قوم از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست

اسی طرح ایک وقت تھا جب علامہ موصوف روس کے فلسفۂ اشتراکیت سے سخت متاثر تھے۔ اس دور میں آپ نے اشتراکیت کے حق میں بہت سے اشعار قلمبند کئے اور لینن کو وہ پیغمبر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں

نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

پھر جب آپ نے اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تو اس نظریہ اشتراکیت سے تائب ہو گئے چنانچہ لکھتے ہیں

دین آن پیغمبر ناحق شناس بر مساوات شکم دارد اساس

اسی طرح کسی وقت آپ تصوف سے اس قدر متاثر تھے کہ آپ کے گھر پر ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا درس ہوا کرتا تھا پھر جب آپ نے اسلامی تعلیمات کو اپنایا تو اس رہبانیت سے بیزار ہو کر لکھتے ہیں۔

گو سفندے در لباس آدم ست حکم او بر جان صوفی محکم است
بر تخیل ہائے او فرماں رو است جام او خواب آورد گیتی رباست
قوم ہا از شکر او مسموم گشت خفت و از ذوق عمل محروم گشت

غور فرمایئے! کہ کیا پیغام نبوت میں بھی ایسے تغیرات کی گنجائش ہے؟ نبی بھی بہرحال انسان ہی ہوتا ہے اگر ملکہ نبوت کی صورت بھی دوسرے ملکات انسانی کی طرح ہے تو پھر یہ ان تغیرات سے کیوں کر محفوظ رہ سکتا ہے؟ قرآن کی پہلی وحی بلحاظ فصاحت و بلاغت اور ہدایت وہی درجہ رکھتی ہے جو آخری وحی کا ہے پھر اس کا اپنا دعویٰ ہے کہ اس کلام پر پورے ۲۳ رسال کے عرصہ میں کوئی تضاد نظر نہیں آئے گا۔ اس پر نہ ارتقائے فن کا کچھ اثر ہے نہ ارتقائی نظریات کا پھر ہم سر سید کے اس نادر فلسفہ کو کیوں کر صحیح قرار دے سکتے ہیں؟

(۳) وحی کے متعلق یہ شعور جو کہ ایک نبی کے دل سے اُٹھتی پھر اس کے دل پر گرتی ہے۔ جب اُٹھتی ہے تب تو اس منہ سے بے آواز نکلتی ہے البتہ جب گرتی ہے تو اس وقت منہ سے آواز نکلنے لگتی ہے اور وہ بھی اس حالت میں کہ وہ سمجھتا ہے اس کے پاس کوئی موجود ہے جو اس سے ہمکلام ہو رہا ہے جیسے ''قُلْ لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا'' یعنی وہ فرضی خارجی ہستی اس نبی کو کچھ بتلا رہی ہے۔ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ نبی پر وحی کے نزول کے وقت اس کے ہوش و حواس قائم نہیں ہوتے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) یہ سوقیانہ تخیل سید صاحب کو شاید ان کے ابلیس ہی نے سمجھایا ہے۔ کسی نبی کے متعلق اس کے متبعین ایسا تصور کبھی برداشت نہیں کر سکتے اس طرح تو وحی ساری کی ساری مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہم حیران ہیں کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کے وجود کی نفی میں جو مجنوں کی مثال کا سہارا لیا ہے تو یہ بات بھی آپ کے نظریہ کے خلاف ہے۔ مجنوں اسے کہتے ہیں جسے جن پڑ گئے ہوں، یا جو آسیب زدہ ہو اور سر سید جن کے وہ معنی نہیں لیتے جو عام فہم ہیں۔ بلکہ وہ جن سے دیہاتی لوگ مراد لیتے ہیں (تفصیل آگے آئے گی) اب یہ عقیدہ بھی سید صاحب ہی حل فرما سکتے تھے کہ مجنوں کے سامنے جو چیز آ کھڑی ہوتی ہے اور اس سے باتیں کرتا اور مجنوں سے سوال و جواب ہوتا ہے تو وہ ہستی کیا چیز ہوتی ہے؟

(۴) پیغامبر کی یہ شرح بھی عجیب ہے کہ وہ خدا تک پیغام لے بھی جاتا ہے اور پھر وہ پیغام واپس بھی لاتا ہے تو پھر اس معاملہ میں خدا کی ضرورت بھی کیا ہے؟ کیا نبی اپنا پیغام خدا کے پاس Aprove کرانے کیلئے جاتا ہے۔ آخر اس ڈبل ڈیوٹی کا فائدہ کیا ہے، جو آپ نے پیغمبر کے سر پر ڈال دی ہے؟ فرماتے ہیں کہ وہ

آواز بھی ہوتا ہے اور کان بھی۔خود ہی کہتا ہے خود ہی سنتا ہے۔اب اس میں خدا کا کیا واسطہ رہا؟ آواز تو اس کی اپنی ہی ہوتی ہے پھر وہ اندر کی بے صوت و بے حرف کلام کب سنتا ہے؟ اور اسے کیسے سمجھتا ہے؟ عجیب قسم کے گورکھ دھندا میں آپ مسلمانوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں۔

(۵) یہ بے صوت و بے حرف کلام کا نظریہ خالصۃً معتزلین کا مردود نظریہ ہے۔وہ خدا کو صفات کلام سے عاری قرار دیتے ہیں۔جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

## نبوت اور قرآن کریم:

(۶) اب دیکھئے قرآن کریم جبرئیل علیہ السلام اور نزول وحی کے متعلق کیا تصور پیش کرتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىۙ، ذُوْ مِرَّةٍؕ فَاسْتَوٰىۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىؕ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىۚ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسانی خواہش سے نہیں بولتا وہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔اسے بڑی زبردست قوت والے نے سکھایا۔طاقتور (جبرئیل) نے پھر وہ سیدھا اور قائم ہو گیا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا پھر قریب ہوا اور جھک گیا پھر وہ کمان کے دو گوشوں کے برابر یا اس کے بھی قریب ہو گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کچھ کرنا مقصود تھی[النجم ۵۳/۳-۱۰]

دیکھ لیجئے ان آیات میں وحی ڈالنے والی کسی خارجی ہستی کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ سورہ جن میں فرمایا کہ جب وحی اتاری جاتی ہے تو اس بناء پر فرشتے کے اردگرد بھی پہرہ لگایا جاتا ہے کہ پوری حفاظت سے یہ وحی نبی تک پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ایک دوسرے مقام پر پیغامبر فرشتے یعنی جبرئیل کو روح الامین کے لقب سے پکارا گیا ہے۔یعنی وہ پیغام رسانی میں پوری امانت و دیانت سے کام لیتا ہے۔یہ ہے اہتمام وحیٔ ربانی کو نبی کے دل تک پہنچانے کا۔اب بتایئے اس اہتمام وحفاظت وحی کو مجنونانہ تخیلات یا ماہرانہ کمالات سے کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟

قرآن کریم میں ایک مقام پر دو فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں۔نام اسی چیز کا ہوتا ہے جس کا کوئی الگ تشخص ہو، اب دیکھئے ان کے متعلق سید صاحب کیا کہتے ہیں:

## جبرئیل اور میکائیل:

اس سبب سے کہ یہود جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس سے عداوت رکھتے تھے۔اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ جو کوئی جبرئیل کا یا میکائیل کا دشمن ہے، بے شک خدا اس کا دشمن ہے۔مگر جبرئیل و میکائیل کا اس آیت میں حکایۃً نام آنے سے ان کے ایسے وجود پر جیسا کہ یہودیوں نے اور ان کی پیروی میں مسلمانوں نے تصور کیا ہے، استدلال نہیں ہو سکتا۔'' (ایضاً ص ۱۰۶)

''یہود یہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے۔وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سکھاتا ہے کہ خدا نے پیغمبر سے کہا کہ تو کہہ دے کہ ہاں جبرئیل ہی اللہ کے حکم سے میرے دل میں باتیں ڈالتا ہے۔مگر جو کوئی ان باتوں کا اور فرشتوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ کرنا ہے اور نام مقصود بالذات نہیں ہے۔کیونکہ اگر یہودیوں کا خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لئے جاتے۔پس ان دونوں کے نام قرآن میں آنے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے الگ الگ وجود کے ساتھ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے زید و عمر'' (ایضاً ص ۱۳۰)

اب دیکھئے کہ بحث اس میں نہیں، جبرئیل و میکائیل کے نام یہودیوں نے رکھے تھے یا خدا نے؟ اگر بالفرض یہودیوں نے ہی رکھے ہوں اور خدا نے ان ناموں کا اعادہ کر دیا ہو تو بھی یہ خدا ہی کی طرف سے ہوئے۔بحث اس میں ہے کہ آیا فرشتے اپنا الگ وجود رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس کیلئے سید صاحب نے کیا دلیل دی ہے؟ محض ان کے خیالات تو قابل تسلیم نہیں بن سکتے۔پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک بات یہودیوں میں مشہور ہو گئی خواہ وہ کیسے ہوئی پھر مسلمانوں میں آ گئی۔اگر غلط تھی یعنی فرشتوں کے الگ وجود کے تصورات ٹھیک نہ تھے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی تردید کرنا چاہئے تھی۔نہ کہ ان کا اعادہ کر کے ان غلط تصورات کو مزید تائید بخشنا چاہئے تھی۔

## (۲) ابلیس یا شیطان:

سید صاحب ابلیس یا شیطان کو خارجی وجود نہ ہونے کے اعتبار سے فرشتوں کی صف میں لے آئے ہیں اور ابلیس یا شیطان سے مراد لیتے ہیں انسان کی سرکش قوت یا عقل بے باک قرآن کریم سے شیطان کے متعلق دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

(ا) شیطان کی نوع، نوع انسانی سے الگ ہے۔شیطان کا نوع انسانی سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ وہ خود خدا کے حضور اپنی برتری کے ثبوت میں کہتا ہے۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ [الأعراف ۷/۱۲] (اے پروردگار!) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔اس کی نسل بھی ہے اور اولاد کا سلسلہ چلتا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ابلیس جنوں سے

تھا۔اس نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ [الکہف ۱۸/ ۵۰]

اب فرمائیے کہ نفس سرکش پر الگ نوع کا اطلاق ہوسکتا ہے، یا اس کی اولاد کا تصور ہوسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ بعض نکتہ سنج قسم کے لوگ شیطان کی اولاد سے مراد ''اس نفس سرکش کے اجزاء'' مراد لے لیں جیسا کہ وہ دو دو تین تین اور چار چار پروں والے فرشتوں سے مراد وقت کی کمی بیشی بھی لے لیتے ہیں تو ہم عرض کریں گے کہ ایسی دور از کار تاویلات انہی لوگوں کو مبارک۔ قرآن پہیلیوں کی زبان میں نہیں اُترا اور نہ ہی ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اس دور سے پہلے کسی نے قرآن کے حقیقی مفہوم کو سمجھا ہی نہ تھا۔

### ۳۔ جنّ:

فرشتوں پر ایمان کے سلسلہ میں جن کا ذکر بھی از خود آ جاتا ہے۔ فرشتوں اور ابلیس و آدم علیہ السلام اور خدا کا مکالمہ قرآن میں کئی بار آیا ہے۔ ابلیس گو فرشتوں میں رہتا تھا تاہم وہ جنوں میں سے تھا۔ جو فرشتوں سے الگ مخلوق تھی۔ اور انسانوں سے بھی کیونکہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور جن آگ سے۔ اب جن بھی چونکہ غیر مرئی مخلوق ہے۔ لہٰذا اس سے بھی سید صاحب نے انکار کر دیا۔ دلیل یہ ہے کہ جن کے معنی پوشیدہ اور اس کا تصور ذہن کو بڑی قد آور، دیو ہیکل صفت کی طرف منتقل کرنا ہے لہٰذا لفظ جن کا اطلاق ان انسانوں پر ہوتا ہے جو آبادیوں سے دور صحراؤں اور جنگلوں میں رہتے تھے اور شہری لوگوں سے زیادہ طاقتور، ڈیل ڈول میں زیادہ قوی اور مضبوط تھے۔ چنانچہ سید صاحب ان جنوں سے جو سلیمان علیہ السلام کے لئے قلعے، مجسمے اور تالاب وغیرہ بناتے تھے، دیہاتی ہٹے کٹے قسم کے صناع مراد لیتے ہیں۔

اب دیکھئے قرآن کریم میں دیہاتیوں کے لئے الاعراب اور دیہاتی آبادیوں کیلئے بدو کا لفظ آیا ہے۔ امام راغب صاحب ''مفردات القرآن'' میں کہتے ہیں کہ جَـاءَ بِكُـمْ مِنَ الْبَدْوِ (۱۲:۱۰۰) ''آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔'' میں بدو بمعنی بادیہ (صحراء) ہے اور ہر وہ مقام جہاں بلند عمارات وغیرہ نہ ہوں اور تمام چیزیں نظر آتی ہوں اسے بدو (بادیہ) کہا جاتا ہے اور البادی کے معنی صحرانشین کے ہیں۔

گویا سر سید تو دیہاتیوں کو نظروں سے اوجھل کر کے انہیں جن کہتے ہیں۔ جب کہ امام راغب انہیں خوب نمایاں کر کے انہیں دیہاتی کہتے ہیں اور قرآن امام راغب کے قول کی تائید کرتا ہے جنوں کی آگ سے تخلیق کے بارے میں سید صاحب فرماتے ہیں:

'قوائے بہیمہ کو جن کا مبتداء حرارت غریزی و حرارت خارجی سے آگ سے مخلوق ہونا ٹھیک ان کی فطرت کو بتلاتا ہے'' (ایضاً ص ۵۸)

اب دیکھئے حرارتِ غریزی انسان میں اس وقت سب سے زیادہ ہوتی ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور جوں جوں وہ بڑا اور پھر بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ یہ حرارت کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے اس وقت وہ پورا شیطان یا ابلیس یا جن ہوتا ہے اور جوں جوں وہ ارزل العمر کو پہنچتا جاتا ہے وہ انس یا انسان بنتا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر بچپن میں ہر انسان کا جن خوب ہٹا کٹا اور طاقتور ہوتا ہے اور جوانی میں بہرحال کمزور ہو جانا چاہئے یہ بات بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اب دیکھئے درج ذیل آیات ابلیس اور جنوں کے خارجی وجود کے متعلق کتنی صاف ہیں:

### ابلیس کے خارجی وجود کا ثبوت:

قَـالَ فَـاخْـرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ (اللہ نے ابلیس سے) فرمایا: ''جنت سے نکل جا تو مردود ہے۔'' [الحجر ۱۵/ ۳۴]

ذرا سوچئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم آدم علیہ السلام کے سرکش جذبات کو دیا تھا؟ اور دوسرے مقام پر ہے:

فَـكُـبْـكِـبُـوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ وَجُنُوْدُ إِبْلِيْسَ أَجْمَعُوْنَ (تو وہ بھی گمراہ لوگ بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ابلیس کے سارے لشکر بھی۔) [الشعراء ۲۶/ ۹۴، ۹۵]

### جنوں کے خارجی وجود کا ثبوت:

وَجَـعَـلُـوْا بَيْـنَـهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَـمُـحْـضَـرُوْنَ (اور انہوں نے خدا اور جنوں میں رشتہ مقرر کر لیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے) [الصافات ۳۷/ ۱۵۸]

اب ظاہر ہے آج تک کسی جاہل سے جاہل قوم نے دیہاتی لوگوں یا سرکش جذبات کو خدا کا رشتہ دار نہیں بنایا۔ بقول پرویز صاحب اب یہ بھوت پریت یا دیوی دیوتا ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں وہمی اشیاء بھی مراد نہیں لی جاسکتیں کیونکہ وہمی اشیاء کا علم و شعور سے کیا تعلق؟ لہٰذا واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ جن کوئی الگ مخلوق ہے جو آج بھی موجود ہے۔ اپنا ذاتی تشخص بھی رکھتی ہے اور علم و شعور بھی۔

## قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس:

فرشتوں، ابلیس، شیطانوں اور جنوں کے خارجی وجود سے انکار کے بعداب سید صاحب آدم علیہ السلام کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور آدم کی تشریح ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار وہتک الاستار میں لکھا ہے ھو بالمقصود بادم آدم وحدہ... اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ'' پس ''کُمْ'' کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور آدم سے بنی آدم اور بنی نوع انسانی مراد ہے۔(ایضاً ۴۸)

اقتباس بالا میں لفظ آدم کی یہ تشریح پیش کر کے سید صاحب نے مکمل بطور پر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کیلئے راستہ ہموار کر لیا ہے۔ آدم علیہ السلام کی اس نئی تشریح میں آپ نے مشہور و معتبر تفاسیر کو نظر انداز کر کے کسی مجہول تفسیر کشف الاسرار وہتک الاستار کا سہارا لیا ہے۔ صاحب تفسیر کا نام آپ نے درج نہیں فرمایا کہ اس پر کچھ تبصرہ کیا جائے البتہ تفسیر کے نام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے قرآن کو اسرار و رموز کا مجموعہ سمجھ رکھا ہے اور مصنف صاحب ان سربستہ رازوں کو کھولنے اور پردوں کو ہٹانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ اور جو اسرار انہوں نے بیان فرمائے وہ سید صاحب کے مطلب کی چیز تھی۔ باطنی فرقہ کے لوگوں نے بھی قرآن کے ساتھ یہی کچھ کیا۔ اب اگر صاحبِ تفسیر اور ان کے تتبع میں سید صاحب بھی یہی کچھ کر لیں تو کیا مضائقہ ہے۔

رہی یہ بات کہ ''لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ'' سے یہ سمجھنا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بنی نوع انسان یا بنی آدم علیہ السلام بکثرت موجود تھے تو یہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

(۱) جہاں بنی آدم کے تذکرہ کی ضرورت تھی وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم علیہ السلام کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ آدم علیہ السلام کا قصہ بیسیوں مقامات پر مذکور ہے لیکن کسی جگہ بھی آدم علیہ السلام کے بدل میں بنی آدم کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ آدم علیہ السلام سے مراد بنی نوع انسان یا بنی آدم کا نمائندہ نہیں بلکہ مخصوص فردِ واحد ہے۔

(۲) یہ آدم علیہ السلام ایک برگزیدہ انسان تھے اور ان کا ذکر چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا ظن غالب یہی ہے کہ وہ نبی تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (بے شک خدا نے آدم اور نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم اور آل عمران علیہ السلام کو تمام جہاں کے لوگوں میں منتخب فرمایا)[آل عمران ۳/۳۳]

(۳) درج ذیل آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر واضح دلیل ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی)[البقرہ ۲/۳۷]

مندرجہ بالا آیت میں ''فتاب علیہ'' کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہاں کوئی اصول نہیں بیان کیا جا رہا بلکہ کسی فرد واحد کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ جو بغیر وحی کے ممکن نہیں، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام فرد واحد اور برگزیدہ انسان اور نبی تھے۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بنی آدم علیہ السلام موجود نہیں ہو سکتے۔ اب ہم سید صاحب کی اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ (اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر صورت بنائی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو) [الأعراف ۷/۱۱]

اس آیت میں ''ثم قلنا'' کے لفظ سے آپ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس قصہ آدم سے پیشتر بنی نوع انسان موجود تھے جن کیلئے جمع کی ضمیر کم استعمال ہوئی ہے۔ یہ آیت سورہ اعراف کی نمبر:۱۱ ہے۔ درمیان میں سے کسی آیت کا ٹکڑا پیش کر کے مقصد برآری کوئی مستحسن فعل نہیں ہوتا۔ اس آیت کے مخاطب دورِ نبوی کے لوگ ہیں اگر سورہ کو شروع سے پڑھ لیا جائے تو ذہن خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ آیت نمبر:۳ سے مستقل مضمون چلا آ رہا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو'' [الاعراف ۷/۳]

تو یہاں لفظ خلقناکم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ لیکن مخاطب چونکہ عوام الناس ہیں جو کہ بنی آدم علیہ السلام ہی ہیں اس لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جب فاعل یا مفعول ایک یا ایک سے زیادہ ہوں تو ضمیر واحد بھی استعمال ہو سکتی ہے اور جمع کی بھی جیسا کہ قرآن میں قصہ موسیٰ و خضر میں استعمال ہوئی ہیں۔ حضرت خضر موسیٰ علیہ السلام کو تینوں واقعات کی تاویل بتلاتے ہیں تو پہلے واقعہ کیلئے اَرَدْتُّ جمع متکلم کا حالانکہ کشتی توڑنے میں خدا اور اس کی مشیت کو بھی ایسا ہی دخل تھا جیسے لڑکے کو مارنے میں۔

## قصہ آدم میں گفتگو کے فریق:

پھر سید صاحب بیان فرماتے ہیں:

''اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں، ایک خدا، دوسرے فرشتے (یعنی قوائے ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنی قوائے بہیمی) اور چوتھے آدم (یعنی انسان جو مجموعہ ان قویٰ کا ہے جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں) مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت بیان کرنا ہے۔ خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے والا ہوں۔ مگر وہی میرا نائب ہونے کے لائق ہے۔ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اس مقام پر مخاطبین کو (یعنی قوائے ملکوتی کو: مؤلف) اس بات کا کہ اس مخلوق (یعنی انسان) میں قوائے بہیمیہ (یعنی شیطان یا ابلیس) بھی موجود ہوں گے۔ عالم قرار دیا گیا ہے اور بمقتضائے فطرت ان قویٰ کے انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچادے اور خون بہادے اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اسی طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۹)

اب دیکھئے کہ جو منظر کشی سید صاحب نے پیش فرمائی ہے۔ اس میں نہ وہ فرشتوں کا خارجی وجود تسلیم کرتے ہیں نہ ابلیس یا شیطان کا، باقی رہ گئے دو یعنی خدا اور انسان، خدا بھی غیر مرئی ہستی ہے۔ اب میدان میں صرف ایک فریق یعنی انسان رہ گیا۔ وہ بھی کوئی متعین ہستی نہیں پھر اس کا زمانہ بھی انسانی گرفت سے ماوراء ہے تو یہ بات کیا ہوئی؟ قرآن نے جو اس واقعہ کو بیسیوں مقامات پر دہرایا ہے تو کیا یہ محض ایک ڈرامہ ہی تھا؟ چلئے ہم اسے سید صاحب کے بقول تمثیل یا ڈرامہ ہی سمجھ لیتے ہیں تو کیا کبھی ایسا ڈرامہ بھی منظر عام پر آیا ہے جس کا کوئی معین کردار بھی میدان میں موجود نہ ہو۔

## جنت، شجر ممنوعہ اور ہبوطِ آدم کی تاویلات:

جنت کے متعلق، جس میں آدم اور اس کی بیوی کو رہنے کو کہا گیا تھا۔ یہ اختلاف تو رہا ہے کہ آیا وہ جنت آسمانوں پر تھی یا زمین پر؟ کیونکہ ہبوط کے معنی گرنا اور گرانا کے بھی آتے ہیں۔ تو بے آبرو ہو کر نکلنے اور نکالنے کے بھی، معتزلہ یا کچھ دوسرے لوگ اس بات کے قائل تھے کہ یہ جنت زمین پر تھی حتیٰ کہ معتزلہ نے اس کی جگہ بھی بتلا دی کہ وہ فلسطین میں یا فارس و کرمان کے درمیان تھی۔ لیکن سید صاحب نے اس واقعہ کی جو تاویل فرمائی ہے، وہ بس اپنا جواب آپ ہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

''اس کے بعد خدا نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا۔ پہلے حصہ کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلّف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میوؤں کو کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے اور جب دوسرا حصہ اس زندگی کا شروع ہونے والا ہے، تو اس کے قدیم دشمن (شیطان) کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ کھلایا ہے۔''

''یہ انسان کی زندگی کا وہ حصہ ہے جب کہ اس کو رشد ہوتا ہے اور عقل وتمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلّف اور اپنے تمام اقوال وافعال وحرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہے اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہے۔ اپنی بدی سے واقف ہوتا ہے اور اس کو چھپاتا ہے۔ یہ فطرت انسانی خدا تعالیٰ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہے۔ سن رشد وتمیز کو پہنچنے کو درخت، معرفت خیر وشر کو پھل کھانے سے اور انسان کا اپنی بدیوں کے چھپانے کو درخت (جنت یا بچپن کی عمر کے درختوں) کے پتوں کے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہے۔ مگر شجرۃ الخلد تک ان کو نہیں پہنچایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فانی وجود ہے اور اس کو دائمی بقاء نہیں! خیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ اور جا کر زمین پر رہو۔ وہی تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اسی میں تم رہو گے، اسی میں مرو گے، اسی میں سے اُٹھو گے۔'' (ایضاً ص ۵۹)

اقتباس بالا سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

(۱) جنت سے مراد سن بلوغت سے پہلے کی عمر ہے، جسے بادشاہی عمر بھی کہتے ہیں۔

(۲) شجر ممنوعہ سن بلوغت کو پہنچ جانے کا نام ہے۔

(۳) جب کوئی انسانی بچہ اس سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے تو شیطان آ موجود ہوتا ہے اور اسی وقت یہ مکالمتی ڈرامہ جو چار کرداروں پر مشتمل ہے، پیش آتا ہے۔

(۴) سن بلوغت سے بعد کی عمر ہی ہبوطِ آدم ہے۔ پھر جو کوئی شجر ممنوعہ کو چکھ لیتا ہے تو اسے اپنی بدی کو سن بلوغت سے پہلے کی عمر کے پتوں سے چھپانا پڑتا ہے۔

(۵) اور اگر نہایت عمدگی سے بیان کیا جائے تو ہبوطِ آدم سے مراد زمین پر رہنا ہے۔

## تاویلات کا جائزہ:

(۱) سن بلوغت سے پہلے ہر انسان اکیلا ہوتا ہے، اس بادشاہی یا جنت کی زندگی میں اس کا اور زوج کا تصور نا ممکن ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی بیوی دونوں کو جنت میں رہنے کو کہا تھا۔ اس لئے یہ تاویل غلط ہے۔

(۲) شجر ممنوعہ کو کھانے یا نہ کھانے کا آدم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا تھا مگر سید صاحب کے شجر ممنوعہ (سن رشد وتمیز) کو کھانے پر ہر انسان اپنے طبعی تقاضوں کے تحت مجبور ہوتا ہے۔ ورنہ ان میں اکثر اس ذمہ داری کی زندگی کو قبول نہ ہی کرتے اور ہمیشہ بادشاہی عمر یا جنت ہی میں رہنا پسند کرتے۔

(۳) شجر ممنوعہ کو آدم اور اس کی بیوی نے شیطان کے بہکانے پر چکھا تھا۔ مگر اس تاویل کے تحت ہر کوئی مرد ہو یا عورت (بلاشرط زوجین از خود چکھتا ہے کیونکہ وہ

اس پر مجبور ہوتا ہے۔

(۴) مکلفانہ زندگی میں قدم رکھنا انسان کا طبعی تقاضا ہے اور طبعی تقاضوں پر ہبوط یا بے آبروئی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(۵) نہایت عمدگی سے بیان کے مطابق ہبوطِ آدم سے مراد انسان کا زمین پر رہنا ہے تو کیا ہبوط سے پہلے کی زندگی (یعنی جنت یا بچپن کی زندگی) میں انسان زمین پر نہیں رہتا تھا؟ پھر یہ ہبوط کیا ہے؟

سو یہ ہیں سر سید مرحوم کی تاویلات کے نمونے پھر آپ نے ان تاویلات میں جو ذہنی کاوش فرمائی اس کی ہم داد ہی دیں گے کیونکہ ان تاویلات سے آپ نے ہر بات کو مطابق فطرت بھی کر دکھلایا ہے اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق بھی قرآن کریم میں ایسے اسرار و رموز کی حکمت آپ یہ بیان فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتاتا ہے اور جو قوائے بہیمیہ اس میں ہیں۔ ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے ان کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا۔ جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے فہم سے بہت دور تھا۔ اس لئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے آدم و شیطان کے قصے، خدا اور فرشتوں کے درمیان مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خود اس فطرت کا راز سمجھے، خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ، خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا، اصلی عقیدہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ اس پر عام و خواص، سمجھ دار و نا سمجھ، جاہل و عالم کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے۔'' (ایضاً ص ۴۶)

سمجھے آپ! کہ سید صاحب اِس معجزہ قرآن کریم کی آڑ میں کیا فرما رہے ہیں؟ وہ کہتے ہیں:

(۱) قرآن میں جو بیسیوں مقامات پر قصہ آدم و ابلیس اور فرشتوں کا بیان ہوا ہے تو اس سے مراد صرف فطرت انسانی کا سمجھانا مقصود تھا۔

(۲) فطرت انسانی کا سمجھانا بہت دقیق راز ہے جو دوسرے آسان الفاظ میں ادا نہ ہو سکتا تھا لہٰذا بار بار یہ قصہ دہرا کر اہل دانش کو سمجھانا ضروری تھا۔

(۳) یہ راز اتنا دقیق ہے جو عام لوگوں اور اونٹ چرانے والے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

(۴) اور جن لوگوں نے اس راز کو دریافت کر لیا ہے۔ وہی عالم، دانشمند اور خاص لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے سر سید اور ان کے ہمنوا لوگ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

## سر سید پر کفر کا فتویٰ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے دل میں مسلمانوں کیلئے درد بھی تھا اور خلوص بھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان قوم ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد حکمران انگریز طبقہ کی نظروں میں مجرم اور مقہور تھی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک نے انگریزوں کو اور بھی غضبناک بنا دیا تھا۔ ان حالات میں سید صاحب نے ان دونوں حلقوں کو قریب تر کیا اور ان میں مفاہمت کی فضا ہموار کی اور ان کوششوں میں اپنی جان و مال تک کھپا دیا، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس کشمکش میں خود آپ نے اور مسلمانوں نے جہاں کچھ مادی فوائد حاصل کئے وہاں ایک بڑا نقصان یہ بھی پہنچا کہ آپ نے نہ صرف خود کو مغربی تہذیب و افکار کی جھولی میں ڈال دیا بلکہ مسلمانوں کو بھی اس راہ پر گامزن کر کے اسلام کے بنیادی تصورات اور ایمان بالغیب کی بیشتر کڑیوں کی جڑیں تک ہلا دیں اور ہر ایسے واقعہ یا تصور پر دھاوا بول دیا، جو مغربی افکار و نظریات کی میزان پر پورا نہیں اترتا تھا۔ معجزات سے انکار یا ملائکہ وحی، نبوت اور دوسرے کئی مسلمات سے متعلق ایک نئے تصور کی تخلیق اسی ذہنی شکست خوردگی کے نتائج و آثار ہیں۔ نتیجۃً مسلمانوں کے تمام فرقوں نے آپ کی اس نیچریت کی بناء پر متفقہ طور پر ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا چنانچہ ادارہ ''طلوع اسلام'' اس فتویٰ پر یوں تبصرہ لکھتا ہے:

''طرفہ تماشا یہ ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے وہ اجارہ دار جو دین خدا کے کسی اصول پر کبھی متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ دوسرے فرقہ کو کافر سمجھا کئے۔ ان کا اجماع ہوتا ہے تو اس دیوانہ ملت کی تکفیر پر جس نے کڑے اور نازک مرحلے پر پوری ملت کو موت سے بچا کر نئی زندگی عطا کی۔'' (پاکستان کا معمار اول ص ۸۳)

اس تبصرہ میں کئی باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ مثلاً

(۱) مسلمانوں کی اکثریت نے اصولوں میں آج تک اختلاف نہیں کیا بلکہ اگر کوئی شخص اصولوں میں اختلاف کرے تو اکثر فرقے اپنے فروعی اختلاف کے باوجود اس کی تکفیر پر متحد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حسین بن منصور حلاج، یا مرزا غلام احمد قادیانی یا سر سید کی تکفیر پر پھر یہ اتحاد صرف مسئلہ تکفیر پر ہی نہیں اور بھی بیشتر اجتماعی امور پر ہو جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان کی تشکیل یا قرارداد مقاصد یا تحریک ختم نبوت یا نظام مصطفیٰ کے نفاذ پر مسلمانوں کے اکثر فرقوں میں فروعی اختلافات کے باوجود اصولوں پر بالعموم اتفاق ہوتا رہا ہے۔

(۲) مسلمانوں کے فرقوں نے فروعی اختلافات کی بنا پر کبھی ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب فروعی اختلافات کے آئینہ دار فرقے ہیں، لیکن سب ایک دوسرے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔

فتویٰ تکفیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے جملہ فرقے کسی ایک شخص یا فرقہ کو گمراہ بدعتی یا کافر قرار دیں۔ ایسا فتویٰ یقیناً اپنے اندر

پورا وزن رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک فرد واحد یا کوئی ایک فرقہ دوسرے تمام فرقوں کو گمراہ اور کافر قرار دے۔ جیسے مرزا قادیانی یا ان کا فرقہ دوسرے تمام مسلمانوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتا اور فتویٰ لگاتا ہے تو ایسا فتویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بلکہ کافر یا گمراہ کہنے والا فرقہ خود ہی کافر یا گمراہ ہوتا ہے۔

امت کے اکثر فرقوں کا فیصلہ بالعموم صحت پر مبنی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہئے، لہٰذا سرسید کے خلاف امت کا اکثریتی فتویٰ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب موصوف اسلام کے اصولی عقائد ونظریات پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس بات کی بھی کہ اس گئے گذرے دورِ انحطاط میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مادی ترقی کی بجائے اصول دین کی حفاظت عزیز تر ہے۔

## سرسید کے افکار ونظریات پر ایک نظر:

پیشتر اس کے کہ ہم سید صاحب کے اپنے مخصوص نظریات کا جائزہ لیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ معتزلہ کے مخصوص عقائد ونظریات سے کسی حد تک متاثر تھے؟ ہم بتا چکے ہیں کہ معتزلہ کے مخصوص نظریات مندرجہ ذیل امور تھے:

(۱) عقل کا تفوق اور برتری۔ اسی بناء پر وہ احادیث اور اجماع کا انکار کرتے تھے اور اسی عقلی تفوق کی بناء پر وہ قرآنی آیات کی دور از کار تاویلات پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

(۲) ذات وصفات باری تعالیٰ میں امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ خدا کیلئے سمت مقرر کرنے یا اس کی طرف ہاتھ یا پاؤں کی نسبت کو کفر سمجھتے تھے اور صفاتِ باری تعالیٰ کو حادث سمجھتے تھے اور جو صفات کو بھی قدیم تصور کرتا اسے مشرک قرار دیتے تھے۔

(۳) جبر وقدر کے معاملہ میں وہ قدریہ عقائد کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا کائنات اور قوانین قدرت بنانے کی حد تک مختار تھا۔ اب جب کہ اس نے قوانین قدرت بنا دیئے ہیں تو اب وہ خود بھی ''اپنے وعدہ کے مطابق'' ان کا خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا انہیں قوانین قدرت، جن میں سے ایک مکافات عمل بھی ہے۔ انسان اپنے اچھے و برے کی سزا و جزاء پانے پر مجبور ہے لہٰذا وہ اللہ کی صفت مغفرت کی تاویل کر لیتے تھے اور شفاعت سے یکسر انکار کر دیتے تھے۔

سید صاحب کی ''تفسیر القرآن'' کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ بھی بعینہٖ ان نظریاتِ معتزلہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ آپ کے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

### پہلا نظریہ: عقل کا تفوق:

آپ قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ''ان سب باتوں کے ہونے کے بعد (وہ کیا باتیں ہیں آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ مؤلف) اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے۔ اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جائے گا تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا۔ (۱/۱۱۹)

اقتباس بالا میں آپ نے اس قدر وضاحت سے اعتراف فرمایا ہے کہ اگر قرآن کی کوئی بات عقل کے خلاف معلوم ہو تو لامحالہ اس کی تاویل کرنا چاہئے۔

### دوسرا نظریہ: ذات وصفات باری تعالیٰ کی تنزیہہ:

اس سلسلہ میں سید صاحب کی اقتباس بالا کے ساتھ ہی ملحقہ عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے جو عقل کے خلاف انہیں معلوم ہوئی:

''مثلاً یہ جو خدا کا قول ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہے مگر دلیل عقلی اس کی معارض ہے........اور خدا کا تخت پر بیٹھا ہوا ہونا عقلی دلیل سے محال ہے۔ اس لئے اس کی نقلی دلیل کے غلبہ یا بادشاہت سے تاویل کی گئی، اور اگر یوں نہ کیا جائے تو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے اور اگر دلیل نقلی کو عقل پر ترجیح دیں تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں ان کا اثبات بھی بجز عقل کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔ پس نقل کے لئے بھی عقل ہی اصل ہے۔'' (ایضاً ص ۱۱۹)

### تیسرا نظریہ: جبر وقدر:

اس مسئلہ میں سید صاحب نہ جبریہ سے اتفاق کرتے ہیں نہ قدریہ سے اور نہ ہی عام مسلمانوں سے جو بین الجبر والاختیار کے قائل ہیں۔ آپ نے اس مسئلہ کو چھیڑ کر لاینحل ہی چھوڑ دیا ہے۔ تینوں سابقہ نظریات کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔ لیکن کسی ایک کی بھی تائید نہیں کی اور نہ ہی اپنا کوئی واضح نظریہ پیش کیا ہے تاہم اس طویل بحث سے جو (تفسیر القرآن ۱: ۱۴ا سے ۱۹) تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ جبر کی طرف مائل ہیں اور آپ نے جمہور ائمہ اسلام سے اختلاف کے حق کو ضائع نہیں کیا۔

### چوتھا نظریہ: خوارق عادت اور معجزات سے انکار:

معجزات سے انکار کے متعلق بھی آپ کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمالیجئے:

''قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ دھوکا انسان کو ان مقامات پر پڑتا ہے جہاں قرآن میں قصص انبیاء بیان ہوئے ہیں۔ انبیائے سابقین کے قصص عہد عتیق کی کتابوں (تورات) میں بھی آئے ہیں اور علمائے

یہود نے بھی قصص انبیاء مستقل کتابوں میں لکھے ہیں جن میں بہت کچھ باتیں دور از عقل وخلاف قانون قدرت درج ہیں۔ وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علماء بھی ان سے مانوس تھے اور ان کے عجائبات کو جو قانون قدرت ان قصوں میں مشہور تھی۔ ان کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہمارے علمائے متقدمین نے اس بات پر خیال نہیں کیا بلکہ ان سے جہاں تک ہوسکتا قرآن مجید کے الفاظ کو ان پر بعینہٖ عمل کرنے کی کوشش کی اور اس کے کئی سبب تھے۔

اول یہ کہ ان قصوں کی نسبت کیفیتِ مشہورہ ان کے دل میں بسی ہوئی تھی۔ اس لئے قرآن مجید کے الفاظ پر انہوں نے توجہ نہیں دی۔

دوسرے یہ کہ ان کے پاس ہر ایک چیز گو کہ وہ کیسی ہی قانون فطرت کے خلاف کیوں نہ ہو خدا کی قدرت عام ''إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'' (للموٴلف) کے تحت میں داخل کردینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے ان الفاظ کی حیثیت پر غور کرنے کی طرف توجہ مائل نہ ہوتی تھی۔

تیسرے یہ کہ ان کے زمانہ میں حکمت طبیعی (Natural Science) نے اتنی ترقی نہیں کی تھی اور کوئی چیز ان کو قانون فطرت کی رجوع کرنے والی اور ان کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی۔ پس یہ اسباب اور مثل ان کے بہت سے ایسے اسباب ایسے تھے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی کافی توجہ قرآن مجید کے ان الفاظ کی طرف نہیں ہوئی۔ (ایضاً ص ۱۷)

اس اقتباس سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) انبیائے کرام علیہ السلام کے معجزات تورات میں بھی مذکور ہیں۔

(۲) علمائے یہود انہیں معروف معنوں میں معجزات ہی تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) علمائے یہود میں ان معجزات کی مشہوری کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی ان خوارق عادت واقعات کو تسلیم کرلیا۔

(۴) قرآن مجید کا بیان بھی توریت کے بہت کچھ مشابہ اور مماثل ہے۔ لیکن قرآن شریف میں الفاظ کچھ اس طرح سے آئے ہیں کہ ان سے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر خوارق عادت واقعات کو من وعن تسلیم کرلینا غلط تھا تو قرآن نے ایسے گول مول الفاظ کیوں استعمال کئے کہ یہ غلطی بدستور مسلمانوں میں بھی منتقل ہوتی چلی گئی۔ افکارِ فاسدہ کی درستی ہی کتاب اللہ کا کام ہے پھر سید صاحب کو علمائے کرام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی افسوس ہے کہ انہوں نے نہ قانون فطرت کا خیال کیا نہ نیچرل سائنس کا، بلکہ خدا کی قدرت کاملہ کا عقیدہ رکھ کر ان کو فی الواقع معجزات ہی تسلیم کرلیا حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن کے الفاظ کے دوسرے معنی تلاش کرکے ان واقعات کو مطابقِ قانون فطرت بنادیتے جیسا کہ آپ نے یہ کوشش فرمائی ہے اور مثال کے طور پر سند معجزات کو مطابقِ قانون فطرت کرکے دکھلا بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مثلاً: ان کے زمانہ میں یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ طوفانِ نوح کا تمام دنیا میں عام ہونا اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہوجانا محالات میں سے ہے اور خلاف توقع ہے اور اس لئے ان کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ قرآن میں جو "الارض کا لفظ ہے۔ اس میں الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہد کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں کہ انہیں درحقیقت آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نص صریح قرآن میں نہیں ہے کہ وہ فی الحقیقۃ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ نہ ہی حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ایسی کوئی نص ہے کہ فی الواقعہ ان کو مچھلی نگل گئی اور مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے؟ (تفسیر القرآن دیباچہ ص ۱۷)

اس اقتباس سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) معجزات کے بارے میں جو نصوصِ صریحہ قرآن میں موجود ہیں وہ قطعاً نصوص صریحہ نہیں بلکہ محتاج تاویل ہیں۔

(۲) ان کی جو تاویل پیش کی جائے گی وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہوسکتی جیسا کہ آپ خود ہی لکھتے ہیں۔

## اپنے دور کی علمی سطح کی قباحت:

''اور کیا عجب کہ آئندہ زمانہ میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت تحقیق شدہ معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے ہوں۔ اس وقت قرآن کریم کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وَهَلُمَّ جَرًّا پس قرآن لوگوں کے ہاتھ کا کھلونا بن جائے گا۔ (ایضاً ص ۱۹)

پھر اس کا جواب یوں فرماتے ہیں۔

جو غلطی سابقہ مفسرین سے ہوئی ہے کہ موجودہ علوم کا لحاظ رکھے بغیر قرآن کی تفسیر کی وہی غلطی آپ بھی کررہے ہیں کیونکہ آئندہ علوم آپ کی تاویل کو غلط ثابت کرسکتے ہیں۔

سابقہ مفسرین کی تفسیر کی تائید تورات، علمائے یہود کی تصانیف اور قرآن کے ظاہری مفہوم سے ہوتی ہے لہٰذا وہ سرسید کی تاویل سے بدرجہا زیادہ قابل اعتماد ہے کیونکہ سید صاحب کی تاویل کو کسی چیز کی بھی تائید حاصل نہیں۔ مزید یہ کہ اس تاویل کو خود بھی ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی تاویل کے ماخذ دور جاہلیت کی لغت کے متروک اور غیر مشہور معانی اور پھر ان سے حسب خواہش استنباط ہے۔

پھر معجزات کی ایسی تاویل کے جواز میں آپ ایک مثال یوں بیان کرتے ہیں:

"مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع وغروب ہوتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے۔ اب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن میں بطور حقیقت کے واقع نہیں ہوا بلکہ "عَلٰی مَا یَشْھَدُہُ النَّاس" بیان ہوا ہے اور سچ ہے پس ہم نے جو اس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ کہ قرآن مجید کی" (ایضاً ص ۲۰)

اس مثال میں بھی کئی ایک مغالطے اور الجھاؤ ہیں مثلاً

(۱) بات انبیاء علیہ السلام کے معجزات کی چل رہی ہے اور مثال آپ اجرام فلکی سے پیش فرمار ہے ہیں۔

(۲) قرآن کریم کے الفاظ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا سورج اپنی قرارگاہ پر چل رہا ہے (ص ۳۷/۳۸)

اور اس سے مراد اس کی محوری گردش بھی ہو سکتی ہے اور اپنے خاندان سمیت کسی بڑے سیارہ کے گرد گردش بھی، جیسا کہ موجودہ نظریات اس کی تائید کر رہے ہیں۔

(۳) اجرام فلکی کی رفتار تحقیق انسان کی عقل کا میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک ان کے متعلق چار نظریات پیش کئے جاچکے ہیں۔ جن کی تفصیل ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ مزید یہ کہ آئندہ بھی اسمیں تبدیلی کا امکان ہے۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور گذشتہ دور کے واقعات انسان کے دائرہ تحقیق سے خارج ہیں۔ ان کے متعلق دو ہی نظریے ہو سکتے ہیں۔ اقرار یا انکار چنانچہ تمام مذہبی طبقے ان معجزات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ نیچر پرست یا مادہ پرست لوگ ان معجزات سے انکار کر دیتے ہیں۔

## پانچواں نظریہ: نظریہ ارتقاء:

قرآن کی رو سے آدم علیہ السلام کو ایک فرد واحد، ابوالبشر اور نبی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں اور ابلیس کے الگ الگ اور خارجی وجود کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء کی رو سے آدم نہ تو فرد واحد قرار دیا جاسکتا ہے۔ نہ ہی یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ بندر کی نسل جو چلی آ رہی تھی اور مابعد انسانوں میں تبدیل ہوئی تو نفخ روحِ خداوندی کا واقعہ زندگی کے کس موڑ پر پیش آیا اور کس معین ہستی میں یہ روحِ خداوندی پھونکی گئی؟ دوران ارتقائے نسل، انسانی فرشتے کہاں سے ٹپک پڑے تھے۔ ابلیس کہاں سے وارد ہو گیا اور یہ باتیں ایسی تھیں جو قرآن میں مذکور تھیں۔ احادیث میں بھی موجود اور بائبل سے بھی ان کی تائید ہوتی تھی ایسی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کیلئے سید صاحب کی تکنیک یہ تھی:

(۱) اس سارے واقعہ کی فی الحقیقت کوئی واقعہ ہونے سے ہی انکار کر دیا اور اسے ایک تمثیلی داستان یا ڈرامہ قرار دیا۔

(۲) آدم علیہ السلام کو فرد واحد یا نبی قرار دینے کے بجائے اس سے مراد "آدم کے بجائے آدمی" لیا اور کہا کہ کوئی مخصوص فرد نہ تھا۔ بلکہ بنی نوع انسان کا کوئی نمائندہ Representative of Man تھا۔

(۳) فرشتوں سے مراد کائناتی قوتیں لیا اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد یہ لی گئی کہ یہ قوتیں انسان کے سامنے سجدہ ریز ہوئیں۔ گویا انسان اپنے علم وتجربہ سے ان پر حکمرانی کرسکتا ہے۔ دلیل یہ دی گئی کہ "سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً" حالانکہ لفظ جمیعاً سے مراد کائناتی قوتیں نہیں بلکہ ہر طرح کے مادی اجسام بھی ہیں۔

(۴) آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی کیلئے شجر ممنوعہ دراصل جنسی ترغیبات تھے یہی شجرہ الخلد تھا۔ یعنی انسان اپنی اولاد کے ذریعہ بقائے دوام چاہتا تھا۔

## نگہ بازگشت:

پچھلے ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) اسلامی تاریخ میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اصول دین میں اختلاف کیا وہ جہمیہ اور معتزلہ تھے۔ یہ دونوں فرقے دوسری صدی کی پیداوار ہیں اور ان دونوں فرقوں کا یہ اختلاف یونانی فلسفہ سے ذہنی شکست خوردگی کی بناء پر تھا۔

(۲) ان دونوں فرقوں کا اختلاف تین اصولی مسائل میں تھا۔

دونوں فرقے ذات وصفات باری تعالیٰ میں ارسطو کے ہم نوا تھے جو خدا کو محض ایک تجریدی تصور کے طور پر پیش کرتا ہے۔

دونوں فرقے وحی کے مقابلہ میں عقل کے تفوق اور برتری کے قائل تھے۔ انہوں نے عقل کی برتری ثابت کرنے کیلئے قرآن سے ایسی جملہ آیات کو یکجا کر کے پیش کر دی جن میں انسانی عقل کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا دائرہ کار ہے لیکن وحی کی برتری، حکمت اور اتباع کی آیات کو نظرانداز کر دیا۔

دونوں فرقوں نے تقدیر کے مسئلہ میں مسلمانوں کے مسلمہ عقیدہ سے اختلاف کیا، جو یہ ہے کہ ایمان وجبر واختیار کے بین بین ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں ان دونوں فرقوں کے درمیان بھی اختلاف ہوا، جہمیہ انسان کو مجبور محض تصور کرتے تھے اور معتزلہ انسان کو مختار مطلق۔

(۳) اپنے عقائد ونظریات کو درست ثابت کرنے کیلئے ان کا طریقہ کار یکساں تھا یعنی پہلے متعلقہ احادیث وآثار کو ظنی اور ناقابل اعتماد قرار دیکر ان سے بالکلیہ انکار

کر دیا جائے

دوسرا قدم یہ تھا کہ ثابت شدہ سنت کو بھی سند اور صحت کے مقام سے گرا دیا جائے اور اس کیلئے عقلی دلائل دیئے جائیں۔

تیسرا قدم یہ تھا کہ یہ احادیث و آثار کو پرے ہٹا دینے کے بعد قرآنی آیات کی من مانی تاویل پیش کر دی جائے۔

گویا عجمی تصورات سے مرعوبیت، انکار حدیث اور تحریف قرآن تینوں باتیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

(۴) جو احادیث جہمیہ نے مسئلہ قدر کے معاملہ میں رد کیں۔ وہی احادیث معتزلہ کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے نزدیک مردود تھیں وہی احادیث جہمیہ کے نزدیک مقبول ترین تھیں۔ یہی حال ان دونوں فرقوں کی تاویلات قرآن کا ہے۔ ان حقائق سے یہ نتیجہ لازمی طور پر سامنے آتا ہے کہ جب کوئی انسان یا فرقہ کسی عجمی تصور کا غلام بن جاتا ہے تو قرآن وسنت دونوں کو بازیچۂ اطفال بنا دیتا ہے اور بزعم خویش ایسی قرآنی تاویلات کو قرآنی فکر کا نام دیتا ہے۔

(۵) ہندوستان میں اس ''عقلیت پرستی'' Rationalism کی نشأۃ ثانیہ سرسید مرحوم سے شروع ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے نظریات کیلئے بھی وہی تکنیک استعمال کی جو جہمیہ اور معتزلہ نے کی تھی۔ یعنی

احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے بعد قرآن کی ان تمام آیات کی تاویلات پیش کر دیں جن میں انبیائے کرام علیہ السلام کے معجزات کا ذکر تھا۔

نظریہ ارتقاء پر ایمان نے آپ کو نبوت، وحی، ملائکہ، آدم، ابلیس یا شیطان کے متعلق نئی تاویل و تعبیر پر آمادہ کیا اور ان کے متعلق آپ نے امت مسلمہ کے مسلمہ تصورات و عقائد کو یکسر بدل ڈالا جس کی بناء پر امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔

## عجمی تصورات کا تیسرا دور:

### عبوری دور کے منکرین حدیث:

سرسید مرحوم کے بعد کچھ ایسے افراد بھی منظر عام پر آتے ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا افکار و نظریات کی آبیاری کی۔ مولوی چراغ علی مکمل طور پر سرسید کے ہمنوا تھے پھر کچھ حضرات ایسے بھی منظر عام پر آئے جن کے سامنے کوئی نیا نظریہ ذاتی فکر موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا سارا زور احادیث کو ظنی، ناقابل اعتماد اور ناقابل صحت قرار دینے پر صرف کر دیا۔ ان میں چند قابل ذکر ہستیوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، علامہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدا بخش، خواجہ احمد دین امرتسری، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی وغیرہم۔ ان لوگوں نے احادیث کا کلیۃً انکار کر دیا اور ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر اس پر انحصار کیا لیکن اب مشکل یہ پیش آئی کہ قرآن کریم کے ارکان اسلام کی جزئیات تک بیان کرنے میں ساکت تھا۔ اب احادیث کی بجائے انہیں محض اپنے غور وفکر کا سہارا لینا پڑا پھر ان میں سے بعض نے متواتر اعمال کا سہارا لیا۔ لیکن پھر بھی بات بنائے نہ بن سکی۔ آخر ان سب دوستوں میں شدید اختلافات رونما ہوئے اور جوت و پیزار بھی ہوئی۔ نتیجۃً ان کے بھی کئی فرقے بن گئے جو صرف ایک نماز کے معاملہ میں ہی کئی طرح کے اختلافات رکھتے تھے اور اختلافات بھی اصولی قسم کے تھے۔ مثلاً کچھ فرقے صرف دو نمازیں پڑھتے تھے، کچھ کہتے تھے کہ قرآن سے تین نمازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا وہ تین نمازیں پڑھتے تھے۔ کچھ لوگ ہر رکعت میں دو سجدے کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایک ہی سجدہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ نماز میں یہ لوگ صرف قرآنی آیات ہی پڑھتے ہیں۔ خواہ قیام یا رکوع، سجدہ ہو یا جلسہ، پھر کچھ ایسے ہیں جو سلام پھیرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے، اتنے اختلافات تو صرف نماز میں ہوئے، باقی احکام میں جس قدر اختلافات ہو سکتے ہیں اس کا کنارہ تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ اس کا آپ خود اندازہ فرما لیجئے۔

### چند مشہور منکرین حدیث کا مختصر تعارف:

#### عبداللہ چکڑالوی:

آپ ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے اور اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ آپ ایک الگ فرقہ مسمیٰ ''اہل القرآن'' کے بانی ہیں۔ آپ کا تبلیغی مرکز لاہور تھا آپ پہلے اہلحدیث اور متبع سنت تھے۔ بعد میں حجیت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے، وہ کہتے ہیں:

''پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح شرکت موجبِ عذاب ہے اسی طرح مطابق اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہ اور ''لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِہٖ اَحَداً'' کے شرک فی الحکم یعنی دین میں اللہ کے حکم کے سوا اور کسی کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعثِ ابدی ودائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ (ترجمۃ القرآن ص ۹۸)

اب دیکھئے کسی انسان کے ذہن میں جب ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی معاملہ کے صرف ایک پہلو پر ہی دلائل تلاش کرنے لگتا ہے اور باقی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے پھر اسے ایسی آیات بھی نظر نہیں آتیں جن میں دوسرے پہلوؤں کے متعلق احکامات دیئے گئے ہوتے ہیں۔ چکڑالوی صاحب کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ آپ نے جو تین آیات کا حوالہ دیا ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے حکم صرف اللہ کیلئے، اب اگر اللہ ہی بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب میں اپنے رسول کی اطاعت واتباع کا حکم دے تو یہ شرک فی الحکم یا شرک فی الکتاب کیسے بن گیا؟

انکار حدیث کی بناء پر آپ دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات، شفاعت، عذاب قبر، ایصال ثواب اور لاتعداد ازواج وغیرہ کے بھی قائل نہ تھے۔ تعدد ازواج کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:

''تعدد ازواج بحوالہ قرآن زنا میں داخل ہے۔ جس سے انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی امت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء اور بہتان ہے۔''
(اشاعۃ القرآن مئی ۱۹۲۲ء ص ۱۸)

یہ ہے موصوف کی دماغی ٹیڑھ اور قرآن دانی کا غلبہ۔ قرآن میں بار بار'' يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ '' اور ''يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ '' کے الفاظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آئے ہیں جو ان کو نظر نہیں آتے اور بڑی دیدہ دلیری سے ''بحوالہ قرآن'' یہ بھی ارشاد فرمایا۔ پھر سراسر افتراء وبہتان کے مرتکب آپ ہیں یا دوسرے مسلمان؟ پھر چکڑالوی صاحب کی یہ جسارت بھی قابل داد ہے کہ اکیلے رسول اللہ کو ہی نہیں بلکہ ایسے تمام انبیاء ورسل اور امت کے افراد کو زنا کا مرتکب قرار دے دیا۔ جن کے ہاں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں ''قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ''

البتہ ایک بات ایسی ہے جس میں چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث سے ممتاز نظر آتے ہیں اور وہ یہ کہ آپ رسول اللہ کے سید الانبیاء ہونے کے بھی قائل نہ تھے۔ آپ ایک سائل کو جواب یا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آپ نے اپنے مسلمہ قرآن، بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدیٰ کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیم علیہ السلام کا خصوصاً لقب مرحمت فرمایا ہے۔'' اور پھر آپ نے ان نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء ورسل کی تحقیر وتذلیل کر کے ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ '' کا کفر کیا یا نہیں؟ (حوالہ رسالہ ایضاً ص ۱۲-۱۴)

اب آگے دیکھئے

(۱) چکڑالوی صاحب کو لَا نُفَرِّقُ والی آیت تو قرآن میں نظر آ گئی مگر جناب کو ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ '' کہیں نظر نہیں آئی، پہلی آیت میں مقام رسالت کا ذکر ہے جو سب کا برابر ہے۔ دوسری آیت میں ان کے درجات کا بیان ہے جن میں تفاوت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ انبیاء کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اقتداء کا حکم دیا اور یہ ہدایت منزل من اللہ اور سب انبیاء پر ایک جیسی ہی نازل ہوتی ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمایا تھا۔ نظام دین کے قیام میں پیش آمدہ مشکلات میں اگر سابقہ انبیاء کی ایسی ہی مشکلات اور صبر وثبات کا حوالہ دے کر آپ کو بھی ان کے طریق کار کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے تو اس سے آپ کا درجہ کم کیسے ہو گیا؟ درجہ کی فضیلت تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس نظام دین کو قائم کرنے میں کون سا رسول سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے؟ قرآن وحدیث اور تاریخ شاہد ہے کہ اس پہلو سے آپ سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

(۳) پھر آپ کو بخاری اور صحاح ستہ میں یہ حدیث ''اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ'' بھی کہیں نظر نہ آئی۔ اس حدیث کی رو سے آپ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ جن میں تمام انبیاء ورسل بھی شامل ہیں نہ ہی آپ کو کہیں یہ حدیث نظر آئی کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا؟ اگر آپ اس حدیث کے قائل نہیں تو حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟

کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں، اب اگر کوئی شخص سنت سے انکار کرتا ہے تو اس کی یہ فکر لازمی طور پر انکار قرآن پر منتج ہوتی ہے۔ وہ بعض آیات تو پیش کرتے ہیں مگر بعض کو سرے سے نظر انداز ہی کر جاتے ہیں۔ اور یہی انکار قرآن ہے۔

انکار حدیث کے بعد چکڑالوی صاحب قرآن کی جزئیات کی تعیین میں نہایت بے بس ثابت ہوئے۔ نماز کی ادائیگی سے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا

کہ صرف قیام ہی فرمایا کرتے تھے اور چند قرآنی آیات پڑھ کر ختم کر دیتے تھے۔ جیسا کہ نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ نماز سے متعلق رکوع اور سجدہ والی آیت یا تو آپ کو نظر ہی نہیں آئی تھیں یا ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔

## (۲) نیاز فتح پوری:

(۱۸۷۷ء-۱۹۶۶ء) فتح پور (بھارت) میں پیدا ہوئے، تعلیم کے بعد مختلف رسائل میں بطور ایڈیٹر کام کیا، پھر لکھنؤ سے اپنا رسالہ ''نگار'' نکالا۔ آپ نے ٹیگور کی کتاب گیتانجلی کا اُردو ترجمہ کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ پر فلسفہ کا رنگ بہت زیادہ غالب آ گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ منکرِ حدیث ہی نہیں منکر قرآن اور منکر اسلام بھی ہو گئے تھے۔ آپ کی کتاب ''من و یزدان'' آپ کے عقائد و نظریات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔

تمام منکرین حدیث میں آپ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپ قرآن کو نہ خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور نہ منزل من اللہ، بلکہ اسے ایک انسان کا کلام سمجھتے ہیں۔ اب ''من و یزدان'' کے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

''عام مسلمانوں اور مولویوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے مکمل طور پر پہلے سے لوح محفوظ میں منقوش و موجود تھا اور فرشتہ (جبریٔل) ہی محفوظ و منقوش کلام اللہ کو آ کر سناتا تھا اور رسول اللہ انہیں آسمانی الفاظ کو دہرا دیتے تھے، حد درجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان بھی ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن جب کہ وہ اسی زبان میں نازل ہوا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسول کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دینا ہے۔'' (من و یزدان حصہ اول ص ۵۵۲)

اب سوال یہ ہے کہ اگر قرآن عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں ایک عربی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عربی امت پر نازل ہوتا تو ایسے قرآن کا فائدہ کیا تھا جسے نہ نبی سمجھتا، نہ کوئی دوسرا اسے سمجھ سکتا؟ اور یہ کتاب ''کتاب ہدایت'' کیسے قرار دی جا سکتی تھی؟ لیکن یہی وجہ نیاز صاحب کے نزدیک خدا کو انسان کے مقام پر اور رسول کو انسان سے بھی کم تر مقام پر لانے کے مترادف ہے چنانچہ وہ کھل کر اپنے فکر کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

''کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اِس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔'' (حوالہ ایضاً ص ۴۵)

گویا قرآن کو انسان کا کلام سمجھنا ہی دراصل رسول اللہ کو انسانیت کے مقام پر اور خدا کو خدائی کے مقام پر سمجھنے کے مترادف ہے۔

یہ تو تھی آپ کے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب کی مثال اب باقی اسلامی عقائد پر بھی آپ کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

''ہر چند خدا کے اس جدید تصور (جو نیاز صاحب کی اختراع ہے۔ مؤلف) سے انبیاء و رسل، مصحف مقدسہ، حیات بعد الموت، دوزخ و جنت، ملائکہ و شیاطین، حشر و نشر اور عذاب و ثواب ختم ہو جائیں گے۔ یا ان کی کوئی توجیہ کرنا ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہم کو ان مروجہ عقائد اور خدا دونوں میں سے ایک کو لینا ہے اور غالباً یہ زیادہ آسان ہوگا کہ خدا کے مقابلہ میں معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ (حوالہ ایضاً ص ۴۹۴)

یہ تو تھا اسلامی عقائد سے آپ کی بیزاری کا اعلان، اب خدا کے متعلق آپ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

''خدا کو آگ برساتے ہوئے، خون اور پیپ پلاتے ہوئے، آتشیں کوڑوں سے سزا دیتے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا ہے، اب ضروری ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرہم رکھے اور بجائے کسی خاص قوم پر لطف کرنے کے وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ سب کیلئے بغیر شرط کے کھول دے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دور نہ ہو خدا کا کوئی ایسا کائناتی نظام قائم ہی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی شخص اختلافِ عقائد کو مہمل قرار دیتا ہے تو اسے ملحد و کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں خدا کی خدائی اگر صحیح معنی میں قائم ہو سکتی ہے تو اِس کی توقع ہم کو صرف کافروں اور ملحدوں ہی سے کرنا چاہیے۔'' (حوالہ ایضاً ص ۵۳۸)

سو یہ ہیں نیاز فتح پوری صاحب، جو خدا کو بھی ہدایات جاری فرما سکتے ہیں۔ علمائے وقت نے جب آپ کی یہ اسلام بیزاری اور کافروں اور ملحدوں میں شامل ہونے کی آرزو دیکھی تو کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا اور آپ کو موقع دے دیا۔ کہ آپ اپنے اختراعی خدا کی خدائی قائم کرنے میں ممد ثابت ہوں۔ جب آپ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگایا گیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ تھا وہ سب سے پہلا فتویٰ کفر والحاد کا جس نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب کافر ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید اور تقلید بھی اصول و احکام کی نہیں، بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہم کی

اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کرکے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے'' (ایضاً ص ۵۴۷)

نیاز صاحب کے درج بالا بیان سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) انکار حدیث کے ساتھ ہی انکار قرآن کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے پھر پورے طور پر انکار قرآن اور اس کے بعد انسان گمراہی کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) کوئی مسلمان کتنا ہی ملحد و زندیق ہوجائے وہ خود کو ہی صحیح مسلمان اور دوسرے تمام مسلمانوں کو غلط یا نامسلمان سمجھتا ہے۔

(۳) اسلام کے نام میں کچھ ایسی کشش ہے کہ ملحد اور دہریہ ہونے کے باوجود کوئی مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس کے تمام عقائد ونظریات کو پامال کرنے کے بعد بھی اسلام سے وابستہ رہنا پسند کرتا ہے۔

## (۳) علامہ عنایت اللہ مشرقی:

(۱۸۸۸ء۔۱۹۶۴ء) آپ تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل بنے۔ انشاء پردازی فلسفی اور مؤرخ تھے۔ تذکرہ قول فیصل، مولوی کا غلط مذہب اور اشارات آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ نے ۱۹۳۱ء میں خاکسار تحریک کی بناء ڈالی، اور ایک ہفتہ وار پرچہ ''الاصلاح'' جاری کیا۔ ۱۹۴۰ء میں یہ تحریک خلافِ قانون قرار دی گئی اور دم توڑ گئی۔ آپ اچھرہ میں مدفون ہوئے۔

آپ نیاز فتح پوری کے ہم پلہ فلسفی تو نہ تھے، تاہم ان سے آدھے ضرور تھے۔ حدیث اور فقہ سے انکار کے بعد عقل نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا۔ اس کا نقشہ کچھ اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

''تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہوسکا کہ کون سا مذہب سچا ہے؟ کون سا شارع کائنات اللہ تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہٖ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔'' (دیباچہ تذکرہ قول فیصل ص ۶)

اب دیکھئے علامہ صاحب خدا کی ہستی کے متعلق کوئی ایسی حتمی اور متفق علیہ دلیل چاہتے ہیں، جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ ایسی حتمی اور قطعی دلیل موجود ہوتی تو کسی بھی شخص کا کافر یا دہریہ ہونا ناممکن ہوتا۔ پھر خدا کی اطاعت، اضطراری ہوتی اختیاری نہ ہوتی۔ جیسے کہ دوسرے تمام اشیائے کائنات (سوائے جن وانسان) اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ لیکن انسان کو اختیار اور عقل ممیّزہ بھی عطا کی گئی ہے اور یہ بات انسان کی اپنی صواب دید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ خدا کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ بذریعہ وحی اس کی عقل کی رہنمائی اس انداز میں ضرور کی گئی ہے کہ وہ اشیائے کائنات میں غور وتدبر کے بعد خدا کی ذات پر یقین کرے اور اگر وہ انسان اتنا عقلمند نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب رکھے۔

اب اگر علامہ صاحب خدا کی ہستی کے متعلق ہی متردد ہوں تو انہیں کسی بھی رسول یا مذہب یا کسی مذہب کی سچائی ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ آپ کی اس فلسفیانہ فکر نے آپ کو صرف حدیث سے ہی نہیں بلکہ مذہب اور خدا سے بے نیاز کردیا۔ لیکن وہی اسلام سے وابستگی آڑے آتی رہی اور قرآن سامنے رہا۔ قرآن میں آپ کو مغربی اقوام ہی صحیح مومن نظر آنے لگیں۔ انگریز قوم اور انگریزی تہذیب کی جو عقیدت آپ کے دل میں تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

''یہی انگریز تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرشتوں نے اپنے پروردگار سے جب وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا، یہ کہا تھا کہ ''کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو اس زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا، اور ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم تیری حمد وثناء کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں'' تو اللہ تعالیٰ نے ان انگریزوں کے آئندہ اعمال پر غور کرتے ہوئے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ ''میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان انگریزوں کو بہت سی چیزوں کے نام اور بہت سی چیزوں کی حقیقتیں دکھادیں اور پھر ان چیزوں کے استعمال پر قدرت دی اور اللہ کے فرشتے ''سلام علیکم خوش رہو اور اس زمین پر اور اچھی زندگی بسر کرو تم'' کہتے ہوئے ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم انگریزوں کو راحت وآرام دے۔ آباد رہو تم قیامت تک'' (تذکرہ ص ۴۷، عربی ایڈیشن)

تاہم آپ نے بعد میں یہ اقرار کرلیا تھا میں پیٹ کی خاطر قرآن کی تکذیب کرتا رہا ہوں وہ تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

''میں اپنے نفس کیلئے شب وروز ظلم کرتا رہتا ہوں اور صبح وشام اپنی تنخواہ کیلئے انگریز کی پرستش کرتا رہا ہوں اور اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا تاکہ وہ مجھے اپنی طرف سے روزی عطا فرمائے اور میں دن بدن قرآن کی تکذیب کرتا رہتا ہوں اور میں توحید پر مداومت کی طاقت نہیں رکھتا، بلکہ اپنے نفس کیلئے مکر پر مکر کئے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بیمار شرکت میں مبتلا ہوجاتا ہوں، سو تم مجھے نہ دیکھو، بلکہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے دیکھو۔'' (تذکرہ ص ۱۴۱، عربی ایڈیشن)

## ڈاکٹر غلام جیلانی برق:

بسال ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے بعد محکمہ تعلیم پنجاب سے منسلک رہے اور کیمبل پور کے کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ آپ کی تصانیف،

ایک اسلام، دو اسلام، دو قرآن، حرف محرمانہ اور تاریخ حدیث ہیں۔ آپ بھی علامہ مشرقی کی طرح اقوام مغرب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے حدیث کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزوِ اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملائی قید سے آزاد کرانا چاہتا ہوں'' (دو اسلام ص ۱۱۴)

انکار حدیث کے بعد فکر قرآنی نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا اس کا ما حصل اور خلاصہ یہ ہے:

(۱) رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ''آمَنُوا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ'' کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے، اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں۔'' (ایک اسلام ص ۴۸)

(۲) حتیٰ کہ رسول اکرم پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں۔ لکھتے ہیں:

''ملاحظہ فرمایا آپ نے کہا اللہ تعالیٰ ''وَلَوْ اَنَّھُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا'' میں نیک یہود و نصاریٰ کو مژدۂ رحمت سنا رہا ہے۔ یہ لوگ خدا و آخرت پر تو یقین رکھتے تھے مگر ہمارے رسول کی رسالت کے قائل نہ تھے۔ ممکن ہے ملا میری اس تحریر سے بھڑک اُٹھے کہ لو جی یہ زندیق وملحد نجات کیلئے ایمان بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ضروری نہیں سمجھتا۔'' (ایک اسلام ص ۴۶)

(۳) اب اس فکرِ برق کا دوسرا پہلو یہ ہے:

''دوسری اقوام کے انبیاء سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔ مثلاً موسیٰ وعیسیٰ، ابراہیم ومحمد، رام وکرشن، کنفیوشس وزرتشت وبدھ'' (ایک اسلام ص ۲۵)

(۴) آپ نے پہلے تو ایمان بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غیر ضروری قرار دیا تھا۔ اب تمام انبیاء کو ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوہ ہائے حسنہ پر چلنا، ان کے مناقب بیان کرنا، انہیں ہر لحاظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیماتِ قرآن کہنا ہمارا کام تھا لیکن اسے کر رہے ہیں بعض غیر مسلم'' (ایک اسلام ص ۲۴)

کچھ پتہ ہے یہ بعض غیر مسلم جو ہمارے کرنے کے کام کر رہے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ وہ ہیں اقوام مغرب، آپ بھی علامہ مشرقی کی طرح اقوام مغرب پر اور ان کی تہذیب پر بصد دل وجان نثار تھے۔ انگریز قوم کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہاں آپ کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے تمام انعامات سے (انگریز) لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ سلطنت اس کی علم اس کا، فضائیں اس کی، ہوائیں اس کی، باغ اس کے، نہریں اس کی، دانش اس کی، حکمت اس کی، اگر کل کو اللہ اس کی آخرت بھی سنوار دے تو آپ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ (ایک اسلام ص ۴۶)

آپ اسی قوم انگریز کو ہی متقین قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''متقین کا مصدر ہے تقویٰ، جس کے معنی ہیں حفاظت، بچاؤ، ڈیفینس (Difence) یعنی متقی لوگ وہ ہیں جن کا ڈیفینس مضبوط ہو، جن کی سرحدیں مستحکم ہوں، جو مہیب عسکری طاقت کے مالک ہوں اور جن کا کردار اتنا بلند ہو کہ اس پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا جا سکے'' (دو اسلام ص ۴۶)

برق صاحب نے بھی پرویز صاحب کی طرح چند در چند کتب لکھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کی وجہ یہی حدیثی اسلام ہے اور جب تک مسلمان اس سے پیچھا نہیں چھڑائیں گے، ان کی اصلاح ناممکن ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بتدریج آپ اس حدیثی اسلام کی طرف بھی مائل ہونے لگے چنانچہ دو اسلام میں ایک باب ''صحیح احادیث کو ماننا پڑے گا'' بھی لکھا بعد میں انکارِ حدیث کے نظریہ سے توبہ کر لی اور علامہ مشرقی کی طرح اپنی غلطی پر صرف برملا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ تاریخ حدیث لکھ کر اس کی تلافی مافات بھی کر دی۔

## (۵) اسلم صاحب جے راج پوری:

۱۲۹۹ھ میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سن ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں لیکچرار لگ گئے۔ بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاذ مقرر ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف تاریخ القرآن، تاریخ امت (آٹھ جلدوں میں) اور الوارثۃ فی الاسلام ہیں۔ منکرین حدیث میں بعض وجوہ سے آپ کا مقام بلند ہے۔ پرویز صاحب نے انہیں کے فکر قرآنی سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کی نظر میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظ دیگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعۂ احادیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی پسند اور مرضی پر منحصر ہے اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حافظ اسلم صاحب ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' کی تفسیر لکھتے ہوئے احادیث پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں:

### حافظ اسلم صاحب کا نظریۂ حدیث:

اس کی تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی ہے جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے، ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور فقہِ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

اقوال، اعمال اور احوال بیان کئے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ وغیرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے، اور اسی کے متعلق (قرآن نے کہا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (طلوع اسلام ستمبر ۱۹۵۵ء)

اس تبصرہ پر جناب غلام احمد پرویز صاحب فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ:

"تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق ہو" (اور قرآن وہ ہے جو پرویز صاحب نے سمجھا، یعنی تواتر بھی وہی یقینی ہے جو آنجناب کی قرآنی بصیرت کے مطابق ہو)

انکار حدیث کے بعد علامہ مشرقی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق تو انگریز قوم کے دلدادہ بن گئے تھے مگر آپ ان کے برعکس روس نوازی اختیار فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش وانقلاب، تغیر وتبدل ہو رہا ہے وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کیلئے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جارہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔" (نوادرات ص ۱۱۴)

پھر فرمایا: "جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں، اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہ روسیوں نے کیا ہے، یہی نفی لا ہے" (ایضاً ص ۱۱۵)

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ حقائق ثابتہ جو قرآن میں مذکور ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے یا نہیں؟ اگر معلوم تھے تو کیا انہوں نے اسی طرح دوسرے مذاہب پر مظالم ڈھا کر اسلام کیلئے زمین ہموار کی جس طرح موجودہ دور میں روس میں ہو رہا ہے؟ اور نفی لا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی مطلب سمجھا تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

آپ کے روس نوازی کے قرآنی فکر کی بنیاد پر آگے چل کر پرویز صاحب نے "قرآن نظام ربوبیت" ایجاد فرمایا اور تمام منکرین حدیث پر آپ کا احسان یہ ہے کہ آپ نے "مرکز ملت کا تصور" اختراع کر کے ان حضرات کو ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دلائی۔ آپ کے مزید عقائد ونظریات کی تفصیل اس کتاب میں مل جائیں گی۔ بالخصوص اس کتاب کا حصہ "دوام حدیث" میں آپ ہی کے ارشادات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے پھر آپ نے ایسے مسائل کا بھی انکار کیا۔ جن کے اشارات قرآن کریم میں ملتے تھے۔ مگر ان کی وضاحت احادیث میں مذکور تھی اور وہ متفقہ طور پر مسلمانوں میں تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان میں کچھ مسائل ایسے بھی تھے جن کی داغ بیل سر سید احمد خان ڈال چکے تھے۔ مثلاً حج کے موقع پر کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ قربانی آپ کے خیال میں ایک لغو فعل تھا۔ سید صاحب تعداد ازواج کے بھی قائل نہیں تھے۔ وہ قرآن کریم میں کسی طرح کے نسخ کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ بینکوں کے سود اور تجارتی سود کو جائز قرار دیتے تھے۔ (اس مسئلہ میں ادارہ طلوع اسلام سید صاحب کے خیالات سے اختلاف رکھتا ہے) نیز وہ وصیت کے لئے کسی شرط کے بھی قائل نہ تھے۔ حافظ اسلم صاحب نے ان مسائل کو شرح وبسط سے پیش کیا اور کچھ مسائل کا بھی اضافہ کیا مثلاً عذاب قبر سے انکار، اطاعت والدین کی نفی وغیرہ وغیرہ۔

## تیسرے دور کا آغاز:

گو سر سید احمد خان سے لے کر آج تک کی قرآنی فکر کی تحریک میں ایک تاریخی تسلسل موجود ہے۔ تاہم اس دور کا آغاز ہم قیام پاکستان سے کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دور میں چند نئے نظریات بھی فکر قرآنی میں شامل ہو گئے۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

## غلام احمد پرویز:

آپ حافظ اسلم صاحب جیراجپوری سے فیض یافتہ ہیں، عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گذارا۔ آپ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ موصوف نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سید نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام "طلوع اسلام" جاری کیا تھوڑی ہی مدت بعد پرویز صاحب نے اس ماہنامے کی سرپرستی سنبھال لی۔ اور تعلیماتِ اقبال کے علاوہ آہستہ آہستہ اِس پرچہ کو اپنے افکار ونظریات کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہو گئے۔ کراچی آکر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کیلئے مختص کر لیا۔ اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا گیا۔ اب یہ پرچہ پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرینِ حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۵۵ء میں قبل از وقت پنشن ملی۔ بعدہ اُس پرچہ سمیت لاہور گلبرگ کوٹھی نمبر 25/B میں منتقل ہو گئے اور اسی مقام پر فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ مغربی مفکرین کے افکار ونظریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کیلئے بکثرت ان کے اقتباس پیش کرتے جاتے ہیں۔ بعد میں قرآنی آیت لکھ کر ان افکار پر فٹ کر دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے افکار و نظریات کی مکمل وضاحت کیلئے طلوع اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود ہیں۔ اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو شائع کیا۔ جن میں سے اکثر کا ذکر آپ کو اِس کتاب میں مل جائے گا۔

## طلوع اسلام کا اپنے پیشرووں کو خراجِ عقیدت:

ادارہ طلوع اسلام کے پیشرو یا سلف صالحین میں سے اکثر کا ذکر اس سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ جناب چودھری غلام احمد پرویز مدیر ادارہ مذکور ان حضرات کے افکار و نظریات سے ماسوائے چند فروعی اختلافات کے، پوری طرح متفق ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کن الفاظ میں ان حضرات کو خراجِ عقیدت پیش فرما رہے ہیں۔

### معتزلین اور طلوعِ اسلام:

”اگر مسلکِ اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آ رہا ہے۔ وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا۔ (طلوعِ اسلام ص ۳۰، جولائی ۱۹۵۵ء)

گویا مسلمانوں کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مسلک اعتزال کو ترک کر دیا ہے۔

### سر سید احمد خان اور طلوعِ اسلام:

اور سر سید کے کارناموں سے ادارہ طلوع اسلام اتنا متاثر ہے کہ اس کی مدح و تحسین میں پاکستان کے معمار اول کے نام سے کتاب بھی شائع کی ہے۔ اسی کتاب کے مولف ص ۷۷ پر یوں رقم طراز ہیں۔

”سر سید نے صدیوں کے جمود کی سلوں کو توڑا اور آنے والوں کیلئے فکر و تدبر کا راستہ صاف کیا۔ اس کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے بعد آنے والے قرآنی فکر میں کتنا ہی کیوں نہ آگے بڑھ جائیں۔ اس سابق اول کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔“

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”ہم سر سید کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے انتہائی تاریکیوں میں اس مبارک و مسعود کام کا آغاز کیا۔ سر سید کی روح آج مفکرین اسلام کی تازہ بہ تازہ کاوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وجد و مسرت سے جھوم جھوم کر کہہ رہی ہے دیدہ آغازم، انجام نگر..... ہمارا دور سر سید کے دور سے علمی اور فکری لحاظ سے بہت آگے ہے اور اسی لئے جن مفکرین نے اس زمانے میں اپنے تدبر فی القرآن کے نتائج پیش کئے ہیں وہ سر سید کے فکری نتائج کے مقابلے میں کہیں بلند اور محکم دکھائی دیتے ہیں لیکن اس سے سر سید کی فکری عظمت کم نہیں ہو پاتی، بہر حال سابق اول اول ہی رہتا ہے۔“ (پاکستان کا معمارِ رسول ص ۷۵، ۷۶)

### علامہ مشرقی اور ادارہ طلوع اسلام:

”علامہ صاحب مرحوم و مغفور کی عالمی شہرت کا آغاز ایک رینگلر کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک عظیم فوجی تحریک کے بانی اور قائد کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔ یہ سب کچھ ان کی عظمت کی شہادت دے رہا ہے لیکن ”تذکرہ“ کے مصنف کی حیثیت سے وہ جس اعزاز کے مستحق تھے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ عصر حاضر کے علوم کی روشنی میں قرآنی حقائق کو پیش کرنے کی یہ بڑی کامیاب کوشش تھی۔“ (طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۶۳)

### حافظ اسلم صاحب اور ادارہ طلوع اسلام:

”آج اِسی سرزمین میں علامہ اسلم جے راجپوری مدظلہ العالی کی قرآنی فکر برگ و بار لا رہی ہے جنہوں نے اپنی عمر عزیز اسی جہاد کیلئے وقف کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر سلامت رکھے تا کہ ہم اُن کے تدبر فی القرآن کے نتائج سے مستفیض ہو سکیں۔ میرے کاشانہ فکر میں سلیم! اگر کوئی چمکتی ہوئی کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ انہیں کے جلائے ہوئے دیپوں کا فروغ اور رہین منت ہے۔“ (سلیم کے نام سترہواں خط ص ۳۶)

### طلوع اسلام اور حافظ عنایت اللہ اثری:

(۱۴۰۰ھ - ۱۹۸۰ء) ممتاز عالم دین اور طلوع اسلام کی طرح سر سید احمد کے افکار سے بہت متاثر ہیں۔ جیسا کہ اثری کے لاحقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے آپ خود کو اہلحدیث کہلوانا پسند فرماتے ہیں۔ جب کہ جماعت اہل حدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ کے دور نظامت میں) نے ایک دفعہ آپ کو جماعت سے خارج کرنے کی قرارداد بھی پیش کر دی تھی۔ جس پر بوجوہ عملدرآمد نہ ہو سکا۔

آپ بھی سر سید اور دوسرے تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر ہیں۔ آپ نے تمام امت مسلمہ کے مسلمہ عقیدہ کے علی الرغم ”عیونِ زمزم فی ولادت عیسیٰ ابن مریم“ نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدائش کی تردید فرمائی۔ علاوہ ازیں دو کتابیں ”بیان المختار اور قول المختار“ لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات سے انکار فرمایا ہے۔ حافظ صاحب اور دوسرے منکرین حدیث میں مابہ الامتیاز یہ فرق ہے کہ تمام منکرین حدیث کا یہ طریقہ کار ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں پھر بعد میں قرآن کی من مانی تاویلات کر کے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ جب کہ حافظ صاحب تاویلات کے ذریعہ

پہلے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ بعدہٗ حدیث پر۔ گویا آپ کا کام عام منکرین حدیث سے دوگنا بڑھ گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل قرآنی کے دھندے میں حافظ صاحب موصوف نے منکرین حدیث کے کان کتر ڈالے ہیں۔ راقم الحروف نے مندرجہ بالا تینوں کتب کے جواب میں ایک مفصل کتاب عقل پرستی اور انکار معجزات لکھی ہے۔ جس میں حافظ صاحب کی تاویلات وافکار کا مدلل طور پر محاسبہ پیش کیا گیا ہے۔

حافظ صاحب نے جب واقعہ اسریٰ کی تاویل پیش فرماتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد دور کی مسجد اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسراء سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا تو پرویز صاحب نے انہیں درج ذیل الفاظ میں ہدیۂ تبریک پیش فرمایا:

''اگلے دنوں میں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیرآبادی ثم گجراتی) کی کتاب ''حصول تیسیر البیان علیٰ اصول تفسیر القرآن'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجد اقصیٰ کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے مفہوم القرآن میں لکھا تھا، ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایاتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو، واقعی باعث تعجب (اور چونکہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کے منشاء کے مطابق ہے اس لئے وجہ حیرت) ہے مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے کہ ایسا ہی ہو، خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرأت پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں'' (طلوع اسلام جنوری ۷۵ء ص ۴۱)

اور اب جب طلوعِ اسلام کا دور آیا تو زمانے کے تقاضے آگے بڑھ چکے تھے۔ تہذیب مغرب کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی ''مساوات مردوزن'' کے نعرے لگ رہے تھے۔ حقوقِ نسواں کمیٹیاں مقرر ہو چکی تھیں، ان کے عالمی سال منائے جا رہے تھے۔ عورتیں ہر طرح کے سیاسی اور معاشی حقوق مانگ رہی تھیں اور وہ عائلی نظام میں کسی طرح بھی ثانوی حیثیت سے رہنے کیلئے تیار نہ تھیں۔ تعدد ازواج کا مسئلہ پہلے ہی سرسید احمد خان صاحب حل فرما چکے تھے۔ پرویز صاحب نے اِس نوعیت کے مسائل پر قلم اُٹھایا اور اپنے قرآنی فکر کی رو سے طاہرہ کے نام خطوط لکھ کر عائلی نظام میں مرد کے تفوق یا سربراہِ خانہ کی حیثیت کو حتی الامکان ختم کر دیا۔

۔لہٰذا آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظام ربوبیت کی شکل میں پیش کیا جو اپنی ظاہری شکل وصورت میں اشتراکیت کا مکمل چربہ ہے۔ جس میں انفرادی ملکیت کو کلیۃً ختم کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کا بنیادی فلسفہ صرف خدا سے انکار اور لادینیت پر مبنی نہیں۔ بلکہ نظریہ ارتقاء کے فلسفہ پر مبنی ہے جس کی رو سے انسان کا محض معاشی مسئلہ ہی حل نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے۔ جو آپ کے قرآنی فکر کی رو سے انسان کا منشائے مقصود یا مقصد حیات ہے۔

## عجمی سازش اور زوالِ امت

### اسلام میں عجمی تصورات کی آمیزش:

کسی بھی مذہب میں جب کبھی بگاڑ ہوا ہے تو اِس طور پر ہوا ہے کہ انسان وحی الٰہی میں اپنی عقل یا وجدان کے ذریعہ مداخلت اور اس میں افراط وتفریط کی راہیں نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ جب اسلام میں وجدان یا کشف کو داخل کیا گیا تو رہبانیت کی راہ کھلی اور تصوف معرض وجود میں آیا۔ رہبانیت چونکہ یہود ونصاریٰ اور دنیا کے دوسرے بھی بہت سے

مذاہب میں پائی جاتی تھی۔ اس لئے ہمارے ''اسلامی تصوف'' پر عجمی تصورات کی گہری چھاپ ہے۔ یہ تصورات کب اور کس طرح اسلام میں داخل ہوئے۔ تاریخ اس مسئلہ پر پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔

اور جو عجمی تصورات عقل کے راستہ سے اسلام میں داخل ہوئے وہ حقیقۃً ارسطو کے فلسفہ اور خدا کے متعلق تجریدی تصور کے مرہونِ منت ہیں۔ پھر اس بنیاد میں اضافے بھی ہوتے رہے۔ یہ تصورات کیا تھے؟ کون کون سے ادوار میں اور کیسے اسلام میں داخل ہوئے اس کی مختصر روئیداد ہم سابقہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں بھی تاریخ خاموش نہیں بلکہ ہماری پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ تصورات بالآخر انکارِ حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت سے انکار پر منتج ہوتے ہیں۔ (آئینہ پرویزیت ص/۱۵۵ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی)

## عجمی سازش کیا ہے؟

اب اس دوسرے گروہ یعنی منکرین حدیث کے موجودہ دور میں نمائندہ طلوعِ اسلام نے اسلام میں عجمی تصورات کی درآمد کی ایک تیسری قسم کا بھی انکشاف فرمایا ہے اور یہ تیسری قسم ہے۔ محدثین کے ذریعہ اسلام میں عجمی تصورات کی درآمد۔ اسے کبھی حدیثی اسلام کا نام دیا جاتا ہے اور کبھی عجمی اسلام کا۔ اس سازش کا تاریخ میں تو کہیں ڈھونڈھنے سے بھی سراغ نہیں ملتا۔ البتہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات میں بہت سے مقامات پر اس سازش کا ذکر آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اب تو ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ بمصداق ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' اور جوابی کارروائی کے طور پر کیا گیا ہے لیکن چونکہ ادارہ مذکور نے اس سازش کا خوب خوب پرچار کیا ہے لہٰذا اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

## عجمی سازش کے راوی:

اس نظریہ کی بنیاد حافظ اسلم صاحب جے راج پوری نے رکھی اور اس کا تھوڑا بہت مواد انہیں مستشرقین سے بھی مل گیا۔ تمنا عمادی نے، جو ادارہ طلوع اسلام کے نزدیک فن اسماء الرجال کے ماہر اور علامہ ہیں، اس نظریہ کی فن رجال کے لحاظ سے تائید فرمائی اور غلام احمد پرویز صاحب نے اس نظریہ کو پروان چڑھایا اور ماہنامہ طلوع اسلام نے اسبابِ زوال امت، مقام حدیث، قرآنی فیصلے اور دیگر کئی تحریروں میں جابجا اس کا ذکر فرمایا ہے۔

## سازش کی ابتداء:

اس سازش کا آغاز یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اہل ایران جب سیاسی میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مات کھا گئے تو انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ کھلے میدان میں تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے تھے لہٰذا زیر زمین سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ آپ کو فیروز ابولولو ایرانی نے اسی جذبۂ انتقام سے متاثر ہو کر شہید کیا تھا۔

## سازش کی انتہاء:

بعد ازاں یہ سازش پورے دو سو سال تک بیدار نہ ہوئی۔ اب ان سازشیوں کے ہاں اس بات کے سوائے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد و نظریات میں رخنہ اندازی کر کے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ سازشی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اصل منبع قرآن ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کیلئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا احادیث کی اہمیت و حجیت اور ضرورت پر زور دینا شروع کیا۔ قرآن چونکہ بہت سے مسلمانوں کو زبانی یاد تھا اس لئے وہ اس میں تو کمی بیشی نہ کر سکتے تھے۔ البتہ احادیث کا میدان کھلا تھا لہٰذا انہوں نے ایک تو اس بات پر زور دیا کہ احادیث بھی دین کا حصہ ہیں اور جب مسلمانوں میں یہ بات پختہ ہو گئی تو دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ بہت سی موضوعات کو صحیح احادیث مشہور کر کے اس حصہ کو دین میں شامل کر دیا۔ جب یہ دونوں کام سرانجام پا گئے تو اسلام دین نہ تھا بلکہ مذہب میں تبدیل ہو گیا۔ سازشی اپنے پروگرام میں کامیاب ہو گئے اور اس کا یہ ثبوت ہے کہ صحاح ستہ کے تمام محدثین ایرانی ہیں۔ اس طرح تمام دنیائے اسلام میں یہی حدیثی اسلام یا عجمی اسلام رائج ہو گیا۔ اب ہر سال ملت اسلامیہ اسی حدیثی اسلام کو جو تیسری صدی میں معرض وجود میں آیا تھا سینے سے لگائے پھرتی ہے اور یہی حدیثی یا عجمی اسلام امت کے زوال کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب ہے۔ (حوالہ ایضاً ص ۱۵۶/ ملخص از اسباب زوال امت و مقام حدیث)

## حدیث کے جامعین کے اوصاف:

مقام حدیث میں پرویز صاحب صحاح کے جامعین کا مختصر تعارف پیش فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

(۱) یہ سب کے سب ایرانی تھے ان میں عرب کا رہنے والا کوئی نہیں تھا۔ مقام حیرت ہے کہ عربوں میں سے اس عظیم کام کا کسی نے بھی بیڑا نہ اُٹھایا اور احادیث کی جمع و تدوین کا کام غیر عربوں (عجمیوں) کے ہاتھ سرانجام پایا۔

(۲) یہ تمام حضرات تیسری صدی ہجری میں ہوئے۔

(۳) یہ تمام احادیث لوگوں نے انہیں زبانی سنائیں ان کا کوئی تحریری ریکارڈ اس سے پہلے موجود نہیں تھا۔ (مقام حدیث ص ۲۲)

## طلوع اسلام کے مکر و فریب:

یہ ہے وہ سب سے بڑی عقلی دلیل جو عجمی سازش کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ اب دیکھئے اقتباس بالا کی تین شقوں میں پرویز صاحب نے دو جھوٹ بیان فرمائے اور ایک مغالطہ دیا، ان کے جھوٹ یہ ہیں۔

(۱) حدیث کے مدوّنین تیسری صدی میں پیدا ہوئے۔

(۲) تیسری صدی سے پہلے کوئی سرمایہ حدیث بھی موجود نہ تھا۔

اور مغالطہ یہ ہے کہ چونکہ صحاح ستہ کے جامعین ہی حدیث کے مدونین ہیں اور وہ ایرانی تھے لہٰذا احادیث کے سب مدونین ایرانی تھے اور یہ سب احادیث عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔

اب ہم ان اکاذیب کی وضاحت اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسی مقام حدیث اور حافظ اسلم صاحب کی زبان سے پیش کرتے ہیں۔

''یہی وجہ تھی کہ تابعین کبار کے عہد تک حدیثیں غیر مدون تھیں اور سوائے قرآن مجید کے امت کے ہاتھوں میں کوئی دوسری کتاب نہ تھی۔ بعض چیزیں محض علمی لحاظ سے لکھ لی گئی تھیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ تا ۱۰۱ھ) میں سعید بن ابراہیم سے حدیثیں لکھوائیں اور مدینہ کے قاضی ابوبکر بن حزم کو فرمان بھیجا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی روایتیں لکھ لی جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ان کی وفات سے ان کا علم ضائع ہو جائے گا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا علم رکھتے تھے۔ (مقام حدیث ص ۹۴)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

حکومتی سطح پر احادیث کی جمع تدوین کی طرف سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ مبذول فرمائی یہ کام پہلی صدی کے آخری میں شروع ہو گیا تھا نہ کہ تیسری صدی ہجری میں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے یعنی پہلی صدی ہجری میں بھی احادیث کا تحریری سرمایہ موجود تھا جو کہ محض علمی لحاظ سے لکھ لیا گیا تھا۔ محض زبانی سننے سنانے کی بات نہ تھی۔

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، ابوبکر بن حزم، سعید بن ابراہیم، عمرہ، وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم سب کے سب جو احادیث لکھتے اور تدوین کرتے تھے عربی النسل تھے، ان میں عجمی ایک بھی نہیں تھا۔

پھر اس کے بعد حافظ اسلم صاحب لکھتے ہیں۔

''حدیث کے مدون اول محدثین کے نزدیک امام بن شہاب زہری (۵۰، ۱۲۴) تسلیم کئے گئے ہیں۔ یہ خلفائے بنوامیہ کے درباریوں میں بہت معزز تھے اور ان ہی کے حکم سے (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے حکم سے ۹۹ھ میں۔ مؤلف) انہوں نے حدیثیں لکھیں۔ (یعنی جمع تدوین کی کیونکہ وہ مدون اول ہیں۔ مؤلف) وہ خود کہتے ہیں کہ ہم کو حدیثوں کا لکھنا گوارا نہ تھا۔ ان خلفاء نے مجبور کر کے لکھوایا۔ امام زہری کے بعد جریج نے مکہ میں، محمد بن اسحاق اور مالک بن انس نے مدینہ میں، ربیع بن صبیح اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں، اوزاعی نے شام میں، معمر نے یمن میں، ھشیم نے واسط میں، جریر نے رے میں اور ابن مبارک نے خراسان میں، جو سب کے سب ایک ہی زمانہ میں تھے۔ حدیث کی کتابیں مدون کیں۔ یہ جملہ حضرات دوسری صدی ہجری کے ہیں لیکن ان کی کتابوں سے جہاں تک علم ہے۔ سوائے امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے اور کوئی کتاب امت کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ (مقام حدیث ص ۹۵)

اس اقتباس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

دوسری صدی کے مدون حدیث ابن شہاب زہری کے علاوہ دس اور بھی ہیں لہٰذا پرویز صاحب کا یہ بیان کہ احادیث کی تدوین تیسری صدی ہجری میں ہوئی سراسر جھوٹ ہے۔

ان مدونین میں بیشتر عربی النسل ہیں، ایرانی نہیں۔

حافظ صاحب کو دوسری صدی میں صرف ایک مجموعہ حدیث مؤطا امام مالک ہی نظر آیا حالانکہ اس دوسری صدی میں آٹھ ایسے مجموعہ ہائے حدیث تیار ہوئے جو آج کل بھی متداول ہیں اور ان کی تفصیل ہم نے تدوین حدیث میں پیش کر دی ہے۔

## حدیث کے عرب جامعین:

اب رہی یہ بات کہ چونکہ صحاح ستہ کے جامعین ایرانی تھے لہٰذا یہ مجموعہ ہائے حدیث سب ایرانی سازش کا نتیجہ ہیں تو یہ دعویٰ کئی لحاظ سے غلط ہے۔ مثلاً

(۱) بیشتر محدثین ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار ہی نہیں کرتے اور اس کی بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی صحاح ستہ میں سے بھی بخاری، مسلم اور مؤطا اول درجہ کی صحیح کتب ہیں اور ترمذی نسائی اور ابوداؤد دوسرے درجے کی اور مؤطا کے جامع مالک بن انس خالص عربی النسل تھے اور ان کی کتاب مؤطا ۱۷۹ھ سے پہلے پہلے منظر عام پر آ چکی تھی اور اس کی بہت سے احادیث بخاری، مسلم میں بھی موجود ہیں۔

پھر ان جامعین حدیث میں ایک امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو خالص عربی النسل ہیں، ان کی کتاب مسند احمد آج بھی متداول ہے۔ اس میں تیس ہزار کے لگ بھگ احادیث ہیں۔ یہ مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی ابوداؤد ان سب سے پہلے منظر عام پر آ چکی تھی اور اس کی بہت سے احادیث مذکورہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے احادیث کے تحریر مجموعے ان کتب صحاح

سے پہلے موجود تھے۔ جن کے مدونین خالص عربی النسل ہیں اور جو آج بھی متداول ہیں اور ان کی تفصیل ''تدوین حدیث'' میں ہم نے درج کردی ہے۔ (حوالہ ایضاً ص/۱۵۷ تا ۱۵۹)

## عجمی سازش کے نظریہ کے غلط ہونے کے دلائل:

ان دلائل کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی قسم دلائل صحاح ستہ کے داخلی مواد سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

## (۱) صحاح ستہ کا مواد اور ایرانی عقائد:

جب ہم صحاح ستہ کے داخلی مواد کا سابقہ مدون شدہ ذخیرہ ہائے حدیث سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو ان سابقہ کتب کے مخالف ہو، یا ان پر اضافہ ہو یا ان پیش کردہ کسی عقیدہ یا حکم کی تردید، ترمیم یا تنسیخ کرتی ہو پھر ہم یہ کیسے باور کرسکتے ہیں کہ ان ایرانی جامعین نے اپنی طرف سے ذخیرۂ حدیث میں بہت کچھ شامل کردیا تھا۔

ایرانی لوگ مجوسی یا آتش پرست تھے۔ ان کا نبی زرتشت تھا۔ ان کے ہاں دو خداؤں یزدان اور اہرمن کا عقیدہ تھا۔ ان کی مذہبی کتاب ژند اور اوستا ہیں۔ کیا آپ نے صحاح ستہ کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث بھی دیکھی ہے جو ان کی مذہبی کتابیں ژند اور اوستا ہیں۔ کیا آپ نے صحاح ستہ کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث بھی دیکھی ہے جو آگ کے فضائل بیان کرتی ہے؟ یا وہ ان کے نبی کے حالاتِ زندگی اور مناقب پر مشتمل ہو؟ یا ایک خدا کے بجائے دو خداؤں کی تعلیم بیان کرتی ہو؟ یا اس حدیث میں ایرانیوں کی مذہبی کتابوں کا ذکر آیا ہو؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو ان ایرانی جامعین حدیث نے اپنی طرف سے کیا اضافہ کیا جو ان کے مخصوص سازشی نقطہ نظر کے لحاظ سے ضروری تھا؟

## اسلامی فقہ اور عجمی سازش:

اب ہم ایک دوسرے طریقے سے اس عجمی سازش کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

(۱) امتِ مسلمہ میں چار فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔

(۲) ان مذاہب کے بانی یا امام، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں یہ سب کے سب ائمہ حدیث امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابوداؤد سے پہلے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) ان چار ائمہ فقہاء میں سے تین (یعنی ماسوائے امام ابوحنیفہ کے) خالص عربی النسل ہیں۔

(۴) فقہ کا اصول یہ ہے کہ کتاب وسنت یا قرآن وحدیث دونوں کو مدنظر رکھ کر پیش آمدہ مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے اور یہ تمام تر فقہ صحاح ستہ کی جمع وتدوین سے پیشتر مرتب ہوچکی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ جن احادیث کو سامنے رکھ کر ان عربی النسل ائمہ اور فقہاء نے فقہ مرتب کی ہے وہ احادیث ان احادیث سے جو ائمہ صحاح نے ان اپنے اپنے مجموعوں میں درج فرمائی ہیں۔ کچھ مختلف یا متضاد ہیں؟ پھر اگر ائمہ فقہاء کے سامنے بھی وہی کچھ احادیث تھیں جو ائمہ صحاح نے درج کی ہیں تو پھر ایرانی سازش نے کون سا نیا کارنامہ سرانجام دیا؟

## محدثین کا معیارِ صحت:

صحاح کے جامعین نے البتہ یہ کارنامہ ضرور سرانجام دیا کہ بے شمار بکھری ہوئی احادیث کو فن تنقید حدیث کے معیاروں پر کس کر کھرے سے کھوٹا الگ کردیا۔ ان حضرات کے پاس سابقہ تحریری مجموعے بھی موجود تھے اور جن شیوخ سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کے پاس بھی موجود تھے پھر لوگوں نے زبانی روایات کے ذریعہ جو احادیث پھیلی ہوئی تھیں ان کا بھی انہیں علم تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے ''روایت حدیث'') پھر ان حضرات نے لاتعداد حدیثوں کو نکھارنے میں جتنی کاوش کی اور جن معیاروں پر پرکھا، کیا کسی سازشی کا یہ کام ہوسکتا ہے؟ اگر وہ سازشی ہوتے تو پھر انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنے اپنے مجموعوں میں زیادہ سے زیادہ موضوعات کی بھرمار کردیتے اور اگر کوئی صحیح حدیث انہیں معلوم ہو بھی جاتی تو اس کو قطعاً درج نہ کرتے کیونکہ یہ بات ان کے مفاد کے خلاف تھی۔ اگر وہ فی الواقع سازشی تھے تو اسکو الٹی گنگا بہانے کی کیا تک تھی؟

تو یہ تھی داخلی شہادات جو اس نظریہ عجمی سازش کو باطل قرار دیتی ہیں۔ اب سیاسی نوعیت کے دلائل کی طرف آیئے اور وہ درج ذیل ہیں۔

## یزدگرد کا قاتل:

ایران کے آخری بادشاہ کو کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔ نہ ہی وہ کسی جنگ میں مارا گیا تھا بلکہ ایک ایرانی دہقان کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔ اس نے مسلمانوں کی پے در پے فتوحات سے خائف ہوکر راہِ فرار ضرور اختیار کی تھی۔ چھپتے چھپاتے ایک دہقان کے جھونپڑے میں جا گھسا جس نے تاج شاہی کے جواہرات کے لالچ میں آکر اسے قتل کردیا۔

ملوکیت میں عوام کی بادشاہ کے کاروبار حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ایسے نظام حکومت میں دشمنی یا مخالفت ومخاصمت اگر ہوتی ہے تو یہ ہمیشہ خاندان کے افراد ہی میں ہوا کرتی ہے۔ البتہ رعایا کو اگر حکمران نیک سیرت ہو، تو اس حکمران سے ہمدردی ضرور ہوتی ہے اور اگر بدکردار یا نااہل ہو تو اس سے عوام

کو کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔اب آپ خود ملاحظہ فرمالیجئے کہ اس دھقان کو بادشاہ سے کتنی ہمدردی تھی؟ دوسری رعایا کو کیا ہمدری ہوسکتی ہے؟ پھر کیا ایسے نا اہل بادشاہ کیلئے اسکی رعایا میں اتنی ہمدردی کیسے ہوسکتی ہے کہ اس کیلئے یا اس خاندان کی دوبارہ حکومت کیلئے خفیہ تحریک چلائے۔جس کا ایک فرد ابولولو ہو جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کردے۔

اس کے برعکس ایسی تاریخی شہادتیں آپ کو کافی مل جائیں گی۔کہ مظلوم رعایا نے خود مسلمانوں کو اپنے ظالم حکمرانوں سے نجات کیلئے بلایا اور ان کیلئے راستے ہموار کیئے، اپنے بادشاہ کے خلاف مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کی اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے مسلمان از خود پیچھے ہٹنے لگے تو ان لوگوں نے اظہارِ تأسف ہی نہیں بلکہ فی الحقیقت رونا شروع کر دیا۔آخر اس کی وجوہ کیا تھیں؟ کیا یہی نہیں کہ رعایا اپنے حکمرانوں کے مظالم سے تنگ آئی ہوئی تھی اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار اور انصاف سے متاثر ہو کر خود انہیں دعوت دیتی، ان کیلئے ہر ممکن امداد فراہم کرتی اور خفیہ تحریکیں چلاتی تھی۔ان ظالم حکمرانوں کی حمایت میں ایسی رعایا مسلمانوں کے خلاف کوئی خفیہ تحریک کیوں کر چلاسکتی تھی؟

## شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

اب جو طلوعِ اسلام اس ایرانی سازش کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قرار دیتا ہے تو یہ بات اور بھی مضحکہ خیز ہے۔کیونکہ یہ واقعہ بالکل ذاتی نوعیت کا تھا اور وہ واقعہ یہ تھا کہ مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک پارسی غلام فیروز نامی (کنیت ابولولو) رہتا تھا۔اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر بھاری رقم (دو درہم روزانہ) عائد کر رکھی ہے۔آپ کم کر دیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیا ہنر جانتے ہو؟ اس نے کہا ''نجاری، نقاشی اور آہن گری'' آپ نے فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے۔فیروز اپنے دل میں سخت ناراض ہو کر واپس چلا آیا اور دوسرے ہی دن ۲۶/ذی الحجہ سن ۲۳ ہجری کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کی امامت کر رہے تھے۔فیروز نے گھات سے نکل کر آپ کو خنجر کے چھ وار کیئے۔اور فرار ہوتے ہوتے چند اور صحابہ کو بھی زخمی کر دیا۔بالآخر پکڑا گیا لیکن ساتھ ہی خودکشی کرلی۔(الفاروق،شبلی نعمانی ص ۱۷۷)

اب دیکھئے یہ واقعہ خالصۃً فیروز کے ذاتی انتقام کی بناء پر وقوع پذیر ہوا تھا۔اس معاملہ میں اسلامی حکومت کی تحقیق یا تاریخ سے کسی سازش کی بو تک نہیں آتی۔نہ ہی اس واقعہ کے بعد حکومت میں اور بالخصوص مدینہ میں پارسیوں پر کوئی قدغن عائد کی گئی۔ہمارے خیال میں تو یہ ممکن ہے کہ کسی خفیہ سازش کا صدر مملکت کو علم تک نہ ہوسکے۔لیکن یہ ناممکن ہے کہ بعد میں تاریخ بھی اس سلسلہ میں خاموش رہے پھر جہاں تاریخ بھی خاموش ہو تو پھر یہ سازش ہی کیا ہوئی؟

## اسلامی حکومت میں سازشیں:

تاریخ سے ہمیں فی الواقع ایک دو عجمی سازشوں کا پتہ چلتا ہے۔عبداللہ بن سباء یہودی نے خفیہ تحریک چلائی۔اور اصل مرکز مدینہ سے ہونے والے فوجی مراکز کے نومسلموں میں جن میں ابھی اسلام رائج نہیں ہوا تھا۔اپنے چند گمراہ کن عقائد و نظریات پھیلا دیئے۔اس سازش کا ایک تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔دوسرے اس کا نتیجہ بھی محسوس شکل میں سامنے آجاتا ہے۔کہ یہ ایک الگ شیعہ فرقہ پیدا ہو گیا۔اب سوال یہ ہے کہ طلوعِ اسلام کی بیان فرمودہ عجمی سازش کا نہ تاریخ سے پتہ چلے نہ ہی اس کا نتیجہ محسوس شکل میں ظاہر ہو تو اس کو طلوعِ اسلام کے اوہام کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

اور دوسری سازش وہ ہے جو شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رد عمل کے طور پر بپا ہوئی۔یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک ایرانی جرنیل ابو مسلم خراسانی (م ۱۳۸ھ) نے بنوامیہ کی خلافت کا تختہ الٹنے میں بنوعباس کی مدد کی تھی۔اس نے فی الواقع خفیہ تحریک ہی نہ چلائی تھی بلکہ خفیہ فوج بھی تیار کر رکھی تھی۔مگر اس سازش سے ادارہ طلوعِ اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس ایرانی جرنیل ابومسلم خراسانی نے ایک عربی النسل قبیلہ سے اقتدار چھین کر جس قبیلہ کو اقتدار سونپا تھا وہ بھی عربی النسل تھا۔یعنی بنوعباس، اگر طلوع اسلام کے اس عجمی سازش کے دعوٰی میں ذرہ برابر بھی حقیقت ہوتی تو یہ ایرانی جرنیل کبھی یہ اقتدار بنوعباس کو نہیں سونپ سکتا تھا۔اسے تو چاہیئے تھا کہ وہ خود ہی قابض ہو جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

## سازش کیلئے مناسب مقام:

ہوتا یہ ہے کہ ایسی خفیہ سازشیں اور تحریکیں دار الخلافہ سے دور مقامات پر برپا کی جاتی ہیں تاکہ حتی الوسع حکومت کی گرفت میں نہ آسکیں۔عبداللہ بن سباء یہودی نے اس غرض کیلئے مدینہ سے بہت دور کے دیار و امصار کا انتخاب کیا تھا اور ابو مسلم نے بھی دار الخلافہ سے بہت دور خراسان میں یہ تحریک بپا کی تھی، لیکن یہ ایرانی اتنے ہی ناسمجھ تھے کہ دار الخلافہ کے پاس رہ کر ہی تحریک چلانا شروع کردی، دار الخلافہ میں رہ کر شیوخ سے علم حاصل کرتے رہے اور خود کھلے بندوں درس و تدریس کا کام بھی جاری رکھا، کیا خفیہ سازشوں کے یہی اطوار ہوتے ہیں؟

## ایران ہی میں سازش کیوں؟

مسلمانوں نے صرف ایران ہی کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا تھا اور بھی بہت

سے سے ممالک مثلاً شام، روم، مصر، الجزائر، مراکش، اندلس، افغانستان اور ہندوستان وغیرہ کو تیسری صدی ہجری سے بہت پہلے خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں بزور شمشیر فتح کر لیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ تحریک صرف ایران میں ہی چلی؟ جہاں کے بادشاہ بھی ظالم تھے اور نا اہل بھی اور رعایا کو ان سے چنداں ہمدردی بھی نہ تھی۔ (حوالہ ایضاً/ص ۱۵۹ تا ۱۶۲)

## صحاح ستہ کے جامعین ایرانی کیوں تھے؟

اب رہا یہ سوال کہ جامعین صحاح یا ان میں سے اکثر ایرانی کیوں تھے؟ تو اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

(۱) جس جگہ فساد ہو، اصلاح کی اسی جگہ زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے وضع حدیث کے باب میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ کہ یہی علاقہ موضوعات کی منڈی بنا ہوا تھا۔ معتزلہ اور خوارج، شیعہ، رافضی، مبتدعین اور متصوفین ان سب فرقوں کی آماجگاہ یہی علاقہ تھا اور ہر فرقہ موضوعات کے شغل میں مصروف تھا۔ ان حالات میں اسی علاقہ کے محدثین پر ہی سب سے زیادہ یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ احادیث کی تحقیق و تنقید کا فریضہ سرانجام دیں۔ ہر فرقہ کی موضوعات کے اس چڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے اور مسلمانوں کو اس سے نجات کی صورت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں پیدا کر دی۔

نظر جو آتی ہے شر کی صورت، اسی میں مضمر ہے خیر و برکت
کنار شب میں جہاں ہے ظلمت، وہیں ستارے چمک رہے ہیں

(۲) اس دور میں صرف یہ محدثین ہی ایرانی نہ تھے بلکہ 'علم صرف و نحو' 'منطق' کلام و بیان و لغت یعنی ایسے تمام علوم جو قرآن کو سمجھنے کیلئے رائج ہو چکے تھے۔ ان سب علوم کے شیوخ اور امام زیادہ تر اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے عباسیہ نے اپنی سلطنت کا مرکز بغداد کو قرار دیا تھا۔ یہ خلفاء علم دوست تھے۔ دوسری زبانوں کے علوم کے تراجم کیلئے بھی ایک الگ محکمہ قائم تھا۔ جس کے صدر دفتر کو بیت الحکمت کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بہت سے علماء اس علاقہ میں جمع ہو گئے تھے وہاں ایران کے اصل باشندوں نے بھی ایسے تمام تر علوم کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے میں نمایاں حصہ لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ محدثین کے ایرانی ہونے کی وجہ سے حدیث نا قابل اعتبار ہے تو لغت کیسے قابل اعتبار بن سکتی ہے؟ لغت کے بھی اکثر امام ایرانی ہیں۔ جن سے طلوع اسلام نے لغات القرآن کی ترتیب میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اگر ایرانی ہونے کی وجہ سے حدیث متاثر ہو سکتی ہے تو پھر لغت کا بھی کیا اعتبار ہے؟ علاوہ ازیں قرآن بھی انہی ایرانی روایات کے ذریعہ ہم تک پہنچا تو اس کی صحت و حفاظت کا بھی کیا اعتبار ہے؟ (حوالہ ایضاً ص/۱۶۳)

## عجمی سازش اور تمنا عمادی:

یہ بات بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ اس سازش کے نتیجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ۲۳ھ میں شہید ہو جائیں پھر اس سازش کا پورے دو سو سال تک نام و نشان ہی نظر نہ آئے اور بعد میں جا کر یہ سازش امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کے جامعین کی صورت میں نمودار ہو۔ اس درمیانی خلاء کو پر کرنے کیلئے ادارہ طلوع اسلام کے ایک رکن اور ماہر فن اسماء الرجال علامہ تمنا عمادی نے اس سازش کا رابطہ یوں قائم کیا کہ:

''حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری (۵۰۔۱۲۴ھ) عربی نہیں بلکہ عجمی تھے''

## امام زہری کا شجرہ نسب:

اب اس ماہر فن رجال کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے، وہ کہتے ہیں:

''ابن شہاب عربی نہیں بلکہ عجمی تھے کیونکہ نہ تو شہاب نامی کوئی آدمی ان کے اکابر میں تھا اور نہ ہی زہری کا خاندان (اس تحقیق جلیل کے حوالہ جات علامہ صاحب نے قلمبند نہیں فرمائے) قریشی تھا بلکہ وہ ایلہ میں رہتے تھے جو شام کے قریب بحر قلزم پر واقع ہے اور ان کی قبر زار میں ہے۔ غرض نہ مدینہ طیبہ کبھی ان کا یا ان کے آباء واجداد کا وطن رہا نہ انہوں نے وفات پائی اور نہ وہاں دفن ہوئے۔ (طلوع اسلام ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۴۸)

یہ تو تھی جناب علامہ تمنا عمادی کی تحقیقِ انیق، اب اسماء الرجال کی کتابوں کو سامنے لائیے۔ تو علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) ابن شہاب کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں۔

''زہری حفاظ حدیث میں سب سے زیادہ عالم تھے (شجرہ نسب یہ ہے) ابوبکر (کنیت) محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہری بن کلاب القرشی الزہری المدنی الامام (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ص:۱۰۰) حافظ بن حجر عسقلانی اپنی کتاب ''تہذیب'' میں زہری کا نسب اور تذکرہ یوں بیان فرماتے ہیں: ''ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی، یہ ابوبکر (ابن شہاب زہری، فقیہ بھی تھے اور حافظ الحدیث بھی، مدنی تھے، بلند پایہ علماء میں سے ایک تھے، حجاز اور شام کے عالم تھے'' (تہذیب التہذیب ج:۹ص:۴۴۵)

یہ تو خیر فن رجال پر عربی کتابیں ہیں اگر علامہ صاحب یا ادارہ طلوع اسلام دور حاضر کی موجودہ اُردو کتابیں ہی دیکھ لیتے تو بھی علامہ صاحب کا بھرم قائم رہ جاتا۔ انسائیکلو پیڈیا اُردو مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ میں امام زہری کا تذکرہ

یوں درج کیا گیا ہے:

''زہری امام (۵۰ھ ۶۷۰ء۔۱۲۴ھ ۱۴۷ء) محدث، فقیہ اور مؤرخ تھے۔ پورا نام امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری، قریشی الاصل تھے (انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنٹرز زیر عنوان زہری امام)

یہ تو تھا علامہ صاحب کا رجال کا تحقیقی نمونہ۔ ایسے نمونے آپ کے اور بھی ہیں مثلاً محمد بن جریر بن یزید طبری اہل سنت اور محمد بن جریر بن رستم طبری (شیعہ) دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دے رہے ہیں جبکہ شیعہ حضرات خود بھی معترف ہیں کہ یہ ان کے محمد بن جریر بن رستم طبری الگ شخصیت ہیں مگر ہم طوالت سے بچنے کی خاطر ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اب علامہ صاحب کی زبانی امام زہری کے تدوین حدیث کا قصہ سنئے، لکھتے ہیں۔

## تمنا عمادی اور تدوین حدیث:

''اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال پیدا ہوا کہ اہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی، اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور پھر بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے....اور (ان منافقین عجم نے) ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے اور ۱۰۱ھ کے بعد مدینہ آکر یہاں کے لوگوں سے حدیثیں لیں اور پھر کوفہ بصرہ اور مصر وغیرہ مقامات سے بھی حدیثیں لیں اور ہر راہ چلتے سے جو حدیث بھی مل جاتی لکھ لیتے اور یاد کر لیتے اور وہی منافقین (یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام ابن شہاب زہری کے پاس صرف منافقینِ عجم ہی آتے تھے، منافقینِ عرب نہیں آتے تھے کیونکہ یہ سازش عجمی ہے اِسی لئے تو تمنا عمادی صاحب نے پہلے امام شہاب کو عجمی بنا دیا حالانکہ وہ خالص عربی، قریشی اور مدنی تھے پھر ان کے پاس بھیجا بھی منافقین عجم کو ہی۔ حالانکہ منافق عرب بھی موجود تھے بلکہ عہد نبوی میں بھی تھے اس طرح گویا اس عجمی سازش کے دوطرفہ ثبوت مہیا فرما دیئے) خود بھی پھر ان کے پاس آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضّاعین و کذّابین کو ان کے پاس بھیج بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کروانے لگے۔ (طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۵۱ اور ص ۵۴)

## تمنا عمادی اور حافظ اسلم کے بیانات کا موازنہ:

اب دیکھئے تدوین حدیث کے متعلق ایک بیان حافظ اسلم صاحب دے رہے ہیں اور دوسرا تمنا عمادی صاحب۔ ان دونوں کا تقابل کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک بات میں یہ دونوں حضرات متفق ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ احادیث کی جمع وتدوین کا کام تحریری طور پر ۱۰۱ھ میں بہر حال سرانجام پا گیا تھا اور دو باتوں میں ان دونوں حضرات کے بیان متضاد ہیں۔

(۱) حافظ اسلم صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے آپ اس خدمت پر مامور ہوئے لیکن علامہ صاحب فرما رہے ہیں کہ منافقین عجم کے کہنے پر امام زہری اس کام پر آمادہ ہوئے۔

(۲) حافظ صاحب کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق امام صاحب نے یہ کام مجبوراً انجام دیا۔ لیکن علامہ صاحب کہتے ہیں کہ امام صاحب نے منافقین عجم کے کہنے پر یہ کام بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر برضا و رغبت سرانجام دیا۔

اب یہ فیصلہ ادارہ طلوع اسلام ہی کر سکتا ہے کہ ان دونوں بزرگ ہستیوں میں کون سچا اور کون جھوٹا؟ اور کیوں؟

## حدیث مِثْلَهٗ وَمَعَهٗ اور عجمی سازش:

محدثین کے کارنامہ سے جو چیز ادارہ طلوع اسلام کو سب سے زیادہ کھٹکتی ہے۔ وہ یہی ''مثلہ ومعہ'' والی حدیث ہے کیونکہ صرف اس ایک حدیث سے طلوع اسلام اور تمام منکرین حدیث کے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے چنانچہ اس حدیث کے خلاف ہر بڑے منکر حدیث نے تبصرہ فرمایا ہے۔ مثلاً عمادی صاحب لکھتے ہیں:

''مثلہ ومعہ'' والی حدیث موضوع، مکذوب، صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ (مقام حدیث ج ۲، ص ۴۶۲)

اور حافظ اسلام صاحب وضعی احادیث کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم میں ایک پیٹ بھرا شخص اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے میری حدیثوں کو سن کر کہے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے۔ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو، یاد رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بلکہ اور بھی زیادہ (مقام حدیث ص ۴۸ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۸) حالانکہ صدیق اکبر نے روایت سے منع کرتے وقت یہی فرمایا تھا کہ اگر کوئی سوال کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے جو اس نے جائز کیا ہے اس کو جائز اور جو ناجائز کیا ہے اس کو ناجائز سمجھو، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''حسبنا کتاب اللہ'' ان کے خلاف یہ روایات، قرآن کو ناکافی اور نامکمل بتلاتی ہے جو اس کے جعلی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ (مقام

حدیث ص ۸۸)

اور پرویز صاحب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

''مثلاً یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلہ ومعہ) اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھائی سو سال بعد لوگوں نے انفرادی طور پر مرتب کیا یہ ایک اصولی عقیدہ ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ عقیدہ نہ اپنے دور میں صحیح تھا نہ اسے آج ہی کسی اور سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ عقیدہ عجم کی سازش کا نتیجہ ہے۔(اسباب زوال امت ص ۱۵۴)

## عمادی صاحب کے جھوٹ کا جواب:

یہ حدیث صحاح ستہ میں ضرور موجود ہے، حافظ اسلم صاحب نے اس کا حوالہ مشکوٰۃ سے دیا اور مشکوٰۃ میں اس حدیث کے حوالہ کیلئے چھ حدیث کی کتابوں کا ذکر ہے۔ یعنی ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد، بیہقی اور دارمی۔ اب دیکھئے ان کتبِ احادیث میں کم از کم دو ترمذی اور ابوداؤد تو یقیناً صحاح ستہ کی ہیں اور تیسری ابن ماجہ مختلف فیہ ہے پھر معلوم نہیں علامہ صاحب کو اتنا کھلا جھوٹ بیان کرنے کی جسارت کیسے پیدا ہوگئی؟

علاوہ ازیں یہ حدیث چار مختلف روایتوں سے جامع بیان العلم میں مذکور ہے اور جامع بیان العلم وہ کتاب ہے جس کی روایات پر منکرین حدیث نے اپنے نظریہ کے اثبات میں بہت حد تک انحصار کیا ہے اور جا بجا اس کے حوالے ملتے ہیں۔ گو ان روایات کا بھی اتنا ہی حصہ پیش کیا جاتا ہے جو ان کی مطلب برآری کی حد تک مفید ہوسکے اور جس کا جائزہ ہم اپنے مقام پر پیش کررہے ہیں، سردست پوچھنا یہ ہے کہ اگر جامع بیان العلم کی کوئی روایت ان کی ضرورت پوری کررہی ہو تو وہ معتبر ہوتی ہے اور اگر ان کے خلاف کی جائے تو وہ وضعی کیونکر بن جاتی ہے؟ خاص کر جب یہ روایت چار مختلف طرق سے چار بار مذکور ہے؟

## حافظ اسلم صاحب کے اعتراضات کا جواب:

حافظ اسلم کو جواب ہم تفصیل سے تو روایتِ حدیث میں دے رہے ہیں مختصراً یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت جو جامع بیان العلم کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے، اس پر جامع بیان العلم ہی کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ناقابل احتجاج ہے۔ رہا حضرت عمر کا حسبنا کتاب اللہ فرمانا تو وہ فرمایا نہیں کرتے تھے بلکہ صرف ایک دفعہ فرمایا تھا پھر کتاب اللہ سے ان کی مراد تمام احکام منزل من اللہ سے ہوتی تھی خواہ وہ قرآن کریم میں مذکور ہوں یا حدیث میں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے اسی کتاب کا مضمون ''حسبنا کتاب اللہ''

## پرویز صاحب اور قرآن کی مثلیت:

اور پرویز صاحب سے یہ گذارش ہے کہ مثلیت صرف ایک آدھ بات میں ہی ثابت ہوجائے تو وہ مثال درست ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ مثلیت ان دونوں اشیاء کے جملہ پہلوؤں پر فٹ بیٹھے۔ مثلاً ارشادِ خداوندی ہے

كَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ [الواقعہ ۵۶/۲۲،۲۳]

''اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسا کہ چھپے ہوئے موتی۔''

تو اس مثال میں حوروں اور موتیوں کے درمیان خوبصورتی اور آب وتاب قدرے مشترک ہے، اس کا یہ مطلب نہیں وہ حوریں فی الواقع موتیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی گول گول اور مختلف رنگوں والی ہوں گی۔

پھر یہ مثلیت کا پہلو کبھی اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے مثالِ بالا میں اور کبھی اس طرف اشارہ بھی کردیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر مثلیت کیلئے قرینہ موجود ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری ہے:

## حضرت عیسیٰ اور آدم میں مثلیت:

''إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ'' اللہ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے۔ آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا (انسان) ہوجا تو وہ (انسان) ہوگئے۔''

سورہ آل عمران کی یہ آیت سن ۹ ھ میں اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے عیسائی مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کیلئے آئے اور سوال ہی یہ کیا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں تو بتاؤ کہ اس کا باپ کون تھا؟ اس سوال کے جواب میں یہ وحی نازل ہوئی کہ اگر باپ نہ ہونے سے کوئی شخص خدا یا خدا کا بیٹا سمجھا جاسکتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کا باپ تو درکنار ماں بھی نہ تھی۔ لیکن تم اس کو خدا یا اس کا بیٹا نہیں کہتے پھر عیسیٰ علیہ السلام کو اس بناء پر خدا کا بیٹا یا خدا کیوں کہتے ہو؟

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ مثلیت مٹی سے پیدائش میں ہے تو یہ پہلو یا دلیل بے کار ہے کیونکہ مٹی سے پیدائش میں سب انسان برابر ہیں۔ اس میں آدم علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کچھ نہیں ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی باپ تھا (جیسے کہ منکرین معجزات کہتے ہیں) تو اس میں بھی مثلیت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ ہر انسان کا باپ ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ماں باپ دونوں تھے اور حضرت آدم کے علیہ السلام کے (جیسے ارتقائی حضرات کہتے ہیں) تو بھی مثلیث کا

کوئی پہلو نہیں نکلتا لہٰذا یہ سب تاویل بھی غلط ہے کیونکہ اس پہلو سے سب انسان ہوتے ہیں اور آدم اور عیسیٰ علیہما السلام کی کوئی خاصیت باقی نہیں رہتی۔

اب لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مثلیث کا پہلو صرف یہ ہے کہ ان دونوں کا باپ نہ تھا اور اسی کی طرف خلقت کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی پہلوؤں میں بہت اختلافات ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں، حضرت آدم کی نہ تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تھی جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی، حضرت عیسی علیہ السلام کو بہت سے معجزے عطا ہوئے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کتاب وسنت یا قرآن اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو چیز قدر مشترک ہے۔ وہ حلال وحرام کے احکام میں اطاعت ہے جیسا کہ حدیث میں بالتفصیل مذکور ہے اور اطاعت کے لحاظ سے کتاب اللہ اور اسوۂ رسول میں کوئی فرق نہیں۔ رہی عدم مثلیث تو اس لحاظ سے پرویز صاحب نے تو عدم مثلیث کے صرف ایک پہلو کو بیان کیا ہے۔ جب کہ ہم نے ''وحی جلی وخفی کا تقابل'' میں ایسے کئی پہلو بیان کر دیئے ہیں جن سے کلام اللہ کی حدیث پر فوقیت ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دینے کے سلسلے میں پرویز صاحب کی یہ دلیل بھی بے کار ہے۔ (حوالہ ایضاً ص/۱۶۸)

## طلوعِ اسلام کے عجمی افکار:

گویا ادارہ طلوع اسلام نے سابقہ قرآنی فکر کو صرف آگے ہی نہیں بڑھایا، بلکہ اس فکر کیلئے مزید میدان بھی پیدا کئے جن کو مختصراً درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

### (۱) عقل کا تفوق اور برتری:

یہی چیز فکر قرآنی کی روح رواں ہے جو جہم واعتزال سے لے کر آج تک اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے اور طلوعِ اسلام کی بیشتر کتابوں میں اسکی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے، ہر چند یہ لوگ زبانی طور پر عقل کے مقابلے میں وحی کی برتری کے قائل ہیں لیکن عملاً جب یہ لوگ اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات پیش کرتے ہیں تو ان کے زبانی اقرار کی نفی از خود ثابت ہو جاتی ہے۔

(۲) خدا کی ذات کے متعلق ان لوگوں کا تصور تجریدی ہی رہا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے اللہ پر ایمان بالغیب حصہ ششم) تجریدی تصور کی یہ جھلک آپ کی بہت سی تصنیفات میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ (آئینہ پرویزیت ص ۱۳۱۔ از مولانا عبدالرحمان کیلانی)

(۳) مسئلہ تقدیر اور جزاء وسزاء کے متعلق بھی آپ کا نظریہ معتزلین سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے۔ آپ نے کتاب التقدیر لکھ کر اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

''خدا نے کائنات کو پیدا کر کے ہر چیز کے پیمانے یا قوانین مقرر فرما دیئے ہیں، اب وہ خود بھی ان قوانین کا پابند بن گیا ہے، ہر عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہے جو ان قوانین کے تحت ظہور میں آتا ہے اور ان نتائج کو روکنا یا ختم کرنا اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے جہاں انسان کو اپنے اعمال کا مختار کلی قرار دیا گیا ہے وہاں خدا کی مغفرت اور انبیاء وصالحین کی شفاعت کا عقیدہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔

(۴) معجزات کے انکار کے سلسلہ میں آپ سرسید کے ہمنوا ہیں اور کوئی بات خلاف فطرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ سرسید گو زبانی طور پر معجزہ کے امکان کے قائل ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے قرآن میں مذکور تمام معجزات کی ایسی تاویل فرمائی ہے کہ ہر واقعہ کو مطابق فطرت بنا کے چھوڑا ہے۔ پرویز صاحب بھی ادبی زبان میں عصائے کلیمی کے اعجاز کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''وہ دور ہی اعجوبہ پرستی کا تھا، نیز ذہن انسانی ابھی ناپختہ تھا۔ لہٰذا انہیں یہ معجزہ دکھایا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں انسانی عقل وفکر اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا آپ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ قرآن کریم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حسی معجزہ ثابت نہیں ہوتا'' [معراج انسانیت ص ۲۰۳] ''آپ عملاً وہی کچھ کرتے ہیں جو سرسید نے کیا۔ حالانکہ قرآن سے آپ کے کم از کم تین حسی معجزے ثابت ہیں جن کی تفصیل پہلے پیش کی جا چکی ہے۔''

(۵) نظریہ ارتقاء کے مسئلہ میں آپ صرف سرسید کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ ''ابلیس وآدم'' نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کیا ہے۔ ملائکہ، آدم، ابلیس وغیرہ سب باتوں میں آپ سرسید کی توجیہات کو تسلیم کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے انسان کے آئندہ ارتقاء کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔

(۶) آپ نے حافظ اسلم کے پیش کردہ تصور مرکز ملت کی بھی قرآن کریم سے توضیح وتصریح فرمائی ہے۔ جس کی رو سے آپ نے مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے جملہ اختیارات تشریع تفویض فرما دیئے ہیں۔

(۷) ''طاہرہ کے نام خطوط'' لکھ کر آپ نے عائلی نظام میں مرد کے تفوق کو یکسر ختم کر دیا ہے اور یہ سب کچھ قرآن کریم سے ہی ثابت کیا گیا ہے۔

(۸) آپ کی سب سے نمایاں کارکردگی یہ ہے کہ آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظام ربوبیت کی شکل میں قرآن ہی سے ثابت کر دکھایا ہے۔ (بحوالہ ایضاً۔ص ۱۳۲)

## تاویلات کا دھندہ:

اب ظاہر ہے کہ اتنے کثیر عجمی نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے کیلئے قرآن کی کس قدر آیات کو تاویلات کی سان پر چڑھانا ضروری تھا اور ساتھ ہی متعلقہ احادیث سے انکار بھی، لہٰذا آپ نے ان دوگونہ پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

(۱) تمام احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دیا۔ آپ صرف وہ احادیث قابل قبول سمجھتے ہیں جو ''آپ کی قرآنی فکر'' کے مطابق ہوں۔

(۲) قرآن کی تمام مروجہ اصطلاحوں کو نئے معانی ومفاہیم کا جامہ پہنایا، مثلاً خدا، عبادت، سلام، ملائکہ، صلوٰۃ، زکوٰۃ، قیامت، جنت، دوزخ اور ایمان بالغیب وغیرہ کا مروجہ مفہوم ہی یکسر بدل ڈالا گیا۔ پھر بھی بات نہ بنی تو کئی جلدوں میں لغات القرآن تصنیف کر ڈالی گئی اور دور جاہلیت سے عربی الفاظ کے ایسے معانی تلاش کئے گئے جو ان مخصوص نظریات کی تائید میں مد ثابت ہو سکیں۔

## طلوع اسلام کا لٹریچر:

پھر چونکہ آپ کا یہ انداز تفسیر بالکل نرالا تھا لہٰذا آپ کو اسے عام لوگوں کو سمجھانے کیلئے لغات القرآن، مطالب الفرقان، معارف القرآن، مفہوم القرآن اور تبویب القرآن کی کئی کئی جلدیں مرتب کرنا پڑیں۔ اس سے بھی کام نہ چلا تو کثیر مقدار میں اُردو لٹریچر کا بھی اہتمام کیا گیا تا کہ عوام الناس قرآن کے معنی ومطالب اسی طرح سمجھ سکیں جس طرح آپ خود اسی قرآنی بصیرت کے مطابق اسے سمجھے ہیں۔

ایک لطیفہ یاد آ گیا، پرویز صاحب نے (قرآنی فیصلے ص ۲۴۰) پر ایک ہندو کا خط نقل فرمایا ہے جو لکھتا ہے کہ آپ نے جو میرے مطالعہ کیلئے قرآن مترجم بھیجا ہے۔ یہ بیشتر مقامات پر اپنے معانی میں صاف ہے اور اس سے روح کو تسکین ہوتی ہے، لیکن اس کی شرح وتفسیر میں پورا ''صندوق کتب'' موجود ہے، میں اس کے مطالعہ کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔ پرویز صاحب نے واقعی اس ''صندوق کتب'' کے بار سے ہری چند مہاشا کو نجات دے دی، لیکن قرآن کی تفہیم وتشریح کیلئے اس سے بڑا صندوق خود تیار کر دیا ہے۔ گویا آپ کو اصل شکایت یہ ہے کہ مسلمان احادیث وتفاسیر کا بوجھ کیوں اُٹھاتے ہیں۔ میری تصنیف شدہ کتب کا بوجھ کیوں نہیں اُٹھاتے؟ رہا عوام کا مسئلہ تو انہیں تو بہرحال کوئی نہ کوئی بوجھ اُٹھانا ہی پڑے گا۔

آپ کی اس تاویل وتفسیر پر کسی دل جلے نے یوں تبصرہ کیا ہے:

''آپ کے مشورہ پر معارف القرآن کا مطالعہ کر رہا ہوں مگر اسکی تو پہلی ہی جلد نے میرا جی جلا دیا۔ غضب خدا کا تفسیر بالرائے کی ایسی بھونڈی مثالیں نہ کبھی دیکھیں، نہ سنیں، چلتے چلتے ایک لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہوں، سن لیجئے کہ آپ کے پرویز صاحب کیسے کیسے حیلوں سے تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ ایک لفظ ہے ''آلاء'' جو سورۂ رحمٰن میں تکرار کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک سب مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے معنی نعمت کے ہیں، مگر وہ (پرویز صاحب) اس کے معنی ''قدرت'' کر دیتے ہیں۔ اب کہئے کہ ایسی تفسیر کو اگر جائز رکھا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جاتا ہے یا نہیں کہ جو آئے اسے مروڑ دے۔ (جناب پرویز کے معتقد خاص سید نصیر شاہ کے نام ایک کرم فرما کا خط بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام جون ۱۹۵۸ء) بحوالہ ایضاً۔ ص ۱۳۳)

## مسلمانوں سے شکوہ؟

آپ چونکہ مغربی افکار ونظریات سے شدید متاثر ہیں اور اپنی قرآنی تاویل وتعبیر کی تائید میں بسا اوقات مغربی مفکرین کے اقتباسات ہی پیش فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس طرز عمل کے دو نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی یہ تاویل وتعبیر کم از کم مسلمانوں میں نہیں پنپ سکتی۔ اس بات کا شکوہ آپ خود بھی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم چونکہ قرآن کو ترجموں کے ذریعے سمجھتے ہیں، اس لئے اس کی اصل سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کو سمجھنے کیلئے عربی زبان کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور جب تک ہم عربی نہ جانیں گے قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا، جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جن حضرات نے عربی ترجمے کئے ہیں وہ تو عربی جانتے تھے۔ اگر عربی جاننے سے صحیح قرآن سمجھ میں آ جاتا تو ان کے ترجموں سے بھی قرآن سمجھ میں آ جانا چاہئے تھا۔ تمام تر نہیں تو قریب قریب۔ دوسری چیز یہ (اور یہ پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے) کہ آج مسلمانانِ عالم کا بیشتر حصہ ایسا ہے، جس کی مادری زبان عربی ہے۔ ان کیلئے صحیح قرآن سمجھنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی قریب قریب اسی قسم کا قرآن سمجھتے ہیں جس قسم کا قرآن ہمارے ہاں ترجموں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپ عربی ممالک (یعنی عربی بولنے والے مصنفین) کی مذہبی کتابیں اُٹھا کر دیکھئے، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے ان میں اور اپنے ہاں کی مذہبی کتابوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ مجھے ایک عرب ادیب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ادب کا امام، زبان پر اس قدر عبور کہ ایک ایک لفظ کی بیسیوں سندات مستحضر۔ ایسا نظر آتا تھا کہ اسے بڑے بڑے عربی لغت، شعراء کے دواوین اور کتبِ محاضرات حفظ ہیں۔ مرادفات کے معنی میں ایسا لطیف فرق بتاتا تھا کہ سن کر لطف آ جاتا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب میں دیکھتا کہ جونہی قرآن کی کوئی آیت سامنے آتی وہ وہی مفہوم بیان کرتا جو ہمارے مکتبوں میں

پڑھایا جاتا ہے اور جس میں قرآن (یعنی پرویز صاحب کی قرآنی فکر کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا) نام کو نہیں ہوتا۔ (بحوالہ ایضاً۔ص ۱۳۴ بحوالہ قرآنی فیصلے ص ۲۶۰، ۲۶۱)

## اہل مغرب میں پرویز صاحب کی مقبولیت:

اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی یہ تاویل وتعبیر اہل مغرب نے اسلام دشمنی کی بناء پر پسند فرمانا شروع کردی کیونکہ ان کا کام اگر کوئی ''مسلمان'' ہی سر انجام دینا شروع کردے تو ان کیلئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی؟ چنانچہ درج ذیل اقتباسات میں آپ اس حقیقت کا اعتراف یوں فرمارہے ہیں۔

(۱) ''میرا اندازہ ہے کہ قرآن کو (یعنی آپ کی قرآنی بصیرت کو) سمجھیں گے تو مغرب کے مفکرین سمجھیں گے۔'' (سلیم کے نام سولہواں خط ص ۲۷۷)

(۲) ''مجھے مغربی اقوام کی سرزمین قرآنی پیغام کیلئے زیادہ سازگار معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں ''عقل'' ہے۔ ملاازم کی جہالت اور تنگ نظری نہیں ہے.... میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت مغربی اقوام کے غیر مسلم قرآن کی آواز کو زیادہ توجہ سے سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جو کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا آرہا ہے اسے کس طرح چھوڑ دیا جائے؟'' (سلیم کے نام سترہواں خط ص ۳۰۷)

گویا آپ کے خیال میں سارا قصور تنگ نظر ملا کا ہے۔ جو عقل سے عاری ہے۔ اور آپ کی تاویل وتعبیر کی ہمنوائی سے قاصر ہے۔ رہا آپ کا تفسیری کارنامہ تو اسے آپ قرآن کی طرح ہی شک وشبہ سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

(۱) ایک تیسرے مقام پر ہے:

''اس سے بڑھ کر خوشی کا مقام یہ ہے کہ یہ آواز اب پاکستان کی حدود سے آگے نکل کر مغربی ممالک میں بھی پھیلتی جارہی ہے۔ پچھلے سال میں نے آپ تمام احباب سے ذکر کیا تھا کہ کس طرح ایک جرمن مصنف نے اپنی پاکستانی سیاحت کی روداد کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ یہاں ایک ہی تحریک قابل ذکر ہے اور وہ ''طلوع اسلام کی تحریک'' ہے۔ اب حال ہی میں ایک کتاب ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا نام Modern Muslim اور مصنف کا نام J.M.S.Balton اس میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں قرآن کی جدید تعبیرات کی کوششیں کہاں کہاں ہورہی ہیں، اس سلسلہ میں اس نے پاکستان سے صرف مصنفوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک علامہ مشرقی اور دوسرے آپ کا یہ رفیق (یعنی پرویز صاحب) اس نے سلسلہ معارف القرآن اور سلیم کے نام خطوط وغیرہ کا براہِ راست اُردو سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں ان کے اقتباس پر اقتباس دیئے چلا جاتا ہے۔'' (پرویز صاحب کا خطاب۔ طلوع اسلام کنونشن۔ بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام۔ مئی جون ۱۹۶۳ء)

اور یہی بات ہم کہتے ہیں کہ پرویز صاحب قرآن کریم سے خود کچھ سمجھنے کی بجائے عجمی افکار ونظریات کو قرآن کے منہ میں ڈالنا اور اہل مغرب کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ گو صوفیہ کی طرح ان کا بھی زبانی دعویٰ یہی ہے کہ وہ وحی کے تابع ہوکر چلتے ہیں اور خالی الذہن ہوکر قرآن کریم میں غور وخوض فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسے شرک کے مترادف سمجھتے ہیں۔ بحوالہ ایضاً۔ص ۱۳۵

# فتنۂ انکار حدیث

شریعت مقدسہ کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی عظمت وہمہ گیریت اور جامعیت کو کم کرنے کیلئے آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ سر اُٹھاتا رہتا ہے کوئی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈال کر نبی بننے کی ناپاک کوشش کرتا ہے تو کوئی قرآن فہمی کی آر میں وحی غیر متلو حدیث وسنت کی حجیت کا انکار کر بیٹھتا ہے، عصر حاضر کے اس فتنہ (انکارِ حدیث) کا سرخیل غلام احمد پرویز تھا، بعض دانشور اور اہل قلم بھی پرویز کی 'قرآن فہمی' سے متاثر ہوئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ 'الحق' میں اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ ذیل کی یہ تحریر بھی الحق میں کچھ عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی، جس کی اہمیت وجامعیت کے پیش نظر افادۂ عام کیلئے ''فتاویٰ حقانیہ'' میں شمار کیا جارہا ہے۔

## منکرین حدیث کی بے جا وکالت:

ملک کے مشہور ادیب شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری کو یکا یک کیا سوجھی کہ ۱۳ مئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۂ انکار حدیث کے سرغنہ جناب غلام احمد پرویز کی مدح سرائی اور وکالت کا بیڑ اُٹھایا اور اس زور وشور سے کہ پرویز کو افکارِ اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہِ رسالت کی سرخروئی اور فضلائے امت کی صف میں جگہ پانے کی بھی بشارتیں دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کام اکیلے ہی کر دکھایا اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارے میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت

کے تمام مکاتب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحاب علم وتقویٰ اور اربابِ تحقیق وفتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی ہے اس لئے تمام علماء کو چاہیئے کہ وہ پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں۔اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہوگئے۔معلوم نہیں کہ ساری کتاب پڑھنے کے بعد ان کا معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی مؤقف میں تبدیلیوں کے باوجود بھی اہم ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جراءت وہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارے میں ان کے مؤمنانہ جہاد اور جراءت مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کیلئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبۂ حمیت کی وجہ سے ان سیئات سے درگذر کئے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ ومشکوک نہیں بلکہ اساطینِ امت اور تمام اجلہ علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کی تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔مرزا غلام احمد قادیانی کی بایں ہمہ دجل وتلبیس قرآن وسنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود ایک دو ایک ایسی کتابیں جس کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارے میں اپنا مؤقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور خاتم النبیین ؐ کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے۔تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دیں سکیں گے؟

الغرض شورش صاحب کی خدمت اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہو منکرین حدیث کی اس زور وشور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جسارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔اس تبدیلی اور خوشگوار انقلاب میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین وایمان ہے۔

اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبات کے تحت نصیحت اور دینی مسئولیت کی بناء پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ........اور عقیدے کی دنیا میں خاکی زبان میں اس بڑھیا جیسے نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے ''کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا''

دین وعقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی تو جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دفاع میں حسانی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہوگی کہ وہ یکا یک ''وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ'' کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عینِ حالتِ جنگ میں اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی وعلمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتتِ اعداء کا بھی ذریعہ تھا۔مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسرِ پیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر مؤثر ہوگئی اور آج وہ الحق بھی بدقسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب واستیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل ومجلات کے سبّ وشتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

## فتنہ انکار حدیث:

لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہرحال ان تمام دینی علمی افراد کا دینی تقاضا ہے جو انکار حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموس رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے زہر ہلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے مقام ومنصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکارِ حدیث کی تاریخ محرکات، دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور اسلام اور منصب نبوت ورسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفۂ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد وزندقہ اور پھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے منصب نبوت میں دجل وتلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام عجمی سازشوں سے بڑھ کر عجمی بلکہ یہودی سازش ہے جس

کو اسلام کے رُخ زیبا سے جھاڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پرویز کو دے رہے ہیں۔ ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' عجمی سازشوں کی تاریخ اگر سورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر صفحہ اور ہر سطر میں در پردہ انکار حدیث کی کافرانہ چالیں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج، معتزلہ، مجسمہ، معطلہ، محرفین قرآن، منکرین صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے، جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک وشبہات اُٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی۔ پھر اس زمین پر عقلیت اور عجمیت، کفر والحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بودیا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

## فتنۂ استشراق:

اسلام کے بدترین دشمن یہود ونصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے دینی عصبیت اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کیلئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظّم کرلیں تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی وفکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول کے بارے میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب وتذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت وافتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو، خواہ یہ چیز خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث، آثار واخبار اور مسلمانوں کے عملی واعتقادی نظام کے لئے سرچشمۂ قانون وآئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقۂ صحابہؓ میں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈ زیہر نے مستقل طور پر حضرت ابو ہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعیٔ نامشکور کی، اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اُٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام اور داعیٔ اسلام اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشقِ تحقیق بنا کر داغدار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ اسلام کے بنیادی مصدر وماخذ، قانون وشریعت، سنت اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل وتلبیس کے اس میدان میں دشمنانِ اسلام کے ہاں گولڈ زیہر، مار گولتھ، شناخت اور اس جیسے کئی ائمہ ضلال والحاد کے نام سنہرے حروف میں لکھے گئے ہیں۔

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعدائے اسلام کے طویل المیعاد منظّم علمی منصوبوں، اس کے محرکات اور آراء وافکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنۂ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں کا ہی ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار ونظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں جو سامراجی اور اشترا کی علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جس کی سُر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔

## انکارِ حدیث اور انکارِ ختم نبوت میں باہمی مماثلت:

حقیقت یہ ہے کہ انکار ختم نبوت ہو یا انکار حدیث دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ومقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین وشریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزا قادیانی) ایک دوسرے کے ظل اور بروزی معلوم ہوں گے۔

وعدۂ وصل سجد یست میان من وتو ‏ ‏ ‏ ‏ کہ رقیب آمد و پرسید نشان من روتو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے ویرانوں میں بھٹکی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام وہم وطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہوگئی ہے۔ آیئے ذرا دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

(۱) مرزا غلام احمد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اس کی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھول دیا تو غلام احمد پرویز نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر مرکز ملت اور مرکزی حکومت کے اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشریع کا حق دے دیا اور یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتداء، یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

(۲) غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب وغریب معانی پہنائے

اورظلی اور بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی ایک طرح معمہ بنادیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ گو ماننے کا تو دعویٰ کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی۔ دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط نمبر ۱۵ص ۲۵۰ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جائے گا۔

(۳) غلام احمد، مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضور کی ذات کا سہارا لیا تو غلام پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر اور قرآن وسنت اور خدا اور رسول کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

(۴) غلام احمد متنبّی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اور اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

(۵) غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کیلئے راستہ صاف کرنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نقص نکالنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا۔ تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

(۶) غلام احمد قادیانی نے نئے امر ونہی پر مبنی شریعت کا علم اُٹھایا اور پچھلے سارے دین پر خط تنسیخ کھینچنا چاہا، یا خود اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو غلام احمد پرویز نے بھی کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثت قرضہ، لین دین، صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵ اور ۱۶۷ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز، روزہ، حج معاملات اور اخلاق غرض جس چیز میں چاہے ردوبدل کر دے (مقام حدیث ج ۱ ص ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی چھرا نہیں چلایا تھا۔

(۷) متنبّی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کے تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام پرویز نے امت کے متفقہ ومسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اُڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم ومطالب پڑھائے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۲۴) جنت ودوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص ۴۴۹) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہنی چاہئیں (ابلیس وآدم از پرویز ص ۱۹۵ اور لغات القرآن ج ۱ ص ۲۴۴)

جبرئیل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس وآدم ص ۳۸۳) آدم کسی وجود شخصی کا نہیں بلکہ بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ۱ ص ۲۱۴) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص ۸۷) زکوٰۃ، صدقات، واجبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳۷ص ۱۲) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک افیون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۶۷)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص ۱۹۰) صدقۂ فطر ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ حج بین الملی کانفرنس اور قربانی صرف اس کانفرنس کیلئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے۔ تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی قرآنی فیصلے وغیرہ)

(۸) غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآن فیصلے ص ۶۶) اور اب قرآن کی رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں (سلیم کے نام خط ۳۷ ج ۳ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو برہمو سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۸ و ۱۵)

(۹) غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے حرام بھی یعنی یہ حق اسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے اور جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال وحرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ ص ۶۹)

(۱۰) غلام احمد کی وحی اور الہام ''میں ولد میں'' قسم کے ہذیانات سے بھرپور ہیں تو غلام پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ''ویسئلونک عن المحیض'' کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دان جیسے شاہکار ملیں گے ''تلک عشرۃ کاملۃ''

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت ومشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث

کی وکالت کرنے والوں، بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے اور ایسا کیوں ہے؟ کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رُخ اختیار کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسینؓ کی مظلومیت اور فضلائے امت کی عبقریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا ائمۂ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علمائے امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے اور اگر خواہ مخواہ شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا نہایت بسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے بارے میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کر لیں اور اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

## رسول کا تشریعی منصب:

قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کر رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(رسول اکرم بحیثیت معلم و مربی (بقرہ آیت ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران ۱۶۴ وغیرہ)

رسول کتاب اللہ کا شارح ہے وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے۔ (نحل آیت ۴۴) رسول پوری امت کیلئے پیشوا، مقتداء، نمونہ و اسوہ، اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۳۱، ۳۴) رسول خدا کی طرح شارع Legislator ہیں۔ (اعراف آیت ۱۵۷، حشر آیت ۷) رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (نساء ۱۰۵، شوریٰ ۱۵، نور ۵۱، نساء ۶۵) رسول اکرم نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (نساء ۶۴، ۵۹، ۸۰، فتح ۱۰، محمد ۳۰)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے مآخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جس کی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے۔

اس بارے میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب کے فکر کے اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنماء کو بھی نہیں حاصل تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔ (جمادی الاول ۱۳۹۴ھ)

# اسلام مخالف سازشیں

استشراق اور مستشرقین
گلوبلائزیشن
این.جی.اوز

اعلامیہ

جدت پسندی

اچھے مسلمانوں کی تلاش

امریکہ کے جارحانہ عزائم

عالم اسلام پر میڈیا کی یلغار

موساد (اسرائیلی خفیہ ایجنسی)

# استشراق اور مستشرقین

مولانا فصیح الدین دہلوی

''استشراق'' اور ''مستشرقین'' کوئی انوکھا اور اچھوتا موضوع نہیں ہے۔ بلکہ اہل علم کے حلقے میں مشہور و معروف موضوع ہے۔ خاص طور پر گذشتہ تین صدیوں سے، جب سے یورپ میں ''صنعتی انقلاب'' کا آغاز ہوا اور اقوامِ مغرب نے مشرق کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا، اور یہ کوشش کی کہ ان اقوام کو اپنے زیرنگیں کر کے اُن کے قدرتی وسائل پر اپنا قبضہ اور تسلط جمایا جائے، اس وقت یہ موضوع خاصی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ ''استشراق'' کی اصطلاح بظاہر تو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ''مغرب'' کو ''مشرق'' سے دلچسپی، اور اس کے علوم و فنون، مذاہب، افکار و خیالات، تہذیب و ثقافت، عادات اور تمدن کا مطالعہ کرنا اور اس کی کھوج لگانا۔ لیکن جو واقعی صورت حال ہے اس کے پیش نظر یہ اصطلاح زیادہ مناسب اور موزوں نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے وہ اہل علم جو خود کو ''مستشرقین'' کہتے ہیں ان کی توجہ اور دلچسپی کا مرکزی نقطہ، اور اصل موضوع بحث ''مذہب اسلام'' اور ''مسلمان'' ہیں جب کہ مشرق میں اور بھی بہت سے مذاہب، فلسفے، تمدن اور افکار و خیالات پائے جاتے ہیں۔ لیکن یورپ کے ''مستشرقین'' نے جتنی دلچسپی، اہمیت اور توجہ ''اسلام'' اور ''مسلمانوں'' پر مرکوز کر رکھی ہے، دوسرے مذاہب نے اور دیگر اقوام مشرق کی طرف اس کے عُشرِ عشیر بھی توجہ نہیں دی۔ اصل بات یہ ہے کہ ''مستشرقین'' کا مقصد ''تلاشِ حق'' یا ''علوم و معارف'' کے سمندر کی شناوری کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مقصدِ اصلی یہ تھا کہ خود مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کیا جائے۔ اور ''اسلام'' کی تعلیمات کے اصل سرچشمے ''قرآن و سنت نبوی'' کے متعلق ان کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو یہ ان مستشرقین کیلئے کیا، کسی کیلئے بھی اس پر اس سلسلے میں طبع آزمائی کرنا ممکن نہیں۔ ''وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ''

البتہ انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق ''سنت نبوی'' اور ''احادیث مبارکہ'' اور بعض دیگر ایسے مسائل کو اپنی ''بحث و تحقیق'' کا موضوع بنایا ہے جو ''اجماع'' اور ''قیاس'' پر مبنی ہیں، یا وہ مسائل جو علمائے متکلمین اور فقہائے امت کے مابین بحث و تمحیص کا موضوع رہے ہیں۔ لیکن اپنی اس مہم کو انجام دینے کیلئے انہوں نے ''اسلامیات'' کا عنوان اختیار کرنے سے اجتناب کیا، اور اس کے بجائے ''علوم شرعیہ'' کی اصطلاح ایجاد کر کے یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ ان کا میدانِ عمل وسیع تر اور پورے مشرق کو محیط ہے۔

عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو جتنا شدید نقصان ''مستشرقین'' سے پہنچا ہے، جو بزعم خود اپنے آپ کو ''اہل علم'' اور ''اصحابِ معرفت'' کہتے ہیں، اتنا شدید نقصان اور کسی دوسرے گروہ سے نہیں پہنچا ہے۔ اس گروہ نے ''علم'' اور ''تلبیس'' کا لبادہ اوڑھ کر ''اسلام'' کے قلعے میں نقب زنی کی جو کوششیں کی ہیں، اور جس طرح کی ریشہ دوانیاں کی ہیں اس کے زہریلے اثرات سے امت مسلمہ خود کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج تقریباً ہر اسلامی ملک میں ایک ایسا طبقہ ضرور موجود ہے جو ''استشراق زدہ'' ہے اور ''مستشرقین'' کے غلط تصورات اور غیر منطقی استدلالات کو اپنے اصل قدیم علمی سرمایے سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ یہ لوگ جن کی تربیت یورپ کی درسگاہوں میں ہوئی ہے، جنہوں نے مغرب کے قائم کردہ اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے، اپنے ماضی کو عزت و احترام سے نہیں بلکہ حقارت کی نظر دیکھتے ہیں۔ یہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو سراہنے اور اُن پر فخر کرنے بجائے اُن پر نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے ہیں، اُن میں خرابیاں نکالنے اور نقائص کی تلاش کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کا دعوٰی ہے کہ امت کی پسماندگی اور زبوں حالی کا سبب یہی قدیم علمی سرمایہ ہے۔ اور بقول ان کے ''فرسودہ خیالات'' ہیں اُن کا کہنا ہے کہ عہد ماضی کی یہ تحقیقات عصر حاضر کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتی ان کا مطالبہ ہے کہ اب ''اسلامی شریعت کا نیا ایڈیشن'' تیار کیا جائے۔ اس گروہ کے افراد زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔ ''ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ'' (سورۂ یونس)

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسی گروہ کے افراد تقریباً اسلامی ملک میں اقتدار کے اہم مناصب پر فائز ہیں۔ اور بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امت مسلمہ کی زمام اقتدار ایک ایسے گروہ کے قبضے میں ہے جس کی ''اسلام'' سے وابستگی محض زبانی ہے، اور عملی اعتبار سے یہ گروہ ''اسلام مخالف سمت'' میں رواں ہے۔ پوری دنیائے اسلام ''قدیم و جدید کی ایک کشمکش''

میں مبتلا ہے، ہر جگہ ''تجدد وتخلف'' رجعت پسندی اور قدامت پرستی کے عنوان سے معرکہ آرائی ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی ذہنی وفکری طاقت اور تخلیقی قوتیں بربادی اور تباہی کی نذر ہورہی ہیں۔ فکری اور ذہنی انتشار اور پراگندہ خیالی کے اس طوفان میں دشمن پوری قوت اور طاقت سے اپنا کام کررہے ہیں۔

## استشراق کی تاریخ:

مستند اور صحیح طور پر تو یہ معلوم نہیں کہ مسیحی مغرب کو ''علومِ اسلامیہ'' سے دلچسپی کب اور کس موقع پر شروع ہوئی؟ لیکن جہاں تک ممکن ہوسکا، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ''استشراق'' کا آغاز دسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا۔ یعنی صلیبی حملوں کے آغاز سے ایک صدی قبل۔ پہلا صلیبی حملہ ۱۰۹۶ء میں ہوا۔ اور اس کے بعد آئندہ دوسو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کے بعد یورپ کے عیسائیوں نے ''فلسطین'' اور ''بحرابیض'' کی اسلامی حکومتوں پر یلغار کی۔

دسویں صدی عیسوی میں ''اندلس'' (اسپین) کی اسلامی حکومت اپنے اقتدار اور عزت ووجاہت کے نقطۂ عروج پر تھی۔ اس وقت کلیسائے یورپ کے پادری حصولِ علم کی غرض سے ''اسپین'' کے مدارس اور تعلیمی اداروں کا رُخ کرتے تھے۔ بہت سے عیسائی پادریوں نے یہاں آکر عربی زبان اور دیگر علومِ اسلامیہ میں مہارت حاصل کی، اور پھر یورپ واپس چلے گئے۔ ان لوگوں نے قرآن اور دیگر اسلامی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس دور میں لاطینی زبان ہی یورپ میں علم وادب کی مستند اور رائج زبان تھی۔ یورپ کے طالبانِ علم ''اندلس'' کے مدارس اور تعلیمی اداروں میں مسلم علماء اور اساتذہ سے فلسفہ، طب اور ریاضیات کے فنونِ خصوصی دلچسپی کے ساتھ سیکھتے تھے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی پادریوں میں سب سے پہلے جس نے ''اندلس'' کا رُخ کیا وہ فرانسیسی راہب ''جربرٹ'' (JERBERT) ہے۔ ''اندلس'' سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب یہ وطن واپس ہوا تو ۹۹۹ء میں اس کو کلیسائے روم کے ''پوپ'' کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد دو معروف اور مشہور مسیحی پادری ''اندلس'' کے تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم رہے اور وہ بھی فرانسیسی ہیں اور اُن کے نام Peirrele Aenere اور Gerard de Gremone ہیں۔

اِن پادریوں نے ''یورپ'' واپس جا کر ''اندلس'' کے عربوں کی تہذیب وثقافت، اور ان کے مشاہیر اہلِ علم کی تصنیفات اور کتابوں کو وہاں شائع کیا۔ اور علوم عربیہ واسلامیہ کی تعلیم کیلئے مدرسے اور ادارے قائم کئے۔ اس کے بعد یورپ کے بعض دینی (مسیحی) مدارس میں ترجمہ شدہ اسلامی اور عربی کتابیں باقاعدہ داخل درس ہوگئیں۔ اور تقریباً چھ سو سال تک یہ کتب مستند اور معتبر علمی موضوعات کی حیثیت سے نصابِ تعلیم کا حصہ بنی رہیں۔

اس آغاز کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور یورپ کے مسیحی پادری، اسلامی کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان میں کرتے رہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں صورتِ حال میں تبدیلی آئی۔ یہ استعماری عہد کا آغاز ہے۔ یورپ نے اسلامی ملکوں پر اپنا تسلط جمانا اور اُن پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ اب دلچسپی اور توجہ کا رُخ دوسری جانب ہوگیا۔ یورپ کے مسیحی پادری اور علماء نے جو کہ علومِ اسلامیہ اور عربی تہذیب وثقافت اور تمدن کے ماہر تھے، ایسے رسائل اور کتابیں شائع کرنا شروع کردیں جن کا خاص موضوع ''اسلامیات'' اور ''علومِ عربیہ'' تھا۔ دوسری جانب اسلامی ممالک میں انحطاط اور زوال کا آغاز ہو چکا تھا۔ علمائے یورپ نے ان ممالک کے علمی اور ادبی سرمایے کو لوٹنا شروع کردیا۔ عالم اسلام کے ادارے ابتری اور زوال کا شکار تھے۔ اہل یورپ نے صورتِ حال کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلم ملکوں کی لائبریریوں اور تعلیم گاہوں سے لاکھوں علمی کتابیں، مسودات، قلمی مخطوطات اور نوادرات چرا کر یورپ منتقل کردیئے۔ اور جیسا کہ دورِ انحطاط کی خصوصیت ہے، ایسا بھی ہوا کہ مستشرقین اور پادریوں نے اسلامی ممالک کے بعض نااہل، ناسمجھ اور عقل سے پیدل لوگوں سے انتہائی قیمتی علمی کتب مخطوطات اور دیگر نوادرات معمولی قیمت میں دے کر خرید لئے۔ اس طرح بیش قیمت علمی سرمایے کی منتقلی بلادِ اسلامیہ سے یورپ کو شروع ہوگئی، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل تک تقریباً ڈھائی لاکھ سے زیادہ ضخیم علمی کتابیں اور مجلدات یورپ منتقل ہو چکی تھیں۔ اور یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، جاری رہا بلکہ بڑھتا ہی رہا اور تا حال جاری رہا۔

## مستشرقین کی پہلی کانفرنس:

اس کے بعد مستشرقین نے اپنی سرگرمیوں کو ایک منظم شکل دینے کی کوشش شروع کردی۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مستشرقین کی پہلی کانفرنس پیرس (فرانس) میں منعقد ہوئی۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے علمائے مستشرقین اپنے ''علمی کارناموں'' اور دیگر سرگرمیوں کے متعلق تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اس سے پہلے ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ ''استشراق'' کی ابتداء اسلام اور علوم اسلامیہ کے ساتھ دلچسپی سے شروع ہوئی تھی اگرچہ بعد میں، جب کہ یورپ کی استعماری طاقتیں بلادِ مشرق کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگئیں، تو اس علمی اور اکیڈمک دلچسپی کا دائرہ عملاً بعض دیگر مذاہب اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن تک وسیع ہوگیا، لیکن اصل اور بنیادی

موضوع جس سے مستشرقین کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، وہ ہے ''اسلام بحیثیت ایک مذہب اور ''عربی زبان وادب'' ''عرب تہذیب وتمدن اور تاریخ'' اور اس کی وجہ مذہبی اور سیاسی محرکات ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم ان پر نظر ڈالیں گے۔

جہاں تک مذہبی پہلو سے استشراق اور مستشرقین کے مقاصد کو سمجھنے کا تعلق ہے تو یہ زیادہ بحث طلب نہیں، بلکہ بہت ہی واضح چیز ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کلیسائے یورپ کے پادری اس سرگرمی کے آغاز کے اصل ذمہ دار ہیں۔ اور اب تک بھی استشراق پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ جس دور میں علمائے نصاریٰ نے یہ اپنی یہ سرگرمی شروع کی، اس وقت یورپ صنعتی انقلاب سے ناآشنا تھا۔ اور کلیسا کا اقتدار غالب تھا۔ عوام پر مسیحی مذہب کے علماء (پادریوں اور چرچ) کی گرفت مضبوط تھی۔ اس وقت تک یورپ میں منظّم قومی حکومتیں Nation States وجود میں نہیں آئی تھیں۔

مستشرقین کا مقصد تھا اسلام کو بحیثیت مذہب کے مطعون کرنا، اسلام کی تعلیمات، عقائد اور اخلاقی نظام کی صورت بگاڑنا، اور حتی المقدور حقائق اور عقائد میں تحریف کرنا، اس وقت مسیحی یورپ کی نظر میں اصل حریف اسلام تھا، بلکہ آج تک بھی یہی صورتِ حال ہے۔ کلیسائے یورپ، اسلام کو اپنے مذہبی اقتدار اور تسلط کیلئے ایک بڑا چیلنج سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے مغرب کے سامنے اسلام کی یہ تصویر پیش کی کہ اس مذہب کے ماننے والے وحشی، غیر متمدن اور لٹیرے ہیں۔ یہ خونریزی کے دل دادہ ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو صرف جسمانی عیش وعشرت پر اُبھارتا ہے۔ ان لوگوں کو اخلاقیات اور روحانی پاکیزگی سے کوئی تعلق نہیں۔

صنعتی انقلاب اور جدید تہذیب اور نئے اخلاقی اقدار کے ظہور کے بعد، عیسائی پادریوں کو اس بات کا خطرہ اور زیادہ لاحق ہو گیا کہ عوام پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یورپ کے صنعتی انقلاب نے ہی کلیسائے اقتدار کیلئے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ اب عیسائی علماء نے اپنی اسلام مخالف کوششوں کو تیز تر کر دیا۔ ان کی نظر میں یہ بہترین موقعہ تھا کہ یورپ کے عوام کے سامنے، اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر، اسلام کو ایک ''خطرہ اور دشمن'' بنا کر پیش کر دیں۔ اور آج تک بھی صلیب وصیہونیت اسی راہ پر گامزن ہے۔ کلیسا نے اسلام اور مسلمانوں کی تصویر بگاڑنے کیلئے ابتدائی اسلامی فتوحات، صلیبی جنگوں میں یورپ کی شکست، اور اس کے بعد یورپ کے بعض علاقوں میں سلطنت عثمانیہ کی فتح ونصرت کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ ماضی کی ان فتوحات نے اہل یورپ کے دلوں میں مسلمانوں کی عسکری قوت اور فوجی کامیابیوں کا سکہ بٹھا دیا۔ یورپ کے عوام مسلمانوں کو ایک طاقتور فاتح کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ کلیسا نے خوف کی نفسیات کو غلط رُخ دے کر مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور اس مقصد کیلئے انہوں نے قلم کا سہارا لے کر علوم اسلامیہ کو خوب تختۂ مشق بنایا۔ مذہب اسلام، اس کی تعلیمات وعقائد اور کتاب وسنت، تاریخ وثقافت، تہذیب وتمدن، عادات واخلاق، علمی تصنیفات، زبان وادب، متقدمین علمائے اسلام کے علمی ذخیرے نیز کسی گوشے کو نہیں چھوڑا۔ ان کی کوشش کا اصل محور یہ تھا کہ خود مسلم عوام اور علمائے اسلام کے ذہنوں میں ان کے مذہب کے تئیں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے جائیں، تا کہ ان کے اوپر مذہبی رنگ کا جو غلبہ ہے وہ کمزور اور ڈھیلا پڑ جائے، ان کے قلب ودماغ پر اسلام کی مضبوط گرفت ڈھیلی ہو جائے تا کہ سادہ لوح، کم علم اور غیر پختہ ذہن کے افراد کو اپنے جال میں پھنسانا آسان ہو سکے۔ اور اس طرح عیسائی مبلغین کو اپنے تبلیغی اور دعوتی مشن میں دشواری نہ ہو۔

استشراق کے مقاصد اور محرکات میں سے ایک اہم مقصد ''استعماری'' بھی ہے۔ جب یورپ دوسو سال تک مسلسل برسرِ پیکار رہنے کے بعد صلیبی جنگوں میں شکست خوردہ ہو کر بیٹھ گیا، تو اب اس نے از سرِ نو یہ غور کرنا شروع کیا کہ میدان جنگ میں شکست کھانے اور ناکام ہو جانے کے بعد بلادِ اسلامیہ اور مشرق کو کس تدبیر اور ذریعے سے اپنے زیر نگیں لایا جا سکتا ہے؟ یہاں پھر قرعۂ انتخاب استشراق ہی کے نام پڑا۔ اب استشراق کا میدان عمل توسیع پسندی اور ملک گیری تک پھیل گیا۔ مستشرقین نے مذہب سے آگے بڑھ کر بلادِ اسلامیہ اور ممالک شرقیہ کے عوام کے ذہنی وفکری رجحانات کو بھی اپنی تحقیق وریسرچ کا موضوع بنا لیا۔ ان کی کوششیں اسی نقطے پر مرکوز ہیں کہ قوت وطاقت کے مراکز کون سے ہیں، تا کہ ان کو کمزور کیا جا سکے۔ نیز وہ کون سے گوشے ہیں جہاں کمزوری اور اضمحلال ہے تا کہ اس کا بھرپور فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ اور جب ان کو اپنے استعماری مقاصد میں کامیابی حاصل ہو گئی اور یہ ممالک بزورِ طاقت ان کے قبضے میں آ گئے، تو ان کا مقصد اور نظریہ یہی تھا کہ اپنی گرفت کو کس طرح مضبوط کیا جائے۔ اور اپنے اقتدار کو کن تدابیر کے ذریعے مستحکم بنایا جائے۔ اب ضرورت تھی اس بات کی کہ مقبوضہ ممالک میں قوت مزاحمت کو کمزور کر کے وہاں کے اہل علم اور دانشور طبقات میں ایسے نظریات اور افکار وخیالات کی اشاعت کی جائے جو ان کو ذہنی وفکری طور پر فاتح قوم سے قریب تر کر سکیں۔ ان کے قلب ودماغ میں حکمراں طاقت کی وفاداری اور اس کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کوشش بھی رہی کہ مقبوضہ اقوام کو ان کی اصل جڑوں سے کاٹ کر

ان کے ذہنی وفکری سوتوں کو خشک کردیا جائے۔ اور اپنے فکری رجحانات کی تخم ریزی کی جائے، چنانچہ اب مراکز استشراق نے اپنی جدوجہد اور کوششوں کا رُخ اسی جانب موڑ دیا۔ انہوں نے تہذیب مغرب اور افکار وخیالات کو اس ڈھنگ سے پیش کرنے کی کوشش کی کہ بس یہی ایک نسخۂ کیمیا اور اِکسیر حیات ہے اگر بقاء ممکن ہے تو اسی فکر ونظر کے سائے میں اور کہیں نہیں۔ اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ فاتح اقوام اپنے اقتدار کی زندگی کو طویل ترین کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں، یہاں اس چیز کی ضرورت کچھ زیادہ ہی تھی، وہ اس لئے کہ یورپ کی فاتح اقوام، بلادِ مشرق کے مقابلے میں ہمیشہ سے ''افرادی طاقت'' کے لحاظ سے کمزور رہی ہیں۔ اس وجہ سے ان طاقتوں کیلئے ہرگز ہرگز یہ ممکن نہیں تھا کہ کثیر نفری فوجی طاقت سے مفتوحہ ممالک کو اپنے شکنجے میں جکڑے رہیں۔ ان کو اس بات کی ضرورت تھی کہ مفتوحہ ممالک کو اپنے شکنجے میں جکڑے رہیں۔ ان کو اس بات کی ضرورت تھی کہ مفتوحہ ممالک ہی میں ایسے افراد اور عناصر تیار کئے جائیں جو ان کے اقتدار کی بقاء واستحکام کے قلعے اور چھاؤنیاں ثابت ہوں۔ یہی وہ مشن اور مہم ہے جو اہل استشراق نے مغرب کے استعماری اور سامراجی مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انجام دی ہے۔ اور اب مشرق خصوصاً بلادِ اسلامیہ، عہد ماضی کی زہریلی تخم ریزی اور آبیاری کی کانٹوں بھری کھیتی کاٹ رہے ہیں۔

# گلوبلائزیشن: معنی ومفہوم اور مضمرات:

غطریف شہباز ندوی

اصل موضوع پر آنے سے پہلے اس کے تاریخی پس منظر پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ گلوبلائزیشن سے پہلے نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ سامنے آیا تھا۔ نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ جنگ خلیج کے بعد عام سطح پر پہلی بار دنیا کے سامنے آیا، جب کہ دانشورانہ سطح پر اصلی سیکولرائزیشن کا رپوریٹ سوسائٹی (Carporate Society) کی بحثوں کی شکل میں اس پر پچھلی کئی دہائیوں سے کام ہو رہا تھا۔ نئے عالمی نظام کا سیدھا سادہ مفہوم عام لوگوں کے ذہن میں ڈالا گیا کہ اب سے پہلے انسان قومی اور ملکی حدود اور جغرافیائی حصار میں بندھا اور انہیں کے دائرہ میں رہ کر سوچتا تھا۔ اب اس کا ذہنی افق وسیع ہو گیا ہے۔ اور اس کی سوچ کا محور پورا عالم انسانی ہو گیا ہے۔ انسان کی اس ذہنی وسعت اور ترقی کو انٹرنیشنل ازم (Intenationalism) اور Globalization سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔ پروپیگنڈہ مشینری اور عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسی مفہوم کو لانچ کرنے کی کوشش کی گئی اور بظاہر عام انسان نے خواب دیکھنا شروع کردیا ایک ایسی دنیا کا جہاں نہ سرحدوں کا سوال ہوگا، نہ رنگ ونسل کے فرق کا، سارے انسان برابر ہو جائیں گے، سب کے لیے ایک ہی قانون ہوگا، مذہب، ظلم وزیادتی واستحصال کم سے کم ہو جائیں گے، دنیا کے ذرائع پیداوار وغیرہ سے سب مستفید ہوں گے، جنگل راج ختم ہوگا، انسان ہوں گے انسانیت ہوگی، اور آدمی دنیا کی نعمتوں سے خوشی واطمینان سے لطف اندوز ہو سکے گا، نئے عالمی نظام کا عام آدمی یہی تصور کرسکتا ہے، جب کہ اس کے خالق دماغوں میں اس کا تصور دوسرا ہے جس کو وہ مختلف اصطلاحوں اور تعبیروں میں ادا کرتے رہتے ہیں، اکیسویں صدی کا ان کا جو وژن ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ پوری دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں کی حیثیت دے کر، ایک چھوٹا سا گروپ اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے گا ایک چھوٹے سے روم میں بیٹھ کر ایک چھوٹی سی مشین کے ذریعے پوری دنیا کو ہینڈل کرے گا یہی گلوبلائزیشن ہے، کمپیوٹر کی اس دنیا Syber World میں زندگی کی ہر قدر بدل جائے گی،

ہر انسانی جذبہ کا مفہوم بدل جائیگا، اور سارے انسان بالآخر انسان کے غلام بن کر جینے پر مجبور ہونگے دیکھا جائے تو گلوبائزیشن، انٹرنیشنل ازم اور نیو ورلڈ آرڈر، جدید سیاست کی دقیق ترین اصطلاحات اور مغربی Terminalogy کا شاہ کار ہیں۔

نئے عالمی نظام کا نعرہ مغربی دانشوروں کی دین ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں اس سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟اس سوال کے جواب کے لیے عالمگیر برادری کے مغربی تصور کے پس منظر کا ایک سرسری سا جائزہ لینا مناسب ہوگا ، کہ یہ ایک ایسا آئیڈیا ہے جو انسان کو اپنے محصول پر ہمیشہ اکساتا رہا اور مہمیز کرتا رہا ہے اور اسی وجہ سے نئے عالمی نظام کے خالقوں نے اپنے مخصوص مقصد کے حصول کی خاطر اس کا سہارا لیا، گویا اس کے ذریعہ وہ انسان کو اس کا وہ خواب دکھا رہے ہیں جسے تعبیر دینے کے لیے وہ ہمیشہ تڑپتا رہا ہے۔

فطری طور پر اسلام سے پہلے مغربی عیسائیت نے بھی عالمگیر برادری کے تصور کو اپنایا تھا، لیکن تاریخ کے کسی بھی دور میں وہ اس کا عملی مظاہرہ نہ کرسکی ، اس آئیڈیل کی بنیاد دراصل اس پر تھی کہ اسے قدیم سلطنت روما کے بدل کے طور پر پیش کیا جائے یہودیت خفیہ طور پر چرچ سے مستقل جنگ لڑ رہی تھی، جس کے سامنے مسیحی چرچ بالآخر بے دم ہوگیا اور کئی مراحل سے گذر کر مستقل طور پر مشرقی اور مغربی دو کلیساؤں میں تقسیم ہوگیا، اس تفریق کلیسا Shcism کے باعث وہ تصور بھی دھندلاتا چلا گیا ، پھر مسیحی چرچ ہی کی نگرانی میں مسلم اسپین اور یورپ کی دوسری ریاستوں میں انکوگلو بلائزیشن کے ادارے کے ذریعہ مظلوم انسانوں پر بے پناہ ظلم توڑے گئے اور لاکھوں معصوموں کا خون بہایا گیا، تو مسیحیت کے اندر ایک بغاوت پیدا ہوگئی، جسے غیر معمولی امداد تحریک اصلاح سے فراہم ہوئی ، قرون وسطیٰ کی اصلاح مذہب (Reformation) کی تحریکوں کے بنیادی کردار لوتھر (۱۴۸۸) اور کالون تھے۔ ان تحریکوں نے ایک مرحلہ پر سیکولر اور چرچ کو آمنے سامنے کھڑا کیا، جس کے نتیجہ میں بالآخر جدید یورپ نے مسیحیت کو اپنے تشخص کی علامت کے طور پر قبول کرنے سے انکار کردیا، ریفارمیشن کی اس تحریک سے جہاں یورپ کو مسیحیت کے جبر سے پناہ ملی وہیں مذہب کی روحانیت اور اذعان کی کیفیت سے بھی اسے محروم ہونا پڑا، اور پورے یورپ میں روشن خیالی (Inlightenment) بے قید اور لا محدود آزادی و اباحیت کی ہوائیں چل پڑیں جنھوں نے جذبہ و وجدان کی بجائے عقل کو شہری کردار کا معیار بنا دیا، عقلیت پرستوں کے اس گروہ نے یورپ میں پاؤں جمائے اور مذہب اور روحانیت کو خیرآباد کہہ کر عقل کی بنیاد پر بین الاقوامیت کا علم اٹھایا، اور ایک مدت تک اس کا راگ الاپتے رہے، لیکن عمل کے میدان میں جلد ہی ان کا نفاق ظاہر ہوگیا، جب وہ الگ الگ جغرافیائی نسلوں اور خطوں میں بٹنے لگے اور بین الاقوامیت کی جگہ قوم پرستی کے رجحانات کی پرورش کرنے لگے، وہ اب بھی پوری انسانیت کا نام لیتے تھے لیکن اصلاً ان کی مراد یورپ اور یورپ کی اقوام ہوتی تھیں۔

ان روشن خیالوں نے جب چرچ اور عیسائی بادشاہوں دونوں کے مفادات پر کاری ضرب لگائی، تو چرچ کے محافظوں نے Antirefarmation تحریک چلائی، جو ردعمل کے طور پر عقل کی جگہ اصلاً وجدان اور احساس کی بنیاد پر استوار ہوئی تھی، وہ مروجہ مسیحیت، رومانیت اور شاہی نظام کی محافظ تھی، اس نے بھی فلاح عامہ کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اس کی تشریح مخصوص گروہوں اور اشخاص کے ذاتی مفادات کے تحفظ اور بادشاہوں کے لیے قوم کی وفاداری کے تحت کی گئی تھی، ہربرٹ اسپنسر اور میکلیاولی کے نظریات اسی خیال کی ترجمانی کرتے ہیں، اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوا کہ پورا یورپ ایک گروپ بندی کا شکار ہوگیا اور سماج کے مخصوص افراد اور گروپوں کے مابین مفادات کی لڑائی لڑی جانے لگی۔

بیسویں صدی کے وسط میں کمیونزم نے بھی عالمی برادری کا تخیل پیش کیا، یہ تحریک مذہب کے انکار پر مبنی تھی، مارکس اور فریڈرک انجلز نے مذہب (مسیحیت) کو عوام کی افیون قرار دے کر مسترد کردیا اور اپنے افکار کی بنیاد عقل یا وجدان کی بجائے انسانی تاریخ کی مادی تعبیر پر رکھی یہ نیشنلزم ہی کا ایک دوسرا روپ تھا کیوں کہ مارکس یہودی اور تعقل پسند تھا، عالمی برادری کے کمیونسٹ تخیل میں اصل مقام مزدور طبقہ (پرلتاریہ) کو حاصل تھا اور وہ دنیا بھر کے مزدوروں، ناداروں اور مفلسوں کو سرمایہ دار کے مقابلہ میں متحد کرنا چاہتا تھا، دوسری عالمی جنگ تک کمیونزم اپنے تخیل سے چمٹا رہا اور مذہبیت و نیشنل ازم دونوں سے نبرد آزما رہا لیکن جنگ عظیم ثانی کے بعد یہ تخیل مادر روس (Mother Russia) کے حق میں ترک کردیا گیا اور اس کے بعد یہ نظریہ بھی عملاً ایک مخصوص خطہ کی علامت بن کر رہ گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ عظمیٰ اور فرانس دو سپر پاور بن کر ابھرے، ان دونوں نے اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر ایک بار پھر عالم گیر برادری کا آئیڈیل پیش کیا اور اس مقصد کے لیے مجلس اقوام (League of Nations) بنائی گئی، لیکن چوں کہ اس مجلس کے بانی اپنے مقاصد میں غیر مخلص اور غیر متحد تھے، اس لیے یہ مجلس اپنے مقاصد کی تکمیل میں کچھ مؤثر ثابت نہ ہوئی، کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا ہیولا بکھر گیا اور نتیجہ کے طور پر پوری دنیا پر ایک مہیب جنگ مسلط کردی گئی، امن برقرار رکھنے کی ساری کوششیں خود غرضانہ پالیسیوں کی نذر ہوگئیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد روس اور امریکہ دو سپر پاور طاقتیں دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئیں، لیکن بظاہر دونوں کے نظریات بھی الگ تھے اور مفادات بھی جدا، دونوں کے مابین ایک سرد جنگ (Cold War) کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور دونوں نے اپنے اپنے الگ بلاک بنالیے، دنیا عملاً ان دونوں بلاکوں میں منقسم ہوگئی، ان دونوں قوتوں اور کچھ دوسری درجے کی طاقتوں نے طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے نیز اصلاً تیسری دنیا کے ممالک کا استحصال کرنے کے لیے ایک بار پھر عالمگیر برادری کا نعرہ دیا اور اقوام متحدہ کا ادارہ (UNO) وجود میں آیا، لیکن اس کے بانی کوئی حقیقی

انسانی واخلاقی شعور نہ رکھتے تھے، انہیں صرف اپنے مفادات عزیز تھے، اس ادارہ پر بھی انہوں نے اپنی اجارہ داری قائم کرلی، اس کے پانچ دائمی ارکان تسلیم کئے گئے، جن کے ہاتھ میں حق تنسیخ (Veto Power) دے دیا گیا، UNO کا دائرۂ اقتدار دوحصوں میں بانٹ دیا گیا سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی، جنرل اسمبلی کی رکنیت دنیا کے اکثر آزاد ممالک کو دی جاتی ہے چوں کہ ان ممالک کی اکثریت بسا اوقات بنیادی ارکان کے خلاف جاسکتی تھی اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی قراردادوں کو بھی پاس کرنے نہ کرنے کا اصل اختیار سلامتی کونسل کو دیا گیا، نتیجہ یہ ہے کہ اب تک اسرائیل امریکہ کی سرپرستی میں اور اقوام متحدہ کی ایگزیکیوٹو باڈی کی حمایت کے ساتھ لاتعداد مواقع پر جنرل اسمبلی کی قراردادوں وخواہشات کو ٹھکرا چکا ہے، اس صورت حال میں uno حقیقت میں عالمی مقررین کا ایک تھیٹر بن گیا ہے، اس کا سیکرٹری جنرل اکثر اوقات ایک بے بس تماشائی ہوتا ہے۔

(Under Standigpower) نوم چومسکی: ص/۸۴)

امریکہ کا ظہور دراصل یہودی امنگوں اور مغربی نشاۃ ثانیہ کی کامیابی کا نتیجہ تھا، ۱۷۷۶ء تک وہ عالمگیر برادری کی تشکیل کے مسئلہ میں باقی دنیا سے الگ تھلگ تھا، (ملاحظہ ہو اسماعیل راجی الفاروقی مقدمہ، اسلام کا بین الاقوامی قانون: ص/۲۱) اس کا ثقافتی مورث اسپین تھا، جس نے یورپ کے ملکوں میں سب سے پہلے نئی زمین میں اپنی نوآبادیاں بنائی تھیں، اور غلاموں کی بہت بڑی تعداد کو وہاں کام پر لگایا تھا، اسپین اور برطانیہ کے ساتھ مسابقت امریکہ کو ایک مرحلہ میں ایک نئی اور نسبتاً محدود تر قومی تعریف وتحدید تک لے گئی، جس کا مظاہرہ مونروے (Monerwe) کے اس اعلان سے ہوا کہ امریکہ امریکیوں کے لئے ہے،، (ایضا: ص/۲۱) لیکن اب وہی امریکہ جنگ خلیج کے بعد عالمی برادری کے اس تخیل کو پیش کرتا ہے اور نئے عالمی نظام کا نعرہ دیتا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے اس نعرہ سے عالمی فضا میں ایک ارتعاش پیدا ہوا اور مشرق ومغرب میں ایک گرم بحث چھڑ گئی۔ لیکن تیز تر زمانی تبدیلیوں کے باعث نئے عالمی نظام کے پالیسی سازوں نے اب اس کی لے مدھم کردی ہے اگر چہ عملی سطح پر اس کا ایجنڈا مسلسل بڑھایا جاتا رہا اور مسلم دنیا کے مخصوص علاقوں میں امریکہ کی ترک تازیاں اسی کا شاخسانہ ہیں۔ پوری دنیا اس پر بحث مباحثہ کی آماجگاہ بن گئی ہے۔

## گلوبلائزیشن: معنی ومفہوم:

گلوبلائزیشن، گلوب بمعنی کائنات سے ماخوذ ہے، اس کا صحیح ترجمہ عالمی بنانا ہوگا۔ عالمگیریت اس کا صحیح ترجمہ نہیں ہے لیکن اردو میں اب کثرت سے عالم کاری کا استعمال ہو رہا ہے۔ یہ اصطلاح تقریباً ۸۰ رکی دہائی سے استعمال کی جارہی ہے لیکن ابھی تک اس کی کوئی متعین، جامع اور متفقہ تعریف نہیں کی جاسکی ہے اس کی ایک تعریف یہ ہے:

Globlizaton is just a handy wor for the interationallization of trade and cad capital the other name fo this process is free trade.

(آئی او ایس جرنل، جلد ۱۲، جنوری تا جولائی ۲۰۰۰ء)

گلوبلائزیشن سرمایہ اور تجارت کو بین الاقوامی بنانے کے لیے بولا جاتا ہے، اس عمل کے لیے دوسرا لفظ ”آزاد تجارت“ کا استعمال ہوتا ہے جیکسن جیرالڈ (حوالۂ مذکور)“ گلوبلائزیشن پر بحث ومباحثہ اور گفتگو ایک محدود حلقہ میں محدود ہونے کی شکایت کرتے ہوئے بر اسلاف گو سووک کہتے ہیں: ”علامتی طور پر گلوبلائزیشن کی موجودہ تعریف اور اس کی تنقیح کے عمل پر بازیگروں کے ایک ’چھوٹے سے گروپ کی اجارہ داری قائم ہوگئی ہے جن کے پس منظر میں عالمی سطح پر قوت رسائی اور اقتدار کی خواہش ہے، گلوبلائزیشن سے متعلقہ تصوراتی فریم ورک اور اعلیٰ ترین نمونہ کے سوال کو نظر انداز اس لیے کیا جارہا ہے کہ اس سے مذکورہ کرتب بازوں کا ایجنڈا، مفادات اور تصورات متصادم ہیں، اس لیے کہا جارہا ہے کہ اسی لیے لبرل آئیڈیالوجیکل بنیاد دی جارہی ہے۔ (آئی او ایس کا جرنل جلد ۱۲ جنوری تا جولائی ۲۰۰۰ء)

## ہندوستان کے ماہر معاشیات ڈاکٹر فریدی لکھتے ہیں:

”گلوبلائزیشن کے ظاہری معنی پوری دنیا کو ایک مارکیٹ بنانا ہے اور ان تمام رکاوٹوں کو دور کردینا ہے جو بین الاقوامی تجارت میں حائل ہیں تاکہ سرمایہ بلا روک ٹوک ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر کرسکے۔ اور جس جگہ بھی اس کی ضرورت ہو وہاں سرمایہ کاری کی جاسکے اسی طرح محنت (Labour) بھی ہر جگہ کا سفر کرسکے۔ اور جہاں بھی اس کو زیادہ اجرت ملے وہاں اپنی خدمات پیش کرسکے اس میں سرمایہ اور محنت دونوں کا بھلا ہے دونوں کا بہترین استعمال ہے۔ (زندگی نومبر دسمبر ۲۰۰۰ء)

فطری نظام معیشت اصلاً مبادلہ پر مبنی ہے ایک انسان محنت کرتا ہے، دوسرا اجرت دیتا ہے ایک مال بناتا ہے دوسرا اسے معاوضہ دیتا ہے بعض انسان خدمت لیتے ہیں بعض خدمت انجام دیں گے، پھر مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں میں جو فرق ہے اس کے لحاظ سے بعض انسانوں کو اپنی ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع ملتا ہے بعض کو کم، اگر اسی فطری انداز میں گاڑی چلے تو توازن برقرار رہے گا۔ لیکن انسان چونکہ اپنی فطرت میں بخیل، عجول اور حریص واقع ہوا ہے۔ اس لیے وہ سرمایہ دار (افراد یا ملک) جن کے پاس زائد از ضرورت مال ہے وہ کاروبار کرتے، پیسہ تجارت وصنعت میں لگاتے ہیں اور یہ دولت اور اشیاء صرف اسکی تیاری میں گلا دیتے ہیں، لیکن چونکہ ضروری نہیں کہ جتنی اشیاء انہوں نے تیار کی ہوں وہ سب اس ملک میں فروخت ہوجائیں کیونکہ بسا اوقات صارفین کی قوت خرید سے کم ہوتی ہے، جب کہ یہ مال اس ملک میں نہیں کھپ سکتا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا تیار کردہ مال فروخت ہوئے بغیر رہ جائے گا ملک کے ہر فرد پر فرض ہوگا کہ اس سے بچنے کی خاطر یہ مال دوسرے کے منڈیوں میں فروخت ہوگا، نئی مارکیٹوں کی تلاش ہوگی، صنعتی اور ترقی یافتہ ممالک کو اسی صورت حال کا سامنا ہے اس لیے انہوں نے تیسری دنیا کا رخ کیا ہے مقصد نئی منڈیوں کی تلاش سے بین الاقوامی بازار میں کمپٹیشن شروع ہوگا اور گلوبلائزیشن کا آغاز ہوتا ہے

جس کے نتیجہ میں معیشت کا پورا عمل مبادلہ کے بجائے مسابقہ پر استوار ہو گیا۔

گلوبلائزیشن کا عمل تہذیب سے زیادہ اس کے مادی اور محسوس مظاہر سے متعلق رکھتا ہے، اس کی اصل بنیاد اور محرک معیشت ہے معیشت کو عالمی بنانے کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ مغرب کا معاشی نظام سرمایہ داری پر مبنی ہے، پوری دنیا کو کلی اور ہمہ گیر طور پر اپنے کنٹرول میں لے لے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ آج وہ ایک تہذیب کی شکل اختیار کرتا ہے، جسے ہم تہذیب مغرب کی جدید اور ترقی یافتہ شکل کہہ سکتے ہیں یہ صرف معاشی نہیں بلکہ دنیا بھر کی ثقافتوں، تعلیمی نظام، روایات اور رسم و رواج ہر چیز کو متاثر کر رہا ہے، گلوبلائزیشن کو گلوبل گورنمنٹ کے معنی میں لیا گیا ہے اور گلوبل گورنمنٹ کا مفہوم ہے ظہور پذیر معاشی عالمی نظام (ملاحظہ ہو جولائی ۱۹۹۹ء میں یو این ڈی پی ہیومن ڈیولپمنٹ رپورٹ نیز ۱۹۹۹ء کی سیٹل wto کانفرنس حوالہ مذکور) مابعد سرد جنگ کے دور میں مارکیٹ میں زبردست اضافہ ہونا شروع ہو گیا جس کا تمام تعلق معیشت سے تھا اور باقی تمام چیزوں کو ثانوی درجہ دے دیا گیا، اس لئے یہ بالکل فطری ہے کہ عالمی سیاست، غالب اقوام کے معاشی مفادات کے گرد گردش کرے اس وجہ سے یہ ظاہر ہے کہ نیا عالمی نظام مالدار اور ثروت مندوں کو فائدہ پہنچائے گا، اور غریبوں اور کمزوروں کی محرومیوں میں اضافہ کرے گا۔ گلوبلائزیشن کے ناقدین کا یہی خیال ہے، ہم ایک بار پھر گوسووک کا حوالہ دیں گے، وہ کہتے ہیں کہ: "سسٹم کو چیلنج نہیں کیا گیا یا اور اسٹرکچر کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھا، اور بنیادی اہمیت کے حامل معاشی مسائل شمالی (مغرب) کے ثروت مند ملکوں کے فیصلہ پر چھوڑے دیئے گئے۔ اس کے لئے جو اقدامات کرنے تھے یعنی غریبی ہٹانا، اچھی حکومت، اچھا ماحول، اور ہر طرح کے کرپشن کا خاتمہ وہ سب کے سب لازمی طور پر ترقی پذیر ملکوں پر لا د دیئے گئے مزید برآں جنوب (مشرق) میں ترقی یافتہ ملکوں کی مداخلت کو جائز ٹھہرا دیا گیا ہے لہٰذا اب وہ ترقی پذیر ملکوں کو اپنا من چاہا رویہ اختیار کرنے کا حکم دے سکتے ہیں، انہیں اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں۔ (حوالہ بالا)

مغرب کے ایک مسلم مفکر سلیمان نیا نگ لکھتے ہیں: "انگریزی میں لفظ گلوب (globe) ٹھیک اسی معنی میں آتا ہے جس معنی میں لفظ ورلڈ (world) آتا ہے۔ گلوبلائزیشن کی اصطلاح عالمی امور میں ایک رجحان کو بتانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جس میں کائنات، مادی دنیا، ثقافت اور سماج اور نفسِ انسانی کے نظریہ پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ عربی میں اس کا متقابل عالم ہے۔ کائنات کے خالق و مالک و رب کی حیثیت سے اللہ کو متعارف کرانے کے لئے قرآن رب العالمین کا لفظ استعمال کرتا ہے، جو نہایت ہی معنی خیز ہے فکر و شعور کی سطح پر عالمی ذرائع ابلاغ پر کنٹرول کے ذریعہ دنیا بھر کے مراکز سے قبولیت حاصل کرنے کا نام ہے۔ انسانی مواصلات کے میدان میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے مارشل میک ٹوہان نے ٹیلی ویلیج (Tally Village) سے تعبیر کرتا ہے۔ اب گلوبلائزیشن کا استعمال پانچ خاص طریقوں سے ہو رہا ہے۔

عالمی جغرافیائی حدود کو سمیٹ دینا ہے اور تیز رفتار ذرائع نقل و حرکت سے دوریوں اور مسافتوں کو قطع کرنا مثلاً: سپر سونک جہاز، نیوکلیر توانائی سے چلنے والے جہاز، تیز رفتار کاریں اور بلٹ ٹرینیں وغیرہ، سفر کے یہ تیز رفتار ذرائع ایک نیا عالمی نظام اور نئی انسانی دنیا پیدا کر رہے ہیں۔

۲۔ الیکٹرانک کے مؤثر طریقۂ استعمال سے انسانوں کی جسمانی دوریاں گھٹ رہی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی ترقیوں اور ایجادات کے ذریعہ اب انسان نے ٹیلی فون، فیکس، ای میل اور انٹرنیٹ وغیرہ کے سہارے سارے فاصلے سمیٹ کر رکھ دیئے ہیں۔

۳۔ ایک عالمی معیشت میں ساری ثقافتیں بہتی جا رہی ہیں۔ انگریزی عالمی رابطہ کی مسلمہ زبان بن گئی ہے۔ اور انسانی سیکولر اور مذہبی وراثت نئے نئے بلاک بنا رہی ہے اور ایک عالمی اخلاقیات کی تشکیل ہو رہی ہے۔

۴۔ ساری انسانی ثقافتیں اور تہذیبیں ایک ہو رہی ہیں اور مغرب کی سائنس اور لفظیات کو ساری دنیا اختیار کر چکی ہے اور جیسا کہ ہوتا ہے جسے ہم اب تک مغربی کہتے تھے وہ اب ساری دنیا اجتماعی وراثت بن گئی ہے۔ ماضی میں یہی ہوا کیونکہ خود ویسٹرن کلچر ماضی کے یہودی، رومن، یونانی اور عرب کلچر سے مرکب ہیں۔

۵۔ عسکریت اور ملٹری علوم کے خطرناک اور حیرت انگیز ارتقاء کے میدان میں بھی عالم کاری کا اثر پڑا ہے۔ اب تھرمونیوکلیر وار میں کوئی فاتح نہ ہوگا اس طرح کی کوئی بھی جنگ پوری انسانیت کے لیے خطرناک ہوگی (ملاحظہ ہو Journal of Muslim Social Studies (امریکہ کا گلوبلائزیشن پر خاص نمبر ۱۹۸۹ء)۔ علی المزروعی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں، گلوبلائزیشن کیا ہے؟ یہ ان طریقوں کے لیے بولا جاتا ہے جو عالمی پیمانے پر باہمی انحصار اور دور دراز کے علاقوں سے تیز تر رابطہ اور تبادلہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ گلوبلائزیشن خود ہی بالکل نیا لفظ ہے لیکن حقیقت میں اس کا آغاز صدیوں پہلے ہو گیا تھا چار قوتیں، گلوبلائزیشن کی گاڑی آگے بڑھانے میں خاص رول ادا کرتی ہیں۔ وہ ہیں مذہب، معیشت، ٹیکنالوجی اور ریاست، یہ عوامل الگ الگ بروئے کار نہیں آتے۔ بل کہ ان میں باہم ترابط ہوتا ہے۔ مثلاً مسیحیت کا گلوبلائزیشن اُس وقت شروع ہوا جب ۳۱۳ء میں روم کا بادشاہ قسطنطین اول عیسائی ہو گیا اور اس واقعہ کے نتیجہ میں عیسائیت نہ صرف یوروپ بل کہ اس وقت کی دنیا کے بیشتر حصہ کا غالب مذہب بن گئی اسلام کا گلوبلائزیشن ایک بنی بنائی ریاست کی تبدیلیٔ مذہب سے نہیں ہوا بل کہ اس نے تنکے تنکے اٹھا کر آشیانہ بنایا۔ بنو عباس اور بنو امیہ خاندانوں کی خلافت نے پرانی ریاستوں کے ٹکڑے جوڑ کر نئے امپائر کی تشکیل کی۔ جن میں بازنطینی، مصر اور پارسی ایران بھی شامل تھے۔ ان کو جوڑ کر اسلام نے ایک نئی تہذیب کی تعمیر کی۔ پھر بحری مہموں نے بھی

اپنا کردار ادا کیا۔ واسکوڈی گاما اور کرسٹوفر کولمبس کے ذریعہ زمینوں کی دریافت نے گلو بلائزیشن کی تاریخ کو نیا موڑ دیا۔ معاشی اور ریاست اور مذہبی ضرورت ان سفروں کا خاص عامل تھے۔ جن کے نتیجہ میں یورپ سے ہجرت شروع ہوئی، امریکہ میں یہ ہجرتیں نقطۂ عروج پر پہونچ گئیں۔ جہاں دنیا کے کونے کونے سے بھانت بھانت کے لوگ جا کر جمع ہو گئے اور وہاں کے اصل باشندوں کو جبراً آبادیوں سے نکال کر، پہاڑیوں اور جنگلوں کی طرف بھگا دیا، امریکہ پوری دنیا کی نمائندہ نسل بن گئی۔ یورپ کا صنعتی انقلاب؟ گلوبلائزیشن کی تاریخ میں ایک بنیادی موڑ ثابت ہوا، معیشت اور ٹیکنالوجی کے ''رشتۂ ازدواج'' سے صنعت اس نقطۂ عروج کو پہنچ گئی کہ تاریخ انسانی میں اس سے پہلے نہیں ہوئی۔ یورپ کی خوش حالی نے اس کی نئی زمینوں کو فتح کرنے کی بھوک بڑھادی، اٹلانٹک کے راستہ غلاموں کی تجارت شروع ہوئی لاکھوں افریقیوں کو یورپین قومیں غلام بنا کر وہاں لے گئیں اور بے گار پر لگا دیا۔ پھر توسع کی بھوک سے بے تاب ہو کر اطالوی، ولندیزی فرنچ اور انگریز قومیں لاؤلشکر کے ساتھ ایشیاء اور افریقہ پر پل پڑیں، برطانیہ نے انسانی تاریخ کا سب سے بڑا امپائر قائم کیا جو جنگ عظیم ثانی تک قائم رہا۔ جنگ عظیم اول اور ثانی خود بھی گلوبلائزیشن کا ایک مظہر تھی بیسویں صدی میں دو عالمی سطح کی جنگیں لڑی گئیں ایک ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء اور ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک، اس کے بعد دنیا میں سرد جنگ کا آغاز ہوا جو ۱۹۸۹ء میں سوویت روس کے زوال کے بعد اختتام پذیر ہوئی اسے بھی دنیا میں گلوبلائزیشن کا ایک مظہر قرار دیا جاسکتا ہے''۔ (حوالہ بالا)

گلوبلائزیشن میں اصل کردار ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ہے جنہوں نے ترقی یافتہ ملکوں اور بطور خاص تیسری دنیا کے ممالک کی گھریلو صنعتوں اور چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کا جنازہ نکال دیا ہے، بہت سی کمپنیاں انہیں میں ضم ہو گئیں، بہتیری کمپنیوں کا دیوالہ نکل گیا۔ اور جو کسی طرح حالات کا مقابلہ کر رہی ہیں انہیں اپنے اصولوں، پالیسیوں اور ترجیحات میں تبدیلی کرنی پڑی، ملازمین گھٹانے پڑے سیاسی طور پر بھی یہ ایم این او سیز اتنی طاقتور ہیں کہ تیسری دنیا کے بہیتر ے ممالک کی خود اختیاری پر انھوں نے کاری ضرب لگادی ہے۔ فری عرب وائس کے ایک مضمون میں کہا گیا ہے۔ ''گلوبلائزیشن صاف طور پر ایک معاشی اسٹریجی ہے جو دنیا پر ثروت منداور صنعتی ملکوں کے ذریعہ مسلط کی گئی ہے، اس کا مقصد ان مالی کارپوریشن کے مفادات کا حصول ہے جن کا جال ہر طرف بکھرا ہوا ہے، اور جن کو ٹرانس نیشنل یا ملٹی نیشنل کمپنیاں کہا جاتا ہے۔ اس معاشی اسٹریجی کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں کو اپنے لئے کھولا جائے، ان کی بہترین وسائل وذرائع اور ثروت کو ان کارپوریشن کے ماتحت کر دیا جائے جو کسی قید وشرط اور حدود کے پابند نہ ہوں، مقالہ نگار مزید لکھتا ہے: گلوبلائزیشن کے مضمرات میں یہ ہے کہ دنیا میں آزاد ریاستیں آہستہ آہستہ اپنے معاشی معاملات کے نظم ونسق اور ذرائع آمدنی کو ان کارپوریشنوں کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ بھی کہ معاشی پالیسی خوراک کی سیکوریٹی اور حفاظت، ثروت مند تاجروں اور مالیات مہیا کرنے والوں کے ہاتھ میں آجائے۔ نہ ان ملکوں کی حکومتیں نہ عالمی ادارے حتیٰ کہ اقوام متحدہ بھی ان مالیاتی اداروں کی حرکتوں اور قوت کے بارے میں سوال کرنے کی جراءت نہ کرسکیں

۔ (دیکھیں: اسلامیہ المعرفة العولمة: ابراہیم ابوربیح ص: ۷ اشارہ ۲۱، ۲۰۰۰ء المعہد العالمی للفکر الاسلامی، امریکہ)

سرمایہ (Capital) کی تعریف میں زر (Money) اور صنعتی مشنری (capitalgoods) دونوں شامل ہیں، جس ملک کے پاس دیو پیکر مشینیں، بڑے بڑے کارخانے اور تجارتی کمپلیکس، عظیم الشان ڈیم، نقل وحمل کے ہوش ربا ذرائع، فلک بوس عمارتوں میں واقع بڑے تجارتی مراکز ہیں اس کی حیثیت دنیا کے دل میں بیٹھی ہی، بڑے شاپنگ سینٹروں کے آگے چھوٹی چھوٹی دکانیں ختم ہوتی جارہی ہیں، ہندوستان کے ایک اسلامی ماہر معاشیات ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کہتے ہیں:

''دولت اور سرمایہ کو اولین اہمیت دینے کی وجہ سے انسان کی اہمیت ثانوی درجہ کی ہوگئی ہے۔ وہ صرف ایک پیداواری عامل ہے، خریدار ہے، اس کی ضروریات اور ترجیحات کی جگہ طلب (Demand) نے لے لی ہے جو اکثر سرمایہ داروں کے ذریعہ پیدا کی جاتی ہے، ترقی کو آج اس بات سے ناپا جاتا ہے کہ آمدنی کیا ہے؟ پیداوار کے ذرائع کیسے ہیں؟ سرمایہ کی ساری ترجیحات نفع سے متعین ہوتی ہیں، عام لوگوں کے فائدوں یا ضروریات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا، کوئی بھی سرمایہ دار ایسے پر اجیکٹ میں اپنا سرمایہ لگائے گا اور وہی چیز مارکیٹ میں لائے گا جس سے اسے پورے نفع کی امید ہے، اس کی ضرورت لوگوں کو ہو یا نہ ہو'' (زندگی نو، جنوری ۲۰۰۱ء)

یہ معیشت اور اس کے اثرات کی عام صورت حال ہے، لیکن اب گلوبلائزیشن کا جو سیلاب آرہا ہے اس نے صورت حال کی خطرناکی میں سو فیصد اضافہ کر دیا ہے، اور دنیا کے ۹۰ رفیصد لوگ یعنی غریب اور تیسری دنیا کے ممالک ایک مہیب معاشی دیو کے لئے نوالۂ تر بن گئے ہیں۔

## گلوبلائزیشن کا طریقۂ عمل:

گلوبلائزیشن کے طریقہ میں کئی چیزوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے:

۱۔　سب سے پہلے مختلف طریقوں سے ہر انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچت کرے۔ جتنا کمائے اتنا خرچ نہ کرے بلکہ پس انداز کر کے اس کو مزید کمانے کا ذریعہ بنائے جتنی کمائی اتنا خرچ اب فرسودہ خیال ہے بلکہ ایک حماقت ہے اب ہر شخص کے ذہن میں یہ بٹھایا جاتا ہے کہ اپنی آمدنی سے پس انداز کر کے بینک میں ڈپازٹ کرے تاکہ سود کے ذریعہ اس میں اضافہ ہو کمپنیوں کے شیئرز حاصل کرے اور لائف انشورنس کرائے۔

(انسان کا معاشی مسئلہ: ص/۲۰)

۲۔　فرد کی بے لگامی: اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے تحت مرتب ہو رہے ہیں، ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں

جماعت کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لئے جدوجہد کریں، روپیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے، ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مالدار بن سکتا ہو قانون کے نظر میں جائز ہے، شراب بنائیے اور بیچئے، بد اخلاقی کے اڈے قائم کیجئے، شہوانی فلم بنائیے، فحش مضامین لکھئے، جذبات بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجئے، سٹے کا کاروبار پھیلائیے سودخوری کے ادارے قائم کیجئے، قمار بازی کی نئی نئی صورتیں نکالئے، غرض جومن میں آئے بلا خوف وخطر کیا کیجئے، قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دے گا بلکہ الٹا آپ کے حقوق کی حفاظت ہی کرے گا۔ (حوالۂ سابق)

۳۔ تیسرا اہم عامل نجی سرمایہ کاری (Privatization) ہے اس سرمایہ سے مراد غیر ملکی سرمایہ ہے نجی کاری کا مطلب ہوا کہ پبلک سیکٹر کے ان بہت سے شعبوں کو جنکا تعلق عوامی فلاح و بہبود سے ہے اور جو حکومت کے فرائض میں داخل ہیں انکو بھی ملکی یا غیر ملکی کمپنیوں کی تحویل میں دے دیا جائے مثلاً بجلی، پینے کا پانی، رسوئی گیس، کھانے کی اشیاء، اناج، پیٹرول، پبلک ٹرانسپورٹ، ابلاغ عامہ و وسائل چونکہ غیر ملکی کمپنیاں کسی حد تک اس ملک کے مزاج و ماحول کے مطابق اپنی پالیسیاں اور منصوبے بناتی ہیں اس لئے اگر یہ شعبے انکے حوالے کئے جائیں تو تب بھی نسبتاً غنیمت ہو حالانکہ وہ بھی عوام کی قوت خرید اور واقعی ضروریات سے زیادہ اپنے منافع پر نظر رکھتی ہیں لیکن بین الاقوامی اور کثیر قومی کمپنیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ان کے آگے ملکی کمپنیوں کی بساط ہی کیا بڑے بڑے ملک بھی ٹھہر نہیں پاتے اس لیے بالآخر نجی کاری کا مطلب یہی ہوا کہ اس زمرہ کو غیر ملکی کثیر قومی کمپنیوں کو دے دیا جائے دنیا چھوٹے اور بطور خاص تیسری دنیا کے ممالک میں یہی ہوا ہے۔

۴۔ آزاد مارکیٹ: بین الاقوامی تجارت میں بہت سارے حدود و قیود ہوتے ہیں، ہر ملک دوسرے ملک کی درآمدات اور اشیائے صرف پر پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ اس کی اپنی صنعت مغلوب نہ ہو جائے لیکن تیسری دنیا بالخصوص عالم اسلام صنعت وٹیکنالوجی میں بالعموم بہت پیچھے ہے، جبکہ ساری دنیا کے لوگوں کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ افلاس، بھوک اور بیماریوں سے نجات پا جائیں، انہیں بھی زندگی کی آسائشیں ملیں، ان کا معیار زندگی بھی بالا ہو، مظلوم اور پچھڑے طبقات کی آرزو ہوتی ہے کہ انہیں انصاف، اختیار اور اعتبار ملے، وہ بھی انسانی معاشرہ کا باوقار حصہ بن کر چلیں یہ تمنا اور آرزوئیں بالکل جائز اور فطری ہیں لیکن ان سے مغربی سرمایہ اور مغربی مصنوعات کو تیسری دنیا اور پسماندہ یا ترقی پذیر ملکوں میں داخلہ کا موقع مل جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس نہ اتنی ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہوتی ہے اور نہ اتنا سرمایہ کہ وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر سکیں۔ پھر ان ملکوں میں بالعموم سرکاری مشنری میں نیچے سے کر اوپر تک شدید کرپشن پھیلا ہوتا ہے (مثلاً انڈونیشیا کے سابق صدر اور انکے کنبہ کی ثروت کا تخمینہ اتنا تھا جتنا آئی ایم ایف نے پورے انڈونیشیا کو قرض دیا تھا۔ ملاحظہ ہو ابراہیم ابو ربیع کا (اسلامیہ المعرفۃ: ص/ شمارہ ۲۱، ۲۰۰۰)۔ اس وجہ سے اپنی خستہ حالی اور بیرونی دباؤ میں آ کر یہ ملک اپنے حدود اور مارکیٹ کھول دیتے ہیں، ملٹی نیشنل کمپنیاں وہاں در آتے ہیں جنھوں نے ازالۂ غربت، حقوق انسانی کے تحفظ ان کو مختلف میدانوں میں آگے بڑھانے، ماحول کی آلودگی کا سدباب اور آبادی پر کنٹرول جیسے خوش کن نعرے اور دل فریب پروگرام اپنی لفاظی (Rehtorhic) میں شامل کر رکھے ہیں، مغرب کا فاضل سرمایہ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ذریعہ یہاں آتا ہے اور اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز کی مارکیٹ ویلو (Market Value) بنا دی جائے حتیٰ کہ فطری ذرائع مثلاً پانی کو اعداد و شمار اور سروے کی روشنی میں کم ہوتا دیکھا جاتا ہے، اسکو بھی خرید و فروخت کی چیز بنا دیا جاتا ہے، عالمی واٹر فورم کی ایک کانفرنس میں جو ہیگ (ہالینڈ) میں ہوتی تھی یہ تجویز پیش کی گئی کہ اگر مارکیٹ میں پانی کی قیمت متعین کر دی جاوے تو ۲۰۱۵ء تک دنیا سے پانی کی کمی دور ہو جائے گی۔ گزشتہ ایک دہائی سے HDR یا FAO کے ماہرین برابر یہ کہتے آ رہے ہیں کہ آئندہ چند دہائیوں میں پوری دنیا میں پانی کی قلت ہو گی۔ مغربی کمپنیوں کی فاضل مصنوعات اور فاضل سرمایہ کی کھپت خود ان کے ملکوں میں کم ہو جانے کی بناء پر اب یہ تیز رفتاری سے جنوب مشرقی ایشیاء اور سینٹرل ایشیاء میں سرمایہ کاری کے لئے مارکیٹس کھول رہے ہیں، جس میں فری مارکیٹ کے رجحان جوان ہی کا پیدا کردہ ہے ان کے لئے زبردست اور سنہرا موقعہ فراہم کر دیا ہے۔

۵۔ بین الاقوامی مالیاتی ادارے اور نئے مغربی استعمار نے فوجی اور عسکری قوتوں کے بجائے آپ کے مالیتی اداروں سے اس سلسلہ میں زبردست فائدہ اٹھایا ہے یوں تو ملٹی نیشنل کمپنیاں متعدد ہیں جن میں جرمن، فرانس، برٹش بھی ہیں لیکن زیادہ بڑی امریکن ہیں مثلاً پاور پروڈکٹس، سافٹ ویر ورکس اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تمام بڑی کمپنیاں امریکن ہیں، یہ دوسرے ملکوں میں جاتی ہیں، سرمایہ کاری کرتی ہیں اور اپنی مصنوعات کو پھیلانے کے لئے مارکیٹیں بھی مہیا کرتی ہیں، اس سلسلہ میں سب سے اہم رول بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا ہے جو ان کمپنیوں کو وہاں گھسنے اور نفوذ کرنے کی تمام سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔

ان اداروں میں UNDP'WB,IMF کے علاوہ (World Economic Form) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب بڑے بڑے مالیاتی کارپوریشن گلوبلائزیشن کے اصل آلۂ جات ہیں۔ انہیں کے ذریعہ نیا عالمی نظام پوری دنیا پر نافذ کیا جا رہا ہے، ان میں سے ایک ایک ادارے کا بجٹ تیسری دنیا کے کئی ملکوں کے قومی بجٹ کے برابر ہوتا ہے، یہ پس ماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کو بڑے بڑے سودی قرضے دیتے ہیں قرضہ دینے سے پہلے انکے وفود قرضہ چاہنے والے ملکوں کا دورہ کرتے ہیں اسکا سروے کرتے ہیں اور ہمہ جہتی جائزہ لیتے ہیں پھر اپنے شرائط پر قرضہ دیتے ہیں کیونکہ انھیں اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ فلاں ملک متعینہ مدت میں

قرضہ واپس نہیں کرسکتا اسلئے یہ بطور یرغمال کبھی اس ملک کی کمپنیاں خرید لیتے ہیں کبھی اس کے بینک سسٹم کو، کبھی نظام تعلیم کو اور کبھی پرائیویٹ سیکٹر کو، حتیٰ کہ قومی بجٹ تشکیل دینے کے لئے مقروض ملک انھیں کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے اشاروں پر پورا بجٹ تشکیل دیا جاتا ہے،ان کے تربیت یافتہ مقامی ماہرین ان ملکوں کی وزارت خزانہ یا بینکنگ وغیرہ کی زمام کار سنبھال لیتے ہیں جس سے ان کا کام اور آسان ہوجاتا ہے ڈاکٹر فریدی لکھتے ہیں:'' گلوبلائزیشن اور نجکاری کے نام پر حکومت سے کہا جاتا ہے کہ اشیائے ضروریہ پر سے تمام سبسڈی ختم کردی جائے۔اس لئے کہ یہ معاشی کارکردگی کے خلاف ہے جن کے پاس (ہندوستان یا کسی بھی ایسے ملک میں) پیسہ نہ ہو تو کوکنگ گیس کون خریدے؟ اگر وہ غریب ہے تو شکر کیوں استعمال کرے؟ اپنے گھر میں کیوں مٹی تیل جلائے؟ اسطرح حکومت کے خزانے پر بار پڑتا ہے۔آپ سوال کرسکتے ہیں کہ سبسڈی کا مالی بار سے بیرونی سرمایہ دار اور انکے نمائندہ عالمی ادارہ اور IMF کو کیا دل چسپی ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضروریات زندگی کے بیشتر اجزاء کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کرنے سے پیشتر ان کی قیمتوں کو نفع بخش بنانا ضروری ہے صحت، بجلی، پانی ان سب کے بازار کی قیمتوں کو منافع بخش بنائے بغیر نجی زمرہ کو دل چسپی نہیں ہوسکتی۔'' (زندگی نو جنوری ۲۰۰۱ء)

جو کام کرسکتا ہے وہی جی سکتا ہے جو معاشی مسابقت کے لائق ہے اسی کو زندگی جینے کا حق ہے، صلاحیت مند ہی آگے بڑھ سکتا ہے یعنی sirvival of the fitest آج کی معاشی اخلاقیات کا ضروری حصہ ہے۔نتیجہ میں تسابق للبقاء ہی نہیں تنازع للبقاء کی صورت حال پیدا ہوتی ہے اور مقامی پرائیوٹ اور آزاد مارکیٹ میں competition ہوتا ہے اقتصادیات میں مسابقت بھی سرمایہ ہی کی طرح ضروری ہے اور چونکہ پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک نہ زیادہ سرمایہ رکھتے ہیں نہ جدید ٹیکنالوجی کی سہولت ہی انھیں حاصل ہے لہٰذا جب ملٹی نیشنل کمپنیاں ان ملکوں میں آتی ہیں تو ملکی صنعتیں قدیم دست کاریاں اور مقامی ذرائع پیداوار کے لئے مصیبت کھڑی ہوجاتی ہے بین الاقوامی کمپنیوں کا مقابلہ ان کے بس کی بات نہیں نتیجہ میں وہ بالکل دم توڑ جاتی ہے۔

## گلوبلائیزیشن کے اثرات:

گلوبلائزیشن کے سلسلہ میں اخذ ورد اور بحث ومباحثہ کا سلسلہ سب سے پہلے مغرب میں ہی شروع ہوا اور اس پر شدید ترین تنقیدیں خود مغربی علماء نے کی ہیں۔ڈاکٹر ابراہیم ابو ربیع چارلین اسپرٹنک کے حوالے سے لکھتے ہیں:'' آج ہمیں باور کرایا جاتا ہے کہ دنیا سمٹ گئی ہے فیکس، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی بدولت لمبی مسافتیں کم ہوگئی ہیں، دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے، انسان ایک دوسرے سے اس طرح متعلق ومربوط ہوگئے ہیں کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہ بات درست بھی ہے اس کے برعکس صورت حال بھی پیدا ہوگئی ہے نئی زندگی کی تشکیل علیحدگی، انفرادیت اور دوری کے عناصر سے ہی ہے۔نیا انسان اپنے کو کہیں کھویا ہوا محسوس کرتا ہے،نفسیات کے ماہرین کہہ رہے ہیں کہ حزن وتفکر اور مایوسی کے کیسوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔سوسائٹی میں دوستوں، قریبی عزیزوں اور اہل خانہ کے مابین تعلقات اتنے گھٹ گئے ہیں جن کے تعلق سے گذشتہ نسلوں نے سوچا بھی نہ ہوگا''۔(اسلامیہ المعرفۃ: شمارہ ۲۱، ۲۰۰۰ء ص:/۱۰، المعہد العالمی الاسلامی، امریکہ)

ایک دوسرا مغربی''عالم جان ہارس''یوں تبصرہ کرتا ہے:

''علم جس کے حصول کا موقع سب کو بغیر کسی معاوضہ کے اور سوسائٹی کی بہبود کی خاطر تھا اب وہ خفیہ اور مادی فائدہ کے لیے ہوگیا ہے پہلے اہل علم علمی طور پر آزاد رہنے کو ترجیح دیتے تھے اب وہ اپنے علمی پراجیکٹ اور منصوبے سرمایہ فراہم کرنے والے کارپوریشنوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق بناتے ہیں۔اب یونیورسٹی کے اساتذہ بھی ان کمپنیوں کے مفاد میں کام کرتے ہیں اور ان کے لیے ریسرچ کرتے ہیں جو انہیں تنخواہیں دیتی ہیں اس لیے یونیورسٹی کو کم تنخواہوں پر اس کے معاون رکھنے پڑتے ہیں پہلے یونیورسٹی کے صدر اور وائس چانسلر حضرات ان اداروں کے لیے فکری رہنما ہوتے تھے اب وہ گردش میں رہنے والے تاجر ہوگئے ہیں۔''(حوالہ سابق) بی کارلین کی رائے ہے:''Competition اور مقابلہ آرائی پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام نے جو صرف اپنے مفادات اور معاشی فائدوں سے غرض رکھتا ہے، روئے زمین پر یلغار کردی ہے جس کے ساتھ متعدد ملٹی نیشنل کمپنیاں کام کررہی ہیں جو سرمایہ داری کا مستقبل اس میں دیکھ رہی ہیں کہ نئے امکانات اور نئی مارکیٹس کی تلاش کی جائیں وہ عالمی مسابقت کی فضا بنا رہی ہیں جس میں حکومت اور ریاست کو کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔''

(دیکھیں ڈی کورنائن CapitalPrive ص:/حوالہ بالا)

سرمایہ دارانہ نظام کا یہ رخ جنوبی اور آتش بار ہے کیوں کہ کوئی عالمی کثیر قومی سیاسی اور اقتصادی نظام موجود نہیں جس کے تحت وہ کام کرے،اس مادر پدر آزادی کے رجحان پر ڈیکورنائن (CapitalPrive P.9) کہتے ہیں کہ'' نئے لبرل ازم کے سایہ میں عالمی حکومتوں اور اپنے سرپرست عالمی اداروں کے تعاون سے خاص پورشنوں نے فلاح اور خوش حالی سے معمور سماج کے خوش کن خیال کی ترویج شروع کی، یہ کمپنیاں سامان بناتی ہیں لیکن اپنے کاموں میں اکثر اپنے حدود سے تجاوز کرتی ہیں ان کے وجود کی علت اور واحد محرک صرف نفع اندوزی ہے،ان کے اہداف اور وسائل کے مابین زبردست فرق پایا جاتا ہے۔

سمیر امین اپنی کتاب 'فی مواجھۃ عصرنا''میں لکھتے ہیں:'' عالمی فائدہ کی ایک نئی نوعیت اور طریقۂ کار کے لیے سازگار گلوبل ماحول کے مقامی اور قومی معاشیات پر بڑے برے اثرات پڑے ہیں۔اس لیے کہ یہ فضائے قواعد اور اقتدار کے مجموعہ کے ساتھ آئی تھی جو قومی اور مقامی باشندوں کی تاریخ، روایات اور تہذیبوں سے میل نہیں کھاتے کہ سرمایہ داری کی منطق ''جتنی جلد اور جتنا زیادہ فائدہ اٹھانا چاہو اٹھالو'' کے نظریہ پر مبنی ہے،اسے بہتر اقتصادی

واجتماعی روایات کی پاسداری یا بڑھوتری سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔"
(ص:۲۰-۲۱ حوالہ بالا)

ان ملٹی نیشنل کمپنیوں میں جو گلوبلائزیشن کا سیلاب لارہی ہیں ایک امریکی کارپوریشن جنرل موٹرس نے سال ۲۰۰۰ء میں ۱۷۰/ملکوں میں نوے لاکھ گاڑیاں ایکسپورٹ کیں، ۴۰/ملکوں میں اس کے تقریباً ۴/لاکھ ورکروں نے کاریں بنانے کے لیے ۵/ہزار سے زائد پارٹس جمع کیے، دنیا بھر میں ۱۲۰۰۰/ذرائع سے ۱۸۰/ملین پاؤنڈ کے برابر میٹریلز جنرل موٹرز کو دیئے گئے، یہ کارپوریشن سات براعظموں میں سے ۶/براعظموں میں تقریباً ۲۰۰/مقامات پر گاڑیاں بناتا ہے، ان مصنوعات کو بیچنے کے لیے اس کے ایک لاکھ ۴۰/ہزار ڈیلرز کام کررہے ہیں۔ (عبدالرحیم AL HARMONY اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱)

انفوسز جو ہندوستانی انفارمیشن ٹیکنالوجی کی علم بردار کمپنی ہے، کو ایک کثیر لسانی پروگرام ڈیولپ کرنے کا کنٹریکٹ ملا، اس ویب سائٹ میں کئی علمی زبانوں کی شمولیت تھی، یہ کام انفوسز کے بنگلور آفس میں کیا گیا اور اس کے لیے ایک اسپینی ترجمہ ایجنسی کی مدد لی گئی، باقی سب کام انٹرنیٹ پر درجنوں پروگراموں کے ذریعہ انجام دیا گیا، ان کثیر لسانی پروگراموں کو بھی یکجا ملنے کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ دوسری بار بنگلور آنا پڑا، (حوالہ بالا)

ٹیلی کمیونیکیشن اور انٹرنیٹ کے ذریعہ کمپنیوں کو مختلف علاقوں میں تیز تر کام کرنے مارکیٹنگ، ریسرچ، اور ترقیاتی کاموں کو کمپیوٹر اور ٹیلی کانفرنسنگ سے مربوط کرکے چشم زدن میں انجام دینے کی محیر العقول سہولت مل گئی ہے۔ اس نئے مواصلاتی انقلاب نے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور کارپوریشنوں کے تیز تر اور آسانی سے کھربوں صارفین تک پہنچنے اور اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ کے عمل کو آسان بنادیا ہے۔

دی اکانومسٹ کے ایڈیٹر فرانسس کیرینکروس نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے ''مسافتوں کی موت'' سب سے اہم ترین واحد معاشی عنصر ہوگا جو آئندہ صدیوں میں انسانی سماج کو بدل کر رکھ دیگا۔ (حوالہ بالا) گلوبلائزیشن کے اثرات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''گلوبلائزیشن سے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اچھی کوالیٹی کے سامان ملنے لگے۔ نمبر ایک کے سامانوں کی قیمت گھٹی، برآمدات کی مالیات میں اضافہ ہوا، سود شرح میں کمی آئی، بیرونی بہتر زر مبادلہ کی تشکیل ہوئی۔ بیرونی درآمدات کی آزادی اور آزاد بیرونی سرمایہ کاری کو اچھی ٹیکنالوجی میسر آئی، شہری آبادی میں روزگار کے مواقع بڑھے، پیشہ وارانہ مہارت کے حاملین کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ ایکسپورٹ اور فارن ایکسچینج زر میں غیر معمولی بڑھوتری ہوئی، مقامی شرح سود میں تخفیف بھی گلوبلائزیشن کے اپنے اثرات میں شامل ہیں، صحت مند معاشی کارکردگی کے یہ ثبوت بتانے کے لیے کافی ہیں کہ گلوبلائزیشن کے اپنے مثبت اثرات بھی ہیں (عبدالرحیم اکتوبر ۲۰۰۱ء AL HARMONY) نوبل انعام یافتہ معاشیات کے ہندنژاد پروفیسر امرتیہ سین کی ایک تازہ تحقیق کے مطابق دنیا کے تین ملین لوگ روزانہ ۲/امریکن ڈالر سے کم پر زندگی گزارتے ہیں ۱۰۳/ملین لوگوں کو ضرورت بھر پانی میسر نہیں ۱۳۰/ملین بچے اسکول نہیں جاسکتے اور بھکمری سے پیدا شدہ بیماریوں کا روزانہ ۴۰۰۰ بچے شکار ہوجاتے ہیں (حوالہ بالا) اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ گلوبلائزیشن نے جن خوش حالیوں اور بہتر نتائج کے سبز باغ دکھائے تھے وہ اب تک پورے نہیں ہوئے۔
(جوزف اسٹگلز Globlizatin and its doscontetnts ص/۳۳)

اس کے سارے فوائد چند ثروت مندوں نے سمیٹ لیے کمزوروں اور غریبوں کو کچھ نہیں ملا۔ ہندوستان جیسے ممالک میں صورت حال کچھ بہتر نہیں ہے متبادل اکانومک سروے جو انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈمنسٹریشن کے ایک سینئر ماہر معاشیات ڈاکٹر کمل نارائن کبرا نے کیا تھا یہ بتاتا ہے کہ 1999-2000 کے پہلے آٹھ مہینوں میں اوسط اور بھاری درجہ کی گاڑیوں کے پروڈکشن میں ۶۸/فیصد کا، سافٹ ویئر میں ۶۰/فیصد کا، ٹیلی ویژن میں ۲۵/فیصد کا، اضافہ ہوا ہے، جبکہ احمد آباد کی ۱۸/ٹیکسٹائل ملز میں سے ۳۲/کام کررہے تھے اور ۲۴۰۰۰/چھوٹے اسٹیل کے کارخانے کمزور اور سقیم قرار دیئے گئے جس پر ۶۷/فیصد حصہ میں اسٹاک مارکیٹ میں ۴۰۰،۰۰۰/کروڑ کمائے جبکہ یہ ہندوستان کے کل زرعی سیکٹر کی آمدنی کے برابر ہے جس پر ۶۷/فیصد لوگ روزی روٹی کے لیے انحصار کرتے ہیں (ڈاکٹر کمار اسسٹنٹ پروفیسر فار اکنامک اسٹڈیز اینڈ پلاننگ کا جائزہ) انڈین سافٹ ویئر انڈسٹری میں ہندوستان کو کافی کچھ کامیابی کا احساس ہے جبکہ آئی ٹی کمپنیوں میں صرف پچاس ساٹھ ہزار لوگ ہی ملازم ہیں بایں ہمہ کام کے لائق ۶۳/فیصد لوگ کھیتی باڑی کرکے پیٹ پالتے ہیں۔ ان کا حصہ کل g.d.p. کا ۲۵/فیصد سے بھی کم ہے اس سے تو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ گلوبلائزیشن اپنے جلو میں کس طرح معاشی برابری اور ناانصافی لے کر آئی ہے۔

گلوبلائزیشن کا ایک اور ناخوشگوار اثر بڑھتی ہوئی مادیت وصارفیت ہے جو تعیش اور خوش حالی کی زندگی سے بھی آگے بڑھ کر ایک چیز ہے وہ ایک طرح کا مصنوعی مذہب بن گیا ہے جہاں دولت اور مادہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ کلچر نے انسان کو مشین کا ایک پہیہ بنادیا ہے جسے مشین کے ساتھ چلنا ہے اور اس کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا انسانیت کی فلاح کے بجائے، اس کا اصل مقصد زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنا ہے جتنا زیادہ وہ کمانے اور دولت سمیٹنے کی ہوڑ میں لگتا ہے اتنا ہی اس کا وجود دوبھر ہوتا جارہا ہے، مادی کلچر میں آدمی کی سماجی حیثیت کا تعین اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ صارفیت کی کتنی صلاحیت رکھتا ہے اس سے خوش حال بننے کا مصنوعی شعور پیدا ہوتا ہے آدمی بلا مقصد شاپنگ کرتا رہتا ہے تحقیقات بتاتی ہیں کہ مادیت سے مایوس غصہ اور غیر معقول انتہاپسندی پیدا ہوتی ہے، خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ گلوبلائزیشن سے حاصل شدہ خوشحالی سے شادمانی اور خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ (عبدالرحیم صفحہ۷ Al-harmoney اکتوبر دسمبر)

گلوبلائزیشن کے اوپر سب سے سخت تنقید ماحولیات کے تحفظ کے اداروں

اور کارکنوں کی طرف سے ہوئی ہے ان کے مطابق اس کے نتیجہ میں مہنگے پروڈکشن پروگراموں سے گلوبل وارمنگ بڑھ رہی ہے، ماحول کی کثافت میں اضافہ ہو رہا ہے، طبعی اختلافات ختم ہو رہے ہیں اور اورزون کی سطح گھٹ رہی ہے، سائنس دانوں کے نزدیک یہ مشکلات ارضی اور فطری وسائل و ذرائع کے بے جا استعمال اور استحصال کی بنیاد پر زہریلی گیسوں، مخدر اشیاء اور مضرت رساں مادوں کے خارج ہونے سے پیش آ رہی ہیں۔

ایک نئی رپورٹ بعنوان گلوبل ماحولیاتی نظام کا رہنماء تجزیہ (Pilot analysis of Global Eco system) کے مطابق زمین کا ماحولیاتی نظام سخت دباؤ کی کیفیت سے دوچار ہے۔

# تہذیبی کشمکش میں این، جی، اوز کا کردار

از : مولانا غلام اللہ حقانی

ساری دنیا میں مختلف سطحوں پر کام کرنے والے ''این جی اوز'' کے کردار پر ایک عرصہ سے سوالیہ نشان لگایا جاتا رہا ہے، کیونکہ دنیا کے تقریباً تمام ہی ملکوں میں ان کے اپنے ذرائع، وسائل اور ترقیاتی منصوبوں کے باوجود وہاں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں این جی اوز کا عمل دخل بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اب ایک سوال یہ بھی اٹھایا جا رہا ہے کہ کہیں ان غیر سرکاری تنظیموں (N.G.Os) کی حیثیت وہی تو نہیں جس طرح انگریزی استعماریت کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی۔ حال ہی میں لاہور کے ایک ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' میں شائع ایک مضمون میں عالمی سطح پر این جی اوز کے کردار اور مقاصد پر بعض چونکا دینے والے انکشافات کئے گئے ہیں، تاہم یہ مضمون پاکستانی معاشرے کے پس منظر میں ہے۔ ایک نقطۂ نظر کے طور پر اور ندائے خلافت کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون قارئین کی نذر ہے۔

علوم وفنون کی ترقی، سائنس وٹیکنالوجی کی کارآمد دریافتیں، ٹیلی کمیونیکیشن اور ٹرانسپورٹیشن میں عظیم انقلاب نے پوری دنیا کو ایک عالمی گاؤں Global Village بنا دیا ہے، آج مشرق یا مغرب، شمال یا جنوب پوری دنیا سماجی اور معاشرتی اعتبار سے ایک خطہ بن چکی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر ان ترقیوں کی سربراہی کا شرف جس ٹولے کو حاصل ہے اب ان کا ارادہ ہے کہ جس طرح ہماری محنت اور جدوجہد سے پوری دنیا ایک ہوگئی ہے، اب اس دنیا میں زندگی گزارنے کے جو طریقے ہوں گے وہ بھی ہم دیں گے اس نظام زندگی کا نام انہوں نے New World Order جو اپنی اصل کے اعتبار سے Jew World Order ہے رکھا ہے، یعنی ''یہود کا خود ساختہ نیا نظام زندگی'' اب ان کی پوری کوشش ہے کہ دنیا جلد از جلد اس تہذیب میں رنگ جائے۔

قدیم تہذیب کو جدید تہذیب میں بدلنے کی اس کوشش میں زندگی کے تمام گوشے بری طرح متأثر ہوئے ہیں، سیاست، معیشت، اخلاق، مذہبی اقدار، رنگ ونسل کے پیمانے بلکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں پر اس تبدیلی کے اثرات نہ پڑے ہوں۔ چنانچہ اس بڑی اور عظیم تبدیلی سے آج پوری انسانیت ایک کربناک صورتحال سے دوچار ہے۔

پھر اس سانحہ کا یہ پہلو انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ایک طرف تہذیب جدید کی ایک شکل کیمرے کی آنکھ میں خوشنما اور دلکش بنا کر اطمینان بخش اور پرسکون زندگی کے روپ میں دکھائی جاتی ہے، جبکہ دوسری تہذیب جدید کا عملی مشاہدہ یہ ہے کہ اس نے انسانی آبادیوں میں غربت، بھوک وافلاس، بے روزگاری، مہنگائی، عصمت فروشی، حیوانیت اور درندگی کو رواج دیا ہے۔ گویا کہ ایک طرف کمیونٹی سنٹروں حتیٰ کہ ایوانوں

میں غربت ختم کرنے، انسانیت کے دکھ درد بانٹنے اور انسانیت کو پریشان کن صورتحال سے نکالنے، جان و مال کا تحفظ، قانون کی حکمرانی اور امن و آشتی کی باتیں کر رہے ہیں جس کی بڑے پیمانے پر تشہیر بھی کی جاتی ہے۔ لیکن دوسری طرف آئے روز انسانوں کے مسائل میں بے تحاشہ اضافہ ہو رہا ہے۔ جس سے بہت بڑے پیمانے پر انسان انسانیت کے دائرے سے نکل کر حیوانیت کے دائرے میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہود اس وقت کرۂ ارضی پر شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں چنانچہ عالمی سطح پر وہی اس تہذیب جدید کو بڑھاوا (Promote) دے رہے ہیں جبکہ ملکی اور علاقائی سطح پر ان کے زیر اثر عیسائی اور مسلمان ممالک کے حکمران ہیں جو اِس کام میں بڑھ چڑھ کر ان کی معاونت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

یہود نے سازش کے ذریعے پہلے عالمی وسائل پر قبضہ کیا۔ آئی ایم ایف (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن، ورلڈ بینک، ٹریف، ناٹو، یہود کے ادارے ہیں ان اداروں کے ذریعے یہود پوری دنیا کے وسائل کو کنٹرول کر کے اس شیطانی اور دجالی تہذیب کو انسانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس دجالی تہذیب کا Main Theme (لب لباب) یہ ہے کہ انسان کو شرف انسانیت سے عاری کیا جائے، یہی وہ ایجنڈہ تھا جس کا اعلان شیطان لعین نے اولِ روز سے اللہ کے روبرو پیش کیا تھا۔

اعلان دراصل اس پاکیزہ زندگی کے خلاف تھا جو کائنات کے بنانے والے نے انسانوں کو دیا تھا۔ وہ زندگی جو شرافت و صداقت، دیانت و امانت، وقار و احترام، غیرت و حمیت، ہمدردی و غمگساری، عدل و انصاف اور مرد و زن کیلئے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے جیسے اعلیٰ اور پاکیزہ اصولوں پر مبنی تھی۔ ابلیس کا یہ اعلان دراصل اس مقدس اور پاک وصاف تہذیب و تمدن کے خلاف تھا جو انسانوں کو اللہ نے ان کے دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کیلئے دیا تھا۔ چنانچہ اول روز سے ابلیس اور اس کے کارندے اس پاکیزہ تہذیب و تمدن کے ان بنیادوں کو ڈھانے کے درپے ہیں جس پر اللہ نے اس تہذیب و تمدن کو استوار کیا ہے۔

اس وقت یہود اپنی پوری قوت کے ساتھ اس تہذیب پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ اس پاکیزہ تہذیب کو ختم کرنے کیلئے یہود جہاں دوسرے ذرائع اور حربے آزما رہے ہیں، وہاں وہ این جی اوز سے بھی بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ ان اداروں کا اس وقت پوری دنیا میں ایک جال بچھا ہوا ہے۔

☆ یہود ان اداروں سے جاسوسی کا کام لے رہے ہیں۔
☆ ان کے ذریعے مقامی حکومتوں کو غیر مستحکم کر رہے ہیں۔
☆ ان کے ذریعے انسانی اقدار جیسے شرم و حیاء، عفت و عصمت، شرافت و مروت، پیار و محبت اور سب سے بڑھ کر غیرت و حمیت کو تباہ کر رہے ہیں۔
☆ ان کے ذریعے غیر ملکوں میں بڑے بڑے ٹھیکے حاصل کر رہے ہیں۔

اگرچہ اس فساد اور بگاڑ کی اصل ذمہ داری یہود پر عائد ہو رہی ہے لیکن اس کام میں جو جس درجے میں یہود کا آلہ کار بنا ہوا ہے وہ اپنے اس رویے کیلئے اللہ کے ہاں اتنا ہی جواب دہ ہوگا، ہمارے ہاں ملکی سطح پر جب ان اداروں کی آمد آمد ہوئی، تو تین طبقات نے انہیں بھرپور طریقے سے سپورٹ کیا اور یہی تین طبقات یہود کی اس سازش میں برابر کے شریک ہیں۔

ان میں پہلا طبقہ سول اور ملٹری بیورو کریسی کے اعلیٰ سرکاری عہدوں سے ریٹائرڈ ملازمین کا تھا۔ یہی لوگ اپنے اپنے فیلڈ میں ماہر اور معاشرے میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے

ان اداروں نے ان دانشوروں اور اعلیٰ افسروں کی خدمات کے حصول کیلئے انہیں بڑے بڑے مراعات کی پیشکش کی تو انہوں نے بغیر دیکھے کہ اس میں دین کا کتنا نقصان ہے اور ایمان کا کتنا زوال ہے۔ اس نوکری بلکہ غلامی پر آمادگی کا اظہار کیا۔ Intellectual Level پر این جی اوز کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس لئے ان باصلاحیت افراد کے ذریعے معاشرے کو یقین دلایا گیا کہ یہ ادارے غریبوں کے ہمدرد اور غمگسار ہیں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مخلص ہیں۔ لہٰذا ان کی جتنی ممکن ہو سکے مدد کی جائے۔ ممکن ہے کہ ان پروجیکٹس کے بارے میں پہلے سے انہیں علم نہ ہو۔ کہ ان اداروں کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ لیکن ان میں داخل ہوتے ہی جب ان کے مفاسد ان پر واضح ہونا شروع ہوئیں کہ ان غیر سرکاری اداروں کا ظاہر جتنا روشن اور تابناک ہے ان کا باطن اتنا ہی سیاہ اور بھیانک ہے تو ان کو چاہئے تھا کہ خالص اللہ کی رضاء کیلئے ان اداروں سے نکل آتے اور اس کے خلاف لوگوں میں شعور اجاگر کرنے کی تحریک بپا کرتے۔

لیکن آج چونکہ مسلمان طبعی طور پر کمزور ثابت ہو رہا ہے لہٰذا اتنے بڑے مراعات جو ان لوگوں نے اپنے تئیں، چالیس سالہ سروس کے دوران نہیں دیکھے تھے، کو دیکھ کر وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی ٹیم میں شامل ہو گئے۔ ان مراعات میں 35 ہزار سے لے کر ایک لاکھ روپے تک تنخواہ، جدید ترین آرام دہ گاڑیاں، مزین دفاتر، حسین و جمیل لڑکیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے مواقع، ٹی اے، ڈی اے کی مد میں کثیر رقوم، متعلقہ کام میں ٹریننگ اور مہارت کے حصول کیلئے یورپی اور ایشیائی ممالک کے دورے۔

ان مراعات کے بدلے اس کلاس نے اپنی صلاحیتوں کو معاشرے کو مادی اعتبار سے سنوارنے اور روحانی اعتبار سے مفلوج کرنے کا کام سرانجام دیا۔ اگرچہ وہ لوگ از خود ایماندار، دیانتدار اور مخلص تھے لیکن اب ان کی ایمانداری، اخلاص اور دیانتداری کے جوہر شیطانی تہذیب کو سہارا دینے میں خرچ ہونے لگے اور یہ صرف ہمارے ملک کی بات نہیں۔ بین الاقوامی سطح پر جتنے ادارے ہیں اس تہذیبی کشمکش میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے چلانے والے، ان کو آرگنائز کرنے والے اور انہیں آگے لے جانے والے مسلمان قوم کے یہی باصلاحیت افراد ہیں۔

دوسرا طبقہ جس کی وجہ سے یہ ادارے قائم ہیں، اور مستحکم بنیادوں پر آگے

بڑھ رہے ہیں وہ مختلف اعتبارات سے ہماری سوسائٹی کے بااثر افراد ہیں جس میں چودھری، جاگیردار، سرمایہ دار، وڈیرے، خان یا وہ لوگ جن کی معاشرے میں سیاسی ساکھ قائم ہیں، کے نام آتے ہیں۔ غیر سرکاری ادارے جب بھی کسی علاقے میں آتے ہیں تو ان حضرات کے ساتھ براہ راست یا پولس اسٹیشن کے ذریعے سے رابطہ قائم کرتے ہیں، چنانچہ آگے یہی لوگ ان کے پروگرام ترتیب دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کو تحفظ دینا، ان کیلئے دفاتر کا بندوبست کرنا، ان کیلئے پروگرام رکھنا، ان کے املاک اور جان و مال کی حفاظت کرنا یہی بااثر لوگ اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہیں۔ اِس خیر خواہی کے بدلے این جی اوز ان کو مختلف قسم کے مراعات دیتے ہیں۔ ان کیلئے ذاتی اسکیمیں مقرر کرنا۔ ان کے ایماء پر لڑکے اور لڑکیاں بھرتی کرنا، مراعات کی تقسیم ان کے سپرد کرنا، ان کے قریبی رشتہ داروں کو پروجیکٹ میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات کرنا۔

پھر غیر سرکاری اداروں کو چونکہ حکومتی سپورٹ بھی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اس طبقے کی رسائی آسانی سے حکومتی حلقوں تک بھی ہو جاتی ہے چنانچہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں اور ان بااثر افراد کے جوڑ سے ایک طرف عالمی ایجنڈہ کی تکمیل میں این جی اوز کو کافی آسانی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اسلام فروشی اور ضمیر فروشی پر مراعات کے اس بندر بانٹ میں یہی دو طبقے برابر کے ساجھی بن جاتے ہیں۔

تیسرا طبقہ جس کی وجہ سے غیر سرکاری اداروں نے ابھی تک مضبوطی سے قدم جمائے ہیں دیندار طبقے کے بے ضمیر اور بے ایمان عناصر ہیں، پہلے پہل جب این جی اوز ہمارے ہاں متعارف ہوئے تو سب سے بڑھ کر دیندار طبقے نے اس پر واویلا مچایا کہ یہ لوگ تعمیر و ترقی اور مصنوعی خوشحالی کی آڑ میں ہمارے دینی اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کو ختم کر رہے ہیں لہٰذا اسے فی الفور روکا جائے لیکن اس آواز کو Intellectual Level پر بیوروکریٹس نے، سیاسی سطح پر بااثر افراد نے اور مذہبی سطح پر درباری اور بے دین قسم کے مولویوں نے دبایا۔ آج ان اداروں میں جہاں پہلے اور دوسرے طبقے کے لوگوں کی کافی تعداد ان اداروں کے دیئے گئے مراعات کو Enjoy کر رہے ہیں وہاں ان بے ضمیر اور بے ایمانوں کی بھی ایک بڑی کھیپ اس حرام خوری میں ملوث ہے اس سانحے کا پریشان کن اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ایک طرف این جی اوز مسلمانوں میں اخلاقی بے راہ روی، جنسی آوارگی، چادر اور چاردیواری کی تقدس کی پامالی، اسلامی تہذیب کے پاکیزہ اصولوں اور انسانی اقدار پر شب خون مار رہی ہے اور دوسری طرف ایسا لٹریچر اور ویڈیو میٹریل تیار کر رہے ہیں جس سے ان کا مقصد قرآن و سنت کے آفاقی پروگرام میں تحریف کرنا ہے۔ لہٰذا ایک طرف غیر سرکاری ادارے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور اخلاقی نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور دوسری طرف اسلام کے مقدس اصول و ضوابط جیسے اسلام میں عورت کے حقوق، اسلام کے حدود و تعزیرات مرد و عورت کی ذمہ داریوں کا تعین، زنا، خلع، نکاح، طلاق، شراب نوشی، ، سود، عورت کی امامت و خطابت جیسے اہم خالص دینی موضوعات پر ایک ماڈریٹ تصور کے مطابق کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔ جن کے ذریعے اسلام کی مقدس تعلیمات کو مسخ کیا جا رہا ہے۔

پھر اس وقت چونکہ میڈیا پر یہود کا مکمل کنٹرول ہے لہٰذا اس مقصد کے حصول کیلئے رسائل و جرائد اور اخبارات کے ذریعہ تشہیری مہم چلائی جا رہی ہے جبکہ ٹی وی اسکرین کے ذریعے مذکورہ موضوعات پر Table Talks Debates منعقد کر کے عوام کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن پاک کی قدیم تشریحات آج کے اِس جدید دور کے تقاضے پورے نہیں کر رہی ہیں۔ لہٰذا اب قرآن کی ایک جدید تعبیر کی ضرورت ہے اِس ضمن میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ غیر سرکاری ادارے جب بھی اپنا کوئی پروگرام Arrange کرتے ہیں تو اگرچہ ایجنڈہ میں ترقیاتی اور تعمیری کام سرفہرست ہوتے ہیں لیکن پروگرام کے اختتام پر کتابیں، ویڈیو، آڈیو میٹریل کو بھی تقسیم کیا جاتا ہے جس میں ان چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔

''اکنامسٹ'' مغرب کا سب سے اہم جریدہ ہے۔ اکنامسٹ نے این جی اوز کے بارے میں اس نقطہ نظر کو جس کا نظریہ راقم نے اوپر کے سطور میں بیان کیا ہے اپنے انداز سے بیان کیا ہے چنانچہ آگے جو رائے آ رہی ہے وہ کسی بنیاد پرست مسلمان کی نہیں، بلکہ یہ مغرب کے بارے میں مغرب کی اپنی گواہی ہے اور گھر کی گواہی سے بڑھ کر معتبر گواہی کس کی ہو سکتی ہے؟

''دنیا بھر میں کام کرنے والی این جی اوز وہ کام نہیں کرتی جس کا وہ بظاہر دعویٰ کرتی ہے یہ دراصل ان حکومتوں کے اغراض و مقاصد اور مفادات کو آگے بڑھاتی ہے جو حکومتیں ان کو امداد دیتی ہیں گویا یہ ادارے ان نظریات کے فروغ کیلئے کام کرتے ہیں جو امداد دینے والوں کا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ یو ایس ای کے ایک سابق ڈائریکٹر'' کیرل لنکاسز'' کے بقول اقوام متحدہ کے ادارے ورلڈ فوڈ پروگرام کی ساری امداد ان اداروں کے ذریعے تقسیم ہوئیں۔ 1990ء تا 1994ء کے دوران یوروپی یونین کی امدادی اشیاء انہیں اداروں کے ذریعے تقسیم ہوئیں۔ 1998ء میں امدادی ادارے کی رقم جو سولہ کروڑ بیس لاکھ ڈالر ملے اس کا چوتھا حصہ برطانیہ اور یوروپی یونین نے دیا تھا، امریکی ادارہ ورلڈ ویژن جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ''خود مختار اور دنیا بھر میں نجی امداد سے بننے والا سب سے بڑا عیسائی ادارہ ہے'' اس ادارے کو 1998ء میں 5 کروڑ 85 لاکھ مالیت کا سامان امریکی حکومت نے دیا تھا۔ (M.S.F.) میڈیلیسز فرنٹیئر ز ایک ایسی این جی اوز ہے جس کے نام کا ہی مطلب ہے کہ اس کا کسی سرحد سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے پچھلے سال امن نوبل انعام بھی ملا تھا اسے اپنی آمدنی کا 46 فیصد حصہ حکومت سے ملتا ہے''

1993ء سے 1996ء کے اختتام تک کینیا میں جو این جی اوز قائم ہوئیں۔ ان میں اکثر کو غیر ملکی حکومتوں اور عالمی اداروں سے رقوم ملیں۔ افریقہ میں پچھلے سال امریکہ نے 71 کروڑ ڈالر سے زیادہ مالیت کا امدادی سامان تقسیم کروایا جو یو

ایس ای کے ذریعے این جی اوز کو ملا۔ ان اداروں کے ذریعے اتنی رقوم تقسیم ہوتی ہے جتنی رقوم ورلڈ بینک بھی تقسیم نہیں کرتا۔ ان میں اکثر کی سالانہ آمدنی لاکھوں ڈالر میں ہے اسی کے پیش نظر اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کے منتظمین کا کہنا ہے کہ وہ این جی اوز سے زیادہ تعلقات قائم کر رہا ہے۔

الغرض این جی اوز کا ظہور اجتماعیات کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے ان تنظیموں نے متوازی حکومت کی جگہ حاصل کر لی ہے۔ مستقبل میں یہ تنظیمیں قومی حکومت کا متبادل بن جائیں گی اور گلوبلائزیشن کے نئے دور میں ان غیر سرکاری اداروں کو حکومت کے تمام اختیارات منتقل ہو جائیں گے اور اختیارات کے ملتے ہی دنیا کے تمام معاشروں سے احتساب، محاسبہ، جوابدہی، اقتدار میں لوگوں کی شرکت، اجتماعی مفاد، خدا خوفی، رحمدلی، بندوں سے محبت، شرافت، خاندان اور رائے عامہ جیسے اقدار ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ معاشرہ ان اداروں کے رحم و کرم پر ہوگا اور یہ ادارے نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور نہ کسی کے محتاج ہوں گے۔

این جی اوز اپنی جڑیں معاشرے کے باطن میں پیوست کر رہی ہیں۔ ان کے ذریعے مغرب تک تیسری دنیا کے بارے میں وہ حیرت انگیز معلومات، اطلاعات اور انکشافات پہنچے ہیں جو سی آئی اے اور دیگر خفیہ تنظیمیں کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی حاصل نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ باہر کی حکومتوں کا این جی اوز پر اعتماد دن بدن بڑھتا جا رہا ہے چنانچہ اکثر مغربی ممالک غیر ملکوں میں اپنے سفارتی عملہ کی کمی کر رہے ہیں۔

مسلم ممالک میں این جی اوز ایک طویل عرصے سے ملکی سالمیت اور خاندانی نظام کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ جن کو مغربی ممالک بالخصوص یہودی لابی کی مکمل سرپرستی حاصل ہے۔ اس صورت حال میں این جی اوز کے مقاصد و اہداف کا ادراک کرنا اور ان کے خلاف ایک جامع اور پائیدار حکمتِ عملی تیار کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ عوام میں شعوری بنیادوں پر ان کے بارے میں بیداری پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہمارے معاشرے میں جو جاہلانہ رسومات طویل عرصہ سے چلی آ رہی ہیں۔ خصوصاً عورت کے حوالے سے نکاح، طلاق، وراثت، عزت کی خاطر قتل، عدل کے بغیر کثرتِ ازواج جیسے مسائل کو قرآن وحدیث کے مطابق حل کرنے کیلئے ہمیں پوری طاقت کے ساتھ آگے آنا ہوگا۔ کیونکہ انہیں مسائل میں معاشرے کے ساتھ نا انصافی کی وجہ سے این جی اوز کو ہمارے معاشرے میں کام کرنے کے راستے مل جاتے ہیں۔

علمائے کرام اور دیندار مسلمانوں سے اپیل ہے کہ وہ تمام این جی اوز کا تحقیقی مطالعہ کر کے ان کے اہداف و مقاصد کا جائزہ لیں۔ اور ان مسائل کو قرآن وسنت کے مطابق حل کرنے کی کوشش کریں۔ جن مسائل کا مغربی حل این جی اوز کے ذریعے ہمارے معاشرے پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

# پندرہویں صدی کا اعلامیہ:

از: ڈاکٹر بھرت جھن جھن والا

''زیر نظر آرٹیکل ہندی زبان کے مشہور و ماہر اقتصادیات جناب ڈاکٹر بھرت جھن جھن والا کے فکر و نظر کا مرہون نگارش ہے اِس اہم مضمون میں ترقی یافتہ ممالک ''اقوام متحدہ'' کوفی عنان، یونیسکو، یونیسیف وغیرہ کے ذریعے ہو رہے استحصال، اقتصادی بے انصافی اور ظلم کی قلعی بہت سادہ اور عام فہم انداز میں کھولی گئی ہے۔ مضمون نگار اِس سے قبل بھی امریکی اور مغربی اجارہ داری اور لوٹ کھسوٹ پر مدلل انداز میں لکھتے رہے ہیں اور بہت عام فہم انداز میں ظالموں کے ظلم کو عیاں و عریاں کرتے رہے ہیں، ساتھ ہی اس سے مقابلہ کی راہ بھی بتاتے ہیں۔

اس مضمون میں بھی موصوف نے مغرب اور اُس کے ایجنٹ اقوام متحدہ سے بھی نمٹنے کیلئے ایک پانچ نکاتی پروگرام بھی بتا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے تعلق سے اس طرح کے فریب کو چاک کرنے والی آوازیں مسلمانوں کی طرف سے تو اٹھائی جاتی رہی ہیں مگر اُسے تعصب کا لقب دے کر رد کر دیا جاتا تھا۔ مگر اب تو ایک غیر مسلم ماہر اقتصادیات بھی وہی بات کہہ رہا ہے اور عام فہم دلائل کی روشنی میں کہہ رہا ہے۔ یہ مضمون اس غرض سے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ عوام ان دھوکہ بازوں اور لٹیروں کے مکروہ چہروں پر چڑھی خوبصورت نقابوں کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ اور مزید دھوکہ کھانے کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی جستجو پیدا کریں''۔

اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کوفی عنان خوش ہیں۔ چار سال قبل ان کی قیادت میں اقوام متحدہ نے آٹھ سینکٹروں میں ملینیم ڈیولپمینٹ نشانے مقرر کئے تھے، بھکمری، پرائمری تعلیم، خواتین کی با اختیاری، بچوں کی شرح اموات، زچہ صحت، بیماری، ماحولیات اور ترقی کی عالمی شراکت داری۔ ستمبر میں جاری رپورٹ میں مسٹر عنان نے ان نشانوں کے حصول میں کامیابی پر خوشی ظاہر کی ہے انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ آنے والے وقت میں ترقی کیلئے ۵۰/ارب ڈالر کی اضافی امداد کی ضرورت ہوگی جسے امیر ممالک کو دینا چاہئے۔

یقینی طور سے بھکمری وغیرہ کے نشانوں میں بہتری ہوئی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ یہ بہتری بنیادی مسائل کے حل سے میل کھاتی ہے یا نہیں، بندھوا مزدور کو دو کی جگہ پر تین روٹی دینے سے اس کی حالت میں سدھار آتا ہے مگر اگر اسے بتایا جائے کہ زمین دار سے تعاون کر کے ہی اس کی حالت میں مزید بہتری آ سکتی ہے، تو بغاوت کرنے اور بندھوا پن سے نکلنے کی اس کی خواہش کمزور ہو جاتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے پاس دنیا کے ۸۰/فیصدی وسائل ہیں، مگر عالمی آمدنی میں ان کا حصہ ۲۰/فیصدی ہے وجہ یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے ذریعے تیار کردہ مال کی قیمت آپسی مقابلہ آرائی کے سبب گھٹ رہی ہے۔ دوسری طرف امیر ممالک کے ذریعے تیار کردہ مال کی قیمت پیٹنٹ قانون کی آڑ میں بڑھ رہی ہے۔ باسمتی چاول کی قیمت گھٹ رہی ہے مگر بل گیٹس

ونڈوز سافٹ ویئر کو اونچی قیمتوں پر بیچ رہے ہیں، مسٹر عنان نے اس صورت حال کا اعتراف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "مال کی گرتی ہوئی قیمت برآمد کار ممالک کیلئے اہم چیلنج ہے"۔ بین الاقوامی برادری کو اس مسئلہ سے نمٹنے کیلئے نئے سرے سے کوشش کرنے چاہیئے، یہ نئے راستے کیا ہوسکتے ہیں؟ اس پر مسٹر عنان خاموش ہو جاتے ہیں۔ مگر امیر ممالک سے تعلیم وغیرہ پر مدد مانگنے میں ان کی بولی کھل جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے بنیادی مسائل کے تئیں وہ غیر سنجیدہ ہیں، یوں سمجھئے کہ ہمارا کسان بچوں کو اسکول نہیں بھیجتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے پیدا کردہ چاول کی قیمت گر رہی ہے۔ مسٹر عنان بچے کو اسکول بھیجنے کیلئے امیر ممالک سے زیادہ مدد مانگتے ہیں، لیکن ترقی پذیر ممالک کی پیداواروں کی کم قیمتوں کے مسئلے کو ٹھنڈے بستے میں ڈال کر چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے ہماری کمیٹیاں بنا کر کرتی ہے۔ غریب کسان کی غریبی برقرار رکھتے ہوئے اسے مفت تعلیم دینا اسی طرح ہے جیسے کینسر کے مریض کو سر درد کی دوا دینا ہے۔

سچ یہ ہے کہ ملینیم نشانوں میں ترقی کے باوجود ترقی پذیر ممالک کے بنیادی مسائل بڑھ رہے ہیں۔ اس کے ثبوت مسٹر عنان کی رپورٹ میں ہی موجود ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے مال کی گرتی قیمت کا ذکر کیا جا چکا ہے، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امیر ممالک کے ذریعے غریب ممالک سے بغیر درآمدات ٹیکس ادا کئے کتنا مال خریدا جا رہا ہے۔ بنا درآمدات ٹیکس ادا کئے زیادہ مقدار میں خریداری کرنے سے ترقی پذیر ممالک کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور غریبی کے بنیادی مسئلے کا حل نکلتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سال ۲۰۰۰ میں ۶۲ فیصدی بغیر درآمدات ٹیکس ادا کئے ہوئے خریدا جا رہا تھا جو کہ سال ۲۰۰۲ میں ۵۷ فیصدی رہ گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ غریبی کے بنیادی مسائل بڑھ رہے ہیں۔ پھر بھی مسٹر عنان خوش ہیں کہ تعلیم وغیرہ کی توسیع کیلئے مدد زیادہ مل رہی ہے۔

ترقی پذیر ممالک کی عوام کا بنیادی مسئلہ روزگار کا ہے، اگر روزگار مل گیا تو وہ اپنا پیٹ خود بھر لیں گے۔ اور بچے کو اسکول بھیج سکیں گے۔ مسٹر عنان کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ روزگار کی حالت بگڑ رہی ہے، جنوبی امریکہ میں 1993 میں 12.4 فیصدی نوجوان بے روزگار تھے 2003 میں 16.6 فی صد بے روزگار ہو گئے ہیں۔ مشرقی ایشیاء میں 4.8 فیصدی سے بڑھ کر 0.7 فیصدی ہو گئی ہے، اس طرح جنوبی ایشیاء، جنوب مشرق ایشیاء، مغربی ایشیاء، برصغیر کا علاقہ اور سابق سوویت یونین میں بے روزگاری بڑھ رہی ہے، صرف امریکہ میں معمولی بہتری آئی ہے، واضح رہے کہ ترقی پذیر ممالک کے بنیادی مسائل سنگین ہو رہے ہیں۔ لیکن مسٹر عنان خوش ہیں، چونکہ ملینیم ............اصلاح ہو رہی ہے۔

اقوام متحدہ امیر ممالک کا ادارہ ہے، ان کے ووٹ اور ان کے پیسے سے یہ ادارہ چلتا ہے۔ اسلئے مسٹر عنان اپنی رپورٹ میں اس بات پر گفتگو نہیں کرتے ہیں کہ ترقی پذیر اور امیر ممالک کے درمیان نا برابری کیوں بڑھ رہی ہے؟ وہ بار بار یہی دہراتے رہتے ہیں کہ تعلیم وغیرہ کے ملینیم نشانوں میں بہتری آئی ہے، اس بات کو اوپن یونیورسٹی کے "پروفیسر گراہم تھامسن" اِس طرح کہتے ہیں "غریبی پر توجہ دینے سے نا برابری کی بات پیچھے رہ جاتی ہے، گلوبلائزیشن سے فائدہ ہوا ہے، اسے بتانے کیلئے تمام ثبوت دیئے جا رہے ہیں، جیسے غریبی کا کم ہونا، لیکن اس کے اشارے ملتے ہیں کہ نا برابری میں اضافہ ہوا ہے"۔ مسٹر عنان نا برابری کے بنیادی سوال پر چپ سادھ لیتے ہیں، جو کہ ان کی شخصیت کا تعارف کراتا ہے۔

اس وقت امیر ممالک ہندوستان، چین اور جاپان پر منحصر ہیں ان تین ممالک کے ذریعے تقریباً ۱۰۰ ارارب ڈالر سالانہ سیل ٹیکس غیر ملکی کرنسی ذخیرے کی شکل میں دوسرے امیر ممالک میں جمع کرایا جا رہا ہے، اسی سے ڈالر اور یورو مستحکم ہیں۔ مسٹر عنان ہماری توجہ اپنی اس رقم کا صحیح استعمال تعلیم وغیرہ میں کرنے پر نہیں دلاتے ہیں، بجائے اس کے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا ۱۰۰ ارارب ڈالر امیر ممالک کو دیتے رہیں، اور انہیں امیر ممالک سے ۵۰ ارارب ڈالر کے مطالبہ کو لے کر الجھے رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے ڈالر اور یورو خریدنے بند کر دیئے تو امریکہ اور یورپ کی اقتصادیات بکھر جائے گی، اور ساتھ ہی اقوام متحدہ کے موجودہ بے اثر رول کا بھی خاتمہ ہو جائے گا جس کی مسٹر عنان ترجمانی کرتے ہیں، اقوام متحدہ کی سرپرستی میں ایک بڑا ڈیولپمنٹ مافیا پل رہا ہے، جس میں یونیسیف اور یونیسکو جیسی تنظیمیں شامل ہیں، مسٹر عنان ان کی قیادت کرتے ہیں، اس پورے نظام کا مقصد ہماری توجہ بنیادی مسائل سے ہٹا کر درد سر کی مرہم پٹی کرنے پر مرتکز کرنے کا ہے، ایسا کرنے سے امیر ممالک کے ذریعے ترقی پذیر ممالک کا استحصال مستقل ہو جائے گا، ترقی پذیر ممالک تعلیم وغیرہ کیلئے مل رہی مدد کو لے کر خوش ہوں گے اور غریب بنے رہیں گے، ہمارا ایجنڈہ اس طرح کا ہونا چاہئے۔

(۱)　اپنے مال کے اوپیک جیسے کارٹل بنا کر امیر ممالک سے اونچی قیمت وصول کرنا۔

(۲) W.T.O کے اندر پیٹنٹ قوانین کو چیلنج کرنا۔

(۳)　ایسے گھریلو اور غیر ملکی صنعتوں پر پابندی لگانا جو روزگار کو نگل رہی ہے۔

(۴)　اپنی کرنسی کے ذریعے امیر ممالک کی کرنسیوں سے ہٹا کر ترقی پذیر ممالک کی کرنسیوں میں ڈالنا۔

(۵)　ان ایشوز سے ہماری توجہ ہٹانے کیلئے کام کر رہی اقوام متحدہ کی سبھی ایجنسیوں کو ملک سے نکال دینا، اگر ہم مسٹر عنان کی بات سنتے رہے تو آنے والے ملینیم میں بندھوا مزدور، مزدور ہی بنے رہیں گے۔ ہاں تعلیم اور صحت میں بہتر ہو سکتے ہیں۔

## جدت پسندی، اعتدال اور رواداری کے خوش نما عنوانات

## ایک یہودن کے خیالات کی روشنی میں

شیرل بنارڈ افغانستان میں امریکی سفیر زلمے خلیل زاد کی اہلیہ ہیں۔انہوں نے ایک امریکی تھنک ٹینک کے تحت "سول ڈیموکریٹک اسلام" (Civil Democratic Islam) کے عنوان سے ایک رپورٹ مرتب کی ہے۔جس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔یاد رہے یہ خاتون آسٹریلین یہودی ہیں۔

"ہمیں سب سے پہلے جدیدیت پسند قیادت کو آگے لانا ہوگا،لیڈروں کے لیے رول ماڈل بنانا ہوگا۔جن جدت پسند عناصر کو ماضی میں سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا ہو انہیں شہری حقوق کے ایک بہادر لیڈر کے طور پر سامنے لانا ہوگا۔

دوسرے مرحلے پر ہمیں اسلامی دنیا میں جمہوری معاشرے (سول سوسائٹی) کے فروغ کے اقدامات کی کوشش کرنی ہوگی۔اس مقصد کے لیے غیر سرکاری تنظیموں اور دیگر شہری اداروں کو آگے لانا ہوگا۔کیوں کہ کسی بحرانی صورت حال میں انہیں میں سے ایک جمہوری قیادت ابھر سکتی ہے۔

ہمیں امریکی، جرمن اور مغربی اسلام کو فروغ دینا ہوگا۔اس مقصد کے لیے افہام وتفہیم کی ضرورت پڑے گی۔ہمیں ہر صورت میں بنیاد پرستوں کی کھل کر مخالفت کرنی ہوگی۔

اسکولوں کے نصاب میں جمہوری اسلام کے پیغام کو نمایاں کر کے شامل کیا جائے۔بنیاد پرستوں نے مسلم ممالک میں تعلیم کے شعبے پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی زبردست کوشش کر رکھی ہے۔ہمیں یہاں اپنے قدم جمانے ہوں گے،ہمیں تعلیم اور نوجوانوں پر بھر پور توجہ مرکوز کرنی ہوگی،ہمیں بنیاد پرستوں کے تضادات کو نمایاں کر کے سامنے لانا ہوگا،جدت پسند عناصر کو سامنے لانا ہوگا، انتہائی چنیدہ سیکولر عناصر کی بھر پور مدد کرنی پڑے گی،ہمیں بنیاد پرستوں کو ایک دشمن کے طور پر سامنے لانا ہوگا۔

ان اقتباسات کی روشنی میں کیا یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ جدت پسندی، اعتدال اور رواداری کے خوشنما عنوانات کے تحت فکری، علمی اور عملی سطح پر کام کرنے والے حضرات اور تنظیموں کے فکری منابع اور اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

## اچھے مسلمانوں کی تلاش:

ترجمہ: سید خورشید عالم

گذشتہ شمارہ میں شیرل بنارڈ کی رپورٹ سول ڈیموکریٹک اسلام کا تجزیہ جناب محمد یونس قادری کے قلم سے عالم اسلام کے خلاف "مغرب کی نئی حکمت عملیاں" کے عنوان سے قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں، ذیل میں اس رپورٹ کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، جسے سید خورشید عالم صاحب نے تحریر کیا اور روزنامہ "امت" کراچی نے ۱۰ جولائی تا ۲۷ جولائی ۲۰۰۴ قسط وار شائع کیا ابتدائی حصہ میں شیرل بنارڈ اور اس کی رپورٹ کا تعارف اور تجزیہ ہے اور ترجمہ روزنامہ "امت" کے شکریہ کے ساتھ ہم یہ رپورٹ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

مارچ ۲۰۰۴ء میں امریکی ریاست کیلی فورنیا میں قائم تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن نے Civil Democratic Islam (شہری جمہوری اسلام) کے نام سے ایک رپورٹ جاری کی ہے یہ رپورٹ رینڈ کارپوریشن سینٹر کی پولیٹیکل سائنٹسٹ شیرل بنارڈ (Cheryl Benard) نے مرتب کی ہے یہ خاتون آسٹریلین یہودی، زلمے خلیل زاد کی بیوی ہے۔زلمے خود بھی سی آئی اے کے پیروں پر برسوں کام کرتے رہے ہیں، اس نے دنیا میں مسلمانوں کے رجحانات اور تحریکات خصوصاً مغربی ممالک میں ان کے رجحانات اور تحریکات کا بغور جائزہ لیا ہے، امریکی اور یورپی پالیسی سازوں کے سامنے ایک حکمت عملی (اسٹریجی) پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد اسلام سے بہتر طریقے سے نمٹ سکیں۔

شیرل بنارڈ کا کہنا ہے یہ بات امریکی مفادات میں ہے کہ وہ تہذیبوں کے تصادم سے بچتے ہوئے اس اسلام کی سر پرستی کرے جو، جمہوری ہو، اقتصادی اور سیاسی طور پر بھی مستحکم ہو، سماجی حوالے سے ترقی پسند ہو اور جو بین الاقوامی قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہو۔مذکورہ امریکیوں کے لئے، ہم (US) اور مسلمانوں کے لیے،، ان وہ (THEM) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جس سے خود تہذیبوں کے تصادم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔اس کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کوئی نجی گفتگو ہے جس میں مسلمان کی شمولیت ضروری نہیں، اس رپورٹ کا مقصد یہ ہے کہ واشنگٹن کے باخبر حلقے، ان مسلمانوں سے اچھی طرح نمٹ سکیں یہ رپورٹ بعینہ اسی اسلوب میں لکھی گئی ہے جیسے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ایسے سینکڑوں میموز تحریر کئے گئے تھے جن میں، نیگرو مسئلے سے نمٹنے کا طریقہ بیان کیا گیا تھا، اس رپورٹ میں بنارڈ کہتی ہیں کہ اگر امریکی اور دیگر مغربی حکومتیں مسلم انقلاب پسند کو شکست دینا چاہتی ہیں تو انہیں عملی طور پر اسلام کے اندر ان رجحانات کی حمایت کرنی ہوگی جو مغرب کے تعمیر کردہ لبرل مقاصد سے قریب ترین ہوں گے۔شیرل بنارڈ کا کہنا ہے کہ حکومتوں اور میڈیا نے مسلم سوچ میں موجود لبرل کو نظر انداز کر رکھا ہے

مسلمانوں کو "بنیاد پرست،، (فنڈامنٹلسٹ) اور "روایت پسند" (ٹریڈیشنلسٹ) میں تقسیم کیا ہے، روایت پسند مسلمانوں نے زیادہ تر امریکی اور یورپی مساجد میں کنٹرول حاصل کرنے کے علاوہ مسلم تنظیموں میں بھی اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا ہے اور ان مساجد سے ان کے رہنماؤں کو اپنی مذہبی رواداری کے اظہار کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ قدامت پسند مسلمان اگرچہ واضح

طور پر نظر آسکتے ہیں تاہم انہیں تمام مسلم ''بنیاد پرست''، (فنڈامنٹلسٹ) اور ''روایت پسند'' (ٹریڈیشنلسٹ) میں تقسیم کیا ہے، روایت پسند مسلمانوں نے زیادہ تر امریکی اور یورپی مساجد میں کنٹرول حاصل کرنے کے علاوہ مسلم تنظیموں میں بھی اپنا اثر ورسوخ قائم کرلیا ہے اوران مساجد سے ان کے رہنماؤں کو اپنی مذہبی رواداری کے اظہار کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ کہتی ہے کہ قدامت پسند مسلمان اگر چہ واضح طور پر نظر آسکتے ہیں تاہم انہیں تمام مسلم کمیونٹی کا نمائندہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا کہنا ہے کہ قدامت اور رویت افراد اقلیت میں ہیں۔

شیرل بنارڈ نے لبرل مسلمانوں کے لیے جدت پسند (Modreinsts) کی اصطلاح استعمال کی ہے، اس کے علاوہ اس نے لبرل طبقے کے لیے سیکولرسٹس (secularists) کی اصطلاح استعمال کی ہے اس کا کہنا ہے کہ جدت پسند اور سیکولرسٹس طبقہ منظم نہیں اور اس کے پاس فنڈز کی کمی ہے، یہ طبقہ مغرب میں رہائش پذیر کروڑوں مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ ہے، وہ اسلام کی نئی تشریح (Reinterpretation) کی خواہاں ہے۔ امریکی خارجہ پالیسی کے حوالے سے مسلم قدامت پسند تحریکوں کی حوصلہ افزائی خصوصاً سعودی عرب جیسے تھیوکریسی والے ملک کے ذریعے امریکہ کی کلیت پسند حکومتوں مثلاً مصر کی مالی اور فوجی اعانت پر بھی اس رپورٹ میں روشنی ڈالی گئی ہے، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی پالیسی سازوں نے انتہا پسند مسلم تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی ہے، بعض ممالک میں بنیاد پرست تحریکوں مثلاً اخوان المسلمین اور حماس نے اپنے تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے ذریعے وہاں کے معاشرتی ڈھانچے میں اپنی جگہ بنالی ہے، رینڈ کارپوریشن کی مذکورہ رپورٹ میں امریکی خارجہ پالیسی پر تنقید کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رینڈ کارپوریشن بظاہر ایک نیم سرکاری ادارہ ہے جو ''قومی سلامتی'' (نیشنل سیکورٹی) کی صفت سے قربت رکھتا ہے۔ شیرل بنارڈ آج کل قطر کے دارالحکومت دوحہ میں مقیم ہے، اس نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور ویانا یا یونیورسٹی سے شیرل نے پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، وہ کئی کتابوں کی مصنفہ ہے۔

دنیا کے سب سے معروف مسلم آن لائن میگزین، مسلم ویک اپ، کو دیئے گئے انٹرویو میں شیرل نے، دہشت گردی کے خلاف جنگ،، عراق میں امریکی پالیسی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مسلم ویک اپ کے احمد نصیف کو بتایا کہ وہ عراق میں ہونے والی کاروائی کی وکیل نہیں، اس نے تسلیم کیا کہ عراق میں اختیار کی گئی پالیسیوں کے سبب مشرق وسطٰی میں اجتماعیت پر مبنی رجحانات کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ متعدد وجوہ کی بنیاد پر لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی اور ان میں صورت حال کی نزاکت کے بارے میں ادراک پیدا ہوا، ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ کسی ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے جانے سے بچنے کے اقدامات کریں، قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے اس رپورٹ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

عہد حاضر میں اسلام کو متعدد داخلی وخارجی جدوجہد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کا تعلق اسلامی اقدار، اسلامی شناخت اور دنیا میں اسلام کے مقام کے حوالے سے ہے، روحانی اور سیاسی تسلط کے لیے متضاد آراء ایک دوسرے کے مقابل ہیں اس تنازعے کے اثرات دنیا کی معیشت، سماجی، سیاسی اور سیکورٹی کی صورت حال پر مرتب ہو رہے ہیں۔ یقینی طور پر امریکہ جدید صنعتی دنیا اور بین الاقوامی برادری اس اسلامی دنیا کو ترجیح دے گی جو جمہوری، اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے مستحکم، سماجی طور پر ترقی پسند اور بین الاقوامی قواعد وضوابط پر پوری اترتی ہو۔ اسلام کے بحران کے دو پہلو ہیں: اول کامیابی سے نہ چل پانا اور دوم یہ کہ عالمی مرکزی دھارے سے کٹ جانا۔

اسلامی دنیا طویل عرصے تک پسماندگی سے دوچار رہی ہے۔ یہاں قومیت پن عربزم، عرب سوشلزم اور اسلامی انقلاب جیسے تجربات کیئے جاتے رہے جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکے۔ جس کی وجہ سے یہاں غصے اور فرسٹریشن میں اضافہ ہوا۔

یہ نظریہ کہ بیرونی دنیا کو اسلام کی جدید اور معتدل پسند تشریحات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، گزشتہ کئی دہائیوں سے پیش کیا جاتا رہا ہے تاہم ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد اس کی اہمیت اور ضرورت میں اضافہ ہوچکا ہے اس ضمن میں تعمیری اپروچ کی ضرورت ہے۔ اسلام ایک اہم مذہب ہے جس کے سیاسی وسماجی اثرات موجود ہے۔ یہ نظر ثانی اساسی اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے، جن میں کچھ عالمی استحکام کے لیے خطرناک ہیں، اسلیے انہیں روکنا ضروری ہے اس لیے ایک معتدل جمہوری پرامن اور برداشت کے حامل سماجی نظام کے قیام کی ضرورت ہے، اہم سوال یہ ہے کہ اس مرحلے کو کیسے طے کیا جائے؟ اس رپورٹ میں انہی نکات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے فوری بعد مغرب کے سیاسی رہنما اور پالیسی سازوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ ان واقعات میں اسلام کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، نیز یہ بھی کہا گیا کہ اسلام ایک مثبت قوت ہے اور یہ امن اور تحمل پر یقین رکھنے والا مذہب ہے، مغربی رہنماؤں نے مساجد اور عوامی مقامات پر اس حوالے سے اپنی آراء کا اظہار کیا اور مسلم دینی رہنماؤں اور علماء کو دعوت فکر وعمل دی گئی اور قرآنی سورتوں کا حوالہ بھی دیا، خود صدر بش نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ ''اسلام ایسا عقیدہ ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد دنیا میں ایک ارب سے زائد ہے، اس مذہب میں مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں، یہ مذہب نفرت کے بجائے محبت کا پیغام دیتا ہے''۔

مغربی رہنماؤں کی یہ کوشش تھی کہ ان کے ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ تصادم کے واقعات کے سدباب کے اقدامات کیئے جائیں، ان دونوں خارجہ تعلقات کے حوالے سے دو محرکات پیش نظر تھے، ایک قلیل المدت اور دوسرا طویل المدت۔

قلیل مدت حکمت عملی یہ تھی کہ مسلم حکومتوں کو سیاسی طور پر اس بات کے لیے آمادہ کیا جائے کہ دہشت گردی کے خلاف کوششوں میں تعاون کریں اور اسلام سے دہشت گردی کے تعلق کو ختم کر ڈالیں، طویل مدت پالیسی کے مطابق مغربی رہنماؤں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ ایک ایسا منظر نامہ تشکیل دیں جہاں اسلامی سیاسی کرداروں اور ریاستوں کو ایک جدید اور بین الاقوامی نظام میں بہتر اندازی میں ضم کرنے میں آسانی ہو سکے۔

دانشور حلقوں میں فوری طور پر اس بات کا ابلاغ ہو گیا۔ اور انہوں نے اس نظریے کو بیان کرنا شروع کیا کہ اسلام سب سے کم ہم آہنگ مذہب ہے، اس میں اعتدال، جدیدیت، تحمل اور جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں۔

مسلم دنیا اور اس سے باہر لبرل اسکالرز اس بحث میں مشغول تھے، ان کا موقف تھا کہ ان کا مشن اور طریقہ کار براہِ راست مذہب کا عکاس ہے، ۱۱ ستمبر کے واقعات کے ایک سال گزر جانے کے بعد بنیاد پرست مسلم عناصر لندن میں جمع ہوئے تاکہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کی یاد تازہ کر سکیں۔

مغربی رہنماؤں اور ان کی حامی مسلم حکومتوں نے اس امر کی بھرپور کوشش کی کہ دہشت گردوں کے مقاصد سے اسلام کو دور رکھا جائے۔ اِس حوالہ سے بنیاد پرست ایک طرف ہو چکے تھے، ۲۱ ستمبر ۲۰۰۲ء کو پاکستان کی ایک بنیاد پرست سیاسی پارٹی جماعت اسلامی کے رہنماء قاضی حسین احمد نے کہا تھا کہ: ''امریکہ اسلام کا بدترین دشمن ہے'' انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''دہشت گردی کے خلاف بننے والا نام نہاد اتحاد در اصل اسلام مخالف اتحاد ہے اور اس کا مقصد دنیا سے مسلمانوں کا خاتمہ ہے''۔

متعدد مغربی رہنماؤں کا موقف تھا کہ دہشت گردوں کی مخالفت کا مقصد یہ تھا کہ وہ ''مذہب کے تصادم'' سے بچنا چاہتے تھے، وہ نہیں چاہتے کہ انتہا پسندوں کو ۔۔۔۔ موقع ملے۔ یہ بات آسان نہیں کہ دنیا کے بڑے مذہب کو اس طرح تبدیل کرنا ایک حوصلہ شکن کام ہے تو ''مذہبی تعمیر'' اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور پر خطر ہے۔ اسلام ایک متجانس (HOMOGENEOUS) وجود نہیں اور نہ ہی یہ ایک سادہ سسٹم ہے، اس مذہب کے ساتھ متعدد مسائل لاحق ہیں، اس کے علاوہ بعض اسلامی کردار جان بوجھ کر اس پورے معاملے کو ''اسلامائز'' کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انہیں مقاصد پورے کرنے میں آسانی ہو۔

اسلام کے موجودہ بحران کے دو پہلو ہیں، اسلامی دنیا طویل عرصے سے پسماندگی سے دوچار رہی ہے، نیز یہاں طاقت کا فقدان رہا ہے، یہاں مختلف اوقات میں مختلف حل پیش کئے جاتے رہے ہیں، مثال کے طور پر نیشنلزم (قومیت) عرب ازم، عرب سوشلزم اور اسلامی انقلاب وغیرہ کے تجربات کئے جاتے ہیں اور ان میں کامیابی حاصل نہیں ہو پائی ہے، جس سے فرسٹریشن اور غصے میں اضافہ ہوا ہے۔

اس عرصے میں اسلامی دنیا ہم عصر عالمی ثقافت اور عالمی معیشت کے حلقے سے باہر نکل آئی ہے۔ اس حوالہ سے یہاں مسلمان کے چار قابل ذکر گروپس کا تقابل کیا جا رہا ہے۔

## (۱) بنیاد پرست (FUNDAMENTALISTS):

یہ عناصر اسلام کا جارح اور توسیع پسند 1 رخ پیش کرتے ہیں جو تشدد سے شرمسار نہیں ہوتا۔ یہ عناصر سیاسی اقتدار اور سخت اسلامی قوانین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان قوانین کو پوری دنیا پر جبراً نافذ کیا جانا چاہیے۔ ان کا حوالہ قومی ریاست یا کوئی مخصوص نسلی گروپ نہیں بل کہ پوری مسلم کمیونٹی ہے۔ جسے وہ ''امہ'' کہتے ہیں۔ بنیاد پرست عناصر کے دو طبقے ہیں۔ ایک وہ جو دینیات (Theology) پر یقین رکھتے اور چاہتے ہیں کہ مختلف مذہبی ادارے قائم کئے جائیں۔ اس گروپ میں ایران کے شیعہ انقلابی شامل ہیں جبکہ دوسرا طبقہ سنیوں کا طبقہ ہے۔ جو خاص طور پر سعودی عرب کے وہابیوں پر مشتمل ہے۔ یہ عناصر بظاہر کسی مذہبی ادارے سے وابستہ دکھائی نہیں دیتے۔ مگر یہ اپنے فہم اسلام میں یکتا اور ناصحانہ رویہ رکھتے ہیں۔ القاعدہ' افغان طالبان' حزب التحریر اور بڑے پیمانے پر دیگر اسلامی انتہا پسند تحریکیں اسی کیٹیگری سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ عناصر ماضی کے طریقہ کار کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بل کہ یہ ان میں توسیع بھی چاہتے ہیں۔ یہ زیادہ سخت طریقہ کار اختیار کرنے کے حامی ہیں۔ انہوں نے قرآن وسنت میں ترقی پسند اور تحمل پر مبنی رویہ اختیار کرنے کے بجائے بزعم خود نئے قواعد اخذ کر لیے ہیں۔ تقریباً تمام ہی بنیاد پرست عناصر دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں بل کہ ان کی اس نوعیت کی سرگرمیوں میں ''دشمن'' کے ساتھ مسلمان بھی مارے جاتے ہیں۔

## (۲) روایت پسند (TRADITINALISTS):

یہ عناصر بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یعنی قدامت پسند روایت پسند گروپ اور اصلاح پسند روایت پسند گروپ۔ اول الذکر کا خیال ہے اسلامی قانون اور روایت پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کے لیے وہ ریاست کے کردار اور سیاسی حکام کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ گروپ دہشت گردی اور تشدد پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ عناصر تاریخی طور پر بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے عادی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تب بھی روز مرہ زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گذارنی چاہیئے۔ ان کی نظر میں جدید طرز زندگی ایک بڑا خطرہ ہے۔ یہ تبدیلی کے راستے میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اسی گروپ میں اسلامی دنیا، تیسری دنیا اور مغرب میں رہنے والوں میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ روایت پسندوں کا دوسرا گروپ یعنی اصلاح پسند طبقہ ہمیشہ قابل توجہ اور موجود رہا ہے۔ یہ گروپ اصلاح کے لئے ہونے والے مباحثوں کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ یہ طبقہ نئی تعبیرات وتشریحات کے لیے بھی تیار رہتا ہے۔ ان میں لچک پائی جاتی ہے۔

## (۳) جدت پسندی (MODERNISTS):

یہ عناصر اسلام کے موجودہ فرسودہ (آرتھوڈکس) نظام میں دوررس تبدیلیوں کے حامی ہیں۔ یہ مقامی اور علاقائی نقصان دہ طریقوں اور روایتوں کو ختم کرنے کے حامی ہیں۔ یہ عناصر اسلام کی تاریخیت پر یقین رکھتے ہیں
ان کا یقین ہے کہ جس اسلام پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عمل کیا جاتا تھا اس میں آفاقی سچائی موجود تھی اس وقت کے تاریخی حالات میں اس پر عمل درآمد موزوں اور مناسب تھا۔ تاہم اب اس اسلام پر عمل ممکن نہیں۔ کیوں کہ وہ (VALID) نہیں رہا۔

## (۴) سیکولرسٹس (SECULARISTS):

یہ عناصر کا موقف ہے کہ مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ ہونا چاہیے۔ اسے سیاست اور ریاست سے بالکل علاحدہ ہونا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ ریاست کو فرد کے مذہب میں کسی بھی طور پر مداخلت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم مذہبی رسوم کو انسانی حقوق اور ملکی زمین کے قانون سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ ترکی کے کمال اتاترک جنہوں نے مذہب کو ریاست کے سخت کنٹرول میں دیدیا تھا۔ وہ اسی اسلامی ماڈل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مذکورہ گروپوں میں بظاہر کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ البتہ ہم عصر اسلامی مباحثے میں ان گروہوں کے تضادات نظر آتے ہیں۔ ہم عصر اسلامی جدوجہد میں یہ اپنے کنٹرول کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

سیکولر طبقوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ معتدل مزاج سیکولرسٹ طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ریاست اس بات کی ضمانت دے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوں، ان کے نزدیک مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور یہ انسانی حقوق اور شہری قوانین کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ شدت پسند سیکولرسسٹ جن میں کمیونسٹ اور غیر دیندار افراد شامل ہیں وہ کلی طور پر مذہب کے ہی خلاف ہیں۔

قدامت پسند روایت پرست افراد قرآن وسنت، اسلامی قوانین، فتاویٰ اور قابل احترام علماء کے فیصلوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اصلاح پسند روایت پرست افراد بھی انہیں ذرائع کو اختیار کرتے ہیں۔ تاہم یہ اسلام کے متبادل تشریحات کی تلاش بھی جاری رکھتے ہیں۔ یہ افراد اسلام اور جدیدیت کے درمیان کشمکش سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انکا اسلام مستقبل میں بھی کار آمد رہے۔

بنیاد پرست عناصر اسلام کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ غیر اخلاقی سرگرمیوں کے سد باب کے لیے عورتوں اور مردوں کو الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ خواتین کو معاشرتی سرگرمیوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر جگہ اسلامی قواعد کو نافذ کرنے کے اقدامات کرے۔ نظریاتی اعتبار سے یہ اپنے نظام کو پسند کرتے ہیں۔ اور اسے ہر جگہ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

جدت پسندوں کا نقطۂ نظر ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں افراد اپنے اپنے تقوے کے مطابق اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ انکا نظام دیگر مذاہب کے ساتھ پرامن طریقے سے ایڈجسٹ ہوتا ہے۔ بنیاد پسند اور جدت پسند دونوں ہی آئیڈیل وژن کو اپنے مسائل کے حل کے لیے بطور حوالہ استعمال کرتے ہیں۔ گوکہ اسلام میں نئی ایجادات واختراعات کی کوئی گنجائش نہیں تاہم یہ اسے مختلف طور پر بیان کرتے ہیں۔ انتہا پسند بنیاد پرست اجتہاد کو اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تشریحات کے اعتبار سے یہ ایک متنازعہ طریقہ ہے۔ کوئی روایت پسند شاید اس دلیل کو تسلیم کریگا کہ قرآن اور حدیث کا "تکنیکی اعتبار" سے دفاع کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی روح کی عین مطابق نہیں۔ اس لیے انہیں ترک کر دینا چاہئے۔

جب امریکی حکومت کی ایجنسیاں مسلم خواتین کے سر ڈھاپنے کے حق کو تسلیم کرلیتی ہیں تو گویا وہ ڈریس کوڈ کے اِس تقاضے کو برداشت اور تحمل کے اس سگنل کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے ایک علامت کے طور پر تسلیم کر رہی ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ بنیاد پرستوں اور قدامت پرست روایت پسندوں سے ہم آہنگ ہونا چاہ رہی ہوتی ہیں۔

## جمہوریت اور انسانی حقوق:

انتہا پسند بنیاد پرست عناصر سیاسی نظریات کے بارے میں جو آراء رکھتے ہیں۔ ان کو حزبِ اسلامی اور حزبُ التحریر جیسے دو ذرائع سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ حزب اسلامی کے مطابق پارلیامنٹ اور دیگر جمہوری ادارے "شرک" کے کھلے مظاہر ہیں۔ جہاں عوام کو اقتدار سونپ کر اللہ سے مقابلے کی تیاری کی جاتی ہے، جو نا قابل معافی گناہ ہے۔ یہ تخلیق کے مقاصد سے متضاد بھی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک صحیح نظام نافذ کیا جائے۔

گرین کا کہنا ہے کہ..... "یہ تہذیبوں کا تصادم نہیں ہے اور نہ ہی یہ ثقافتوں کا ٹکراؤ ہے۔ اسلام مغرب کا مخالف نہیں یہ کسی کا بھی مخالف نہیں۔ بل کہ ان کا واحد مقصد دنیا میں اسلام کو کلی طور پر نافذ کرنا ہے۔ جہاد کی تین خصوصیات ہیں پہلی یہ کہ تمام شکوک کو دور کرلیا جائے اس کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین کو دشمن کے قبضے سے آزاد کرایا جائے اور حتمی مرحلہ یہ ہے کہ ایمان نہ رکھنے والوں پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنیکے لیے ان سے لڑائی کر کے کھلا راستہ بنایا جائے۔"

بالکل اسی طرح حزب التحریر بھی خود کو ایک سیاسی پارٹی قرار دیتی ہے۔ جس کا نظریہ (آئیڈیالوجی) اسلام ہے یہ خلافت کے نظام کا احیاء چاہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ..... "دستور کو اسلامی ہونا چاہئے کیونکہ جمہوری نظام "کفر" پر مبنی ہوتا ہے جبکہ اسلامی نظام میں شریعت کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی نظام میں امت بالادست نہیں ہوتی۔ اصل قانون ساز اللہ ہے جبکہ خلیفہ صرف کتاب وسنت کے مطابق دیئے

گئے حق کو استعمال کرتا ہے۔اسی لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اسلام ایک جمہوری نظام کا تقاضہ کرتا ہے۔یا کسی اسلامی جمہوریہ کی بات کی جائے۔''

## کثیر الازدواجی:

بنیاد پرست عناصر کثیر الازدواجی کو تسلیم کرتے ہیں۔اس عمل کو افغانستان میں طالبان نے دوبارہ متعارف کرایا۔اس عمل کا وہاں درست استعمال نہیں کیا جاسکا۔کثیر الازدواجی کا ایک شاخسانہ بچپن کی شادیاں بھی ہیں۔بنیاد پرست معاشروں میں یہ عام سی بات سمجھی جاتی ہے۔

طالبان اور افغانستان میں موجود القاعدہ جبری شادیوں کو بھی درست قرار دیتے رہے ہیں اس عمل کی قرآن بھی جنگ کے پس منظر میں اجازت دیتا ہے مغرب میں رہائش پذیر اصلاح پسند، روایت پسند اور قدامت پرست، روایت پسند کثیر الازدواجی کی توثیق نہیں کرتے، ان کی اکثریت اسے تسلیم نہیں کرتی۔انکا موقف یہ ہوتا ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہیں وہاں کے ملکی قوانین کا احترام کریں۔

البتہ وہ اس بات پر معترض نہیں ہوتے کہ اگر کسی مسلمان کی ایک بیوی اپنے ملک میں موجود ہے اور وہ پردیس آنے کے بعد یہاں دوسری شادی کر لیتا ہے چاہے وہ حصولِ علم یا ملازمت کے لیے پردیس آیا ہو۔ایک اسلامی ویب سائٹ میں ایسے ہزاروں افراد کے لیے جو پردیس میں دوسری شادی کے خواہاں ہوں موزوں رشتوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

روایت پسند جو جدت پسندوں کے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں وہ کثیر الازدواجی کو ناپسند کرتے ہیں۔اس حوالے سے کوئی شبہ نہیں کہ قرآن ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اسلامی شخصیات نے اس پر عمل بھی کیا ہے تاہم روایت پسند بھی اس عمل کو تسلیم کر کے اس کا دفاع کرتے ہیں۔

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں اس وقت تک انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ان دنوں ان پر اسلامی احکامات کا نزول ہونا شروع ہوا۔مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کے پیغمبر کی ایک سے زائد شادیوں کا مقصد اتحاد کے قیام اور سیاسی ضرورتوں اور فلاحی مقاصد کے لیے تھا، نہ کہ ذاتی مقاصد کے لیے۔ان کا موقف ہے کہ ان شادیوں کے ذریعے کوئی سیاسی اتحاد قائم کیا گیا یا کسی دوست کی بیوہ کی کفالت کی گئی۔

مسلمانوں کے ابتدائی ادوار میں کثیر الازدواجیت ایک ''فلاحی منصوبہ'' (ویلفئر پروجیکٹ) تھا۔یہ مردوں کی کمی کا ایک جواب بھی تھا۔کیونکہ مردوں کی اکثریت جنگ میں کام آجاتی تھی۔جس کی وجہ سے عورتوں کی تعداد زیادہ رہتی تھی۔ان بیواؤں کو تحفظ کی ضرورت پیش آتی تھی۔ایک سے زائد شادیوں نے اسلام سے قبل کے معاشرے میں عورتوں کے غلط استعمال کے رجحان کو روک دیا۔شادی کو چار بیویوں تک محدود کر دیا گیا۔یہ شرط رکھی گئی کہ مرد ان چار عورتوں سے یکساں سلوک روا رکھے گا۔اس طرح عورتوں کے قانونی اور معاشی حقوق کے تحفظ کی ضمانت لی گئی۔

## امریکہ کے جارحانہ مذہبی عزائم و منصوبے:

اکیسویں صدی کے آغاز سے چند در چند غلط فہمیوں کی بناء پر امریکہ اور اس کے ہمنوا مغربی ممالک اسلام اور مسلمانوں کے درپے آزار اور طرح طرح کے بہانوں سے ان سے برسرپیکار ہیں، عرب اور فلسطینی تو پچاس ساٹھ سال سے امریکی اور مغربی جارحیت کے شکار ہیں اور جب عراق ایک طاقتور عرب ملک کے طور پر نمایاں ہوا تو خطرناک اسلحوں کے امکانات اور جمہوریت بحال کرنے کے بہانے بری، بحری اور فضائی حملوں کے ذریعے اسے ویرانہ بنا دیا گیا پھر افغانستان میں طالبان جو اسلامی جمہوریت کا علم لے کر اٹھے تو انہیں دہشت گرد، بنیاد پرست اور رجعت پسند قرار دے کر اور اسامہ بن لادن کی تلاش کا بہانہ پیدا کر کے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ان دونوں ملکوں پر اپنے دلال اور کارندے مسلط کر دیئے، اللہ کا شکر ہے کہ غیور و سخت جان عراقی و افغانی حریت پسند جی جان سے مردانہ وار غیر ملکی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں حتیٰ کہ انہیں باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے اور اگر امریکی و مغربی جارحیت کے خلاف وہ عوامی و مقامی مزاحمت جاری رہی تو وہ دن دور نہیں کہ امریکہ اور اس کے حاشیہ بردار و نمک خوار ممالک بہت بے آبرو ہو کر وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

فوجی جارحیت و مداخلت کو ناکام پا کر امریکہ اور برطانیہ نے اپنی روایتی اسلام دشمنی، تعصب اور صلیبی ذہنیت سے کام لیتے ہوئے اسلامی مذہب و تہذیب میں مداخلت، تحریف و تبدیلی اور ترمیم و تنسیخ کا ایک بڑا اور ناپاک منصوبہ بنایا ہے اور ان کے شیطانی عزائم یہ ہیں کہ اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو اگر ختم کرنا ناممکن ہو تو کم از کم اس کی صورت و سیرت ہی کو مسخ کر دی جائے اور اسے عیسائیت کا چربہ بنا دیا جائے۔

اس کیلئے تو مستشرقین قریب ایک ہزار سال سے کام کر رہے ہیں، اب امریکا اور اسرائیل کی کوششوں سے قرآن مجید کا ایک تحریف کردہ ایڈیشن "فرقان الحق" کے نام سے شائع کیا گیا اور مسلم ممالک میں بڑے پیمانے پر تقسیم کیا جا رہا ہے جس کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی مذمت کرنے والی اور ان کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے والی آیات قرآنی اپنے نصاب تعلیم سے خارج کر دیں۔

اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کا بدترین اور قابل مذمت واقعہ بھی امریکا کی رسوائے زمانہ جیل میں رونما ہوا جو کیوبا کے قریب "گوانتانامو" میں قائم ہے جہاں عراقی و افغانی مجاہدین کو ناقابل بیان سزائیں دی جا رہی ہیں اور ان کے ساتھ ایسا وحشیانہ و بہیمانہ سلوک ہو رہا ہے جس پر جنگل کے درندے بھی شرما جائیں۔

اسی بدنام جیل میں مسلمان قیدیوں کو ذہنی و جسمانی اذیت رسانی کیلئے نعوذ باللہ قرآن مجید کی بے حرمتی کی گئی، اس کے مقدس اوراق کو پاخانوں میں رکھا گیا، ان کو غلاظت میں ڈالا اور نالیوں میں بہایا گیا، پاؤں تلے روندا اور ان کے ساتھ ہر وہ گستاخی و بدتمیزی کی گئی جو ان کے شیطانی ذہنوں میں ممکن تھی، پھر اخباروں میں جب اس کی خبریں آئیں تو ان سے انکار کیا گیا اور معافی و معذرت کے بجائے صرف تحقیقات کا وعدہ کیا گیا، ستم بالائے ستم ایک امریکی شہر میں ایک پادری نے شارع عام پر قرآن مجید کیلئے گستاخانہ کلمات لکھ کر آویزاں کئے اور لوگ اسے خاموشی سے دیکھتے رہے، غضب الٰہی اور عذاب خداوندی کو بھڑکانے والی ان مذموم حرکتوں کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ وہ گستاخ مجرم اور ان کے حمایتی مبتلائے عذاب ہو جائیں جس کی وعید ایسے مجرموں کو سنائی گئی ہے (وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ)

☆☆☆☆☆

اخبارات میں امریکا کے جارحانہ مذہبی عزائم اور ناپاک منصوبوں کے بارے میں خبریں آ رہی ہیں جن میں بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے خلاف آئندہ منصوبوں اور پروگراموں کا اعلان کیا گیا ہے چنانچہ ۲۸ جون ۲۰۰۵ کو سہ روزہ دعوت (دہلی) میں انعام خواجہ صاحب نے ۲۵ راپریل کے "یو، ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کے حوالہ سے "دل، دماغ اور ڈالر" کے عنوان سے ایک چونکا دینے والا مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکا نے اسلامی دنیا پر اثر انداز ہونے کیلئے باقاعدہ ایک محکمہ قائم کیا اور اس کیلئے افراد اور فنڈ فراہم کیا ہے جس کا مقصد اسلام کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل کرنا ہے، اس تحریک کے سب سے سرگرم حامی اور محرک کونڈولیزا رائس، پال ولفووچ اور کیرن ہوز ہیں "انکا مقصد سیاسی جماعتوں، سیاستدانوں، ادیبوں، صحافیوں اور دینی رہنماؤں میں اپنا رسوخ پیدا کرنا ہوگا" صدر بش نے سی آئی اے کو حکم دیا ہے کہ اسلامی دہشت گردی کی جڑوں تک پہنچ کر اس کی مکمل بیخ کنی کر دی جائے اب اس نئی تدبیر کو "اسلامی دنیا میں نفوذ" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے نمایاں اہداف یہ ہیں۔

(۱) معلوم کیا جائے کہ عالم اسلام میں کیا ہو رہا ہے؟ (۲) بنیادی مقصد، مغربی لادینی (سیکولر) جمہوری نظریات کی اشاعت ہے (۳) آزادیٔ نسواں، ان کے حقوق اور مخلوط میل ملاپ پر زور (۴) اس مقصد کیلئے مسلم ممالک کو امداد (۵) اعتدال پسندوں کے ہاتھ مضبوط کرنا (۶) صیہونی تحریکوں کے ذریعے اصلاحات کی حوصلہ افزائی۔ (۷) اخوان المسلمین کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرنا (۸) پاکستان میں ایک خاص دینی جماعت کے ساتھ تعلقات استوار کرنا (۹) پاکستانی علماء کی مالی معاونت تاکہ اپنے مطلب کیلئے ایسے فتوے لئے جا سکیں جو امریکا کے مفاد میں ہوں۔ (۱۰) فرضی جہادی تنظیمیں قائم کرنا تاکہ ان میں داخل ہونے والے مخلص مجاہدین کو بھانپا جا سکے (۱۱) آج کل امریکی وزارت خارجہ کے خاص اہداف انڈونیشیا، مصر، نائیجیریا، چین، فرانس اور وینزویلا ہیں (۱۲) مدارس کا اثر ختم کرنے کیلئے ابتدائی اسلامی اسکول کا قیام خاص کر پاکستان اور انڈونیشیا میں (۱۳) مسلم ممالک میں

تدریسی نصاب کو تبدیل کیا جائے (اور اسے اپنے مقاصد سے ہم آہنگ کیا جائے) (۱۴) مسلم مفکرین میں اثر و نفوذ پیدا کیا جائے (۱۵) امریکی امداد کے ذریعے مسلمانوں کے متبرک مقامات کی مرمت اور آرائش، اسلامی مخطوطات کی مرمت اور حفاظت، قرآن مجید کے پرانے نسخوں کی حفاظت، اعتماد سازی کے ایسے کئی کام کرنا جو پہلے پاکستان، مصر، ترکمانستان، کرغستان اور ازبکستان میں شروع کئے جا چکے ہیں۔ (۱۶) مساجد کے اماموں کی تربیت یہ کام برصغیر کے ایک مسلمان ملک میں ہو رہا ہے، مضمون نگار لکھتے ہیں کہ "امریکہ کا یہ ہمہ جہتی پروگرام شروع کیا جا چکا ہے، اس کیلئے اہداف مقرر کئے گئے ہیں، افرادی قوت اور رقم مختص کردی گئی ہے اب پورے جوش و خروش سے اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے، مصر میں یو ایس اے اپنا عوامی سفارتی محکمہ قائم کر چکا ہے، انڈونیشیا میں تیس مسلم ادارے یو ایس اے سے رقم وصول کر رہے ہیں جو مندرجہ ذیل پروگرام چلا رہے ہیں۔ میڈیا پروڈکشن، ورکشاپ اسلامی مبلغین، اسکولوں کی نصابی اصلاحات، دیہاتی اسکول اور اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام، اسلامی رواداری کا پروگرام، چالیس شہروں میں نشر کیا جا رہا ہے۔ اسلام کو آزاد خیال مذہب اور لادین سیکولر جمہوریت کے طور پر پیش کرنے کی تحقیق کیلئے امداد دی جا رہی ہے۔ امریکی افسران مختلف ذرائع سے مدارس کیلئے ریاضی، سائنس، صحت اور شہری حقوق کیلئے اساتذہ مہیا کر رہے ہیں، اسی مضمون میں بتایا گیا ہے کہ لبنان میں شام مخالف مظاہروں کے پس پردہ کون لوگوں کا ہاتھ تھا، یہ سی آئی اے کی ایک کامیاب خفیہ کارروائی اور عوامی سفارتی کوشش کا نتیجہ تھی، پال ولفووچ کی عالمی بینک کے صدر کی حیثیت سے تقرری سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ صدر بش ان کو اب اسلام کا چہرہ بدلنے کیلئے خوب استعمال کریں گے"

☆☆☆☆☆

امریکا اور اسلام دشمن طاقتیں پوری طرح سرگرم ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ عالم اسلام اپنے دفاع کیلئے کیا کر رہا ہے؟ ؏

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر آں؟

# عالم اسلام پر میڈیا کی یلغار:

از: عمران اللہ القاسمی - جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

یہ بات انسان کی سرشت میں شامل ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حالات اور پیش آمدہ واقعات سے باخبر رہنا چاہتا ہے، اسی وجہ سے روز اول سے باہمی خبروں کی منتقلی کا سلسلہ جاری ہے۔ البتہ ابتدائی دور میں خبروں کا تبادلہ صرف زبانی طور پر ہوتا تھا، پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں تبدیلی آتی رہی بعد کے زمانہ میں جب ماحول نے ترقی وتہذیب کا لبادہ اوڑھ لیا تو پھر یہ سلسلہ کاغذات کی پشت پر سوار ہو کر اخبارات ورسائل کی صورت اختیار کر گیا اور پھر دور جدید کی ترقی نے اس میں ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ کا بھی اضافہ کر دیا، اس کیلئے باضابطہ اسٹیشن اور نیوز ایجنسیوں کا قیام عمل میں آیا اور حکومتوں کی توجہ کی بدولت آج یہ شعبہ دن رات ترقی کی طرف گامزن ہے اور ایسی زبردست قوت بن چکا ہے جس نے دیگر بہت سی قوتوں کو مات دے دی اور اپنے ہر کمال کا لوہا منوالیا ہے، اسی مواصلاتی نظام کو دور جدید میں میڈیا کا نام دیدیا گیا ہے۔

## میڈیا کا تعارف:

میڈیا انگلش زبان کا لفظ ہے جس کے اصلی معنی واسطہ کے ہوتے ہیں، جو چیزیں حادثہ یا واقعہ کی خبر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے میں واسطہ کا کام دیتی ہیں آج کے دور میں کثرت سے ان پر میڈیا کا اطلاق ہونے لگا، اسی وجہ سے جب بھی میڈیا کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ذرائع ابلاغ اور خبر رسانی کے اسباب ووسائل ہی مراد ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں میڈیا کی بڑی اہمیت ہے، جس نے دور دراز رہنے والے ہر انسان کو اپنے متعلقین سے انتہائی قریب کر دیا، عالم انسانی کے ایک گوشہ سے اڑی خبر آن کے آن میں پورے عالم میں پھیل جاتی ہے، قدرتی آفات، زمینی حوادث، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور کھیل وتفریح کا کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا واقعہ کائنات میں رونما ہوتا ہے تو آناً فاناً ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے جدید دور کی ترقی کی بدولت آج کل میڈیا نے ایک سہولت یہ بھی پیدا کر دی ہے کہ آپ اس کے ذریعے اپنے نظریات وخیالات کو پوری دنیا میں عام کر سکتے ہیں ملکی اور عالمی پیمانے پر جب اور جس وقت آپ چاہیں آسانی سے من پسند فضاء قائم کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام نے جب دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا خواب دیکھا تو سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دینے کے بعد دوسرا درجہ انہوں نے میڈیا کو دیا پھر میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی باگ ڈور کو اپنے قابو میں کر کے دنیا کے ذہن وفکر اور دماغ پر حکمرانی کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے۔

## مغربی میڈیا کی یلغار:

میڈیا کی اصل غرض اور منشاء تو صرف خبر رسانی اور عوام کو دنیاوی واقعات اور حالات سے باخبر رکھنا ہے لیکن جو طبقہ اس زمانہ میں اپنی چالاکیوں اور عیاریوں سے میڈیا پر قابض ہو گیا ہے اس نے اپنے دیرینہ منصوبہ "نئے عالمی نظام" کی تکمیل کی راہ میں روڑہ بننے والے عوام کی دماغی تطہیر کیلئے اس کا استعمال شروع کر دیا ہے، انھوں نے ایک طرف تو کثیر خبروں کی اشاعت کے ذریعہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے قریب کرنے کا فریب دیا تو دوسری طرف بڑی چالاکی سے انسانوں کا رشتہ خدا سے بالکل کاٹ دیا چنانچہ ٹی وی پر نوع بہ نوع چینلوں کا اجراء، ویڈیو کی رنگا رنگ کیسٹوں اور کمپیوٹر سی ڈیز کی بھرمار، نیز پرنٹ میڈیا کی کرشماتی فنکاریوں سے مزین رنگ برنگ

کے خوشنما مجلّات اور باتصویر رسائل و اخبارات کی اشاعت، یہ سب وہ چیزیں ہیں جنھوں نے معاشرے میں عریانیت اور فحش کاری کو فروغ دیا اور لوگوں کو تفریح اور لذت اندوزی و سفلی خواہشات کا اس قدر دلدادہ اور خوگر بنادیا کہ وہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں ساری حدیں پھلانگ جانا چاہ رہے ہیں اور یہ سب مغربی میڈیا کی یلغار کے برے نتائج ہیں، مغربی میڈیا، ٹی وی، ریڈیو، انٹرنیٹ، اخبارات ورسائل وغیرہ پر مشتمل ہے، ہم سب پہلے ٹی وی کا جائزہ لیتے ہیں۔

## سنیما و ٹیلی ویژن کی یورش:

ٹیلی ویژن دورِ جدید کی وہ خطرناک ایجاد ہے جس نے میڈیا کی دنیا میں غیر معمولی انقلاب برپا کردیا، اس ایجاد نے متحرک تصاویر اور آواز دونوں استعمال کرکے پوری دنیا کو سمیٹ کر ایک بستی میں تبدیل کردیا، چنانچہ ٹی وی پر فلموں، ڈراموں، ناچ گانوں، خبروں، اور عالمی معلومات پر مشتمل بے شمار پروگرام پیش کئے جاتے ہیں جن میں اکثر پروگرام حیاسوزی کا مظاہرہ کرتے ہیں نیز، فلم، ڈرامے اور ناچ گانوں کی شکل میں پیش کئے جانے والے بیشتر پروگرام اسلامی تعلیمات کے منافی ہوتے ہیں اور وہ پروگرام بداخلاقی، فواحش ومنکرات کو فروغ دینے والے، تشدد سے بھرپور، اپنی چلتی پھرتی تصویروں کے ذریعہ مشاہدین کے دل ودماغ میں جنسی میلان جگانے اور نہایت چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ چوری، ڈکیتی، عصمت دری اور عصمت فروشی کے گر سکھانے والے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مشاہدین میں جنسی بے راہ روی اور آزاد خیالی کا رجحان پیدا ہونے لگتا ہے، قوم کے نوجوان افراد ان تصاویر کے ذریعہ پیش کئے جانے والے فرضی واقعات کو نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ ساتھ ہی ان سے عملی سبق بھی حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ شریعت سے آزاد اور بے راہ روی کے دلدادہ اور معاشرے اور سماج کے اصولوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ نیز ان پروگراموں کی وجہ سے عورتوں میں عریانیت، اباحت پسندی اور بدکاری جیسے جرائم پروان چڑھنے لگتے ہیں اور یہ سب مغرب کی دین ہے جو ایک منصوبہ کے تحت اسلامی حلقوں میں عام کی جاری ہے بلکہ اس کو توپوں اور بندوقوں کے بغیر لڑی جانے والے ایک ایسی جنگ سے تعبیر کرسکتے ہیں جو اہل مغرب نے اسلام کے خلاف عرصہ سے چھیڑ رکھی ہے، گویا میڈیا کے ذریعے لڑی جانے والی یہ ایک ایسی جنگ ہے، جو مغربی استعماروں کے قدیم خوابوں کی تعبیر ہے، دراصل جب اہل مغرب صلیبی جنگوں میں شکست کھا گئے تو انھوں نے اسلام کے خلاف منصوبہ بندی میں جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے اس کی طرف صراحت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے امریکن کیتھولک چرچ کی ایک انجمن کے صدر ''مارشل بولڈاون'' نے اپنی تقریر میں جو انھوں نے انجمن کے دوسرے سالانہ اجلاس ۱۹۴۱ء میں کی تھی اس میں صراحت کے ساتھ کہا تھا ''مغرب اسلام کو صرف موجودہ تمدن کیلئے ہی خطرناک نہیں تصور کرتا بلکہ عالم مسیحیت اور عیسائی فرقوں کی کم از کم ہزار سال سے اس کے ساتھ نبرد آزمائی چلی آرہی ہے اور یہ جنگ برابر جاری ہی رہے گی'' (مغربی میڈیا اور اس کے اثرات)

چنانچہ مغرب کی یہ جنگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پہلے علم وادب کے راستہ سے جاری تھی اب ایک طرح سے اس جنگ کو میڈیا کے ذریعہ گھر گھر پہنچادیا گیا ہے، فلم کا وسیع پردۂ سیمیں اور ٹیلی ویژن کا ماحول اس بات کے ضامن ہیں کہ امریکی افکار و مقاصد کو زیادہ وسیع پیمانے پر لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ کردیا جائے اور اپنے اس مقصد میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں نیز مغربی میڈیا کبھی بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی واقعہ کو پیش کرنے میں چشم پوشی تو دور کی بات سہل پسندی سے بھی کام نہیں لیتا، چنانچہ دن رات بغیر کسی توقف کے کروڑوں ڈالر کے صرفے سے مختلف طریقوں سے ایسی فلمیں تیار کی جارہی ہیں جس میں دین اسلام اور مسلمانوں کو اصل نشانہ بنایا جارہا ہے، چنانچہ مصر میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۷ء تک دو بھائیوں نے ستر کے قریب ایسی فلمیں تیار کیں جن میں فحاشی اور عریانیت کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات اور اسلامی شخصیات کے خلاف ایسا زہر تھا جس نے نئی نسل کے دل ودماغ کو غیر معمولی حد تک مسموم کردیا، اسلام اور اس کی تعلیمات وشخصیات سے نفرت پیدا کردی، اسلام کے خلاف مغربی استعمار کی سازشیں ڈھکی چھپی نہیں ہیں بلکہ اہل مغرب کسی بھی معاشرے پر غلبہ پانے کیلئے بے حیائی اور فحاشی کے میدان میں کسی سے کمتر ثابت نہیں ہوئے، چنانچہ افغانستان میں حکومت طالبان کے سقوط کے بعد امریکہ نے خشک روٹیوں، زخمیوں، مجبوروں کیلئے دواؤں کی اہمیت سے قبل کابل کے بازاروں، اس کے گلی کوچوں کو فحش فلمی گانوں ویڈیو کیسٹوں، شہوت رانی پر اکسانے والی مغربی رقاصاؤں اور اس طرح کے بے شمار حیاسوزی کے مظاہرے سے چوبیس گھنٹہ میں بھردیا تھا ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا تاکہ ایک مذہب پرست، دین دار اور روایت شناس معاشرے کو نیست ونابود کردیا جائے'' یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ امریکہ کی اور اس کے حلیف ممالک کی یہ کوشش صرف افغانستان ہی میں وجود پذیر نہیں ہوئیں بلکہ اہل مغرب اس طرح کے موقع پر کوتاہ دستی سے بھی کام نہیں لیتے، یہ ان کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبردست کاوشیں ہیں جن کے نتیجہ میں نام نہاد مسلمانوں میں ایک خاصی تعداد میں ان کو ایسے پٹھو مل گئے ہیں جو مسلمانوں کے دین وایمان کو بھسم کردینے کی خاطر تیار کئے ہوئے اس زہر کو ڈالر اور پونڈ دے کر منگواتے ہیں اور اپنے مسلمان ہم وطنوں اور دینی بھائیوں کے حلق میں زبردستی انڈیلتے ہیں، اس انکشاف سے آپ کو حیرت ہوگی کہ بارہ اسلامی ممالک ایسے ہیں جو پچاس فیصد ٹی وی، ریڈیو کے فلمی اور دیگر پروگرام مغربی ملکوں سے درآمد کرتے ہیں، مصر میں ۸۵/فیصد، عرب امارات میں ۷۷/فیصد، تونس میں ۷۸/فیصد، الجزائر میں ۷۹/فیصد، مراکش میں ۸۲/فیصد امریکی فلمیں پیش کی جاتی ہیں۔

اور سعودی عرب میں ہر ماہ ستر سے اسی ہزار تک امریکہ اور جاپان سے تیار کئے ہوئے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ فروخت ہوتے ہیں، یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ یہ

رپورٹ آج سے تقریباً پانچ چھ سال قبل کی ہے لہٰذا وقت کی رفتار کے ساتھ اس کی فروختگی میں اضافہ بالکل یقینی ہے نیز مصر سے شائع ہونے والے روزنامہ الاہرام کے ۱۳/۹/۱۹۸۴ء کے شمارے میں عالم عربی اور فرانس میں ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیسٹ کی موجودگی کا جائزہ اور اس کے موازنے کی رپورٹ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ رپورٹ میں ہے کہ فرانس میں ہر ایک ہزار شخص پر صرف دس وی سی آر سیٹ کا تناسب بنتا ہے اور اس کے بالمقابل کویت میں ہر ہزار افراد پر چار سو نوے وی سی آر سیٹ کے حساب سے بنتا ہے، نیز ایک دوسرے سروے کے مطابق یہ تناسب ۱۹۹۵ء میں سو فیصدی ہو گیا ہے (از ایضاً، ص ۲۲۰) عالم اسلام پر مغربی طاقتوں کی میڈیا کے ذریعہ یورش اور عربوں کو اس کا گرویدہ بنانے میں مغربی سازشوں کا یہ ایک مختصر سا جائزہ ہے ورنہ تفصیل کیلئے دفاتر نا کافی ہوں گے البتہ یہ مختصر رپورٹ ہی دشمنان اسلام کی سازشوں کا پردہ چاک کر دینے کیلئے کافی ہے۔

## انٹرنیٹ کی گل کاریاں:

میڈیا کے ضمن میں انٹرنیٹ بھی ایک قابل ذکر چیز ہے جس کا بٹن دباتے ہی آپ فحش و غلاظت سے بھرپور عریاں سے عریاں ترین دنیا کا نظارہ کر سکتے ہیں یہ انٹرنیٹ کیا ہے؟ یہ کمپیوٹر کا ایک ایسا سیٹ ہے جس کے ذریعہ اوپٹک فائبر ٹیلی ویژن اور مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ہم ایک دوسرے سے بات چیت کر سکتے ہیں، رابطہ بنا سکتے ہیں گویا کہ یہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نیٹ ورک کا کام کرتا ہے جس کے ذریعہ آپ ہر قسم کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں، نیز انٹرنیٹ سے وابستہ ہر آدمی اس پر اپنے نظریات و احساسات اور اپنی فکر کو دوسرے کے سامنے رکھ سکتا ہے اور آج کل اس مقصد کیلئے انٹرنیٹ کا استعمال ایک عام بات ہے، اسی وجہ سے کالجوں یونیورسٹیوں لائبریریوں اور مارکیٹوں میں استعمال اور اس کی ضرورت اور مانگ بڑھتی جا رہی ہے اور کثیر تعداد میں ہر روز لوگ اس سے وابستہ ہو رہے ہیں چنانچہ اس موقع سے اسلام دشمن طاقتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں، آج کل اسلام مخالف طاقتیں اس انٹرنیٹ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہی ہیں، اس کا صاف اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس وقت انٹرنیٹ پر کم و بیش ساڑھے چار لاکھ سے زائد مذہبی ویب سائٹس ہیں ان میں سے کم و بیش دو لاکھ صرف عیسائیوں کے قبضہ میں ہیں جن کے ذریعہ وہ عیسائیت کی معلومات اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کے علاوہ دشمنان اسلام نے اسلام کے خلاف بڑی ہوشیاری سے نفرت انگیز مہم چھیڑ رکھی ہے الازہر کے سینٹر اسلامک اکانومی کے ڈائرکٹر جنرل کا بیان ہے کہ اب تک انٹرنیٹ پر ایسے ستائیس پروگرام کا پتہ چلا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں (نوجوان تباہی کے دہانے پر ص ۴۱۵) ان سب سازشوں کے علاوہ انٹرنیٹ پر ایسے بے شمار پروگرام ڈال دیئے جاتے ہیں جو فحاشی اور جنسی رجحان کے فروغ سے نئی نسل کی اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہیں جسکی وجہ سے اس کے مضر اثرات بھی برائی کی کسی بارش سے کم نہیں ہیں"

## اخبارات کی غلط بیانی اور فحش کاری:

میڈیا کے ضمن میں ایک اہم چیز اخبارات و رسائل بھی ہیں "حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل اخبارات کی دنیا پر یہودی ساہوکاروں کی اجارہ داری ہے اور وہ ان کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں چنانچہ وہ مسلمانوں میں ہی کچھ ایسے افراد فراہم کر لیتے ہیں جو ان کا آلہ کار بن کر میدان صحافت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خوب گل کھلاتے ہیں، چنانچہ عرب ممالک میں "الھلال اور الاہرام" کے تعاون سے مغربی افکار و اقتدار کی ترجمانی کرنے والوں کی ایک ایسی کھیپ موجود ہے جو نئی نسل کے ذہن و دماغ کو مسموم کرنے کی بھرپور کوشش میں رہتے ہیں اور صحیح الفکر داعیوں، دینی تحریکوں اور ان کے علم برداروں کے خلاف زہر افشانی کی مہم چھیڑے رہتے ہیں، نیز اپنی تحریرات میں ضبط تولید، جنسی اباحت، عورتوں کو مکمل آزادی، رقاصاؤں اور مغنیاؤں کے اداروں کی تقدیس و ہمت افزائی کے علاوہ فحش کہانیوں مع عریاں تصاویر اور بے تحقیق سوالات کے ساتھ نوجوان نسل کے ذہن میں اسلام کے تئیں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں، چنانچہ بعض رسائل اور اخبارات کا اجراء صرف اسلام مخالف فضا تیار کرنے کے مقصد سے ہوتا ہے، نیز ناجائز جنسی تعلقات کی وکالت وحمایت اور عورت سے وابستہ اخلاقی اقدار کو پامال کرنے والے رسائل کی کثرت بھی لمحہ فکریہ ہے چنانچہ دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے رسائل کی ایک بڑی تعداد پورے انسانی معاشرے کو جنسی بے راہ روی اور فحاشی کے سمندر میں ڈبونے میں لگی ہے تعجب اور حیرت اس بات پر ہے کہ اس طرح کے تمام رسائل کو اپنی تمام تر عریانیت اور فحاشی کے باوجود (رجسٹرار نیوز پیپر کی طرف سے) رجسٹریشن حاصل ہے اور ان میں سے Fantasy نام کے ایک انگلش رسالہ کو اس کے نہایت فحش اور عریاں ہونے کے باوجود ترقی پسند حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہے چنانچہ یہ رسالہ آج سے چند سال پہلے تک آٹھ لاکھ سے بھی زیادہ تعداد میں شائع ہوتا تھا جبکہ موجودہ وقت میں اس کی تعداد میں اضافہ ایک بدیہی امر ہے (مغربی میڈیا ص ۲۳۷) اس مختصر سے تجزیہ سے یہ پتہ لگا کہ یہودی میڈیا پر قابض ہو کر کس طریقہ سے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اس کا استعمال کر رہے ہیں یہاں تک کہ ہمارے گھروں اور آنکھوں تک میں گھس آئے اور اسلام پر حملہ آور ہیں، لہٰذا ان کی سازشوں اور دقیقہ سنجیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا بآسانی ازالہ ہو سکے اور امت کے قائدین کیلئے ضروری ہے کہ وہ خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ آپس میں مل کر ایک ایسی مناسب حکمت عملی تیار کریں جس کی بدولت اہل اسلام مغربی میڈیا کی یلغار سے بچ سکیں اور ایمان و عمل پر گامزن رہیں۔

# اسرائیلی خفیہ ایجنسی ''موساد'' عالمی دہشت گردی اور تخریب کاری کی آلہ کار!

از : محمد یونس محمدی لکھیم پوری
فاضل مدرسہ شاہی، مراد آباد

اسرائیلی خفیہ ایجنسی ''موساد'' ساری دنیا میں دہشت گردانہ کارروائیوں کی آماجگاہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کا وجود دہشت گردی سے عبارت ہے جو پوری دنیا کے امن وسلامتی کو غارت کرنے کیلئے عالمی نقشے پر ابھرا ہے۔ موساد اپنے روز قیام ہی سے فتنہ وفساد بھڑکانے اور بدامنی پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ جب کہ ۱۹۷۲ء میں اس نے اپنے گرد ایسے پردے تان لئے تاکہ اس کی کارروائیاں دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔

اس کی بعض وہ کارروائیاں جن کا انکشاف ہوا ہے، درج ذیل ہیں۔

(۱) موساد نے فلسطینی تحریک کے لیڈر محمود عشری کا پیرس میں ٹیلی ویژن بم کے ذریعہ قتل کر دیا (۲) غسان کنعانی نامی شخص نے ۸/جولائی ۱۹۷۲/کو بیروت میں ایک کار کے اندر بم رکھ کر اس کو اڑا دیا، جس کو ایک مخصوص آلے کی مدد سے دور سے بلاسٹ کیا گیا تھا (۳) موساد کے ایجنٹوں نے موسیٰ ابوزید کو اپریل ۱۹۷۳/میں کام کرتے ہوئے بم سے اڑا کر ختم کر دیا (۴) محمد ابوضیاء جون ۱۹۷۳/کو پیرس میں بم حملے میں شہید ہو گئے (۵) الفتح تنظیم کے اعلیٰ لیڈر کا ۱۹۷۲ء میں ایک یہودی گروپ نے اٹلی کی راجدھانی میں قتل کر دیا (۶) موساد نے اگست ۱۹۷۸ء میں تنظیم آزادی فلسطین کے پیرس میں موجود دفتر کے آفیسر اور ایک کارکن کو ہلاک کر دیا (۷) ۲۲/جون ۱۹۸۱ء میں الفتح تنظیم بیروت کے سربراہ محمد علی حسن سلامہ کو ہلاک کیا گیا (۸) ۱۹/اکتوبر کو ۱۹۸۱ء میں الفتح تحریک کے ممبر حامد ابوشرار روم میں مقتول ہوئے (۹) یونان کے دارالحکومت میں ۱۹۸۱ء میں مامون قریشی کو قتل کیا گیا (۱۰) ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ابوغزالہ کو شہید کیا گیا (۱۱) موساد نے ۱۴/فروری ۱۹۸۸ء میں قبرص کے اندر تحریک الفتح کے تین مجاہدین کو شہید کیا (۱۲) ۱۶/اپریل ۱۹۸۸ء الفتح تحریک کے نائب صدر اور تحریک کی بنیاد ڈالنے والے ایک فرد موساد کے ہاتھوں شہید کیے گئے (۱۳) تنظیم آزادی فلسطین کے کارکن مجاہد محمد عاطف فرانس میں جون ۱۹۹۲ء میں شہید کئے گئے (۱۴) ۳/نومبر ۱۹۹۴ء میں حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مؤسس کی کار کو ٹیکنالوجی یونیورسٹی خانیوس میں بم سے اڑا دیا گیا (۱۵) محمد خواجہ جن کا تعلق حرکۃ الجہاد الاسلامی سے تھا، ۲۲/جون ۱۹۹۵ء میں ان کی کار کو بم سے اڑا دیا (۱۶) ۲۶/اکتوبر ۱۹۹۵ء میں مالٹا کی راجدھانی میں حرکۃ الجہاد الاسلامی کے امیر فتحی شقاقی کو شہید کیا گیا (۱۷) تنظیم حماس کی فوج کے اعلیٰ کمانڈر محمد عیاش کو ۵/جون ۱۹۹۶ء میں ان کے گھر میں ٹیلی ویژن بم کے ذریعہ شہید کیا گیا (۱۸) اردن میں تنظیم حماس کے سربراہ پر ستمبر ۱۹۹۷ء میں قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر وہ اس حملے میں عجیب وغریب طریقے سے بچ گئے یہ پہلے شخص ہیں جو ''موساد'' کے حملے میں بچنے میں کامیاب ہو گئے۔

تنظیم آزادی فلسطین کے بڑے بڑے لیڈران کا صفایا کرنے کیلئے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کی یہ چند قاتلانہ کارروائیاں ہیں، جب کہ اس کے علاوہ ہزاروں افراد موساد کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔

موساد کی طرف سے مختلف ممالک میں انجام دی جانے والی یہ کارروائیاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ چنانچہ صرف مصر کے دارالحکومت میں موساد نے گذشتہ چند سالوں میں ایسے بیس جرائم کا ارتکاب کیا۔ لیکن جب اس کے ایجنٹوں کو گرفتار کیا گیا تو اسرائیل اور امریکا سخت بے چین ہو گئے اور حملہ آوروں کو آزاد کرانے کیلئے کوئی کوشش باقی نہیں چھوڑی، یہاں تک کہ خالد مشعل پر اردن میں حملے میں ناکام مجرموں

کو بھی رہا کر دیا گیا۔اور امریکا جو بزعم خود دہشت گردی سے نمٹنے کا دعویدار بنتا ہے اس نے چوں تک نہ کی۔

گذشتہ سالوں میں موساد نے معصوم فلسطینی بوڑھوں،عورتوں اور بچوں پر وہ مظالم ڈھائے ہیں اور خوف ودہشت کا ماحول پیدا کیا جس کا احاطہ ناممکن ہے،اس کے باوجود امریکا اور اس کے حلیف ممالک یہی کہتے آئے ہیں: ”اسرائیلی موساد ایجنسی امن وسلامتی کی صورت حال برقرار رکھنے کیلئے کوشاں ہے، حقیقۃً ”حماس“ ایک دہشت گرد تنظیم ہے۔“ جب کہ ”حماس“ کے مجاہدین نے فلسطین سے باہر کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی، وہ واضح طور پر بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہماری مخالفت ان غیر ملکی یہودیوں سے ہے جو غیر ملک سے آکر ہماری زمینوں پر قابض ہو گئے ہیں، ہم ان کے خلاف اپنی آواز اٹھانے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے فلسطین کے گھر گھر میں آگ بھڑکائی ہے وہ فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں نئے مکانات تعمیر کر رہے ہیں جہاں وہ غیر ممالک سے آکر رہائش اختیار کرتے ہیں۔ یہودیوں نے مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا اور برابر کر رہے ہیں، سرزمین فلسطین پر اپنی کالونیاں بنا رہے ہیں اور دنیا کو ڈرا رہے ہیں۔لیکن عموماً ساری دنیا اور اسلامی ممالک خصوصاً بالکل خاموش ہیں۔جب کہ امریکا نے صورت حال کو غنیمت جان کر تقریباً تیس ملکوں اور تحریکوں کی فہرست تیار کر کے ان کو دہشت گرد قرار دے دیا، اور ساری دنیا میں منادی کر دی گئی کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تنظیمیں اپنے جائز حقوق کیلئے لڑ رہی ہیں اور اقوام متحدہ نے کئی ایک قرار دادیں ان کی تائید میں پاس کی ہیں امریکا کی انسانیت واسلام اور مسلمانوں سے دشمنی اسی سے واضح ہو جاتی ہے خصوصاً فلسطینیوں سے جو اپنے جائز حقوق اور اپنے وطن عزیز سے محروم کر دیئے گئے۔

## ایمان باللہ:

یہ بات تو ہم سمجھ چکے ہیں، کہ شریعت نے کئی چیزوں پر ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے بعض کے بارے میں اختصار کے ساتھ یہ بحث ہو چکی ہے، لیکن ان میں بعض باتیں وہ ہیں جو سارے دین اور ایمان کا مرکز اور محور ہیں، ان کے بغیر نہ دین دین ہے، نہ ایمان ایمان ہے، نہ عقیدہ عقیدہ ہے، اور نہ اسلام اسلام ہے۔گویا کہ وہ سارے نظام کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، ان پر صراحۃً ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے بعض کا تعلق حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق رسولوں پر ایمان لانے کے ساتھ ہے، بعض کا فرشتوں اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ہے۔اب ہم اُس اعتقادی اور ایمانی حصے پر بحث کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے جو کہ سب سے اہم الاہم اور اخص الخصوص ہے۔

## اللہ کے معنی:

ہم ایک عظیم الشان ہستی کے بارے میں گفتگو اور بحث کرتے اور سنتے رہتے ہیں، مگر ابتدائی بات کم ہی سنی اور کہی جاتی ہے۔وہ بات لفظ اللہ کے معنی سے متعلق ہے۔(۱) لفظ اللہ اِلٰہ سے ہے، لغت عرب میں اَلالٰہ کا معنی ہے معبود، خدا (۲) اللہ ذات واجب الوجود کا نام ہے (۳) لغت عرب میں اسی مادے سے اَلَّہَ اس کا معنی ہے معبود بنانا، خدا کا مرتبہ دینا (۴) اللہ کا معنی فارسی زبان میں خدا ہندی زبان میں دیوتا انگریزی زبان میں ”گاڈ“ ہے۔ (۵) عربی لغت میں اِلٰہ کا معنی ہے ”مستحق عبادت“ (۶) خدا تعالیٰ کا اسم ذات ہے جو واجب الوجود ہے، اصطلاح میں اللہ کسے کہتے ہیں؟ "اللہ هو علم لذات الواجب الوجود المستجمع لجميع الصفات الكمال المنزه عن النقص والزوال" اللہ ایسی ذات عالی کا نام ہے جو واجب الوجود ہے، تمام صفات کمال کی جامع ہے، اللہ ایسی ذات کو کہتے ہیں جو نقص اور زوال سے منزہ اور پاک ہو۔

**اللہ کے بارے میں عقیدہ** : اسلام کے اعتقادی اور عملی نظام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں عقیدہ وایمان رکھنا بنیادی واساسی حیثیت رکھتا ہے، سب ایمانیات واعتقادات میں یہ اصل الاصول ہے اور باقی اعتقادات اس کی فرع ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا اور جو ہم عقیدہ وایمان رکھتے ہیں اس کا لب لباب، اور حاصل یہ ہے کہ:

(۱) اللہ ایک عظیم ہستی کا نام ہے جو موجود ہے لیکن اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔(۲) اللہ ہی اس رنگا رنگ کائنات کا یکہ وتنہا رب ومالک ہے۔(۳) اللہ تعالیٰ ایسی ذات کا نام ہے جو اس تمام کائنات کا اکیلے مالک ومختار ہے۔اس کے تصرفات میں اپنی منشاء شامل ہے۔ (۴) اللہ ایسی ذات ہے جو اکیلے ہی ہم سب کی عبادت کے لائق ہے۔عبادات میں کوئی دوسرا اس کا شریک وسہیم نہیں ہے۔(۵) وہ خالق ہے جو چیزوں کو نیست سے ہست کرتا ہے اور عدم سے وجود میں لاتا ہے۔(۶) وہ رب ہے جو اپنی مخلوق کو رزق دیتا ہے۔(۷) وہ علیم ہے ہر بات خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اس سے باخبر ہے۔اس وقت کیا ہو رہا ہے آئندہ کیا ہوگا وہ سب جانتا ہے۔(۸) وہ حکیم ہے اسکے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں۔(۹) وہ عزیز ہے جو ہر شئے پر غالب اور طاقتور ہے۔(۱۰) وہ عادل ہے، اس کا ہر کام اندازے کے مطابق ہے۔وہ کسی کام میں ناانصافی نہیں کرتا۔(۱۱) وہ احد اور صمد ہے، کوئی اس جیسا نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم میں بار ہا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اللہ کی ذات عالی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جتنی صفات ہیں ان کو تسلیم کیا جائے اللہ کے احکامات کو مانا جائے اور جو اوامر ہیں انہیں مان کر نواہی سے بچا جائے۔انسان اللہ پر اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ایک ذات واجب الوجود کا نام ہے، اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

## اللہ تعالیٰ کا وجود:

اللہ تعالیٰ ان دیکھی ہستی کا نام ہے جس کے وجود اور ہستی سے انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں، قرآن کریم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر زیادہ زور دینے کی بجائے دوسرے عقائد پر زور دیا ہے لیکن پھر بھی کہیں کہیں اشارات ضرور ملتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔

## خلاصہ کلام:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے انسان کو ایسی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے جو زمین و آسمان اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے اس کا مالک ہے، اس کی ذات پر ایمان لائے بغیر انسان کی نجات نہیں ہوسکتی۔ انسان دنیا و آخرت میں رسوا ہوگا اور پھر اس عظیم ہستی نے جو نشانیاں اور علامات دکھائی ہیں ان کے علاوہ اس کی کہنہ اور ماہیت کے بارے میں فضول بحث و تمحیص میں نہیں پڑنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان یہ عقیدہ رکھے کہ

(۱) اللہ اکیلا ہے — اللہ احد

(۲) اللہ بے نیاز ہے — اللہ الصمد

(۳) اللہ اولاد سے پاک ہے — لم یلد ولم یولد

دوسرے مقام پر آتا ہے — ولم یتخذہ ولدا

(۴) اولاد دینے والا وہی ہے — یھب لمن یشاء اناثاً ویھب لمن یشآء الذکور

(۵) وہ ہر ظاہر و مخفی کو سننے جاننے والا ہے — وھو السمیع العلیم،

دوسرے مقام پر آتا ہے ان اللہ لا یخفیٰ علیه شیء فی الارض ولا فی السماء (آل عمران)

(۶) غیب داں صرف اللہ ہے

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو (الانعام)

(۷) اللہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے نحن اقرب الیه من حبل الورید (قٓ)

(۸) اللہ تمام سرگوشیاں سنتا ہے

ما یکون من نجویٰ ثلثة الا ھو رابعھم ولا خمسة الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلك ولا اکثر الا ھو معھم این ماکانوا (المجادله)

(۹) انسان اللہ کی طرف لوٹ کر جائے گا

واعلموا انکم ملٰقوہ (البقرہ) واعلموا انکم الیه تحشرون (البقرہ)

## ایمان بالکتب:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایمان بالکتب ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم نازل فرمایا؛ جس میں اطلاع دی گئی کہ اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار صحائف نازل کئے، حضرت موسیٰؑ پر تورات حضرت داؤدؑ پر زبور اور حضرت عیسیٰؑ پر انجیل اتاری ان پر بھی ایمان لایا جائے، انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں سمجھا جائے اور حضرت ابراہیم پر صحیفے آئے اور حضرت موسیٰ پر بھی آئے، انہیں بھی مانا جائے، ماننا سب کو ہے مگر ایمان اور اعتقاد صرف قرآن حکیم پر رکھنا ہے، قرآن حکیم جن باتوں کی تصدیق کرے انہیں تسلیم کیا جائے اور جن باتوں کی تردید کرے، انہیں نہ تسلیم کیا جائے، ایمان باللہ اور ایمان بالملائکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

## کتاب کا معنی :

الکتاب مصدر ہے، کتاب اسے کہتے ہیں جس میں لکھا جائے خط، صحیفہ، فرض اور حکم بھی کتاب کو کہا جاتا ہے اور کتب اس کی جمع ہے۔ (۲) ایک دوسرے کے ساتھ ملانا، جمع کرنا، چونکہ کتاب کے مضامین بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے اسے کتاب کہا جاتا ہے۔ (۳) کلام اللہ کو بھی کتاب کہا جاتا ہے، خواہ وہ لکھا ہوا ہو یا نہ ہو (۴) نوشتہ نامہ، پوتھی، گرنتھ، جلد، نسخہ، رسالہ، رجسٹر، بیاض (۵) کتاب علی الاطلاق ہر اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہو، الہامی کتاب۔ اھل الکتاب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جو الہامی اور آسمانی کتاب کے پیرو ہوں ام الکتاب کا معنی ہے اصل کتاب (۶) کتب ماضی کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے، اس نے لکھا، جب اس کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے، کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنا، واجب کرنا، جیسا کہ کتب اللہ علیٰ عبادہ الطاعة وعلیٰ نفسه الرحمة اللہ نے اپنے بندوں کو اطاعت کا حکم دیا، اور اپنی ذات پر رحمت کو ضروری قرار دیا ہے۔

**کتابوں کی تعداد :** حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے کل کتابیں کس قدر اتاری ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سو صحائف اور چار کتابیں اتاری ہیں۔

پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر۔

تیس صحیفے حضرت ادریسؑ پر۔

دس صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر۔

دس صحیفے حضرت موسیٰؑ پر تورات سے پہلے، اور ان کے علاوہ چار کتابیں نازل فرمائیں۔

تورات حضرت موسیٰؑ پر۔

زبور حضرت داؤدؑ پر۔

انجیل حضرت عیسیٰؑ پر، اور

قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے دریافت کیا، کہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا بات تھی؟

ارشاد فرمایا: وہ سب ضرب الامثال تھیں، مثلاً او متسلط ومغرور بادشاہ میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ تو پیسہ پر پیسہ جمع کرے، میں نے تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ مجھ تک مظلوم کی فریاد نہ پہونچنے دے، تو پہلے ہی اس کا انتظام کردے اس لئے کہ میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا، اگرچہ فریادی کافر ہی کیوں نہ ہو۔

میں نے پوچھا: حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟

آپؐ نے فرمایا: سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں مثلاً میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو موت کا یقین ہو پھر کسی بات پر خوش ہو، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ اس کو موت کا یقین ہے پھر وہ ہنستا ہے، میں تعجب کرتا ہوں، اس شخص پر کہ جس کو تقدیر کا یقین ہے، پھر رنج ومشقت میں مبتلا ہوتا ہے، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عنقریب حساب کا یقین ہے، پھر نیک اعمال نہیں کرتا، وغیرہ وغیرہ۔

قرآن حکیم میں جو کچھ موجود ہے، اسے ماننے میں ہی نجات وفلاح ہے، اسے اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے کی جراءت کوئی نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اسے اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایسا کرے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ساری دنیا اس ارشاد کو سنے۔ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقائ نفسی (یونس)

آپ فرمادیجئے: کہ میں اس کتاب کو اپنی طرف سے بدلنے کا حق نہیں رکھتا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کی ہر آیت عقیدہ ہے، ہر آیت پر ایمان لایا جائے، کسی ایک آیت کے بارے میں ذہن ڈگمگا جائے تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اس لئے الحمد کی ''الف'' سے لے کر والناس کی ''س'' تک سارا قرآن ایک مسلمان کا عقیدہ ہے۔

پورے قرآن کو کھول کر پڑھا جائے تو انسان محسوس کرتا ہے، کہ انسان کی زندگی کے بے شمار مسائل کا حل قرآن نے پیش کیا ہے، مسئلہ صرف ایمان ویقین کا رہ جاتا ہے، جو آدمی حق تعالیٰ کے فرمودات کو بہ دل وجان تسلیم کرتا ہے وہ کامیاب ہے، اور جو شک وشبہ کی زنجیروں میں گرفتار ہوگیا۔ اس کیلئے دونوں جہان ظلمات اور اندھیرا بن گئے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ ہر ہر فرمان کو دل وجان سے مان کر عمل کرے۔

## خلاصہ بحث :

(۱) قرآن حکیم نے ہمیں اطلاع دی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر صحائف اتارے۔ (۲) انبیاء پر کتابیں اتاریں (۳) آخر میں ساری کتابوں کی سردار کتاب قرآن کی شکل میں اتاری، (۴) ان تمام کتابوں وصحیفوں پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ جب تک ان تمام کتابوں پر ایمان نہیں لایا جاتا، انسان اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا، ایمان سب پر لانا ہے کہ یہ منزل من اللہ ہیں اور اتباع صرف قرآن حکیم کی کرنی ہے، اگر قرآن کے علاوہ کسی کتاب میں نجات کا عقیدہ اپنایا گیا تو وہ باعث نقصان ہوگا، قرآن کے کسی حرف اور کسی آیت میں شک کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے، اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے انسان فاسق اور گنہ گار ہوتا ہے، اور ان کے انکار سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ (ایمان باللہ اور ایمان بالکتب کا مکمل مضمون از ص ۹ تا ۱۲ گذر چکا ہے)

## ایمان بالرسل:

حضرات انبیاء ورسل پہ ایمان یہ بھی اسلام کے بنیادی واساسی عقائد میں سے ہے، قرآن حکیم نے ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسل کا حکم بھی دیا ہے، انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے اپنے علاقوں اور جگہوں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ کرتے رہے، اپنی اپنی قوم کو رشد وہدایت اور راہ مستقیم پر گامزن کرتے رہے، انبیاءؑ کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ ہے، مگر ہمیں قرآن حکیم کے توسط سے چند ناموں کے علاوہ کچھ علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ انبیاء کے نام ذکر کئے اور کئی انبیاء کے نام نہیں بتائے۔

تمام انبیاءؑ پر ایمان ضروری ہے، کسی ایک نبی کی تکذیب گویا تمام انبیاء کی تکذیب ہے اور کسی ایک کی تصدیق سب کی تصدیق ہے، اسلام تمام انبیاء ورسل پہ ایمان کو ضروری سمجھتا ہے، کوئی شخص کسی ایک رسول پہ ایمان لائے، دوسرے رسولوں پر ایمان نہ لائے، تو ایسا شخص اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔

جن انبیاءؑ کرام کے اسمائے گرامی قرآن میں مذکور ہیں ان پر صراحتہً ایمان رکھنا ضروری ہے، اور دیگر تمام انبیاءؑ جن کے اسماء سے ہم لاعلم ہیں اور وہ منجانب اللہ انسانیت کی فوز وفلاح، نجات اور کامیابی کیلئے مبعوث ہوئے ان پر اتنا ایمان رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، کہ وہ سب کے سب صدق وصداقت کے پیکر تھے، ''لا نفرق بین احد منھم'' ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور کسی خاص شخص سے متعلق یہ کہنا کہ وہ نبی تھا یا نہیں تھا یہ فضول بحث ہے بلکہ کسی کے حق میں اور کسی کی مخالفت میں دلائل کے انبار لگانے کا حکم ہے، دیگر پیروان مذاہب عجیب عجیب نام لیتے رہتے ہیں مثلاً ہندو، سکھ، آریہ سماج، یہ بھی اپنے کو انبیاء کے پیروکار کہتے ہیں، ہم ان کے پیشواؤں کو برا نہیں کہہ سکتے، ہمیں حکم یہی ملا ہے کہ کسی کے پیشواء کو برا بھلا مت کہو، وہ تمہارے معبود کو برا بھلا کہیں گے۔

## ایمان بالملائکہ:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم ہے اور ساتھ ہی فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر بھی موجود ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عالیہ میں بھی ایسے ہی حکم ملتا ہے، فرشتوں پر ایمان وعقیدہ اسی طرح رکھنا چاہئے جس طرح اللہ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا یہی کامیاب ترین عقیدے کی علامت ہے اگر اس طرح عقیدہ نہ رکھا جائے تو عقیدے میں فساد اور گڑبڑی کا اندیشہ ہے مشرکین مکہ نے

دوقسم کی مخلوقات کواللہ کا شریک سمجھا ہوا تھا، ایک وہ جو ظاہر میں نظر آتی ہیں جیسے سورج، چاند، تارے، آگ، پانی اور انسان انہوں نے ہر بیماری کا ایک ایک شفاء دہندہ بنایا ہوا تھا اور انہیں خدا کا شریک و سہیم سمجھا ہوا تھا بلکہ فرشتوں کو خدا کی بنات (بیٹیاں) سمجھتے تھے قرآن حکیم نے مشرکین کی ان خرافات کو لغو اور بے ہودہ قرار دیا۔

## فرشتہ کے معانی :

قرآن وسنت میں فرشتوں کیلئے لفظ ملائکہ استعمال ہوا ہے، ملائکہ ملک کی جمع ہے، بمعنی فرشتہ (۱) قاصد، فرشتہ کو قاصد اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات مخلوق خدا تک پہنچاتا ہے، اسی طرح فرشتہ کو رسول بھی کہا جاتا ہے، یہ بھی قاصد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور فرشتہ کی تعریف یہ ہے " ھو نورانی یتشکل باشکال المختلفة لا یذکر ولا یؤنث" فرشتہ اللہ کی وہ نورانی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے، وہ نہ مذکر ہوتی ہے نہ مؤنث۔ (۲) فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ نورانی غیر مادی مخلوق ہیں جو خدا تعالیٰ کے احکامات کے مطابق دنیا کا نظام چلا رہے ہیں۔ (۳) فلاسفہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کیلئے جسم نہیں ہوتا، لیکن ان میں دوسری چیزوں پر اثر ڈالنے کی صلاحیت ہے۔ (۴) عیسائیوں کے نزدیک لوگوں کی ارواح موت کے بعد جسم سے جدا ہو جانے کی حالت میں ''فرشتہ'' کہلاتی ہیں۔ (۵) زرتشت دھرم میں ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی تربیت کیلئے پیدا کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان وسائط ہیں۔ (۶) یہودی مذہب میں فرشتوں کو خدا کے بیٹے، قدوسی اور پاک ظاہر کیا گیا ہے، پھر ایک جگہ انہیں گنہ گار کہا گیا ہے۔

اسلام فرشتوں کے بارے میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ وہ نورانی مخلوق ہیں، اللہ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے، ان کے اندر برائی کا کسی قسم کا جذبہ نہیں پایا جاتا، کھانے پینے، رشتے اور ازدواج کے تعلقات سے منزہ اور پاک ہیں، فرشتوں کو ایسے وجود ودیعت کئے گئے ہیں جو عام طور پر نظر نہیں آتے اور مختلف روپ دھار سکتے ہیں، اگر چہ ہر فرشتہ کی اپنی الگ شکل ہے، ایسی شکل کہ انسان اسے دیکھنے کا تحمل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی ان کے طول وعرض کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، حضرت جبریل کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے چھ سو پر ہیں، اور ایک پر کی لمبائی مشرق ومغرب پہ محیط ہے، عرش الٰہی کے اٹھانے والے فرشتوں کے پاؤں اور کولہوں کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے فاصلہ جتنا ہے، کان کی لو سے کندھے تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔

## چار فرشتے افضل:

تمام فرشتوں میں افضل ترین چار فرشتے ہیں، جبریل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل، یہ چار فرشتے انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ حضرت جبریل وحی لانے، حضرت میکائیل روزی پہنچانے، عزرائیل موت اور اسرافیل قیامت کے دن صور پھونکنے کے ذمہ دار ہیں۔

باقی فرشتوں کی تعداد ان گنت ہے ان کی صحیح تعداد کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ حضرت رحمت دو عالم ﷺ کے اس فرمان گرامی سے فرشتوں کی تعداد کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان پر چار انگل کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ کی عبادت میں مصروف نہ ہو، خانہ کعبہ کے عین اوپر آسمان پر ''بیت المعمور'' فرشتوں کا کعبہ ہے، اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ ان کو اس میں داخلے کا موقع نہیں ملتا، ایک حدیث کے مطابق بارش کے ہر قطرے کے ساتھ ایک فرشتے کا نزول ہوتا ہے، وہ حکم الٰہی سے اسے اس جگہ رکھتا ہے، جہاں کے بارے میں اسے حکم ملتا ہے، ان ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتے بے شمار ہیں۔

قرآن وسنت کی بے شمار آیات میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے، مگر ان کی حقیقت سے روشناس نہیں کرایا گیا ہے۔ ان کی صفات کا اور ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کا ذکر ہے، ان پر ایمان لانے کا حکم ہے، لیکن یہ بات نہیں بتلائی گئی کہ وہ کیسے ہیں؟ اور کیسے نہیں؟ بس ان کو ماننے کا حکم ہے، ان کا انکار کرنا کفر ہے، حضرت رحمت دو عالم ﷺ پر اترنے والی وحی میں ان کا ذکر ہے، آپ ﷺ کے ارشادات میں ان کا ذکر ہے، فرشتوں کے انکار کا مطلب یہ ہوگا یہ انسان اللہ کی وحی اور نبی رحمت ﷺ کے فرامین کی تکذیب کر رہا ہے، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور جب تک ایمان باللہ کے ساتھ فرشتوں پر ایمان نہ لائے وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔

## خلاصہ بحث :

ملائکہ پر ایمان دراصل اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا تتمہ اور تکملہ ہے، ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ نہیں کہ محض اتنی بات تسلیم کر لی جائے کہ فرشتے صرف مخلوق ہیں، بلکہ فرشتوں پر عقیدہ رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا صحیح مقام اور حیثیت مانی جائے، جن اقوام ومذاہب نے فرشتوں کو اللہ کے بیٹے کہا یا بیٹیاں کہا، انھوں نے سراسر بہتان تراشی کی، جنہوں نے ان کو خدا کا مشیر یا معاون کہا اور کوئی ان کے جسمانی وجود کا قائل ہوا، یہ سراسر ظلم وناانصافی کی باتیں ہیں اور قرآن کے مذکورہ ارشادات کے بالکل خلاف ہیں۔

(۱) فرشتوں پر ایمان لانے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی و عظمت کا شعور راسخ ہوتا ہے، اسے اللہ کی رحمت کا احساس ہوتا ہے، فرشتوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ انسان کے تمام اقوال واعمال نوٹ کریں، اس احساس کے پیش نظر انسان گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔

(۲) میدان کارزار میں جب مسلمان وشمنان اسلام کے خلاف برسرپیکار ہوتا ہے تو ایمان بالملائکہ ان کی جراءت وشجاعت کا باعث بنتا ہے، چونکہ مسلمان کا یہ ذہن ہوتا ہے کہ ملائکہ حکم خداوندی سے اسکی مدد کر رہے ہیں۔

(۳) فرشتوں کو ماننے سے مسلمان نیک کام کرتا ہے، برے کاموں سے بچتا ہے، کہ فرشتے اہل جنت کا استقبال کریں گے، اہل دوزخ کو ڈانٹیں گے۔

(۴) فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں کہ فرشتے انسان سے افضل

ہیں بلکہ انسانوں کی عظمت کا اقرار تو اسی دن سے ہو گیا تھا جب ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا۔فرشتوں پر ایمان سے ایمان باللہ مستحکم اور مضبوط ہوگا۔

(۵) حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرشتوں سے متعلق جو جو ارشادات فرمائے ہیں، وہ سارے برحق ہیں، ان پر ایمان لانا اور یقین کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے، ان کے انکار سے انسان دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے، اور جب انسان ایمان باللہ کے ساتھ فرشتوں پر ایمان نہیں لاتا اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا، انھیں خدا کی بیٹیاں سمجھنا سراسر شرک ہے۔

(۶) خدا کے فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے، اسلئے کہ وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان قاصد ہیں مادیت اور روحانیت کے درمیان واسطہ ہیں، اللہ کی مخلوقات کو اس کے حکم کے مطابق چلاتے ہیں، ہمارے افعال و اعمال کو ہر لحظہ نقل کرتے ہیں۔

## ایمان بالیوم الآخر:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایمان بالیوم الآخر بھی ہے، حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی امت کو جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں ان میں آخرت پر ایمان لانا سرِ فہرست ہے، بلکہ کئی مقامات پر ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالیوم الآخر ذکر فرما کر اس دن کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا، ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا۔" مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ "اور اہل تقویٰ کی علامات اور نشانیوں کے بیان میں یوں فرمایا کہ تقویٰ والے " يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ " اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔

## موت سے مفر نہیں :

کائنات میں ہر چیز کا انکار کیا گیا، رسولوں کو جھٹلایا گیا، کتابوں کا انکار کیا گیا ، اور خلاقِ ارض وسماء کا انکار کیا گیا، مگر ایک چیز ایسی ہے جس کا انکار آج تک کسی نے بھی نہیں کیا اور وہ ہے موت، انسان پر موت آئے، اور یہ اٹل قانون ہے موت کا دھیان ہر وقت ہونا چاہئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :" كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ " ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

اور پھر اس دنیا میں کسی کو بقاء اور دوام نہیں ہے، حضرت آدمؑ سے لے کر اس دم تک کتنے انسان آئے اور آخرت کی طرف کوچ کر گئے، ان سب کی زندگیاں اور پھر اموات اس بات کی خبر دے گئیں کہ دنیا میں رہنے کے بعد ایک دن ایسا آئے گا کہ جب انسان موت کے منہ میں چلا جائیگا، کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، آسمان ٹوٹ پھوٹ جائے گا، چاند ستارے بے نور ہو جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔ارشاد باری ہے :كل من عليها فان ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

انسان، حیوانات غرض یہ کہ ایک اللہ کی ذات باقی، باقی ساری کائنات فانی ہے۔سب پہ موت آئے گی، اس لئے موت کی تیاری کرنی چاہئے، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، اور نہ ہی کسی کو موت سے مفر ہے، بڑے بڑے حکماء واطباء جو دوسروں کی جانیں بچانے کیلئے طرح طرح کے علاج معالجے کرتے ہیں، وہ اکثر اسی بیماری میں مبتلا ہو کر دوسرے جہاں میں پہنچ جاتے ہیں۔

## عالم تین ہیں :

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے، کہ عالم (جہان) تین ہیں۔

### (۱) عالمِ ارواح :

جہاں انسانوں کی روحوں کو جمع کیا گیا تھا، جہاں لوگوں نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔

### (۲) عالمِ دنیا :

جہاں انسانوں کی چہل پہل ہے، فلک بوس عمارات، زرق برق لباس، جہاں انسان کسی دوسرے جہان میں جانے کا ارادہ نہیں رکھتا، جسے انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے، صبح و شام کاموں میں مصروف رہتا ہے، بڑی بڑی امیدیں قائم کرتا رہتا ہے۔

### (۳) عالمِ برزخ وآخرت :

انسان پر جب موت آجاتی ہے، اس کے بعد اسے قبر میں رکھا جاتا ہے، اسے عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ازروئے حدیث نبویؐ القبر اوّل منزل من منازل الآخرة (معارف الحدیث) قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، دنیا سے رخصت ہونے کے بعد، جسم سے روح نکل جانے کے بعد انسان عالم برزخ کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔

انسان پہلے عالم ارواح میں، پھر عالم دنیا میں پہنچتا ہے، اس کے بعد دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ان کی مثال ایک چلتے پھرتے انسان کی ہے کہ اسے علم ہی نہیں کہ وہ ایک نامعلوم وقت میں عالم ارواح میں تھا، وہاں اس نے اللہ کی وحدانیت و ربوبیت کا اقرار کیا، انسان اپنے باپ کی رگوں میں خون کی شکل میں گردش کر رہا تھا، پھر ماں کے رحم میں نطفے کی شکل میں قرار پکڑا، نو ماہ ماں کے شکم میں رہا ، غذا کھاتا رہا، پھر دنیا میں آگیا، ان نامعلوم مقامات پر انسان رہا، پھر ایک مقام پر اسے آکر معلوم ہوا کہ وہ ایک سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہے۔

اسی طرح اس عالم میں انسان کو خبر نہیں کہ ابھی اک جہاں اور بھی ہے، اس کیلئے تیاری کی جائے۔جس طرح انسان کو ماں کے پیٹ میں یہ کہا جاتا ہے کہ تو دنیا میں جائے گا، طرح طرح کی چیزیں دیکھے گا، مگر وہ یقین نہیں کرتا، مگر واقعتہً وہ اس ناقابل یقین دنیا میں آکر رہا، اسی طرح آخرت بھی آئے گی۔

## انسان اور موت :

موت آئے گی یہ فیصلہ قطعی ہے، مگر اسے محسوس کرنے کیلئے انسانوں کے اذہان مختلف ہیں۔

(۱) ایک وہ لوگ ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ ماضی رائیگاں چلا گیا، مستقبل پردۂ خفاء میں ہے اور ہمارے ہاتھ میں صرف اور صرف وہ پل اور وہ وقت ہے جس میں زندگی کی سانس لے رہے ہیں، یہ خیال شاعرانہ تخیل کے سوا کچھ نہیں، ان کے ہاں ماضی ایک خواب تھا، اور مستقبل ایک سراب ہے، ماضی گزر گیا، مستقبل آئے گا ہی نہیں یہ خیال سراسر غلط ہے، جسے وہ ماضی کہہ کر ضائع سمجھتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوا، وہ ایک کتاب کی شکل میں محفوظ ہو گیا، اور جسے مستقبل سمجھ کر اس سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، اگر چہ وہ ہمارے احساس سے غائب ہے مگر وہ ایک قادر اور مختار کل ہستی کے پاس موجود ہے، وہ آئے گا اور یقیناً آئے گا، اس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ موت یقیناً آئے گی، اور زندگی کے ایام بہت قلیل رہ گئے ہیں، زندگی کا خمیر مصائب وآلام سے اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے زندگی کے باقی ماندہ ایام کو عیش وطرب میں گزار لئے جائیں، رنج والم سے بھاگ کرے کا جام نوش جان کر لینا چاہئے، اس طرح زندگی کے جو دن رہ گئے ہیں ان کو موسیقی، شاعری، سرمستی اور شہوت پرستی کے مہیب اندھیروں میں پڑ کر گزار لیا جائے۔

(۳) ان تخیلات اور تصورات کے علی الرغم ایک نظریہ اہل ایمان کا ہے، جن کا ایمان ہے کہ موت انسان کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے، بلکہ موت سے انسان کی نئی زندگی کا آغاز ہے، حضرت رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لوگ سو رہے ہیں، موت آئے گی پھر بیدار ہوں گے" یہ موقف درست ہے، اسلئے کہ یہ زندگی فانی ہے، اسے بقاء اور دوام نہیں، بلکہ زندگی تو مابعد الموت ہے، زندگی تو آخرت کی ہے۔

## آخرت کے بارے میں عقیدہ :

قرآن حکیم نے انسان کو غفلت اور مدہوشی سے خبردار کرنے کیلئے بار بار بتایا ہے، کہ اصل زندگی آخرت کی ہے، جہاں اچھائی اور برائی کا حساب ہوگا، دنیا کے اعمال صالحہ ہوں یا گناہ، لکھنے والے لکھ رہے ہیں، انسان کی سرّی اور پوشیدہ، ظاہر اور بین تمام باتوں کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ انسانی اعمال ایک کیسٹ کی طرح محفوظ کئے جا رہے ہیں، جس طرح ایک کیسٹ میں جو کچھ بھرا جاتا ہے اسی طرح دوبارہ ہو بہو اسے سنا جاتا ہے تو ساری باتیں اسی طرح سنائی دیتی ہیں، اسی طرح کسی ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ریکارڈ کیا جائے تو دوبارہ چلانے پر وہ سب کچھ اسی طرح بتاتی جاتی ہیں، جو اس میں کیمرہ کے ذریعہ بھرا گیا تھا، انسانی اعمال کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کی ریلیں اسی طرح چلیں گی، اور انسان کی ساری زندگی کے اعمال ظاہر ہو جائیں گے، اور جب اس کے کرتوت واضح ہوں گے تو پھر اس کی چیخ و پکار عجیب ہوگی۔

(۱) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ (الکہف:۶)

جب اعمال نامہ پیش ہوگا، آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا مجرم اس سے ڈریں گے، اور کہیں گے ہائے افسوس یہ کیسی کتاب ہے، کہ ہماری کوئی چھوٹی و بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو، جو جو کچھ انھوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔

(۲) نامۂ اعمال جب پیش ہوگا تو ہر شخص اپنا کیا ہوا دیکھ لے گا۔ ارشاد ہوگا :اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:۱۴) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے، آج حساب لگانے کیلئے تو خود ہی کافی ہے۔

(۳) نیکوکار کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ خوشی سے جھوم اٹھے گا، اور اسے دکھاتا پھرے گا، اور اپنی کامیابی کی خبر دے گا اور کہے گا۔ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۔ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (الحاقہ) لو دیکھو : پڑھو میرا نامۂ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔

(۴) بدکاروں کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال تھما دیا جائے گا، اور وہ ندامت اور شرمندگی کے مارے کفِ افسوس ملتے ہوں گے جو اس وقت بے سود اور بے فائدہ ہوگا، اور یوں دہائی دینے والا واویلا کرے گا۔ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۔ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۔ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۔ مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۔ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۔ اے کاش میرا اعمال مجھے نہ دیا جاتا، اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش وہی دنیا والی موت (میرے لئے) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا مال مجھے کچھ کام نہیں آیا، میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا۔

(۵) اور وہ مجرم اور بدکار لوگ بھی ہوں گے، جنہیں نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا جائیگا۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۔ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۔ (الانشقاق:۱۲) بہر حال وہ شخص جسے نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا، وہ موت کو پکارے گا، اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔

حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے۔ "الدنیا مزرعة الآخرة"

جو آدمی اس دنیا میں جیسی بوائی کرے گا، ویسی ہی آخرت میں کٹائی کرے گا، نیک اعمال کرے گا تو آخرت میں بہتر پھل ملے گا، جزائے خیر ملے گی، ثواب کا مستحق بنے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ دائیں ہاتھ میں پروانۂ جنت دے گا، جس سے انسان خوش ہو جائے گا، اور سب کو دکھاتا پھرے گا، پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا، اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اگر انسان دنیا میں بدکاریاں اور سیاہ کاریاں کرے گا تو آخرت میں اس کا بھیانک انجام ہوگا اسے سزا ملے گی۔ اسے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ وہ اسے دیکھ کر نادم اور شرمسار ہوگا، کہ میرا سارا نامۂ اعمال سیاہ اور تاریک ہے، وہ اسے چھپاتا پھرے گا، پھر جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جہاں وہ آگ میں جلتا رہے گا۔

## خلاصۂ کلام:

(۱) قیامت کا دن ضرور آئے گا۔ جس میں ساری کائنات فنا ہو جائے گی۔ حضرت اسرافیلؑ کے صور سے ساری دنیا موت کے منہ میں چلی جائے گی۔ (۲) میدانِ حشر قائم ہوگا، جہاں نیکی بدی کا حساب ہوگا۔ (۳) ایمان والے جنت اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، فرشتے اس کا استقبال کریں گے، اور کافر و مشرک ہمیشہ جہنم میں جلیں گے، فرشتے ان پر لعن طعن کریں گے۔ (۴) دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں کیا ہوا جرم ظاہر ہو جائے گا۔ (۵) انسان کے اعضاء ان کے کرتوت کی گواہی دیں گے، ہاتھ پاؤں، زبان بولے گی۔ (۶) ہر کسی کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ بے انصافی نہیں ہوگی، اس کا اعتراف کافر بھی کریں گے کہ ہم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا (۷) کافروں کی شفاعت نہیں ہوگی، مال و اولاد، کوٹھی اور جائیداد کام نہیں آئے گی۔ (۸) مجرموں کو رشوت اور فدیہ لے کر چھوڑا نہیں جائے گا (انشاء اللہ تفصیل مستقل عنوان سے آ رہی ہے)

یہ پانچ بنیادی اور اساسی عقائد تھے، جن کا قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

## توحید:

توحید اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے، عالم ارواح میں جب سارے انسانوں کی روحوں سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کروایا جا رہا تھا تو بے ساختہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار و اعلان کیا گیا، حضرت آدمؑ نے بھی اللہ کی توحید کا درس دیا، حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک توحید کا پرچار کرتے رہے، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت کے مشرکین سے ٹکر لی، اللہ کی توحید کا اعلان کیا، اسی جرم کی پاداش میں آپ کو نمرودی فوجوں نے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے بھی اسی توحید کا اقرار کیا، فرعونی لشکر سے نبرد آزما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا کہتے رہے۔ حضرت رحمت دو عالم ﷺ بھی اسی توحید کا اعلان کرتے رہے، اسی جرم حق گوئی و اعلان توحید کی خاطر آپ ﷺ کو فاران کی چوٹیوں پر صفا کی بلندیوں پر دشنام (گالی) دیا گیا، آپ کو پریشان کیا گیا، توحید کی دعوت دینے کے جرم میں طائف کے بازاروں میں آپ کو لہولہان کیا گیا، اسی خاطر آپ ﷺ کی گردن پر بحالت سجدہ اونٹ کی گندی اوجھڑی ڈالی گئی۔ آپ ﷺ کے گلوئے مبارک میں کپڑا ڈال کر کھینچا گیا، آپ ﷺ پر آوازے کسے گئے، آپ کو گالیاں دی گئیں، آپ کو شاعر، پاگل، مجنون اور جادوگر تک کہا گیا، دور دراز سے سفر کر کے آنے والوں کو آپ ﷺ تک پہنچنے نہیں دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کو سرزمین عرب پر بدنام کرنے کی ناتمام کوششیں کی گئیں۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو پیٹا گیا، رسیوں سے باندھ کر گھسیٹا گیا، ان کی چمڑیاں ادھیڑ دی گئیں، ان کو آنکھوں سے محروم کر دیا گیا، آپ ﷺ کو دعوت توحید اور رد شرک کی خاطر اپنا پیارا شہر مکہ چھوڑنا پڑا، اسی خاطر آپ ﷺ کے ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔

شرار بولہبی اور چراغ مصطفوی کے آغاز ہی سے اسی عنوان پر کشمکش چل رہی ہے، جہالت کی ماری ہوئی انسانیت شیطان کی پڑھائی ہوئی پٹیوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے آقا اور مالک کو فراموش کرتی گئی، نت نئے دیوتا اور اصنام کو پوجنا شروع کیا، دوسری جانب حق و صداقت کی خوش کن آوازیں دعوتِ توحید سے ایمان کو روشن کرتی رہیں۔ ایک طرف جہالت و شرک کے اندھیارے تھے، دوسری جانب توحید کی شمع فروزاں رہی، ہر دور میں شرک و بت پرستی کے اندھیرے چھائے اور چھٹ گئے مگر توحید کا چراغ آغاز سے تاہنوز اسی چمک اور آب و تاب سے ضوفگن ہے۔

## توحید کا معنی:

(۱) توحید کا لفظ وحدت سے ہے، اس کا مادہ وحد ہے، لغوی معنی ایک ماننا، ایک ٹھہرانا۔ (۲) واحد وحدت کے معنی انفراد یا اکیلا ہونا اور واحد درحقیقت وہ ہے جس کا کوئی جزو نہ ہو، مگر اس کا استعمال بہت وسیع ہے، جس کی کوئی نظیر نہ ہو، اور جب "واحد" اللہ کی صفت ہو تو اس کا معنی ہوگا، وہ جس کا نہ کوئی جزو بن سکتا ہے اور نہ ہی جس میں کثرت ہو سکتی ہے۔ (۳) "احد" کا استعمال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔

اصطلاح میں توحید کی تعریف یہ ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات میں اور اس کے افعال میں اکیلا، یگانہ اور یکتا سمجھنا اور ماننا، صرف ایک اللہ ہی کو عبادت کے لائق سمجھنا، صرف اللہ کو معبود سمجھنا، صرف اسی کو رزاق سمجھنا۔

(۲) توحید کی تعریف: دل سے اللہ کو ایک سمجھنا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔

## توحید کی اقسام:

توحید کی چار اقسام ہیں۔

(۱) توحید فی الذات　(۲) توحید فی الصفات

(۳) توحید فی العبادات　(۴) توحید فی الافعال

## توحید فی الذات:

"**توحید فی الذات**" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں اکیلا اور یگانہ سمجھنا، اس کی ذات میں کسی غیر کو شریک و سہیم نہ سمجھنا۔ جس طرح لفظ اللہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، یہ نام کسی اور ہستی کا نہیں ہو سکتا، یہ صرف اسی ہستی کا نام ہے جو ان دیکھی ہستی ہے، اور سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہی ہے۔ صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ سے اپنی ذات کی یکتائی کا یوں اعلان کروایا کہ آپ اعلان کر دیں۔ الله احد اللہ ایک ہے۔ دوسری جگہ اللہ کی وحدانیت یوں بیان کی گئی "لا شریک له" اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے۔ ایک مقام پر اس کا شریک ٹھہرانے کی یوں وعید آئی ہے۔ ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثماً عظیما۔ (النساء) جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا، اس نے سخت جھوٹ گھڑا، اور سخت گناہ کی بات کی۔ ایک مقام پر مشرک کو گمراہ قرار دیا۔ ومن

يشرك بالله فقد ضل ضلالاً بعيدا۔

## توحید فی الصفات :

"توحید فی الصفات" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے اسی طرح اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔جس طرح اس کی ذات میں کسی غیر کی شرکت محال ہے، اسی طرح اس کی صفات میں بھی کسی کی شرکت نہیں ہوسکتی۔اس کی صفات اس کا خاصہ ہے وہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔سمع قدرت، حیات اور دیگر بے شمار صفات کا مالک اکیلا اللہ ہی ہے۔خالق کی صفت ہے کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔مالک اسی کی صفت ہے، رزاق اسی کی صفت ہے۔ "محیی" اسی کی صفت ہے۔ "ممیت" اسی کی صفت ہے۔ قیوم اسی کی صفت ہے، ان میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا، وہ وحدہ لاشریك ہے۔

## توحید فی العبادات :

"توحید فی العبادات" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا، اس کی پرورش کی، اسے جوان کیا۔اسے صحت وتندرستی عطا کی، اسے دو آنکھیں اور دو کان عطا کئے۔عقل وشعور بخشا، ہاتھ پاؤں دیئے۔غرضیکہ انسان کی کوئی چیز اپنی ذاتی نہیں بلکہ سب منجانب اللہ عطا کی گئی ہیں۔جب ایک طرف یہ بخشائش اور عنایات ہیں تو دوسری طرف جبین نیاز کو رکوع یا سجود، قعود، تسبیح وتہلیل، ذکر واذکار، حمد وثناء یہ کسی غیر کیلئے نہیں ہوسکتی۔ان سب کی مستحق اور لائق صرف اور صرف ایک ہی ہستی ہے، جسے اللہ کہتے ہیں۔جس طرح ذات وصفات میں وہ لاشریک ہے، اسی طرح عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔کوئی اور نہیں۔اسی لئے وہ دعا سکھائی گئی جو مسلمان پنجگانہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اس میں یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عبادت بھی صرف اللہ ہی کیلئے ہے، ہر مسلمان کہتا ہے۔اياك نعبد۔ (فاتحہ) ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔پھر ارشاد ربانی ہے اعبدوا ربكم الذی خلقكم۔ (البقرہ) اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔دوسرے مقام پر یوں آتا ہے فاعبدنی میری ہی عبادت کرو۔ایک مقام پر آیا لا تعبد الشيطان شیطان کی عبادت نہ کرو، سورج چاند کی پوجا نہ کرو، ستاروں اور سیاروں کی پوجا نہ کرو، صرف اللہ ہی کی پرستش اور عبادت کرو۔

## توحید فی الافعال :

"توحید فی الافعال" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں اسے ایک اور یگانہ سمجھا جائے۔اس کے افعال وتصرفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔آسمان اللہ نے اکیلے بنایا، زمین اسی نے بنائی، فرشتے، انسان اور جنات اللہ ہی نے پیدا کئے، یہ اسی کا کام ہے، کوئی اس کا شریک ومعین نہ تھا، کائنات میں ازل سے تا امروز جو کام ہو رہے ہیں وہ اللہ ہی کرتا ہے۔اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اس کی مرضی کے بغیر انسان کوئی حرکت نہیں کرسکتا، اس کی مرضی کے بغیر کسی درخت کا پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی پتہ گر کر زمین پر آسکتا ہے، نہ اس کی مرضی کے بغیر بارش ہوتی ہے اور نہ بادل بنتے ہیں، نہ سمندر بنتے ہیں، نہ سمندر چلتے ہیں اور نہ دریا بپھرتے ہیں۔یہ سارے کام اور تصرفات اسی ایک اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں، جو ارادہ کرتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اس کیلئے پروگرام نہیں بناتا بلکہ صرف اشارہ کرتا ہے۔کن فیکون ہوجا، تو کام ہوجاتا ہے۔ارشاد ہے "فعال لما يريد" جو وہ چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

## توحیدِ خالص :

توحید خالص تو یہ ہے کہ انسان اللہ ہی کو سب کچھ سمجھے، نفع ونقصان دینے والا اللہ، عقل وشعور بخشنے والا اللہ، کائناتِ ہستی کا خالق اور مالک بھی اللہ ہے۔غرضیکہ ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق، نافع اور ضار صرف اللہ ہی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ اس انسان کو متوجہ کررہے ہیں تاکہ یہ کہیں دانستہ و نادانستہ طور پر توحید کی ڈگر سے ہٹ کر شرک کی کھائیوں میں نہ گرجائے۔"انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض" (یونس) ذرا غور سے دیکھو: زمین وآسمان میں کیا کچھ پیدا کیا گیا ہے۔

اس فرمان کے مطابق انسان نے غور کرنا شروع کیا انسان سوچنے لگا بالآخر انسان اس نتیجے پر پہنچا کہ ہاں اِس کائناتِ ارضی وسماوی کو وجود دینے والا، اسے پیدا کرنے والا، اور اس پر حکمرانی کرنے والا کوئی ہے، جس نے ہر چیز کو دوسری چیز پر غلبہ دے رکھا ہے تاکہ نظام کائنات صحیح طریقے سے چلتا رہے اس نے کچھ ایسا نظام بنایا کہ آگ کسی لکڑی کو چھو جائے تو اسے جلا دیتی ہے، مگر اس کے اثر کو ختم کرنے کیلئے پانی کو پیدا کیا، پانی آگ کو بجھا دیتا ہے ایک خاص قسم کے مچھر کے کاٹنے سے انسان کو "ملیریا" ہوجاتا ہے، مگر ایک خاص قسم کی بوٹی "سنکونا" میں ایک ایسا مادہ رکھ دیا جس سے ملیریا ختم ہوجاتا ہے۔

مگر وہ ذات ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے، وہ آگ بجھانے کیلئے پانی کی محتاج نہیں ہے، حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈلوایا، آگ کا کام جلانا ہے، مگر اسے اللہ کا امر نہیں تھا، وہ حضرت ابراہیمؑ کیلئے سلامتی والی بن گئی، چھری کا کام ہے کاٹنا، مگر امر الٰہی نہ ہو تو چھری کی کیا مجال کہ وہ کاٹے؟ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ملا کہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل کو ذبح کرو، آپ چھری چلا رہے ہیں، چھری چل رہی ہے، مگر کاٹتی نہیں ہے، اسلئے کہ چھری کی طاقت اور دھار تب اپنا اثر دکھاتی جب اسے اللہ کا حکم ہوتا۔

قوم سمرین نے اللہ کی توحید کو چھوڑ کر "ان، لیل، ان کی ماں، اراور ماما، پانچ بتوں کو پوجا۔اکاوی قوم نے اللہ کو چھوڑ کر ننگے، مونکے، ہیا، اردکو اوردو پانچ بتوں کو الہٰ بنایا۔بابل والوں نے شرک کی حدود میں داخل ہو کر سورج، سنی، نیبو، امرتوک اور انی پانچ کی پرستش کی۔اشوریوں نے حقیقی خدا کو چھور کر اشور، انو، بعل، ہیا اور وول کو اپنا معبود بنایا۔پرانے مصریوں نے ایسرس، ہورس، اسلیس را اور اتیم کو قابل پرستش

سمجھا۔ چینیوں نے توحید کو چھوڑ کر یانگ، آسمان، سورج، چاند اور ہوا کی پوجا کی۔ ہندوؤں نے پاروتی، ہری ہرا، برہما، وشنو اور مہیش ریشو کو قابل عبادت سمجھا۔ رام بھگتیوں نے توحید کی بجائے اس طرح شرک کو کارثواب سمجھا کہ رام لچھمن لودکیشو اور سیتا کو سب کچھ سمجھ لیا۔ پرانے زمانے کے ایرانیوں نے اللہ کو معبود ماننے کی بجائے اہورامزدا، انگرینو، آتش، آفتاب، اور زمین کو معبود بنایا۔ یونانیوں نے زیوس، پوزیدان، اپرش، اپولو اور ڈیمٹر کو خدا سمجھا۔ رومیوں نے مرکری، سیروفا، بیگی کش، اپالو اور سرنونو کو معبود بنایا۔ ادھر ٹیوٹانیوں نے تھور، وریون، فرج بالدور اور فریر کو معبود بنایا۔ بابلی اہل فلکیات نے عطارد، زہرہ، تھرسا، مشتری اور زحل ستاروں کو پرستش کے لائق سمجھا۔ مالویوں نے پرکوس، ایڈکوسٹ، سوان، وولود اور ڈیمی وول کو خدا کی جگہ دی۔ مشرکین مکہ نے لات، منات، عزیٰ اور ھبل کو اِلٰہ اور معبود بنایا۔

مختلف زمانوں میں مختلف الخیال لوگوں نے نت نئے معبود بنائے اور ان کی پرستش کی اس زمانہ میں بھی بعض لوگ اندھی عقیدت کے جال میں پھنس کر کئی دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں، وہ اپنے زعم میں اسے کارثواب سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ والھکم الله واحد (البقرہ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے

حق تعالیٰ بار بار اپنی وحدانیت کا اعلان فرمارہے ہیں، مگر انسان اتنا ظلوم و جہول ہے کہ وہ ہر بار ارشاد حق سننے کے باوجود اپنی عقل نارسا کے مطابق عمل کرتا ہے، اس کا زعم یہ ہے کہ جو اس کی عقل سوچتی ہے وہ درست ہے، انسان یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے جو چیزیں طاقت والی ہیں، جو ظاہری ٹیپ ٹاپ والی ہیں، ان میں کسی چیز کے کرنے اور نہ کرنے کی قدرت ہے، اسلئے وہ ان کی پرستش کرتا ہے، انسان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے، تو قاری حیران ہوجاتا ہے کہ انسان نے حیوانوں کی پرستش کی، سورج اور چاند کی پرستش کی، سیاروں اور ستاروں کو اِلٰہ و معبود بنایا، دریاؤں اور پہاڑوں کی پرستش کی، آگ، پانی اور ہوا کو پوجا، یہ ساری باتیں انسان کی جہالت اور لاعلمی کی غماز اور عکاس ہیں۔

## خلاصہ بحث :

(۱) رسالت و نبوت کے ذریعہ حق تعالیٰ مخلوق تک اپنا پیغام پہونچاتے ہیں۔ (۲) رسول انسان ہوتے ہیں، مگر عام انسانوں جیسے نہیں بلکہ ان میں اعلیٰ صفات ہوتی ہیں۔ (۳) انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ (۴) رسالت کسب و محنت سے نہیں ملتی، بلکہ یہ ایک وہبی چیز ہے جسے خدا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ (۵) ہمہ گیر اور عالم گیر رسالت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ (۶) نبی مطاع مطلق ہوتا ہے، اس کی اتباع ضروری ہے۔ (۷) منصب رسالت عظیم ہوتا ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (۸) رسالت محمدی تمام رسولوں کی رسالت سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (۹) آپ ﷺ رسالت و نبوت کے آخری تاجدار ہیں آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا، آپ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے اوپر نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم والا کام آپ کی امت کے ذمہ لگا دیا گیا ہے، نبوت ختم ہوگئی مگر کار نبوت ابھی باقی ہے، امت کے ہر شخص کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ نبوی دین کو خود بھی سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

## آخرت:

لفظ ’’آخرت‘‘ ’’دنیا‘‘ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے یہ آخرت کے معنی ہیں بعد میں ہونے والی چیز اور دنیا کے معنی ہے قریب کی چیز۔ آخرت کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس روح کو جسم میں دوبارہ منتقل کر کے اسے دوبارہ زندہ کریگا۔ پھر انسانوں کو اس کے اعمال کی جزاء ملے گی، اچھے اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر سزا ملے گی، نیکوکاروں کو اللہ کے مقام رحمت یعنی جنت میں داخل کیا جائیگا اور بدکاروں کو اللہ کے مقام غضب یعنی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔ ’’ان الابرار لفی نعیم. وان الفجار لفی جحیم‘‘ (سورۃ الانفطار) بے شک نیک لوگ جنت میں ہیں اور بے شک گناہگار دوزخ میں ہیں۔

## تین مختلف نظریات:

آخرت کے بارے میں تین قسم کے نظریات سامنے آتے ہیں۔

ایک نظریہ ان لوگوں کا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان بالکل ختم ہوجاتا ہے، اس فناء کے بعد کوئی حیات نہیں ہے، یہ موقف ان لوگوں کا ہے جو حق تعالیٰ کے منکر ہیں، دہریہ قسم کے لوگ، جو نہ خدا کو ہی مانتے ہیں اور نہ ہی اس کے احکامات کو، یہی نظریہ کفار نے پیش کیا تھا۔ ان ھی الاموتتنا الاولیٰ وما نحن بمنشرین (الدخان) زندگی تو یہی ہے، ہم نہیں اٹھائے جانے والے اور پھر یہی لوگ یوں کہتے تھے، کہ زندگی تو صرف دنیا کی ہے۔ ما ھی الا حیاتنا الدنیا (الجاثیہ)

یہ موقف اور نظریہ سراسر خلاف عقل اور خلاف اسلام ہے، اگر یہ بات ان لوگوں کی عقل وفہم میں نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا ہوگا جس طرح ہم نے کوئی ملک دیکھا نہیں ہے، تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ملک ہے ہی نہیں، ہم نے چین نہیں دیکھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ چین ہے ہی نہیں، اسی طرح اگر کوئی دیہاتی یہ کہہ دے کہ ہوائی جہاز نام کی کوئی چیز نہیں ہے تو جو لوگ جانتے ہیں کہ ہوائی جہاز ہے، جو کئی سو افراد کو لے کر اڑتا ہے، تو وہ اس دیہاتی کو بے وقوف سمجھیں گے، اسی طرح یہ ان لوگوں کا احمقانہ موقف ہے جو اپنے گمان کے مطابق دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں، جس طرح مکہ کے کفار کہتے تھے کہ جب ہم چورہ چورہ ہوجائیں گے تو دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے؟ حالانکہ جس ذات اعلیٰ نے انسان کو پہلی مرتبہ نیست سے ہست کیا اس کے سامنے کیا مشکل ہے، کہ وہ ان ہڈیوں میں جان نہ ڈال سکے۔ حضرت عزیزؑ گزر رہے تھے مکان اپنی چھپریوں پر گرا ہوا ہے، دیکھ کر کہنے لگے کہ اس کی فنائیت کے بعد اسے

کیسے زندہ کیا جائے گا؟ حق تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو وہاں ہی موت دے دی، سو سال بعد پھر زندگی ملی۔ آپ کے پاس جو کھانا تھا وہ اسی حالت میں جوں کا توں رہا، آپ کا گدھا جو موت کی آغوش میں چلا گیا تھا حق تعالیٰ نے اسے بھی زندہ کر دیا، جو رب پہلی مرتبہ ایسے کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی "علی کل شیء قدیر" ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استدعاء کی کہ بار الٰہا! آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں، ارشاد ہوا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے، عرض کی: ایمان تو ہے، صرف اطمینان قلب کیلئے عرض کر رہا ہوں، حق تعالیٰ نے چار پرندے پکڑنے کا حکم دیا، پھر ان کو ذبح کر کے انہیں قیمہ بنانے کا حکم دیا، پھر فرمایا ان کی کھوپڑیاں اپنے ہاتھ میں رکھ لو، اور ان کا گوشت پہاڑوں پر رکھ دو، یہ تمہارے پاس دوڑتے آئیں گے، چناں چہ ایسا ہی ہوا وہ قیمہ شدہ پرندے ویسے ہی ہو گئے تو یہ حق تعالیٰ کی کرشمہ سازی ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ ان لوگوں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا پھل پانے کیلئے اسی دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے، اگر اس کے اعمال بد ہیں تو جب وہ دوبارہ جنم لے گا تو کتے یا بلی یا کسی اور جانور کی شکل میں آئے گا۔ یا کوئی درخت بن جائے گا، یا کسی بدتر درجہ کے انسان کی شکل اختیار کرے گا، اگر اعمال صالح ہیں تو اونچے درجے پر پہنچے گا۔

یہ نظریۂ تناسخ بھی پہلے نظریہ کی طرح خلافِ عقل ہے، کسی دور میں اس نظریہ کو مقبولیت حاصل تھی۔ یونان میں قبل مسیح فیثا غورث انبذ قلس اس نظریہ کے قائل تھے، مصر و روم میں بھی ایک زمانہ تک اِس غلط نظریہ کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ یہودیوں میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے عقیدۂ تناسخ در آیا، رفتہ رفتہ یہ نظریہ فنائیت کے گھاٹ اتر گیا۔ اب یہ نظریہ ہندی مذاہب، بودھ مت، جین مت اور برہمنیت کا اوڑھنا بچھونا بنا ہوا ہے، باقی تمام دنیا اس نظریہ کو مسترد کر چکی ہے۔

اگر بنظر انصاف ہندو مذہب کو دیکھا جائے تو اس میں بھی اس نظریہ کے ہاتھ پاؤں نہیں ملتے، بلکہ قدیم آریاؤں کے نزدیک تو یہ بات عام تھی کہ مرنے کے بعد انسان کو ایک دوسری حیات ملتی ہے۔ جو نیکوں کیلئے سراپا راحت اور گناہ گاروں کیلئے سراپا زحمت و پریشانی ہے۔

ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا ثمرہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ اگر اچھے کام کرے تو اعلیٰ طبقات کی طرف چڑھتا ہے اور برے کاموں کی وجہ سے گھٹیا طبقات کی طرف اترتا ہے۔ اگر انسان نے برے کام کیے تو اس دنیا میں حیوانی طبقات کی طرف اترے گا، اور اگر حیوان نے اچھے کام کئے تو انسانی طبقات کی طرف ترقی کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حیوانی زندگی انسانی زندگی کے برے اور غلط اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور آج انسان جو انسانوں کی شکل میں موجود ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانوں نے پہلے حیوانی زندگی میں اچھے کام کئے تب اِس مقام پر پہنچے، اور موجودہ شکل کے حیوانات اِس لئے اس شکل میں ہیں کہ اس سے قبل انہوں نے انسانی زندگی میں برے کام کئے تھے۔ پوری بات کا لبِّ لباب یہ نکلا کہ انسان حیوانیت سے ترقی کر کے انسان بنا ہے اور حیوان انسانیت سے انحطاط پذیر ہو کر حیوان بنا ہے۔ تناسخ کے قائلین کا یہ نظریہ اتنا بے ڈھنگا اور بے تکا ہے کہ جسے سنتے ہی بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے غلط خیالات پر مذہب کی کیسی بنیاد رکھ دی ہے۔

## اسلامی نظریۂ آخرت :

ان دو احمقانہ نظریات کے علاوہ ایک تیسرا اسلامی نظریہ ہے۔ جس کی بنیاد اور اساس عقل اور انسانی خیالات پر نہیں بلکہ حق تعالیٰ جو خالق کائنات ہیں کے بتائے ہوئے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا کی ہر چیز عارضی ہے، اس کی ہر چیز فانی ہے، نہ زمین کی پستی رہے گی نہ آسمان کی بلندی رہے گی، ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔ کل من علیها فان ہر چیز کو فنا ہے۔

اور پھر ارشاد ہے کل نفس ذائقة الموت۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

اس سارے سسٹم اور نظام میں تبدیلی آئے گی۔ موجودہ سسٹم ختم ہو جائے گا۔ اس کی ایک عمر ہے، اس کے بعد یہ امر ربی سے فنا ہو جائے گا۔ سارا کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اس زندگی کو فنا ہے، بقاء نہیں ہے۔ زوال ہے قیام نہیں ہے۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے، جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء ملے گی۔ صالحین کو جزائے خیر ملے گی اور بدکاروں کو سزا ملے گی۔ جس زندگی سے ہم گزر رہے ہیں اس میں ہم دن رات میں سینکڑوں دل گداز واقعات سنتے ہیں، برائی اور بے حیائی عام ہے، چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں عام ہو رہی ہیں، سرکاری اداروں میں بے دینی چھائی ہوئی ہے، سودی لین دین عام ہیں، رشوتوں پر رشوتیں سرِ عام لی جا رہی ہیں۔ غریب کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، مظلوم کو ظلم و تشدد کی چکی میں پیسا جا رہا ہے۔ ظالم کا ظلم بڑھتا ہے، اس کی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہوتی ہے۔ اور اسی عالم میں وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مظلوم اور مجبور الحال ظالم کے دست تشدد سے سسک سسک کر دم توڑ دیتا ہے۔ دوسری طرف نیکوکاروں کی کمی بھی نہیں جو دن کے شہسوار اور شبِ زندہ دار ہیں۔ جو نیکی کے بامِ عروج پر اس حد تک پہنچے ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان ایک معمولی جثہ والی چیونٹی بھی ان سے محفوظ رہتی ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے، کسی کا مال نہیں کھاتے، چوری نہیں کرتے، رشوتیں نہیں بٹورتے سود کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کے دین کی سرفرازی ہوتا ہے، مگر پھر وہ تنگدستی کے عالم میں رہتے ہیں۔ مصائب و آلام کے سیاہ بادل کے ان کے گرد چیلوں کی طرح منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور وہ اسی عالم میں دنیا سے رختِ سفر باندھ کر عازمِ آخرت ہو جاتے ہیں۔

اس فانی جہان میں ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا نہیں ملتی، اگر ملتی بھی ہے تو آنے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت نہیں بنتی، اور نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا انعام اور صلہ بھی نہیں ملتا، جو کہ ملنا چاہئے، جب یہ بات انسان سوچتا ہے تو فوراً اس کے ذہن

میں یہ بات آجاتی ہے کہ ایک دوسرا جہان ہے جس میں ظالم کے ظلم کا بدلہ اور نیک کو اس کی نیکی کی جزاء ملے گی اور وہ جہانِ آخرت ہے۔

اُس جہان میں نیکی اور بدی کا ترازو تلے گا، عدالت قائم ہوگی، ڈنڈی نہیں ماری جائیگی، چھوٹی اور بڑی ہر چیز اندازے اور مقدار کے مطابق لکھ دی گئی ہے۔ مجرموں کو سزا ملے گی اور نیکو کاروں کو جزاء ملے گی ، یہ نہیں ہوسکتا کہ احکم الحاکمین مسلمانوں اور کافروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کردیں، اسی لئے حق تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ :

**افنجعل المسلمین کالمجرمین ۔** (قلم ع ۲)

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ہم فرمانبرداروں اور نافرمانوں سے ایک جیسا سلوک کریں۔

## اور ہمارا

# لائحہ عمل

# حقائق

دارالعلوم کا فتویٰ
ایک اہم تقاضہ
اسلامی قوانین
اسلام اور دہشت گردی
عصر نبوی اور عصر حاضر کے نوجوان
جہاد اور دہشت گردی
دورِ جدید کا فکری چیلنج اور دینی مدارس
جہاد - مغرب
طلبہ کیلئے ہدایات
اطاعت خداوندی
مومن کا مقصد
طریقۂ علاج لامذہبیت
طلبہ آنے والے انقلاب کے لئے تیار رہیں
آزادیٔ افکار

## کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ عظام اس بارے میں کہ:

امریکہ اور اس کے اسلام دشمن حلیفوں نے عرصہ دراز سے عالم اسلام کو اپنی جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ ماضی میں چیچنیا، سوڈان، لیبیا، عراق، ایران اور فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، مسلم آبادیوں کو خانماں برباد کیا، ان کی جان و مال اور عزت وآبرو کو پامال کیا تاہنوز فلسطین میں امریکہ واسرائیل کی جارحیت جاری ہے۔

اب امریکہ و برطانیہ نے انسداد دہشت گردی کے عنوان سے افغانستان کے مظلوم و بے قصور مسلمانوں کو اپنی وحشیانہ بربریت اور درندگی کا نشانہ بنایا ہے۔ ۷/ اکتوبر سے بموں اور میزائیلوں کے ذریعہ افغان مسلمانوں پر مسلسل حملہ ہو رہا ہے۔ جس سے سینکڑوں مسلمان جاں بحق ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انسداد دہشت گردی نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ایک منظم صلیبی جنگ ہے۔ جس کا اظہار صدر جارج ڈبلیو بش نے خود کیا ہے، نیز امریکہ و برطانیہ کی جانب سے سیاسی سطح پر کی گئی اب تک کی کارروائیاں بھی اسی کی مظہر ہیں کہ انسداد دہشت گردی کے پردہ میں اسلام کے خلاف صیہونی و صلیبی جنگ ہے۔

اس صورت حال میں ہم مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری کیا ہے؟ کیا موجودہ وقت میں ان اسلام دشمن طاقتوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ ہمارے لئے لازم العمل نہیں؟ اور کیا امریکی و برطانوی کمپنیوں کی مصنوعات کی خرید وفروخت کر کے ان کی تجارت اور معاشی قوت کو فروغ دینا، تعاون علی الظلم نہ ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

**الجواب:** ھو الموفق ! ۷/ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے امریکہ اور برطانیہ افغانستان کے مسلمانوں پر میزائیلوں اور بموں کے ذریعہ جو وحشیانہ دہشت گردانہ حملے کر رہا ہے وہ یقیناً کمزور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بربریت اور ظالمانہ حملہ ہے۔ بلکہ امریکہ و برطانیہ کے مسلسل جارحانہ عزائم کا ایک حصہ ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اسلام کے خلاف ایک منظم صلیبی اور صیہونی جنگ ہے۔ جس سے لاکھوں بے گناہ مسلمان، کمزور بچے اور عورتیں ہلاک ومتاثر ہو رہے ہیں۔

اسلئے اس وقت تمام مسلمانوں پر شرعی اعتبار سے اور تمام انصاف پسند برادرانِ وطن پر اخلاقی اعتبار سے لازم ہے کہ امریکہ و برطانیہ کا جس طریقہ سے بھی ہو سکے مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں۔ ان کی مصنوعات کی خرید وفروخت سے کلی طور پر احتراز کریں کیونکہ یہ ظلم وعدوان میں تعاون ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔''

## دارالعلوم کے فتویٰ کے مطابق

### امریکہ و برطانیہ کی وہ چند کمپنیاں جن کی مصنوعات ممنوع ہیں:

پروکٹر اینڈ گیمبل (Proctor and Gamble)، ایم وے (Em Way)، پامولیو (Palmolive)، جے کے ہیمپسٹیڈ (J.K.Hampstead)، کلر جینس (Killer Jeans)، فلائنگ مشین (Flying Machine)، پیٹر انگلینڈ (Peter England)، وڈلینڈ (Wood Land)، جیٹ ائیرویز (Jet Airways)، ریلائنس گروپ آف کمپنیز (Reliance Group of Companies)، ریکٹ اینڈ کولمن (Reckit and Colmen)، جونسن اینڈ جونسن (Johnson and Johnson)، ریڈ اینڈ نکلسن (Red and Nicolson)، ریبین (Rayban)، بروک بونڈ (Brooke Bond)، نیسلے (Nestle)، ویلس (Wellis)، کیڈبریز (Cadbury's)، ریڈ اینڈ ٹیلر (Red and

(Tailor، جلیٹ (Gillete)، ریولون (Ravlon)، ڈیٹول (Dettole)، کوکا کولا(Coca Cola)، پیپسی(Pepsi)،ایلائنز ائیرویز (Allianze Airways)،ائیر امریکہ(Air America)، برٹش ائیرویز (British Airways)، فورڈ ایسکورٹ (Ford Escort)، اوپیل ایسٹرا (Opel Astra)، وہرل پول (Whirl Pool)، اسمتھ کلین بیکم (Smith Clean Beecham)،تھومسن (Thomson)،ریمنڈ (Raymond)

**وہ کمپنیاں جن کی چیزیں متبادل کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔**

گودریج (Godrej)، ویڈیوکون (Videocon)، بی پی ایل (BPL)، ٹاٹا(Tata)، برلا(Birla)، وِپرو(Wipro)،انڈین ائیر لائنس (Indian Air Lines)،ائیر انڈیا (Air India)، گراویرا (Grawiara)، گوالیر (Gwalior)، بومبے ڈائینگ (Bombay Dying)، ولِ (Vimal)، پیراگون (Paragon)، بجاج (Bajaj)، ہیروہونڈا(Hero Honda)، لکھانی(Lakhani)، لبرٹی(Liberty)، سیبا کا (Cibaca)، مسواک (Miswak)، ایشین پینٹس (Asian Paints)، ان کے علاوہ وہ چیزیں بھی ممنوع ہیں جو امریکہ یا برطانیہ کی کسی بھی کمپنی کے اشتراک سے بنی ہیں۔

**اب نیچے روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہونے والی کچھ مصنوعات دی جارہی ہیں۔**

### ٹوتھ پیسٹ وٹوتھ برش (Tooth Paste & Tooth Brush)

**ممنوعہ:** اورل بی (Oral B)، پیپسوڈینٹ (Pepsodent)، کلوزاپ (Close up)، کولگیٹ (Colgate)، جورڈن (Jordon)، ایکوا (Aqua)، اسمتھ کلین(Smith Clean)

**غیر ممنوعہ:** سباکا(Cibaca)، پرومس(Promise)، گودریج(Godrej)، مسواک(Miswak)، اجنتا(Ajanta)، اینکر (Anchor)

### سرف وصابن (Soap and Detergents)

**ممنوعہ:** لائف بوائے (Life Boy)، لائف بوائے گولڈ (Life Boy Gold)، لائف بوائے پلس (Life Boy Plus)، لکس (Lux)، ڈیٹول (Dettol)، پیرس (Pears)، لرل (Liril)، سیولون (Savlon)، بریز (Breeze)، فیئر گلو (Fair Glow)، سکن کیئر (Skin Care)، جونسن بے بی سوپ(Johnson Baby Soap)، پامولیو (Palmolive)، نیچرلی فیئر (Naturally Fair)، سنو (Snow)، گلو(Glow)، مارول(Marvel)، کیمے (Camay)، ڈینم (Danim)، ٹائڈ (Tide)، سرف ایکسل (Surf Excel)، وہیل (Wheel)، ریکسونہ (Rexona)، روبن بلیو(Robin Blue)، روبن بلیچ(Robin Bleach)، آلا(Ala)، وم(Wim)

**غیر ممنوعہ:** مارگو (Margo)، نیما (Neema)، آیو (Ayu)، ہمام (Hamam)، سنتور (Santoor)، موتی (Moti)، میڈیمکس (Medimix)، پیکوائٹ سوپ (Paquit Soap)، جو (Jo)، گایا (Ghaya)، ہارمونی (Harmony)، میڈیباتھ (Medibath)، سٹرس (Citrus)، فینا (Fena)، اُجالا (Ujala)، گھڑی (Ghadi)، ہینکو (Henko)

### شیمپو (Shampoo)

**ممنوعہ:** سنسلک (Sunsilk)، ہیڈس اینڈ شولڈرس (Heads and Shoulders)، لکس (Lux) آرگنکس (Organics)، کلینک پلس (Clinic Plus)

**غیر ممنوعہ:** نائل(Nile)، ڈابرواٹیکا(Dabur Vatika)، چِک(Chik)، ایور(Ayur)

### ٹافی وچاکلیٹ (Toffees and Chocolates)

**ممنوعہ:** کٹکیٹ (Kit Kat)، ڈیری ملک (Dairy Milk)، کیڈبریز (Cadbury's)، نیسلے (Nestle)، پرک(Perk)، چوکوز(Chocos)، چکلیٹس (Chiklets)، سن رائز(Sunrise)، بورن ویٹا(Born Vita)، ہورلکس(Horlics)، بوسٹ(Boost)، پولو(Polo)

**غیر ممنوعہ:** نیوٹرین (Nutrine)، میلوڈی (Melody)، بارون (Bar One)، امول (Amul)، کوفی بائٹ (Coffee Bite)، بریٹانیا (Britania)، پارلے (Parle)، کیمپکو (Campco)، پوپنس (Popins)

### کولڈ ڈرنکس، آئس کریم ودیگر مشروبات
### (Cold Drinks, Ice Cream and other Drinkable)

**ممنوعہ:** کوکا کولا (Coca Cola)، پیپسی (Pepsi)، لمکا (Limca)،

اسپرائٹ (Sprite)، مرنڈا (Mirinda)، بسلیری (Bisleri)، تھمس اپ (Thums up)، ایکوافینا (Aqua Fina)، کن لے (Kinley)، فینٹا (Fanta)، میک ڈونلڈس (Mac Donalds)، پیزاہٹ (Pizza Hut)، ویلس (Walle's)، کوالٹی (Kwality)

**غیر ممنوعہ:** چیتل (Cheetal)، امول (Amul)، مدر ڈیری (Mother Dairy)، پراگ (Parag)

## الیکٹرانکس (Electronics)

**ممنوعہ:** وہرل پول (Whirl Pool)، الیکٹرولکس (Electrolux)، وولٹاس (Voltas)، کیلوی نیٹر (Kelvinator)، تھامسن (Thomson)، نوکیا (Nokia)، انٹیل (Intel)، ڈیل (Dell)، اچ پی (HP)، سیلرون (Celeron)، سائرکس (Cyrix)، اے ایم ڈی (AMD)، ایل جی (LG)

**غیر ممنوعہ:** گودریج (Godrej)، ویڈیوکون (Videocon)، بی پی ایل (BPL)، سیم سنگ (Samsung)، اوشا (Usha)، کھیتان (Khaitan)

## چائے اور کافی (Tea and Coffee)

**ممنوعہ:** تاج محل (Taj Mahal)، لپٹن (Lipton)، برک بونڈ (Brooke Bond)، سی ٹی سی (CTC)، ٹی سی ٹی (TCT)، نیس کیفے (Nesscafe)، نیسلے (Nestle)، ٹی سٹی (Tea City)، تازہ (Taza)، اے ون (A1)

**غیر ممنوعہ:** اگنی (Agni)، تری شول (Trishool)، موہنی (Mohini)، ۵۰۲ پتاکا (502 Pataka) تیز (Tez)، ایم ڈی اچ (MDH)، ہنٹر (Hunter)، سرگم (Surgum)

## کریم اور دیگر میک اپ کا سامان (Blades, Cream and Other Cosmetics)

**ممنوعہ:** فیئر اینڈ لولی (Fair and Lovely)، پونڈس (Ponds)، لیک مے (Lakme)، فیئر ایور (Fair Ever)

**غیر ممنوعہ:** بورولین (Boroline)، بوروپلس (Boroplus)، بوروسوفٹ (Boro Soft)، ویکو ٹرمیرک (Vicco Termeric)، ہمانی (Himani)، امامی (Emami)، نیچرلی فیئر (Naturally Fair)

## مچھر مارنے کی دوائی (Mosquito Repellents)

**ممنوعہ:** مورٹین (Mortein)، آڈوماس (Odomos)

**غیر ممنوعہ:** آل آؤٹ (All Out)، کچھوا چھاپ (Tortoise)، میکسو (Maxo)

## قلم وروشنائی (Pens and Inks)

**ممنوعہ:** پارکر (Parker)، ایڈ جیل (Add Gel)، مونٹیکس (Montex)، لکسر (Luxar)

**غیر ممنوعہ:** ٹوڈے (Today)، روٹومیکس (Rotomax)، رینولڈس (Reynolds)

## جوتے (Shoes)

**ممنوعہ:** ووڈ لینڈ (Woodlands)، ایکشن (Action)، ایڈیڈاس (Adidas)، نائکی (Nike)، باٹا (Bata)

**غیر ممنوعہ:** پیراگون (Paragon)، لبرٹی (Liberty)، ریلیکسو (Relexo)، لکھانی (Lakhani)

## ٹائرس (Tyres)

**ممنوعہ:** برج اسٹون (Bridge Stone)

**غیر ممنوعہ:** سی ایٹ (Ceat)، ایم آر ایف (MRF)، جے کے (JK)، مودی کونٹی نینٹل (Modi Continental)

## دیگر سامان (Other Goods)

**ممنوعہ:** جلیٹ (Gillete)، ڈینم (Denim)، پامولیو (Palmolive)، رائل روس گھڑی (Royal Roce Watch)

**غیر ممنوعہ:** موو (Moov)، ۳۶۵ نمبر بلیڈ (563 Blade)، اجنتا گھڑی (Ajanta Watch)، ٹائٹن (Titan)، میکسیما (Maxima)

# عصر حاضر کا اہم تقاضا

# قدیم فقہ اسلامی اور جدید مسائل کا حل:

## (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد**

یوں تو آئے دن اتنے علمی و عملی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈا چلا آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رہے گا؟ رسائل ہیں، اخبارات ہیں، ریسرچ کے انسٹی ٹیوٹ ہیں، ثقافت کے ادارے ہیں، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں عقائدِ اسلامیہ پر حملے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت کا زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں سلفِ صالحین سے بدظن کرنے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں، الغرض کہیں مستشرقین مصروف عمل ہیں، تو کہیں ملاحدہ و زنادقہ اسلام سے برسرپیکار ہیں۔ اندر باہر، عوام و خواص، راعی و رعیت سب ہی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اس آخری نعمت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، مقصد حیات صرف مادی آسائش ہے، نہ آخرت کا تصور، نہ حساب و کتاب کی فکر، سارے نظام کا محور صرف پیٹ ہے اور بس۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ جن حضرات میں ان فتنوں کے دفاع کی صلاحیت و اہلیت تو ہے لیکن وہ یا تو بالکل غافل و خاموش ہیں یا ان کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ اگر کچھ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ فاناللہ وانا الیہ راجعون

**مصائب شتیٰ جمعت فی مصیبۃ ولم یکفھا حتیٰ قفتھا مصائب**

اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں آرہی ہیں۔

علمائے امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی ان ہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کی تمدن وتہذیب نے جو نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ان پر غور کرے، ان کا حل تلاش کیا جائے، آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر اس خیال خام میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرے کی مشکلات کے حل کیلئے کافی نہیں، لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں، ایک حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت کے صریح نصوص سے ثابت ہے، یہ تمام تر اس علیم و قدیر اور حکیم و خبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے جس کا علم بھی ہر شئے کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس کی قدرت بھی کامل ہے چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام امراض روحانی کیلئے ایسا نسخہ شفا اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم و اصلاح کی گنجائش ہے نہ کسی ادنیٰ سی تبدیلی کی۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو علمائے امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم وسنت نبویہ سے استخراج و استنباط کر کے مرتب فرمایا ہے اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں، معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اُس عہد سے تھا۔ مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے پہلے ہی ایسے اصول و قواعد مرتب فرما گئے کہ قیامت تک آنے والے اہل علم کو اُن سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہے گا اور انہی اصول و قواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہوسکیں گی۔ ظاہر ہے کہ جتنا تمدن ترقی کرے گا، اتنے ہی جدید مسائل پیدا ہوں گے اور غیر اسلامی ملکوں سے تعلقات و روابط جتنے زیادہ پیدا ہوں گے نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ مسلمانوں میں اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود ہے کہ اگر تجارت و معاملات میں اسلامی اصول کی روشنی میں ان کی مشکلات کو حل کر دیا جائے اور فقہی قوانین سے ان کو ایسی تدابیر بتلا دی جائیں کہ جن کی بنا پر وہ شرعی حدود کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکال سکیں تو نہایت خوشی سے اس پر لبیک کہیں گے اور بدل وجان ان تدابیر پر عمل کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علمائے امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ

جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانے میں ''اجناس'' ''واقعات'' اور ''نوازل'' کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا۔ اسی طرح موجودہ فقہ بھی جدید نوازل و واقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں تلاش کریں۔ جدید تمدن سے بھی فقہ کے ہر باب میں نماز روزہ سے لے کر معاملات و معاشرت تک جدید سوالات پیدا ہوگئے ہیں اس لئے علمائے امت کے ذمہ اب یہ فرض ہے کہ جلد سے جلد ان نئے پیدا ہونے والے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے دیندار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ہماری شریعت زمان ومکان کی قید سے بالاتر ہے ''بینات'' کے آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ ایک اجمالی فہرست پیش کر کے اس سلسلہ میں اہل علم کی خدمت میں چند رہنما اصول بھی پیش کروں گا تاکہ ان کی روشنی میں غور وخوض کر سکیں بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا وہ وقت کی جامع ترین علماء اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین کو جن کا تقویٰ و اخلاص مسلم ہو، جن کے تدین پر امت کو اعتماد ہو، جن کی زندگیاں قال اللہ وقال الرسول میں گزری ہوں، جن کے ذہنوں میں توقد وذکا ہو، جن کی طبیعتوں میں استقامت واستقلال ہو، جو خواہشات وتأثرات سے بالاتر ہوں، جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہو، جو دنیا کی مشکلات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور جن میں موثر تعبیرات اور عام فہم تحریر کا ملکہ ہو، ان کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی، ان کی رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون داں طبقہ کو شامل کرتی اور فقہ اسلامی کے شعبہ میں تمام ممالک اسلامیہ میں اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ سب ان کے پیش نظر ہوتا خواہ وہ مصر وشام میں ہوا ہو یا مغرب اقصیٰ کے ممالک میں اور پھر اس طرح قدیم وجدید سے فقہ اسلامی کی مہارت ومعلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے۔ لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

افسوس کہ حکومت پاکستان ادارہ اسلامیات کراچی وغیرہ پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کر رہی ہے گمراہ امراء پر اس کی توجہ نہیں، ان اداروں میں ایک بھی نہ متدین عالم ہے نہ اسلامی علوم کا ماہر خصوصی۔ بجائے اس کے کہ وہ کچھ کام کرتے ان کا وجود ان کی کوششیں خود دین اسلام کیلئے عظیم الشان فتنے کی صورت اختیار کر چکی ہیں: ''فیا غربة الاسلام ویاخیبة المسلمین''

موجودہ صورت حال میں جب حکومت اس طرف متوجہ نہیں تو پھر دیندار مال دار طبقہ کو چاہئے تھا کہ اس خدمت کو بجالانے کیلئے کوئی اقدام کرتے اور علماء کے مشورہ سے اس مقصد کے پیش نظر اہل افراد کا انتخاب کر کے فکر معاش سے ان کو ہر طرح مطمئن کرا کر اسی کام کیلئے فارغ کرتا اور اس طرح ایک ''مجلس الفقہاء والعلماء'' کی تشکیل ہوتی کہ جس میں محققین اہل علم باہمی مشاورت اور بحث و تمحیص سے ان مسائل کو حل کرتے۔ شخصی رائے کتنے ہی غور وخوض کے بعد قائم ہو پھر بھی وہ شخصی رائے ہی رہے گی۔

ان مشکلات کے حل کیلئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اکابر صحابہؓ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی پہلی شخصیت ہے جس نے اجتہادی مشکلات کے حل کرنے کیلئے اپنے وقت میں ممتاز ترین چالیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل کی اور ایک طویل مدت تک فقہی مسائل کے استنباط اور اجتہادی احکام کی تدوین کی خدمت انجام دیتے رہے، اس لئے جو پختگی اور قبول عام اِس مذہب کو ہوا اور کسی مذہب کو وہ قبول عام نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافت عباسیہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک جو بارہ سو برس کا طویل زمانہ گزرا ہے اس میں یہی مذہب حنفی رائج تھا جس کی روشنی میں خدا کی مخلوق کی مشکلات حل ہوتے رہے اور ان خلافتوں میں بھی فقہ حنفی ملک کا اٹل اور مسلم قانون بنا رہا۔

لیکن جب کہ ہماری حکومت اور ہمارے ملک کے مسلمانوں کا مالدار طبقہ بھی اس فرض سے غافل ہے تو اب خالصۃً یہ فریضہ علمائے امت کے ذمہ آجاتا ہے خصوصاً ان مدارس کے اربابِ اہتمام کے ذمہ جو کہ اپنے مدرسوں میں ہزار ہا روپے سالانہ خرچ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مناسب مشاہرات پر اچھے اچھے فضلاء رکھ سکتے ہیں اگر ان عربی مدارس میں سے ہر مدرسہ اس مقصد کی تکمیل کیلئے ایک جماعت کی تشکیل کرے اور پھر اپنا ایک نمائندہ منتخب کرے تو کیا اچھا ہو جو کام ارباب حکومت لاکھوں روپئے کے صرفے سے بھی انجام نہیں دے رہی ہے وہ علماء کا یہ غریب ومفلس اور نادار طبقہ تھوڑے سے خرچ پر بآسانی کر سکتا ہے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، جامعہ امدادیہ کشور گنج ڈھاکہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام، مدرسہ اسلامیہ جیری چاٹگام، جامعہ اسلامیہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ مدارس اس مقصد پر متفق ہو جائیں تو یہ عظیم الشان کام ان شاء اللہ جلد انجام پذیر ہو سکے گا اور بآسانی یہ مشکل حل ہو جائے گی۔

آخر میں اپنی یہ مختصر گزارش حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس سے ان مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے:

**عن علی قال قلت یا رسول الله ان نزل بنا امر لیس فیه بیان امر ولا نهی فما تامرنی قال شاوروا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رای خاصة. رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحیح.** (مجمع الزوائد۔ج:۱،ص:۱۷۸)

ترجمہ: ''حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فقہاء وعابدین

سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں"

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہو گئے۔(۱) ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔(۲) صالح و متقی اور عبادت گزار ہوں۔ و اللہ سبحانہ و ھو المؤفق

## (۲)

## چند راہ نما اصول:

گزشتہ سطور میں علمائے امت اور مشاہیر کی خدمت میں "عصر حاضر کا اہم تقاضہ" کے تحت چند ضروری گزارشات کی گئی تھیں۔ اب اس سلسلہ میں چند راہنما اصول تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) یہ تو ظاہر ہے کہ "اسلام" وہ آخری پیغام حیات و پیغام نجات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے قانون ہدایت ہے، اور ہر دور، ہر ملک، ہر قوم کیلئے اس میں ہدایت کے سرچشمے موجود ہیں۔ مادی و روحانی، شخصی و اجتماعی، اقتصادی و معاشی، ملکی و سیاسی غرض ہر ضرورت کی حاجت روائی کا سامان اس میں موجود ہے اور اس کا دامن ایسے بیش قیمت جواہرات سے پر ہے کہ سارے عالم کے افلاس کا علاج اس کے خزانہ عامرہ سے ہو سکتا ہے۔ یہی ایک ایسا صالح ترین و اعلیٰ ترین نظام ہے جو نسل آدم میں عدل و انصاف سے ہر مشکل کو آسان کر سکتا ہے۔

(۲) "قرآن و حدیث" یا "کتاب و سنت" اس کا بنیادی سرمایہ ہیں، خلافت راشدہ بالخصوص عہد صدیقی، عہد فاروقی اور اس کے بعد عہد اموی اور عہد عباسی میں صحابہؓ و تابعینؒ اور پھر ائمۂ اجتہاد، ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے اقران میں سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ وغیرہ مجتہدینِ امت و فقہائے اسلام کی مساعیٔ جمیلہ و مبارکہ سے دین اسلام کی تعمیر و تعبیر کا عجیب و غریب نقشہ کامل ترین خوشنما صورت میں محفوظ ہو گیا۔ ان اکابر امت اور فقہائے ملت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین اخلاص، اعلیٰ درجہ کا تقویٰ و خشیت الٰہی علوم دینی میں تبحر، دقت نظر، تو قد و ذکاء کے جو کمالات جمع کئے تھے اس وقت کی نسل اس کا ادراک نہیں کر سکتی، قرآن و حدیث کا علم صحیح اور دین اسلام کی مزاج شناسی کا ذوق جو ان کو نصیب تھا آج اس کا احساس بھی مشکل ہے اور انہی کمالات کا نتیجہ ہے کہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزر گیا لیکن اس کا فیض برابر جاری و ساری ہے اور قلوب میں ان کی عظمت اور قدر و قیمت ہنوز موجود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ان کی منت پذیری سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اور نہ اس عظیم سرمایہ سے امت کسی وقت مستغنی ہو سکتی ہے۔

(۳) فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، اور جہاں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے۔ منتفع ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کر دیئے ہیں اب اسی فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہئے۔ اس سرمایہ کے ہوتے ہوئے امت کو نہ جدید مستقل اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کا امکان۔ اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث و تلاش اور غور و خوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سا سامان مل جائے گا ورنہ زیادہ سے زیادہ بعض جزوی مسائل میں علمائے امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔

(۴) گزشتہ شمارہ میں جو معجم طبرانی کی حدیث پیش کی تھی اس سے حسب ذیل نتائج برآمد ہو سکتے ہیں:

**(الف)** جدید مسائل ایسے ضرور پیدا ہوں گے جن میں قرآن و حدیث کا صاف و صریح فیصلہ نہ ہوگا۔ **(ب)** علمائے امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہے کہ اس کا حل تلاش کریں۔ **(ج)** علماء انفرادی رائے اور شخصی رائے سے اجتناب کریں اور باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں۔ **(د)** ان علماء میں دو شرطیں ضروری ہیں، ان کے دلوں میں خوف خدا ہو، اور تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

اس حدیث نبوی نے ان علمائے امت کو جدید مسائل کے فیصلہ کرنے کا مکلف بنایا ہے جن میں اخلاص و تقویٰ اور عبادت گزاری کی روح موجود ہو، اور غور و خوض و باہمی مشورہ کرنے کی اہلیت ہو۔

(۵) اس میں شک نہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جو بقول امام شمس الدین ذہبیؒ فقیہ ملت ہیں اور بقول صفی الدین خزرجی "فقیہ امت" ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب العبر للذہبی والخلاصہ للخزرجی) ان کی فقہ جامع ترین فقہ بلکہ فقہ اسلامی کی روح ہے کہ جس کی روشنی میں بقیہ ائمہ نے اپنی اپنی فقہ کی ترتیب و تدوین کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جو مسائل اپنے اصحاب و تلامذہ کو املاء کروائے ہیں، ان کی تعداد صاحب عنایہ شارح ہدایہ نے چوتھی صدی کے ایک محقق کے قول کے مطابق بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد بتلائی ہے۔ اگر امت کو یہ سارے مسائل پہنچ جاتے تو شاید بہت سے جدید مسائل حل ہو جاتے، فقہ حنفی کی اسی ہمہ گیری کو دیکھ کر مشہور محقق و مؤرخ ابن خلدون باوجود مالکی المذہب ہونے کے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کی سرزمین، اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھی اس لئے جو پختگی حنفی فقہ کو نصیب ہوئی ہے وہ فقہ المالکی کو نصیب نہ ہو سکی اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام شعرانیؒ شافعی اپنی کتاب "المیزان" میں اپنے اس کشف کا ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب سب مذاہب سے آخر تک رہے گا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مذہب میں اس کی زیادہ اہلیت ہے کہ جدید نظام کے مسائل پوری طرح حل کر سکے۔ تاہم بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا ہے اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں مل جاتا ہے اس لئے اس سلسلہ میں جو بات فکر ناقص میں آئی ہے وہ عرض کرنے کی جراءت کرتا ہوں اور علمائے امت کی خدمت میں

درخواست کروں گا کہ اگر وہ صحیح نہ ہو تو ضرورت کے پیش نظر اپنی مخلصانہ تنقید سے سرفراز فرمائیں۔'' **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**''

(۶) مبسوط، بدائع الصنائع، فتاویٰ قاضی خاں سے لے کر طحطاوی، ردالمختار اور التحریر المختار تک کتبِ فقہ حنفی کی ورق گردانی کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی۔ فقہ مالکی میں مدونہ کبریٰ سے لے کر خطاب تک اور فقہ شافعی میں کتاب الام سے لے کر تحفۃ المحتاج تک کی مراجعت کرنی ہوگی۔ سعودی حکومت کی عنایت اور توجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہو کر امت کے سامنے آ گیا ہے اس کیلئے مغنی ابن قدامہ، المحرر اور الانصاف کی ورق گردانی کافی ہوگی، الغرض اگر مسئولہ و مطلوبہ مسئلہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتویٰ دے دیا جائے اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ صراحۃً نہ ملے تو ان مسائل مصرحہ پر قیاس کرنے میں مضائقہ نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ قیاس مع الفارق نہ ہو جس کا فیصلہ خود علمائے کرام فرمالیں گے کہ یہ قیاس کس درجہ میں ہے۔

(۷) اگر مسئلہ مطلوبہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دشواری ہے اور بقیہ مذاہب میں نسبتاً سہولت ہے اور عوام کا ابتلائے عام ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعت اہل علم غور کرے اگر ان کو یقین ہو جائے کہ عموم و بلویٰ کے پیش نظر عصر حاضر میں دینی تقاضا سہولت و آسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہب مالکی، مذہب شافعی، مذہب احمد بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کر کے اور اس پر فتویٰ دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصر حاضر کے اکابر نے فسخ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متاخرین نے مسئلہ مفقود الخبر میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا اور تتبع رخص کو مقصد نہ بنایا جائے گا۔ مثلاً مسائل معاملات میں بیع قبل القبض ہے کہ آج کل تمام تاجر طبقہ اس میں مبتلا ہے، اب اس کی صورت حال پر غور کر کے پوری طرح جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ ابتلاء واقعی ہے اور موجودہ معاشرہ مضطرب ہے اور بغیر اس کے چارہ کار نہیں تو مذہب مالکی پر فتویٰ دے دیا جائے کہ عدم جواز بیع قبل القبض مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مسئلہ میں مذہب حنبلی بھی، مالکی جیسا ہے اور حدیث میں صراحۃً طعام ہی کا ذکر ہے'': '' **نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام ان یستوفیہ**'' (سنن) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ نے طعام پر بقیہ چیزوں کو قیاس کر کے منع کر دیا ہے۔

(۸) خلافیات ائمہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ اختلاف کا منشاء نصوص کا تعارض ہے یا قواعد فقہیہ کا اختلاف یا یہ محض اجتہادی وجوہ کی وجہ سے ہے اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جو الہامی رائے فیوض الحرمین میں منقول ہے کہ ائمہ احناف کے اختلافات میں ترجیح کا معیار کیسے قائم کیا جائے اس کو پیش نظر رکھنے سے موجودہ خلافیات میں رہنمائی کیسے مل سکے گی؟ نیز اختیارات علماء کا سلسلہ جو مختلف ادوار میں جاری رہا، اس کو نظیر بنایا جا سکے گا۔ عرف و حالات کے اختلاف سے جو اثرات ہوں گے ان کو بھی ضرور پیش رکھنا ہوگا، مثلاً تعلیم القرآن، پھر اذان و اقامت پھر تدریس حدیث و علوم دینیہ پر معاوضہ یا مشاہرہ لینے میں قدماء و متاخرین کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے جو اختلاف رہا، یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

(۹) جن مطلوبہ احکام کا فیصلہ کرنا ہوگا ان میں طبقات و مراتب قائم کرنے ہوں گے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مسائل موجودہ معاشرے کیلئے کس درجہ میں مطلوب ہیں کیا ان کے بغیر نظام چل نہیں سکتا؟ یا چل تو سکتا ہے لیکن کسی قدر دقت پیدا ہوگی پھر اس دقت پر غور کرنا ہوگا کہ وہ دقت کس درجہ کی ہے؟

(۱۰) معاملات میں فیصلہ کرنے کیلئے سب سے پہلے موجودہ ملک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا کہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے یہ ملک دارالاسلام ہے یا دارالامان، یا دارالحرب ہے؟ دارالاسلام کا اصلی مدار ''فصل خصومات'' پر ہے کہ پورا قانون تعزیرات و حدود، محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں اور معاملات و عقوبات کا قانون مکمل اسلامی ہو، تعزیرات و حدود، قانون اسلامی کے مطابق جاری ہوں، اسی طرح موجودہ نظام حکومت کا جائزہ لینا اور اس پر غور کرنا ہوگا کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے، اسلامی قانون کے نفاذ کی قدرت ہی کافی ہے، یا عملی طور پر اس کی تنفیذ بھی ضروری ہے، عرصہ دراز تک باوجود قدرت قانون اسلام جاری نہیں کیا گیا تو اس کے عوامل و اسباب کیا ہیں اور سابقہ دارالحرب یعنی عہد برطانوی کا دارالحرب تقسیم ہو کر دو حصے بنے ایک حصہ یقیناً اب بھی دارالحرب ہے دوسرا صرف حکمرانوں کی تبدیلی سے کیا دارالاسلام بن جائے گا؟ یعنی قانون نہیں بدلا مگر قانون کے چلانے والے بدل گئے تو کیا اس لئے حکم بدل جائے گا؟ پھر جب کہ عہد حاضر میں ''عائلی قانون'' کے نام سے صراحۃً کتاب و سنت کے خلاف قانون بنایا گیا تو کیا صریح خلاف قرآن قانون بننے کے بعد بھی فقہائے اسلام کے مسائل کے مطابق یہ دارالاسلام ہی رہے گا؟ الغرض اس امر کے فیصلہ کرنے کے بعد معاملات کا شرعی فیصلہ ممکن ہو سکے گا۔ عقود فاسدہ، ربوا، بیمہ ان سب مسائل کے صحیح حل کرنے کیلئے اس ملک و حکومت کے متعلق شرعی و فقہی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ حزب اقتدار آخر اسلامی قانون کے نافذ کرنے سے گریز کیوں کرتا ہے، کیا صرف اس لئے کہ ان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں یہ قانون حائل ہے؟ یا وہ عقیدۃً اسلامی قانون کو موجودہ زمانے کیلئے غیر صالح اور ناکافی سمجھتا ہے ان سب گوشوں پر غور کرنا اور ان تمام حالات کا جائزہ لینا ہوگا، جب صحیح فیصلہ ہو سکے گا اور جب اس حکومت یا ملک کی فقہی و شرعی حیثیت متعین ہو جائے گی پھر ان معاملات کے احکام کا صحیح فتویٰ دیا جا سکے گا جن کا حکم اختلاف دار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

یہ چند مختصر اشارے ہیں جن کی حیثیت ایک مختصر ''متن'' کی ہے اور اس کی تشریح ایک مفصل مضمون کی محتاج ہے لیکن چوں کہ اصلی مخاطب علمائے کرام ہیں ان کی خدمت میں یہ اشارات بھی کافی ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ علماء کی خدمت میں ان موضوعات کو آئندہ بھی پیش کیا

جائے جن پر ان کو غور کرنا ہوگا اور جب تک اجتماعی فیصلہ کا موقع نہ آئے اس سے پہلے انفرادی طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش انہی اصول کے پیش نظر کریں۔ مقصود تین باتیں ہیں: (الف) اللہ کا یہ دین کامل اور ہر معاشرے کیلئے صالح وموزوں ہے۔ (ب) اسلام کو مشکل سمجھ کر اور ناممکن العمل خیال کر کے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (ج) جو فریضہ علمائے امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہوجائیں، نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ تتبع رخص پر قوم کو آمادہ کرنا ہے نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ قرآن وسنت اور اس کے بعد فقہ اسلامی اور تفقہ فی الدین کے ذریعہ سارے مشکلات حل ہوسکتے ہیں اور فقہائے اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہو کر دین اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے۔ فقہائے کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا ان کی جلیل القدر اور حیرت انگیز خدمات سے ہرگز مستغنی نہیں ہوسکتی بلکہ قیامت تک ان کی منت پذیر رہے گی۔

الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم (مسلم عن تمیم الداری)　　(بینات ربیعین ۱۳۸۳ھ)

# اسلامی قوانین میں اجتہاد وعقل کا مقام:

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کا عربی مقالہ "موقف التشریع الاسلامی من الاجتهاد ومنصف العقل فی الدین" کے عنوان سے ادارۂ تحقیقات اسلامی راولپنڈی کی بین الاقوامی کانفرنس ۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ کیلئے لکھا گیا تھا، مقالہ چونکہ تاخیر سے تیار ہوا تھا اس لئے وہاں نہیں پڑھا گیا، البتہ اس کا خلاصہ زبانی بیان کر دیا گیا تھا، اس لئے اس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے:

یہ "اجتہاد" کے موضوع پر مختصر سا مقالہ ہے، میں (اس وقت) موضوع سے متعلقہ تمام مباحث پر مفصل بحث کا ارادہ نہیں رکھتا مثلاً "اجتہاد" کی لغوی تحقیق، اجتہاد کے معانی، حکم، ارکان، شرائط، اقسام، حجیت اجتہاد پر دلائل اور اس قسم کی اور طویل بحثیں جن سے تمام ائمۂ مذاہب کے اصول فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ان اکابر نے کسی چھوٹی بڑی بحث کو نہیں چھوڑا جس کی کماحقہ تحقیق وتنقیح نہ کر ڈالی ہو، یہ سلسلہ اسلام کے قدیم دور سے لے کر علمی دور کے آخری سرے تک جاری رہا ہے، بلاشبہ یہ امت اسلامیہ کی مایہ ناز دولت ہے، جس سے نہ بحث وتفقہ کا طالب علم مستغنی ہے، نہ عصری مسائل کے حل کا مدعی اس سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلمیذ رشید قاضی القضاۃ ابویوسفؒ کے دور سے پھر امام شافعیؒ، امام طحاویؒ، جصاصؒ رازی، ابوزیدؒ دبوسی، فخرؒ الاسلام بزدوی، امام غزالیؒ کے دور سے امام رازیؒ اور امام آمدیؒ کے دور تک، اور ان کے دور سے امیر کاتب اتقانیؒ اور ابن ہمام حنفی کے دور تک اسلامی کتب خانے میں (اصول فقہ پر) اتنا بڑا ذخیرہ وجود پذیر ہوا جس سے عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔

آج کی فرصت میں میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ محققین اہل علم کی توجہ "مسائل حاضرہ اور جدید مشکلات میں اجتہاد کے اہم اصولوں" کی طرف مبذول کراؤں، کیوں کہ نئے تمدن نے نئے مسائل کو جنم دیا ہے، اور ان میں بہت سی چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جنہیں قواعد شرعیہ اور فقہ اسلامی کے مطابق ڈھالنا ہماری پہلی ضرورت ہے، ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام، تمام ادیان کیلئے خاتم اور قیامت تک کی ضرورتوں کا کفیل ہے، چنانچہ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کے وہ فیاض چشمے ہیں جن سے حلِ مسائل کے سوتے ابلتے رہے ہیں پھر صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ کا طریق کار ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے ان حضرات نے اجتہاد کیا، اور جن "اصول" کے احکام نص سے ثابت تھے ان پر (غیر منصوص) کو قیاس کیا، اور نصوص کے حکم کو فروغ وحوادث کی طرف متعدی کرنے کیلئے اجتہاد سے کام لیا، اس طرح اجتہاد وقیاس اصول شرعیہ میں سے ایک اصول قرار پایا جس سے تفقہ فی الدین کا دائرہ وسیع ہوا، ہم اس حق میں نہیں کہ اس دائرے کو تنگ کر دیا جائے، یا دین خداوندی کے ان فیاض چشموں کو بند کر دیا جائے، کیوں کہ کتاب وسنت اور عقل کے دلائل سے ثابت ہے کہ یہ دائرہ ہر دور میں وسیع رہے گا۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "پس تم عبرت لو! اے عقلمندو!"

نیز ارشاد ہے: "بے شک اس میں عبرت ہے بصیرت والوں کیلئے"

اور ظاہر ہے کہ کسی شئے کے حکم کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کا نام "اعتبار" ہے، اس لئے جس اصل کی طرف نظائر کو لوٹایا جائے اسے "عبرت" کہا جاتا ہے۔

نیز ارشاد ہے "اور اگر یہ لوگ اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے کر دیتے تو ان میں جو لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کو خود ہی جان لیتے"

اور استنباط کے معنی ہیں جیسا کہ سرخسیؒ (اصول السرخسی، ج ۲/ص ۱۲۸، طبع جدید حیدر آباد دکن) نے لکھا ہے "اجتہاد کے ذریعہ حکم منصوص کی علت دریافت کرنا"

نیز ارشاد ہے "پس اگر تم کسی امر میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ ورسول کی طرف لوٹاؤ"

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ ورسول کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے، کیوں کہ یہاں رد کو منازعت پر معلق کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنا اس شرط پر معلق نہیں، نیز جن احکام شرعیہ پر کتاب وسنت کے نصوص موجود ہوں ان میں اہل ایمان کے نزاع کی صورت مشکل ہی سے پیش آ

سکتی ہے، اس سے واضح ہوا کہ یہاں مراد وہ منازعت ہے جو ایسے واقعہ میں پیش آئے جس کیلئے کتاب وسنت کا صریح حکم موجود ہو اور ''رد'' سے مراد یہ ہے کہ جس حادثہ میں نزاع واقع ہو وہ غور وفکر سے کتاب وسنت کے منصوص احکام میں اس کی نظیر تلاش کی جائے اور یہ مماثلت، اجتہاد کے ذریعہ علتِ حکم کی دریافت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے''
(اصول السرخسی، ج۲، ص۱۲۹)

اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی احادیث، اجتہاد، قیاس اور اعتبار کے سلسلہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں ان کی ایک اچھی خاصی مقدار، امام سرخسیؒ نے ''اصول'' میں، امام ابن عبدالبرؒ نے ''جامع بیان العلم'' میں اور حافظ ابن قیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں اور دوسرے اکابر نے جمع کردی ہے، ہم یہاں ''حدیث معاذؓ'' کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں، جو ''سنن'' میں موجود ہے، ائمۂ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور تمام امت نے اسے قبول کیا ہے۔

امام غزالیؒ ''المستصفیٰ'' میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے، اور کسی نے اس میں طعن یا انکار کا اظہار نہیں کیا، اس لئے اس کا مرسل ہونا قادح نہیں، بلکہ اس کی سند کی تفتیش بھی ضروری نہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث مبارکہ جن پر پوری امت عمل پیرا ہے، مثلاً ''وارث کیلئے وصیت نہیں''، ''کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے''، ''دوملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے'' وغیرہ (کہ اس عملی تواتر کے بعد ان کی اسناد کی بحث غیر ضروری ہوجاتی ہے) البتہ یہ حدیث معاذؓ اصل اجتہاد میں نص ہے، اور شاید یہ ''تحقیق مناط'' اور تعیین مصلحت کے بارے میں ہے، جہاں کہ اصل کا حکم مصلحت پر معلق ہو، اس لئے اس قیاس کو صرف اپنے عموم کی بنا پر شامل ہوگی''

مگر چونکہ بعض لوگوں نے اسے طویل بحث کا نشانہ بنایا، اور اس کی اسناد کا سوال اٹھایا ہے اس لئے ہم یہاں امام کوثری (مقالات کوثری ص۶۰ تا ۶۴) کی تحقیق کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتے ہیں، جو اصول حدیث کے قواعد کے مطابق انہوں نے اس کی قوت سند کے بارے میں فرمائی ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے مختلف الفاظ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''جب حضرت معاذؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا: فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق! فرمایا اگر اس کا صریح حکم کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق! فرمایا: اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ ہو؟ عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور غور وفکر میں کوتاہی نہیں کروں گا! یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے فرستادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ طریق کی توفیق دی''

اس حدیث کو اصحاب معاذؓ سے حارثؒ بن عمرو ثقفی نے روایت کیا ہے، اور حارث نہ تو مجہول العین ہے، چنانچہ امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہؓ کے بھتیجے ہیں اور وہ مجہول الوصف نہیں ہیں، کیوں کہ وہ کبار تابعین میں، ابوعون ثقفی (م۱۱۶ھ) کے طبقہ شیوخ میں ہیں، اور ان کے بارے میں کوئی ''جرح مفسر'' ثابت نہیں اس لئے ان کی ثقاہت اور قبول روایت کیلئے اتنا ہی کافی ہے، اس کے بعد ان کے اہل طبقہ سے نقل توثیق کی حاجت نہیں رہ جاتی، اور تمام تابعین کے حق میں خیر کی شہادت دی گئی ہے وہ سب ثقہ اور عادل ہیں، جب تک کہ ان میں جرح مؤثر اور جرح مفسر ثابت نہ ہو، اور صحابہؓ سب عادل ہیں، ان میں کسی قسم کی جرح بھی مؤثر نہیں، علاوہ بریں حارث کو ابن حبان نے ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف نہیں قرار دی جاسکتی کہ ابن عون حارث سے اس کی روایت میں متفرد ہیں، اس لئے کہ ثقہ راوی کے تفرد کی وجہ سے حدیث کو رد کردینا اہل حق کا اصول نہیں، اور ابن عونؒ، امام اعمشؒ، ابواسحاقؒ، مسعرؒ، شعبہؒ، ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ جیسے اکابر کے استاذ، صحیحین کے راوی اور باتفاق اہل نقد ثقہ ہیں۔

ابن عونؒ سے اس حدیث کو ابواسحاق شیبانیؒ اور شعبہ بن حجاج نے روایت کیا ہے، اور ابواسحاقؒ سے ابومعاویہ ضریرؒ نے، اور شعبہؒ سے یحییٰ بن سعید قطانؒ، عثمان بن عمر عبدیؒ، علی بن جعد، محمد بن جعفرؒ، عبدالرحمن بن مہدیؒ اور ابوداؤد طیالسیؒ وغیرہم نے روایت کیا ہے اور ان حضرات سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا، یہاں تک کہ فقہائے تابعین نے اس حدیث کو بالاتفاق قبول کیا۔

اور اس حدیث کو اس وجہ سے رد کردینا کہ، یہ اصحاب معاذ سے مروی ہے اور وہ مجہول ہیں، چند وجوہ سے غلط ہیں۔

**اولاً:** اس لئے کہ اصحاب معاذؓ، دین وثقاہت میں معروف ہیں اور ناممکن ہے کہ کوئی شخص اصحاب معاذؓ میں سے کسی ایک کے حق میں بھی کوئی جرح ثابت کرسکے (اور ثقہ کا مبہم ہونا مضر نہیں)

**ثانیاً:** اس لئے کہ اصحاب معاذ کا بلاتعیین ذکر، اس امر کی دلیل ہے کہ روایت کے اعتبار سے یہ حدیث حد شہرت کو پہنچی ہوئی تھی، جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے کہا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے عروۂ بارقی کی حدیث کی سند اس طرح نقل کی ہے ''میں نے قبیلہ کے لوگوں کو عروہؓ سے روایت کرتے سنا ہے'' اس کے باوجود یہ روایت درجۂ صحت سے نہیں گری، اور امام مالکؒ نے ''قسامہ'' میں سندیوں بیان کی ہے ''اسے اس کی قوم کے بڑے لوگوں میں چند مردوں نے خبر دی'' نیز صحیح مسلم (صحیح مسلم ج۱، ص۳۰۷ طبع رشیدیہ دہلی) میں زہری سے یوں روایت ہے کہ ''مجھ سے چند مردوں نے بروایت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کیلئے ایک قیراط ہے''

**ثالثاً:** اس لئے کہ تاریخ ابن ابی خیشمہ (بحوالہ مقالات کوثری ص:۶۳) میں بروایت شعبہؒ یہ لفظ ہیں ''میں نے مغیرہ بن شعبہؓ کے بھتیجے حارث بن عمروؒ سے سنا وہ اصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذؓ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے" حافظ ابن عبدالبر (جامع بیان العلم وفضله وما ينبغي في رواية وحمله لابن عبدالبر ج ۲، ص ۵۵، طبع منیریہ، مصر) نے بھی "جامع بیان العلم" میں اسی طرح روایت کی ہے، اندریں صورت اصحاب معاذ رضی اللہ عنہم سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سب عادل ہیں۔

**رابعاً:** اس لئے کہ خطیب بغداد "الفقيه والمتفقه" میں لکھتے ہیں:

"حارثؒ بن عمرو کا "عن اناس من اصحاب معاذ" کہنا شہرت حدیث اور کثرت رواۃ کی دلیل ہے، اور حضرت معاذؓ کا فضل وزہد معروف ہے (ان کے اصحاب بھی معمولی درجہ کے لوگ نہیں ہوں گے) اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے اسے بروایت عبدالرحمٰن بن غنم حضرت معاذؓ سے روایت کیا، اور یہ سند متصل ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں، علاوہ بریں اہل علم نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا، جس سے واضح ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک درجہ صحت رکھتی ہے"

حاصل یہ کہ فقہاء ومحدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے، اگر اس کے ساتھ خارجی قرائن اور تائیدی روایات کو بھی ملا لیا جائے تو یہ قریباً تواتر معنوی کا درجہ رکھتی ہے امام کوثریؒ کی تحقیق کا خلاصہ ختم ہوا۔

اور جدید مسائل میں حجیت اجتہاد کی عمدہ ترین دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائیؒ نے سنن میں "باب الحكم باتفاق اهل العلم" کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طویل اثر میں روایت کیا ہے کہ:

"پس اگر ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرمایا ہو تو وہ فیصلہ کرے جو سلف صالحین نے کیا ہو، اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو، نہ سلف نے، تو اپنی بصیرت سے اجتہاد کرے، اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں، میں ڈرتا ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور حلال وحرام کے مابین بعض چیزیں مشتبہ ہیں، اس لئے اس پہلو کو چھوڑ دو جو کھٹک پیدا کرے اور وہ پہلو اختیار کرو جس میں کھٹک نہ ہو"

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث بہت عمدہ ہے" اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (سنن نسائی ج ۲، ص ۲۶۴، سنن دارمی، ص: ۳۴) اور عقلی حیثیت سے اجتہاد کی ضرورت بالکل واضح ہے، امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"تو کوئی حادثہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے، حلت یا حرمت، وجوب یا عدم وجوب کا حکم نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ہر حادثہ میں نص صریح نہیں ہوگی کیونکہ نصوص محدود ومتناہی ہیں، جب کہ قیامت تک کے حوادث غیر متناہی اور حادثہ کا نام "حادثہ" رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں نص نہیں ہوگی، ورنہ جس پر نص موجود ہو وہ "اصل معہود ہوا"

(اصول السرخسی، ج: ۲، ص ۱۳۹)

حاصل یہ کہ زندگی رواں دواں ہے، اور وہ اپنے جلو میں بہت سے نئے مسائل کو لاتی ہے، اس لئے ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم کتاب وسنت، اجماع امت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کا حل، اس طرح تلاش کریں کہ نہ تو کج روی اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکیں نہ بزدلی سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔

تشریع اسلامی کی تاریخ، فقہی دور کی تکمیل اور ہر زمانے میں جدید مسائل پر کتابوں کی تصنیف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کے نصوص موجود نہیں، ان میں اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، چنانچہ امت اسی اصول پر کاربند رہی ہے، اس لئے جواز اجتہاد پر مزید بحث کی ضرورت نہیں، کیوں کہ حق تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے، انسان میں امانت الٰہیہ کی برداشت کا مدار اسی پر رکھا ہے اور "بصائر و عبر" میں غور وتدبر کی بار بار دعوت دی ہے۔

امام فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں:

"عقل بدن انسان میں ایک نور ہے جیسا کہ زمینی عالم میں آفتاب، اس سے وہ راہیں کھلتی ہیں جہاں حواس ظاہری کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، پھر یہ بذات خود رہنماء نہیں، بلکہ اس کا کام صرف راستے کا اجاگر کر دینا ہے، راستہ واضح ہو جانے کے بعد اس کا ادراک، قلب اپنے نور فہم سے کرے گا، جس طرح طلوع آفتاب سے راستہ کھل جاتا ہے مگر راستہ نظر آنے کیلئے تنہا سورج کی روشنی کافی نہیں بلکہ چشم بینا کی بھی ضرورت ہے"

بہر حال عقل، ایک ایسا نور ہے، ایسا نور! جس سے اوہام کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، ایسا نور! جس سے علل احکام کی راہیں اجاگر ہو جاتی ہیں، حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں عقل کی مدح وتوصیف فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان کو جو غور کرتے ہیں"

"ان کیلئے دل ہوتے ہیں جن سے سمجھتے ہیں"

(ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں"

"بہرے، گونگے اور اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے"

"اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے"

"اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے"

"کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل"

"سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے"

"شاید وہ سوچے یا ڈرے"

"اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو"

"اور تا کہ سمجھیں عقل والے"

"اور بیان کرتا ہے اللہ، مثالیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ فکر کریں"

یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ بلاشبہ عقل، نور فروزاں ہے مگر اس کیلئے ایک خاص دائرہ ہے جس سے آگے قدم بڑھانا اس کیلئے ممکن نہیں، اور جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے وہاں سے عقل سے بالاتر ایک دائرہ شروع ہوتا ہے اور وہ وحی الٰہی اور نبوت الٰہیہ کا دائرہ ہے، لاریب کہ عقل ان امور کا ادراک نہیں کرسکتی جو وحی کی آنکھ سے نظر آتے ہیں، عقل کیلئے یہی فخر کیا کم ہے کہ وہ وحی کے بیان کردہ حقائق کا ٹھیک ٹھیک ادراک کرلے اور اپنے نور خداداد سے ان حقائق کی بلند حکمتوں، گہری مصلحتوں اور باریک اسرار وعلل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجائے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتاب وسنت، شرائع الٰہیہ اور احکام منصوصہ کے سامنے سر جھکانے اور ادب ووقار اور تسلیم وانقیاد کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہونے کے سوا عقل کو کوئی چارہ نہیں، اور اگر حقائق وحی تک اس کی رسائی نہ ہوسکے تو اسے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ نصوص وحی کے ہوتے ہوئے بھی عقل کو ہر چیز میں مقدم رکھنا بڑی گھناؤنی جسارت ہے، اور نصوص وحی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے کام نہ لینا نری حماقت اور کوتاہی ہے، صحیح راستہ ان دونوں کے بیچ سے ہوکر گزرتا ہے اور وہی صراط مستقیم ہے"

البتہ یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ ہمارے لئے بے حد ضروری ہے جن سے موضوع کھل کر روشن ہوجائے۔

**(اول)** اجتہاد کیلئے قرآن وحدیث اور اجماع امت کا علم، فقہ اسلامی کی کتابوں سے واقفیت، اور فہم کتاب وسنت کیلئے جن علوم کی ضرورت ہے، ان میں مہارت ازبس ضروری ہے خصوصاً "علم اصول فقہ" میں کامل بصیرت ہونی چاہئے کہ اس کے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔

**(دوم)** بالغ نظری اور دقیقہ رسی کے ساتھ تقویٰ، خشیت الٰہیہ اور دین خداوندی کے ساتھ کامل اخلاص۔

**(سوم)** شورائی اجتہاد کا اہتمام چونکہ ایسے یکتا اشخاص کا وجود، جو ان مجتہدانہ صفات میں کامل ہوں، بیحد مشکل ہے، اس لئے "شخصی رائے" کی کمی کو ایسی جماعت کی آراء سے پورا کیا جانا چاہئے، جن میں فرداً فرداً نہ سہی، مگر مجموعی حیثیت سے یہ تمام صفات کامل طور سے جمع ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جدید مسائل میں انفرادی رائے کے بجائے "فقہاء وعابدین" سے مشورہ کیا جائے۔ امام طبرانیؒ نے یہ حدیث، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے، فقیہ الامت ہونے کے باوجود، انفرادی اجتہاد نہیں کیا، بلکہ اس مقصد کیلئے ایسے چالیس افراد کی جماعت تشکیل کی جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ یکتائے زمانہ تھا جیسا کہ الموفق نے "مناقب ابی حنیفہ" میں ذکر کیا ہے

**(چہارم)** جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل، مذاہب اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو، بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو، تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا تا کہ اجتہاد جدید اور مذہب مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔

**(پنجم)** چونکہ ہمارے ملک میں حنفی مسلک رائج ہے، اس لئے بدون شدید اضطرار کے بلاوجہ اس سے نکلنا اور "رائے عامہ" کو خواہ مخواہ پریشان کرنا، غیر معقول ہوگا۔

**(ششم)** جن مسائل میں نصوص قطعیہ موجود ہوں وہ ہر دور میں دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود ہے جو نہ منصوص ہوں نہ کہ اجماعی، اس لئے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اسے ایسے طور پر مدار حکم قرار دے لیا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آئے یہ طرز عمل تقریباً الحاد وتحریف سے جاملتا ہے اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بناء پر اس کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔

**(ہفتم)** مسائل جدیدہ میں اجتہاد کیلئے، خلافت راشدہ خصوصاً خلافت شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، کو نظیر بنانا، ناممکن ہے، کیونکہ خلافت راشدہ کا مقام، منصب اجتہاد سے بالاتر ہے، اور خلافت راشدہ کے فیصلوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم، شارع علیہ السلام کی طرف سے امت کو دیا گیا ہے۔

**(ہشتم)** مذاہب مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر، مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مترادف ہے۔

**(نہم)** جدید تمدن کی بدولت غیر اسلامی ممالک میں بیشتر ایسے قوانین رائج ہیں، جو روح اسلام کے منافی، اور قطعیات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں، انہیں "اضطرار" کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ نہ کیا جائے، بلکہ اس مشکل کو حل کرنے کیلئے اسلام میں اس کا جو "بدل" موجود ہے اسے اختیار کیا جائے، مثلاً "بینک کا سود"، "بیمہ" اور "کمیشن ایجنسی" کا مسئلہ ہے، کہ اسلام میں اس کا بدل "شرکت"، "قراض" اور "کفالت" وغیرہ کی صورت میں موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان حرام امور کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشکال کی جڑ "بنیاد" یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو، ان میں رتی بھر تبدیلی کئے بغیر، اسلامی اصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور جب وہ فٹ نہیں ہوتے تو گمان کرلیا جاتا ہے کہ اسلام۔ معاذ اللہ۔ جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

یہ یاد رہے! کہ اصول اسلامیہ کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے جس کا علم صحیح

قیامت تک کے حوادث کو محیط ہے اور جس کی قدرت ازلیہ کاملہ کسی چیز سے عاجز نہیں، کیوں کہ یہ شریعت اس ذات کی طرف سے آئی ہوئی ہے جو علیم و خبیر بھی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی۔

دہم: الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے، اسے ملحوظ رکھنا چاہئے ایک بھوکا، ننگا، فاقہ کش ہے، جسے قوت لایموت بھی میسر نہیں، اور ایک وہ امیر کبیر ہے جس کا گھر طرح طرح کے اسباب تنعم سے بھرا پڑا ہے، مگر اس کی حرص جہنم کو صبر نہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سدرمق تک مردار کھانے کی اجازت ہے) اور دوسری اسراف وتبذیر کی (جس کیلئے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور بدفہمی (اسی طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیز حادثوں کو جنم دیا کرتی ہے، حق تعالیٰ رحم فرمائے اس پر جو انصاف سے کام لے۔ (حجۃ اللہ البالغہ باب الفرق بین المصالح والشرائع)

''اسلامی قوانین میں اجتہاد کا مقام'' پر یہ چند مختصر اشارے عرض کئے گئے ہیں، جن میں تنگیٔ وقت کے پیش نظر تفصیلات کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے، اس میں شک نہیں کہ موضوع کی اہمیت شرح وبسط کی متقاضی تھی، تاہم جس چیز کا پورا ادراک ممکن نہ ہو، اسے بالکلیہ چھوڑ دینا بھی زیبا نہیں، کافی آنکھ کا رونا بھی صد غنیمت ہے، اور نادار کی کل کائنات اس کے چند آنسو ہوتے ہیں، میرا حال تو بس وہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

عاشق کی پونجی وہ سوز دروں ہے جس کی غمازی
رخسار پہ بہتے ہوئے چند آنسو کیا کرتے ہیں

# اسلام اور دہشت گردی:

از: فاروق اعظم کھگڑیاوی (متعلم دارالعلوم دیوبند)

آج لفظ ''دہشت گردی'' اسلام اور اہل اسلام کیلئے ایک زبردست چیلنج ہے۔ مغرب کے دانشور بڑی دیدہ دلیری سے اسلام کی طرف دہشت گردی کا انتساب کررہے ہیں۔

روز اول ہی سے دشمنان اسلام اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اسلام اور نظام اسلام کو درہم برہم کیا جائے چنانچہ شیطانی طرز عمل کو بروئے کار لاکر اسلام کی صورت اصلیہ کو مسخ کرنے میں شبانہ روز مصروف ہیں، کبھی تو انھوں نے حقوقِ نسواں کی آڑ میں اپنی جھوٹی رواداری اور مگرمچھ جیسی ہمدردی جتا کر اسلامی خواتین کے ذہنوں کو مفلوج کیا، تو کبھی ایسے ایسے مشغلے ایجاد کئے کہ خود بخود بے حیائی عام ہو جائے جس سے اسلام کی روح مسلمانوں کے اندر سے نکل جائے، عورتوں کی اعلیٰ تعلیم نیز مرد وزن کے اختلاط کی پوری چھوٹ اسی کا پیش خیمہ ہے۔

باطل قوت مغربی تہذیب نے مکروفریب کے بے شمار دام بچھا رکھے ہیں، لیکن دور حاضر میں سب سے بڑا مکر ''دہشت گردی'' کو اسلام سے جوڑنا ہے حالانکہ اسلام اور ''دہشت گردی'' میں دور تک کا بھی کوئی واسطہ نہیں، بالکل آگ و پانی کی طرح تضاد ہے یعنی دونوں کا یکجا ہونا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ''اسلام'' ایک پاکیزہ اور سراپا امن وآشتی کا مذہب ہے ''دہشت گردی'' (جس کی بنیاد ہی ظلم وتشدد، لوٹ مار اور غارت گری اور ناانصافی پر ہے) کے ساتھ کیسے مجتمع ہوسکتا ہے۔؟

## اسلام کیا ہے؟

اسلام ایک سراپا امن وسلامتی کا دین ہے۔ بدامنی، فساد اور ''دہشت گردی''

کو وہ سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مسلمان بھی ایک امن پسند قوم کا نام ہے اسلام محبت والفت کا درس دیتا ہے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی سختی کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔ ماں باپ یہاں تک کہ پڑوسیوں (اگرچہ غیر مسلم ہوں) کے ساتھ بھی حسن سلوک کا سبق سکھلاتا ہے۔ ظلم وبربریت، چوری، بدکاری وبدکرداری، قتل وغارتگری، حق تلفی اور ناانصافی پر سختی سے روک لگاتا ہے۔

چنانچہ اسلام میں جہاد کی مشروعیت اِعلاء کلمۃ اللہ، مظلوموں کو انصاف دلانے، نیز ان کی مدد کرنے، مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ اور ظالموں کے زور کو توڑنے اور ظلم سے باز رکھنے کیلئے ہوئی ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کے ساتھ بھی پوری رواداری برتنے کی تعلیم دیتا ہے ان تمام امور کی اسلامی تعلیمات میں پوری تفصیلات وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ (بحوالہ اسلام کا تصور امن اور دہشت پسندی کی مذمت ص۲/از مولانا عبدالحمید نعمانی ناظم شعبہ نشرواشاعت جمعیۃ علمائے ہند دہلی)

## دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟

''دہشت گردی'' فارسی زبان کا ایک واضح اور عام فہم کلمہ ہے یعنی حد سے تجاوز کرنا، بے قصور اور معصوم افراد کو ہراساں کرنا، لوگوں پر دھاندلی اور زور زبردستی کرنا، ناجائز مقاصد کی تکمیل کیلئے ناحق ظلم وستم برپا کرنا، ہیبت پھیلانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ رویہ کسی ایک فرد کی جانب سے ہو یا کسی حکومت اور قوم کی طرف سے، اسی طرح یہ طاغوتی عمل، بم، راکٹ اور بندوق جیسے ہتھیاروں کو استعمال میں لاکر انجام دیا گیا ہو، یا زبان اور ہاتھ کو حرکت دے کر یا ان کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو، یہ تمام ''دہشت گردی'' کی فہرست میں شامل ہیں۔ البتہ اگر ظالم کے ظلم کو ختم کرنے اور فتنہ وفساد کو دبانے اور نوع انسانی کو خطرے سے بچانے کیلئے طاقت کا استعمال کیا جائے تو وہ ''دہشت گردی'' یا ''دہشت پسندی'' کے زمرے میں نہیں آتا۔ (اسلام امن اور دہشت گردی، ص:۱۹-۲۰) بلکہ یہ طریقہ کار تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ''لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ'' (انعام:۱۵۲) (جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا اس کو قتل مت کرو! مگر حق پر) کا سچا مصداق ہے۔

## دہشت گردی کا پس منظر:

شروع دنیا سے یہ چلا آرہا ہے کہ باطل نے ہر دور میں مختلف حیلے اور اپنے مکروفریب کے ذریعے حق کو دبانا چاہا لیکن حق اپنی راست بازی سے ہمیشہ باطل پہ غالب رہا ہے۔ اسی طرح سے باطل قوت آج بھی اسلام جیسے امن پسند مذہب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر پوری ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہی ہے۔ وہ ایسے تمام حربے استعمال کررہی ہے جن سے اسلام اور اہل اسلام مٹ جائیں ورنہ کم ازکم اسے جسم بے روح بنادیا جائے، یہی وجہ ہے کہ وہ غلط سے غلط چیزوں کو ایسی ظاہری چمک دمک کے ساتھ پیش کررہی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی جب باطل کو اپنے مشن میں خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آیا تو اس نے اب مکروفریب کا ایک نیا باب دہشت گردی کے عنوان سے کھولا ہے۔

اسلام نے جن خوبیوں کو فروغ دیا تھا اور ان پر عمل پیرا ہوکر انسان شرف وسعادت کی بلندیوں سے ہمکنار ہورہا تھا، مغرب نے منصوبہ بند طریقے پر اس کے خلاف ایک فلسفہ ایجاد کیا، ''ذرائع ابلاغ'' کے زبردست استعمال سے ان کو قوت پہنچائی اور انسانیت کو اتنی پستی میں اتار دیا کہ وہ (ثم رددنٰہ اسفل سافلین) کا مصداق نظر آنے لگی۔ (از مولانا ریاست علی ظفر بجنوری، بحوالہ اسلام امن اور دہشت گردی، ص:۷)

اب ذہن میں ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ ''دہشت گردی'' کی تعریف کے سلسلے میں یہ بھرم کی صورت وکیفیت کیوں؟ غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھرم ایک خاص منصوبے کے تحت باقی رکھ کر اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جارہی ہے اور اس مہم میں ایک خاص مذہب وفرقہ کو نشانہ بنائے رکھنے کیلئے عالمی طور پر اتفاق کرلیا گیا ہے ''ذرائع ابلاغ'' کی ننانوے فیصد طاقت فریق مخالف کے زیر تسلط ہے۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ''دہشت گردی'' کی تعریف کے تعین میں اصول کی بجائے طاقت ہی فیصلہ کن اور کارروائی کرنے کیلئے خود میں ایک جواز ثابت ہورہی ہے، امریکی چینی، روسی، اسرائیلی، برمی اور فلپائنی حکومتوں کے اقدامات اس کے واضح نمونے ہیں۔ (از: مولانا عبدالحمید نعمانی، اسلام کا تصور امن اور دہشت پسندی کی مذمت، ص:۵)

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک (امریکہ) کے ''عالمی تجارتی مرکز'' پر حملے اور امریکہ کی افغانستان پر جارحانہ، تباہ کن بربریانہ ووحشیانہ بمباری کے بعد ۱۸ر جنوری ۲۰۰۲ کو ''اقوام متحدہ'' میں ''دہشت گردی'' کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اجلاس میں چالیس ممالک شریک ہوئے تھے، تمام شرکائے ممالک نے ''دہشت گردی'' کے معاملے کو انتہائی خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کے فوری انسداد پر زور دیا، لیکن جب کچھ خاص طور سے عرب ممالک نے سب کو اس طرف توجہ دلائی کہ جس ''دہشت گردی'' کے خلاف اتنا کچھ ہنگامہ بپا ہے اور اس کے فوری انسداد پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے اس کی تعریف کا تعین کیا جائے کہ اس کے مدنظر کوئی اقدام کیا جاسکے اس پر سبھی بغلیں جھانکنے لگے۔ (ایضاً۔ ص:۵، از مولانا عبدالحمید نعمانی)

## الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:

۱۱ر ستمبر کے بعد امریکہ نے اسامہ بن لادن پر بہتان تراشی کرکے اور بغیر کسی ثبوت کے طالبان کی حکومت پر اپنے جارحانہ رویے کا اظہار کیا اور پوری بے دردی کے ساتھ ہزاروں بوڑھوں، معصوم بچوں، عورتوں اور کروڑوں کی املاک کو بموں اور میزائیلوں سے تباہ وبرباد کیا، اسرائیل کے شبانہ روز مظالم کے جو پہاڑ فلسطین کے معصوم مسلمانوں پر ڈھائے جارہے ہیں اس سے کوئی فرد بشر بے خبر نہیں ہے، ایسے ہی چیچنیا، سنکیانگ کے مسلمانوں سے جینے کا حق چھینا جارہا ہے اور اسی کی تازہ ترین تصویر ''سانحہ گجرات'' بھی ہے لیکن ان چیزوں کے باوجود لوگ اپنی ''ڈیڑھ بالشت'' کی زبان نکال کر اس بات کے دعویدار ہیں کہ دنیا میں تہذیب وتمدن اور انسانیت کی ترقی

کے اصل ٹھیکیدار ہم ہی ہیں۔

## دہشت گردی کا انسداد کیسے ممکن ہو؟

"دہشت گردی" کی ہر کارروائی امن و امان کے خلاف ہے خوشگوار زندگی کے جتنے بھی مراحل ہیں اور ان مراحل کے جتنے اصول وضوابط ہیں ان تمام کی "دہشت گردی" کے ہر ہر پہلو سے پوری پوری مخالفت ہوتی ہے اور انسانیت کی عمارت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔اپنی سچی پہچان کے ذریعے اس کی بنیاد، خوشگوار زندگی کے وسائل کی جستجو کر کے اس کی تعمیر اور اسلام ان تمام چیزوں کا مجموعہ ہے۔لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام ہی صحیح معنوں میں امن عالم کا علمبردار ہے اور اسی کی آغوش میں رہ کر دہشت گردی سے کلی خلاصی مل سکتی ہے اور اس کا انسداد ممکن بھی ہے۔

# عصر نبوی اور عصر حاضر کے نوجوانان

از: مولانا محمد عارف جمیل مبارک پوری

## جوانی کی تعریف اور اس کی حدود:

حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری، ۹/۱۰۸ میں) لکھتے ہیں۔

شباب (جوانی) بلوغ کے بعد سے ۳۰ ربرس کے شخص کو کہا جاتا ہے، شافعیہ نے علی الاطلاق یہی کہا ہے، امام قرطبیؒ نے فرمایا "۱۶ رسال تک کے لڑکے کو حدث (نو عمر) اور اس کے بعد ۳۰ رسال تک کی عمر والے کو "نوجوان" کہا جاتا ہے اس کے بعد "ادھیڑ عمر" کہا جاتا ہے، امام نوویؒ نے کہا: اصح اور مختار قول یہ ہے کہ ۳۰ رسال کے کم کے بالغ شخص کو جوان کہا جاتا ہے۔

فرہنگ آصفیہ میں ہے "جوان" بالغ ہونے سے ۳۰ ربرس تک کا آدمی۔(۱/۱۷)

## جوانی کی شرعی حیثیت وقیمت:

شریعت میں جوانی کی بڑی قیمت ہے، جوانی کی عبادت کامیابی وکامرانی کا ایک اہم سبب ہے، قیامت کے ہولناک ماحول میں جب کہ سورج بالکل سر سے قریب ہوگا، ہر شخص پسینے میں شرابور ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اس وقت اگر کہیں سایہ مل سکتا ہے، تو صرف اور صرف عرش الٰہی کا سایہ ہوگا، اور اس کے نیچے جن سات لوگوں کو جگہ ملے گی ان میں ایک وہ شخص ہے، جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزار دی، بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ۷ آدمیوں کو اپنے سایہ امن میں رکھے گا، جس دن اس کے سایہ کے سوا کہیں اور سایہ نہ ملے گا، ایک تو انصاف کرنے والا حاکم، دوسرے وہ جوان جو جوانی کی امنگ سے خدا کی عبادت میں رہا، تیسرے وہ جس کا دل مسجد میں لگا رہے، چوتھے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کیلئے دوستی کی، اسی کی خاطر اکٹھا ہوئے اور اسی کی خاطر علیٰحدہ ہوئے، پانچویں وہ مرد جس کو صاحب رتبہ خوبصورت عورت نے (بُرے کام کیلئے) بلایا، اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹے وہ مرد جس نے اللہ کی راہ میں ایسا صدقہ دیا کہ داہنے ہاتھ سے جو دیا تو بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہیں ہوئی، ساتویں وہ مرد جس نے اکیلے میں اللہ کو یاد کیا اور اشک بار ہوگیا"۔(۱)

قیامت کے دن جن پانچ چیزوں کا حساب وکتاب دیئے بغیر انسان بارگاہ الٰہی سے قدم نہیں ہلا سکتا، ان میں ایک جوانی بھی ہے۔ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن انسان اپنے رب کے پاس سے قدم نہیں ہٹا سکتا، جب تک ان پانچ چیزوں کے بارے میں اس سے دریافت نہ کر لیا جائے، عمر کہاں کھپائی؟ جوانی کہاں گزاری؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے علم پر کیا عمل کیا؟"(۲)

جس نے اپنی جوانی اللہ کی مرضیات میں گذاری، محرمات سے اپنے دامن کو بچائے رکھا، گردوپیش کے ہیجان انگیز ماحول میں اپنی عفت وپاک دامنی کو تار تار نہ ہونے دیا، ایسا جوان اللہ کے یہاں بے حد محبوب ومقرب ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

"اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان سے بے حد خوش ہوتا ہے جس میں بے راہ روی نہیں"(۳)

## عصر نبوی کے نوجوانوں میں علمی لگن:

عصر نبوی کے نوجوان تعلیم وتعلم کے بڑے دلدادہ تھے۔ان کی رگ رگ میں تحصیل علم کا جذبہ موجزن تھا، یہی ان کی زندگی کا اہم مقصد بن گیا تھا، اس کا اندازہ صرف ان چند احادیث وروایات سے لگایا جاسکتا ہے۔بخاری شریف میں مالک بن حویرثؓ کا اپنا بیان موجود ہے:

"ہم لوگ قریب قریب ایک ہی عمر کے چند نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، بیس راتیں آپ کے پاس گذاریں، آپ ﷺ بہت رحم دل اور ملنسار تھے، جب آپ کو یہ احساس ہوا کہ ہم گھر جانا چاہتے ہیں (یا ہم کو اپنے گھر جانے کا شوق ہے) تو آپ نے ہم سے دریافت کیا کہ (وطن میں) کن کن عزیزوں کو چھوڑ کر آئے ہو؟ ہم نے بتا دیا۔آپ نے فرمایا: اچھا اپنے گھر واپس چلے جاؤ، انہیں میں رہو، انہیں (دین کی باتیں) سکھاؤ اور یہ حکم دو۔(۴)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک نوجوان صحابی ہیں، وہ علم کے بڑے شوقین تھے، اس قدر امنگ تھی کہ ایک بار اپنی خالہ ام المومنین میمونہؓ سے عرض کیا کہ میں ایک رات آپ کے گھر میں گذارنا چاہتا ہوں، تاکہ میں رسول اللہ ﷺ کا معمول دیکھ سکوں حضرت میمونہ نے کہا کہ ان کے پاس صرف ایک ہی بستر ہے۔حضرت ابن عباس نے عرض کیا کہ مجھے بستر کی ضرورت نہیں، میں اپنی چادر بچھا لوں گا، حضرت میمونہؓ یہ علمی جذبہ دیکھ کر آمادہ ہوگئیں۔

حضرت میمونہ کی باری آئی تو ابن عباس پہنچ گئے، حضور ﷺ تشریف لائے

حضرت میمونہ نے ماجرا بتایا، حضورﷺ نے بھی اجازت دے دی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔

''میں تکیہ کے چوڑائی میں لیٹا، رسول اللہﷺ اور حضرت میمونہ تکیہ کی لمبائی میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ رسول اللہﷺ آرام فرماتے رہے، جب آدھی رات ہوگئی یا اس سے کچھ پہلے یا بعد، تو آپ بیدار ہوئے، چہرے سے نیند کا اثر ملنے لگے، سورہ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھیں، لٹکی ہوئی ایک پُرانی مشک کے پاس تشریف لے گئے اس سے پانی لے کر اچھی طرح وضو کیا پھر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے، پھر میں نے بھی حضور کی طرح سارا کام کیا، پھر آپ کے بازو میں آکر کھڑا ہوگیا، اب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا، اور میرا دایاں کان مروڑا (تاکہ نیند نہ آئے) آپ نے دو رکعت پڑھی، پھر دو، پھر دو، پھر دو، پھر دو، پھر دو، پھر وتر پڑھی، پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن کے آنے پر بیدار ہوئے، دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر نکل کر صبح (فجر) کی نماز ادا کی'' (۵)

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء (۲۴۲/۳، ۲۴۳) میں حضرت ابن عباس ہی کا ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''رسولﷺ کی رحلت کے بعد، میں نے ایک انصاری سے کہا، اس وقت صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد موجود ہے چلو ہم ان سے پوچھ پوچھ کر علم حاصل کریں، انہوں نے کہا سیکھ کر کیا کروگے؟ ان بڑے بڑے صحابہ کے ہوتے ہوئے تم سے کون پوچھنے آئے گا؟ خیر وہ تیار نہ ہوئے تو میں نے تنہا کام شروع کردیا، کبار صحابہ کرام کے گھروں پر جاتا، دوپہر کا وقت ہوتا، وہ اپنے گھروں کے اندر آرام فرما رہے ہوتے، میں ان کے دروازے پر اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ٹیک لگا لیتا، گرد و غبار میرے اوپر آتے رہتے، وہ حضرات باہر آتے اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر حیرت سے کہتے: رسول اللہ کے چچا کے لڑکے! ہمیں بلا لیا ہوتا، خود کیوں زحمت کی؟ میں جواب دیتا کہ مجھے خود ہی آنے کا زیادہ حق تھا۔

یہ سلسلہ جاری رہا، ایک وقت آیا کہ میرے سامنے بھیڑ لگنے لگی۔ وہ انصاری باحیات تھے، وہ کہتے: یہ نوجوان ہم سے ہوشیار ثابت ہوا''

حضرت معاذ بن جبل ایک نوجوان صحابی ہیں ہجرت کے وقت ان کی عمر کل ۱۶/۱۷ سال رہی ہوگی، نوجوانی ہی میں انہوں نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ بڑے بڑے صحابہ کے درمیان جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو انہی سے رجوع کرتے تھے۔

مسند احمد (۲۳۶/۵) میں ابو مسلم خولانی کا بیان ہے:

''میں ایک بار اہل دمشق کی مسجد میں آیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حلقہ میں ادھیڑ عمر کے صحابہ کرام موجود ہیں۔ ان کے درمیان ایک نوجوان بیٹھا ہے، آنکھیں سرمگیں اور دانت چمکدار ہیں، مجلس والوں میں، اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو اسی نوجوان سے رجوع کرتے تھے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ایک شخص سے دریافت کیا: یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ معاذ بن جبل ہیں''۔ (۶)

اسی طرح کا ایک واقعہ ابوادریس عبدی (خولانی) نقل کرتے ہیں:

''میں ایک مجلس میں بیٹھا تھا، جس میں بیس صحابہ کرام موجود تھے۔ ان میں ایک بڑی سیاہ آنکھوں والا اور چمکدار دانتوں والا نوجوان تھا، ان حضرات میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا اور وہ نوجوان کوئی رائے دیتا تو سب اس سے اتفاق کرتے، یہ حضرت معاذ بن جبل تھے''۔ (۷)

## عصر نبوی کے نوجوانوں میں جذبۂ عبادت:

عہد رسالت کے نوجوانوں میں کس قدر عبادت کا جذبہ تھا اس کا اندازہ لگانے کیلئے یہ چند واقعات اور روایات کافی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک نوجوان صحابی ہیں، صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کی حلاوت ان کو حاصل ہوگئی تھی۔ انہوں نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات بھر نفلیں پڑھیں گے۔ بخاری شریف (کتاب الصوم باب صوم الدہر ۲۲۰/۴) میں ان کا اپنا بیان ہے:

''رسول اللہﷺ کو اطلاع دی گئی کہ میں نے کہا ہے: میں تاحیات روزہ رکھوں گا، اور رات بھر نفلیں پڑھا کروں گا۔ آپ نے مجھ سے تصدیق چاہی، تو میں نے تصدیق کردی، آپ نے فرمایا: تم سے ایسا نہ ہو سکے گا۔ ایسا کرو کہ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو، رات میں نماز پڑھو اور سو بھی رہو۔ ہر مہینہ میں تین روزہ رکھ لیا کرو، اس لئے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، اگر تم ایسا کرلو تو گویا تم نے ساری عمر روزے رکھے۔ میں نے عرض کیا: مجھے اس سے زیادہ طاقت وقوت ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھو، دو دن افطار کرو۔ میں نے عرض کیا: مجھے اس سے زیادہ طاقت وقوت ہے۔ فرمایا: اچھا ایک دن روزہ رکھو، ایک دن افطار کرو، یہ صوم داؤدی ہے۔ اور یہ سب سے افضل ہے۔ میں نے عرض کیا: مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا: اس سے افضل کوئی روزہ نہیں''۔ (۸)

یہی عبداللہ بن عمرو بڑی کثرت سے تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ سنن ابن ماجہ میں خود ان کا اپنا بیان ہے: پورا قرآن یاد کرلینے کے بعد، میں نے ایک رات میں اسے ختم کرلیا۔ تو رسول اللہﷺ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد تم اکتا جاؤ گے، لہٰذا تم مہینے بھر میں ایک ختم کرلیا کرو۔ میں نے عرض کیا: مجھے اپنی طاقت اور جوانی سے فائدہ اٹھانے دیں۔ آپ نے فرمایا: دس دن میں ختم کرلو۔ میں نے عرض کیا: مجھے اپنی طاقت اور جوانی سے فائدہ اٹھانے دیں۔ آپ نے فرمایا: سات دن میں ختم کرلو۔ میں نے عرض کیا: مجھے اپنی طاقت اور جوانی سے فائدہ اٹھانے دیں۔ لیکن آپ نے مزید اجازت دینے سے انکار کردیا''۔ (۹)

اس دور کے عام نوجوانوں میں نماز، روزے، ذکر وعبادت اور تعلیم وتعلم کی عجیب وغریب امنگ ہوتی تھی۔ مسند احمد میں حضرت مالک بن انسؓ کا بیان ہے:

''۷۰/انصاری نوجوان مسجد میں رہا کرتے تھے، شام ہوتی تو یہ مدینے کے

ایک کنارے چلے جاتے ، رات بھر نماز اور تعلیم و تعلم میں گذارتے ، ان کے گھر والے یہ سمجھتے کہ وہ مسجد نبوی میں ہیں ، اور مسجد والے یہ سمجھتے کہ وہ گھر گئے ہیں۔ صبح کے وقت یہ نوجوان کام میں لگ جاتے ، میٹھا پانی بھرتے ، لکڑیاں جمع کر کے لاتے ، اور حجرۂ نبوی سے لگا کر رکھ دیتے (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بیچ کر صفہ والوں کیلئے ، کھانے پینے کا بندوبست کرتے تھے۔) ایک مرتبہ رسول ﷺ نے ان سب کو تعلیم و تعلم کیلئے روانہ فرمایا: کفار نے ان کو دھوکے سے بیرٔ معونہ کی جنگ میں شہید کر دیا۔ (آپ کو ان کا بے حد غم تھا) ۱۵/روز ان کے قاتلین پر نماز فجر میں بددعا کرتے رہے۔ (۱۰)

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء (۴۰۰/۳) میں رقم طراز ہیں:

''حضرت انسؓ اتنی لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں میں خون جم کر پھٹ جاتے تھے۔''

''حضرت معاذؓ ایک نوجوان صحابی ہیں ، غزوۂ بدر میں شرکت کے وقت ان کی عمر کل ۲۰/۲۱/سال تھی ، علم و تدریس میں اس قدر اعلیٰ درجہ پر فائز تھے کہ ان کا شمار عہد رسالت کے مفتیوں میں ہوتا تھا۔''

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء (۴۵۲/۱) میں رقم طراز ہیں:

''عہد رسالت کے مفتیان میں ۳/مہاجر: حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ، اور ۳/ انصاری: حضرت ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، اور زیدؓ تھے''۔

## عصر حاضر کے نوجوان:

یہ جذبہ دینی اور حال بلند تو خیر القرون کے نوجوانوں کا تھا اب اس کے مقابلے میں عصر حاضر کے نوجوانوں کی دلچسپیاں اور ان کے جذبات دیکھیں کہ ان کا رخ کدھر ہے اور ہمارے اسلاف کرام کدھر گئے تھے اور یہ کہ ہمارا آج کا نوجوان کدھر جا رہا ہے۔ فیاللعبرۃ !!

## عصر حاضر کے نوجوانوں میں فلمی چسکہ:

عصر حاضر کا ایک ہنگامہ خیز ، مخرب اخلاق اور ایمان واقدار کش فتنہ: فلم ہے ، نوجوان طبقہ کو اس کی بری طرح لت پڑی ہوئی ہے ، کسی قصبہ یا شہر میں سنیما جانے والوں کا اندازہ لگائیں ، تو مسلمان نوجوانوں کی تعداد آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ملتی ہے۔ فلم دیکھنا ایک فیشن بن چکا ہے۔ دل بہلانے کا ایک نادر فارمولا ہے بلکہ آج کے ''غیرت مند'' مسلمان ، نہایت شان و شوکت کے ساتھ ، خواتین کو سنیما ہالوں کی زینت بناتے ہیں ، اور اس کو حقوق زوجیت ، میں ایک بنیادی حق تصور کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ فلم بینی ، کمسن بچوں میں وباء کی طرح پھیل رہی ہے۔ سن شعور سے قبل ہی وہ بری طرح اس کے شکنجے میں آ چکے ہوتے ہیں۔ والدین گھر کے ذمہ داران ان کی جیب گرم کر کے ، اس برائی میں برابر شریک ہوتے ہیں۔

سنیما کے برے اثرات اب کسی سے مخفی نہیں رہے ، یہی فلمیں جرائم سکھاتی ہیں ، انسان میں بداخلاقی ، بدکرداری ، بے حیائی ، بے شرمی ، محنت و عمل سے دوری ، بے غیرتی ، مجرمانہ ذہنیت اور بے راہ روی جیسی مذموم اور قبیح خصلتوں کو جنم دیتی ہیں۔

## عصر حاضر کے نوجوانوں میں تباہ کن کھیلوں کا جنون:

عصر حاضر کا ایک بہت بڑا المیہ ، تباہ کن کھیل کود ہیں ، کھیل کھیل ہے ، ورزشی کھیل شرعاً ممنوع نہیں اگر حدود شرع کے اندر ہو۔ لیکن کھیل کو مقصد زندگی بنا لینا ، اسلامی اصول کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ہم آہنگ نہیں ؛ بلکہ متصادم ہے۔ آج ملکی اور عالمی پیمانوں پر کھیلوں کے نام پر نوجوان طبقہ کو محنت و عمل ، جدوجہد اور اختراع و تخلیق کے میدان سے دور رکھنے کی بھیانک سازش ہو رہی ہے۔ یہ کھیل انفرادی ، اجتماعی اور ملکی ہر سطح پر حد درجہ خطرناک اور ضرر رساں ہیں۔

انفرادی سطح پر نوجوان طبقہ اپنی ذہنی صلاحیتوں ، جسمانی استعداد اور فکری لیاقت واہلیت کو غارت کر رہا ہے۔ کھیل کھیل نہیں بلکہ مقصدِ حیات بن چکا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ کسی مشہور کھلاڑی کی ''خاک پا'' حاصل کرنے کی فکر میں گزرتا ہے۔ کچھ کھیل تو اس قدر گراں ہیں کہ مالدار طبقہ بھی اس کا پیٹ بھرنے سے قاصر ہے۔ کھیل کا یہی طوفانی جذبہ تہی دامن نوجوانوں کو چوری اور ڈکیتی کی دہلیز پر لا کھڑا کرتا ہے۔ ان کھیلوں میں شرعی آداب و رعایت تو دور کی بات ہے ، کھلے عام شرعی احکام توڑے جا رہے ہیں اور ان کی ان دیکھی کی جا رہی ہے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ مسجد سے متصل میدان میں کوئی میچ ہو رہا ہے ، وہیں اذان و جماعت ہو رہی ہے ، کھیل کا مائک اپنی تمام تر قوت و طاقت کے ساتھ چیخ رہا ہوتا ہے ، نماز ادا کرنا مشکل ہوتی ہے۔ کھلاڑی مسجد میں کیا آئیں گے؟ بہت سے بہ ظاہر دین داروں کی نمازیں بھی انہی کھیلوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔

ان کھیلوں کا ایک پہلو اقتصادی نقصانات ہیں۔ بعض کھیلوں کے دوران سارا معاشرہ ٹوٹ پڑتا ہے ، کاروبار زندگی ٹھپ پڑ کر رہ جاتے ہیں۔ حکومتیں ان کھیلوں پر بے تحاشا دولت بہاتی ہیں ، ان کی خاطر بے جا اسراف اور تیاری ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ خاص طور پر ان ممالک میں ہوتا ہے ، جس کی ۹۰ رفیصد آبادی نیچے کی سطح پر زندگی گزارتی ہے۔ وہ لقمہ لقمہ کی محتاج ہے ، پینے کے لئے صاف پانی میسر نہیں ، تعلیم کے وسائل نہیں ، ضروریات زندگی سے محروم ہے ؛ لیکن کھیل کود کے لئے ان حکومتوں کو ''خزانۂ قارون'' ہاتھ آ جاتا ہے۔

ان کھیلوں کی تاریخیں مقرر کرنے میں خاص طور پر مشرقی اور اسلامی ممالک میں اوقات امتحان کو دانستہ طور پر مد نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ طلبہ اپنی جدوجہد اور محنت و مشقت سے امتحان میں اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے اپنی صلاحیت و استعداد کا ثبوت دیں۔ اور تعلیم کی مد میں خرچ ہونے والی بیش بہا دولت کا حق ادا کریں۔ قوم و ملک کی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کریں ، خدمت قوم و ملت کے اہل بنیں ، سارا وقت انہیں کھیلوں کے دیکھنے میں نذر ہو جاتا ہے ، رات رات بھر ٹی وی پر ٹکٹکی باندھے کھڑے رہنے کے بعد وہ ذہنی اور جسمانی طور پر نڈھال ہو جاتے ہیں۔ اور پھر امتحان

میں کامیابی کے لئے دوسرے ''کامیاب'' ذرائع کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ آخر اس تعلیمی ضیاع کی کوئی حد تو ہوگی؟ ذمہ داران اس پر توجہ دیں گے؟ یا نئی نسل کو کھیل کود کی نذر ہی کردینے کا قوم تہیہ کر چکی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے کھیل کھیل ہے، مقصد حیات نہیں، اسلام حقیقت و سنجیدگی کا دین، کھیل کود کا نہیں، محنت کش اور جدوجہد کا دین ہے، آرام پرستی اور وقت کی بربادی کا دین نہیں، لہٰذا ہر ایسا کھیل ناجائز اور حرام ہے جس میں ضیاع وقت ہو، جو ذہنی صلاحیت اور جسمانی طاقت کو مفلوج کردے، جس سے عبادتوں میں تاخیر یا ان کا بالکلیہ ترک لازم آئے، جس سے عفت وعصمت پر آنچ آئے، جو شرم وحیا کا دامن تار تار کردے، جس سے اسلامی اقدار وروایات کو خطرہ ہو۔ ہاں ایسا کھیل جائز ہے جس سے ذہنی وجسمانی قوت ملے، جو میدان کارزار میں عزائم کو مہمیز کردے، جس سے معاشرتی زندگی میں تعاون ملے۔

چنانچہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوالحسین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک مسلمان کے لئے ان تین کھیلوں کے سوا سب بیکار کھیل ہیں: تیر اندازی، گھوڑوں کو سدھانا اور اپنی بیوی سے خوش طبعی اور ملاعبت''۔ (۱۱)

یہی روایت سنن ابوداؤد (۲۸/۳) میں مروی ہیں، جس کی تشریح میں علامہ خطابی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

''اس حدیث میں ہر طرح کے کھیلوں کا بیان ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ کھیلوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے کھیلوں کے ذریعہ حق میں تعاون اور مدد ملتی ہے۔ ہتھیار چلانے کا طریقہ سیکھنا اور دوڑ وغیرہ اسی کے تحت آتے ہیں، جن کو انسان تو ورزش کے طور پر انجام دیتا ہے لیکن اس سے بدن میں طاقت آتی ہے۔ دشمن کے مقابلے میں مدد ملتی ہے''۔

ان کے علاوہ کام چوروں کے کھیل مثلاً نرد، شطرنج اور کبوتر بازی وغیرہ جن سے کسی حق میں تعاون ملتا ہے اور نہ ان سے کسی واجب کی ادائیگی میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب ممنوع ہیں۔ (معالم السنن للخطابی مع سنن ابی داؤد ۶۰۹/۲)

بے شرمی وبے حیائی اور ذہنی وفکری زوال اس دور کے کھیلوں کا لازمی حصہ ہیں۔ عہد رسالت کے کھیل اس سے بالکل مختلف ہیں۔ اس دور کے کھیلوں سے جسمانی طاقت بڑھتی تھی میدان جنگ میں مفید ثابت ہوتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے حبشی ہتھیاروں کا کھیل کھیلتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوا اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کئے ہوئے تھے حبشی لوگ حضور ﷺ کی مسجد میں اپنے ہتھیاروں سے کھیلتے، میں ان کے کھیل دیکھتی اور جب تک میں سیر ہوکر لوٹ نہ جاتی، رسول اللہ میری خاطر کھڑے رہتے، تم اندازہ لگا سکتے ہو تم جیسی کم سن کھیل کی شوقین لڑکی کتنی دیر تک تماشہ دیکھے گی۔ (۱۲)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

''اس سے ثابت ہوا کہ ہتھیاروں کا کھیل مثلاً بندوق کی گولی، تیر کا نشانہ، بانک اور پٹا وغیرہ، جہاد کی نیت سے مسجد میں سیکھنا کھیلنا روا ہے، اگر عورتیں مردوں کے ایسے کھیل دیکھیں تو جائز ہے۔ لیکن مردوں کی نظر عورتوں پر نہ پڑے، اگر عورت کی نظر کسی اجنبی مرد پر شہوت سے پڑے تو بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے۔'' (شرح نووی مترجم ۳۴۰/۲)

ہر ایسا کھیل لغو ناجائز ہے جس سے عبادت میں خلل آئے، اس میں تاخیر ہو، یا اس کا بالکلیہ ترک کرنا لازم آئے، ضیاع وقت ہو اور دینی یا دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو مثلاً:

## چوسر بازی:

چوسر بازی حرام ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمان نبوی ہے:

جو چوسر کھیلے اس نے اپنے ہاتھ گویا سور کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے۔ (۱۳)

## کبوتر بازی:

کبوتر بازی محض وقت کا ضیاع ہے، اس میں دینی یا دنیاوی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: (۱۴)

رسول ﷺ نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے لگے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: شیطان شیطان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''المصالح العقلیة للأحکام النقلیه'' (ص ۳۲۶، ۳۲۷) میں لکھتے ہیں:

بعض لوگ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جیسے شطرنج، کبوتر بازی، بٹیر بازی اور جانوروں کو لڑانا وغیرہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے تو اس کو کھانے پینے کی بھی خبر نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات پیشاب روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے ہرگز نہیں ٹلتا، پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور ہو جائے تو، یہ لوگ تمام شہر پر بوجھ پڑ جائیں اور اپنی جان کی ان کو خبر نہ رہے، اس لئے ان مشاغل سے منع کردیا گیا۔

## عصر حاضر کے نوجوان اور فحش رسائل:

نشر واشاعت کے ذرائع کا ایک خطرناک پہلو اور سنگین نتیجہ، فحش لٹریچروں اور رسائل کا سیلاب ہے۔ عام شاہراہوں، گلی کوچوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بس اسٹینڈوں کے بک اسٹال، فحش لٹریچروں سے بھرے پڑے رہتے ہیں۔ عریاں اور نیم عریاں تصویر ان رسائل کا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ آج نیند سے اٹھنے کے بعد نوجوان کی اولین نظر انہیں فحش رسائل اور اخباروں پر پڑتی ہے، جن میں ہیجان انگریز تصاویر اور

مضامین ہوتے ہیں، جن سے شورش جوانی بھڑکتی ہے۔ فلمی رسائل اور ناولیں پڑھ پڑھ کر جوان طبقہ ہر طرح کے ذہنی امراض کا شکار ہے۔ اس نے بے راہ روی کی تمام حدود کو پار کرلیا ہے، ذہنی وفکری عیاشی اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کو فروغ دینے میں ان رسائل نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ہمارے بہت سے دیندار کہے جانے والے گھرانے بھی اس آفت سے اپنے دامن کو نہ بچاسکے۔ نیا تعلیم یافتہ طبقہ اس کو روشن خیالی اور آزادی کا ایک بنیادی عنصر تصور کرتا ہے کہ گھر کا ہر چھوٹا بڑا ہر طرح کے رسائل اور اخبارات پڑھے۔ اعلیٰ اعزازات اور اعلیٰ انعامات سے نوازا جاتا ہے؛ کیونکہ اس نوجوان طبقے کے ناشائستہ جذبات بھڑکانے، اس کی ذہنی صلاحیت پژمردہ کرنے اور اس کو بے راہ روی پر چلانے میں ایک بڑا اہم رول ادا کیا۔ اسلام نے روز اول ہی سے فحش گوئی اور تصویر کشی پر پابندی عائد کرکے اس کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔

## فحش گوئی:

فحش گوئی اسلامی نقطۂ نظر سے حد درجہ قبیح خصلت ہے، فحش نویسی بھی اسی کے تحت آتی ہے۔ بہت سی احادیث میں اس کی قباحت کا ذکر آیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فحش گوئی و بے حیائی جہنم کا راستہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: حیاء ایمان کا ایک جزو ہے اور ایمان جنت میں (لے جاتا) ہے، اور بے حیائی، جفاء، ظلم کمینہ پن ہے اور جفاء جہنم میں لے جاتا ہے (۱۶)

فحش گوئی نفاق ہے۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: ”شرم اور کم گوئی ایمان کی دوشاخیں ہیں۔ فحش گوئی اور زیادہ باتیں کرنا، نفاق کی دوشاخیں ہیں۔“ (۱۷)

## تصویر کشی:

کسی جاندار کی تصویر کشی، اسلامی نقطۂ نظر سے حرام ہے۔ بہ ضرورت اور مجبوری اس کی اجازت دی جاتی ہے؛ اس لئے کہ تصویر کشی درحقیقت، شرک وبت پرستی کا ابتدائی زینہ ہے۔ تصویر کشی کے بعد مجسمہ سازی اور مجسمہ سازی کے بعد بت پرستی کا دور آنے میں دیر نہیں لگتی۔ تصویر خیر وبرکت کے لئے سد باب ہے۔ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے فرشتہ نہیں آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

حضرت جبرئیل نے رسول ﷺ سے ایک وقت آنے کا وعدہ فرمایا، وقت گزر گیا، تشریف نہ لائے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ آپ نے اس کو زمین پر پھینک دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور نہ اس کے قاصد وعدہ خلافی کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا، تو کتے کا ایک پلہ تخت کے نیچے دکھائی دیا، آپ نے فرمایا عائشہ! یہ پلہ یہاں کب آیا؟ انھوں نے کہا بخدا مجھے خبر نہیں، پھر آپ کے حکم سے اس کو باہر نکال دیا، اسی وقت جبرئیل تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنے کا وعدہ کیا تھا، میں انتظار میں بیٹھا تھا؟ انھوں نے کہا: یہ کتا جو گھر میں تھا اسی وجہ سے نہیں آیا، جس گھر میں کتا یا مورت ہو ہم اس گھر میں نہیں آتے۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”جاندار کی مورت بنانا سخت حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے چاہے کپڑے میں ہو یا فرش میں یا اشرفی یا پیسہ میں یا برتن یا دیوار میں البتہ درخت یا پالان، اور ان چیزوں کی جس میں جان نہیں، مورت بنانا حرام نہیں جس چیز میں جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہو اگر وہ دیوار میں لٹکائی جائے یا کپڑے میں پہنی جائے یا عمامہ پر ہو جو ذلیل نہیں تو حرام ہے اور جو ذلت کی جگہ ہو جیسے بچھونے پر جو روندا جاتا ہے یا تکیہ وغیرہ پر تو حرام نہیں لیکن اس میں کلام ہے کہ ایسی تصویر سے بھی فرشتے گھر میں آئیں گے یا نہیں، اور ہمارے نزدیک سایہ دار مورت اور غیر سایہ دار میں کوئی فرق نہیں۔ جمہور علمائے صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا یہی مذہب ہے۔“ (نووی شرح مسلم مترجم ۳۲۰/۵)

قیامت کے دن مصور کو حکم ہوگا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالدے، وہ ایسا نہیں کرسکے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک توشک خریدی جس میں تصویریں تھی رسول اللہ ﷺ کی نظر اس پر پڑ گئی آپ دروازے پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے۔ میں نے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار پہچان لئے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے توبہ کرتی ہوں، میرا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ توشک کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: اس کو آپ کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کے لئے خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا: جنھوں نے یہ تصویریں بنائی ہیں ان پر قیامت میں عذاب ہوگا، ان سے کہا جائے گا کہ ان میں جان ڈالو، پھر آپ نے فرمایا: جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس گھر میں فرشتے نہیں آتے۔ (۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو سخت سے سخت عذاب ہوگا۔ (بخاری شریف ۳۸۲/۱۰)

## عصر حاضر کے نوجوان اور نشہ بازی:

عصر حاضر کا ایک تباہ کن فیشن: نشہ آور چیزوں کا استعمال ہے۔ اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ ہر طبقہ میں ان کا استعمال زندگی کا لاعلاج روگ بن چکا ہے۔ اونچے گھرانوں میں شراب، دسترخوان کا لازمی جز ہے، جب تک شراب جیسی منحوس چیز کا دور نہ چلے، کیف نہیں آتا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے شراب، ناپاک اور شیطانی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، آپسی دشمنی، اور ذکر و نماز سے غفلت پیدا کرتی ہے۔ بہت سی آیات اور احادیث میں اس کی حرمت اور اس کے خطرناک اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے تمام خانگی امور اور انسان کا نظم وضبط تہس نہس ہوکر رہ جاتا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شراب کی مضرتوں اور اس کے قبیح اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس گھر اور قوم و ملک میں شراب کی کثرت ہوگی وہاں مصائب کی کثرت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یورپی ممالک میں کثرت سے شراب نوشی کے باعث، مصائب و آلام کی بھی یوما فیوما ترقی ہو رہی ہے۔ دور نہ جاؤ، یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا ملک ہے، جس کی آبادی ساڑھے تین ملین سے زیادہ نہیں، لیکن ایک لاکھ نو ہزار شراب خانے ملک میں موجود ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

اس شراب خوری و اسراف کا نتیجہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھ رہی ہے، مجرموں میں فی صد اسّی (۸۰) خودکشی کرتے ہیں (۷۴) فیصد قید خانے میں رہتے ہیں، (۷۹) فیصدی فقر و فاقے میں بسر کرتے ہیں، اور (۷۵) فیصدی مجنون و پاگل ہیں۔ (المصالح العقلیہ، ص ۳۱۰، ۳۱۱)

شراب، شہوت اور بدی کی قوتوں کو ابھارنے والی ہے اور بہت سے روحانی وجسمانی امراض کا سبب ہے، پھر بھی اس کو استعمال کرنا اور اس کی اجازت دینا، درحقیقت بدی اور بدکرداری کو پھیلانا اور معاشرہ کو گندہ کرنا ہے۔ آئے دن اخبارات میں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ فلاں جرم کے پیچھے شراب خوری محرک تھی۔

شراب ہی کی طرح ہر قسم کی دوسری نشہ آور چیزیں ممنوع ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تبع (شراب کی شہد) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جس مشروب میں نشہ ہو، حرام ہے (مسلم شریف کتاب الاشربہ بیان ان کل مسکر خمر ۳/۵۸۵)

## نشہ آور چیزوں کا اثر نسل پر:

نشہ آور چیزوں کا سنگین اثر، صرف اس کے عادی افراد تک محدود نہیں بلکہ ان کی نسل پر بھی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ سے اولاد کی جسمانی و ذہنی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک عربی رسالہ الاصلاح (ج ۹ شمارہ ۱۰۴) نے لکھا ہے: سوویت یونین کے ایک ماہنامہ نے نشہ کے عادی والدین کو تنبیہ کی ہے کہ اس کے سبب اولاد کی بیس فی صد ذہانت کمزور ہوتی ہے۔ ماہنامہ لکھتا ہے: ۲۱۵ / شراب خور والدین اور ان کے جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۴۵ / بچے ذہنی مرض میں، ۵۵ / بچے تپ دق میں، ۳۶ / کم عقلی میں مبتلا، ۷ / ۳۷ / رکی قبل از وقت ولادت ہوگئی اور ۱۶ / اثناء ولادت فوت ہوگئے۔

## سگریٹ نوشی:

سگریٹ نوشی بڑی تباہ کن عادت ہے، بچہ، بوڑھا اور جوان؛ ہر ایک اس کا شکار ہے۔ سگریٹ نوشی کے دینی، جسمانی اور مالی نقصانات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

شیخ محمد عینی رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ "ترحیم التدخین" میں چار اسباب سے اس کو ممنوع قرار دیا ہے:

۱- معتبر اطباء کے کہنے کے مطابق یہ نقصان دہ ہے۔ اور ایسی چیزوں کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔ (۲) یہ نشہ آور ہے جس کی ممانعت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور مفتر سے منع فرمایا۔ (مسند احمد عن ام سلمہ) مفتر ہر وہ چیز ہے جس کے استعمال سے اعضاء میں فتور (بے حسی) اور کمزوری پیدا ہو۔ (۳) اس کی بدبو سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے، خصوصاً نمازیوں کو اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (۴) یہ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے، اس میں کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں (رسالہ فتویٰ حکم شرب الدخان از شیخ محمد ابراہیم)

سگریٹ نوشی کا دینی نقصان یہ ہے کہ اس کے عادی شخص کے لئے عبادات، خصوصا روزہ رکھنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ انسان اس کی وجہ سے بروں کی صحبت میں پہنچتا ہے۔ اور یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

سگریٹ نوشی کے جسمانی نقصانات بہت ہیں مثلاً: جسم نڈھال ہو جاتا ہے، نگاہ کمزور ہو جاتی ہے، بدن کی رگ رگ اس سے متاثر ہوتی ہے، غذا اثر انداز نہیں ہوتی، اعصابی طاقت ختم ہو جاتی ہے، غذا کی خواہش نہیں رہتی، بدہضمی ہو جاتی ہے، کھانسی، سخت نزلہ، بلکہ بسا اوقات دم گھٹنے کا عارضہ پیش آتا ہے۔ بہت سے معتبر ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ سینہ کے امراض میں سگریٹ نوشی کا بڑا دخل ہے، کینسر جو نہایت خطرناک مرض ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہی سگریٹ نوشی ہے۔ آج دنیا ڈاکٹروں کے معمولی سے معمولی مشورہ کو حرز جان بناتی ہے، لیکن سگریٹ نوشی کے بارے میں ان کی شدید تنبیہ اور یقین دہانی کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے۔

سگریٹ نوشی کے مالی نقصانات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، یہ سراسر فضول خرچی ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اس سے بڑھ کر مالی بربادی کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے خون پسینے کی کمائی سے اپنی ہلاکت اور بربادی کا سامان پیدا کرے۔

ایک ڈاکٹر نے بیس ہزار افراد پر (جس میں بالکلیہ احتراز کرنے والے، اعتدال کے ساتھ پینے والے اور کثرت سے پینے والے؛ سب تھے) اکیس سال کے تجربہ کے بعد بتایا کہ لمبی عمریں، بالکلیہ احتراز کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ پھر اعتدال کے ساتھ پینے والوں کی اس سے کم اور کثرت سے پینے والوں کی عمریں اس سے بھی بہت کم ہوتی ہیں۔

## عصر حاضر کا نوجوان اور ضیاع وقت:

عصر حاضر کے نوجوانوں میں ایک بڑا مرض، وقت کا ضائع کرنا ہے، نوجوانوں میں کام، محنت اور جدوجہد کا جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے، فضولیات ہوٹل بازی اور ادھر ادھر وقت ضائع کرنا نوجوان طبقہ کی عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ وقت کی قدر و قیمت ان کے ذہن سے غائب ہو چکی ہے۔ جوانی کی عمر طاقت وقوت کا شباب ہوتا ہے، حق تو یہ تھا کہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدے میں اس کو صرف کیا جاتا، اپنے لئے اور اپنی قوم و ملت کے لئے کوئی مفید ترین کام انجام دیا جاتا، لیکن اس کا تصور ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔

صحت اور فرصت؛ دو ایسی نعمتیں ہیں جن کی قدر و قیمت بالخصوص نوجوان طبقہ سے اٹھتی جارہی ہے۔ ان دو نعمتوں کے باب میں اکثر لوگ دھوکہ میں رہتے ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں نعمتوں کی قدر و قیمت یوں اجاگر فرمائی ہے:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکہ میں ہیں: ایک صحت و تندرستی، دوسرے فرصت و فراغت''۔(۱۹)

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کو صحت و تندرستی میسر ہوتی ہے، تو تصور بھی نہیں ہوتا کہ بیماری آسکتی ہے جب تک فرصت و فراغت ہے اسے دھوکہ رہتا ہے کہ مصروفیت نہیں ہوگی۔

یہ تو نفس کا بہت ہی بڑا دھوکہ ہے کہ ابھی نوجوان ہیں، کیا عمر بیت گئی کہ نیک کاموں میں لگ جائیں، ابھی ذرا مزے اڑالیں پھر توبہ کرلیں گے۔ نوجوان طبقہ کو علم نہیں کہ قیامت کے دن جب تک جوانی کا حساب و کتاب نہ دے لیں گے قدم نہیں ہلاسکتے۔ نوجوانوں کو جوانی کی قیمت پہچاننی چاہیے کہ جوانی کے بعد دو ہی راستے ہیں: موت یا بڑھاپا، تیسرا کوئی راستہ نہیں مرگئے تو مرگئے اور اگر بوڑھے ہوگئے تو ساری طاقت و قوت ختم ہوجاتی ہے بلکہ یہ حال ہوجاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت۔

## سالگرہ یا ماتم:

مغربی تہذیب و تمدن کی ایک دین سالگرہ منانا ہے۔ یعنی زندگی کا ایک سال ختم ہوگیا تو موم بتیاں سلگائیں گے کیک کاٹیں گے اور نہ جانے کیا کیا خرافات کریں گے، اکبرالہ آبادی نے اس کے بارے میں بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے:

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں زندگی کا ایک سال جاتا ہے

## عصر حاضر کے نوجوان اور کام چوری:

کام چوری اور بے کاری حد درجہ قبیح لت ہے۔ اسلام تو جدو جہد محنت و عمل کا دین ہے۔ بہ صد افسوس بھکاریوں کی ایک بڑی تعداد اسلام سے منسوب ہے اور ان کا ایک بڑا طبقہ ان نوجوانوں کا ہے جن کو صحت و تندرستی کی دولت ملی ہوتی ہے۔ اگر نوجوان طبقہ محنت و عمل پر اتر آئے تو ان شاء اللہ کوئی وجہ نہیں کہ کمر سیدھی رکھنے کے لئے روٹی نہ مل سکے۔ مالداری اور فقیری تو قدرتی چیز ہے، لیکن اسلام نے مسلمانوں کو بہر صورت محنت و عمل کی تعلیم دی ہے، بھیک مانگنا اسلامی نقطۂ نظر سے بڑا برا ہے۔

اسلام کا ابتدائی دور صحابہ کے لئے بڑا سخت گزرا ہے، انھوں نے فاقے پر فاقے برداشت کیے لیکن دست سوال دراز کرنے کا تصور بھی نہ تھا۔ احادیث میں اسطرح کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:(۲۰)

ایک انصاری خدمت نبوی میں کچھ مانگنے آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ انھوں نے کہا: ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ ہم بچھاتے ہیں اور ایک حصہ اوڑھتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ دونوں لے آؤ۔ وہ لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: ان دونوں کو کون خریدے گا؟ ایک صاحب نے کہا: میں ان کو ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپ نے فرمایا: کوئی بڑھائے گا؟ دو تین بار آپ نے فرمایا، تو ایک صاحب نے کہا: میں ان کو دو درہم میں خریدوں گا۔ آپ نے انہی کے حوالے کرکے ان سے دو درہم لے لیے ان انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا اناج خرید کر اپنے گھر والوں کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑا خرید کر لے آؤ۔ وہ لے آئے آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں دستہ لگایا اور فرمایا: جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور میں تم کو پندرہ دن تک نہ دیکھوں وہ گئے لکڑیاں کاٹتے اور بیچتے رہے اور آئے تو دس درہم ان کے پاس تھے۔ کچھ سے کپڑا اور کچھ سے غلہ خریدا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ یہ مانگنا قیامت کے دن تمہارے چہرے پر داغ بن کر آئے۔ سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے درست ہے: کمر توڑ فقر میں مبتلا، جس پر خوفناک قرض آپڑے اور جس کو تکلیف دہ خون بہا دینا ہو۔

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم کا قرضدار ہوگیا (یعنی دو قبیلوں میں صلح کرانے یا کسی اور امر خیر میں) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے مانگا تو آپ نے فرمایا: ٹھہرو صدقہ کی رقم آجائے تو ان میں سے دوں گا۔ پھر آپ نے فرمایا: سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہے: ایک وہ جو کسی امر خیر میں قرضدار ہوجائے تو اس کے لئے سوال کرنے کی گنجائش ہے یہاں تک کہ اس کے قرض کی ادائیگی ہوجائے، اس کے بعد وہ سوال نہ کرے۔ دوسرے وہ جس پر کوئی آفت آگئی اور اس کا سارا مال ختم ہوگیا تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کے اس کے گزر بسر کے بقدر مل جائے۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ پڑے اور اس کی قوم کے تین افراد اس کی فاقہ کشی پر گواہی دیں تو اس کے لئے سوال کرنے کی گنجائش ہے یہاں تک کہ اس کے گزر بسر کے بقدر مل جائے۔ ان کے علاوہ کے لئے سوال کرنا اے قبیصہ! حرام ہے۔ وہ سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔

حیرت ہے کہ جس قوم و ملت کی ترقی کا راز جدو جہد میں ہے، اس کے نوجوان کام چوری اور بے کاری کے عادی ہوں!!

حیرت ہے کہ جس مذہب میں سوال کرنا قیامت کے دن چہرے پر داغ بتایا گیا ہو اس کے ماننے والوں میں فقیروں اور مانگنے والوں کی ایک مستقل برادری پیدا ہوجائے اور وہ مانگنے کو اپنا آبائی پیشہ تصور کرے!!

# کیا اسلام دہشت گردی کا پیغامبر ہے؟

از: مولانا افتخار بستوی، استاذ جامعہ

اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی ہمہ گیر رہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو دین بھیجا ہے اس کا نام ''اسلام'' رکھا ہے، جس کا لفظی و معنوی، ظاہری و باطنی تقاضا امن و شانتی اور سلامتی و سکون ہے، لیکن پوری دنیا میں آج جہاں جہاں اور جس جس ملک میں اس دین کو ماننے والے موجود ہیں، ان کو اور ان کے دین کو یہودیت وصہیونیت ''دہشت گردی'' اور ''ارہاب'' کا نام دے رہی، اس دین پر چلنے والے، اس دین کا پرچم لہرانے والے کسی ملک کے عوام ہوں تو وہ دہشت گرد ہیں، اور خود وہ ملک اس دینِ اسلام کا درد رکھتا ہو تو وہ ملک دہشت گرد اور دہشت گردوں کا اڈہ ہے، یہاں تک کہ یہودیت ونصرانیت اور صہیونیت نے اشرف الانبیاء، خاتم المرسلین، محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں (العیاذ باللہ) ایسا ہی لفظ استعمال کر کے نشر کیا، جس کو قیدِ تحریر میں لانے والا قلم کانپ رہا ہے، اور سب سے بڑا دہشت گرد آپ کے بجائے ان یہودیوں کو ہی کہنے اور لکھنے پر مجبور ہے۔

یہودیوں نے پیغمبر اسلام کو دہشت گرد کہا، قرآن کریم کو دہشت گردی کا پلندہ کہا اور قرآن کا متبادل ''الفرقان الحق'' منظر عام پر لا کر ایک سیکولر اور ماڈرن اسلام کی تبلیغ کی اور ابھی بھی کر رہے ہیں۔ لیکن دنیا کی آنکھیں بھی یہودیوں کی طرح بل کہ ان سے بھی کہیں زیادہ تیز ہیں، وہ قرآن کی حقانیت اور اس کی سحر آفرینی کا مقابلہ ''الفرقان الحق'' سے کیا کر سکیں گے، جب کہ ان کے پڑھے لکھے لوگ مستشرقین اور علمائے یہود ونصاریٰ کی علم دانی اور فہم ورسائی کا ذرا یہ عالم دیکھیے کہ ایک فارسی عبارت کا کیسا بے تکا مطلب سمجھتے ہیں جسے اسلام کے خانوادے کا عام بچہ بھی حرفِ غلط کی طرح مٹا دے گا۔

ایک بڑے فارسی داں مستشرق نے کہا تھا کہ ''حافظ شیرازی اپنی قوم کی تاریخ سے ناواقف تھے، جس کا خود حافظ شیرازی نے ہی اعتراف کیا ہے، چناں چہ حافظ شیرازی کا یہ شعر پیش کر کے اپنی دلیل دی ہے کہ

من قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

''میں نے دارا اور سکندر کے قصے نہیں پڑھے ہیں، (اس کی مجھے کیا خبر؟) مجھ سے تو محبت و الفت کی باتوں کے سوا اور کوئی بات نہیں پوچھو''۔ (مستفاد: ۱۰ جون ۲۰۰۵ء)

اندازہ لگائیں کہ فارسی کے پروفیسر فارسی دانی کا دعویٰ کرنے والے مستشرق کی فارسی دانی کا یہ حال ہے کہ اس سے حافظ شیرازی کے بارے میں نتیجہ نکال رہے ہیں کہ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ معلوم ہی نہیں تھی۔ ایسے لوگ اسلام کو دہشت گردی کا پیغامبر اور امن و شانتی کش بتلا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کلام الٰہی ایک معجز کلام ہے، جب فارسی میں ان کا حال اتنا افسوس ناک اور ابتر ہے تو ان کی عربی دانی کا حال تو اور بھی ناگفتہ بہ ہوگا اور ''الفرقان الحق'' کو قرآن کریم کا مدمقابل پیش کرنا آسمان پر تھوکنے سے کم ہرگز نہ ہوگا، چناں چہ ان کی عربی دانی کی بھی ایک مثال سنتے چلیں: ''ایک بہت بڑے مترجم قرآن راڈول (Roddwell) نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا اونٹنی پر بیٹھتا ہے اور اس کی اونٹنی کو مت چھیڑو۔ خود قرآن نے کہا ہے: ''نَاقَۃَ اللّٰہِ وَ سُقْیَاھَا'' (اللہ کی اونٹنی اور اس کا پانی پلایا جانا)۔ (تعمیر حیات: ۱۰ جون ۲۰۰۵ء)

قرآن کریم کی اس آیت کا یہ مطلب سمجھنا کس قدر طفلانہ ذہنیت یا کھلنڈرے پن کی طرف غماز ہے۔ ایسے نام نہاد علم دانوں کا جب یہ حال ہے کہ ترجمہ دانی میں کیسی کیسی طفلانہ حرکتیں کر رہے ہیں تو جب عربی نصوص اور فصیح عبارتوں کی ترکیبی تجسیم کی بات آئے گی تو ان کی شہرۂ آفاق صلاحیتوں کا پھولا ہوا غبارہ کتنی دیر ہوا میں اڑ سکے گا!! لیکن آج کل کا دور ہی کچھ اور ہے ۔

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

یا بقول غالب ۔

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آج اسلام کو دہشت گردی کا نام دینا، اخلاق و آداب کو بزدلی کا نام دینا، مسلمانوں کو دہشت گرد اور بنیاد پرست کہنا، عفت و پاک دامنی کو عیب و عار سمجھنا، پردے کو ترقی کی راہ میں قدغن کہنا، پردہ نشین خواتین کو سماج کے لیے ذلت و عار کی علامت قرار دینا، کالجوں میں پردے کے ساتھ جانے والی مسلم بچیوں کا پردہ بے دردی سے نوچ کر پھینک دینا، سچ کو جھوٹ بنا کر پیش کرنا اور سفید اور صاف جھوٹ کو رنگ برنگا بنا کر سچ کے اعلیٰ معیار پر رکھنا اور بے شرمی و بے حیائی کو اعلیٰ تہذیب وثقافت کا نام دینا، آج کل یہی دنیا کا وطیرہ ہو چکا ہے، عالمِ اسلام انہیں چیزوں کی پیچیدگیوں کو بھانپنے اور پرکھنے میں پیچھے ہے۔

اسلامی تعلیمات کو مدارس اسلامیہ، جلسوں، کانفرنسوں، تبلیغی اجتماعات، کتابچوں، لٹریچروں، کتابوں اور مخلص عالموں اور داعیوں کے ذریعے اگر عالم اسلام سماج کے رگ وریشے میں پیوست کرنے کا بیڑہ اٹھاتا ہے تو دوسرے ہی لمحے پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا، ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، انگریزی، عربی، فرانسیسی، جاپانی، اردو، فارسی، ہندی، پنجابی اور نہ جانے کس کس زبان میں شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ دہشت گردی پروان چڑھ رہی ہے، دہشت گردوں کا جم غفیر شہر میں جمع ہو رہا ہے، دہشت گردی کی تبلیغ سماج کے رگ وریشے میں دہشت گردی کو پیوست کرنے کے لیے برسرِعام جاری وساری ہے۔

اب ان حالات میں عالم اسلام کی ذمے داری دوہری ہوجاتی ہے کہ سخاوت کو بخل کا نام دیا جانے لگے، حاتم طائی کو نادر نامی بخیل ترین آدمی کا طعنہ دینے لگے، باقل نامی گونگا آدمی مشہور زمانہ مقرر قس بن ساعدہ کو گونگا کہنے لگے، جگنو آفتاب کی روشنی کو اپنے سے دھیمی اور مدہم بتائے ناجائز آشنائی کو بطور فخر بنایا جانے لگے، آفسوں میں ٹرینوں اور ہوائی جہازوں میں بے شرم لڑکیوں کی بے حجابی کو عزت وسر بلندی کا نشان بتایا جانے لگے تو ایسے دور میں حکمت عملی اور عملی اقتدار کی سنجیدگی میں بھی پختگی لانی پڑے گی تقویٰ وطہارت کا معیار اونچا کرنا پڑے گا۔ ورنہ آج کے حالات کی سنگینی میں آدمی عاجز آکر کہہ سکتا ہے ؎

فیا موت ذر ان الحیاۃ ذمیمۃ
ویا نفسی جدی ان دھرک ھازل

اے موت اب تو آجا اب زندگی بڑی خراب ہوگئی ہے سرتاسر گندگی کا مجموعہ ہوگئی ہے۔ اور اے بے جان اب دیر نہ کر جلدی نکل چل قفص عنصری سے پرواز کر جا تیری دنیا حد درجہ مسخرہ پن اور کھلنڈرے پن پر اتر آئی ہے۔

آج پوری دنیا میں دہشت گردی کا ننگا ناچ دوسروں سے مل کر بس یہی یہودی ناچ رہے ہیں' عالم اسلام کے کسی گوشے میں کوئی بھی حادثہ ہوتا ہے' یا عالم مغرب میں کوئی سانحہ ہوتا ہے تو اس میں بالواسطہ یا بلا واسطہ انہیں یہودیوں کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن دور حاضر کے مزاج کے مطابق یہودی کا میڈیا پل جھپکتے ہی یہ خبر نشر ہوتا ہے کہ ''القاعدۃ'' مزید سرگرم عمل ہے ''القاعدۃ'' کے لیڈر کا بیان آیا ہے کہ ہم دہشت گردی کو نہیں چھوڑ سکتے۔

یہ برعکس اعلان کم پڑھے لکھے لوگوں یا حقیقت کہ تہ میں نہ جانے کی صلاحیت رکھنے والوں یا جہاں بینی کی فطرت سے کنارہ کشوں کے لئے سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ''القاعدۃ'' مسلمانوں کی تنظیم ہے جس نے کچھ ایسا کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے' یا ایسا سب کچھ اسی نے کیا ہے، حالانکہ حقیقت کے منظر نامے کو اگر چھان پھٹک کر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ تمامتر کارروائیاں اور سانحات یہودیوں کی سازشوں سے رونما ہوتے ہیں، وہی ان حوادث وسانحات کے ہیرو ہوتے ہیں لیکن دور حاضر کے مزاج کے مطابق سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کا نام دے کر یہ فتنہ انگیزیاں ''القاعدۃ'' نام کی غیر واقعی، موہوم اور خود تراشیدہ تنظیم کے سر ڈال کر دامن جھاڑ لیتے ہیں۔

اس نوعیت کی سرد جنگ میں ''الحرب خدعۃ'' کے شرعی ضابطے کی روشنی میں اگر عالمِ اسلام بھی کچھ یا بہت کچھ کرنے پر کمربستہ ہوجائے اور ''ہمت مرداں مدد خدا'' کو مدنظر رکھ ''ان تنصروا اللہ ینصرکم'' کے اعلان پر کان دھرنے کے لیے تیار ہوجائے تو آج بھی دنیا کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

ماضی بعید میں عالم اسلام کی روز افزوں ترقی کو روکنے کے لیے یہودیت و نصرانیت نے عقائد اور اعمال کی راہ سے اسلام میں نئے نئے فرقوں کو جنم دیا جس کے نتیجے میں سیکڑوں فتنوں نے سر اٹھایا، اور اسلام میں آٹھ بڑے بڑے فرقے: معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجئہ، نجاریہ، جبریہ، مشبہہ، ناجیہ۔ انہیں یہود ونصاریٰ کی خبیث سازشوں کا نتیجہ ہیں پھر ان فرقوں کی ایسی ایسی شاخیں پیدا ہوئیں جن کے نام اب صرف تواریخ کا حصہ ہیں واصلیہ، عمرویہ، ہذیلیہ، ہشامیہ، صالحیہ، کاملیہ، منصوریہ، محکمہ، نجدات، عجاردہ، حارثیہ، اور نہ جانے کتنے فرقے کھڑے ہوئے۔ اور ماضی قریب میں عقائد و اعمال کی لائن سے انہیں مکروفریب والوں نے پرویزیت، نیچریت، غیر مقلدیت، بریلویت، قادنیت اور مودودیت کو نیا لباس دیا۔

جب پرچم اسلام عالم اسلام میں پھر بھی سرنگوں نہ ہوا (اور شاہ فہد رحمہ اللہ کے انتقال پر دنیا کی نظروں نے دیکھ بھی لیا) تو سرد جنگ کے بجائے، کویت وعراق، افغانستان اور عراق کی جنگ چھیڑ کر عالم اسلام کو دنیا بھر میں دہشت گرد بتایا گیا۔ لیکن ۔۔۔۔ع۔۔۔۔

خوشبو آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید

اسلام کی سلامتی کی خوشبو پھیلی اور مختلف گوشہ ہائے عالم سے کثیر مقدار میں قرآن مجید کے ترجمے کا مختلف عالمی زبانوں میں مطالبہ کیا جانے لگا اور آج کسی دوسرے مذہب کی کتاب سب سے زیادہ ذوق وشوق سے پڑھی جانے والی اگر کوئی کتاب ہے تو وہ مسلمانوں کی کتاب ہدایت قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کی آنکھیں کھول دے اور بصیرت وہدایت اور رحمت عطا کرے کہ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

# جہاد اور دہشت گردی: عصر حاضر تطبیقات

''مجلس فکر ونظر لاہور'' ایک غیر سیاسی مسلکی اور علمی وتحقیقی مجلس ہے جس کے پیش نظر مسلم امت کو درپیش جدید مسائل میں اسلامی رہنمائی مہیا کرنے کے لیے اجتماعی کوششوں کو بروئے کار لانا ہے۔ مجلس اس سے قبل سود کے متبادل معاشی نظام، دینی وعصری نظام کی تعلیم کی اصلاح کی حکمت عملی اور پاکستان میں نفاذ اسلام کی ترجیحات سے اہم موضوعات پر مذاکروں اور سیمینارز کے انعقاد کے علاوہ تحقیقی وتجزیاتی رپورٹس بھی پیش کر چکی ہے۔ نومبر ۲۰۰۴ء میں مجلس کی طرف سے عصری تناظر میں جہاد اور دہشت گردی سے متعلق سوالات پر غور وفکر کے لیے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے ممتاز ترین علمائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے مشورے سے ایک سوال نامہ مرتب کر کے ملک بھر کے جید علماء اور اسکالرز کو بھجوایا گیا۔ بعد ازاں مجلس نے ۲۲/ مارچ ۲۰۰۵ کو لاہور میں اس موضوع پر ایک روزہ سمپوزیم منعقد کیا جس میں مولانا حافظ فضل الرحیم، مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مولانا عبدالمالک، مولانا مفتی محمد طیب، مولانا مفتی محمد خاں قادری، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈاکٹر محمد امین اور دیگر اہل علم نے شرکت کی اختتام پر ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا۔ مجلس کے مرتب کردہ سوال نامہ سمپوزیم کے جاری کردہ مشترکہ اعلامیہ کا متن قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

## سوال نامہ

۱۔ جہاد کی تعریف مع اقسام جہاد۔

۲۔ **جہاد بالدعوۃ:** کیا مسلم یا غیر مسلم معاشرے میں زبان قلم اور دیگر پر امن ذرائع سے دین کی دعوت وتبلیغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش بھی جہاد ہے؟ (ماہنامہ الشریعہ (۲۷) مئی ۲۰۰۵)

۳۔ **جہاد بالنفس:** کیا احکام کے لیے اپنی ذاتی اصلاح اور اس کے لیے کوشش وجدوجہد کرنا بھی جہاد میں شمار ہوگا؟

## اقدامی جہاد:

یعنی وہ مسلح جدوجہد جس میں کسی ایسی کافر حکومت کی طاقت توڑنا اور اسے جھکانا مقصود ہو جو اپنے عوام کے فہم اسلام میں رکاوٹ ہو۔

### اس جہاد کے شرائط:

۴۔ **شرط امام:** کیا یہ جہاد صرف کسی مسلم ریاست (یا ریاستوں) کی ہی طرف سے ہوسکتا ہے یا یہ مسلم افراد اور ان کی پرائیویٹ تنظیموں کی طرف بھی ہوسکتا ہے؟

۵۔ **شرط مقدرت:** کیا یہ جہاد ہر حالت میں فرض ہوتا ہے یا صرف اس وقت جب حکومت (یا حکومتیں) اتنی طاقتور ہو کہ کافر حکومت کی شکست کا احتمال غالب ہو؟ کیا سورۂ انفال کی دوگنا اور دس گنا والی شرط کا اطلاق یہاں ہوتا ہے؟

## دفاعی جہاد:

جب کوئی غیر مسلم طاقت کسی مسلمان ریاست پر حملہ کر دے/ قبضہ کر لے تو اس وقت:

۷۔ اگر مسلم حکومت شکست کھا جائے تو کیا اس ملک کے مسلم کے عوام پر جہاد یا مسلح مزاحمت فرض ہو جاتی ہے؟

۸۔ اس مزاحمت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی یہ فرض کفایہ ہوتی ہے یا فرض عین یا محض مستحب ہوتی ہے؟

۹۔ کیا اس حالت میں شرط امام اور شرط مقدرت ساقط ہو جاتی ہے؟

۱۰۔ اگر محض استخلاص وطن مقصود ہو اور اس کے بعد اسلامی حکومت قائم کرنے کا عزم واعلان موجود نہ ہو تو کیا پھر بھی یہ مسلح مزاحمت جہاد شمار ہوگی؟

۱۱۔ اگر کفار ایسے مفتوحہ ملک میں اپنے گماشتہ مسلم حکومت قائم کر دیں تو کیا اس حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت جائز ہوگی اور وہ شرعی جہاد سمجھی جائیگی؟

۱۲۔ کیا اس طرح کے دفاعی جہاد میں دشمن ملک (اور اس کے حلیف ممالک) کے اندر جا کر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

۱۳۔ کیا اس ملک کی شہری آبادی اور شہری مقامات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

۱۴۔ کیا اس ملک کے سفارت خانوں پر حملہ جائز ہوگا؟

۱۵۔ کیا اس ملک کی معاشی مفادات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

اگر ایک مسلمان ملک پر حملہ/ قبضہ ہو جائے تو کیا

۱۶۔ ساری مسلم حکومت پر جہاد فرض ہو جائے گا؟

۱۷۔ یا صرف مجاور مسلم حکومت/حکومتوں پر جہاد فرض ہوگا؟

۱۸۔ یا ساری مسلم حکومتوں پر محض اس کی اعانت فرض ہوگی؟

۱۹۔ یا صرف مجاور مسلم حکومت/حکومتوں اعانت فرض ہوگی؟

۲۰۔ اس اعانت کی حدود کیا ہوں گی؟ کیا محض سیاسی اعانت سے بھی حق ادا ہو جائے گا؟

۲۱۔ اس اعانت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ یعنی فرض ہوگی یا مستحب؟

۲۲۔ اگر مسلمان ریاستیں اس متاثرہ مسلم ریاست کی مدد نہ کریں تو کیا اس صورت میں ساری امت کے مسلمانوں پر (یعنی ہر فرد مسلم پر) جہاد فرض ہو جائے گا؟

۲۳۔ یا صرف مجاور مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوگا؟

۲۴۔ مسلم افراد (یا ان کی بنائی ہوئی پرائیویٹ تنظیموں) پر یہ جہاد فرض کفایہ ہوگا یا فرض عین یا مستحب؟

۲۵۔ دفاعی جہاد میں کیا خودکش حملے جائز ہیں؟

۲۶۔ دفاعی جہاد میں اگر بین الاقوامی مجاہدوں کے ضوابط کے خلاف ورزی ہو جن پر مسلمان حکومتوں نے دستخط کر رکھے ہیں تو اس صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

۲۷۔ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟

**مسلمان ریاست کے داخلی معاملات**

۲۸۔ اگر مسلمان حکمران بالجبر مسلمان رعایا پر حکومت کریں، ان کی پالیسیاں بھی غیر اسلامی ہوں اور وہ کفار کے گماشتے بھی ہوں تو کیا ان کے خلاف مسلح جدوجہد جائز ہوگی اور یہ جہاد میں شمار ہوگا؟

۲۹۔ یہ مسلح جدوجہد فرض عین ہے یا مستحب؟

۳۰۔ ایسے مسلمان حکمرانوں کے خلاف پر امن اصلاحی جدوجہد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ فرض کفایہ ہے، فرض عین ہے، مستحب ہے یا غیر ضروری ہے؟

۳۱۔ کیا مسلمان افراد اور تنظیموں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ باہمی دینی اختلافات (جیسے مثلاً شیعہ سنی میں، اہل سنت اور منکرین حدیث میں یا دیوبندی بریلوی وغیرہ میں ہیں) کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر کہیں؟

اگر ایک مسلمان حکومت میں ایک مسلمان فرد یا گروہ کے بارے میں یہ رائے رکھے کہ وہ کافر ہے تو:

۳۲۔ اسے کیا کرنا چاہیے یعنی کیا اقدامات کرنے چاہییں؟

۳۳۔ کیا وہ خود اسے قتل کرنے کا مجاز ہے؟

## مشترکہ اعلامیہ:

جہاد اور دہشت گردی کی عصری تطبیقات کے موضوع پر مجلس فکر ونظر کی طرف سے طلب کردہ پاکستان کے مختلف مکتبہ ہائے فکر اور اداروں کے علماء ومحققین اور اسکالرز کا یہ اجلاس، منعقدہ لاہور ۲۲ر مارچ ۲۰۰۵، مندرجہ ذیل مشترکہ اعلامیہ کا اعلان کرتا ہے: جہاد یہ کہ

۱۔ اسلامی احکام پر عمل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کی جانے والی ہر وہ کوشش جو فی سبیل اللہ ہو، اسلامی اور شرعی جہاد ہے۔

۲۔ جہاد اسلام کا انتہائی اہم حکم ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔

۳۔ اگر کسی مسلمان ملک پر کفار ناحق حملہ کردیں تو وہاں کے مسلم حکمران اور عوام کا فرض ہے کہ اسکی ہر طرح مزاحمت کریں، یہاں تک کہ جارح کو ملک سے باہر نکال دیں اور مسلمانوں کا اقتدار بحال ہو جائے تا کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

۴۔ مذکورہ صورت میں مجاور اور دیگر مسلمان ممالک کا فرض ہے کہ وہ حتی المقدور اس مسلم ممالک کی حمایت کریں کیوں کہ سارے مسلمان ایک امت ہیں۔

۵۔ صحیح اسلامی اور شرعی جہاد (بمعنی قتال) میں بوقت ضرورت ایسی لڑائی میں شرکت اعلیٰ درجے کی عزیمت ہے جس کا نتیجہ پہلے سے واضح طور پر شہادت نظر آ رہا ہو۔

## دہشت گردی:

٦۔ جہاد (یعنی قتال) کے علاوہ کسی مسلم حکومت، تنظیم یا فرد قانون ہاتھ میں لینا اور مسلح کارروائی کرنا دہشت گردی ہے، الا یہ کہ مسلم حکومت باغیوں اور قانون شکنوں سے نمٹے یا حکمرانوں کے کفر بواح کے نتیجے میں مسلمان عوام متحد ہو کر اس کے اٹھ کھڑے ہوں۔

۷۔ کسی کافر حکومت کا ناحق کسی مسلمان حکومت پر چڑھائی کرنا، اس کا اقتدار ختم کرنا مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانا دہشت گردی ہے۔

**مسلمانوں کے داخلی معاملات**

۸۔ کسی مسلم ملک کا دوسرے مسلم ملک پر حملہ کرنا ناجائز ہے اور یہ جہاد نہیں۔

۹۔ اختلاف عقیدہ اور فکر ونظر کی بنیاد پر کسی مسلمان کا کسی دوسرے مسلمان کو کافر قرار دے کر اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا ناجائز ہے، جہاد نہیں۔ نیز کسی فرد یا مسلم گروہ کو غیر مسلم قرار دے کر اس کے خلاف کارروائی کرنا ریاست کا کام ہے نہ کہ کسی فرد یا پرائیویٹ تنظیم کا۔

۱۰۔ اگر کوئی مسلم حکومت اسلامی احکام پر پوری طرح عمل نہ کرے اور نہ کرائے تو اس کی اصلاح اور اس کے بدلنے کی کوشش پر امن طریقے سے ہوگی، الا یہ کہ اس کے کفر بواح کے نتیجے میں مسلمان متحد ہو کر اس خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

جہاد کے باب میں مندرجہ بالا موقف طے کرنے کے ساتھ ہی ہم اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کر سکتے کہ امت مسلمہ اس وقت کمزور اور منتشر ہے اس کی بقاء خطرے میں ہے۔ لہٰذا اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے دو لازمی تقاضے ہیں:

ایک، یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان کی عزت وقوت کا منبع دین حنیف سے انکے تمسک میں ہے، کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کریں ہر قسم کے اختلاف وانتشار سے بچتے ہوئے بنیان مرصوص بن جائیں، ہر قیمت پر جسد ملت کی حفاظت کریں اور اسلام کی عظمت وشوکت کی بحالی کے لیے ہر طرح کی کوشش کو بروئے کار لائیں۔

دوسرے اپنے موقف سے دست بردار ہوئے بغیر ہم اسے حکمت، فراست اور قوت کے ساتھ غیر مسلموں کے سامنے رکھیں اور اس کی حکمتیں اور اس کا معقول اور مناسب معتدل ہونا ان پر واضح کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

# دور جدید کا فکری چیلنج اور دینی مدارس (قسط ۱)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ شبیر احمد جامعی

یورپ میں جس نشاۃ الثانیہ (Renaissance) اور تشکیل جدید (Reformation) کی تحریک کا آغاز چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے ہوا، بہت جلد اس کے اثرات یورپ اور دیگر ممالک میں پھیل گئے۔

جس طرح اطالیہ (Italy) میں یونان کے قدیم علوم کی حیات ثانی (Rebirth) کی تحریک چلی، ایسے ہی فرانس، جرمنی وغیرہ میں کلاسیکی ادب، فن تعمیر، موسیقی اور دیگر علوم کے احیاء کی تحریک، احترام آدمیت (Humanism) کی معصوم اصلاح کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اسی ردعمل کی بازگشت، جرمن عیسائی مفکر مارٹن لوتھر کے معاصر اراسمس (Erasmus) کی تحریروں میں رونما ہوئی، اور بہت جلد تقلید پسند عیسائیت کی گرفت، معاشرے کے ذی شعور اور صاحب فکر افراد پر ڈھیلی پڑنی شروع ہوگئی۔ ارسطو، افلاطون اور دیگر فلاسفہ اور متکلمین کی فکر، پاپائے روم کے مقابلے میں زبان زدعام ہونے لگی۔ یونانی فکر کی یہ حیات ثانیہ، زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوئی۔ نتیجۃً جدید یورپی انسان نے اپنے تصور، اخلاق، معاشرت، معیشت و قانون ہر شعبہ حیات سے مقلدانہ عیسائیت کو خارج کر کے ایک لادینی طرز عمل اختیار کرنا شروع کر دیا۔

سولہویں صدی میں مسلم دنیا سے روابط اور تبادلۂ فکر کے نتیجے میں یورپ میں ایک علمی وفکری انقلاب کا آغاز تو ہو چکا تھا۔ تجرباتی علوم اور علوم عقلیہ کی ترقی پذیری کے ساتھ، جامد مذہبیت زوال کی طرف جانا شروع ہوئی۔ اس عرصے میں طبیعاتی، حیاتیاتی اور کیمیاوی علوم میں درختوں نے مذہب کے مقابلے میں ایک لادینی (سیکولر) رجحان کو پروان چڑھانے میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بہت جلد وہ کلیسا جو کل تک ہر معاملے میں حرف آخر تھا، اب اپنی چار دیواری میں بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ کارزار حیات سے اس کا اثر برق رفتاری کے ساتھ کم ہونا شروع ہو گیا۔ اور انسان دوستی (Humanism) کے نام پر مذہب سے عاری ایک لادینی طرز فکر میدان حیات میں فتح مندی کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھنا شروع ہوا۔ اسی دور میں یورپ کی عسکری اور سیاسی قوت میں اضافہ ہوا، اور اس کے مقابل دوسری قومی و مذہبی قوتوں کے اضمحلال، سیاسی طوائف الملوکی، اخلاقی زوال اور معاشی طور پر انحطاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ لادینیت پرست یورپی استعماری قوتوں کو دنیا کے ایک وسیع وعریض خطے، خصوصاً مسلم ممالک پر اپنا تسلط قائم کرنے کا موقع ملا۔

اپنی زبوں حالی اور یوروپی سامراج کی چمک دمک سے متاثر ہو کر اہل علم نے یہ عاجلانہ نتیجہ اخذ کیا کہ "ترقی اور لادینیت میں ایک منطقی ربط" ہے۔ چنانچہ جس طرح مغرب نے بظاہر یونانی فکر کی حیات ثانیہ کے ذریعے مقام ترقی حاصل کیا تھا، ان مفکرین نے بھی دین اسلام کو عیسائی تقلید پسند مذہبیت کے مساوی قرار دیتے ہوئے اور بقیہ کاروبار حیات کو دنیاوی عمل قرار دیتے ہوئے، انسانی عقل کو اپنے لئے خود ضابطہ تجویز کرنے کا حق دے دیا۔ گویا سیاست، معیشت، تعلیم، اور معاشرت کو دنیاوی سرگرمی قرار دیتے ہوئے "روحانی" اور "مذہبی" پابندیوں سے آزاد سمجھ لیا گیا۔ انہوں نے یہ اصول تسلیم کر لیا کہ دنیاوی معاملات میں دنیا والوں کے انداز اختیار کئے جائیں، اور اگر ضرورت ہو تو نکاح، طلاق اور وراثت جیسے ذاتی معاملات میں جہاں تک ہو سکے مذہبی ضابطوں پر عمل درآمد کیا جائے۔

مغرب نے مذہب سے اپنی آزادی کی تحریک کو "جدیدیت" (Modernism) کا نام دیا۔ اور بظاہر تجدید و تجدد میں کوئی بنیادی فرق نہ تھا۔ تجدد کے زیر عنوان عیسائیت کے تصور پر خدا پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے، الوہیت کے دائرہ کار کو کلیسا تک محدود کر دیا۔ اس کے بعد نہ صرف ادب، فلسفہ اور فنون میں مشرکانہ اور اصنام پرست یونانی طرز فکر کو رائج کیا، بلکہ عملاً عیسائیت کے بطور ایک مذہب کی بساط لپیٹنے کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ عصر حاضر کی اس نئی بساط کیلئے کچھ قواعد وضوابط کا تعین بطور ایک متبادل نظام کے بھی کر دیا گیا۔

اب ایک نئی دنیا اور نئے دور کے وجود میں آنے کے ساتھ، اخلاق، قانون، معاشرت، معیشت، ثقافت، اور سیاست میں انسان کی اپنی رائے، اس کا اپنا فیصلہ، اس کی اپنی عقل حرف آخر قرار پائی۔ نظام کلیسا کی پاپائیت (برہمنیت) کی مرکزی قیادت کے اختیار کے ساتھ عیسائیت کے الوہی نظام کو بھی معلق و معطل بلکہ برخواست ہی کر دیا گیا۔

نئے بازی گروں کے اس نئے دور میں، سائنسی ترقی، عقل پرستی، انفرادیت پرستی اور مادہ کی بالادستی کو جزو ایمان قرار دیتے ہوئے کلیسا کی حکومت (Theocracy) کی جگہ لادینی جمہوریت (سیکولر ڈیموکریسی) کے دور جدید کے مثالی نظام کے طور پر پیش کیا۔ ترقی اور عقلی رویہ کو صرف اور صرف لادینی جمہوریت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا اور ایک نئی معاشی دنیا کی تعمیر کی بنیاد رکھی گئی۔

مسلمان دانشوران کے ایک طبقہ نے اپنی فکری اور ثقافتی پسماندگی و زبوں حالی کے پیش نظر، اس چڑھتے مغربی سورج کے سامنے اپنے فکری احساس کی کمتری کی بناء پر، خود آگے بڑھ کر نیک خواہشات اور تمنا کے ساتھ فکری غلامی کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہن کر اپنی شخصیت کی تکمیل کرنا چاہی، جب کہ ایک دوسرے طبقہ نے تحفظ ذات کیلئے لادینیت کے اس سیاہ بادل اور اس کی گرج چمک سے بچنے کیلئے آنکھیں بند کر کے خود کو ماحول و معاشرہ سے غیر متعلق کرنے اور ماضی کی روایات کو سینے سے لگانے اور دانتوں سے پکڑ لینے کو اپنا کمال سمجھا۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا یہ ایک قابل غور پہلو ہے کہ جب بھی وہ فکری، اخلاقی، سیاسی اور معاشی زوال کا شکار ہوئی ہے، خود اس کے اندر ایک تحریک ابھری ہے، جو اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کا سبب بن گئی۔ عصر حاضر میں مغرب کے لادینی تسلط وتصورات نے اسلامی تہذیب کی اس صلاحیت کو پھر موقع فراہم کیا ہے۔

ہمیں یہ بیسویں صدی کیلئے اگر کوئی نمائندہ عنوان تجویز کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف ''تحریکات احیائے اسلام کی صدی'' ہے۔

یہ احیائے اسلام جہاں امت مسلمہ کیلئے خود اعتمادی کے حصول اور احساس کمتری سے نجات کا سبب بنا، وہیں مغربی مفکرین اور تجزیہ نگاروں کیلئے احیائی تحریکات فکری تشویش بلکہ گہرے فکری مغالطے اور مستقبل کے اندیشوں کا سبب بن گئی۔

اس وقت دنیائے اسلام جس دور سے گذر رہی ہے، یہ دور اسلام کی تاریخ کا انتہائی کٹھن اور مشکل دور ہے۔ امت مسلمہ کو جو مشکلات آج درپیش ہیں، شاید ماضی میں اتنی مشکلات کبھی درپیش نہیں ہوئیں۔ ایک اعتبار سے امت مسلمہ کی پوری تاریخ بحرانوں کی تاریخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور نبوت کے آغاز سے لے کر، جب آپ ﷺ دارارقم میں قیام فرما تھے، آج تک کوئی صدی اور صدی کا کوئی حصہ یا کوئی عشرہ ایسا نہیں گذرا، جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس میں مسلمانوں کو کوئی مشکل درپیش نہیں تھی۔ لیکن ان ساری مشکلات میں اور آج کی مشکلات میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے: ماضی کی جتنی مشکلات اور پریشانیاں تھیں وہ عموماً زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود ہوتی تھیں، مسلمانوں کو عسکری اعتبار سے کسی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا، پیچھے ہٹنا پڑا، پسپائی اختیار کرنی پڑی، یہ ایک عسکری شکست یا عسکری ہزیمت کا معاملہ تھا، یا مسلمانوں کی کوئی حکومت کمزور ہوئی، غیر ملکی قوتیں مضبوط ہوگئیں، اور مسلمان سیاسی طور پر کمزور ہوگئے، یہ سیاسی میدان میں کمزوری تھی، اس طرح کی کمزوریاں جو عموماً سیاسی، مالی، عسکری یا مادی ہوتی تھیں تقریباً ہر دور میں پیش آتی رہیں۔ لیکن ان سارے ادوار میں مسلمانوں کا خاندان، مسلمانوں کی تعلیم، مسلمانوں کا نظام تربیت، اور مسلمانوں کی جو اندرونی ساخت اور تشکیل (Internal Fabric) تھی، وہ اکثر و بیشتر بیرونی خطرات اور حملوں سے محفوظ رہی، تاتاریوں کے حملے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیائے اسلام پر اس سے بُرا کوئی وقت نہیں گذرا، اور یقیناً وہ بُرا وقت تھا، کہ افغانستان کے مشرقی علاقوں سے لے کر مصر کے حدود تک اور ترکی کے جنوبی علاقوں سے لے کر جزیرۃ العرب کے وسط تک، یہ سارا علاقہ تاتاریوں کی تاخت وتاراج کی آماجگاہ بن گیا تھا، انہوں نے ہزاروں علمائے کرام کو شہید کیا، اور بڑے بڑے جیّد ترین اکابر اسلام ان کی تلوار کا نشانہ بنے۔ خواجہ فرید الدین عطار جن کے بارے میں مولانا نے فرمایا:

عطار او بود و سینائی دو چشم او ما از پئے سینائی و عطار آمدیم

اس درجے کے انسان کہ جن کی پیروی پر مولانا رومؒ جیسے آدمی نے فخر کا اظہار کیا ہے، ایسے اونچے اونچے لوگ تاتاریوں کی تلوار کا شکار ہوئے۔ کتب خانے انہوں نے جلا دیئے، شہر برباد کئے، یہاں تک کہ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی شکست خوردگی اور پست ہمتی کا یہ عالم تھا کہ ''اذا قيل لك أن التتار انهزموا فلا تصدق'' یعنی اگر تمہیں یہ خبر دی جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگئی ہے تو اس پر یقین نہ کرو۔ گویا تاتاریوں کی شکست ناقابل تصور سمجھی جاتی تھی، اور یہ بات ضرب المثل بن گئی۔ لیکن اس ساری تباہی اور بربادی کے باوجود تاتاریوں کی شکست وریخت کا دار و مدار، سارا کا سارا مسلمانوں کی عسکری اور سیاسی کمزوری پر تھا، انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی نقصان پہنچایا، عسکری نقصان پہنچایا، لیکن ان کے پاس کوئی دین نہیں تھا، کوئی مذہب نہیں تھا، کوئی فکری ایجنڈہ نہیں تھا، جو مسلمانوں کیلئے چیلنج بنتا۔ اس لئے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، تربیت اور خاندانی نظام ان کے حملوں سے محفوظ رہا۔ اور ان میں سے کوئی چیز متاثر نہیں ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی اندرونی قوت نے ان کا ساتھ دیا۔ اور بہت جلد وہ تاتاریوں کی شکست کے نتائج وثمرات بد سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہی کیفیت بقیہ بہت سے معاملات کی بھی رہی۔

آج جو صورتحال درپیش ہے اور آج نہیں پچھلے ڈیڑھ سو سالوں سے درپیش ہے، وہ یہ کہ ہر آنے والا دن، ہر نکلنے والا سورج، خطرے یا پریشانی کی ایک نئی جہت لے کرآتا ہے۔ آج اسلامی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو خطرات سے دوچار نہ ہو، فرد کے ذاتی کردار اور تربیت کا معاملہ ہو یا مساجد کے اندر جاری سرگرمیوں کا معاملہ ہو، ان میں ہر چیز آج براہ راست مغربی حملے کی زد میں ہے۔ تاتاریوں نے شاید کبھی یہ نہ پوچھا ہوگا کہ جامعہ ازہر میں کیا پڑھایا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی نصاب کی کتابوں میں کیا لکھا جارہا ہے۔ یا فقہ کی کتابوں میں کیا لکھا ہے، یا دینی مدارس میں کیا معمولات ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ چیز زیر بحث لانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح انگریز جب شروع میں یہاں آئے تو انہوں نے بھی ان معاملات پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کے ڈیڑھ سو سال یہاں رہنے کے باوجود مسلمانوں کی اندرونی ساخت (by and large) مغربی اثرات سے محفوظ رہی۔ اور ایسے لوگ ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں تھے، جن کی زندگی کا ایک لمحہ یا ایک گوشہ بھی انگریزی اثرات سے متاثر نہیں ہوا۔

**پس منظر --- مضمرات:** ۲۰ ؍ویں صدی کے نصف میں محکوم قوموں میں آزادی کی ایک زبردست تحریک پیدا ہوئی، جس نے انتہائی محدود عرصے میں استعماری قوتوں کو اس قدر مضمحل اور مجبور کردیا کہ وہ آزادی کی تحریکوں کے سامنے سرانداز ہوگئیں۔ اور صدیوں تک غلام رہنے والی قوموں کو آزادی میسر ہوئی۔

مگر صدیوں کی غلامی نے انہیں اپنے علمی، ثقافتی، اور تہذیبی اقدار سے ناآشنا اور بے گانہ کردیا تھا۔ استعمار نے نہ صرف ان کی آزادی پر شب خون مارا تھا بلکہ ان کی علمی کاوشوں کو بھی سبوتاژ کرکے رکھ دیا تھا۔ علامہ اقبالؒ اسی پس منظر میں نوحہ کناں ہیں کہ:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شئے تھی
نہیں دنیا کہ آئین مسلم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

زبوں حالی اور غلامی کے اس عہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت، قدرت اور تدبیر کے تحت اپنے دین کی حفاظت کا اہتمام اور کفار کی یلغار سے، اور استعمار کی دستبرد سے بچانے کا انتظام کچھ اس طرح فرمایا کہ امت کے اصحاب علم اور دین کے بہی خواہوں کے دل میں دین کی بقاء اور علوم دینیہ کے احیاء کا جذبہ بیکراں پیدا کر دیا، جنہوں نے رضا کارانہ طور پر ہر نوع کی مشکلات اور رکاوٹوں کے علی الرغم اپنی مدد آپ کے تحت، دینی علوم کے ادارے قائم کرنے کا بیڑہ اٹھایا، جس نے بہت کم عرصہ میں دینی علوم کے احیاء کی ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اہل دل اور اہل خیر کے تعاون سے پورے برصغیر میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا۔

کسی طرح کی سرکاری اعانت قبول کئے بغیر محض اہل خیر کے عطیات اور صدقات وخیرات سے ان کا نظم ونسق چلتا رہا۔ اور اس طرح دینی تعلیمی اداروں نے نہ صرف اسلامی علوم کی بقاء اور اسے استعماری دستبرد سے بچانے کیلئے اہتمام کیا، بلکہ بتدریج یہ ادارے علوم دینیہ کی نگاہ بانی کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی کے قلعے اور مراکز بھی بن گئے۔ ان اداروں نے ایسے ایسے افراد تیار کئے کہ بایدوشاید گذشتہ دوصد سالہ تاریخ کا اگر علمی جائزہ لیا جائے تو بلاشک وریب کہا جاسکتا ہے کہ ان دینی درسگاہوں نے علوم دینیہ کی حفاظت وصیانت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور اس روشنی کو برصغیر سے نکال کر اقصائے عالم تک پہنچا دیا۔

ان اداروں نے ایسے یگانہ روزگار افراد مہیا کئے جنہیں اہل شعور ودانش نے بجا طور پر اپنے عہد کے ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، ابن تیمیہؒ، غزالیؒ اور رازیؒ قرار دینے میں فخر محسوس کیا، اور ساتھ ساتھ انہیں دینی اداروں کے توسط سے اس آخری دور میں اسلام کے ایسے نامور مفکر اور احیائے اسلام کے داعی بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قلم وقرطاس کی جگمگاتی تحریروں سے اسلام کے روئے تاباں پر عہد غلامی کی پھیلی ہوئی جاہلیت اور تجالت کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلنے کی سعی پیہم کی، جس کے نتیجے میں امت مسلمہ میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ اپنی خودی، خودشناسی اور خودآگہی کے جذبوں نے جنم لیا اور اس طرح علامہ اقبالؒ کی یہ تمنا کہ:

دل توڑ گئی ان کا دوصدیوں کی غلامی     دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

آخر مسلمانوں کی پریشاں نظری کا علاج قرآن وسنت کی حکیمانہ تعلیمات کے علاوہ اور کہاں میسر آسکتا تھا؟

تاریخ کی یہ بے لاگ شہادت ہمارے سامنے ہے کہ جن ممالک میں جس حد تک دینی تعلیم کا اہتمام کیا گیا وہاں دینی علوم، دینی تہذیب اور دینی روایات زندہ و تابندہ رہیں۔ معاندانہ قوتوں کو پسپائی اور نامرادی کا سامنے کرنا پڑا۔ اور جہاں کہیں بھی دینی مدارس اور دینی تعلیم کے اہتمام میں کمی واقع ہوئی، اسی نسبت سے دینی علوم میں اضمحلال اور دینی وابستگی میں کمی ہوتی چلی گئی۔ لہٰذا یہ امر مسلم ہے کہ اگر دین کو اپنی اصلی ہیئت اور ماہیئت کے ساتھ برقرار رکھنا ہے اور اباحیت پسندوں اور نام نہاد دانشوروں کی دستبرد سے بچانا ہے تو ناگزیر طور پر دینی علوم کے ان اداروں کو نہ صرف مستحکم ومضبوط بنانا ہوگا، جو مختلف حیلوں، بہانوں سے ان اداروں کے درپے آزار نظر آتے ہیں۔

جب کہ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ عصر حاضر کی مسلمان حکومتیں نہ صرف ان دینی اداروں کے تعاون سے دست کش رہنے کی عہد غلامی کی فسطائی اور جارحانہ روش پر قائم ہیں بلکہ ان کا وجود تک مٹانے کی منصوبہ سازیاں کی جارہی ہیں۔ اور ایسے مذموم عزائم کی نشاندہی ہورہی ہے کہ خدانہ خواستہ انہیں کھل کر کھیلنے کا موقع دیا گیا تو وہ بہت جلد ان دینی مدارس کی آزادی وخودمختاری پر کاری ضرب لگانے کیلئے پرتول رہے ہیں۔ جس کے بعد ان دینی اداروں کو یا تو حکومت کا آلہ کار اور پشتیبان بن کر رہنا ہوگا، یا اپنا وجود اور ان کی حقیقی افادیت سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

**اسلامی نظام کی تنفیذ وتعلیم:** کسی قوم کا اہم فریضہ اپنے نظام کی تنفیذ اور تعلیم ہوا کرتا ہے۔ امت مسلمہ کا نظام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس نظام کی تعلیم دی اس کی تنفیذ فرمائی "**ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھره علی الدین کله**" سورۃ توبہ، سورۃ الفتح اور سورۃ الصّف ان تینوں سورتوں میں آپ ﷺ کی بعثت کا یہی مقصد بیان کیا گیا ہے اور بشارت دی گئی ہے کہ کفار ومشرکین کی ناپسندیدگی، مخالفت اور رکاوٹ کے باوجود اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب فرمائیں گے۔

امت کو یہ نظام آپ ﷺ سے وراثت میں ملا۔ خلافت راشدہ، خلافت بنو امیہ، بنوعباس اور بنوعثمان میں افریقہ کے صحراؤں سے لے کر سیستان کے پہاڑوں تک بوسنیا سے لے کر چین کی دیواروں تک پھیلی ہوئی عظیم الشان مملکت اس کے تمام صوبے اور ادارے اسی نظام کے تحت چلتے تھے، ریاست کے تمام حصوں میں عظیم الشان تعلیمی ادارے، کتاب وسنت، فقہ اسلامی، علوم عربیہ اسلامیہ، اور علوم عقلیہ کی تعلیم کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔ جن کا نام لینے سے اہل اسلام کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہؒ، مجتہدین، محدثین ومفسرین اور متکلمین اسلام پر مشتمل عظیم الشان سلسلۃ الذہب کا نمونہ کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔

فقہ اور علوم وفنون کا جو ذخیرہ امت مسلمہ نے پیش کیا ہے، علم وتحقیق، اجتہاد وایجاد، کی دنیا میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کرسکتا:

**اولئک آبائی فجئنی بمثلھم**
**اذا جمعتنا یا جریر المجامع**

حقیقت یہ ہے کہ بعثت نبویؐ سے پہلے کا دور، دور جاہلیت تھا، اور آپؐ کے بعد کا دور، دورِ علم و ہدایت ہے۔ احادیث میں بعثت سے پہلے کے دور کو دور جاہلیت قرار دیا گیا ہے اور اس پر علمی دنیا کا مکمل اتفاق ہے۔

یہی وہ اصل علم ہے جو امت مسلمہ کا امتیاز اور اس کا اصل تشخص ہے اور یہی وہ نظام ہے جو محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کا معجزہ ہے۔ اسی نظام تعلیم کے تیار کردہ عبقری لوگوں نے ۱۲۰۰ سال تک خلافت اسلامیہ کے نظام کو کامیابی سے چلایا۔

**دور غلامی اور اسلامی نظام کی تنسیخ:** صیہونی اور صلیبی سازشوں اور مسلمان حکمرانوں کی غفلت، باہمی بغض وحسد، اور ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اکثر مسلمان ممالک استعماری طاقتوں کی غلامی سے دوچار ہو گئے۔ برصغیر، پاک و ہند، برطانوی استعمار کے زیر تسلط آ گیا۔ استعماری طاقتوں نے جن مسلم ممالک پر قبضہ کیا وہاں پہلے سے رائج شرعی نظام قانون، اور اسلامی نظام تعلیم کو کلیۃً ختم کر کے اس کی جگہ اپنی زبان، اپنا نظام قانون و معاشرت رائج کیا۔ کتاب وسنت، فقہ اسلامی، اور علوم عربیہ کی تعلیم کو ختم کر دیا۔

**تحریک آزادی و جہاد اور دینی مدارس:** یہ دینی مدارس کے تیار کردہ علماء ہی تھے جنہوں نے استعمار کا دن رات مقابلہ کیا، اور اسے ایک دن بھی چین سے سونے نہیں دیا۔ اس کے خلاف جہاد کیا اور جہاد و آزادی کی تحریکوں کو منظم کیا، جس کے نتیجے میں وہ اسلامی ممالک سے بھاگ نکلنے پر مجبور ہو گیا۔ اولین دینی مدرسہ ''صفہ'' سے لے کر آج تک ہر دور میں دینی مدارس اسلام کے قلعے، دین و ملت اور وطن کے تحفظ کی ضمانت اور جہاد و آزادی کی تحریکوں کا مرکز و محور رہے ہیں اور دینی رہنمائی میں عوام نے ''ملاّ'' کو چھوڑ کر کبھی ''مسٹر'' کی پیروی نہیں کی۔ ''ملاّ'' جس کو دین سے بغض اور عداوت رکھنے والے طبقوں نے بالکل ایک گالی بنا کر رکھ دیا، آج بھی عوام کی توجہ کا مرکز ہے۔ وہ حلال کو حرام سے ممیز کرنے کیلئے، جائز و ناجائز کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کیلئے، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کیلئے، عبادات و معاملات میں شریعت کے احکام معلوم کرنے کیلئے ہمیشہ ''ملاّ'' ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کی بات پر اعتماد کرتے ہیں۔

دوسرے ممالک کو تو فی الحال نظر انداز کیجئے، صرف پاک و ہند میں جو نامور ''مسٹر'' پیدا ہوئے ہیں ان کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی امت نے مفتی تسلیم کیا ہے؟ سرسید احمد خان کو قوم سے جو محبت اور دین سے جو وابستگی تھی اس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ انہوں نے دین کی حمایت میں بعض قیمتی چیزیں بھی لکھیں، اور امت نے ان کے کام کو سراہا بھی، مگر عقائد و احکام کے کسی مسئلہ میں بھی ان کا فتویٰ جاری نہ ہو سکا، سیّد امیر علی، مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک، اپنی ساری فضیلت اور خدمات کے باوجود یہ مقام حاصل نہ کر سکے۔ ان کے کام کو جو لوگ قدر و منزلت سے دیکھتے تھے، خود ان کو بھی جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو انہوں نے ملک کے معروف علمائے دین ہی کی طرف رجوع کیا۔ خالص دینی معاملات تو ایک طرف رہے، آپ کی یہ تحریک پاکستان میں بھی اس وقت تک عوام میں مقبول نہ ہو سکی، جب تک مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اور اس طرح کے دوسرے ''ملاؤں'' نے اس کے حق میں فتوے صادر نہ کئے۔

علامہ اقبال کی روشن دماغی، ملت سے خیر خواہی، دینی بصیرت اور جدید تقاضوں کی سمجھ بوجھ میں کسے شک ہو سکتا ہے؟ مگر عوام دیکھتے ہیں کہ انہیں بھی کسی دینی مسئلہ کے سمجھنے میں جب کوئی دقت پیش آتی ہے تو وہ سر راس مسعود یا سر اکبر حیدری یا خود قائد اعظم سے استفسار کرنے کی بجائے ''ملائی نظام'' کے ایک چشم و چراغ علامہ سید سلیمان ندویؒ پر اعتماد کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ ان ''ملاؤں'' کے کس قدر گرویدہ تھے، اس کا اندازہ مکاتیب اقبال سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

یہاں کتنے اسکول، کالج، اور یونیورسٹیاں نوخیز نسلوں کو مغربی تعلیم سے بہرہ مند کرنے کیلئے کھلے ہوئے ہیں، اور ان پر خزانہ سرکار کی اس آمدنی کا اربوں روپیہ صرف ہو رہا ہے، جس کی فراہمی میں ''ملاّ'' کا حصہ بھی ہے۔ ''ملاّ'' نے اس پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ مگر اس کے مقابلے میں ''ملاّ'' کو تنگ نظری کا طعنہ دینے والے عالی ظرف ''مسٹر'' کو یہ بات بھی گوارہ نہیں ہے کہ ''ملاّ'' حکومت کے خزانے پر ایک پائی کا بوجھ ڈالے، بغیر صرف عوام کے چندوں سے دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کا انتظام کرے، اور روکھی سوکھی کھا کر دینی مدرسہ چلائے۔

اصل بات یہ ہے کہ مغرب زدہ طبقہ کے نزدیک اچھائی اور برائی کا معیار یورپ اور امریکہ ہے۔ وہ زندگی کے تمام معاملات کا جائزہ مغربی اقدار حیات کے نقطہ نظر سے لیتا ہے اور پھر ان کے مطابق ہر کام کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔ وہ خواہ زبان سے یہ بات نہ کہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام اس کے نزدیک کوئی رہنماء ضابطہ حیات نہیں ہے۔ یہ جس حد تک مغربی تہذیب و تمدن کے ساتھ ہم رکاب ہو کر چل سکے، اس حد تک تو گوارہ ہے اور جس مقام پر ان دونوں کے راستے مختلف ہوں وہاں سے مغرب زدہ طبقہ اسے چھوڑ کر مغرب کی پیروی اختیار کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنے اس طرز عمل پر وہ عوام میں ہدف ملامت نہ بنے، اس لئے اسلام کو اپنے پیچھے گھسیٹنے کی مذموم کوشش کرتا ہے اور اس کو توڑ مروڑ کر اپنے نظریات کے مطابق ڈھالتا ہے۔ پھر جب دین کا علم رکھنے والے اس پر ٹوکتے ہیں اور ناقابل انکار دلائل سے ان کی من مانی یا تاویلات و تعبیرات کی غلطی واضح کرتے ہیں تو جبر سے کام لے کر ان کو دباتا ہے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہتا ہے کہ اسلام کی تعبیر کا حق کوئی ملا کی میراث تو نہیں ہے۔

''ملاّ'' جس وجہ سے قابل گردن زدنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ مغربی

تہذیب سے مرعوب نہیں ہے اور ذہنی غلامی کا قلادہ اس نے اپنی گردن میں نہیں ڈالا ہے۔ وہ تنگ نظر اور متعصب نہیں ہے کہ اب آپ مغرب سے واقعی کوئی چیز مفید لائیں اور وہ خواہ مخواہ اس کی مخالفت کرے۔ ملا کو اس بناء پر بھی مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے کہ اس نے اپنا ایک الگ نظام تعلیم رائج کر کے رکھا ہے جو اسے قوت واقتدار بہم پہنچاتا ہے۔ اس نظام کے تحت ۱۰۰۰ رسال قبل کا مرتب کردہ ''ایک دقیانوسی، فرسودہ اور علمی لحاظ سے افلاس زدہ نصاب پڑھایا جاتا ہے جس کے تمام علوم قیاسی اور ظنی ہیں۔ اس ضمن میں مسلم حکومتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان مدارس کو ختم کر کے، حکومتی سرپرستی میں ایسے دار العلوم (ماڈل دینی مدارس) کا قیام عمل میں لایا جائے جن میں عصر حاضر کے تقاضوں اور علوم سے باخبر مذہبی رہنماء تیار کیے جائیں تا کہ امت مسلمہ میں ''حکومت الٰہیہ'' قائم کرنے کا درس دینے والے اور ظلم و جبر کے خلاف سینہ سپر، جہاد آزادی کے متوالوں'' کی تقلید بند ہو جائے۔

حکومتوں کو یہ مشورہ بھی دیا جا رہا ہے کہ تعلیم و تربیت کا پورا نظام براہ راست ان کی تحویل میں چلا جائے (البتہ آغا خان بورڈ جیسے تعلیمی غنڈوں کو مسلم امت کو مغرب زدہ کرنے کی کھلی چھوٹ دی جائے) اور کوئی آزاد تعلیمی ادارہ باقی نہ رہے، تا کہ ایک کامل ہمہ گیر ریاست (Total Tarian State) کے مقاصد اچھی طرح پورے ہو سکیں۔ یہ کام فکر ونظر کو جلا دینے کیلئے نہیں بلکہ افکار و جذبات کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کیلئے درکار ہے۔ اس مغرب زدہ طبقہ کو اپنی روشن خیالی پر بڑا ناز ہے مگر وہ اس سادہ سی حقیقت کو بھی جاننے سے قاصر ہے کہ جو قوم اپنے افراد کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے اور ان کی تخلیقی قوتوں کو ابھارنے کا داعیہ رکھتی ہو، وہ شعور و احساس کو زیادہ سے زیادہ آزاد فضا مہیا کر کے اسے پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دانش مند قومیں اپنے ہاں ہر قسم کے نظام تعلیم کو بشرطیکہ وہ اس کے اساسی تخیل کو برباد کرنے والا نہ ہو، نہ صرف برداشت کرتی ہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ انگلستان اور امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے حکومت کے اثر سے بالکل آزاد ہیں، اور وہ اپنے نہج پر نوخیز نسلوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں۔ ان اداروں کی بیشتر تعداد ایسی ہیں جنہیں کلیسا، معابد یا مذہبی تنظیمیں بڑی کامیابی کے ساتھ چلاتی ہیں۔ ان تعلیمی مراکز کو باشعور قومیں اپنے ہاں کے نخلستان سمجھتی ہیں جن میں انسان کو آزادی اور سکون کا ماحول نصیب ہوتا ہے۔ آکسفورڈ نے اس آزادی کو برقرار رکھنے کیلئے جتنی قربانی اور جراءت کا ثبوت دیا ہے وہ کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ تعلیمی جکڑ بندیاں تو دور جدید کے آمرانہ رجحانات کے شاخسانے ہیں۔

دینی مدارس اور دار العلوم میں مروجہ نصاب کا ذکر کر کے مغرب زدہ طبقہ جس نفرت اور حقارت کا اظہار کرتا ہے اس سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اس طبقہ کے اکثر و بیشتر افراد نے اس نصاب کو باقاعدہ پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دقیانوسی، فرسودہ اور علمی لحاظ سے افلاس زدہ ہے۔ ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں، اس طبقہ کا یہ دعویٰ اس نصاب کے بارے میں یکسر بے خبری پر مبنی ہے۔ وہ اس نصاب کی ابجد تک سے بھی ناواقف ہے۔ اور یونہی بے سروپا باتیں کرتا رہتا ہے۔

یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کہ ہر قدیم چیز فرسودہ اور ہر پرانا نظریہ بے کار ہے۔ حکمت اور دانائی کی بات جس طرح کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہیں بالکل اسی طرح یہ کسی خاص عہد کی میراث بھی نہیں۔ پرانے زمانے میں بھی اہل علم نے بعض ایسے افکار اور ایسی تخلیقات پیش کی ہیں جو آج بھی علم و حکمت کی اساس تصور کی جاتی ہیں۔ شیکسپیئر کے ڈرامے، ملٹن، پاپ اور ڈرائیڈن کی نظمیں آج بھی انگریزی ادب کا سب سے بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اور کوئی شخص ان سے کماحقہ، واقفیت حاصل کئے بغیر انگریزی زبان و ادب کی نزاکتوں کو سمجھ نہیں سکتا۔ اسی طرح فلسفہ اور سیاسیات میں آج بھی افلاطون اور ارسطو کے نظریات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوروپی ادب اور حکمت کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا سرچشمہ یونان کے قدیم مفکرین کے تصورات ہیں ''روشن خیال یورپ'' تو انہیں اپنے نصاب میں بطور بنیاد شامل کر کے نوخیز نسلوں کے دل و دماغ پر ان کے نقوش مرتسم کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے مگر ہم قدیم بات کے محض اسلئے دشمن ہیں کہ اس کا تعلق ماضی سے ہے۔ اس طرز فکر کا اصل محرک یہ نہیں ہے کہ ہمارے قدیم علوم فرسودہ ہیں بلکہ اس کا اصل مقصود نوجوانوں کے ذہن میں ماضی کے خلاف نفرت پیدا کر کے اس سے ان کا فکری اور جذباتی رشتہ کاٹ دینا ہے۔ مغربی یونیورسٹیوں میں اگر شیکسپیئر اور ملٹن کی کتابیں داخل نصاب ہوں اور افلاطون اور ارسطو کے خیالات سے طلبہ کو پوری طرح آشنا کرنے کا انتظام ہو تو یہ روشن خیالی اور عقل پسندی ہے، لیکن دینی مدارس میں جلالین، بیضاوی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ہدایہ، دیوان حماسہ، دیوان متنبی اور مقامات حریری پڑھانے کا انتظام ہو تو یہ سراسر جہالت ہے!

**استعمار کے آلۂ کار حکمران:** استعمار کو اسلامی ممالک سے چلایا گیا لیکن اس نے اپنے عرصۂ اقتدار کے دوران میں اپنے نظام تعلیم کے ذریعے ایک ایسا طبقہ تیار کیا جو اس کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوا، جسے اس نے 150 سال کے عرصے میں اپنے سیکولر نظام کا گرویدہ بنا لیا اور اس کی روزی اس نظام سے وابستہ کر دی۔

انگریزوں نے دینی مدارس کے فضلاء کو جاہل قرار دیا، علمائے دین کیلئے ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے، ان کا نام پڑھے لکھے لوگوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا، یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد 1971 تک جاری رہا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی پورے 34 سال تک دینی مدارس کی اسناد کی علمی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ اس نے مغربی استعمار کے شکنجے سے نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف چند اقدامات کر سکے، جن میں دینی

مدارس کی اسناد کی علمی حیثیت تسلیم کرنا بھی شامل ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ وفاق، تنظیم اور رابطہ وغیرہ کی اسناد کو عملاً قانونی حیثیت ابھی تک نہیں دی جاتی ہے۔ گویا حکومت اس معاملے میں ابھی تک تذبذب کا شکار ہے اور نام نہاد سپر پاور کا آلہ کار بن کر دینی مدارس کی اصل تشخص کا حلیہ بگاڑنا چاہتی ہے۔

**موجودہ سیاسی دباؤ کا پس منظر:** انگریز کا مراعات یافتہ طبقہ اور تیار کردہ طبقہ جو علمائے دین کی قید و بند اور اذیتوں سے دوچار کرنے میں انگریز کا آلہ کار تھا، آج انگریز کے جانشین کے طور پر ملکی نظام پر قابض ہے۔ لیکن وہ انگریز سے بڑھ کر اسلام کی راہ میں رکاوٹ اور اس سے بڑھ کر دینی مدارس اور اسلامی تحریکات کو کچلنا چاہتا ہے۔ ایک معاصر محقق کا یہ بیان، بہت چشم کشا ہے:

"جنگ عظیم دوم کے بعد مسلم عوام کا اضطراب بڑھنے لگا، یہ اضطراب معرکہ خلیج کے خاتمے اور نیو ورلڈ آرڈر کے قیام پر اپنی انتہا کو پہنچ گیا، اس اضطراب کی بنیادی وجہ وہ حملے تھے جو خلافت اسلامیہ کے خاتمے کے بعد مسلسل ان کی حمیت، دینی غیرت اور اسلامی تشخص پر ہوتے رہے۔ جن سے ان کی ملی امنگوں کا خون ہوتا رہا۔ ان تمام تکلیف دہ تبدیلیوں کا بنیادی سبب ان کے نزدیک مسلم ملکوں کی قیادت تھی، اس قیادت کی اکثریت فریب خوردہ، شکست خوردہ، بے نشاط اور مایوس ہو کر بزدل اور خود غرض ہو چکی تھی۔ ان کی اکثریت اسلامی فکر کے اعتبار سے معطل اور سیکولرائزڈ تھی چنانچہ استعماری قوتوں کے مسلم ملکوں سے بظاہر رخصت ہو جانے کے باوجود ان کی فکری استعماریت نہ صرف علی حالہٖ برقرار رہی بلکہ اب خود نام نہاد مسلم قیادت کے ہاتھوں زیادہ وحشیانہ طریقے سے ترقی کرتی رہی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہودیت کو ہوا، وہ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں صدی کے نصف اول کے مقابلے میں زیادہ محفوظ و مامون ہو گئی اور سب سے بڑا نقصان مجموعی طور پر امت مسلمہ کو ہوا جس کی قوت ملت کی سطح پر بٹ کر ملت کے خلاف ہی استعمال ہونے لگی۔ مسلم ممالک کی قیادت نے اپنے ہی عوام کو بربریت سے کچلنا شروع کر دیا اور عوام اپنی قیادت سے نفرت کرنے اور انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی جد و جہد کرنے لگے۔ یہودیت کی جارحانہ پیش قدمی جاری رہی اسلئے ان کی بالواسطہ لڑائی مسلم حکومتوں کی قیادتیں لڑ رہی تھیں۔ ماضی قریب کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلم ملکوں میں یہودی اپنی لڑائی شاید اتنی بربریت سے خود نہ لڑ پاتے، جیسی ان کے لئے مسلم قیادت نے لڑی"۔

(عالم اسلام کی اخلاقی صورتحال، از: جناب اسرار عالم، ص ۳۵۵، ۳۵۴)

علماء نے انگریزی استعمار کو شکست دی۔ اس کے بعد اس کا جانشین سیکولر گروہ جو انگریزی نظام حکومت و نظام تعلیم کا محافظ بنا ہوا ہے کو پے در پے شکست سے دوچار کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اسلام اور سیکولرازم اور سوشلزم کی کشمکش میں اسلام کو فتح اور سیکولرازم اور سوشلزم کو شکست ہوئی۔ قرارداد مقاصد، دستور کی اسلامی دفعات ۶۲، ۶۳، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان جو آئین پاکستان کے تحت قائم ایسا ادارہ ہے جس کا کام معاشرہ کو اسلامی بنانے کیلئے سفارشات پیش کرنا ہے اور ایسے قوانین جو خلاف اسلام ہوں، ان کی جگہ اسلام کے قوانین ترتیب دینا ہے۔ ان کی سفارشات اسلام کے علمبرداروں کی فتح اور مغرب اور لادینیت کے نمائندوں کی شکست ہے۔ اس وقت مغرب دینی مدارس کے خلاف پورے زور شور سے اسلئے پروپیگنڈہ مہم چلا رہا ہے کہ اسے نظر آ رہا ہے کہ اس وقت تمام دینی مدارس باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر اور اقامت دین کے نصب العین پر متحد ہیں۔ عوام ان کے ساتھ ہیں۔ مذہب اور سیاسیات کی جدائی کا نظریہ مر چکا ہے۔ دینی مدارس علمی میدان میں جہاد کر رہے ہیں۔ اور عوام کو ذہناً اسلامی انقلاب کیلئے تیار کر رہے ہیں۔ پبلک کو غلبہ اسلام کیلئے تیار اور احیائے اسلام کی تحریک کے گرد جمع کر رہے ہیں۔ مغرب کو نظر آ رہا ہے کہ اسلامی احیاء کی تحریک اور دینی مدارس کی فوج اقتدار کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اس بناء پر مغرب خوف زدہ ہے اور وہ مدارس کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ اور سازشیں کر رہا ہے تا کہ وہ اسے اقتدار سے دور رکھنے میں کامیاب ہو سکے۔

# دور جدید کا فکری چیلنج اور دینی مدارس (قسط ۲)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ شبیر احمد جامعی

**دینی مدارس:** ان مدارس کا وجود ہی اسلامی تعلیمات کی بقاء کا ضامن ہے۔ اور یہ محض کوئی مشغلہ یا دھندہ نہیں ہے جسے بعض لوگ اپنائے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریق عمل کی صدائے بازگشت ہے۔ اسلئے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منصب نبوت کے فرائض میں دینی تعلیم کو بنیادی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے ذیل میں یہ تذکرہ موجود ہے "**هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیٰتِه ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة**" تعلیم کتاب وحکمت سے قرآن و سنت کی تعلیم ہی مراد ہے اور اسی امر کی تکمیل کیلئے خود معلم انسانیت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں باقاعدہ ایک ادارہ "صفہ" مسجد نبوی میں قائم کیا، جس میں سینکڑوں طلبہ، علوم دینیہ کی تحصیل کیلئے اقامت پذیر ہوتے اور انہیں معلم اول سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود تعلیم سے آراستہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی معلمانہ حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "**انما بعثت معلما**" کہ بے شک مجھے اللہ نے معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کے علاوہ گرد و پیش کے قبائل کی تعلیم کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم باضابطہ معلمین مقرر فرماتے جو انہیں دینی علوم اور فرائض سے آگاہ کرتے۔ آنجناب علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ پوری اسلامی ریاست میں پھیلا دیا گیا، جس کے بڑے مراکز مدینہ طیبہ کے علاوہ مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور دیگر شہروں میں تھے۔ جہاں جلیل القدر صحابہ کرامؓ مسلمانوں کو

اسلامی تعلیم سے آگاہی مہیا کرتے اور پہلی صدی سے آخری صدی کے آخر تک ایسے سینکڑوں مراکز معرض وجود میں آچکے تھے جہاں علوم اسلامیہ کی تحصیل کیلئے دور دراز کا سفر کر کے طالبان علوم دینیہ کشاں کشاں آتے اور قرآن وسنت کے انوار سے معمور قلب ونظر کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر اس روشنی سے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیتے۔ اور یہ فریضہ امت مسلمہ نے اس تسلسل اور محنت کے ساتھ ادا کیا کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور یہ فرض امت مسلمہ پر خود رب العالمین نے عائد کیا تھا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''**فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهو ا في الدين و لينذرو ا قومهم اذا رجعو االيهم لعلهم يحذرون**'' (التوبہ ۹:۱۲۲) ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ بھی محتاط (اسلامی روایات پر مبنی) زندگی بسر کرتے۔''

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جہاں علوم دینیہ کی تعلیم اور دین کا شعور دیا جاتا ہو۔ اور دوسرا یہ کہ ایسے علاقے کے لوگ جہاں دینی تعلیم کا بندوبست نہیں، وہاں سے کچھ افراد کو لازماً علوم دینیہ کی تحصیل کیلئے بھیجیں تاکہ وہ قرآن وسنت کا شعور حاصل کرنے کے بعد واپس پلٹ کر اپنی قوم کو اسلامی احکامات سے آگاہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم و في رواية و مسلمة**

قرآن وسنت کے ان واضح احکام اور امت مسلمہ کے تسلسل اور تعامل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ دینی مدارس کا وجود اسلام کی بقاء اور احیاء کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور امت مسلمہ کی شاندار اور تابندہ روایت ہی اسلامی تہذیب وثقافت کی علامت ہے۔

مگر ہمارے مغربی تحریک کے دلدادہ حکمران اور ان کے ناکندہ تراش مرعوب ذہن اس حقیقت کو جانتے ہوئے ان مدارس اسلامیہ کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں اور اس کے لیے وہ ہر طرح کے حربے اور ہر نوع کے ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں۔ اس لیے کہ دینی اداروں سے فراغت حاصل کرنے والے علماء اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ امت اسلامیہ میں مغربی اثر ونفوذ اور اباحیت پسندی کی راہ میں حائل ہیں۔ وہ دنیا میں مظلوم اور انسانی حقوق سے محروم قوموں کے حامی ومددگار ہیں اور ان تمام جہادی قوتوں کے ممد ومعاون ہیں جو دنیا میں حق طلبی، حق پرستی اور اپنے دینی اور ایمانی تشخص کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

دو صدیوں کی طویل محنت اور جدوجہد اور جہاد کے نتیجے میں دینی مدارس نے ملک کے علمی اداروں میں نمایاں اور مؤثر مقام حاصل کرلیا ہے۔ انگریزی دور استبداد میں علماء نے خشک روٹیاں کھا کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ فقر وفاقہ اور کسمپرسی کے عالم میں تشنگان علوم دینیہ نے اس شان سے علم حاصل کیا کہ آسمان علم پر سورج اور چاند بن کر چمکے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا عبدالحئی لکھنوی، مولانا عبدالحق خیر آبادی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی نذیر حسین دہلوی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندی، مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا گوہر رحمٰن اور اسی سلسلۂ کہکشاں کے ہزاروں ستارے آسمان پر جگمگ جگمگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ انہی جلیل القدر اور عظیم المرتبت علماء کا فیض ہے کہ سرزمین پاکستان، جس میں انگلیوں پر گنے جانے والے چند مدارس تھے جو مساجد سے ملحق عمارت میں ہوتے تھے۔ آج ملک کا چپہ چپہ ان مدارس کے نور سے منور ہے اور ایک ایک مدرسہ ایک ایک یونیورسٹی کا منظر پیش کررہا ہے۔

پاک وہند کے مدارس کا امتیاز آزادی ہے۔ انھوں نے غلامی کو کبھی قبول نہیں کیا۔ انھیں مدارس کی بدولت آج دین اور دینی تہذیب زندہ ہے۔ ان کا وجود مٹا کر یہ توقع عبث ہوگی کہ پھر اسلام اور اسلامی تہذیب کا وجود برقرار رہ سکے گا اور جو قوم اپنے ماضی کی درخشاں روایات کو نظرانداز کرنے کی خوگر بن جائے وہ اپنا ملی تشخص اور قومی وقار بھی برقرار نہیں رکھ سکتی، اور ایک دریوزہ گر اور لاوارث قوم بن کر رہ جاتی ہے۔ بتدریج اس کی شناخت بھی تحلیل ہوکر رہ جاتی ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے حکیم احمد شجاع صاحب مرحوم سابق سکریٹری پنجاب لجسلیٹو اسمبلی سے باچشم تر فرمایا تھا:

''ان دینی مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔ غریب مسلمانوں کے بچوں کو اپنے مکتبوں میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملّا اور یہ درویش نہ رہے، تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو باطل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور الاخوتین کے سوا۔ اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ اسی طرح یہاں بھی اسلامی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

ہم سمجھتے ہیں کے دینی مدارس کے خلاف یہ دانستہ یا نادانستہ طور پر چلائی جانے والی مہم ایک بین الاقوامی کفر کی اس سازش کا نتیجہ ہے جو اسلام کے ان قلعوں سے ابھرتی ہوئی احیائے اسلام کی تحریکوں سے خوف زدہ ہوکر کی جارہی ہے اور ہمارے نادان حکمران بلاوجہ کٹھ پتلی کے روپ میں خود فروش، خدا فراموش اور اسلام دشمن بن کر ناچ رہے ہیں۔

میری عادت نہیں زخموں پہ نمک پاشی کی
کیا کروں داغ اگر یہ نہ دکھاؤں تجھ کو

میں نے یہ قصہ کہا اس لیے ہو کر مجبور
جو ترا فرض ہے وہ یاد دلاؤں تجھ کو

**پس چہ باید کرد:** سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی اللہ سے مایوس نہ ہوا جائے اور جدوجہد سے کسی صورت میں بھی پہلو تہی اختیار نہ کی جائے۔ مومن کی قوت کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ رب العزت سے گہرا تعلق ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کا مستقبل ہر حال میں روشن رہیگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اگر اہل ایمان صحیح طریقے سے جدوجہد کریں تو انہیں آخرت کی کامیابیوں کے ساتھ دنیا میں بھی کامرانی حاصل ہوگی۔ اس لیے حالات کیسے ہی مشکل اور نا مساعد ہوں، اہل ایمان کے لئے مایوسی کی گنجائش نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں مایوسی کفر ہے۔ ''انه لا يأس من روح الله الا القوم الكافرون'' (الرعد) اور اللہ کی رحمت کا دروازہ ہر لحظہ کھلا ہوا ہے ''لا تقنطوا من رحمة الله'' ہر حال میں مؤمن کی نظر اپنے اللہ کے وعدے، اس کی نصرت و مدد، اس کی اعانت و سرپرستی اور اس کی رضاء و خوشنودی پر ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کی زندگی کے ہر لمحے کو روشن اور اس کے ہر قدم کو تابناک مستقبل کی طرح پیش رفت بنا دیتی ہے۔ یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے، رحم ہے اور فضل ہے کہ اس نے ہماری کمزوریوں کی بناء پر ہم کو کسی ایسی آزمائش میں نہیں ڈالا جو ہماری استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ انسان کی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں زمین میں خلافت اور تمکن عطا کرے گا تاکہ ''ليظهره على الدين كله'' کہ اس دین کو دوسرے تمام طریقوں کے اوپر غالب کرنا اس کی سنت اور وعدہ ہے۔ یہ ساری چیزیں بھی مسلمان کا مقدر ہیں، ہماری تاریخ اور جدوجہد کا حصہ ہیں۔ مستقبل امت مسلمہ کے لئے ہے، اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہے۔ مستقبل کی تابناکی کے بارے میں ایک مؤمن کو ایک پل کے لئے بھی شک اور خوف میں مبتلاء نہیں ہونا چاہیے۔ یقیناً مشکلات ہیں، مسائل ہیں، پریشانیاں ہیں، فکری چیلنجز اور تصادم ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی قوت، اللہ پر بھروسہ اور اللہ کا یہ وعدہ کہ مایوس کبھی نہ ہونا، ہمت نہ ہارنا اور تابناک مستقبل کا خواب ہی نہیں دیکھتے رہنا، بلکہ اس کے لیے سرگرم عمل ہو جانا، یہ مسلمان کی شخصیت کا لازمی حصہ ہیں۔ تو کیسی ہی پریشانیاں اور کیسی ہی مشکلات کیوں نہ ہوں، لیکن ہماری نگاہ اسلام کے روشن مستقبل ہی پر ہونی چاہیے ﴿ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون ان كنتم مؤمنين﴾

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ اس دعوت اور اس پیغام کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوذر غفاریؓ اسلام قبول کرتے ہیں اور ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ ابھی آغاز وحی کا تیسرا اور چوتھا سال ہی ہے۔ اس موقع پر ایک اعرابی آتا ہے، اسلام قبول کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ کہتے ہیں کہ اپنی بستی میں چلے جاؤ اور انتظار کرو اس وقت کا جب یہ دین غالب ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں کہ میں تم کو ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں کہ جس کو اگر تم مان لو تو پھر عرب اور عجم تمہارے تابع ہوں گے...... پھر وہ وقت کہ سید کائنات جب مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہجرت کا وقت ہے، بظاہر کسمپرسی کا عالم ہے، اپنے وطن کو چھوڑنا پڑ رہا ہے اور اس وقت سراقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے ہیں کہ تمھیں کسریٰ (وقت کی سپر پاور) کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ کیا سخت وقت ہے، کسریٰ کے کنگنوں کا ذکر کس اعتماد کے ساتھ کیا جا رہا ہے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کسریٰ کے کنگن مال غنیمت میں آئے اور اس شخص کو پہنائے بھی گئے۔ سبحان اللہ!

تابناک مستقبل کی بات میں کسی خوش فہمی یا شاعرانہ خیال آرائی کی بناء پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اللہ کی کتاب اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ دونوں ہمیں یہ اعتماد اور یقین دلاتے ہیں کہ جو بھی حالات ہوں اور جیسے بھی حالات ہوں، وہ لوگ جنھیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالامال کیا ہے وہ تابناک مستقبل کے بارے میں کسی غلط فہمی یا مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتے'' وكان حقا علينا نصر المؤمنين''۔ (الروم) ''حقا علينا ننج المؤمنين''۔ (یونس)

**تاریخ کی گواہی:** اگر آپ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ تاریخ کے نشیب و فراز، قوموں کا عروج و زوال، پستی و بلندی کے مناظر، کامیابی و ناکامی کی داستانیں، فتح و شکست کا نہ ختم ہونے والا لامتناہی سلسلہ، اللہ کے اسی وعدے کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ معلوم تاریخ میں کم از کم ۳۶ عظیم تہذیبوں کے اسی سفر کی کہانی ملتی ہے اور عروج کے وقت ہر تہذیب کو یہی گمان تھا کہ اب اس کا کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں۔ لیکن پھر چشم فلک نے دیکھا کہ اسے زوال، انتشار اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری اقوام ابھریں اور ''وتلك الا يام ندا ولهابين الناس'' کا یہ ابدی اصول برابر چلتا رہا اور چلتا رہے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سچ کہا تھا: جو پیچھے رہ جائیں گے وہ کتنے پیچھے ہیں جو آگے نکل جائیں گے، کتنے آگے ہیں، جنھوں نے چشم سر سے دیکھا کہ سلطنت برطانیہ کا ایک زمانے میں کیا دبدبہ تھا۔ اسے دنیا کی حکمرانی قوت ہونے کا زعم تھا۔ غلبہ و بالادستی کو وہ اپنا مقدر سمجھ رہی تھی اور غرور کا یہ حال تھا کہ انہوں نے انگریزی زبان میں اس محاورے کا اضافہ کیا کہ: Sun is never set in the British Empire

چونکہ دنیا کی چوتھائی سرزمین پر اس کی حکمرانی تھی، اس لئے اس کا دعویٰ تھا کہ ہماری حکمرانی میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ ایک جگہ سے غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ سے ابھر آتا ہے۔ لیکن پھر ہم نے دیکھا کہ چند ہی سالوں میں اس کی سلطنت قصۂ پارینہ بن گئی اور کیفیت یہ ہوئی کہ وہ ایک سپر پاور سے سکڑ کر صرف ڈیڑھ جزیرہ کی حکومت رہ گئی اور اب تو یہ عالم ہے کہ ہفتوں اس کی قلمرو میں سورج طلوع نہیں ہوتا! اسی طرح دولت برطانیہ میں انگریزی زبان میں اس محاورے کا بھی اضافہ کیا کہ:

British rules the waves یعنی دنیا کے سارے سمندروں کے پانی پر ہماری حکمرانی ہے۔ لیکن پھر ہم نے دیکھا کہ: British had to waves the rule یعنی برطانیہ کو حکومت چھوڑنا پڑی اور سمندر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ یہ ہیں وہ نشیب وفراز جن میں مغرور کے طلسم کا ٹوٹنا اور مظلوم کا بالاتر قوت بن جانا، یہ سب مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ امریکہ اور اشترا کی روس دونوں بڑی طاقتیں (Super Power) تھیں اور دونوں ایک دوسرے سے پنجہ آزمائی کررہی تھیں ۔کیا آپ بھول گئے کہ روس کے سربراہ مملکت خروش چیف، اقوام متحدہ کے ہال میں میز پر اپنے جوتے رکھ کر کہتا ہے کہ: I have come to bury captalism (میں یہاں سرمایہ کاری کا جنازہ نکالنے آیا ہوں)۔اور پھر آپ نے دیکھا کہ کس طرح روس منتشر ہوجاتا ہے گویا کہ ایک خاص موقع پر کسی کا حاوی ہونا کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو ابدی (everlasting) سمجھا جائے، اقتدار، غلبہ اور قوت سب سے بڑی وقتی اور عارضی چیزیں ہیں۔ ہم نے خود اس کا نظارہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ایسے ابھی اور بہت سے تجربات اور مناظر ہم دیکھیں گے۔ اس لیے یہ سمجھ لینا کہ اس وقت فلاں غالب ہے تو وہی غالب رہے گا، درست نہیں۔

اپنے علم کی تاریخ بھی دیکھ لیجیے۔ کیا حقیقت نہیں کہ ایک سرپھرے آمر (اسکندر مرزا) نے مکمل اقتدار کے زعم میں برسر اقتدار آنے کے بعد پہلا بیان دیا تھا کہ ہم ان مولویوں کو کشتیوں میں بٹھا کر سمندر پار بھیج دیں گے۔ لیکن اللہ کی قدرت کو آپ نے دیکھا کہ مولوی تو الحمدللہ وہیں ہیں۔ خود اس کو ایک مہینے کے اندر ملک چھوڑنا پڑا۔ یہاں کون تھا جس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ''ہماری کرسی مضبوط ہے اور اس کو کوئی نہیں ہلاسکتا''، لیکن کون سی کرسی ہے جو باقی رہ گئی۔ چاہیں تو وسیع تر تاریخ کے پس منظر میں دیکھیں، خواہ اپنے دور کے عالمی سطح پر رونما ہونے والے نشیب وفراز کو دیکھیں اور خواہ اپنے ملک میں ہونے والی تبدیلیوں پر غور کریں، کہیں بھی مایوسی کے لئے وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ اس سے انکار نہیں کہ تاریکی آتی ہے، شکستیں بھی ہوتی ہیں، لیکن ہر نشیب کے بعد فراز اور شکست کے بعد کامیابی کا امکان بھی رونما ہوتا ہے (فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا) کیا خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی بلندیوں کے بعد احد کی ہزیمت نہیں دیکھی؟ کیا حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کا منظر رونما نہیں ہوا؟ کیا فتح مکہ کے بعد حنین سے سابقہ پیش نہیں آیا؟ یہ نشیب وفراز، زندگی کی حقیقت ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو لے کر یہ سمجھنا کہ اب کچھ ممکن نہیں اور ہمت ہار جانا اور مایوسی میں گرفتار ہوجانا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ جس کی نگاہ تاریخ پر ہو، انسانی زندگی کے نشیب وفراز پر ہو، وہ کبھی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ اس کے اوپر قرآن شاہد ہے، سیرت شاہد ہے، پوری تاریخ گواہ ہے میرا اور آپ کا تجربہ گواہ ہے۔ تو پھر کیوں ایک خاص وقت کی کیفیت کو ہم مستقبل اور دوام کو درجہ دینے کی غلطی کریں۔ ہمیں چیزوں کو ان کے حقیقی پس منظر میں دیکھنا چاہیے اور اسی کی روشنی میں پھر ہمیں اپنا رویہ اور اپنا کرنے کا کام متعین کرنا چاہیے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

**مزاحمت ــــ اصل طاقت**: استعمار کی منصوبہ بندی ہمیشہ سے یہی رہی ہے جس کی تلقین بش ملعون اور ان کی ٹیم کررہی ہے کہ تعلیم کو تبدیل کرو، مدرسوں کو سیکولر رنگ میں رنگو۔ جہاد کا لفظ تو آج نہیں، پہلے ہی دن سے دشمنوں کا ہدف رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام پر غالباً دوسری صدی ہجری کے اندر پہلی تنقیدی کتاب جو ایک عیسائی عالم کی طرف سے آئی ہے اس میں اصل ہدف جہاد اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور جہاد کا تصور ہمیشہ سے اصل ہدف رہے ہیں۔ فرانسیسی، برطانوی، استعماری دور کا مطالعہ کیجیے، سب کے سامنے اصل ہدف جہاد تھا۔ خواہ وہ السوسی کی تحریک ہو، خواہ وہ الجیریا کے عبدالقادر کی تحریک ہو، خواہ وہ صومالیہ کی تحریک ہو، خواہ براعظم کے شاہ اسماعیل شہید کی تحریک ہو، ہر جگہ آپ دیکھیں گے جہادی استعمار کا راستہ روکا گیا ہے اور جہاد ہی کو استعمار نے ہدف بنایا ہے۔ یہ نئی نہیں پرانی حکمت عملی اور بظاہر معلوم ہوتا ہے پتا نہیں یہ کیا کرلیں گے لیکن جہاد کا تصور ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سنت کی مرکزی حیثیت دشمن کی ساری یلغار کے باوجود ان پر کوئی دھبہ نہیں آسکا اور نہیں آسکتا۔ جھوٹی نبوتیں تک برپا کی گئیں لیکن دین حق پر کوئی آنچ نہ آئی۔ اسلام کو دبانے کی جتنی کوششیں ہوئیں وہ اتنا ہی مستحکم ہوتا گیا:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

تاریخ میں ہم پر بڑے سخت دور گذرے ہیں۔ شاید سب سے سخت دور، وہ تھا جب چنگیز اور ہلاکو کی فوجوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی...... لیکن اس کے بعد دیکھیے کہ دوسال کے اندر اندر پھر حالات بدل گئے اور انھیں تاتاریوں کے دل ودماغ کو اسلام نے مسخر کرلیا، جنھوں نے مسلمانوں کو فتح کیا تھا۔ اسلام نے ان کو فتح کرلیا اور بقول اقبال:

ہے عیاں یورش تارتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

وہی تاتاری جو مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہے تھے اور شہداء کے سروں میں مینار بناتے تھے، انھیں کے ذریعے سے پھر ۴۰۰ رسال تک مسلمانوں کی حکمرانی کا نظارہ چشم تاریخ نے دیکھا۔ لہٰذا تاریخ کے نشیب وفراز سے پریشان نہ ہوں بلکہ ان چیلنجز کے مقابلے کے لئے سینہ سپر ہوجائیں۔ جہاد نام ہی مزاحمت کا ہے، جہاد نام ہے کفر اور ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کا۔ خواہ قلم سے ہو، زبان سے ہو، مال سے ہو یا جان سے ہو۔ یہ سب اس کی شکلیں ہیں اور دشمنوں کا یہی ہدف ہے اور اسی کی پاسبانی انھوں نے کرنا ہے، حالات کے آگے سپر نہ ڈالنے کا داعیہ پیدا کرنا ہے اور

مقابلے کا جذبہ اور امنگ کو فروغ دینا ہے۔ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی اس پریشانی کا اظہار بڑے واضح الفاظ میں کر دیا ہے:

واضح ہے اگر کوئی خطرہ مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

اس لیے اگر آپ مجھ سے ایک لفظ میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ دورِ حاضر کے اس فکری چیلنج کا مقابلہ دینی مدارس کیسے کر سکتے ہیں اور تابناک مستقبل کی ضمانت کیا ہے؟ تو وہ ہے آرزو، وہ ایمان ہے، وہ جذبہ مزاحمت ہے، وہ یہ احساس ہے کہ ہمیں اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو قبول کرنا ہے۔ اس کے داعی بننے کے لئے جدوجہد کرنا ہے، اس سے دنیا اور آخرت میں ہمارا مستقبل روشن ہو سکتا ہے:

یوں تو اہل توکل کی بسر ہوتی ہے — ہر لحہ بلندی پہ نظر ہوتی ہے
گھبرائیں نہ ظلمت سے گذرنے والے — آغوش میں ہر شب کے سحر ہوتی ہے

وما علینا الا البلاغ

## جہاد، مستشرقین اور مغربی دنیا:

۵/اگست کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں ایک سمینار تھا جو مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے ادارے میں ''ندوۃ الشباب الاسلامی العالمی'' سعودی عرب کے تعاون سے منعقد کیا گیا۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی اہل حدیث علمائے کرام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، ان کا روپڑی خاندان سے تعلق ہے اور وہ روایتی مسلکی دائرے پر اکتفاء کرنے کے بجائے وسیع تر ملی مفاد کے ماحول میں کام کو ترجیح دیتے ہیں، ان کا ادارہ ''مجلس التحقیق الاسلامی'' اور ماہوار جریدہ ''محدث'' نوجوان علماء میں آج کے معروضی مسائل پر غور و تحقیق کا ذوق بیدار کرنے اور دینی حلقوں کو ان کی طرف توجہ دلانے کی سعی میں مصروف ہیں جب کہ ''ندوۃ الشباب الاسلامی'' ریاض کی طرف سے ڈاکٹر قاری محمد انور اس پروگرام کے لیے تشریف لائے ہوئے ہیں۔

مجھے ان دونوں حضرات نے اس سمینار میں ''جہاد'' کے بارے میں گفتگو کی دعوت دی اور جہاد کے حوالے سے پھیلائے جانے والے شکوک وشبہات پر کچھ گزارشات پیش کرنے کے لیے کہا جو میرا دل پسند موضوع ہے، اس لیے میں سمینار میں حاضر ہو گیا اور جب ہال میں پہونچا تو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر مستشرقین کے طریق واردات کو اپنی گفتگو میں بے نقاب کر رہے تھے، حافظ محمود اختر میرے بچپن کے ساتھی ہیں، ہم دونوں نے قرآن کریم ایک ہی استاذ سے حفظ کیا ہے، ہمارے استاذ محترم حافظ قاری محمد انور ایک عرصہ تک گکھڑ میں پڑھاتے رہے ہیں اور اب کم وبیش بیس سال سے مدینہ منورہ میں تحفیظ القرآن کے ایک مدرسہ میں قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں، کبھی کبھار مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر انہیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاگردوں سے منزل سنتے دیکھتا ہوں تو رشک وافتخار کی ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حافظ محمود اختر صاحب کی گفتگو میں مستشرقین کی فکری جدوجہد اور طریق واردات کی باتیں سن کر میرے ذہن میں بھی یہ داعیہ پیدا ہوا کہ جہاد پر کئے جانے والے اعتراضات کا مستشرقین کے حوالے سے ہی جائزہ لے لیا جائے، ورنہ سمینار کے منتظمین کی طرف سے مجھے کہا گیا تھا کہ میں جہاد کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور بعض دیگر شخصیات کے موقف کا جائزہ لوں جو جہاد کو آج کے دور میں منسوخ قرار دے رہے ہیں یا اس کے بارے میں معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے اس میں طرح طرح کی تاویلات پیش کر رہے ہیں، مگر میں نے اپنی گفتگو کی تمہید میں عرض کیا تھا کہ جہاں اصل فریق سامنے ہو اور اس سے براہِ راست بات کرنا ممکن ہو تو پھر نمائندوں سے گفتگو کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا اس لیے میں اصل فریق یعنی مستشرقین کو سامنے رکھ کر بات کروں گا میں ابھی گفتگو کے ابتدائی مراحل میں ہی تھا کہ بزرگ اہل حدیث عالم دین مولانا محمد یحیٰی عزیز میر محمدی صاحب تشریف لائے اور مجھے بتایا گیا کہ وقت کم ہے اور انہوں نے بھی خطاب کرنا ہے لہٰذا میں نے بڑے اختصار کے ساتھ کچھ معروضات پیش کیں جس کا خلاصہ قارئین کی معلومات کے لیے اصلاح شدہ صورت میں چند ضروری اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

جہاد کی فرضیت اسلام کے جاری کردہ احکام میں سے نہیں ہے بل کہ کلمۂ حق

کی سربلندی اور انسانی سوسائٹی پر آسمانی تعلیمات کی بالادستی کے لیے جہاد اس سے قبل بھی ہوتا رہا ہے اور قرآن کریم نے اس جہاد کے مختلف مراحل کا تذکرہ بھی کیا ہے، جہاد کا تذکرہ بائبل میں بھی موجود ہے، چناں چہ کتاب استثنا ۲۰/۱۰ میں جہاد کا حکم اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا، اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بل کہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں کو اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال کو اپنے لیے رکھ لینا''۔

اس کے ساتھ ہی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو بھی دیکھ لیا جائے جو انہوں نے اپنے متعدد کمانڈروں کو جہاد کے لیے بھیجتے وقت دی ہے کہ جب تم دشمن کے سامنے جاؤ تو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہمارے بھائی ہیں اور اگر وہ یہ دعوت قبول نہ کریں تو جزیہ دے کر اسلام کی بالادستی قبول کر لیں، اس صورت میں انہیں جان و مال اور آبرو کا تحفظ حاصل ہوگا، اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مذہب پر عمل کرنے، اس کی تعلیم دینے اور اپنی عبادت گاہوں کو قائم و آباد رکھنے کا حق حاصل ہوگا اور مسلمان ان کی جان و مال کے تحفظ کے ضامن ہوں گے اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا مقصد کافروں کو زبردستی اسلام قبول کرانا نہیں بل کہ انہیں اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ بیشک اپنے مذہب پر قائم رہیں اس پر آزادی کے ساتھ عمل کریں اور اپنے دائرے میں اس کی تعلیم بھی دیں، لیکن انسانی سوسائٹی پر ''آسمانی تعلیمات'' کی بالادستی اور فروغ میں رکاوٹ نہ بنیں اور ان کے مقابل نہ ہوں کیوں کہ آسمانی تعلیمات کا یہ حق ہے کہ ان کا انسانی آبادی میں کسی روک ٹوک کے بغیر فروغ ہو اور ان کی دعوت و تعلیم کی راہ میں کوئی مزاحم نہ ہو، البتہ بائبل کی تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات میں چند فرق ضرور موجود ہیں، جن کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، صلح کی صورت میں بائبل کا حکم یہ ہے کہ مقامی آبادی باج گزار بن کر فاتحین کی خدمت کریں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے انہیں صرف ''جزیہ'' دینا ہوگا اور انہیں اس کے عوض جان و مال کا تحفظ، مذہبی آزادی اور دیگر تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے اور انہیں غلام نہیں بنایا جائے گا۔

فتح کی صورت میں بائبل نے دشمن کے تمام مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، مگر اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے اسی طرح شہر کے سارے مال کو غنیمت بنانے کا حکم بائبل میں تو موجود ہے جب کہ اسلام میں غنیمت صرف وہی ہے جو میدانِ جنگ میں حاصل ہو، شہروں کے لوٹ مار کی اسلام اجازت نہیں دیتا، لیکن ان باتوں سے قطع نظر بائبل کا حوالہ دینے سے میری غرض یہ ہے کہ جہاد کا حکم اسلام کا کوئی امتیازی حکم نہیں ہے، بل کہ یہ سابقہ آسمانی مذاہب کے احکام کا تسلسل ہے جسے اسلام نے بھی باقی رکھا اور اس پر پہلے سے بہتر انداز میں عمل جاری رکھا ہے۔

مذہب کے لیے تلوار اٹھانے اور قوت استعمال کرنے کا یہ حکم مسیحیوں اور مسلمانوں میں موجود رہا ہے، مسیحیوں نے اسے لوگوں کو زبردستی اپنے مذہب میں لانے کے لیے صدیوں تک استعمال کیا ہے جیسا کہ اسپین میں مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے اور یورپ کے مختلف ملکوں میں یہودیوں کو ان کے مذہب سے دست بردار کرانے کے لیے لاکھوں افراد کا قتل عام تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہے، مگر مسلمانوں نے اسلام قبول کرانے کے لیے کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا اور کسی سے اسلحہ کی نوک پر کلمہ نہیں پڑھایا، البتہ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کی راہ میں مزاحمت کرنے والوں سے ضرور جنگ کی گئی ہے اور اسی کا نام جہاد ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

اس صورتِ حال میں تبدیلی اس وقت آئی جب یورپ نے اپنے مذہب کے جمود، مذہبی قیادت کی تنگ نظری اور چرچ کی ظالمانہ روش سے بے بس ہو کر مذہب سے بغاوت کر دی اور سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے مذہب کو بے دخل کر دیا، انہوں نے مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا اور سوسائٹی کے ساتھ اس کے تعلق کو منقطع کر دیا تو اس کے باعث ان کے نزدیک مذہب کے لیے ہتھیار اٹھانا ممنوع قرار پایا اور ''مقدس جنگ'' کا تصور ان کے ہاں ختم ہو گیا، مگر انہوں نے سوسائٹی کی فکری بنیاد کے طور پر جس چیز کو مذہب کے متبادل کا درجہ دیا، اس کے لیے طاقت اور ہتھیار کے استعمال کا جواز ان کے ہاں نہ صرف موجود ہے بل کہ اس میں روز بروز ترقی اور پیش رفت ہو رہی ہے۔

مغرب نے سوسائٹی کی بنیاد نیشنلزم، سویلائزیشن اور تہذیب و ثقافت کو قرار دیا جو مذہب کا متبادل ہیں اور قوم و ملک اور سویلائزیشن کے لیے طاقت کے استعمال کو نہ صرف مغرب نے جائز قرار دے رکھا ہے بل کہ کئی بار اس کا خوفناک مظاہرہ بھی کر چکا ہے، اقوام متحدہ نے اپنے قوانین میں نیشنلزم کی بنیاد پر سرحدوں کو جائز قرار دے کر ایک دوسرے کے خلاف طاقت کے استعمال سے روکا ہے مگر کسی ایک طرف سے طاقت کے استعمال کی صورت میں دوسرے کو دفاع میں ہتھیار اٹھانے کا حق دیا ہے، حتیٰ کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو بھی یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ (۱) امن کو لاحق خطرہ (۲) امن و امان کو توڑنے اور (۳) ظلم و تعدی کے کسی واقعہ کی صورت میں وہ کسی بھی ملک پر پابندیاں عائد کر سکتی ہے اور اگر ان پابندیوں سے کام نہ چلے تو سلامتی کونسل کو فوج کشی کا حق بھی حاصل ہے، یہ فوج کشی سلامتی کونسل کا حق ہے اور سلامتی کونسل کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی نمائندہ کہلاتی ہے لیکن پانچ ملکوں کے ویٹو پاور کے حق نے اسے عملاً صرف پانچ ملکوں کی اجارہ داری کی علامت بنا دیا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کی اجازت سے امریکہ نے افغانستان کے خلاف جو فوج کشی کی اور عراق پر امریکی

اتحاد کا پہلا حملہ بھی سلامتی کونسل کی اجازت سے ہوا تھا، ان حملوں کے جواز کے بارے میں مغربی لیڈروں نے جو کچھ کہا، وہ تاریخ کے ریکارڈ میں ثبت ہو چکا ہے۔ ان میں سے صرف دو باتوں پر غور کر لیجیے۔ ایک یہ کہ افغانستان اور عراق اقوام متحدہ کے طے کردہ نظام سے بغاوت کر رہے ہیں اور اس کی پابندیوں سے انحراف کے مرتکب ہوئے ہیں اور دوسرا یہ کہ جمہوریت اور سویلائزیشن کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ سوال یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا نظام اور مغرب کی سویلائزیشن دنیا بھر سے خود کو منوانے کے لیے طاقت کا وہ وحشیانہ استعمال کر رہی ہے یہ ورلڈ سسٹم اور مغربی سویلائزیشن دونوں یک طرفہ اور جانب دارانہ ہیں جن کی تشکیل اور کنٹرول میں مسلمانوں کو کوئی قابل ذکر حیثیت حاصل نہیں ہے، کیا اس نظام اور ثقافت کے فروغ اور تسلط کے لیے طاقت کا استعمال فکر اور عقیدے کے لیے طاقت کا استعمال نہیں ہے؟ فرق صرف تعبیر کا ہے۔ ہم سے مذہب کے لیے قوت کا استعمال ترک کرنے کا مطالبہ کرنے والا مغرب خود مذہب کے اس متبادل کے لیے طاقت وقوت کا اندھا دھند استعمال کر رہا ہے جسے اس نے سوسائٹی کی فکری بنیاد کے طور پر مذہب سے دست برداری کے بعد اختیار کر رکھا ہے مگر ہم سے مغرب کا تقاضا کیا ہے؟ اس کی ایک جھلک یورپین مستشرق اینڈرسن کی اس گفتگو میں دیکھی جا سکتی ہے جس کا ذکر عرب دنیا کے معروف عالم دین اور دانشور استاد وہبہ زحیلی نے اپنے ایک مقالہ میں کیا ہے اور جس میں اینڈرسن نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ جہاد کو اسلامی احکام کی فہرست سے نکال دیں اس لیے کہ جہاد آج کے عالمی نظام اور بین الاقوامی اداروں کے قوانین وضوابط سے ہم آہنگ نہیں ہے اور فکر وعقیدے کو طاقت کے زور سے فروغ دینے کا وسیلہ ہے جو حریت اور عقلی ارتقاء کے عالمی ماحول کے بالکل منافی ہے۔ لیکن جس عالمی نظام اور عقلی ارتقاء کو مغرب نے مذہب کے لیے طاقت کے استعمال سے روکنے کا باعث قرار دیا ہے، وہ دونوں آج پوری طرح بے نقاب ہو چکے ہیں، جبکہ اقوام متحدہ افغانستان، عراق اور دوسرے متعدد ممالک پر امریکہ کی فوج کشی کو جواز کی سند فراہم کر کے ان کی اخلاقی حیثیت ختم کر دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مغرب اپنے اس عقیدے سے منحرف ہو گیا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف دفاع کے لیے ہو سکتا ہے فکر وعقیدے کے لیے ہتھیار کا استعمال ناجائز ہے یہ صرف نظری بات ہے اور خوشنما فکری دھوکہ ہے، جبکہ امریکہ کے دفاع کے لیے سات سمندر پار پیشگی فوجی حملوں اور سویلائزیشن کے تحفظ کے لیے عسکری قوت کے بے محابا استعمال نے اس کو صرف ایک کھوکھلے نعرے کی حیثیت دے دی ہے، اس کے ساتھ ہی میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مغرب نے اسلام کے اس فلسفے کو عملاً تسلیم کر لیا ہے کہ قوت کا استعمال صرف دفاع کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کسی عقیدہ اور تہذیب کی بالادستی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لیے بھی طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جایا کرتا ہے میرے نزدیک یہ آج کے دور میں اسلام کی اخلاقی فتح ہے۔

اب میں آتا ہوں اس بات کی طرف کہ ہمارے بعض حلقوں میں اسلام کے نام پر جہاد کے بارے میں گزشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران جو فکری تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب مغرب نے مذہب کے معاشرتی کردار سے دست بردار ہو کر مذہب کے لیے تلوار اٹھانے کو ممنوع قرار دے دیا تو ہمارے بعض دانشوروں کے ذہنوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا۔ مرزا غلام احمد قادیانی طرز کے بعض لوگوں نے جہاد کو سرے سے منسوخ قرار دینے میں ہی عافیت سمجھی، لیکن ذہنی طور پر اس مقام پر نہ پہنچنے والے بعض دانشوروں نے جہاد کے احکام اور فرضیت میں ایسی تاویلات کو ضروری قرار دیا جن سے جہاد کے تصور کو مغرب کی جدید فکر کے زیادہ سے زیادہ قریب لایا جا سکے اور مغرب کو مطمئن کیا جا سکے کہ ہم بھی مذہب کے لیے تلوار اٹھانے کے حق میں نہیں ہیں۔ میں اس سلسلے میں سب کو ایک درجے میں نہیں سمجھتا، اس لیے کہ بہت سے حضرات مرعوبیت کا شکار ہوئے اور شعوری طور پر ان کی کوشش رہی کہ جہاد کے حکم کو اسلامی تعلیمات کی فہرست سے نکال دیا جائے مگر بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو لاشعوری طور پر اس فریب کا شکار ہیں اور بڑے خلوص کے ساتھ اسلام کی تصویر کو آج کے عالمی منظر میں درست اور قابل قبول بنانے کے لیے جہاد کو ایسے انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے مغرب کو تعرض نہ ہو، لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس تکلف کی ضرورت نہیں رہی۔ مغرب نے صرف دفاع کے لیے طاقت کے استعمال کے نام نہاد فلسفے کا بھانڈا خود ہی بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔ اس لیے ہمیں کسی معذرت خواہی کی ضرورت نہیں ہے اور بحمد اللہ ہم نے کبھی اس معذرت خواہی کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ جس طرح مغرب اپنی سویلائزیشن کے فروغ اور اپنے قائم کردہ یک طرفہ ورلڈ سسٹم کے تحفظ کے لیے خود اپنے لیے طاقت کے پیشگی استعمال کا حق مانگتا ہے، اسی طرح اسلام کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے سسٹم کو سوسائٹی میں بروئے کار لانے اور اپنے عقیدہ وثقافت کے فروغ کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرے۔

باقی رہی عالمی نظام (World System) اور مغربی سویلائزیشن کی بات تو ہم کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ یک طرفہ، جانب دارانہ، استحصالی، ظالمانہ اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہے اور ہمارے لیے کسی سطح پر بھی قابل قبول نہیں ہے۔ جو لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں اور اسے جائز اور حق تصور کرتے ہیں۔ وہ اس کا دفاع کریں اور اس کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے اسلامی احکام میں تاویلات کا شوق بھی پورا کرتے ہیں، مگر ہم اسے یکسر مسترد کرتے ہیں۔ عالم اسلام کے دینی حلقوں اور علمی مراکز سے ہماری ہمیشہ یہ گزارش رہی ہے کہ وہ موجودہ ورلڈ سسٹم، اقوام متحدہ کے نظام اور مغربی سویلائزیشن کے بارے میں اپنا موقف اجتماعی طور پر سامنے لائیں۔

اور متفقہ طور پر مغرب پر واضح کر دیں کہ یہ ورلڈ سسٹم اور سویلائزیشن دونوں

ہی ہمارے لیے ناقابل قبول ہیں اور ہم ان کی خاطر اسلامی تعلیمات اور احکام وقوانین میں کسی ردوبدل اور تاویل کو کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

## ہدایات اثناعشریہ برائے طلبہ:

از: افاضات وافادات سیدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ وخادم خاص حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہ

ترتیب: محمد شوکت علی بھاگلپوری خادم حدیث دارالعلوم سعادت دارین سیتپون بھروچ، گجرات

عزیزان گرامی! آپ تو بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا میں معمولی معمولی چیز بھی شرائط وآداب کی رعایت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، تو بھلا علم جیسی عظیم دولت (جو حق تعالیٰ کی ذات مستودہ صفات میں سے ایک نور خداوندی ہے) شرائط وآداب کی رعایت کے بغیر کس طرح حاصل ہو سکتی ہے، بلا شبہ اس کیلئے بھی کچھ شرائط وآداب ہیں۔ یوں تو اسلاف نے علم حاصل کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں، ہمارے فہم وادراک سے بڑھ کر مشقتیں برداشت کی ہیں۔ بہتیرے شرائط وآداب برتتے ہیں۔ مگر اب ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں، کسل وسستی عام سے عام تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اس لئے آپ حضرات کی زیادہ سے زیادہ سہولت کی خاطر صرف بارہ شرائط وآداب منتخب کئے جاتے ہیں جن کا نام ہی ''ہدایات اثناعشریہ برائے طلبہ'' تجویز کیا گیا ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی کریم ورحیم ذات سے قوی امید ہے کہ ان کی رعایت ہم سب کے حق میں مثمر برکات اور علم نافع کے حصول کیلئے معین ومددگار ثابت ہوگی۔

### ﴿ ہدایات حسب ذیل ہیں ﴾

(۱) **تصحیح نیت:** نیت کو درست کرنا یعنی تفقہ فی الدین اور حلال وحرام کی معرفت وتمیز کیلئے علم حاصل کرنا تاکہ اس پر عمل کر کے اصلاح اور رضائے الٰہی حاصل ہو سکے اور تادم حیات اسی نیت پر قائم رہنا۔

(۲) **ورع وتقویٰ:** یعنی پرہیزگاری کے ساتھ علم حاصل کرنا۔ (تعلیم المتعلم ص ۶۷) میں حدیث نقل کی گئی ہے: جو شخص پرہیزگاری کے ساتھ علم حاصل نہیں کرتا اللہ جل شانہٗ اس کو تین سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دیتے ہیں۔ (۱) یا تو جوانی میں موت دیتے ہیں۔ (۲) یا بادشاہ کی خدمت میں لگا دیتے ہیں۔ (۳) ایسی جگہ رہائش مقرر فرما دیتے ہیں جہاں اس کے علم سے کوئی استفادہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ **اللّٰھم احفظنا منه**

(۳) **ماموارت پر عمل:** یعنی فرائض وواجبات کی پابندی، سنن وآداب کی حتی الوسع رعایت، پڑھی ہوئی باتوں پر عمل کا اہتمام

(۴) **ترک موانع علم:** موانع علم اجمالاً یہ ہیں (۱) معاصی وسیئات یعنی چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ خصوصاً شرمگاہ اور زبان کے گناہ۔ یعنی بدنظری، بدزبانی اور شہوت رانی سے بچنا خصوصاً اَمرد صبیح الوجہ کی طرف دیکھنا انتہائی مہلک ہے۔ [حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ فرماتے تھے ''بچوں سے بچو'' (۲) کثرت علائق: یعنی زیادہ دوستی (۳) تزوج: ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ مشہور مقولہ ہے ''لکل شیء آفة وللعلم آفات اولها التزوج'' ہر چیز کیلئے ایک آفت ہے اور علم کیلئے بہت سی آفتیں ہیں۔ سب سے پہلی آفت شادی ہے اسلئے اکابر نے

طالب علمی میں شادی سے پرہیز بتایا ہے (مکتوبات فقیہ الامت قسط ۲، ص ۱۰۶، ۱۴۰) (۴) ناجنسوں کی مصاحبت: یعنی ایسے طلبہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جو علم میں محنت کی بجائے لاابالی پن کی زندگی گذارتے ہیں۔ (۵) غلط اور ناموافق ماحول (۶) حرام اور مشتبہ غذا (۷) لایعنی اور غیر ضروری اشیاء میں اشتغال۔ ہمیں چاہئے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کریں۔

(۵) **محنت ولگن، تکرار مطالعہ میں انہماکِ تام**: کسی نے کہا ہے کہ "العلم لا یعطیك بعضه حتیٰ تعطیه كلّك"

(۶) **استاد سے قلبی محبت**: جس کا اثر اور علامت دو ہے: (۱) کامل ادب و احترام: سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی۔ بعض طلبہ استاد کے سامنے تو خوب جی حضوری کرتے ہیں، چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں، جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ اور استاد کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ہاتھ جھٹک دیتے ہیں، یہ بھی خطرناک ہے۔ (۲) استاد کی خدمت کا جذبۂ صادق ہونا چاہئے۔

(۷) **آلات علم کا پورا احترام**: یعنی کتاب، تپائی درسگاہ، مدرسہ اور جمیع متعلقات مدرسہ کا احترام، حتیٰ کہ کھانا پکانے والے باورچی، صفائی اور جھاڑو دینے والے ملازمین اور دربان کا احترام بھی تحصیل علم کیلئے معاون ومددگار ہے۔

(۸) **ضوابط مدرسہ کی پابندی**: خصوصاً اسباق واوقات کی حفاظت کا اہتمام ....... مشہور ہے" الوقت اثمن من الذهب " کہ وقت سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے گذرنے کے بعد ہاتھ نہیں آتا۔

(۹) **وضع قطع کی درستگی**: یعنی علمائے ربانیین اور صلحائے امت کی طرح لباس اختیار کرنا۔ داڑھی کی شرعی حدود کی حفاظت کرنا۔ اور مہینے ڈیڑھ مہینے میں سر کے بال منڈانا، الّا یہ کہ کوئی طالب علم سنت کے مطابق بال رکھنا چاہے، تاہم اتنا یاد رہے کہ بال کی حفاظت اور اس کا اکرام آسان نہیں ہے۔ بہت دشوار اور وقت طلب ہے۔ لہٰذا طلبہ کیلئے حلق کی سنت پر عمل ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ زیادہ تر اکابر اسی سنت کو اپناتے ہیں۔

(۱۰) **حصول علم نافع کیلئے دعاؤں کا اہتمام**: قرآن کریم میں خود نبی کریم ﷺ کو بھی زیادتی علم کیلئے دعاء کی تلقین کی گئی ہے۔ "وقل رب زدنی علما" چنانچہ حضور اقدس ﷺ اس حکم پر عمل فرماتے ہوئے کبھی یوں دعا فرماتے "اللّٰهم انی اسئلک علما نافعا" اے اللہ علم نافع عطا فرما اور کبھی یہ دعا فرماتے "اللّٰهم انی اعوذ بک من علم لاینفع" اے اللہ علم غیر نافع سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس سے ہماری حفاظت فرما۔

(۱۱) **مصنفین کتب کیلئے ایصال ثواب کا اہتمام**: جو بھی کتاب شروع کرے یا پورا کرے اس کے مصنف کو قرآن پڑھ کر یا دیگر تسبیحات کا ثواب پہنچائے، تاکہ ان کے روحانی فیوض وبرکات حاصل ہوں۔ اور ان کی روح ہماری طرف متوجہ رہے۔ بشرطیکہ مصنف صاحب ایمان ہو۔

(۱۲) **مشائخ حقہ سے ربط وتعلق پیدا کرنا**: کیونکہ اس کے بغیر تحصیل علم وعمل کا داعیہ اور اس میں جلا مشکل سے پیدا ہوتا ہے، واضح رہے کہ پہلے کے اکابر واسلاف طلبہ کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے، تاکہ سارا وقت تحصیل علم میں صرف ہو وہ حضرات اوراد ووظائف کو طلب علم کے باب میں حارج سمجھتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس نظریہ پر سختی سے عمل کرتے تھے، کسی بھی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہیں کرتے تھے، مگر اب جب کہ طلبہ دسیوں طرح کے مشاغل میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، بعد کے اکابر نے یہ طریقہ بدل دیا، یہ حضرات فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ طلبہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں۔ اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنے اوقات گذاریں۔ اپنے قیمتی اوقات ادھر اُدھر کے مشاغل میں ضائع کرنے کے بجائے اوراد ووظائف میں صرف کریں۔ تاکہ دل میں صحیح علمی لگن اور جذبۂ محبت پیدا ہو، اگر کسی وجہ سے شیخ کامل سے تعلق قائم نہیں کرسکتے تو پھر اپنے اکابر کی کتابوں کا مطالعہ ہی کرتے رہیں۔ انشاء اللہ العزیز فکر آخرت اور اصلاح کی لگن پیدا ہوگی۔ اور امید ہے کہ ایمان سلامت رہے گا۔ اور نبوت کی صحیح وراثت سے سرفراز ہوسکیں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

**تنبیہ**: آخر میں ایک اہم گذارش یہ ہے کہ طلبہ عزیز فارغ اوقات میں اکابر کی کتابوں کا لگن کے ساتھ مطالعہ ضرور کیا کریں۔ کیونکہ اکابر کی کتابیں ان کی صحبت کا بدل ہوا کرتی ہیں۔ امید کہ ان ہدایات پر عمل کی پوری کوشش کریں گے۔ فقط والسلام

## اطاعتِ خداوندی:

اس بات کا ہم انکار نہیں کرسکتے کہ اس کائنات کو اللہ رب العزت نے ہی پیدا کیا ہے، اس کو پیدا کرنے میں اس کا کوئی ساجھی، شریک، مددگار اور مشیر نہیں ہے۔ اس کائنات میں ہم بھی داخل ہیں، ہمیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے، کائنات اس کے حکم پر چلتی ہے، سورج جب ہی نکلتا ہے جب اس کو نکلنے کی اجازت ہوتی ہے، اسی وقت غروب ہوگا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہی حال چاند کا ہے، دریا اسی رخ پر چلیں گے جو رخ اللہ تعالیٰ نے ان کا متعین کردیا ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ ایک ایک چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور فرماں برداری میں لگی ہوئی ہے۔ اگر اللہ کی مخلوق ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کے حکم کے تابع ہے تو پھر مخلوق تو ہم بھی ہیں، ہمیں بھی تو اس کا تابع ہونا چاہئے، اسی میں ہماری نجات اور فلاح ہے۔ لیکن ہم نے تعلیمات خداوندی سے مسلسل رُوگردانی کا یہ انداز برقرار رکھا تو ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہماری طرف متوجہ نہیں ہوگی، ہمیں ہلاک اور برباد کردیا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی سنت کے مطابق اسلام کی حفاظت نئے لوگوں کے سپرد کردیں گے۔ نئے لوگ لائے جائیں گے اور وہ پھر ان

احکام کے مطابق عمل کریں گے اور اللہ تعالیٰ نئے لوگوں کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ اور سبب بنیں گے۔ اور اس بناء پر اللہ تعالیٰ ان کو سرخرو اور سربلند فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عاجز اور بے بس نہیں، ہرگز نہیں۔ وہاں بے بسی کا یا عاجزی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ بس ہماری آزمائش ہو رہی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں ہم کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں یا پھر ناکام رہتے ہیں۔

**مومن کا مقصد حیات:** ہر شخص اس دنیا میں کسی نہ کسی مقصد کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ کسی کے نزدیک یہ مقصد زندگی مثبت ہوتا ہے تو کسی کے نزدیک منفی ہوتا ہے۔ کوئی بھلائی کی خاطر جدوجہد کرتا ہے تو کسی کا مقصد و منشا محض اپنی خواہشات اور اغراض نفسانی ہوتی ہیں۔ زندگی تو سبھی گزار جاتے ہیں، مگر جو اچھے مقصد کے ساتھ زندگی گزار چکے ہوتے ہیں، دنیا انہیں اچھے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ اور جو لوگ منفی سرگرمیوں میں ملوث رہے ہوتے ہیں، لوگ انھیں برے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔ یہی قانونِ فطرت بھی ہے۔

لیکن ایک ہے انسان کا طے کردہ مقصد حیات اور ایک ہے کائنات کے خالق و مالک کا طے کردہ مقصد۔ اسلامی تعلیمات کی اصل قرآن و حدیث ہیں۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں انسان کا مقصد حیات اللہ عزوجل کی رضاء ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا انسان کے تمام مقاصد زندگی سے بلند و بالا اور مسلمان کی تمام عبادات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اللہ عزوجل کی رضاء کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر زندگی گزارنے والا انسان کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ ایسا آدمی ہر دم مستعد اور متحرک رہتا ہے۔ وہ خوشی اور کامیابی پر خدا کا شکر ادا کرنے والا اور تکلیف و ناکامی میں صبر کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی کیفیت کی جانب ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا کہ مومن کی ہر حالت اس کے لئے خیر ہی ہوتی ہے۔

چنانچہ جب آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاء کو بنا کر زندگی بسر کرتا ہے تو اس کی عبادت بھی ثواب کا ذریعہ بنتی ہے اور اس کی خلوت و جلوت بھی انعام خداوندی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ اگر خدا کے حضور سجدہ ریز ہے، تب بھی عابد ہے، اور اپنے بشری تقاضوں میں مصروف ہے تو بھی عابدین میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی سو فی صد زندگی ذکر میں شمار ہوتی ہے۔

مقصد حیات کا یہی وہ رتبہ ہے جو صرف باعلم و باعمل مسلمان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر ایک لمحہ وہ بھی آتا ہے کہ جب مومن کی نظر میں جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف بھی ہیچ ہوتا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کیلئے سب کچھ کرتا ہے۔ اسی کی خاطر جیتا ہے، اور اسی کی خاطر مرتا ہے۔

# طریق علاجِ لامذہبیت:

حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہٗ
(رئیس شعبہ دعوت وارشاد، جامعہ خیر المدارس)

عزیز محمد کاشف صاحب و جملہ احباب کرام وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مکتوب کاشفِ احوال ہوا، ”فتنہ لامذہبیت کی تردید کا جذبہ“ مبارک جذبہ ہے۔ کیونکہ یہ ترکِ تقلید تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ مگر ترکِ تقلید کے اسباب پر نظر کر کے ازالۂ سبب سے بیماری کے زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بندہ کے ذہن میں ترکِ تقلید کے درج ذیل اسباب ہیں :

(۱) غیر مقلدین کی صحیح حیثیت کا عوام میں واضح نہ ہونا۔
(۲) ترکِ تقلید کے بھیانک نتائج سے عوام کا ناواقف ہونا۔
(۳) عوام کی معاشی بدحالی۔
(۴) ایک مجلس کی تین طلاق کا کثیر الوقوع ہونا۔
(۵) جذبۂ اتباعِ سنت مع جہالتِ مفہوم سنت وحدیث۔
(۶) منازعت اہل الامر۔

ان میں سے ہر ایک کی کچھ تفصیل عرض کرتا ہوں :

**غیر مقلدین کی صحیح حیثیت کا عوام میں واضح نہ ہونا :** عوام بلکہ بعض خواص اکثر غیر مقلدین کو مجتہدین یعنی امام شافعی اور امام احمدؒ کا درجہ دیتے ہیں اور غیر مقلد اپنے آپ کو خدا یا رسول سمجھتا ہے۔ ہمارے بعض اکابر پر حسن ظن کا غلبہ ہے، وہ غیر مقلدین کو شافعی یا حنبلی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ شافعی حنبلی تو کیا ہوتے وہ تو نفسِ تقلید ہی کو ناجائز کہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد جونا گڑھی لکھتا ہے : ......... ”مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اپنے اماموں، فقیہوں، مجتہدوں کے اقوال وافعال پر اڑے ہوئے ہیں۔“ (سراجِ محمدی، صفحہ ۵)

کفار کے اتباعِ آباء والی آیت کے متعلق کہتا ہے : ........ ”یہ عمل کفار کا تقلیدی تھا جس کی مذمت قرآنِ پاک نے کی اور جسے شرک ٹھہرایا۔“ (سراجِ محمدی، صفحہ ۶) نیز لکھتا ہے کہ : ........ ”ہم اہل حدیث نہ تو حنفی، شافعی، نہ مالکی نہ وہابی نہ کچھ اور، صرف خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف حضور ہی کی پیروی اپنے اوپر فرض و واجب جاننے کے باعث ہم محمدی ہیں۔ بفضل خدا تقلید کی شومی سے ہم کوسوں دور ہیں۔ یہ پٹیاں ہماری آنکھوں پر نہ کبھی ہم نے باندھیں، نہ آپ باندھیں۔ یہ اندھے کی لکڑی اوروں ہی کے ہاتھ میں زیب دیتی ہے۔ ہمارے نزدیک جیسے حنفی، شافعی ویسے ہی وہابی۔ ہم ہر مقلد کو ایک ہی برادری میں گنتے ہیں خواہ وہ ابوحنیفہ کا مقلد ہو خواہ عبدالوہاب کا۔“ (سراجِ محمدی، صفحہ ۸)

نیز لکھتا ہے : ......... ”خدا کے فضل سے تقلید کے گھن سے جماعت اہل حدیث بالکل الگ تھلگ ہے۔“ (سراجِ محمدی، صفحہ ۸) اسی طرح تقلید کو ممنوع، پاؤں کی بھاری بیڑی، خوفناک ہتھکڑی اور گلے کا ناری طوق کہا ہے۔ (سراجِ محمدی،

صفحہ ۹) ''تقلید شرک فی الرسالۃ ہے'' کہ عنوان کے تحت لکھتا ہے : .......... '' منصب نبوت یہ ہے کہ ایک شخص کو مطاعِ برحق سمجھنا جو وہ کہے اسے بجالانا اور اس کے فرمان کی بجا آوری کو اپنے ذمہ واجب سمجھنا، حنفی امام ابوحنیفہؒ کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔'' (سراجِ محمدی، صفحہ۱۴)

نیز لکھتا ہے کہ : .......... ''قرآن فرماتا ہے : ........ ''ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله'' (شوریٰ:۲) مطلب یہ ہے کہ ''وحی خدا کے علاوہ کسی کی بات کو دین میں داخل سمجھنا اسے شریکِ خدا ماننا اور خود مشرک ہونا ہے۔'' (سراجِ محمدی، صفحہ۱۹) خود تقلید جبکہ بدعت ہے نہ حضرت کے زمانہ میں تھی نہ تابعین کے نہ ائمہ کے، پھر مقلدین کے بدعتی ہونے میں شک ہی کیا رہ گیا۔ (سراجِ محمدی، صفحہ۲۰)

ان عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ یہ لوگ نفسِ تقلید کو شرک کہتے ہیں، لہٰذا ان کو حنبلی یا شافعی کہنا ''توجيه القول بما لا يرضىٰ به قائله'' کے قبیل سے ہے،

جس طرح مریض کو ڈاکٹر کا درجہ دینا یا بدعتی کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا درجہ دینا درست نہیں اسی طرح غیر مقلد کو امام شافعیؒ یا امام احمدؒ کا درجہ دینا بھی غلط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذیشان ہے: ........ ''انزلوا الناس منازلهم'' (السراج المنیر، صفحہ ۱۹۱، جلد۲) یعنی ہر آدمی کے ساتھ دین، علم اور شرافت میں وہ معاملہ کرو جس کا وہ منصب رکھتا ہے۔ غیر مقلدین کا اپنے آپ کو خدا یا رسول سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فیصلہ اجتہادی مسائل میں خود کرتے ہیں اور عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ خدا یا رسول کا فیصلہ ہے۔ مثلاً رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی دونوں روایتیں ہیں۔ خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کہ رفع یدین والی حدیثوں کو ترکِ رفع یدین والی حدیثوں پر ترجیح دینی ہے۔ یا رفع یدین کی احادیث صحیح اور قابل عمل ہیں اور ترکِ رفع یدین کی احادیث ضعیف ہیں۔ یہ فیصلہ ان کا اپنا یا کسی محدث کا ہوگا۔ مگر یہ عوام میں اس کو خدا یا رسول کا فیصلہ باور کرواتے ہیں۔ گویا کہ اپنے آپ کو یا کسی امتی کو خدا یا رسول کہہ کر شرک فی التوحید یا شرک فی الرسالۃ کرتے ہیں۔ ہم ان مسائل میں سچ بولتے ہیں کہ ان اختلافی روایات میں ائمۂ مجتہدین نے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے فیصلے کو مانتے ہیں وہ حنفی بن گئے، جو امام احمدؒ یا امام شافعیؒ کے فیصلے کو مانتے ہیں وہ حنبلی یا شافعی ہیں۔ مگر یہ لوگ اپنے کسی امتی کے فیصلے کو مان کر اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں کہ گویا یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔

**ترکِ تقلید کے بھیانک نتائج سے عوام کا ناواقف ہونا** : ترکِ تقلید کا اکثر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جاہل آدمی کے دل میں اسلاف کی بدگمانی اور پھر بدزبانی پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں توفیقِ خیر بلکہ ایمان ہی سلب ہوجاتا ہے۔ اور آدمی دہریہ، منکرِ حدیث، اور مرزائی وغیرہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: ........ ''اہل حدیث نے فروعات میں قوم کی دیرینہ روایات کا جس طرح احترام نہیں کیا اور اس معاملے میں قوم کے سب سے بڑے عالم امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے طریق کو ترک کردیا ہے اس سے دو قابل ذکر نتیجے نکلتے ہیں جو دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے وہابی اہل الرائے پسند کرتے ہوں۔

## پہلا نتیجہ : ................

اصلاحی تحریک کے خلاف زبردست ردعمل اور بریلوی پارٹی کا آغاز ہے۔ (الخ) (موجِ کوثر، صفحہ ۷۰) اس کے بعد اہل قرآن کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ........''اہل حدیث جماعت کے جوش وخروش کا دوسرا نتیجہ طبقۂ اہلِ القرآن کا آغاز ہے اور اہل حدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مذہبی امور میں آزاد خیال اور عقل ورائے کے پابند ہیں۔ وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی تقلید سے آزاد ہیں۔ لیکن چونکہ وہ احادیث کی شدت سے پیروی کرتے ہیں اور بعض احادیث ایسی ہیں جن سے طریق کے متعین کرنے میں الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اس لئے کئی باتوں میں وہ عام مقلدین سے بھی زیادہ پابند نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ کئی طبیعتوں کو جو ڑنا جو آزاد خیالی تھیں فقط فقہاء کی تقلید سے آزادی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہی۔'' (موجِ کوثر، صفحہ ۷۰،۷۱)

آگے لکھتے ہیں : .......... ''اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہل حدیث تھا۔'' (موجِ کوثر، صفحہ۷۱) پھر شیخ صاحب لکھتے ہیں : .......... '' جس طریقے سے اہل حدیث ایک اہل قرآن کی منزل کے قریب پہنچ جاتا ہے اس کا اندازہ مشہور عالم اور مصنف مولانا محمد اسلم جیراج پوری کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ ان کے والد مولانا سلامت اللہ جے راجپوری سید نذیر حسین محدث کے شاگرد تھے اور اپنے علاقے کے سب سے بااثر اہل حدیث عالم اور واعظ تھے۔ ایک زمانے میں انہیں نواب صدیق حسن نے بھوپال بلایا اور رفتہ رفتہ ریاست کے تمام مدارس کے افسر ہوگئے۔ جن دنوں مولانا شبلی نعمانی پر حنفیت زوروں سے غالب تھی اور کہا کرتے تھے کہ ایک مسلمان عیسائی ہوجائے تو ہوجائے لیکن غیر مقلد کیسے ہوسکتا ہے؟ اس وقت مولانا سلامت اللہ جیراجپوری سے ان کی اس مسئلہ پر بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے سلسلۂ اہل حدیث میں منسلک تھے لیکن اب آپ کے جو خیالات ہیں ان کا اندازہ آپ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے، فرماتے ہیں : ..........''قرآن ہدایت کیلئے کافی ہے اور حدیثیں دین نہیں ہیں بلکہ تاریخ دین ہیں۔'' (موجِ کوثر، صفحہ۷۲)

نیز شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ : ......... ''اہل حدیث تقلید فقہاء کے قائل نہیں لیکن احادیث کے مطالعہ میں وہ بعض دفعہ قوتِ تنفیذ کو پوری طرح عمل میں

نہیں لاتے اور ضعیف اور موضوع احادیث کے رد کرنے میں بھی بڑا تامل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن اور احادیث کی ترجمانی میں وہ لفظی معانی پر اتنا زور دیتے ہیں کہ ان کے معانی کبھی کبھی سمجھ اور قرآن کے دوسرے بدیہی الفاظ سے دور جا پڑتے ہیں۔'' (موجِ کوثر، صفحہ ۲۷)

شیخ صاحب کی یہ بات واقعی درست ہے کہ حدیث پاک کے معانی کی تہہ تک غیر مقلدین نہیں پہنچتے پھر قرآن وسنت میں یا بعض احادیث کا بعض احادیث سے تعارض پیدا کرتے ہیں اور پھر منکر حدیث بن جاتے ہیں۔ اسی طرح سرسید کے بارے میں شیخ محمد اکرام صاحب فرماتے ہیں : ......... ''سرسید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کر رہے تھے جنہیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔'' (موجِ کوثر، صفحہ ۹۱) سرسید نے دوسری بے احتیاطی یہ کی : الفسٹن کی کتاب تاریخ ہند کا ترجمہ شائع کرتے وقت اس کتاب میں جہاں کہیں مصنف نے رسولِ اکرم کا ذکر کیا تھا وہاں آپ کے متعلق (عیاذاً باللہ) پیغمبر باطل کا لفظ لکھا تھا۔ سرسید نے بھی بلا کم وکاست یہ لفظ اسی طرح ترجمے میں لکھ دیا۔ (موجِ کوثر، صفحہ ۹۱)

ان (سرسید) کی سب سے زیادہ مخالف اس وقت ہوئی جب انہوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان خیالات کا اظہار کیا جنہیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے۔ مثلاً طیور منخنقه اہل کتاب کے کھانے کا جواز (یعنی یہودی عیسائی اگر پرندے کا گلا گھونٹ کا ماردیں تو وہ حلال ہے) اجنہ (جنات) کے وجود سے انکار، آسمانوں کے متعلق عام نقطہ نظر کی تردید حدیث تشبہ کی صحت سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد وخیالات کی تفصیل میں صرف کیا۔ (موجِ کوثر، صفحہ ۹۲)

سرسید کی تفسیر کے اقتباسات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہر اس دین کے مسئلے کا انکار کر دیا جو اس کی عقل میں نہیں آیا۔ تمام معجزات اور ضروریاتِ دین کا انکار کیا، یہ شخص بھی غیر مقلد تھا۔ چنانچہ شیخ اکرام صاحب لکھتے ہیں : ......... ''شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین کی نسبت کتابوں میں تصریح ہے کہ وہ آمین بالجہر اور رفع یدین پر عمل کرتے تھے۔ سرسید ان کے شاگرد تھے اور وہ بھی آخر تک ان سنتوں پر عامل رہے۔'' (موجِ کوثر، صفحہ ۶۵) شاہ مخصوص اللہ کی طرف رفع یدین کی نسبت مشکوک ہے کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ ان علاقوں میں رفع یدین کو فتنہ فرماتے تھے اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ بھی اس کو شورش کا سبب اور فتنہ کا سبب قرار دیتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ جیسے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے چند روز یہ عمل کیا پھر چھوڑ دیا انہیں دنوں میں شاہ مخصوص اللہ صاحبؒ نے کیا ہو، البتہ سرسید اس کا داعی رہا ہے جیسا کہ شیخ اکرام اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ سرسید ۱۸۹۵ء کے ایک خط میں یعنی اپنی وفات سے تین سال پہلے لکھتے ہیں : ......... ''میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہابی، دوسرے وہابی کربلا، تیسرے وہابی کریلا اور نیم چڑھا' میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں اور بجز حق حق میرے نزدیک ہو ذرہ برابر دریغ نہیں کرتا۔ جناب مولوی سید نذیر حسین دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر اس کو سنت ھدی جانتے تھے، میں نے عرض کیا نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال میں اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے لگے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔ گو ان پر لوگوں نے بہت حملے کئے مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے۔'' (موجِ کوثر، صفحہ ۷۰)

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اس بارے میں ایک سوال و جواب ذکر کرتے ہیں، ہم انہی کے الفاظ میں اس کو نقل کرتے ہیں۔

**عنوان : ............**

کیا چکڑالویت ، مرزائیت اور نیچریت وغیرہ مذاہب اہل حدیث کی شاخیں ہیں؟ اس کے تحت لکھتے ہیں : ....... ''پنجاب و ہندوستان میں نئے فرقے نیچری مرزائی چکڑالوی پیدا ہوئے تو قدیم فرقہ اہل حدیث کے حریفوں نے بے چارے اہل حدیث کو الزام دینا شروع کیا اور کہا

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

وہ کہتے ہیں کہ نیچری مذہب نکلا تو اس مذہب کو انہی لوگوں نے قبول کیا جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور بانی مذہب سرسید خود بھی اہل حدیث کہلاتا ہے۔ قادیان میں مرزا پیدا ہوا تھا اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نورالدین بھیروی جمونی اور مولوی احسن امروہی بھوپالی نے (Welcome) یا لبیک کہا۔ چکڑالوی مذہب میں مسجد چینیانوالی لاہور میں جو اہل حدیث کی مسجد ہے جنم لیا اور چٹو محکم الدین وغیرہ کے (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی گود میں نشوونما پایا اور یہی مسجد بانی مذہب چکڑالوی کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذاہب مذہب اہل حدیث کی شاخیں ہیں۔ اس الزام اور سوال مندرجہ عنوان کے جواب میں ہم بڑے دعویٰ اور بہت زور سے کہتے ہیں کہ یہ مذاہب باطلہ مذہب اہل حدیث کی شاخیں ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ کچھ تو پرانے مبتدعین، معتزلہ، خوارج وغیرہ سے اخذ کئے گئے ہیں اور کچھ یورپ کے ملاحدہ سے لئے گئے ہیں اور ان مذاہب کو ہندوستان و پنجاب کے جن لوگوں نے قبول کیا ہے ان میں درحقیقت ایک شخص بھی اہل حدیث نہ تھا۔ اگر کسی کو اہل حدیث ہونے کا دعویٰ تھا تو صرف زبانی طور پر یا برائے نام تھا جو آخر چھوڑا گیا اور اب چھوڑا جا رہا ہے۔

مذہب اہلِ حدیث ایک اثری اور سلفی مذہب ہے۔ جس کا اصول پیروی و اتباع اخبارِ سیدالمرسلین و آثارِ سلف صالحین ہے، پھر اس کو ایسے مذاہب جن کا اصل اصول صرف رائے اور عقلی ڈھکوسلے میں کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ سرسید کا مذہب اسلامی

دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدہ یورپ کے خیالات تھے۔ چند روز انھوں نے اہل حدیث کہلایا تو صرف اس مجبوری اور مصلحت کی وجہ سے کہلایا تھا کہ ڈاکٹر ہنٹر جیسے متعصب ونیچر انگریزوں نے اہل حدیث ہندوستان کو وہابی ٹھہرا کر گورنمنٹ کا باغی قرار دیا تھا۔ سرسید نے قومی حمیت کے جوش میں آکر ڈاکٹر ہنٹر کے رد میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں اہل حدیث کا باغی نہ ہونا بڑے زور سے ثابت کیا اور خود اہل حدیث ہونے کا مدعی بن کر گورنمنٹ پر ظاہر کیا کہ اہل حدیث ایسا وفادار فرقہ ہے جس کا ایک ممبر تو سرسید نے برملا دعویٰ کیا کہ میں نیچری، میرا باپ دادا نیچری وغیرہ وغیرہ۔ مرزا کے پیرومولوی جو کسی وقت اہل حدیث کہلاتے تھے وہ بھی برائے نام اہل حدیث کہلاتے تھے۔ (اشاعۃ السنۃ، جلد نوزدھم، ص ۲۵۱، ۲۵۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں، پھر جب مرزا پیدا ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ عقلی تاویل وتسویل میں وہ سرسید سے بڑھ کر چلتا پرزہ ہے تو مذہب اہل حدیث کو جس کی طرف بظاہر منسوب تھے خیر باد کہہ کر مرزائی مذہب میں داخل ہو گئے۔ (اشاعۃ السنۃ، نمبر ۸، جلد ۱۹، ص: ۲۵۳) نیز فرماتے ہیں، انہی کے چیلے چانٹے چکڑالوی کے مقلد ہیں، وہ محض جاہل اور کندہ ناتراش ہونے کی وجہ سے برائے نام بھی اہلِ حدیث کہلانے کے مستحق نہ تھے، نہ وہ حدیث کا علم رکھتے تھے، نہ کسی عقلی علم سے واقف تھے۔ وہ صرف علمائے اہل حدیث کی صحبت ومیل وپیروی سے پانچوں سواروں میں داخل ہو کر اہل حدیث کہلانے لگے تھے اور وہ درحقیقت وردو العامی لامذهب له یعنی عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ خود مذہب نہ رکھتے تھے بلکہ وہ پہلے علمائے اہلِ حدیث کے مقلد تھے اور پیچھے کو (جب ان کی بے باکیوں اور خودسریوں کی وجہ سے ان کے علماء نے ان کی سربراہی اور ان کی دستگیری چھوڑ دی) تو خاکی شاہ کی کتیا کی مانند چکڑالوی کے پیچھے ہو لئے اور وہ بھی مرزائیوں کی طرح اہل قرآن کہلانے لگ گئے اور اہل حدیث ہونے سے صاف منکر ہو گئے۔ (ایضاً اشاعۃ السنۃ ص: ۲۵۳، ۲۵۴)

**قارئین کرام!** ملاحظہ فرمائیں کہ یہ جواب ہے یا سوال کو تسلیم کر لینا کہ یہ لوگ کسی نہ کسی درجہ میں اہل حدیث بمعنی غیر مقلد یہ کوئی پرانا فرقہ نہیں، انگریز کے دور سے چلا ہے، جیسے اہل قرآن بمعنی منکر حدیث انگریز کے دور سے پہلے نہیں تھا۔ اصل سب بیماریوں کی جڑ ترک تقلید یعنی آزادی مذہب ہے جیسا کہ خود مولانا بٹالوی تحریر فرماتے ہیں: ......... ”حضرات! یہ مذہب سے آزدی اور خودسری وخوداجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر وبستی وکوچہ وگلی میں پھیل گئی ہے جس نے غالباً ہندو کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں رہنے دیا۔ حنفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا۔“ (اشاعۃ السنۃ، نمبر ۸، جلد ۱۹، ص: ۲۵۵)

## لامذہب لوگوں کا شرعی علاج :

اسی طرح اگر کوئی غیر مقلد بے روزگاری کی وجہ سے ایسے لوگوں کو غیر مقلد اپنی کوئی ملازمت دے دیتے ہیں وہ ملازمت کی وجہ سے غیر مقلد بنتے ہیں یا بیوی کو تین طلاق دینے کی وجہ سے غیر مقلد بنتے ہیں تو ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو ترغیب وترہیب کی روایات اور مضامین سنائے جائیں۔ جس سے دین کی ایسی وقعت پیدا ہو جائے کہ آدمی جان ومال، عزت وآبرو کو اہم سمجھے، اگر کسی اچھے شیخ سے رابطہ ہو جائے تو یہ بہت ہی اکسیر ہے ورنہ تبلیغ کے اصولوں کے مطابق کام کرنے سے بھی یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر اپنے علاقے کے اہل ثروت لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا جائے کہ آپ کو دکان، زمین یا کارخانہ میں ملازمین کی ضرورت ہو تو ایسے ملازموں کو رکھیں جو غیر مسلک کی طرف جا کر اپنا دین وایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ ان کے دین وایمان بچانے کا بھی ثواب ہوگا اور جو ملازمین کام کرتے ہیں ان میں دین کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے جس طرح باقی مسلکوں والے کوشش کرتے ہیں ہمارے دکاندار، کارخانہ دار اور زمین دار کوشش کریں۔ انشاء اللہ نتائج حوصلہ افزاء جلد ہی سامنے آجائیں گے۔ اسی طرح عوام کو سنت اور حدیث کا فرق بتایا جائے کہ حدیث منسوخ ہوتی ہے، سنت منسوخ نہیں ہوتی۔ حدیث عذر پر محمول ہوتی ہے، سنت اس جاری رہنے والے عمل کو کہتے ہیں جو ہر حالت میں اپنایا جائے گا۔ حدیث بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوتی ہے جیسے ایک وقت میں چار سے زائد بیویاں نکاح میں رکھنا، کہ امت کیلئے اس پر عمل حرام ہے۔ حدیث ضعیف بلکہ موضوع (جھوٹی) بھی ہوتی ہے، سنت چونکہ جاری عمل رہتا ہے اس میں وضع کا شائبہ نہیں ہوتا اسی طرح دنیا میں ہر فن میں اس کے ماہرین پر اعتماد ہوتا ہے مگر دین میں یہ اعتماد ختم ہو چکا ہے، اگر اسلاف سے یہ اعتماد اٹھ جائے تو صرف نماز ہی نہیں چھوٹے گی بلکہ احادیث کی کتب اور بقیہ پورا دین وغیرہ میں آخر یہ احتمال کیوں نہیں ہوگا اور یہ وجہ ہے کہ اسلاف سے بدگمانی کرنے والا بالآخر پورے دین سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

# طلبہ اپنے آپ کو آنے والے انقلاب کیلئے تیار کریں:

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

الحمدللہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین

اصطفٰی، اما بعد!

**عزیز طلبۂ کرام!**

یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر بہت کڑا وقت آیا ہوا ہے، مسلمان جگہ جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں اور جتنے بھی مسلم حکمران ہیں وہ سب کے سب دباؤ میں ہیں، اور اسی دباؤ کی وجہ سے بعض بدنصیب کبھی داڑھی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کبھی پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

## اسلام کی نشأۃ ثانیہ:

لیکن یاد رکھئے کہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو اخبارات، جرائد، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ یہ اوپر کا رخ ہے لیکن ان حالات وواقعات کی تہہ کے نیچے کچھ اور ہورہا ہے۔ جیسے سمندر کی لہروں کا ایک ظاہری انداز ہے، لیکن ان لہروں کے نیچے کچھ اور طوفان برپا ہوتے ہیں، جو سطح کے بالکل مخالف ہوتے ہیں بعض اوقات تو اوپر کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور نیچے پانی گرمی سے ابل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح حالات کی اوپر کی سطح میں مسلمان پسپا ہوا اور کمزور نظر آرہا ہے، لیکن اندرونی سطح، اللہ کی قدرت کاملہ سے ایک اسلامی انقلاب کے آنے کی خبر دے رہی ہے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ شروع ہو چکی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی، انقلاب کون لا رہا ہے؟ کیسے آرہا ہے؟ یہ سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں، یہ جنگی انقلاب نہیں بلکہ یہ ایک فکری، معاشرتی، اخلاقی انقلاب ہے، مقلب القلوب کا دلوں میں پیدا کردہ انقلاب ہے اور جہاں جہاں اسلامی جہاد ہو رہا ہے وہ بھی اس دینی انقلاب کا حصہ ہے۔

## یہ خوشگوار تبدیلی پچھلے پندرہ بیس سالوں سے آئی ہے:

پچھلے سال جون میں میرا اردن اور شام کا سفر ہوا۔ میرے ایک دوست جو دنیا میں بہت گھومے پھرے ہیں اور اچھے تجربہ کار ہیں، جب انہوں نے مجھ سے سنا کہ میں اردن اور شام جا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ وہ وہاں جا کر کیا کریں گے، وہاں تو بالکل مغربی تہذیب ہے، امریکی سیاست مسلط ہے، عورتوں میں پردہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ دور دور تک نظر نہیں آتا، فحاشی وعریانی کا دور دورہ ہے اور بالکل یہی بات ہم مصر کے بارے میں بھی سنتے تھے۔

اسی سال ہمارا جاپان اور امریکہ کا بھی سفر ہوا۔ اردن، شام اور ایران کے سفر بھی ہوئے اور اب سعودی عرب اور مصر کا سفر ہوا، ان تمام سفروں میں صورتحال سنی ہوئی باتوں کے بالکل برعکس نظر آئی اب تو وہاں ایک انقلاب سا آرہا ہے۔

جن مسلم ممالک کا اس سال سفر ہوا ان میں اول تو بازاروں میں عورتیں کم نظر آتی ہیں، اور جو نظر بھی آتی ہیں ان میں بھی پردے کا اہتمام ہے، جبکہ عرب ممالک کے بارے میں تو یہ بات مشہور تھی کہ وہاں خواتین پردے کا اہتمام نہیں کرتیں، لیکن یہ سب شہرت پرانی صورتحال کی بناء پر ہی ہے، ورنہ اردن میں، مصر میں، سعودی عرب میں، شام میں اور ایران میں اب عورتیں پردے میں نظر آتی ہیں، مساجد آباد ہیں، جن میں امام بڑی حد تک تعلیم یافتہ ہیں، تبلیغی کام بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ یہ تبدیلی پندرہ بیس سال میں آئی ہے ورنہ اس سے پہلے نہیں پتہ چلتا تھا کہ آپ اسلامی ملک میں آئے ہیں یا کسی مغربی ملک میں آگئے ہیں۔

**علم دین کی پیاس:** دین کی طلب کا یہ حال ہے کہ میں اردن اور شام میں سیاحت کیلئے گیا تھا لیکن احباب نے پکڑ لیا کہ آج فلاں جگہ بیان ہے اور کل فلاں جگہ اور باقاعدہ مجلسیں منعقد کی گئیں کہ پاکستان سے مفتی صاحب آئے ہوئے ہیں، اہم اہم مسائل ان سے پوچھیں گے۔

**اردن میں:** ایک دن عمان (اردن) میں باقاعدہ اعلان کر کے علمائے کرام کو جمع کیا گیا کہ اہم مسائل مفتی صاحب سے پوچھے جائیں گے، جمع ہونے والوں میں مرد بھی تھے خواتین بھی، مصنف بھی تھے، ادیب بھی عالم بھی تھے، قاری بھی اور بعض مفتی صاحبان بھی تھے۔ (الحمدللہ اردن میں یہ مشہور ہے کہ ہندوپاک کے علماء ٹھوس علم رکھنے والے صاحب کمال ہوتے ہیں) میں نے ان کو مجلس کے آغاز ہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنا دیا کہ "الحمدللہ میرے پاس ایک ایسا گر ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سن کر سب علماء جو حاضر تھے حیران رہ گئے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں، ایسا دعوٰی تو کسی نبی نے بھی نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ "اخبرنی عن الساعة" (قیامت کب آئے گی) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ "ماالمسؤل عنها باعلم من السائل" یعنی قیامت کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ ہر مشکل سے مشکل سوال کا جوب میرے پاس موجود ہے۔

تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ گر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا بتادوں گا اور جس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوگا کہہ دوں گا "مجھے نہیں معلوم" یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ یاد رکھئے "لا ادری" (مجھے نہیں معلوم) کہنے سے انسان کی عزت میں کمی نہیں آتی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لقنوا اصحابکم قول لا ادری" یعنی تم اپنے شاگردوں کو یہ کہنا سکھاؤ کہ "مجھے نہیں معلوم"

**شام میں:** تقریباً یہی حال شام میں تھا، وہاں تین دن قیام ہوا، وہاں کے علماء چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گذاریں، عوام میں بھی جس سے بات چیت کی نوبت آئی یہی محسوس ہوا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے، الفت و محبت، انکساری اور خوش اخلاقی کا مزاج ہے، اگرچہ خواتین میں پردے کا خاص اہتمام نہیں اور مرد اکثر داڑھی نہیں رکھتے لیکن بات بات پر ذکر اللہ، دعائیں اور درود شریف کی کثرت ان کی عادت ہے، مسجدیں آباد اور علماء کی عزت ہے، کچھ دینی مدارس بھی

ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں، وہاں بھی پندرہ بیس سال پہلے ایسی بات نہیں تھی، وہاں تبلیغ کا کام بنسبت اردن کے بہت کم ہے۔

**سعودی عرب میں:** سعودی عرب کا حال آپ حضرات کو معلوم ہے۔ وہاں تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اچھے خاصے معیار کی ایک حد تک لازم ہے۔ سب سے زیادہ اسلامی قوانین (سو فیصد تو نہیں) نافذ و رائج ہیں، وہاں عدلیہ شریعت کی پابند ہے جس کی وجہ سے آج وہاں امن وامان کا دور دورہ ہے، مال وجان عزت وآبرو غیرت وناموس محفوظ ہے۔

**مصر میں:** اسی طرح مصر کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سن رکھیں تھیں کہ وہاں میں ہم نے مصر کے دینی اداروں، مساجد، علمی حلقوں، بازاروں، بعض تفریح گاہوں اور عجائب گھروں وغیرہ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ جتنی باتیں سن رکھیں تھیں وہ سب کی سب سراسر غلط ہیں، حقیقت میں وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب مروت ہیں، مزاجوں میں شرافت وسادگی غالب ہے۔ قاہرہ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فحاشی اور عریانی کا مرکز ہے، وہاں جاکر دیکھا تو پتہ چلا کہ قاہرہ تو مسجدوں کا شہر ہے، نماز کے اوقات میں پورا شہر اذانوں سے گونج اٹھتا ہے اور ہر مسجد کے اندر خواتین کیلئے پردے کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام ہے، الحمد للہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، ان کے ذریعہ خواتین کا حال بھی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہا۔

قاہرہ میں جمعہ کی نماز ''جامع عمرو بن العاص'' میں پڑھنے کی توفیق ہوئی، یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے موسوم ہے، خطیب صاحب نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایسا بلیغ اور ایمان افروز خطبہ دیا کہ دل باغ باغ ہوگیا۔

ہمارے ساتھ جو ڈرائیور تھا اس نے بتایا کہ میرے تین بیٹے حافظ قرآن ہیں، حالانکہ اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی، ایک نوجوان جو بازار میں کھلونے بیچ رہا تھا، وہ کہنے لگا کہ آپ نے یہاں اسلام کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا جیسا سنا تھا اس سے بہتر تو وہ کہنے لگا کہ ہم اپنے اعمال میں اسلام کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں، دعا کریں کہ ہم اچھے مسلمان بن جائیں اور اسلام کا بول بالا ہو، اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس دوکاندار یا ڈرائیور یا مزدور یا ہمسفر سے بات کرو تو اولاً تو آپ کے اور اس کے درمیان دیر تک دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہے گا، دورانِ گفتگو وہ بات بات پر ایک دوسرے کو دعائیں دینے کے عادی ہیں، عموماً ان کی تقریباً ہر بات اللہ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ مصر میں اکثریت نماز کی پابند ہے برخلاف پاکستان کے، کہ یہاں نمازوں کے اوقات میں اکثر حضرات بازاروں، ہوٹلوں، کیفوں وغیرہ میں ہوتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

''جامع الازھر'' جو ''جامعۃ الازھر'' کے زیر انتظام ایک جامع مسجد ہے، ہم نے مغرب کی نماز وہاں ادا کی، امام صاحب جید قاری تھے مگر ملاقات ہوئی تو داڑھی صاف تھی، ہمارے ایک تبلیغی ساتھی نے جو سعودی عرب سے ہمارے ساتھ آئے تھے، عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ یہاں داڑھی کم نظر آتی ہے، کیا حکومت کی طرف سے پابندی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، لوگ خود ہی نہیں رکھتے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم سے انہوں نے ہدایت کی دعاؤں کی درخواست کی اور عرب روایات کے عین مطابق ہم نوواردوں کو مہمان نوازی سے نوازا۔

حیرت ناک بات تھی کہ مصر میں خواتین کی بھاری اکثریت ہر جگہ برقع میں نظر آئی، اور جو بغیر برقع کے ہوتی تھیں تو ان کا بھی پورا بدن ڈھکا ہوتا تھا صرف چہرہ اس طرح کھلا ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کان، بال اور گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، مجھے تو کم از کم کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، کچھ خواتین بے پردہ تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہوتی، جو بھی بے پردہ خواتین ہیں یا تو وہ عیسائی ہیں یا یہودی، قاہرہ کے مشہور عالم دین ہمارے دوست جناب حسن الشافعی نے بھی یہی بات بتائی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں یہ پردہ اور یہ تبدیلی بیس پچیس سال سے آئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے یہاں تمام برائیاں عام تھیں، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے آئی؟ کہنے لگے یہ معلوم نہیں، بس اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تبدیلی آئی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر اسلام کا غلبہ اور دین کی طرف میلان ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلانی جماعت سے یہ تبدیلی آئی ہے اور یہی کیفیت ایک اسلامی انقلاب آنے کی دلیل ہے۔

**غیر مسلم ممالک میں:** امریکہ میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ امریکی صدر نے بھی تسلیم کرلیا کہ امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے، تقریباً ۴۰ رسال پہلے امریکہ، جاپان، چین اور یورپ وجنوبی افریقہ وغیرہ میں کوئی عورت برقع میں نظر نہیں آسکتی تھی لیکن اب الحمد للہ ہم وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ برقع عزت وشرافت کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

## اس انقلاب کو رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے:

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب جو آرہا ہے اس کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس رہنمائی کیلئے آپ طلبہ کو تیار ہونا ہے، غیر مسلم ممالک میں اس دینی انقلاب کی رہنمائی کیلئے باعمل اور باکردار علمائے دین کی شدید ضرورت ہے، اگر کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو یہ انقلاب نہیں بلکہ زمین میں فساد ہوگا۔ اب ضرورت اس انقلاب کو سنبھالنے، اور منظم کرانے کی ہے، صحیح رہنمائی اور صحیح قیادت کی بھرپور ضرورت ہے تاکہ یہ انقلاب خیر کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، ظلم کا خاتمہ کرکے عدل وانصاف فضا کو قائم کرے۔

## رہنماء بننے کیلئے رہنمائی اور تربیت لینے کی ضرورت ہے:

یاد رکھئے کوئی عالمگیر اسلامی تحریک محض کسی ایک فرد کا کارنامہ نہیں ہوا کرتی،

قائد محرک و رہنما ضرور ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ باصلاحیت مخلصین کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا اور ان کو منظم کرتا ہے، عالم اسلام کو اس وقت صحیح قیادت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ باصلاحیت اور باکردار مخلصین کی ایک بڑی جماعت کی بھی ضرورت ہے مگر اس کیلئے تیاری کی ضرورت ہے، اب صلاحیت پیدا کئے بغیر ہر ایک امام بننا چاہتا ہے مقتدی بننے کیلئے کوئی تیار نہیں، جس سے قیادت تو کیا سامنے آتی، نزاعات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اس لئے قیادت کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مقتدی بننے کی ضرورت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ "لن یصلح آخر هذه الامة الا ماصلح به اولها" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سب سے پہلے صبر و تقویٰ اختیار کیا اور ۱۳ رسال تک تلوار نہیں اٹھائی، بلکہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا، مشکلات سہنے کی طاقت تیار کی، عدل و انصاف اور عبدیت اپنے اندر پیدا کی، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دلوں میں بٹھائی، جب اس تیاری کے بعد تلوار اٹھائی تو دنیا میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ تلوار معاشرہ کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں تھی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان احد میں اعلان فرمایا تھا کہ میری تلوار اس شخص کو ملے گی جو یہ وعدے کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ آخر یہ تلوار حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو ملی کہ اس سے عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور بے گناہ لوگ محفوظ رہیں۔

عزیز طلبہ! ان مذکورہ صفات سے متصف ہو کر اپنے آپ کو اس آنے والے انقلاب کیلئے علمی اور اخلاقی طور پر مکمل طور سے تیار کرو، اور باہمی اتحاد و اتفاق کی عادت ڈالو۔

## انکساری، حسنِ اخلاق اور نرم مزاجی اختیار کرو:

حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا، اتحاد تو تواضع کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور نرمی کو بیان کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا: "لَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج سخت ہوتا تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر منتشر ہو جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق اور نرمی و رافت سکھلائی اور فرمایا کہ (بعثت لأتمم مكارم الأخلاق) یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کو عملاً کر کے دکھایا اور صحابہ کرامؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ "یسرا ولا تعسرا، بشراً ولا تنفرا" یعنی تم لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا مشکل برتاؤ نہ کرنا، ان میں شوق پیدا کرنا انہیں بیزار نہ کرنا۔

ان صفات کے بغیر آپ امت میں اتحاد اور یک جہتی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اپنے اندر حصولِ علم اور اس میں رسوخ کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی پیدا کرو، خود کو مقتدی (فرماں بردار) بناؤ، پھر امت خود ہی تم میں سے باصلاحیت قیادت کا انتخاب کر لے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

## آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد:

از : جناب محمد بدیع الزماں صاحب
پھلواری شریف، پٹنہ

اس مضمون کا عنوان "بال جبرئیل" کی نظم "آزادیٔ افکار" کے درج ذیل شعر کا ایک مصرعہ ہے۔

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

شیطان کا نام قرآن میں ابلیس یعنی ناامیدی اور مایوسی کے معنوں میں رکھا گیا ہے۔ اس نام میں یہ معنی پوشیدہ ہے کہ مایوسی اور نامرادی کی وجہ سے اس کا زخمی تکبر اس قدر برانگیختہ ہو گیا کہ وہ ہر بازی کھیل جانے اور ہر جرم کا ارتکاب کر گزرنے پر تل گیا۔ یہ غلط فہمی کہ ابلیس فرشتوں سے تعلق رکھتا تھا عام طور پر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۶۱ رکو صحیح طور پر نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے مگر سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ راس غلط فہمی کو دور کر کے یہ بتاتی ہے کہ وہ فرشتوں سے نہیں بلکہ قوم جن سے تعلق رکھتا تھا اور اسی لئے اس نے سرکشی کی ورنہ فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ حکم عدولی کریں۔

جن بھی انسانوں کی طرح ایک ذی اختیار مخلوق ہے جسے انسان کی طرح پیدائشی فرماں بردار نہیں بنایا گیا ہے بلکہ کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت دونوں کی قدرت بخشی گئی ہے۔قرآن کے مخاطب صرف انسان ہی نہیں بلکہ جیسا سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹، سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۸اور سورۃ الرحمٰن کی آیات ۳۳اور ۵۶ سے ظاہر ہے اس کے مخاطب جن اور انسان دونوں ہیں۔ یہ کہ جن انسان کی طرح مخلوق ہیں اس کی مزید تصدیق سورۃ النمل کی آیت ۱۷ سے ہوتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کیلئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے۔ یہ کہ جن بھی قرآن سنتے ہیں اس کا ذکر سورۃ الاحقاف کے رکوع ۴ میں وارد ہوا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ایک موقع پر وادیٔ نخلہ میں جہاں حضورؐ قیام پذیر تھے خدا جنوں کے ایک گروہ کو قرآن سننے کو لے آیا تھا، جس کی خبر آپ کو بعد میں وحی کے ذریعہ دی گئی۔ جنوں نے آپ کی تعلیمات سن کر اپنی قوم کے لوگوں میں جا کر توراۃ کے بعد قرآن کے نازل ہونے کی تصدیق کی اور انہیں رسول اللہ کی دعوت قبول کر لینے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کی۔ جنت میں نیک انسانوں کی طرح نیک جن بھی داخل ہوں گے۔ جس طرح انسان مردوں کیلئے انسان بیویاں ہوں گی (سورۃ الواقعہ ۳۵ تا ۳۷) اسی طرح جن مردوں کیلئے جنت میں جن بیویاں ہوں گی۔ (سورہ الرحمٰن، آیت:۵۶)

ابلیس کسی مجرد قوت کا نام نہیں بلکہ انسانوں کی طرح ایک صاحب تشخص ہستی ہے۔ اس لئے قرآن میں شیطانِ جن اور شیطانِ انس دونوں کا ذکر وارد ہوا ہے کیونکہ بغاوت اور سرکشی دونوں کی فطرت میں داخل ہے۔ ابلیس اصطلاحاً شر کا ترجمان ہے اس لئے کہ اس نے راندۂ درگاہ ہوتے وقت اپنے اس عزم کا اعادہ خدائے تعالیٰ کے سامنے کیا تھا جو سورۃ الحجر کی درج ذیل آیات ۳۹اور ۴۰ میں وارد ہے:

''میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کیلئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہے۔''

''یہ راستہ جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں پر ہی چلے گا جو تیری پیروی کریں، اور ان سب کے لئے جہنم کی وعید ہے۔''

اقبال نے اپنے کلام میں ابلیس کا کردار مختلف طریقے سے اور مختلف مواقع پر تفصیلی طور پر پیش کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک خدا اور انسان کے علاوہ تیسری شخصیت ابلیس ہے اور وہ اسے صاحب تشخص قرار دیتے ہیں۔ اپنی زندگی کے بالکل آخری سالوں میں انہوں نے ایک کافی طویل نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' لکھی جو ان کے آخری اردو مجموعۂ کلام ''ارمغان حجاز'' میں شامل ہے جس میں انہوں نے اپنے وقت کے مسلمانوں کے قول و فعل کے تضاد اور اس عمل میں ابلیس کی کارگزاریوں کو جامع طور پر پیش کر کے غور و فکر کی دعوت دی ہے اور جو آج بھی دیتی ہے۔

''ابلیس'' کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں درج ذیل اشعار ہیں:

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست — باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

(''بال جبریل''، ''ابلیس کی عرضداشت'')

تری حریف ہے یا رب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

(''ضرب کلیم''، ''سیاست افرنگ'')

ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

(''ضرب کلیم''، ''جمعیت اقوام'')

کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد — جسکے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوز دروں

(''ارمغان حجاز''، ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'')

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

(''ارمغان حجاز''، ''بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو'')

اقبال نے ''ابلیس'' سے ''ابلیسی'' کی اصطلاح بھی وضع کی ہے۔ اس اصطلاح سے انکی مراد ایک ایسا نظام ہے جو سیاسی، معاشی، تمدنی، ثقافتی اور دینی معاملوں میں شر کا پروردہ ہو۔ اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر ''ارمغان حجاز'' کی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

''ابلیس'' اور ''ابلیسی'' نظام پر اقبال کی خصوصی نظمیں ''بال جبرئیل'' میں ''جبرئیل و ابلیس'' اور ''ابلیس کی عرضداشت'' ہیں۔ ''ضرب کلیم'' میں نظم ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' ہے اور ''ارمغان حجاز'' میں ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' ہے۔

اقبال نے ''عزازیل'' کو بھی اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔ عزازیل عربی زبان میں ابلیس کو کہتے ہیں۔ اس سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر ''بال جبریل'' کی نظم ''ابلیس کی عرضداشت'' میں ہے۔

کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے — پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک

# متفرقات

## کیا کنفیوشس نبی تھا؟

مولوی رفیق احمد بالاکوٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام، عقیدہ نبوت و رسالت سے متعلق
کیا کسی غیر پیغمبر کو اس کی اخلاقی تعلیم و تربیت کے اعتبار سے نبی یا رسول کہہ سکتے ہیں؟ مثلاً چینی مذہب کی تاریخ میں ایک شخص گزرے ہیں جن کا اصل نام کنگ چیو (Kung Chiu) تھا جو کنفیوشس کے نام سے مشہور تھا۔ جو اندازاً ۵۵۱ر قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ محکمہ مال اور پولس میں ملازم رہا، وزیر عدالت بھی رہا، شادی بھی کی اور بیوی کو طلاق دی، شاعری اور موسیقی سے بے انتہا شغف تھا، اپنے رسوم و رواج کا سخت پابند تھا، والدہ کی وفات پر ۲۷ ربرس تک مسلسل سوگ منایا، وغیرہ وغیرہ۔ کنفیوشس سے متعلق یہ تمام معلومات غیر مستند اور تاریخی ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ

(۱) کیا فقط کوئی بھی شخص اچھے اخلاق کی بناء پر پیغمبر ہوسکتا ہے (۲) کیا شاعری اور موسیقی پیغمبرانہ صفات سے متصادم نہیں؟ (۳) کیا گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہا جاسکتا ہے؟ (۴) کیا حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور کنفیوشس کی تعلیمات کا موازنہ کرنا درست ہے؟ (۵) کیا اس قسم کے من گھڑت یا ظنیات پر مبنی عقیدے سے انسان توہینِ رسالت کا مرتکب نہیں ہوتا؟ (۶) ایسے شخص کی شریعت میں کیا سزا مقرر ہے جو کسی عام انسان کو نبی یا رسول ثابت کرنے کی کوشش کر کے مراعات حاصل کرے؟

آپ حضرات سے ہمدردانہ درخواست ہے کہ آیا اس عنوان ''کنفیوشس اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات وافکار کا تقابلی جائزہ'' پر تحقیق اور ثابت کرنا کہ واقعی کنفیوشس نبی تھا، کس حدتک درست ہے، کیوں کہ بعض روشن خیال واسکالرز صرف اور صرف چند ٹکوں کیلئے صحیح عقیدہ نبوت کو خراب کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ قرآن وسنت اور قانونِ شرعیہ کی روشنی میں اس اہم مسئلہ میں میری رہنمائی فرمائیے۔

والسلام مع الاحترام

سارینہ خان ریسرچ طالبہ، حبیب جنرل اسٹور، لالہ زار کالونی، پشاور یونیورسٹی کیمپس پشاور

## الجواب باسمہ تعالیٰ

(۱) اچھے اخلاق پیغمبرانہ تعلیمات کا نتیجہ، اثر اور حصہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبیوں میں سے کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کی تعلیمات، اعلیٰ انسانی اقدار اور مثالی اخلاق پر مبنی نہ ہوں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پیغام، فطرت انسانی کا محافظ اور نگہبان ہوتا ہے، اگر کوئی انسان فطری وطبعی طور پر اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو تو اسے انسانی فطرت کا مونس اور سلیم الطبع انسان تو یقیناً تسلیم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں سمجھا جاسکتا کہ ان اچھے اوصاف کے حامل افراد کو پیغمبری کے مرتبہ پر فائز کیا جائے، جیسے عیسوی دور نبوت اور آخری شریعت کے درمیانی عرصہ میں عیسوی تعلیمات انسانوں سے اوجھل ہوچکی تھیں، اس کے باوجود بنی اسرائیل کے علاوہ بنو اسمٰعیل میں اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل شخصیات موجود تھیں، مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب میں تقریباً سب ہی ایسی برگزیدہ ہستیاں گزری ہیں جن کے کریمانہ اخلاق کے اپنے اور پرائے سب معترف تھے، لیکن انہیں ان اوصاف کے باوجود کسی نے نبی نہیں قرار دیا، بلکہ ان کے علمی معیار کی پسماندگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنی تعلیمات کے محرف شدہ ہونے کے باوجود عرب قوم (بنو اسمٰعیل) کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ شمار ہوتے تھے، ذرا غور فرمائیے کہ اخلاق حسنہ اپنی حقیقت میں مکمل ہونے کے باوجود اپنے حامل کو تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتے تو نبوت وپیغمبری کے مقامِ رفیع کیلئے زینہ کیوں کر بن سکتے ہیں؟

(۲) شاعری اور موسیقی قطعاً پیغمبرانہ صفات کے منافی ہیں، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعر سکھائے اور نہ شعر گوئی آپ کیلئے مناسب ہے، قولہ تعالیٰ: **وما علمناه الشعر وما ینبغی له ......الآیة** (یٰسین:۶۹)

(۳) گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول نہیں کہا جاسکتا:

**الف-** اس لئے کہ کسی بھی شرعی یا مستند تاریخی روایت میں ان کے پیغمبر یا نبی ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے، حالانکہ متداول مذہب اور نظریہ ہونے کے ناطے یہ ضروری تھا کہ یہود ونصاریٰ وغیرہما کی طرح ان کے بارے میں بھی کوئی تصریح موجود ہوتی۔

**ب-** قرآن وحدیث میں جتنے پیغمبروں یا ان کی تعلیمات کا ذکر آیا ہے ان سے بنیادی طور پر چند اصولِ دین مستفاد ہوتے ہیں یعنی ایسے معتقدات جو تمام آسمانی شریعت اور ہر نبی کی تعلیم میں متفقہ طور پر پائے جاتے رہے ہیں، ان معتقدات میں توحید، رسالت، بعث بعد الموت اور قیامت سرفہرست ہیں۔

**توحید:** کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ بندگی اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی، اس کی عبادت اور اس کے اختیارات میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

**رسالت:** کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی عام مخلوق کے درمیان رابطہ اور واسطہ کا ایک مرتبہ ومقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی باکمال شخصیات کو فائز کرتا ہے جو ہر قسم کے جسمانی، روحانی اور اخلاقی عیوب سے طبعی اور خلقی طور پر پاک ہوتی ہیں، مخلوقِ خدا کی رشد وہدایت کے علاوہ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ سابقہ جماعت انبیاء کی تصدیق اور تائید کرنے والے ہوتے تھے مثلاً روئے زمین میں تادیر متداول ہونے والے ادیان میں سے یہود ونصاریٰ کی اپنے وقت کی اصل تعلیمات اور دین اسلام کا باہمی علاقہ واضح مثال ہے یعنی یہود ونصاریٰ کی اصل کتابوں میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئی موجود تھی، خود قرآن کریم نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے، اسی طرح دین اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی تصدیق وتائید فرمائی ہے۔

**بعث بعد الموت:** کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد قبر کے راستہ سے انسان ایک دوسرے جہان میں داخل ہوجاتا ہے جسے برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہاں بھی انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے، بالآخر ''برزخ'' کا یہ عرصہ بھی ختم ہوگا اور پوری انسانیت کو ان کے مدافن ومقابر سے اٹھایا جائے گا اور پھر ان کے دنیاوی اعمال کا حساب وکتاب ہوگا اور انسانیت دو حصوں میں تقسیم ہوگی، ایک حصہ دوزخ میں اور دوسرا حصہ بہشت میں جائے گا، دوزخ اور بہشت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے، وہاں فنا بھی فنا ہوجائے گی انہی مراحل پر بعث بعد الموت اور قیامت کا اطلاق ہوتا ہے، اگر اس پیغمبرانہ اصول اور مزاج کو دیکھا

جائے تو گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک تاریخی روایات کے مطابق تقریباً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادوار میں گزرے ہیں، لیکن تورات اور انجیل اسی طرح خود قرآن کریم ان کے تذکرہ سے خاموش ہے، اس کے علاوہ کوئی اور استنادی واسطہ بھی نہیں ہے جس سے ان کا نبی یا رسول ہونا معلوم ہو سکے، بلکہ ان میں سے بعض کی تعلیمات انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے مشابہ تو کیا بالکل متصادم نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر ''کنفیوشس'' کے خدائی تصور میں ہندومت والا تعدد پایا جاتا ہے اور آباء واجداد کی روحوں کی عبادت اس مذہب کی اساسیات میں شامل ہے۔

ہاں جہاں ان کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام انسانوں سے مختلف فکر وعمل کے حامل تھے، ان کی تعلیمات بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی مشتمل تھی، انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اخلاقی گراوٹ، معاشرتی بگاڑ اور خواہشات میں مبنی مصائب سے نجات دلانے کیلئے اپنے آپ کو نجات دہندہ ظاہر کیا اور قوم کی فلاح و کامیابی کیلئے اپنے خیال کے مطابق حکیمانہ فلسفہ پیش کیا تھا، یہ فلسفہ بنیادی طور پر چونکہ اچھائیوں کی تلقین، برائیوں سے دوری، تقشف، عفو ومحبت اور ریاضتِ نفس پر مبنی تھا اور سارے خصائل فطری طور پر قابل عمل اور لائقِ ستائش ہیں، اس لئے ان لوگوں کے فلسفوں کو کلی طور پر مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے وقت میں اپنی قوم کے حکیم و فلسفی تھے، بلکہ یوں کہنا ہی قرینِ احتیاط ہوگا کہ ان کا مرتبہ مصلح قوم، حکیم و فلسفی کی حد تک مسلم ہے، جیسا کہ حضرت لقمان حکیم جن کا قرآنِ کریم میں تذکرہ موجود ہے، وہ بھی فطری اصولوں پر مبنی فلسفہ وحکمت کے حامل تھے، بعض لوگوں نے ان کے نبی ہونے کی رائے دی ہے، مگر معتمد نصوص سے تائید نہ ملنے کی بناء پر احتیاط پر مبنی قول یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ضرور تھے، ان کی تعلیمات، نصائح اور مواعظ درست بھی تھے، مگر ان صفات کی بناء پر انہیں نبی نہیں کہیں گے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے فلسفہ کے درست ہونے سے اس کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے ''گوتم بدھ'' ''زرتشت'' اور ''کنفیوشس'' کی تعلیمات کے اچھے پہلوؤں سے ان کی نبوت ورسالت ثابت کرنا صحیح نہیں کہیں گے۔

پھر خصوصاً موجودہ دور میں تو اس گروہ کے پاس ان کے اصل فلسفے اور اصل تعلیمات کا وجود ہی باقی نہیں رہا، بلکہ ان لوگوں کی وفات کے متصل ہی ان کی تعلیمات سے روگردانی اور حذف ومسخ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، چنانچہ اس وقت بلا مبالغہ ''بدھ مت'' عیسائیت کے باطل نظریات کی حامل ہے ''زرتشت'' ''مجوسیت'' کے علمبردار اور ''کنفیوشسیت'' تقریباً پوری طرح ہندوازم کی تصویر پیش کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ سورج، چاند، ستاروں، بادلوں اور پہاڑوں وغیرہ کا الگ الگ خدا ماننے کے قائل ہیں اور اپنے ہر اہم مقام پر مخصوص ذمہ داری کیلئے علیحدہ علیحدہ خدا نصب کرنے کے قائل

ہیں۔ (الملل والنحل ومذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

(۴) حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور ''کنفیوشس'' کی تعلیمات کے درمیان موازنہ کرنا تین بنیادی وجوہ سے باطل ہے:

۱ - یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کا نبی ہونا پوری انسانیت میں ایک حقیقت اور معروف ومسلم ہے، گو کچھ لوگ آپ کی تعلیمات مانتے ہیں اور کچھ اعراض کرتے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کرتا، جبکہ کنفیوشس کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ صرف ایک محض وہم وظن کے درجہ میں ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہے، اگر یوں کہا جائے تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کیلئے ''نبوت'' کی اصطلاح کا استعمال ''تقابل ادیان'' و ''مقارنۃ الادیان'' کے سلسلے کے قیام کے بعد شروع ہوا ہے، ورنہ ان کے پیروکار تو اس اصطلاح سے بھی بے بہرہ تھے، الغرض نبی اور غیر نبی میں موازنہ محال ہے۔

۲ - یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ''وحی الٰہی'' سے ہونا حتمی طور پر ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک قول وفعل وحی الٰہی کی روشنی میں صادر ہوا ہے، اس کے برعکس ''کنفیوشس'' کی تعلیمات کے بارے میں وحی یا الہام ہونے کا مؤقف اختیار کرنے کی کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ حقیقت واصلیت کے شفاف آئینہ میں صرف یہ دکھائی دیتا ہے کہ ان کی تعلیمات خود تخلیقی فلسفہ پر مبنی ہیں اور وہ فلسفہ اپنی بعض بنیادوں کی رو سے فطری اصولوں سے ہم آہنگ بھی تھا، مگر ان کا وحی یا الہام ہونا موہوم ومشکوک ہے۔

۳ - تیسری اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات با قاعدہ سلسلہ سند سے ثابت ہیں، آپ ﷺ کے ایک ایک قول، ارشاد اور ہدایت کو باوثوق ذرائع سے نقل کرانے کا جو اہتمام ہوا ہے، یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے، آپ کے ایک ایک قول وعمل کو کئی کئی صحابہ نے نقل کیا پھر صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین وتبع تابعین نے جماعت در جماعت نقل کیا، اگر کہیں پر کسی راوی سے طبعی و بشری طور پر کوئی ''چوک'' ہوئی تو اس کی نشاندہی اور وضاحت بھی لازمی طور پر فرمائی گئی جو ''جرح و تعدیل'' کے نام سے مستقل فن کی حیثیت سے ہمارے ہاں معروف ومتداول ہے۔ آج اگر حضور ﷺ کی طرف منسوب کسی قول وعمل کے بارے میں جانچ پرکھ کی حاجت محسوس ہوتی ہے تو بآسانی درایتی وروایتی معیاری پر پڑتال کر کے حضور ﷺ کی طرف منسوب قول وفعل کی حقیقت معلوم کر لی جاتی ہے۔

اس کے برخلاف ''کنفیوشس'' کی تعلیمات کا کوئی سلسلہ سند ہے ہی نہیں، چہ جائیکہ معتبر ہو، کوئی بھی دیانتدار طبقہ، منصف مزاج حلقہ ان کی تعلیمات کے مستند ہونے کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ یہ اعتراف بھی کرے گا کہ ''کنفیوشس'' (کنگ چیو) کی تعلیمات محض ظنیات اور توہمات پر مبنی ہیں، ان کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ایک مستند اور غیر مستند کے درمیان موازنہ بالکل سیاہ وسفید کے درمیان

موازنہ کی مانند نہیں تو اور کیا ہے؟

(۵) اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت سب سے افضل و برتر ہے پھر انبیائے کرام علیہم السلام میں امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ سب سے افضل ہیں، یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بعد مخلوق میں حضور اکرم ﷺ افضل ہیں، کسی بھی نبی مرسل کو آپ ﷺ کے ہم پلہ قرار نہیں دیا گیا۔

اسی طرح کسی نبی کی تعلیمات کو آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرح نہیں کہا گیا تو کیا مجال ہے کہ کسی ''موہوم فلسفہ'' کے حامل فرد یا اس کے ''فلسفہ'' کو حضور ﷺ یا ان کی تعلیمات کے ہم پلہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، یہ عقیدہ، عقیدۂ رسالت کے منافی ہے اور عقیدۂ رسالت سے انحراف جہاں ایمان کے منافی ہے، وہاں منصبِ رسالت کی توہین بھی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی غیر نبی کو نبی کہنا، ماننا اور باور کرانا گویا اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی اور افتراء بازی ہے، کیوں کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا لوگوں میں تشہیر کرتے ہیں کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نبی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہوا، ایسے افراد قرآن کریم کی رو سے عام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہیں قولہ تعالیٰ:

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا (یونس:۱۷)

یعنی اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے۔

(۶) جو شخص عام انسان کو نبی یا رسول ثابت کرنے کی کوشش کرے، وہ اسلامی تعزیر کا مستحق ہے، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ حکومتِ وقت اس شخص کو عمر قید کی سزا دے یا اس کے شکوک وشبہات دور کر کے سچی توبہ کروا کر پھر آزاد کرے۔ اگر پھر بھی وہ شخص اپنے ''باطل نظریہ'' سے باز نہ آئے تو حکومت تعزیراً اسے قتل بھی کر سکتی ہے تاہم ٹھوس شواہد کی موجودگی شرط ہے۔

الغرض جو لوگ ''کنفیوشس اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت وتعلیمات و افکار کا تقابلی جائزہ'' پر تحقیق کر کے ''کنفیوشس'' کو نبی ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں انہیں اپنے عقیدہ اور آخرت کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ خدانخواستہ لغزش کھا کر غیر نبی کو نبی بنانے کی کوشش میں کہیں نبی اکرم، شفیع اعظم ﷺ کی امت میں ہونے کے شرف سے محروم نہ ہو جائیں اور ہمارے مسلمان روشن خیال طبقہ کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ ڈیڑھ دو ہزار سال پرانے خود تخلیقی فلسفہ کے حامل افراد کو نبی ثابت کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ ہم آقائے نامدار ﷺ کے دامنِ شفاعت سے چمٹ کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راست یابی سرمایہ کا گراں مایہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

| کتبہ | الجواب صحیح |
|---|---|
| رفیق احمد بالاکوٹ | محمد عبدالمجید دین پوری |

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

# آزادی میں علماء اور مدارس کا کردار:

شارق خان (بی یو ایم ایس)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا، تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی ہم اپنی آزادی کی خوشی منا رہے ہیں اس موقع پر میں آزادی میں ہمارے علماء اور مدارس کے کردار پر کچھ باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

۱۸۵۷ میں ایک غیر منظم جنگ آزادی کے لیے لڑی گئی مگر یہ ناکامیاب ہوگئی اور اس میں حصہ لینے والے چونکہ زیادہ مسلمان ہی تھے اس لیے انکو ہی زیادہ نقصان پہونچا جائدادیں ضبط ہوگئی، کالا پانی بھیجے گئے اور مسلمانوں کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا = جامع مسجد اکبری مسمار کردی گئی اور وہاں ایک سڑک نکال دی گئی اس کے بعد کچھ جمود وسکوت طاری رہا انھیں حالات کے پیش نظر ۱۸۶۷ میں دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد پڑی جس میں مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حاجی عابد علیؒ پیش پیش تھے دیوبند کے بعد دوسرے مدرسے کھلنا شروع ہوئے مراد آباد اور امروہہ انھیں دنوں کی یادگار ہے ندوۃ العلماء اور علی گڑھ کی درس گاہیں بھی اسی وقت کھولی گئیں تھی۔

۱۸۵۷ کے بعد علمائے کرام کے دلوں میں انگریزوں کی ہر چیز سے نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ ۱۸۵۷ میں ملک میں جو آگ لگی تھی اس کی آگ میں دبی چنگاریاں ابھی بجھی نہ تھی کہ دیوبند میں ''شیخ الہند مولانا محمود الحسن'' نے ایک خفیہ تحریک چلائی اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ باہر کے ملکوں سے مدد لے کر ہندوستان کو آزاد کرایا جائے اس تحریک کا راز آخر کھل گیا اور مولانا محمود الحسنؒ قید کر لئے گئے اس خفیہ تحریک کی فائل آج بھی برٹش انڈیا لائبریری (British Indian Library) لندن میں موجود ہے۔ مولانا محمد علی جوہر، گو پروردہ نواب رام پور تھے جب مولانا محمد علی جوہر انگلینڈ میں تھے تب انکو احساس ہوا کہ آزاد قوم اور غلام قوم میں کتنا فرق ہے اس تجزیہ سے انکے دل میں ملک کی آزادی کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اپنی تحریروں میں انگریزوں کے خلاف لکھنا شروع کیا۔

۱۸/۱۹۱۷ میں جب پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی اور انگریزوں نے ترکی کے حصے کر دیئے اور چوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ترکی سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس لئے بھی انکے دلوں میں انگریزوں کے لیے اور بھی نفرت بڑھ گئی۔ اس وجہ سے خلاف تحریک نے زور پکڑا مہاتما گاندھی بھی شریک ہوگئے اس طرح ہندوستان میں ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا وہ تھی عدم تعاون تحریک جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے سرکاری نوکری

چھوڑ دی بہت سے طالب علموں نے جنگ آزادی میں حصہ لینے کے لیے اسکول بھی چھوڑ دیئے اس تحریک سے حکومت گھبرا گئی مولانا محمود الحسنؒ گو چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر علی گڑھ جا کر ایک نئے مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی جو عدم تعاون میں شرکت کرتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی تھانوی، ڈاکٹر حسین، حکیم اجمل خان اور مہاتما گاندھی نے طے کیا کہ ایک ادارے کی داغ بیل ڈال دی جائے اور پھر مسلم یونیورسٹی کے آگے خیمے لگا دیئے گئے۔ جنگ آزادی کے سب سے بزرگ رہنما، مولانا محمود الحسنؒ باحیات تھے مگر چلنے پھرنے سے معذور تھے = جب مولانا محمود الحسن کو معلوم ہوا کہ یہ نیا ادارہ انگریزوں کے خلاف قائم کیا جا رہا ہے تو فوراً تیار ہو گئے انکو دیوبند سے اسٹریچر پر لاد کر علی گڑھ لایا گیا اور جامعہ ملیہ کا افتتاح ہوا۔

اس طرح یہ بات بھی تاریخ داں جانتا ہے کہ لندن کی گول میز کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے بیماری کی حالت میں تقریر کی تھی وہ ایک تاریخی تقریر تھی انہوں نے انگریز حکمرانوں سے کہا تھا۔ کہ میں غلام ملک ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا یا تو ملک کی آزادی کا پروانہ دے دو یا پھر مجھے دو گز زمین دے دو۔ آزادی کا پروانہ تو ۱۶ر سال بعد ملا، مگر اپنی تقریر کے کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا کا انتقال ہو گیا اور وہ بیت المقدس میں پیوند خاک ہوئے۔

غرض یہ ہمارے بزرگ اور علماء نے ہمارے ملک کو آزادی کی خاطر آخری سانس تک جدوجہد کی۔ اسی طرح جب ہمارے بزرگوں اور علماء نے غور کیا کہ مسلم مدارس میں دینی علوم تو ضروری ہے ہی مگر سائنس، ٹیکنالوجی کو بھی زمانے کے لحاظ سے فراموش نہیں کیا جا سکتا اسی لئے انہوں نے اپنے اداروں میں عصری علوم کو فروغ دیا۔

پس ہمارے ملک کے نوجوانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ملک میں باعزت مقام حاصل کریں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم پوری توجہ تعلیم کی طرف دیں اور ایسے عناصر کی طرف سے دور رہیں جو ملک میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جو مدارس چل رہے ہیں وہ نیک اور صالح جوان پیدا کر رہے ہیں۔ جن کی محدود خواہشات ہے اور جو سادہ زندگی گزارتے ہیں اور نیک راستہ دکھلاتے ہیں اور جن کے دلوں میں آج بھی ملک کی تڑپ ہے۔

میں اس شعر کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

قسط اول:

# ہر سکہ جہاں کا اشرفی تھا:

ڈاکٹر فخر الاسلام، لیکچرار یونانی میڈیکل کالج اکل کوا

کاوش کا دل تقاضا کرے ہے کہ ہے ہنوز
ناخن پہ ہے قرض اس گرہ نیم باز کا

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ
ھو المسک اذا کررتہ یتضوع

علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ آپ ہمارے لئے حضرت مولانا تھانویؒ کی ایک جہت توجہات جامعہ پر ایک جامع مضمون لکھ کر عنایت کریں۔ مولوی عبد الباریؒ صاحب مجددیت پر لکھیں گے۔ آثار علمیہ پر میرا ہے، اسی اصول پر چاہئے۔ امید ہے کہ مایوس نہ فرمائیں گے "ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے"۔

حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کی متعدد جہات پر کتابیں لکھی گئیں ہیں، تحقیقات کی گئیں۔ حضرت کے خلفاء نے خانقاہ کے حجرہ اور سہ دری سے لے کر ایوان پارلیامنٹ تک حق کی صدا بلند کی۔ اصلاح وارشاد کے باب میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادی، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی، حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری، خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوری، شاہ عبد الغنی پھولپوری، مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری، مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی، مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی، اور مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی کو خاص طور سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

حدیث وتفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا خیر محمد جالندھری، افتاء وفقہ وفتاویٰ میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا اسحاق صاحب بردوانی، مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہم۔

وعظ، تبلیغی مشن اور دعوت الی اللہ میں مولانا عبد الغنی پھولپوری جن کی سرپرستی میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی ہیں مجلس دعوۃ الحق قائم کی تھی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شیر علی تھانوی، مولانا اسعد اللہ صاحب، مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلوی، مولانا عبد المجید بچھرایونی، قاری محمد طیب صاحب، تحقیقات علمیہ اور اور مسائل کلامیہ میں سید سلیمان ندوی، علامہ یوسف بنوری، مولانا عبد الباری ندوی اور مولانا حبیب احمد کیرالوی دستور اسلامی کی تدوین اور حکومت کی سطح پر اس کے نفاذ کی کوشش میں علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ یوسف بنوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا اطہر علی سلہٹی قاسمی نے پارلیامنٹ کے ایوانوں میں آواز بلند کی۔

مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ، مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب

"، اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ، کا رنگ تزکیہ نفس اخلاق میں بہت گہرا اور حکیم الامت مولانا تھانوی کے بہت زیادہ مشابہ و مماثل تھا۔ مفتی محمد حسن صاحب جن کا فیض پاکستان میں اطراف ملک میں پھیلا۔ چنانچہ مدرسہ جامعہ اشرفیہ کی کیفیت اپنے دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین جو حضرت تھانویؒ نے تشکیل دی تھی اس کو قائم کرنا اور اس کے کام کو ملک بھر میں پھیلانا۔ یہ سب مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت مفتی صاحب کا فیض تھا اس کے بعد حضرت مولانا ابرار الحق صاحب اس حیثیت سے خاص امتیازی شان کے مالک ہوئے کہ انہوں نے سالکین کی تربیت اور اصلاح باطن کے ساتھ عوام میں بھی اصلاح دعوت کا کام نہایت عزم و استقلال کے ساتھ شروع کیا اور جس بنیاد کو حضرت تھانویؒ نے دعوۃ الحق کے نام سے رکھا تھا اس پر مضبوط اور بلند عمارت کھڑی کر دی۔

## دعوۃ الحق کا پس منظر:

حالات کے مقتضیٰ پر نظر کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے چند تحریکیں نہایت قوت کے ساتھ شروع کیں۔ جن میں بہن اور بیٹیوں کی میراث دلانے کی تحریک کے تحت پنجاب میں ظالمانہ طریقہ میراث کو بدلنے کی ترغیب دلائی گئی، جس کے لئے حضرت نے رسالہ غصب المیراث لکھا اور شائع کرایا ایک فتویٰ ظلم پنجاب کے متعلق "خدائی وصیت" نام جاری کیا۔ اور ساتھ ہی پنجاب کے فتنہ ارتداد پر روک لگائی۔ ان سب مہموں میں مولوی مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا عبدالمجید بچھرایونی شریک رہے۔ جب آگرہ کی طرف سے ارتداد کی خبر پہنچی تو آپ نے مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا عبدالمجید بچھرایونی کو مناسب نصائح و ہدایات اور دعوات صالحہ کے ساتھ رخصت کیا۔ حضرت قدس سرہ کو اس فتنہ ارتداد کے سدباب کی اس قدر فکر تھی کہ مفتی عبدالکریم گمتھلوی کو آپ کے ایک دوست نے حج کے لئے اپنے ہمراہ لے جانا چاہا جس کا حضرت مفتی صاحب کو بے حد اشتیاق تھا خوش ہو کر حضرت اقدس سے اجازت طلب کی حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ مسعود بک نے فرمایا ہے۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید
معشوق دریں جا بیائید بیائید

چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے حج کا سفر ملتوی کیا۔ آگرہ پہنچ کر شردھا نند کی شدھی بنانے والی تحریک کا ابطال کیا۔ اپنے تبلیغی دوروں میں ان حضرات نے بھرت پور، الور، کوڑگاؤں، متھرا اور آگرہ میں دینی مدارس قائم کئے۔

فتنہ ارتداد کے سدباب کے ساتھ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کو مسلمان عوام کے لئے کلمہ نماز وغیرہ کی تفہیم و تلقین کے ساتھ تمام اجزائے دین کے ضروری اور بنیادی احکام کی تعلیم کی فکر تھی۔ اس عمومی تبلیغ کی بنیاد میوات کے علاقہ میں پڑی۔ حضرت علیہ الرحمہ کے حکم و ہدایت کے تحت بعض خدام وہاں پر مامور تھے۔

تصویر کا دوسرا رخ بھی ذہن میں رہے کہ مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ (والد ماجد مولانا محمد الیاس صاحبؒ) بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مرزا الٰہی بخش نے دہلی چھوڑ کر بستی نظام الدین میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور "چونسٹھ کھمبا" کے دروازہ پر مولانا محمد اسماعیلؒ کا سکونتی مکان تعمیر کرا دیا۔ اور ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی جو بنگلہ والی مسجد کہلاتی تھی ۔ میوات کے لوگ تلاش روزگار میں دہلی آتے اسی راستے سے گزرتے۔ ان آنے جانے والوں کو مولانا اسماعیل صاحب مسجد لے آتے۔ نماز سکھاتے، قرآن پڑھاتے، دین کی تعلیم دیتے، مسجد میں ان میواتیوں کے بچے بھی پڑھنے کے لئے آنے لگے۔ مولانا اسماعیل صاحب کے انتقال کے بعد مولانا محمد صاحبؒ (مولانا الیاس صاحبؒ کے بڑے بھائی ان کی جگہ پر رہے اور مولانا محمد صاحب جب تک زندہ رہے بستی نظام الدین میں حضرت مولانا محمد اسماعیل کی نیابت کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا الیاس صاحب جو اب تک مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس تھے۔ بھائی کی تیمارداری کے سلسلے میں بنگلہ والی مسجد میں کچھ روز سے مقیم تھے، یہاں کی ضرورت اور لوگوں کے اصرار پر مولانا خلیل احمد سے مشورہ کے بعد چھٹی لے کر بستی نظام الدین تشریف لے آئے۔ جو بچے بستی نظام الدین میں پڑھتے تھے ان کے ذریعہ میوات میں دینی مکاتب اور مدارس کا آغاز کیا۔ اور اس کے بعد ایک عمومی تبلیغ کا دل میں خیال آیا تا کہ ان مکاتب و مدارس کے بچوں کو علم آئے اور عمومی تحریک سے لوگوں میں دین کا احساس پیدا ہو اور وہ علماء کے قریب ہو سکیں۔ اس ضرورت اور احساس کے تحت انہوں نے میوات میں کام شروع کیا جہاں قدرۃً مولانا کا خاص اثر تھا اور آگے چل کر ان کے ہاتھوں اس نواح میں بتوفیق الٰہی بڑا کام ہوا۔

(سیرت مولانا یحییٰ صاحبؒ از محمد مسعود عزیزی ندوی: ص/ ۵۸)

حکیم الامت مجدد اعظم حضرت تھانویؒ کی طرف سے میوات میں جو وفد گیا تھا جس میں مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا عبدالمجید بچھرایونیؒ جیسے حضرات شامل تھے اس کے متعلق اشرف السوانح میں حضرت مولانا تھانویؒ کے متعدد مکتوبات منقول ہیں جن میں اس خدمت کے خادموں کو "بہ شہادت قلب" کامیابی کی بشارت دی گئی مفتی عبدالکریم گمتھلوی کے ایک عریضہ کے جواب میں ارشاد ہے کہ: "ان ارشاد کا مقصد صرف یہ خیال میں آتا تھا کہ حوصلہ افزائی فرمائی جارہی ہے لیکن جب تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک جماعت نے تبلیغی علاقہ کا مفصل حال شائع کیا اور اس روداد میں اس کی تصریح بھی تھی کہ تحصیل پلول جہاں احقر (مفتی عبدالکریم گمتھلوی) اور مولوی عبدالمجید صاحب حسب حکم و ہدایت حضرت والا) کار تبلیغ انجام دے رہے تھے، اول نمبر کامیاب رہی۔ تب معلوم ہوا کہ یہ بشارت پیشین گوئی تھی جو بالکل صحیح ہوئی۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ از مولانا عبدالباری ندویؒ ۱۴۴)

اس اہتمام تبلیغ کے ساتھ اس تبلیغی علاقہ میں حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے دینی مکاتب بھی قائم کئے گئے جن کی مالی امداد میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے

کافی حصہ لیا۔حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً سو مکاتب ایسے ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، جو اس علاقہ تبلیغ میں جاری کئے گئے۔

(بزم اشرف کے چراغ ص/۱۸۹ ازپروفیسر احمد سعید)

"اشرف السوانح"میں تبلیغی مساعی کے متعلق جو مکتوبات اور تصریحات درج ہیں، حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"اب اشرف السوانح میں ان چیزوں کو پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ خود راقم ھذا سے ایک موقعہ پر خود حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "حضرت (تھانویؒ) ہی کی دعاؤں کی برکت ہے، اس کا کیا مطلب تھا۔موقع یہ تھا کہ احقر (حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ) بستی نظام الدین حضرت موصوف (مولانا الیاسؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔غالباً دوسرے ہی دن قصبہ نوح میں اس تبلیغی سلسلہ کا بڑا اجتماع تھا جس میں بہ اصرار ساتھ چلنے کا حکم ہوا دو تین دن حضرت کی معیت اور تبلیغی خدمات کا معائنہ ومشاہدہ کی سعادت حاصل ہوئی، دہلی سے سیدھے تھانہ بھون حاضری تھی۔جب رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ حضرت مولانا (تھانویؒ) کی خدمت میں سلام عرض کرنا، یہاں کے کام کا ذکر کرنا اور جو کچھ فرمائیں مجھ کو ضرور لکھنا۔چنانچہ سلام رسانی کے بعد راقم احقر نے بستی نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد سے لے کر قصبہ نوح تک کے جو تاثرات تھے مختصراً عرض کئے، فرمایا کہ اصل کام تو یہی ہے" حضرت مجدد الملت کی نگاہ میں کام کی اس درجہ اہمیت وعظمت کے باوجود کام کا طریق کار حضرت کے مذاق ومعیار سے مختلف تھا، حضرت تھانوی کا خاص مذاق ہر چھوٹے بڑے کام میں قدم قدم پر توازن وتوسط، حدود واعتدال کا غایت اہتمام تھا۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ ص/۱۳۵)

ورنہ نفس تبلیغ کی جس درجہ اہمیت خود حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی نظر میں تھی اس کا اندازہ تفہیم المسلمین نامی مضمون سے کیا جاسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "علماء اور ان کے وعظوں کے علاوہ اس وقت فضائے زمانہ کا مقتضی یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ لازم سمجھے اور ہر شخص اسی دھن میں لگ جائے اسلاف کا طریق یہ تھا کہ علماء وصوفیاء، امراء وغرباء، خواندہ وناخواندہ سب کو یہی دھن تھی کہ جس کو جو احکام معلوم ہوں دوسروں تک پہنچائے۔علماء وعظ وتزکیہ کرتے تھے۔صوفیاء اپنی مجلسوں میں نور باطن اور پاکیزہ باتوں سے بندگان خدا کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے۔تاجر وغیرہ اپنے معاملات وملاقات میں اللہ کو نہ بھولتے تھے۔اگر یہ کام تنہا علماء کے ذمہ ڈال دیا جاتا تو حق کی روشنی ان مقامات میں نہ پہنچ سکتی جہاں کسی عالم یا فاتح کا قدم نہیں پہنچا۔لہٰذا تمام مسلمان عموماً اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصاً آج ہی سے اس دھن میں لگ جائیں کہ جس کو جتنا اسلام کے متعلق علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے اور غیب سے نصرت کا امیدوار رہے" **ان تنصروا اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم**"۔پھر اس کا دستور العمل اور نظام عمل مقرر کیا گیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) انفرادی عمل میں پختگی وصلابت اختیار کرے اور احکام کی تبلیغ میں کسی سے مرعوب نہو (۲) کسی جلسہ ومجلس کو احکام الٰہیہ کے پہنچانے سے خالی نہ رکھے۔سختی کا جواب سختی سے نہ دے۔صبر وتحمل سے کام لے (۳) رات دن میں کوئی وقت اس کام کے لئے بھی نکالا جائے جس میں بندگان خدا (مسلم وغیر مسلم) کو احکام پہنچایا جائے اور برے کاموں سے روکا جائے۔(تجدید وتعلیم تبلیغ:ص/۱۳۹/۱۴۰)

(۴) احکام پہنچانے میں نرمی برتی جائے جن پر اپنی حکومت ہے مثلاً بیوی بچے وغیرہ ان کو اول نرمی سے پھر بتدریج سختی سے سمجھایا جائے۔(۵) اس نمبر میں احکام اسلام پہنچانے کی ترتیب بتلائی گئی ہے جو دس دفعات پر مشتمل ہے۔(۶) پھر کچھ کتابیں بتلائی گئیں ہیں ان کو اپنے مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اپنے دوستوں ، اور ملنے والوں اور سب بندگان خدا کو پہنچاتے رہیں۔ان کتابوں میں حیات المسلمین تبلیغ دین، محاسن اسلام، بہشتی زیور شامل ہیں۔اس کے بعد دینی کام درس وتدریس تصنیف وتالیف وغیرہ میں مشغول علماء کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنی نشست وبرخاست میں، اوقات ملاقات میں، احکام الٰہیہ پہنچاتے رہیں۔اور جمعہ کی تعطیل یا رخصت کے زمانہ میں وعظ ونصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ سمجھیں۔

(دعوۃ الداعی از حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ)

"تعلیم المسلمین" کے عنوان سے خصوصیت کے ساتھ وعظ کی اہمیت اور واعظوں کے لئے دستور العمل تجویز فرمایا گیا ہے۔اس کی تمہید میں ارشاد ہے کہ: ارتکاب معاصی کو قرآن وحدیث میں صراحۃً دنیا وآخرت کے سارے مصائب کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** کی نہایت تاکید واہتمام وارد ہے اور اس میں سستی اور ترک پر شدید وعید وارد ہوئی ہے۔نصوص کثیرہ میں اصلاح کے ساتھ دوسرے کے اصلاح کی تاکید بھی وارد ہوئی ہے اور سورہ والعصر تو بلاشرکت کسی اور مضمون خاص اسی موضوع کے لیے نازل ہوئی ہے۔اس میں جہاں تصحیح عقائد واصلاح اعمال کو نجات کے لیے شرط فرمایا ہے۔ وہیں دوسروں کے عقائد واعمال کی تعلیم کو شرطِ نجات فرمایا ہے، بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا فریضہ یہی رہا ہے۔لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضروری ہونے میں اب کیا شبہ رہا اور اس کے ذرائع میں سب سے سہل اور نفع کے اعتبار سے عام وتام کا ذریعہ ہے۔اس کے بعد مدرسہ وانجمن کو مشورہ دیا گیا ہے، اور واعظ کیسا ہو اس کے متعلق ہدایت ہے۔" واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہو مگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت اور غلط مسئلہ نہ بیان کرے۔ہدیہ نقد وغیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔کسی مدرسہ یا انجمن یا وعظ ہی کی مدد کی ہرگز ترغیب نہ دے۔بلاترغیب کوئی دے بھی تب بھی انکار کردے۔واعظ صرف وعظ پر ہی اکتفاء نہ کریں کیوں کہ وعظ میں وہی لوگ آتے ہیں جو پہلے سے دیندار ہیں اور ضرورت سب کو دیندار بنانے کی ہے۔اس لیے ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے جس کی افادیت عام ہو اور وہ طریقہ یہ

ہے کہ چند واقف احباب کو ساتھ لے جاکر نرمی کے ساتھ کلمہ، نماز کی تاکید اور درستگی کریں اور اس طریقہ میں مکان پر جاکر سوائے کلمہ کی تلقین اور نماز کی تاکید کے اور کچھ نہ کہا جائے باقی احکام کے لیے وعظ کو کافی سمجھ جائے''۔

''تفہیم المسلمین'' اور ''تعلیم المسلمین'' کے مضامین میں تبلیغ کا لائحہ عمل مقرر فرما دینے کے بعد حضرت تھانویؒ نے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جس کا نام ''دعوۃ الحق'' رکھا۔ تھانہ بھون اس کا مرکز تھا۔

تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین کا تعارف اوپر گزر چکا ''مجلس دعوۃ الحق، تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین'' کی عملی ترویج کے لیے قائم کی گئی۔

آیت: ''**و ما کا ن المؤمنون لینفر وا کافۃفلولا نفر من کل فرقۃ منھم لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون**'' کے ذیل میں تمہیداً اس کے متعلق ارشاد ہے کہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں (جو اعظم العبادات ہے) مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کو انجام دے، تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا'' وجہ ظاہر ہے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو، وہ معتبر اور معقول اسی وقت ہوسکتی ہے، جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا، اس پر موقوف ہے کہ پہلے ان کا علم ہو جس کی دو صورتیں ہیں یا خاص طور پر ان کا درس و تدریس یا عام طور پر تعلیم و تبلیغ۔ پہلا طریقہ معاشی اسباب کی بناء پر عام نہیں ہوسکتا، لہٰذا دوسرا ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے یہی طریقہ تجویز فرمایا گیا، اور اکابر امت نے بھی ہمیشہ سب سے زیادہ اسی کا اہتمام فرمایا۔ باقی درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ کو اسی کا مقدمہ قرار دیا'' مگر ایک طویل زمانہ سے اس کی طرف سے بہت بے التفاتی ہوگئی ہے جس کا لازمی نتیجہ جہل کا غلبہ ہے اور غلبہ جہل سے فساد عمل اور فساد عمل سے مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری و باطنی تنزل اور گونا گوں مسائل میں ابتلاء اس درجہ میں رونما ہوگیا ہے کہ اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہوجائے گی۔

الحمد اللہ کہ اس نازک دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی کہ بعض بے سروسامان بندوں کو اس کا احساس اور احساس کے ساتھ اس کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے بھروسہ پر کھڑے ہوگئے اور اس خدمت کی تکمیل کے لئے (دعوۃ الحق کے نام سے ایک مجلس بناکر کام شروع کردیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک دو شخص کا کام نہیں اس میں ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے۔

جو اہل علم حضرات اس خدمت میں حصہ لینا چاہیں، وہ حسبۃ للّٰہ اس کے لیے کچھ ماہانہ، ششماہی یا سالانہ، دو چار دن، ہفتہ، دو ہفتہ، یا مہینہ پورا مہینہ نکال کر مجلس دعوۃ الحق (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر) کو اطلاع فرمائیں۔ اور ان حضرات کی طرف سے گویا چندہ ہوگا جو روپیہ پیسے کے چندہ سے زیادہ مفید و عزیز ہوگا۔

پھر جب اور جہاں اس خدمت کے لیے ان کو تکلیف دینے کی ضرورت ہوگی ان سے عرض کیا جائے گا کہ وہ وہاں کی مجلس کے حسب ہدایت تبلیغ کا کام انجام دیں'' یہ عرض عام اہل علم کی خدمت میں بدرجہ مشورہ ہے لیکن جن حضرات کو احقر کے ساتھ خاص تعلق ہے ان سے مشورہ سے آگے اس کی درخواست ہے اور اس مشورہ اور درخواست کے بعد بے چینی سے منتظر ہوں کہ یہ رجسٹر کب تیار ہوجائے گا اور امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ دیر نہ لگے گی''۔

حضرت حکیم الامت آگے فرماتے ہیں اگر پابندی اور اخلاص کے ساتھ اس دستور العمل کو نافذ کرلیا تو انشاء اللہ اس کے ثمرات فلاح اور اصلاح اور نجاح بہت جلد مشاہدہ میں آجائیں گے۔ اور آخرت کے ثمرات کا تو پوچھنا ہی کیا بہر حال اس مجلس دعوۃ الحق کا اصلی مقصد تعلیم المسلمین اور تفہیم المسلمین کی عملی ترویج کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا راستہ بتلانا ہے۔ جو مسلمانوں کے لیے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری پابندی کی جائے۔ تابہ امکان کوئی بات خلاف شرع نہ ہونے پائے یہی عبدیت کی روح اور مسلمانوں کی زندگی کا اصل الاصول ہے''

یہی مجلس دعوۃ الحق جو حضرت کے وصال کے بعد ہردوئی میں قائم ہوئی اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے اس کو پروان چڑھایا اور اسی کی وضاحت کرتے ہوئے جناب حافظ شکیل احمد صاحب نے پردرد و پرسوز نظم کہی ہے۔ (گلشن ابرار/ص ۳)

قیام دعوۃ الحق حضرت اشرف نے سوچا تھا
اسے سارے جہاں میں عام کرنے کا ارادہ تھا
اصول و نظم اس کا دعوۃ الداعی میں لکھا تھا
جنہیں الفت تھی حضرت سے سبھوں نے ہی سراہا تھا
مگر حضرت تو کچھ ہی دن میں پیغام اجل سن کر
کہا لبیک یارب اور فوراً چل دیئے اٹھ کر
مگر اللہ جب دین مبیں کا کام لیتا ہے
تو اس کے مثل اس بندہ کا سینہ کھول دیتا ہے
جناب حضرت ابرار بھی حضرت کے خادم ہیں
مفسر اور قاری حافظ وفاضل ہیں عالم ہیں
دوائے دردِ امت ہیں شکستہ دل کے مرہم ہیں
حضور پاکؐ کی سنت پہ پابندی سے قائم ہیں
انہیں کے دل میں اس تنظیم کی کچھ اہمیت آئی
انہیں کے دامن شفقت میں امت نے اماں پائی
مقامی کچھ تعاون کی ضرورت تھی اسے پاکر

گئے پیش اکابر اور کیا سب مشورہ جا کر
خدا کا نام لے کر آپ نے تاسیس فرمائی
ازل سے جو مقدر تھی وہ دولت آپ نے پائی
جناب حضرت اشرف نے جو اک تخم بویا تھا
بحمد اللہ اس میں یہ شگوفہ آج نکلا تھا
خدا نے رفتہ رفتہ آج کا یہ دن بھی دکھلایا
مثال روز روشن آپ کی خدمت کو چمکایا
نصب ہے نخل ہردوئی میں جو شاخوں کا مرکز ہے
تمام اطراف میں ہیں نفع دیتے پھول پھل اس کے
یہ سچ کہتا ہوں زندہ آج حضرت تھانوی ہوتے
یہ خدمت دیکھ کر ان کو کلیجہ سے لگا لیتے

ایک کامل ومقبول بندہ کا تذکرہ کرنے بیٹھے ہیں، جتنا تعلق، قرب وجذب کی نسبت ان مقدس ہستیوں سے ہوتا ہے اسی قدر حق تعالیٰ نے انہیں مقبول بنا دیتا ہے بزرگوں کا تذکرہ ایسی زبان وقلم سے جسے نور باطن سے کچھ بھی حصہ ملا ہو وہ مفید ہوتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ایسے حضرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان حضرات کو دیکھ سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ اسلام کیا چیز ہے۔''
(الافاضات الیومیہ: ص/۲۰۱ ملفوظ نمبر/۴۳)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ ''ایسی جماعت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان میں پہلی جماعت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ والی تھی اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ کا طبقہ ہوا۔ ایک خاص بات ان بزرگوں کی یہ ہے کہ ان کے ذکر میں ایک خاص برکت معلوم ہوتی ہے اور قلب کو کشش ہوتی ہے۔ ان کا جب کبھی ذکر شروع کر دیتا ہوں قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔
(حوالہ بالا ص/۴۶، ملفوظات/۴۰)

حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کے علم کی شان خاص کے بہت اسباب ہیں۔ جن میں اعظم سبب تقویٰ ہے۔
(حوالہ بالا: ص/۴۸ ملفوظ/۴۴)

''علم کی شان خاص کا سب سے سبب بڑا تقویٰ، جن کا ذکر شروع کر دینے پر قطع کرنے کو جی نہ چاہے'' اور جن کو دیکھنے سے یہ سمجھ میں آ جائے کہ اسلام کیا چیز ہے ایسے مقبول ومتبرک افراد امت کی شناخت کن لوگوں کو ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی نسبت کے حامل افراد کو ہوتی ہے اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں سے بھی پہلے خود اس امت کے علماء وصلحاء کو ان کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس کے بعد عوام وخواص سب میں ان کو مقبول وہر دلعزیز بنا دیا جاتا ہے، ان کا نفع عام وتام کر دیا جاتا ہے۔ یہ سب ہے لیکن اس کے باوجود صحیح مرتبہ ومقام تک رسائی بکثرت عوام وخواص کو نہیں ہو پاتی حضرت گنگوہیؒ کے بارے حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ حضرت کو بہت کم لوگوں نے پہچانا حضرت تھانویؒ کے لیے رمزی اٹاوی نے یہی کہا۔

یہ رمزی، بے بصیرت ہے، ترے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا، وہ تیرے اوصاف پہچانے

جو ذات گرامی ''حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا یعقوب نانوتویؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ کی یادگار تھی جس کی ذات میں حضرت چشتی اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید کی نسبت یکجا تھیں جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا'' اس ذات گرامی کے خلیفہ اور خاتم الخلفاء کے مرتبہ اور مقام کا اندازہ، اسی مرتبہ یا اس سے بلند مقام ومرتبہ رکھنے والے حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ **لا یعرف قدر الغزالی من کا ن من بعد الغزالی الا ان یکون مثل الغزالی او فوق الغزالی** ۔ آیئے دیکھیں کی ''مثل الغزالی'' یا فوق الغزالی'' اپنے وقت کے غزالی محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ (معارف اگست/۴۳ مضمون ''موت العالم موت العالم'' از علامہ سید سلیمان ندویؒ)

(جاری.............................)

# مریخ کی الٹی چال اور معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ مضمون جو قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے سائنس کا ایک حیرت انگیز انکشاف ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بہت عظیم پیشین گوئی کے ظہور کا پتا چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو پچیس سال پہلے قیامت کی آخری نشانی اور سب سے بڑی علامت کی پیشین گوئی دی تھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''**لاتقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت فرأیها الناس امنوا جمعون فذاک حین لاینفع نفسا ایمانها لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرا** (متفق علیہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کہ قیامت قائم نہیں ہو سکے گی یہاں تک کہ سورج (بجائے مشرق کے) مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔ اور جب ایسا ہو جائے گا اور لوگ اپنی ابروئے چشم سے اس کا نظارہ کر لیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت ایمان کوئی کام نہیں آئے گا اس نفس کو جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا اس نفس نے اپنے ایمان کی حالت میں کوئی بھلائی کی ہوگی۔ تو پتہ چلا کہ سورج قیامت سے پیشتر مغرب سے طلوع ہوگا اور آپ سوچئے

تو سہی کہ اللہ کے رسول نے کیا فرمایا کہ قیامت کا قائم ہونا ہی اس پر موقوف ہے یعنی کتنے اعتماد، یقین جازم (Confidence) کے ساتھ آپ نے فرمایا اور کیوں نہ فرماتے، وہ تو خالق و مالک کے اشارے پر لب کشائی کرتے تھے نہ کہ عام انسانوں کی طرح اپنے نفس اور اپنی سوچ سے تو آیئے اب ہم اس مضمون کو مجلّہ "المجتمع" Issue no.. 1607 بتاریخ 3_9,7,2004 میں **معجزة نبوية في علم الفلک** کے عنوان سے شائع ہوا۔

اور خان محمد علی تحریر فرماتے ہیں کہ: میرے ایک دوست نے ایک ای میل کے ذریعہ امریکہ کے ایک مشہور ویب سائٹ کے حوالہ سے جو علم فلک کے متعلق ہے مریخ کے بارے میں ایک حیرت انگیز خبر کے نشر ہونے کی خبر دی، وہ ویب سائٹ یہ ہے:

**http://www.space com/ space watchmars reteograbe030725 hotml**

اور یہ خبر بالکل سو فیصدی درست ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بین ثبوت ہے اس میں نہ تو کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ انکار کا احتمال ہے اور خان محمد علی مضمون نگار تحریر کرتے ہیں کہ آیئے اس کی تفصیل کو ملاحظہ فرمایئے:

گذشتہ کئی سالوں سے "مریخ" ماہرین فلکیات کا محور بنا ہوا ہے، یہاں تک کہ ابھی قریب ہی میں ماہرین فلکیات نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ مریخ پر نظام حیات کے آثار کا پتہ چل رہا ہے، اور ماہرین فلکیات نے مریخ کو اپنی تحقیقات کا محور بھی اسی لئے بنایا ہے کہ وہ سورج کے قریب ہے علیٰ زعمھم، اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ماہرین نے دعویٰ پیش کیا تھا کہ آثار حیات وہاں پر پائے جا رہے ہیں بعد میں چل کر وہ خود ہی اپنے دعویٰ کی تردید کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ جو آثار حیات پانی کے راستوں اور کچھ نہروں کی طرح معلوم ہو رہے تھے، حقیقت میں وہ اس مشینری کے اندر کی جو لکیریں تھیں جو ان پر مشتبہ ہو گئیں، وہ اس لکیروں کو پانی کے وجود کی نشانی تصوّر کر بیٹھے۔

لیکن ان سب کے باوجود وہ لوگ برابر پوری تندہی کے ساتھ "مریخ" کے اسرار کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، خاص طور پر ان اخیری تین سالوں میں ان کی یہ تحقیقاتی مہم کچھ زیادہ تیز ہو چکی ہے، اس لئے کہ یہ ستارہ ان کے اپنے زعم میں ہمارا سورج ستارہ سے قریب ہے (تو گویا وہ اس کے واسطہ سے سورج تک رسائی کا بھی خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس بنا پر ہی تو انہوں نے تمام جہات سے اس پر تحقیقاتی مشینیں کام میں لگا رکھی ہیں تا کہ ہر جہت سے اس کی حرکات کا پتہ لگا سکیں اور انہوں نے اس عظیم سیارے کی تصاویر بھی دنیا کے سامنے پیش کی ہے اور اس کے متعلق بہت کچھ وہ تحریر کر چکے ہیں اور اب بھی اسی میں مصروف ہیں۔

لیکن ابھی آخری چند ہفتوں پہلے جب کہ وہ لوگ اس کی حرکت کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے، ایک حیرت انگیز اور حیران کن امر کا انہوں نے انکشاف کیا، اور وہ یہ ہے کہ اس عظیم سیارے کی جو رفتار اب تک مشرقی سمت میں چلی آ رہی تھی اب آہستہ آہستہ سست پڑتی جا رہی ہے اور اس مہینہ یعنی جولائی کی تیس تاریخ کو بالکل ہی تھم جائے گی، اور اس کی حرکت بند ہو جائے گی اور اگست ستمبر دو مہینہ وہ بجائے مشرق کے مغرب کی جانب چکر لگائے گا جس کو Retrogrado Motion کہا جاتا ہے پھر انتیس ستمبر کے بعد اپنی پہلی روش پر آ جائے گا یعنی مشرق کی جانب میں گردش کرنے لگے گا۔

اور ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ صورت حال عنقریب تمام شمسی سیاروں کو پیش آئے گی اور زمین کو بھی اس کے ضمن میں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں جب ایسا ہو گا تو سورج کسی ایک دن بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہو گا یہ بات ہم مسلمانوں کے لئے کوئی نئی نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے آقا و سردار سید الانبیاء والرسل محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آج سے چودہ سو سال پیشتر ہی یہ پیشین گوئی دے کر جا چکے ہیں، تو قبل اس کے کہ ہم آپ کے سامنے اس کے بارے میں قرآن اور احادیث سے دلائل فراہم کریں، ہم اس تحقیق کے الفاظ آپ کے لئے ہو بہو نقل کر دیتے ہیں اور مزید معلومات کے لئے آپ مذکورہ ویب سائٹ کی زیارت کر سکتے ہیں۔ تو ویب سائٹ پر نشر شدہ الفاظ کچھ یوں ہیں:

**For the past few weeks, Mar appeared to slow in its castward trajectory. almost seeming to waver as if it had become uncration.**

**On Wednesday July 30 that steady eastward Course Will Come to a stop. They for the next two months, the pbarnet Will move backward agaonst the star background- to ward the west. On Sept. 29 it will Pause again be Fore resuming its nor mal castward direction.**

**All the Plantes exhibit retrograde motion atone time or another Ancient astronomers were unable to come up with a satisfactory explanation for it.**

ترجمہ: گزشتہ چند ہفتوں سے "مریخ" مشرقی سمت میں اپنی رفتار سے سست پڑ گیا ہے اور وہ گویا کہ تذبذب کا شکار ہے، آیا مشرقی سمت میں چکر کاٹے یا مغربی سمت میں؟ مشرقی چکر سے رک جائے گا، اور انیس جولائی کو وہ بالکلیہ طور پر اور پھر آئندہ دو مہینے میں وہ بجائے مشرق کے مغرب کی طرف گھومنے لگے گا اور پھر ۲۹ ستمبر سے دوبارہ مشرقی جانب حسب سابق گھومنے لگے گا۔

اور تمام سیارے Retrogrado Motion یعنی الٹے چکر کاٹنے لگتے ہیں۔

## قرآن اور حدیث:

سائنس دانوں کا یہ انکشاف گویا کہ قرآن اور حدیث کے مطابق علامات قیامت میں سب سے بڑی علامت کے ظہور کی ابتداء ہے اس لئے کہ اس بارے میں بہت ساری صحیح روایتیں کتب احادیث میں پائی جاتی ہے اور جب یہ علامت ظاہر ہوجائے گی تو پھر اس شخص کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی جو مسلمان نہ ہوگا جیسا کہ قرآن میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے: **هل ينظرون الا ان ياتيهم الملائكة او ياتي بعض آيات ربك لاينفع نفسا ايمانها لم تكن آمنت من قبل او كسبت في ايمانها خيرا۔** (سورۃ الانعام)

وہ تو محض انتظار کررہے ہیں اس چیز کا کہ ملائکہ ان کے پاس آجائیں یا آپ کا پروردگار ان کے پاس آجائے یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ان کے پاس آپہنچیں، اور جب تیرے پروردگار کی نشانی آپہنچیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان کام نہ دے گا جبکہ وہ پہلے ایمان نہ لایا ہوگا۔ ایمان کی حالت میں کوئی کارِ خیر نہ کیا ہوگا۔ اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہوجائے، اور جب ایسا ہوجائے گا، تو تمام لوگ اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں گے: "**فذاك حين لاينفع نفسا ايمانهم لم تكن امنت من قبل او كسبت في ايمانها خيرا**" (رواہ الشیخان) یہ وہی وقت ہے جب ایمان لانا بے سود ہوگا اس شخص کے لئے جو پہلے ایمان نہ لایا ہوگا، یا پھر کارخیر نہ کیا ہوگا امام طبری اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں اور آیت کا صحیح مضمون ان روایات میں ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "**وذالك حين تطلع الشمس من مغربها**"۔ یعنی قرآن نے جو "**لاينفع نفسا**" **الخ** کہا، اس سے مراد قیامت کی آخری گھڑی اور آخری دن ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چھ چیزوں اور علامتوں کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے، اعمال میں سبقت کرلو یعنی جو کارِ خیر کرنا ہو کرلو، اور ان چھ میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی بتلایا۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے رات میں، تاکہ دن بھر کا گنہ گار توبہ کرلے، اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ تاکہ رات کا گنہ گار توبہ کرلے۔ اور یہ معاملہ اس وقت تک چلے گا جب کہ سورج مغرب سے طلوع ہوجائے۔ یعنی پھر اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، اس لیے کہ نزع کی حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی، اور یہ نظام خداوندی میں الٹ پھیر، عالم کے نزع کی نشانی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اب تو ہم مسلمانوں کو بیدار ہوجانا چاہئے کہ قرآن اور حدیث کی پیشین گوئیاں آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی چلی جارہی ہیں، اللہ ہمیں ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔ آمین

**فاعتبروا يا اولي الأبصار**

# ایمان اور سلامتی کا راستہ:

از: مفتی زین الاسلام القاسمی

شریعت اسلامیہ حیات انسانی کیلئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جس میں ہر موڑ، موافق اور مخالف حالات کے لئے احکام اور ہدایات موجود ہیں، نکاح جیسے پاکیزہ رشتہ کے بھی قوانین ہیں۔ اور اس پاکیزہ رشتہ کے ٹوٹنے اور ختم ہونے کے بعد بھی اصول ہیں اور یہ خدائی احکام ہیں۔ جو عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔ بالخصوص نکاح کا وہ مقدس رشتہ جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق دو گواہوں میں ایجاب وقبول کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ اس نکاح کے ختم ہونے کیلئے شریعت اسلامیہ نے طلاق وخلع کو مقرر کیا ہے۔

اسی طرح ازدواجی رشتہ کی حلت وحرمت بھی خدائی قانون ہے کہ کس سے نکاح کرنا درست ہے اور کس سے نکاح کرنا درست نہیں ہے، حرمت کے قوانین میں ایک قانون حرمت مصاہرت کا بھی ہے یعنی سسرالی رشتہ کے لحاظ سے بعض رشتے حرام ہوتے ہیں مثلاً باپ کی بیوی یا اس کی موطوءہ (جس سے باپ نے ہم بستری کی ہے) بیٹے کیلئے حرام ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "**ولا تنكحوا ما نكح آبائكم**" (سورہ نساء آیت ۲۲)

ان سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے۔ جب کوئی عورت باپ کے صرف نکاح کرلینے پر بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے تو باپ کے کسی عورت سے ہم بستری کرنے سے بیٹے کیلئے بدرجہ اولیٰ حرام ہوجائے گی۔

اس وقت اخبارات اور میڈیا میں ضلع مظفر نگر کے حوالے سے جس واقعہ نامرضیہ کا ذکر چل رہا ہے اس میں اہل قلم کی قلمکاریوں نے بہت کچھ گل کھلائے ہیں۔ اس مسئلہ کے چند پہلو لائق توجہ ہیں۔

اس میں ایک مسئلہ تو حرمت مصاہرت کا ہے اور دوسرا مسئلہ زنا کے ثبوت شرعی اور اس کی سزا کے جاری کرنے کا ہے۔ تیسرا شرم ناک پہلو اس طرح کے مسئلہ کی تشہیر اور چرچا کرنے کا ہے۔

پہلے مسئلہ کا تعلق عورت اور اس کے شوہر کی ذات سے ہے، اگر عورت کے ساتھ اس کے سسر نے ناجائز تعلق قائم کیا ہے یا صرف شہوت سے چھونے اور لپٹانے یا بوس وکنار کا عمل کیا ہے تو چاہے اس کی خبر کسی کو نہ ہو **فيما بينه وبين الله** عورت کو اپنے آپ کو اپنے شوہر پر حرام سمجھنا چاہئے، اسی طرح اگر شوہر کو عورت کے بیان کی

صداقت پر یقین ہے تو فیما بینہ وبین اللہ اسے اپنے اوپر حرام سمجھنا چاہئے۔ اس حکم کیلئے اس درجہ کی شہادت کی بھی ضرورت نہیں ہے جو زنا کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ چار گواہ متفقہ طور پر عدالت میں وضاحت کے ساتھ عینی شاہد کی حیثیت سے اس فعل کے کرنے کی گواہی دیں۔ حلت وحرمت کا یہ درجہ خالص عورت اور اس کے شوہر کیلئے اللہ تعالیٰ کے قانون کا احترام کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کی جواب دہی ان کو اللہ کے سامنے کرنی ہوگی۔ جیسے کوئی شخص تنہائی میں جہاں صرف اس کی بیوی موجود ہو بیوی کو طلاق دے دے کہ طلاق پر کوئی گواہ بھی نہیں ہے تو بھی طلاق پڑ کر حرمت ثابت ہوجائے گی اور فیما بینہ وبین اللہ ' عورت اور مرد کو قانونِ حرمت کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

دارالافتاء سے کسی صورتِ واقعہ کا حکمِ شرعی معلوم کیا جاتا ہے خواہ وہ واقعہ پیش آیا ہو یا نہ پیش آیا ہو، فرضی واقعہ ہو، دارالافتاء صورتِ مسئولہ کا شرعی حکم بیان کر دیتا ہے اگر سوال میں ذکر کی ہوئی صورت واقعہ کے مطابق صحیح اور درست ہے تو متعلقہ شخص پر اس حکم کا ماننا لازم اور ضروری ہے۔ مثلاً زید نے سوال کیا کہ عمر نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طلاق اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ تو دارالافتاء یہ تحقیق نہیں کرے گا کہ واقعی زید نے اپنی بیوی سے ایسا کہا بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کس کے سامنے کہا ہے؟ اور یہ کہ اس کے گواہ کون لوگ ہیں؟

بلکہ یہ جواب لکھ دے گا کہ بر تقدیرِ صحت سوال صورتِ مسئولہ میں عمر کی بیوی پر ایک طلاقِ رجعی پڑگئی۔

جس قضیہ نامرضیہ کا ذکر میڈیا میں ہو رہا ہے اس میں معتمد دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کیا گیا۔ جس میں وضاحت کے ساتھ حکمِ شرعی لکھ دیا گیا کہ ''گواہوں کی گواہی سے یہ فعل ثابت ہوجائے گا یا اس کا بیٹا اس کی تصدیق کرے یا وہ (عورت) خود اقرار کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔'' الخ

سوال کرنے والا حنفی سنی ہے تو اسے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور شوہر کو چاہئے کہ اگر اس طرح واقعہ صحیح ہے خواہ عورت کے بیان سے جس کی صحت کا شوہر کو یقین ہو رہا ہو یا شرعی گواہ اس کے موجود ہوں تو اسے اپنے بیوی کو قانونِ شریعت کا احترام کرتے ہوئے طلاق دے کر علاحدہ کر دینا چاہئے تا کہ عورت عدت پوری کر کے کہیں اور نکاح کر سکے۔

اور اگر کسی دوسرے مسلک سے ان کا تعلق ہے تو اپنے مسلک کے معتمد علماء سے دریافت کر کے حکمِ شرعی پر عمل کرنا چاہئے۔ حلت وحرمت کا تعلق خالص فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ ہے اللہ کے یہاں جس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔

دوسرے مسلک کے لوگوں کا مان نہ مان ......... اپنے مسلک کا ریلیف تعاون اخبارات کے ذریعہ پیش کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقہی مسائل کا اختلاف نہ جانے کتنے تند و تیز جھونکے کھانے کے بعد آج بھی تر و تازہ باقی ہے اور یہ اختلاف جو صحیح بنیادوں پر ہے ایک رحمت ہی ہے۔ لہٰذا ہونا یہی چاہیے کہ متعلقہ افراد کا جس مسلک سے تعلق ہے وہ اپنے مسلک کے معتمد علماء سے رجوع کریں۔ اخبارات میں بحث ومباحثہ ردّ وقدح کا طریقہ اختیار کرنا عوام الناس کیلئے مشکلات پیدا کرنا ہے۔

اسی طرح حکومت وقت کا اس مسئلۂ حرمت میں مداخلت کرنا مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کہلائے گی جس کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔

**اس واقعہ کا دوسرا پہلو زنا کا ثبوت :** زانی زانیہ پر شرعی حد کا جاری کیا جانا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے معاشرہ کو صاف ستھرا پاکیزہ بنائے رکھنے کیلئے جہاں زنا کی سخت ترین سزا مقرر کی ہے وہیں اس کے ثبوت کیلئے مشکل ترین شرطیں لگادی ہیں کہ چار گواہ متفقہ طور پر عینی شاہد کی حیثیت سے اس بات کی گواہی دیں کہ ہم نے ان دونوں کو ہم بستری کرتے ہوئے اس طرح دیکھا جس طرح سرمہ کی سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے۔ یہ شہادت وہ لوگ اسلامی حکومت کے تحت قائم شرعی عدالت میں دیں جب اسلامی عدالت میں مذکورہ طریق سے جرم کا ثبوت ہوجائے تو اسلامی عدالت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے قوتِ نافذہ اور حاکمہ سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا بلا کسی رو رعایت کے اور بغیر کسی کی بیشی کے مجرمین پر جاری کرے۔ یعنی غیر شادی شادہ مرد وعورت پر سو سو کوڑے شادی شدہ مرد وعورت کو سنگسار کرنے کی سزا جاری کرے۔ زنا جو قانونِ خداوندی کے خلاف ورزی پر مبنی ایک بدترین سنگین جرم ہے۔ اسلئے اس کی جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ حدود اللہ کہلاتی ہے۔ جو خالص اللہ کا قانون اور اس کا حق ہے اسی لئے کسی کو حتیٰ کہ حاکم وقت کو بھی اس کے معاف کرنے یا اس میں کمی کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ حدود اللہ کہی جانے والی سزائیں اللہ تعالیٰ کا نائب خلیفۃ المسلمین یا اس کا نائب یا حکومت وقت۔ یعنی حکومت اپنے تعزیراتِ ہند کے تحت جو سزا مناسب سمجھے جاری کرے، لیکن وہ حدود اللہ نہیں کہلائے گی، کیونکہ وہ اللہ کی حد کو جاری کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

مذکورہ تفصیل کے ساتھ اگر اسلامی عدالت میں زنا کا ثبوت نہیں ہوتا یا اسلامی عدالت موجود نہیں ہے وہاں حدود اللہ قائم نہیں کئے جائیں گے۔ البتہ جرم کے لحاظ سے تعزیر ہوگی جو حکومتِ وقت کے ذمہ ہے جیسا کہ چوری وڈکیتی کی سزا حکومت وقت دیتی ہے۔

حدود اللہ کا معاملہ بہت سخت اور اہم ہے اس کے معیار پر ثبوت بھی مشکل ہوتا ہے۔ اور سزا کا جاری کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ یہ اسلامی عدالت کی ذمہ داری ہے، ہر کس وناکس یا پنچایت وکمیٹی کو اس کا اختیار نہیں ہے، اور شریعت نے حدود کے بارے میں یہ بھی فرمادیا ہے ''ادرؤا الحدود مااستطعتم'' یعنی جہاں تک ہو سکے حدود اللہ کو دفع کرو یعنی شک وشبہ ہو یا اتفاقی واقعہ ہو تو نظر انداز کردو۔ چنانچہ ثبوت میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہوجاتا ہے تو حد ساقط ہوجاتی ہے یعنی اس پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے۔ البتہ جرم وشبہ کی حد تک تعزیر یعنی حد سے کم درجہ کی سزا شرعی عدالت دے سکتی ہے۔

اگر کوئی مرد یا عورت خود زنا کا اقرار کرے اور یہ اقرار اسلامی عدالت میں

ہوتو بھی حاکم کیلئے ہدایت ہے کہ اس سے بے توجہی برتے اور چار مجلسوں میں بار بار چار مرتبہ اقرار کرے تب اس پر اسلامی عدالت زنا کی سزا جاری کرے گی پھر بھی اگر اس اقرار کے درمیان رک جائے یا انکار کردے یا سزا جاری کئے جانے کے دوران انکار کردے تو سزا روک دی جائے گی اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

تیسرا شرمناک اور ناگفتہ بہ پہلو اس واقعہ کا یہ ہے کہ ایک ایسی بات کا چرچا اور تشہیر برملا کی جارہی ہے جس پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر چہ عینی شاہد اس واقعہ کے موجود نہ ہوں یا شروع میں مذکورہ تفصیل کیساتھ انھوں نے نہ دیکھا ہو تو ان کا زنا کا لفظ زبان پر لانا اور کسی پر زنا کی تہمت لگا کر اس کی تشہیر کرنا خود ایک سنگین جرم ہے۔ جس کے کہنے والے یا پھیلانے والے کو حد قذف (تہمت لگانے والے کو ۸۰/ کوڑے دیئے جائیں) جاری کی جائیگی۔ تہمت صرف یہی نہیں کہ خلافِ واقعہ الزام ہو بلکہ واقعہ ہے۔ مگر شرعی شہادت یا شرعی اقرار نہیں پایا جارہا ہے تو بھی ایسے موقع پر زبان بندی کا حکم ہے، اور شریعت اس کو بھی قذف کہتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے (جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو پھر نہ لائے چار گواہ، چار گواہ مرد تو مارو اس کو اسی کوڑے اور نہ مانو ان کی گواہی کبھی۔ سورۂ نور، آیت ۴) دوسری جگہ ارشاد ہے (جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں۔ (النور آیت ۱۹)

مظفر نگر کے اس واقعہ میں نامزد طور پر افراد کا نام لیکر ان کو مشتہر کیا جارہا ہے۔ جو لوگ نامزد افراد کا نام لے کر اس کو مشرق سے مغرب تک مشتہر کررہے ہیں کیا ان کے نزدیک یہ واقعہ شرعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے؟

اگر مثلاً زید اور اس کی بہو ہندہ کے ساتھ اس طرح کا واقعہ ہوجائے تو نہ تو عام لوگوں کو اس کے مشتہر کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ خود زید اور ہندہ کو اقراری جرم کی تشہیر سے کوئی فائدہ ہوگا کیوں کہ دنیا میں اللہ کی حد جاری ہوجانے سے آخرت کے عذاب سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ جہاں اللہ کی حد قائم کرنے کے مواقع نہیں ہیں اس لئے آخرت کے تخفیف عذاب کا فائدہ بھی حاصل نہیں۔

ایسی صورت میں زنا کے عنوان سے اس کی تشہیر اور اس پر بالرضا یا بالجبر کی شقیں نکالنا اور ہر کس و ناکس کا رائے زنی کر کے فواحش کو پھیلانے اور معاشرہ کو مزید گندگیوں سے آلودہ کرنے کے مرادف ہے۔

بے حیائی کی باتوں کو پھیلانا اور اس کی تشہیر کرنا از روئے شرع سخت ناپسندیدہ عمل ہے، عام حالات میں اس طرح کے واقعہ پر پردہ ڈالنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

ایسی عورت قانون اسلام پر عمل کرنے سے مظلوم نہیں ہوئی "من یتّق اللہ یجعل لہ مخرجا" جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے (پریشانیوں سے) نکلنے کی راہ پیدا کرے گا۔

البتہ ناجائز میڈیا کے ذریعہ رسوا کر کے اس پر غیر قانونی سخت ترین ظلم کر کے گناہ بے لذت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

ناگہانی طور پر ایکسیڈنٹ کا حادثہ پیش آجاتا ہے اور عورت بیوہ ہوکر بے یار و مددگار بچوں کی پرورش کرتی ہے، کتنے لوگ فسادات میں حادثہ کا شکار ہوجاتے ہیں عورتیں بیوہ ہوجاتی ہیں وہاں حق تعالیٰ کا تکوینی حکم کام کرتا ہے۔ اور انسان کو سرِ تسلیم خم کرنا ہوتا ہے۔

یہ واقعہ بھی ایک حادثہ سے کم نہیں ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کا تشریعی حکم کام کررہا ہے اس کو ماننا اور تسلیم کرنا ایمان اور سلامتی کا راستہ ہے۔

زین الاسلام القاسمی
۶۳۵، حسن منزل الہ آباد
فون :2651579

# اسلام اور زمانہ کے چیلنجز:

حبیب الرحمٰن اعظمی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور اس کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مخالفین و معاندین کی تعداد ہر دور اور ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے اور اسلام کو اپنے ابتدائے قیام سے آج تک نہ جانے کتنے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، لیکن اس تاریخی شہادت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ علمائے اسلام اور صلحائے امت نے ان تمام فتنوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا ہے اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست دے اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ اسلام پر اول ترین حملہ مادیت کی راہ سے ہوا، موروثی حکومت کے تسلسل اور دولت و ثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں تعیش اور راحت پسندی کا عمومی رجحان پیدا ہوگیا تھا، جس سے یہ خطرہ ہو چلا تھا کہ خدانخواستہ ملت اسلامیہ بھی اگلی امتوں کی طرح تعیش کی نذر نہ ہوجائے اس فتنہ کے مقابلے کے لئے حضرات تابعین کی جماعت میدان میں نکل پڑی اور اپنے وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ اور حرارت ایمانی سے اس سیلاب بلاخیز کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور امت کو اس طوفان سے بچالیا۔

اس کے بعد اسلام پر دوسرا حملہ عقلیت کی راہ سے ہوا، یونانی فلسفہ نے، سطحی ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف ایک طوفان کھڑا کردیا جس سے متاثر ہوکر امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کی قیادت فقہاء و محدثین کر رہے تھے اور دوسرے کی عقلیت زدہ معتزلہ۔ یہ فتنہ چونکہ علمی انداز میں ابھرا تھا اور بدقسمتی سے حکومت وقت کی اسے سرپرستی بھی حاصل ہوگئی تھی اس لئے ایسا معلوم ہونے

لگا تھا کہ اسلامی علوم وعقائد یونانی افکار ونظریات کے مقابلہ میں اپنی توانائی اور سر بلندی قائم نہ رکھ سکیں گے، ان سنگین حالات میں علماء ہی کی صف سے ایک بزرگ کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اس جراءت واستقامت کے ساتھ کہ خلیفۂ وقت مامون الرشید کے تہدیدی فرامین اور معتصم باللہ کے طوق وسلاسل اور تازیانے انکے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کرسکے بالآخر اس مردِ جلیل کی ثابت قدمی کی برکت سے یہ فتنہ سرد پڑ گیا اور امت ایک عظیم خطرے سے مامون ومحفوظ ہوگئی۔

تیسری صدی میں معتزلہ نے اپنی عقلیت پسندی اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کے سہارے اس سوئے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانا چاہا، لیکن امام ابوالحسن اشعری نے جو پہلے اسی کیمپ کے ایک فرد تھے اور ان کے تمام ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف تھے، انکے مقابلے میں آگئے اور بحث ومناظرہ اور زبانی تفہیم وتقریر کے ذریعے ان کے حوصلوں کو پست کردیا اور آئندہ ان کے مقابلے کے لئے سو سے زائد نہایت اہم اور وقیع کتابیں بھی تصنیف کردیں اور ساتھ ہی اپنے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی تیار کردی جس نے ہر عالمی محاذ پر معتزلہ کا تعاقب کیا اور انھیں میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

معتزلہ کی اس شکست کے بعد اسی فلسفۂ یونان کی کوکھ سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا جو اسلام کے حق میں اعتزال سے بھی زیادہ خطرناک تھا' یہ تھا باطنیت کا فتنہ! اس فتنہ کے بانیوں نے اپنی ذہانت اور یونانی فلسفے کی مدد سے دین اسلام کے اصول نصوص اور قطعیات میں تحریف وتنسیخ کا دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ اسلام واہل اسلام کے خلاف قوت وطاقت کا بھی مظاہرہ کیا جس کی بنا پر اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں۔

اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھی صفِ علمائے کرام ہی میں سے ایک مردِ کامل آگئے جنھیں ہم امام غزالی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، انھوں نے براہ راست باطنیوں سے مقابلہ آرائی کے لئے فلسفۂ یونان کو نشانہ بنایا جو اکثر فرقِ باطلہ کا ماخذ و مصدر تھا اور اپنے علمی تبحر، قوت استدلال سے اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان فتنوں کے چشموں کو ہمیشہ کیلئے بند کردیا۔ امام غزالی کے ساتھ اس اہم خدمت میں امام رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔

خیر یہ سارے واقعات زمان ومکان کے اعتبار سے آپ سے دور تر ہیں خود اپنے ملک ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالئے، عہد اکبری میں ''دین الٰہی'' کے عنوان سے اسلام کے خلاف جو عظیم فتنہ رونما ہوا تھا جس کی پشت پر اکبر جیسے مطلق العنان فرماں روا کی جبروتی طاقت بھی تھی، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے ہمنوا علمائے کرام نے اپنے پایۂ استقامت سے اس فتنہ کے سر کو ہمیشہ کیلئے کچل دیا۔

اور اس آخری دور میں سلطنت برطانیہ کے جلو میں الحاد وزندقہ کا فتنہ نمودار ہوا' اس کے مقابلہ میں بھی اگر کوئی جماعت نبرد آزما نظر آتی ہے تو وہ علماء ہی کی جماعت ہے جنہوں نے شہر شہر، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ مدارس کی شکل میں اسلام کی چھاؤنیاں قائم کرکے پورے ملک میں اسلام کے سپاہیوں کا ایک جال بچھادیا۔

چنانچہ ان مدارس کے ذریعے ان طوفان کے رخ کو نہ صرف موڑ دیا گیا بلکہ اسلام کی جڑیں ہندوستان میں اس درجہ مضبوط ومستحکم کردی گئیں کہ دیگر بلاد اسلامیہ میں یہ استحکام تلاش کرنے کے باوجود بھی نہیں ملے گا۔

آج یہودیت ونصرانیت اور ہندواحیاء پرستی نے ایک بار پھر ہمارے جذبۂ ایمانی کا امتحان لینے کے لئے اسلامی افکار ونظریات پر حملہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے شعائر ومآثر پر حملہ شروع کردیا ہے وہ ہماری مقدس کتاب ہمارے عائلی ومعاشرتی قوانین اور ہماری عبادت گاہوں کو ہم سے چھیننے کے درپے ہیں۔ اسرائیل اور امریکہ کی زیر سرپرستی ''فرقان الحق'' نامی کتاب بھی اسی دجالی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کے ذریعہ مسلمانوں کو کتاب الٰہی سے منحرف کرنے کی سازش رچی گئی ہے اس لئے اپنے اکابر واسلاف کی طرح ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہے اور ماضی کے فتنوں کی طرح اپنے جہد وعمل اخلاص وللّٰہیت اور علمی وروحانی رسوخ کے ذریعہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہے، اگر خدانخواستہ ہم نے اس چیلنج کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی تو مستقبل کا مؤرخ ہمارے اس رویے کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

## پروفیسر عابد صدیقی کے مضمون پر تبصرہ:

# اقبال کے افکار کا مختصر جائزہ خطبات کی روشنی میں

از: ابوالنصر مظاہری الہ آبادی

علامہ اقبال نے مدارس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر ۳۰-۱۹۲۹ء میں الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کے سلسلے کے چھ خطبے تحریر کیے، جن میں سے تین خطبات مدارس اور تین علی گڑھ میں پڑھے گئے۔ میسور اور حیدرآباد دکن میں بھی بعض خطبات کا اعادہ کیا۔ پہلی بار یہ خطبات ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ دوبارہ یہ خطبات بعض لفظی ترامیم اور ایک مزید خطبے کے اضافے کے ساتھ ۱۹۳۴ء میں انگلستان میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے Reconstruction of Religious Thought in Islam" کے عنوان سے چھپے - یہ ساتواں خطبہ حضرت علامہ نے ارسطو سوسائٹی لندن (Aristotelian Society) کی دعوت پر ۱۹۳۲ء میں پڑھا۔

علامہ اقبال کے یہ خطبات اسلامی حکمت اور مغربی فلسفہ کا نچوڑ ہیں۔ ان خطبات میں علامہ اقبال نے موجودہ زمانے کے فکری مسائل اور فلسفیانہ موضوعات پر اسلامی حکمت کے حوالے سے تنقید بھی کی ہے اور مغرب کے جدید علوم کی روشنی میں حکمت اسلامیہ کے بعض اہم مسائل کی تشریح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اور اپنے یقین کی حد تک حضرت علامہ نے کامیاب کوشش کی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ کسی

سوال کا قطعی جواب دینا فلسفہ کی حدود سے خارج اور اس کی روح کے منافی ہے، البتہ فلسفہ موجودہ سوالات کو زیادہ قابل فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے اور مسائل کی تفہیم میں نئے ربط اور نئی ترتیب کے ذریعے ان کے نئے رخ اور نئی جہات کی تلاش اس کے منصب میں داخل ہے چنانچہ حضرت علامہ نے خطبات کے مقدّمے میں فلسفے کی حدود اور طریق کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

فلسفیانہ افکار میں کوئی قطعیت موجود نہیں ہوتی میرے پیش کردہ نظریات سے ممکن ہے بہتر اور مناسب نظریات پیش کئے جائیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم فکر انسانی کی روز افزوں ترقی کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے آزادانہ تنقید کا طریقِ کار اختیار کریں۔

حضرت علامہ نے ان خطبات کی تیاری میں یہی طریق کار اختیار کرتے ہوئے انسانی فکر کا جو سرمایہ ان تک پہونچا، اس کی تنقید اور تنقیح کر کے مختلف فلسفیانہ مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اور ایک مرتب نظامِ فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اسلامی الٰہیات کی جدید تعبیر پر مبنی ہے علومِ جدیدہ کی اصطلاحات کی روشنی میں مذہبی واردات کے حوالے سے اسلامی الٰہیات کی یہ تشریح بذات خود بہت مشکل کام تھا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت علامہ نے اس کام کے لیے نہایت ادق اسلوب اختیار کیا۔ ان خطبات کے اس قدر مشکل انگریزی زبان میں تحریر کرنے کا سبب جب حضرت علامہ سے دریافت کیا گیا تو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی روایت کے مطابق حضرت علامہ نے فرمایا:

''مسلمانوں میں دین والا آدمی جب فلسفے کی اصطلاحوں میں بات کرتا ہے تو اس کی بات میں وقار اور وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر محض فلسفے والا آدمی جب دین کی بات کرتا ہے تو اس کی نہ فلسفیانہ حیثیت ہوتی ہے اور نہ دینی لحاظ سے اس میں وزن ۔'' حضرت علامہ بلاشبہ دین والے آدمی تھے۔ وہ مغربی فلسفیانہ افکار، جدید نظریات اور سائنسی انکشافات سے قطعاً مرعوب نہ تھے، اور وہ دنیا کے تمام نظام ہائے حیات پر دین اسلام کی فوقیت کا یقین کامل رکھتے تھے۔ اور وہ دانشِ برہانی کے ذریعے ہی دانشِ قرآنی کی عظمت، فوقیت اور قطعی صداقت کے صدق دل سے قائل ہوئے۔ حضرت علامہ کے ارشاد کے مطابق ان خطبات کا ترجمہ ''تشکیلِ جدیدِ الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے نام سے کیا گیا۔ اس نام کی وضاحت کرتے ہوئے سید نذیر نیازی لکھتے ہیں کہ:

''تشکیل'' ایک نئی فکر کی تشکیل ہے۔ ''الٰہیات'' عقل اور ایمان کا وہ نقطۂ اتصال ہے جس کی بناء علم پر ہے۔ اور ''اسلام'' محسوس حقائق کی اس دنیا میں زندگی کا راستہ ہے۔

عنوان کی اس تشریح سے علامہ کے ان خطبات کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔ فکر کی اس نئی تشکیل کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل کی بنیاد علم بالحواس ہے اور ایمان کی بنیاد علم بالوحی ہے۔ اور اسلام انسان کے فکری ارتقاء میں استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اقبال عقل و فکر اور وجدان و ایمان کو ایک دوسرے معاون قرار دیتے ہیں۔

اسلامی فلسفے کی دنیا میں ان خطبات کے مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اینماری شمل (Dr. Annemari Schimmel) نے Gabrial's Wing میں اور ڈاکٹر سید حسین نصر نے خطبات کے فارسی ترجمے کے مقدمے میں ان خطبات کو دوسری احیاء علوم الدین کہا ہے۔ یعنی جس طرح حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''احیاء علوم الدین'' میں اپنے زمانے کے تمام فلسفوں کا جائزہ لیتے ہوئے عقلی اور فلسفیانہ بنیادوں پر اسلام کی برتری ثابت کی تھی، وہی کام اس دور میں حضرت علامہ نے کیا ہے۔ مذہب کو چند غیر عقلی اعتقادات اور تبرکات کا مجموعہ سمجھنے کی جس غلطی میں مادہ پرست فکر کے حامل فلسفی اکثر گرفتار ہو جاتے ہیں، علامہ نے ان کے افکار پر کڑی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ دین یا اسلام ایک فعال تمدنی قوت کا نام ہے، جو انسانی زندگی کی تمام عملی فکری ضروریات میں اس کی رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے۔ اور اسی بحث کے دوران میں وہ وسیع پیمانے پر فلسفہ، مابعد الطبیعیات، تاریخ، نفسیات، طبیعیات اور ریاضیاتی سائنس کے مشہور نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان مباحث میں ان کا رویہ آزادانہ تنقید کا ہے۔ ان علوم کے معلوم کی نفی کرنا ان کا مقصود نہیں بل کہ معقول تفہیم و تشریح کے ذریعے اس کی حدود کا تعین ہے۔ تلاشِ حقیقت کے سفر میں جدید علوم کا یہ معلوم جب فکر انسانی کو خلاؤں کے بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے تو علمِ بالوحی انسان کی رہنمائی کے لیے آتا ہے۔ اس طرح حضرت علامہ ذات و کائنات کے مسائل کے حل کے لیے روحانی واردات، مذہبی تجربہ اور وجدانی حقائق سے بحث کرتے ہیں، اور مختلف عنوانات کے تحت ان مباحث کو اپنے ساتوں خطبوں پر پھیلا کر نوع انسانی کی فکری رہنمائی کی کوشش کرتے ہیں، جس کے لیے ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپسی کے بعد سے ۱۹۳۸ء میں انتقال تک کے پورے عرصے میں وہ مسلسل بیتاب رہتے ہیں، اردو شاعری پھر فارسی شاعری اور پھر انگریزی کے یہ خطبات سب اسی حکیمانہ شعور کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش ہیں، جو اقبال کو مسلسل غور و تدبر اور فکر و ذکر سے حاصل ہوا، ان خیالات کی ترتیب و اظہار میں حضرت علامہ نے کس قدر دکھ اٹھایا اور کیسے کیسے یاس انگیز لمحات میں انہوں نے اپنے دل میں جلنے والے اس الاؤ کو سرد ہونے سے بچانے کے لیے جدوجہد جاری رکھی اس کا کچھ اندازہ ۱۹۰۹ء ۱۹۲۰ء تک کے ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اس عرصے میں اپنے دوستوں کو لکھے ۱۹۰۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کئے ہوئے ہیں۔ عوام پر ظاہر ہوں تو پھر مجھے یقین واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی ۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراج عقیدت پیش کرے گی۔

خیالات کے اظہار کی یہ تڑپ ہی بالآخر ۳۰۔۱۹۲۹ء میں ان خطبات کے لکھنے کا سبب بنی۔

اب ان خطبات کے مباحث کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے، پہلے خطبے ''علم اور مذہبی مشاہدات'' میں کائنات کی حقیقت اور کائنات کی تغیر پذیری میں انسان کا

منصب، کائنات اور خدا، کائنات اور انسان، انسان اور خدا کے باہمی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کائنات کے بارے میں فلسفہ اور مذہب کے رویہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے مشترک اور غیر مشترک امور سے بحث کرتے ہیں پھر ظاہر اور باطن یعنی مرئی اور غیر مرئی حقائق یا عالم محسوسات اور عالم اقدار وارواح کے بارے میں مختلف مذاہب کا طرزِ عمل بیان کر کے بتاتے ہیں۔ کہ قرآن مطالعۂ انفس وآفاق پر کیوں زور دیتا ہے۔

پھر حقیقت تک رسائی کے ذرائع کی حیثیت سے عقل ووجدان پر بحث کرتے ہیں۔ ان مباحث کے ذیل میں وہ بتاتے ہیں کہ ایمان محض جذبے یا تاثر ہی کا نام نہیں بل کہ اس میں عقل کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مذہبی اصولوں کا انحصار معقولیت پسندی پر ہے۔ لیکن دین وایمان کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر فلسفے اور عقل کے تفوق کو تسلیم کر لیا جائے۔ فکر اور وجدان ایک دوسرے کے مخالف نہیں بل کہ ایک ہی سر چشمے سے فیض یاب ہیں۔ برگساں (Bergson) کا یہ کہنا درست ہے کہ وجدان عقل ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ سقراط اور افلاطون محسوسات کے علم کو غیر حقیقی خیال کرتے ہیں، اس لیے اعیانِ نامشہود (Invisible ideas) پرستار ہیں، جب کہ اسلام باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ اشاعرہ (AshariteThinkers) کا نصب العین اسلام کے معتقدات اور اصولوں کی یونانی جدلیات (Dialectics) کی مدد سے حمایت کرنا تھا۔ کانٹ (Kant) نے انسانی عقل کی حدود واضح کیں، جب کہ غزالی عقلیت کی بھول بھلیوں سے نکل کر صوفیانہ واردات تک پہنچتے ہیں، جن سے عقل وفکر کی محدودیت ان پر واضح ہوئی۔ البتہ وہ اس حقیقت کو نہ پا سکے کہ عقل ووجدان آپس میں مربوط ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام کے اساسی تصورات کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرنے کوشش کی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اگر انسان ترقی پذیر زندگی کی حرکت کو محسوس نہ کرے تو اس کی روح پتھر کی مانند سخت ہو جاتی ہے، اور انجام کار انسان بے جان مادے کی سطح پر آجاتا ہے۔ اس لیے حقیقت مطلقہ کے کلی ادراک کے لیے ہمیں حسی علم کے علاوہ علم باطن بھی سیکھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارے پاس کوئی ایسا مؤثر سائنسی طریق کار نہیں ہے جس کی وساطت سے ہم صوفیانہ شعور کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کر سکیں، جب کہ صوفیانہ مشاہدہ ہی حقیقت کے کلی علم کے حصول کا باعث بنتا ہے۔

دوسرے خطبہ کا عنوان ''مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار'' ہے۔ اس میں انہوں نے ہستی کے تین مدارج یعنی مادہ، حیات اور شعور پر مفصل بحث کی ہے۔ مادیت کی بحث میں انہوں نے نیوٹن (Newton) زینو (Zeno) اشاعرہ، ابن حزم، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell)، برگساں (Bergson)، آئن سٹائن (Einstein)، اور اوس پنسکی (Ouspensky) کے تصوراتِ زمان ومکان کا ذکر کیا ہے، اور پھر قرآنی تصورِ زمان ومکان کا موازنہ ارسطو، آئن سٹائن اور میگ ٹیگر یٹ (Mc Taggart) کے نظریات سے کیا ہے، خدا کے وجود کے بارے میں کائناتی استدلال، غایتی استدلال اور وجودی استدلال کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ہستی مطلق کے یہ تینوں ثبوت لائق تنقید ہیں۔ صرف قرآن حکیم ظاہر وباطن کی خلیج کو پاٹ کر اور وجود کی ثنویت (Dualism) کو ختم کر کے اُس حقیقتِ کاملہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو بیک وقت ظاہر بھی ہے باطن بھی، اول بھی ہے آخر بھی۔

مادے کے قدیم نظریے یعنی زمان ومکان میں اس کے مستقل بالذات ہونے کو آئن سٹائن نے باطل ٹھہرا دیا۔

## تبصرہ:

بعض محققین کے خاص موقعوں پر دیئے گئے لیکچرس جنہیں بڑی اہمیت حاصل ہوئی اور وہ خطبات کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات مدراس (۱۹۲۵ء) اور ڈاکٹر اقبال کے خطبات (۳۴-۱۹۳۰ء) خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

سیرت کے موضوع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کے آٹھ خطبات ہیں جن کے متعلق مولانا علی میاں ندویؒ نے لکھا ہے کہ حسن تعبیر اور اندازِ بیان کا شاہکار نمونہ ہے، فن سیرت کے موضوع پر پورے اسلامی ذخیرۂ معلومات کا عطر نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ (تکبیر مسلسل ص ۷۷۸)

ڈاکٹر اقبال کے خطبات کے تعارف کی حیثیت سے یہ مضمون ''اقبال کے افکار کا مختصر جائزہ خطبات کی روشنی میں'' کے نام سے پروفیسر عابد صدیقی صاحب کے شاہکار قلم سے منظر عام پر آیا ہے۔ اس میں جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اس سے مقالہ نگار نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ کے یہ خطبات بہر صورت مفید ہیں اور اعتقادات ووجدانیات کے غیر عقلی ہونے کی جو دھند کسی عقل وحکمت کے دلدادہ طالب حقیقت کے ذہن ودماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے وہ ان خطبات کے مطالعہ سے چھٹ جائے گی، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ بات وہ ہے جسے مقالہ نگار نے خود لکھا ہے کہ ''فلسفیانہ افکار میں کوئی قطعیت موجود نہیں ہوتی'' اسلامی الٰہیات کی یہ تشریح بذاتِ خود بہت مشکل کام تھا'' ''حضرت علامہ نے اس کام کیلئے نہایت ادق اسلوب اختیار کیا'' تو جب کام بھی مشکل اور اسلوب بھی ادق تو کیا بعید ہے کہ ان کا پڑھنے والا لعقل اور وجدان میں تطابق، نیز قرآنی زمان ومکان کے تصور اور ارسطو آئن سٹائن کے زمان ومکان کے موازنہ میں کسی نئی الجھن میں نہ پڑ جائے۔

مقالہ نگار نے علامہ کے فکری رجحان اور ان کے نقد وتحقیق کا جو تعارف کرایا ہے کہ ''مذہب کو چند غیر عقلی اعتقادات وتبرکات کا مجموعہ سمجھنے کی جس غلطی میں مادہ پرست فکر کے حامل فلسفی اکثر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ علامہ نے ان کے افکار پر بڑی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ دین اسلام ایک فعال تمدنی قوت کا نام ہے جو انسانی زندگی کی تمام عملی، فکری ضروریات میں اسکی رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے'' بالکل صحیح ہے اور یہ بھی

چھٹ جائے گی، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ بات وہ ہے جسے مقالہ نگار نے خود لکھا ہے کہ ''فلسفیانہ افکار میں کوئی قطعیت موجود نہیں ہوتی'' اسلامی الٰہیات کی یہ تشریح بذاتِ خود بہت مشکل کام تھا'' ''حضرت علامہ نے اس کام کیلئے نہایت ادق اسلوب اختیار کیا'' تو جب کام بھی مشکل اور اسلوب بھی ادق تو کیا بعید ہے کہ ان کا پڑھنے والا ال عقل اور وجدان میں تطابق، نیز قرآنی زمان ومکان کے تصور اور ارسطو آئن سٹائن کے زمان ومکان کے موازنہ میں کسی نئی الجھن میں نہ پڑ جائے۔

مقالہ نگار نے علامہ کے فکری رجحان اور ان کے نقد و تحقیق کا جو تعارف کرایا ہے کہ ''مذہب کو چند غیر عقلی اعتقادات و تبرکات کا مجموعہ سمجھنے کی جس غلطی میں مادہ پرست فکر کے حامل فلسفی اکثر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ علامہ نے ان کے افکار پر بڑی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ دین اسلام ایک فعال تمدنی قوت کا نام ہے جو انسانی زندگی کی تمام عملی، فکری ضروریات میں اسکی رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے'' بالکل صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ڈاکٹر اقبال ذات وکائنات کے مسائل کے حل کیلئے وہ روحانی واردات، مذہبی تجربہ اور وجدانی حقائق سے بحث کر کے نوع انسانی کی فکری رہنمائی کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ایک جگہ وہ لکھتے ہیں ''البتہ وہ (امام غزالیؒ) اس حقیقت کو نہ پاسکے کہ عقل و وجدان آپس میں مربوط ہیں۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں عقل کے درجات ثلاثہ سے کون سا درجہ مراد ہے، اگر درجہ وسط کی حکمت مراد ہے تو وہ مربوط ہے اور اگر درجہ تفریط یا درجہ افراط یعنی سفاہت یا جزبرہ مراد ہے تو اس کے ربط کا کوئی سوال نہیں۔ اور درجہ وسط بھی ایک خاص حد تک ہی مربوط ہے۔ اس کے آگے کی وجدانیت تو عقل کے وراء الوراء ہے۔ ہاں خلاف عقل نہیں ہیں۔ لیکن عقل کی رسائی ان تک نہیں ہو پاتی یہی وہ حقیقت اور راز ہے جس کو امام غزالیؒ نے پایا اور اندازہ ہے کہ علامہ نے بھی ضرور پالیا ہوگا، ممکن ہے یہاں مقالہ نگار سے مقام کی تشریح میں کچھ تعبیر کا فرق پڑ گیا ہو۔

علامہ اقبال نے چونکہ اسلام کے اساسی تصورات کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اور جیسا کہ مقالہ نگار نے ذکر کیا ہے کہ علامہ اقبال نے قرآن کے تصورات زمان ومکان کا ارسطو اور آئن سٹائن کے تصورات زمان ومکان سے موازنہ کیا ہے تو ان ابحاث میں ڈاکٹر اقبال جیسا محقق بھی اپنے قلم کو کجی، انحراف یا لغزش سے بچالے جائے تو بڑا کمال ہے کیونکہ اس میں تعبیرات یقیناً بڑی موحش ہوتی ہیں۔ ''اسی بنا پر مولانا علی میاں ندویؒ نے اقبال سے اپنی گہری وابستگی اور عالم اسلام کو ان کی شخصیت اور شاعری سے روشناس کرانے کے باوجود ان کے خطبات سے اتفاق نہیں کیا'' بلکہ ارشاد فرمایا کہ ''ان [illegible] کے خطبات میں بہت سے [illegible]

## اظہارِ حقیقت:

اللہ کے فضل وکرم سے انتہائی قلیل مدت میں تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ماہنامہ ''شاہراہِ علم'' کا خصوصی شمارہ مختلف فرقوں، تحریکوں، عصری تقاضوں اور لائحۂ عمل کے متعلق منظرِ عام پر لانے کی سعادت مل رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں کتابت کی، جملوں اور مضامین کی ترتیب کی کچھ فروگذاشتیں اہلِ علم و دانش کو کھٹکیں گی، ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں، اور درخواست کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح کی تصحیح کے تعلق سے ہم آپ کے تعاون کے بے حد مشکور ہوں گے۔ (ادارہ)

## مصادر ومراجع


ماہنامہ ''آب حیات''

امداد الباری شرح بخاری

ماہنامہ ''حقانیہ''

ماہنامہ ''دارالعلوم''

فرق معاصرة

الموسوعة الميسرة فی المذاهب والاحزاب والادیان المعاصرة

ماہنامہ ''نصرة العلوم''

ماہنامہ ''القاسم''

ماہنامہ ''الشریعة''

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت''

ماہنامہ ''البلاغ'' بمبئی

ماہنامہ ''دعوت وعزیمت'' (دھام پور)

دور حاضر کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی

تجدد پسندی

ماہنامہ ''الفرقان'' مولانا منظور نعمانی

تحفۂ خیر خواہی

کتابچہ مناع للخیر (مفتی عبدالقدوس رومی)

ماہنامہ ''دارالعلوم'' (دیوبند)

ماہنامہ ''دارالعلوم'' (دہلی)

فتاویٰ حقانی

بینات

آئینۂ پرویزیت

ماہنامہ ''جہانِ کتب''

ماہنامہ ''فکر اسلامی''

ماہنامہ ''وفاق المدارس''

ماہنامہ ''الخیر''

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی

ہفت روزہ ''المجتمع'' کویت

ماہنامہ ''الفاروق''


☆......☆......☆